نقوش

میرانیس نمبر



ٹیلیفون نمبر ۵۳۵۲۵
رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

انیس نمبر (نسخۂ لاہور)

[۲۹-غیر مطبوعہ مرثیے]

شمارہ نمبر ۱۲۸
نومبر ۱۹۸۱ء

مدیر
محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اُردو ○ لاہور

قیمت عام شمارہ [redacted]

قیمت لائبریری ایڈیشن [redacted] روپے

سنہ ۱۹۸۲ء

ادارہ نقوش کا سالِ سیرت ہو گا

موجودہ

نمبر کے بعد ہمارا سارا دھیان

رسولؐ نمبر

کی اشاعت پر مرکوز ہوگا۔ خواہش اور کوشش ہوگی
کہ سنہ ۱۹۸۲ء کا سال رسولؐ نمبر کی اشاعت کے لیے
وقف ہو اور ہر تیسرے مہینے آپ کی خدمت میں ۲½ سو
صفحات کی جلد پیش ہوتی رہے۔

[باقی اعلان دوسرے صفحہ پر]

فہرست

[1] اس مرثیے میں ۲۹ بند غیر مطبوعہ ہیں، — ۱۰ مرثیوں کا تو اس سے پہلے کوئی بند بھی شائع نہیں ہوا ——— تفصیل صفحہ ۴ پر ملاحظہ فرمائیں

اضافہ

محمد طفیل پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا۔

تفصیل مراثی

وضاحت

- جو غیر مطبوعہ مرثیے ہیں۔ وہ مختلف بیاضوں سے دستیاب ہوئے ۔
- جو مرثیے تلاش کیے گئے ان کی صورت یہ ہے کہ دو مرثیے مونسؔ کے ایک مرثیہ رئیسؔ کا اور ایک مرثیہ اُنسؔ کا شامل ہے۔ جو غلطی سے ان کے نام سے شائع ہو گئے، اصل میں یہ مرثیے میر انیسؔ کے ہیں ۔
- جو مرثیے مطبوعہ ہیں۔ اُن میں بھی ۲۶۹ بند غیر مطبوعہ ہیں۔ یوں یہ مطبوعہ مرثیے بھی، موجودہ صورت میں غیر مطبوعہ ہیں ۔

(ادارہ)

طلوع

میرے دل میں کاموں کا میلہ لگا ہے۔ لفظی دکانیں سجی ہیں۔ لفظ میرا نام لے کر مجھے پکارتے ہیں۔ مجھے رُکنا پڑتا ہے۔
لفظ مجھ سے کہتے ہیں: ہمیں اپناؤ، ہمیں اپناؤ!
میں انسان ہُوں، میرے بس میں سب کچھ نہیں۔ اس لیے سارے لفظوں کا کہا نہیں مان سکتا۔ یا ایک ساتھ نہیں مان سکتا۔ لہٰذا انھیں اپنے دل میں بسا لیتا ہُوں۔ باری باری ان کے قریب جا کر بیٹھ جاتا ہوں۔ احوال سُنتا بھی ہُوں۔ احوال سناتا بھی ہُوں۔
لفظ کہتے ہیں: ہم ایک صدی سے تمھارا انتظار کر رہے تھے —— ہم دو صدیوں سے!
احسانمندی کے جذبہ سے میری گردن جُھک جاتی ہے۔
ہاں، اب کے جو احوال سُنا تو جسم کانپنے لگا۔ دل ڈوبنے لگا۔ میں نے لفظوں سے بار بار کہا، خدا کے لیے چُپ ہو جاؤ!۔ خدا کے لیے چُپ ہو جاؤ۔

مگر الفاظ بضد تھے۔ سُنو، سُنو!

مجھے ایسا محسوس ہوا' جیسے وہ ملکوتی آواز' فردوسیِ وقت میر انیس کی ہو۔ جو وہبی قوتوں کی طرح اثرانداز ہو رہی تھی۔ ذکر نواسۂ رسولؐ کا تھا۔ ذکر حضرت عباسؓ کا تھا۔ ذکر علی اصغرؑ کا تھا۔ ذکر حضرت زینبؑ کا تھا۔ ذکر حضرت کلثومؓ کا تھا۔ غرض وہ ذکر سُنا نہ جاتا تھا۔ کپکپی طاری ہو گئی۔
جب اپنے آپ کو سنبھالا، تب وہ الفاظ جو میں نے سُنے تھے، جو لفظوں کے نگینے تھے، انھیں یکجا کیا۔ تاکہ دولتِ بیدار کو حق داروں کے حوالے کر سکوں!
وہ تو ہو گیا۔
مگر اِن الفاظ کے سننے میں جو کیفیت مجھ پر وارد ہوئی۔ وہ آپ پر اُس وقت طاری نہیں ہو سکتی جب تک کہ میری طرح' آپ بھی لفظوں کی کربلا میں کھڑے نہ ہوں۔

★

محمد طفیل

اِس شمارے میں

ایک دن سوچا، میر، غالب اور اقبال کے بعد چوتھا بڑا شاعر کون ہے ؟ ذہن نے جھٹ فیصلہ کر دیا ——— میر انیس۔
اگر موضوع کی پاکیزگی اور بلندی کو دھیان میں رکھیں تو میرؔ اور غالبؔ بھی کٹ جاتے ہیں۔ اقبال اور انیس میدان میں رہ جاتے ہیں۔
پہلے تین شاعروں پر ادارۂ نقوش بساط بھر کام کر چکا ہے۔ تھوڑا بہت جو باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی ہو جائے گا۔ سب کچھ گرہ میں ہے۔ صرف خونِ دل کی نمایش باقی ہے۔

باقی رہ گئے تھے میر انیسؔ! اِن کے بارے میں کچھ کرنے کا خیال ضرور تھا۔ مگر محض نمبر چھاپنا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ بڑی بات یہ تھی کہ کچھ ایسا نایاب[1] مواد چھاپا جاتا جو زندہ رہنے والا ہوتا۔ لیجئے وہ آرزو بھی پوری ہوئی۔ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کی تحریریں مل گئیں اور کاغذ پر زندہ لفظوں کی سبیلیں لگ گئیں۔

آپ نے چیونٹی کو دیکھا ہوگا۔ وہ ریزہ ریزہ جمع کرتی ہے۔ جب برسات کا موسم آتا ہے تو وہ بر بناتے احتیاط اپنا جمع جتھا بل کے سوراخوں سے نکال کر باہر ڈھیر کر دیتی ہے تاکہ ضائع نہ ہو۔

غرض میری بھی زنبیل میں جو کچھ سجا رکھا ہے، وہاں سے ایک اور لعل کو اٹھا کر آپ کی نذر کر رہا ہوں کیونکہ مجھے بھی برسات سے ڈر لگتا ہے۔

[محمد نقوش]

---

[1] مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر اکبر حیدری اپنے نامکمل کاموں کو میرے سپرد اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں مکمل میں کروں، یا بنا سنوار کر پیش کروں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نسخہ اُس نسخے سے بہتر نظر آئے گا جو کہ ہندوستان میں چھپا۔ پھر اس نسخے میں مزید غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔ جو مرثیے یا بند غیر مطبوعہ ہیں۔ اُن کی فوری پہچان کے لیے میں نے اسٹار (★) کا نشان بنا دیا ہے۔ اس لیے کہ ہزاروں آدمیوں سے ایک شخص کی دیدہ ریزی بھلی!

بہرحال ڈاکٹر اکبر حیدری کا جو احسان اردو ادب پر ہے، وہ تو ہے ——— شکایتوں کے باوجود خدا انھیں خوش رکھے۔ (م۔ط)

باقیاتِ انیس

ترتیب و مقدمہ

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

اِبتدائیہ

لیجیے انیس نمبر کی جلد اول حاضر ہے۔ یہ میر انیس کے ۹۰[1] نایاب اور غیر مطبوعہ مرثیوں پر مشتمل ہے۔ پورے مسودے کی کتابت مکمل ہو چکی تھی کہ بعض باتیں دریافت ہوئیں جن کا ذکر کرنا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مرثیہ ۱؎ کھولا علم جو خسروِ زرّیں کلاہ نے ۱۵۱ بند

اس کے پانچ قلمی نسخے میر انیس کے نام سے مل گئے۔ تین مسعود صاحب اور دو رشید صاحب کے پاس ہیں۔ ڈاکٹر صفدر حسین صاحب بھی اسے میر انیس کا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ مرثیہ نائب حسین نقوی صاحب نے "آج کل" میر انیس نمبر میں جون ۱۹۷۵ء میں میر انیس کے نام شائع کیا تھا۔

مرثیہ ۲؎ ہند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے ۱۰۳ بند

یہ مرثیہ میر انیس کی جلدوں میں چھپا ہے اور آج تک انہی کے نام سے مشہور تھا۔ دراصل یہ میر انس کا ہے۔ اس کے کئی قلمی اور مطبوعہ نسخے رشید صاحب کے پاس موجود ہیں۔ قلمی نسخوں میں ۹۶، اور مطبوعہ میں ۱۰۲ بند ہیں۔ مطبوعہ مرثیے کے سرورق پر "از تصنیفات جناب میر مہر علی صاحب انس سلمہ" درج ہے۔ مقطع یہ ہے ؎

بس انس اب اس غم سے جگر سینے میں شق ہے — اب تابِ سماعت نہیں یہ دل کو قلق ہے
حق یہ ہے کہ بس مرثیہ گوئی کا یہ حق ہے — جو بند ہیں ماتم کے مرقع کا ورق ہے
دعوٰی ترا سب سچ ہے یہ کچھ لاف نہیں ہے
افسوس مگر خلق میں انصاف نہیں ہے

مرثیہ ۳؎ سب سے جدا روش مرے باغِ سخن کی ہے ۱۶۳ بند

مرثیہ بغیر مقطع کے جلد پنجم قدیم اور جلد پنجم جدید عبدالحسین میں ۱۶۲ بند میں چھپا تھا۔ اس کے متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخے میر انس کے نام جناب رشید صاحب کی جلد دوم (مراثی قلمی و مطبوعہ میر انس) میں راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔ مطبوعہ نسخے کے آخر میں ذیل کی عبارت بھی چھپی ہے۔

"مطبوعہ گلزار محمدی لکھنؤ چوک اکبری دروازہ پریس محمد وزیر ۱۲۸۵ھ"

ابتدا میں یہ عبارت مندرج ہے :

"تصنیف لطیف جناب قبلہ و کعبہ میر مہر علی صاحب انس دام اقبالہ"

---

[1] تیس مرثیوں کا مزید اضافہ کیا گیا

مقطع یہ ہے:

اے انیسؔ گو ملول ہے طبعِ رسا کمال — پر دیکھیے تو بند سے ہے بند بے مثال
کس حسن سے رقم کیا ابنِ حسنؑ کا حال — سحرِ حلال ہے یہ اگر کیجئے خیال
رنگیں کیا ہے نظمِ فصاحت نظام کو
زیور پہنا دیا ہے عروسِ کلام کو

مرثیہ ۴ خورشید فلک عکسِ در تاجِ علیؑ ہے ۱۴۰ بند

اس کے تین قلمی اور دو مطبوعہ نسخے ملے ہیں اور سبھی نسخے میر انیسؔ کے تخلص سے ہیں۔ مرثیہ غلطی سے انسؔ کے نام "ریحانِ غم" میں چھپا ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق یہ انیسؔ کا ہی ہے۔

مرثیہ ۵ تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتیٰ کی مدح ۱۱۷ بند

اس مرثیے پر مقدمے میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ مسعود صاحب کی ملکیت میں بھی انیسؔ کے نام سے ہی تھا۔ ان کی ایک خطی تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرثیہ انیسؔ کا ہی ہے۔ لیکن غلطی سے مونسؔ کی جلد دوم میں چھپا ہے۔

مرثیہ ۶ جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابد ۹۷ بند

یہ مرثیہ انیس کی مطبوعہ جلدوں میں ۸۹ بند میں ہے۔ لیکن جناب مسعود حسن رضوی کے پاس اس کا جو قلمی نسخہ تھا اس میں ۹۷ بند ہیں۔ آخری بند یعنی مقطع دو طرح پر لکھا گیا ہے۔ ان دونوں پر ۹۷ کا ہندسہ ڈالا گیا ہے۔ دونوں صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

بند، ۹۷ خاموش انیسؔ آگے سماعت کی نہیں تاب — کم گوئی سے تری ہے بجا شکوۂ احباب
جاری عوضِ اشک ہوا، چشم سے خوناب — کر دے گا خدا مرثیہ گوئی کا بھی اسباب
غمگیں نہ ہو آقا تری امداد کریں گے
مدّاح ہے جن کا وہ تجھے یاد کریں گے

بند، ۹۷ اب وقتِ خموشی ہے انیسِ جگر افگار — بے تاب ہیں رقّت سے شہِ دیں کے عزادار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیّدِ ابرار — ہوں آپ کی سرکار سے عزّت کا طلبگار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجئے مولا
ناقدروں کے احساں سے بچا لیجئے مولا

یہ مرثیہ ۱۱ر شوال ۱۲۵۵ھ (مطابق ۱۸۳۹ء) کو نقل کیا گیا تھا۔ مطبوعہ جلدوں میں دُوسرا مقطع درج ہے۔ پہلا مقطع کہیں نہیں ملتا۔

مرثیہ ۷ جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے ۱۵ بند

مسعود صاحب کے پاس اس مرثیے کا آخری بند مقطع دو طرح پر لکھا گیا ہے۔ دونوں صورتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) کہہ کر یہ سخن مر گئے عباسِ خوش اطوار چلّاتے رہے شاہ، علمدار، علمدار
جس درد سے عباس کو رونے شہِ ابرار لکھنے کی نہیں تاب انیسِ جگر افگار
دن رات دعا ہے یہی درگاہِ خدا میں
اک قبر کی جا پاؤں جوارِ شہدا میں

(۲) خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی دیکھی ترے دریائے طبیعت کی روانی
بے مثل ہیں ہرچند یہ الفاظ و معانی تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
مدّاحِ عباس کروں منہ مرا کیا ہے
امدادِ محمدؐ ہے یہ تائیدِ خدا ہے

یہ مرثیہ ۹ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ (مطابق ۱۸۳۹ء) کو نقل کیا گیا تھا۔ مطبوعہ جلدوں میں پہلی صورت درج ہے اور اس میں ۹۹ بند ہیں۔ دُوسرا مقطع کہیں نہیں ملتا ہے۔

مرثیہ ۸ جب رفیقانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کام آئے (قلمی)

اس مرثیے کے دُو مطلعے یکے بعد دیگرے ہیں۔ پہلا مطلع متن میں اور دُوسرا حاشیے میں ہے۔ ذیل میں دونوں قلمبند کیے جاتے ہیں:

(۱) جب رفیقانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کام آئے شہ کے پیاروں کے لیے موت کے پیغام آئے
جنگ کو حضرتِ زینبؑ کے گل اندام آئے غل ہوا شیر میانِ سپہِ شام آئے
جان اپنی جسے کھونا ہو وہ پیاسوں سے لڑے
کس میں طاقت ہے جو حیدرؑ کے نواسوں سے لڑے

(۲) وشت جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے غل پڑا بُرجِ شرافت کے ستارے آئے
جنگ کو لاکھوں سے دُو پیاس کے مارے آئے شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے
ان کے نانا ہیں علیؑ، صاحبِ شمشیر ہیں یہ
ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں، دو شیر ہیں یہ

یہ مرثیہ یکم جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ (مطابق ۱۸۳۹ء) کا نقل کیا ہوا ہے اور پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار (مطبع نول کشور) جلد سوم میں ۴۲ بند میں ناقص چھپا تھا۔ پھر اسے ذیل کی عبارت کے ساتھ عبدالحسین نے مطبع دبدبۂ احمدی کی جلد ششم قدیم میں ص ۳۰ میں ۷۴ بند میں شائع کیا تھا:

"واضح ہو کہ یہ مرثیہ غلط اور ناقص ۳۵ بند کا مطبوعہ جلد سوم مطبع اودھ اخبار میں چھپا تھا۔ اب کامل و صحیح

۴ ، بند کا چھاپا گیا۔"
عبد الحسین نے اسے دوسرے ایڈیشن جلد ششم جدید میں خارج کیا ہے۔ مرثیہ نایاب ہے۔ جناب سید مسعود حسن رضوی صاحب کے کتاب خانے میں مرثیے کا ایک اور نسخہ میر سلامت علی رضوی شاگرد میر انیس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر ۲۵ رجمادی الاول ۱۲۹۳ھ کی تاریخِ کتابت بھی درج ہے۔ مرثیہ دُوسرے مطلع سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا مصرعہ یُوں ہے،

عرصۂ جنگ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے

اس میں ۴۲ بند ہیں۔ پُورا مرثیہ ترتیب دے کر باقیاتِ انیس کی جلد دوم میں شامل کیا جائے گا۔

مراثی انیس مطبع نولکشور، مطبع جعفری، مطبع دبدبۂ احمدی، مطبع شاہی لکھنؤ اور نظامی بدایونی کی جلدیں عرصے سے نایاب ہیں۔ پاکستان میں نائب حسین نقوی کی مرتب کردہ جلدیں شیخ غلام علی اینڈ سنز نے لاہور میں شائع کیں۔ یہ چاروں جلدیں اغلاط سے مملو ہیں اور بقول ڈاکٹر صفدر حسین ان جلدوں میں آٹھ ہزار سے زیادہ غلطیاں موجود ہیں۔ سید یوسف حسین شائق نے "کلامِ انیس کی اشاعتوں میں غلطیاں" کے تحت بعض مرثیوں کی فاش غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ بیگم صالحہ عابد حسین نے "انیس کے مرثیے" کی ترتیب کے لیے نقوی صاحب کی جلدوں کو بنیادی نسخے قرار دیا ہے اس لیے ان کے مرتب کردہ مرثیے بھی غلط، بے ترتیب اور ناقص ہیں۔ جناب تیج کمار صاحب مالک مطبع نولکشور لکھنؤ نے مراثی انیس کی چاروں جلدوں کو حال ہی میں مارچ ۱۹۶۰ء میں جناب سید محمد میرزا مہذب لکھنوی، پدم شری، مولف "مہذب اللغات" نے از سرِ نو ترتیب دے کر شائع کیا۔ چاروں جلدوں کی قیمت نوّے روپے ہے۔ جناب مہذب صاحب چوتھی جلد کے آخر میں صفحہ ۴۳۲ میں حسب ذیل انکشاف فرماتے ہیں،

"پہلی مرتبہ حضرت انیس کی جلدیں نولکشور پریس میں طبع ہوئیں تو انیس زندہ تھے۔ انیس نے طباعت کی غلطیوں کو ملاحظہ فرما کے جناب انس و مونس کو حکم دیا کہ اصل سے مقابلہ کر کے صحت کر دو۔ چونکہ سید محمد محسن ذوالقدر جونپوری کے جد مرحوم اس خاندان کے شاگرد تھے حضرت انس و مونس نے کئی ماہ قیام کر کے جلدوں کی صحت کی، جواب تک موجود ہیں۔ حضرت انیس کا کلام کثرت سے طبع ہوا۔ مختلف پریسوں نے چھاپا۔ خود مطبع نولکشور میں متعدد بار جلدیں طبع ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ میر انیس اور مرزا دبیر کے اصلی مرثیے اصلی حالت میں اور صحیح طور پر نہیں چھپے۔ ان میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں اور کچھ ان لوگوں کی حسب موقع تحریفیں جنھوں نے مرثیے پڑھے۔ کہیں کہیں پرانے محاورات بھی ہیں جو اب متروک ہو گئے۔

ڈاکٹر تیج کمار کی ادب دوستی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ انیس کے کلام میں غلطیاں رہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ آپ طباعت کی غلطیوں کو دُور کر دیجئے۔ بہر حال، میں اگرچہ نظر کا کمزور انسان ہوں پھر بھی منظور کر لیا۔ چھوٹے فرزند مجرب سلمہٗ سے پڑھوا کے پہلے تو اصل کتاب کی غلطیوں کو دُور کر دیا اس کے بعد پروف از اول تا آخر بڑی محنت و جانفشانی سے پڑھے۔ میں خاندانی مرثیہ گو اور مرثیہ خواں ہوں۔ تقریباً ۵۰ مرثیوں کا مصنف ہوں۔ تمام ہندوستان میں مجلسیں پڑھتا ہوں۔ میرا تعلق خاندان حضرتِ عشق و تعشق سے ہے۔ میں فنِ شاعری و مرثیہ گوئی سے واقف ضرور ہوں۔ پھر بھی صاحبانِ نظر و ادب سے استدعا ہے کہ اگر اتفاق سے اب بھی کہیں غلطی رہ گئی ہو جو مقتضائے بشریت ہے، تصحیح

فرماتے ہوئے مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ قوی امید ہے کہ صاحبانِ علم وفن جو اب جلدیں طبع ہوئی ہیں ان کے ملاحظہ کے بعد ڈائرکٹر مطبع جناب تیج کمار صاحب بالقابہ کا شکریہ ادا کریں گے۔ میری نظر میں اتنی محنت وجانفشانی اور اتنی صحت کے ساتھ شاید اب تک کلامِ انیسؔ شائع نہ ہوا ہوگا۔"

مہذبؔ صاحب کا متذکرہ بالا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے کہ مراثی انیسؔ مطبع نول کشور کی جلدیں انیسؔ کی زندگی میں شائع ہوئی تھیں۔ اصل میں یہ جلدیں مطبع اودھ اخبار (موسوم بہ مطبع نول کشور) میں انیسؔ کے انتقال کے تقریباً دو سال بعد نومبر ۱۸۷۶ء کو چھپنا شروع ہوئی تھیں۔ یعنی پہلی جلد اسی تاریخ کو چھپی تھی۔ مہذبؔ صاحب کی مرتب کردہ جلدیں نہ صرف غلط، بے ترتیب اور ناقص ہیں بلکہ گمراہ کن بھی۔ موصوف نے ان جلدوں پر اصلاح اور تحریفیں وسیع پیمانے پر کی ہیں۔ ان کا یہ کہنا بھی بعید از حقیقت ہے کہ انھیں نے "از اوّل تا آخر ان جلدوں کے پروف پڑھے ہیں اور اب یہ جلدیں پہلی مرتبہ صحت کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔" راقم کی نظر میں یہ جلدیں بیکار ہیں ان میں ہزاروں غلطیاں موجود ہیں۔ جناب مہذبؔ صاحب نے بھی جناب نائب حسین نقوی کی طرح میر انیسؔ کے دوش بدوش منشی نول کشور کو بھی غلط جلدیں شائع کرا کے اُلٹی چھری سے ذبح کیا۔ ان دونوں بزرگواروں سے کلامِ انیسؔ کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک مراثی انیسؔ کی جلدیں مستند قلمی نسخوں سے ترتیب دے کر از سرِ نو شائع نہ کی جائیں۔ قلمی نسخوں میں بہت سے مرثیے ایسے ہیں جن میں بندوں کی تعداد مطبوعہ مرثیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ زیر نظر کتاب میں ذیل کے مرثیے اس لیے شامل کیے جاتے ہیں کہ ان میں متعدد بند ہنوز غیر مطبوعہ ہیں:

۱۔	یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر	مطبوعہ	۱۸۲ بند	قلمی	۲۲۱ بند
۲۔	کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا	"	۱۶۸ بند	"	۲۱۲ بند
۳۔	جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا	"	۱۰۳ بند	"	۱۵۶ بند
۴۔	عباس علی شیرِ نیستانِ نجف ہے	"	۵۹ بند	"	۱۰۸ بند

مقدمہ کتاب میں جناب سید نائب حسین نقوی صاحب کا تذکرہ زیادہ ہے۔ بعض حلقوں میں ان کو میر انیسؔ کے بارے میں حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا اور ان کے بیانات مستند قرار دیے جاتے تھے۔ اندیشہ تھا کہ ان کی بعض غلطیاں اسناد کا درجہ حاصل نہ کر لیں اس لئے راقم نے بطورِ خاص ان غلطیوں کی نشان دہی کرنا مناسب سمجھا۔ راقم کو اس بات کا احساس ہے کہ ان کے بارے میں زبان کا جو لہجہ قدرے تلخ نظر آتا ہے وہ کسی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ موصوف کی عدمِ معلومات کے خلاف ایک طرح کا احتجاج ہے۔

مسودے کی کتابت ہو چکی تھی کہ جناب ڈاکٹر نیر مسعود صاحب نے اپنے والد مرحوم جناب سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے دستِ خاص کی ایسی بیش بہا تحریریں فراہم کیں جن کی بدولت ان کے کتاب خانے کے تمام قلمی مرثیوں کی فہرست مرتب ہو سکی۔ یہ مرثیے ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور ان میں میر انیسؔ کے مرثیے تین سو کے قریب ہیں اور اکثر و بیشتر مرثیے میر سلامت علی رضوی شاگرد میر انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ انیس نمبر کی اس جلد میں "اشاریۂ قلمی مراثی" میں مسعود صاحب کے مرثیوں کی مکمل فہرست شامل نہیں ہو سکی۔ اس لیے صرف انہی مرثیوں کے مطلعے علٰحدہ طور پر نقل کیے گئے ہیں جن کے آخر میں سالِ کتابت بھی درج ہے۔ اس طرح "اشاریہ"

ان قلمی مرثیوں سے مرتب کیا گیا ہے جو جناب مسعود حسن رضوی، جناب مہاراجکمار صاحب، جناب سید محمد رشید صاحب اور مرزا امیر علی صاحب کی مِلک ہیں۔ راقم ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انھوں نے فراخدلی سے تعاون کیا۔

(۲)

عرصے سے جناب مرزا امیر علی جون پوری اِس بات پر مُصِر تھے کہ میر انیس کے غیر مطبوعہ اور نایاب مرثیوں کا مجموعہ ترتیب دے کر شائع کیا جائے۔ چنانچہ موصوف نے یہ کام راقم کے سپرد کیا۔ ادھر "انیس سنٹرل کمیٹی" دہلی کے اربابِ اقتدار برابر یہ اعلان کرتے رہے کہ ادارہ انیس کمیٹی نائب حسین نقوی صاحب مرحوم کے مرتب کردہ غیر مطبوعہ مراثی انیس کا مجموعہ شائع کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں نقوی صاحب مرحوم نے ماہنامہ "آج کل" دہلی کے میر انیس نمبر مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء میں مراثی انیس کی ایک فہرست بھی شائع کروائی تھی جو بقول ان کے غیر مطبوعہ تھے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق نقوی صاحب مرحوم کی وہ غیر مطبوعہ مراثی کی فہرست بے بنیاد اور گمراہ کن ہے، وہ سبھی مرثیے چھپ چکے ہیں۔ موصوف نے مطبوعہ نول کشور کے مجموعہ مراثی کو غلام علی اینڈ سنز لاہور سے "مراثی انیس" کے عنوان سے چار جلدوں میں ۱۹۵۸ء میں شائع کرایا۔ موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے مراثی انیس تصحیح و ترتیب دے کر چار جلدوں میں پاکستان میں شائع کیے ہیں۔ راقم الحروف نے جب ان جلدوں کا مطالعہ کیا تو اس نے یہ رائے قائم کر لی کہ مطبوعہ مراثی انیس میں نقوی صاحب مرحوم کی مرتبہ جلدیں تمام مطبوعہ مراثی انیس کے مقابلہ میں اغلاط سے مملو ہیں۔ چاروں جلدوں میں زبان و الفاظ اور کتابت کی غلطیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں ان میں دُوسرے شاعروں کے الحاقی مرثیے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

(۱) "نول کشور کی جلدوں کی طباعت علی الترتیب یوُں ہے۔ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ جلد اول، اس کے تین سال بعد ۱۲۹۶ھ میں جلد دوم، سوم اور بیسویں صدی کے پہلے دہے میں غالباً ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں چوتھی جلد شائع ہوئی۔" (قومی آواز مورخہ ۲ اپریل ۱۹۷۷ء)

نقوی صاحب نے راقم کی گزشتہ اشاعتوں کی تردید کی تھی۔ ان کی نظر سے مطبوعہ نول کشور کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن نہیں گزرا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس کی تفصیل بیان فرماتے۔ بہرحال قارئین کی واقفیت کے لیے عرض کیا جاتا ہے کہ مراثی انیس کی باقاعدہ جلدیں پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار موسوم بہ مطبع نول کشور میں نومبر ۱۸۷۶ء مطابق ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ میں چھپنا شروع ہوئیں۔ چنانچہ پہلی جلد میر انیس کے انتقال کے ایک سال گیارہ ماہ کے بعد چھپ گئی۔ جلد اول میں ۴۲۰ صفحات ہیں۔ صفحہ ۴۲۷ میں سیّد تصدق حسین رضوی کی تقریظ درج ہے۔ چاروں جلدیں انہی کی نگرانی میں ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۷ھ اور ۱۸۸۲ء مطابق ۱۲۹۹ھ تک کئی مرتبہ چھپی تھیں۔ اس وقت راقم کے پیش نظر جلد اول کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ستمبر ۱۸۸۲ء مطابق ماہ ذیقعدہ ۱۲۹۹ھ میں چھپا تھا۔ اس کی تقریظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں جلدیں ۱۸۸۲ء سے قبل چھپی تھیں۔ تقریظ کی عبارت درج ذیل اور قابلِ غور ہے۔

"تقریظ دلپذیر از نتائج طبع رواں غواص محیط علوم عقلی و نقلی ماہر دقایق خفی و جلی سیّد تصدق حسین صاحب رضوی لکھنوی

مصحح ملازم مطبع اودھ اخبار۔

..... کارپردازان مطبع فیض مطبع اودھ اخبار نے سابق اس سے بکمال عرق ریزی مرثیہ ہائے مرزا صاحب مرحوم کو جمع کرا کے دو جلدوں میں طبع فرمایا اور شائقین کے دامن مراد کو گلہائے تمنا سے بھرا۔ اس کے بعد یہ خیال ہوا کہ جس طرح سے ہو مرثیہ ہائے میر مغفور بھی بہم ہو کے طبع ہوں۔ اور اس فیض سے بھی سب لوگ علی العموم محروم نہ رہیں اور یہ کلام مطبوعہ باقیات الصالحات جناب کا تا دورِ قیامت رہے۔ ہرچند کہ فراہم ہونا کلیات کا اور تصور کرنا اس محالات کا من قبیل یا وبہشت گرفتن وبہتاب بگز پیمودن کے تھا... تاہم بہ ہزار محنت ومشقت کارپردازان مطبع موصوف نے جناب مغفور کے مرثیوں کو سندی جگہوں سے عمدہ عمدہ اور صحیح جمع کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ چار جلدیں مرثیوں کی معرض طبع میں آئیں اور واسطے صحت کاپی و پروف ان مرثیوں کے اس ہیچ مدان قلیل البضاعت ذاکر مصائب ائمہ..... سید تصدق حسین رضوی کو مخصوص فرمایا..... از آنجا اس کلام بلاغت نظام کا ایک زمانہ مشتاق تھا۔ دورانِ طبع میں صدہا درخواستیں خریداروں کی آئیں اور بعد طبع مثل تبرک کے ہاتھوں ہاتھ ہدیہ ہو گئیں۔ اور پھر ہزاروں شائقین محروم رہ گئے۔ لہٰذا کارپردازانِ مطبع موصوف نے بہ لحاظ اصرار و استبداد شائقین کے چاہا کہ یہ چاروں جلدیں پھر طبع ہو جائیں کہ جو لوگ اس کے مطالعہ سے محروم رہ گئے ہیں وہ بھی اپنی مراد پائیں۔ پس اس مرتبہ اس کمترین نے ان مرثیوں کی صحت میں بار اوّل سے بھی زیادہ اہتمام کیا اور جلد اول مطبوعہ اولیٰ میں جو مرثیے سلسلۂ احوال سے بے ترتیب تھے ان کو بھی درست کر دیا۔ اب اس مرتبہ کی صحت کو قند مکرر کہنا چاہیے..... پس الحمد للہ والمنۃ کہ یہ جلد اول بار سوم بمطبع فیض مرجع مشہور نزدیک و دور جناب منشی نول کشور..... بماہ ستمبر ۱۸۸۲ء مطابق ماہ ذی القعدہ الحرام ۱۲۹۹ھ شہر لکھنؤ محلہ حضرت گنج میں مطبوعہ ہو کر تحفۂ مجالس ہوئی۔"

جناب نقوی صاحب کا ارشاد ہوتا ہے کہ:

"جلد پنجم و ششم سب سے پہلے شاہی پریس میں، پھر دبدبۂ احمدی میں، پھر دُوسرا ایڈیشن شاہی پریس لکھنؤ میں چھپا۔ اس کا پہلا ایڈیشن اس حقیر کے پاس ٹکڑے پارچوں کی شکل میں محفوظ ہے اور وہ جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کی خدمت میں پیش کر کے دادِ تحقیق حاصل کر چکا ہوں۔ آپ کی معلومات کے لیے کسی نے ڈھائی لاکھ کا اندازہ پیش کیا ہے لیکن ڈیڑھ لاکھ اشعار میرے پاس محفوظ ہو چکے ہیں۔ ابھی ان مراثی کا اظہار نہیں کیا گیا ہے جو انیس کے عہدِ شباب میں فسانۂ آزاد کی طرح اودھ اخبار میں شائع ہوتے رہے۔ اب آپ اودھ اخبار کا فائل تلاش کیجیے۔ مرثیہ (خیر النسا کے باغ میں آمد خزاں کی ہے) کا ایک حصہ آگرہ میں شائع ہوا جو رشید صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کی نشان دہی میں نے کی ہے۔"

جناب نقوی صاحب مرحوم کی نظر سے غالباً یہ جلدیں بھی نہیں گزریں حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے میر انیس کے مرثیے ان کی

زندگی میں ۱۲۹۵ھ میں مطبع اسلامی بمبئی سے چھپنا شروع ہوئے تھے۔ اس کا ایک نسخہ جناب رشید صاحب کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ اس مجموعہ میں میر ضمیر اور مرزا فصیح کے علاوہ انیس کے مرثیے بھی شائع ہوئے تھے، دو مرثیے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱ - جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں

مقطع یہ ہے:

یہ وقت دعا کا ہے انیس اب یہ دُعا کر ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو روا کر مقروض جو مومن ہیں تو قرض ان کا ادا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

کتاب کے آخر میں ذیل کا ترقیمہ ہے:

"یہ نسخہ مجموعہ بکا جناب شاہِ شہیدانِ شہدا شائقانِ عالی شان کی فرمائش سے تاریخ دُوسری ذی الحجہ الحرام ۱۲۹۸ھ میں جزیرہ معمورہ بمبئی میں شہاب الدین ابنِ منشی کریم الدین کلکٹر نے مطبع اسلامی میں چھاپا۔" (کذا)

۲ - اے مومنو! کیا مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے ۵۷ بند

مطبع اسلامی کے علاوہ میر انیس کے مرثیے ان کی زندگی میں مطبع مخدومی بمبئی میں بھی چھپے تھے۔ مطبع اودھ اخبار میں ۱۸۷۶ء میں باقاعدہ طور پر مراثی انیس چھپنے کی داغ بیل پڑی۔ ایک مجموعہ گلبرگہ حیدرآباد سے "ذخیرۂ ثواب" کے نام سے ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں چھپا۔ شبلی نے بھی اس کا ذکر موازنہ انیس و دبیر میں کیا ہے۔ لیکن انھوں نے کتاب کا نام نہیں بتایا۔ یہ کتاب نایاب ہے۔ راقم کو اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ ندوۃ العلوم لکھنؤ میں دستیاب ہوا۔ اس میں کل سات مرثیے ہیں۔ تین مرثیے میر خلیق کے، دو مونس کے اور دو انیس کے نام درج ہیں۔ راقم کی تحقیق ہے کہ پہلا مرثیہ میر نفیس کا، تیسرا مونس کا اور بقیہ پانچ میر انیس کے ہیں، خلیق کا کوئی نہیں ہے۔ مرثیوں کا یہ انتخاب میر غلام علی فیض آبادی نے کیا تھا جسے حسبِ فرمائش سید اسد اللہ عرف میر نواب باہتمام سید مستجاب حسین مطبع دار الصنائع گلبرگہ میں شائع کیا گیا۔ مرثیوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱-	اے شمعِ دُودمانِ تجلّی ضیا دکھا	۹۱ بند
۲-	رُوحِ سخن ثنائے حسینِؑ شہید ہے	۱۲۴ ″
۳-	جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا	۱۱۶ ″
۴-	فرزندِ پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے	۹۶ ″
۵-	شیریں سخنی ختم ہے ہمشکلِ نبیؐ پر	۷۷ ″
۶-	جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا	۱۱۹ ″
۷-	جب حُر کو ملا خلعتِ پُرخونِ شہادت	۱۰۲ ″

اس کے علاوہ کتاب میں خلیق، انیس، مونس اور نفیس کے ۱۶ اسلام بھی درج ہیں۔ مجموعہ مراثی میں راقم نے اس سے زیادہ غیر معتبر کتاب کوئی نہیں دیکھی ہے۔ جیسے کہ 'ذخیرۂ ثواب' ہے۔

۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مرزا محمد مہدی لکھنوی نے میر نفیس کے اہتمام سے مراثی انیس جلد پنجم "مرثیہ ہائے میر انیس مرحوم" کے نام سے مطبع جعفری سے پہلی مرتبہ شائع کی۔ اس میں کل ۲۱ مرثیے ہیں اور ان میں اکثر و بیشتر مرثیے وہ ہیں جو مطبوعہ نول کشور کی جلدوں میں نہیں ہیں۔ کتاب ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخری صفحہ میں میر نفیس کا ہبہ نامہ حق تصنیف سے متعلق مرزا محمد مہدی کے نام بھی درج ہے۔ ذیل میں پہلے اور آخری مرثیوں کے مطلعے درج کیے جاتے ہیں:

(۱) پہلا مرثیہ - خورشید فلک عکسِ دُرِ تاجِ علیؑ ہے ۱۴۰ بند

(۲) آخری مرثیہ - جب نیزے سے رن میں ہوئے گھائل علی اکبرؑ ۲۲ بند

جلد پنجم مطبع جعفری نایاب ہے۔ اس کتاب کے چار سال کے بعد ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں سید علی اظہر جونپوری نے حسبِ فرمائش سید محمد مصطفےٰ حسین جونپوری 'شجرۂ غم' کے عنوان سے ۹۴ صفحات پر مشتمل ۵۶ مرثیوں کا انتخاب سوز خوانی کے لیے شائع کیا۔ اس میں بیشتر مطلع میر انیس کے ہیں۔ مرتب کتاب کے صفحہ ۵ میں لکھتا ہے:

"واضح ہو کہ اس جلد میں چھپن مرثیے، اٹھارہ سلام اور ترپن سوز (مطلع) اور اٹھارہ نوحہ بالترتیب حالات جناب محمد مصطفےٰؐ و حضرت علیؑ و حضرت امام حسنؑ و حضرت قاسمؑ و حضرت عباسؑ و حضرت علی اکبرؑ و حضرت علی اصغرؑ و حضرت شہر بانوؑ زوجہ امام حسینؑ و مختارؒ موجود ہیں۔ واقعی یہ ایک ذخیرہ مصائب کا ہے۔ اس کی ترتیب بطرزِ جدید کی گئی ہے جس سے کہ پڑھنے والوں کو بہت لطف حاصل ہوگا۔ خصوصاً جو حضرات کہ سوز خوانی کرتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب مجموعہ کی بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کیونکہ ہر حال کے مرثیہ و سلام وغیرہ موجود ہیں اور بڑی احتیاط سے صحت کی گئی ہے۔ ناظرین اس دُرِ بے بہا کو جلد طلب فرمائیں کیونکہ تعداد اس کی بہت کم ہے صرف ۲۵۰ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بوجہ تساہل کے کفِ افسوس ملنا پڑے۔"

'شجرۂ غم' میر انیس کے مطبوعہ مراثی کی نشاندہی کے لیے اہم ہے۔ کتاب نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ جناب رشید صاحب کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

سید عبد الحسین تاجر کتب لکھنؤ نے ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مراثی انیس کی دو جلدیں جلد پنجم (قدیم) اور جلد ششم (قدیم) مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں شائع کیں۔ جلد پنجم (قدیم) میں ۲۰، اور جلد ششم (قدیم) میں ۲۳ مرثیے ہیں۔ جلد پنجم میں ذیل کے مرثیے الحاقی ہیں اور یہ علی الترتیب دلگیر، امین فیض آبادی اور نواب باقر علی تشفی کی تصانیف سے ہیں۔

(۱) واللہ عجب شانِ شہنشاہِ رسل ہے

(۲) اے عہدِ شیب ضعف میں زورِ شباب دے

(۳) لایا ہے رنگ باغِ جہاں میں سخن میرا



میر انیسؔ



ڈاکٹر اکبر حیدری



میر خلیق



سید محمد رشید

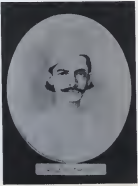
۱



۲



۳

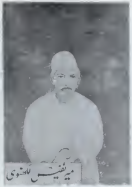


۴

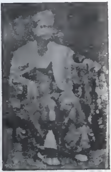




٦



٧



٨



۹



۱۰



۱۱



۱۲



۱۲



۱۳



۱۵



۱۶



۱۷



۱۸



۱۹



۲۰



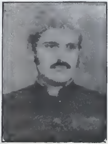
۲۱



۲۲



۲۳



۲۴



۲۶

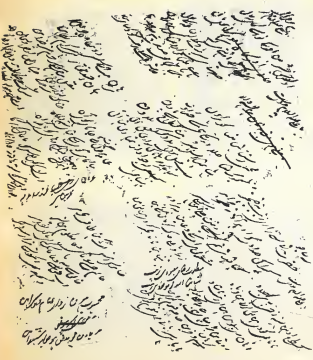


۲۵



۲۷





میر انیس کی تحریر کا عکس (عطیہ علی احمد صاحب دانش)

جلد پنجم قدیم اور جلد ششم قدیم دُوسری مرتبہ "مرثیہ ہائے میر انیس صاحب مرحوم" کے نام سے بفرمائش جناب سید عبدالحسین صاحب تاجر کتب لکھنؤ محلہ درگاہ سردار باغ باہتمام عابد علی خاں مطبع شاہی لکھنؤ میں اکتوبر ۱۹۰۹ء اور جون ۱۹۱۴ء میں بالترتیب شائع ہوئیں۔ یہ دونوں جلدیں "جدید جلد پنجم اور جدید جلد ششم" کہلاتی ہیں۔ جدید جلد پنجم میں دوسرا اور تیسرا مرثیہ (جو اوپر درج کیے گئے ہیں) خارج کیا گیا ہے اور جدید جلد ششم میں ذیل کے گیارہ مرثیے کم کر دیے گئے ہیں:

۱۔ عالم میں مرتضےٰؑ کی ولادت کی دھوم ہے	۱۸۲ بند
۲۔ سرسبز ہے ثنائے حسنؑ سے سخن مرا	۱۱۱ ″
۳۔ کیا رتبۂ دربارِ امامِ مدنی ہے	۱۵۹ ″
۴۔ جب گل ہوا چراغِ حسنؑ رزم گاہ میں مطلع ثانی: آمد ہے کربلا میں نیستاں کے شیر کی	۲۰۳ ″
۵۔ عباسِ علمدارؑ کی درگاہ کے صدقے	۱۷۲ ″
۶۔ جب بحرِ شہادت میں شنا کر گئے عباسؑ	۱۲۸ ″
۷۔ قتل جب رن میں ہوئے مونس و غمخوارِ حسینؑ	۴۲ ″
۸۔ کیا حضرتِ شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے	۱۲۳ ″
۹۔ اے طبعِ رسا خلد کا گلزار دکھا دے	۲۲۲ ″
۱۰۔ اے مومنو! کیا مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے	۱۱۵ ″
۱۱۔ اے مومنو! روؤ کہ مصیبت کے دن آئے	۳۰۱ ″

اسی جدید جلد ششم میں ذیل کے مرثیوں کا اضافہ کیا گیا ہے:

۱۔ بلبل ہوں بوستانِ شہِ تاج دار کا	۱۲۳ بند
۲۔ جب صبحِ شبِ عقدِ چراغِ حسنؑ آئی	۹۸ ″
۳۔ شور ہے رن میں کہ حیدرؑ کا نشان آتا ہے	۱۶۴ ″
۴۔ آیا زوال رن میں جو مہرِ منیر پہ	۹۲ ″
۵۔ غش ہو گئے جب پیاس کے مارے علی اصغرؑ	۴۱ ″
۶۔ غُل ہے میداں میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں	۱۱۱ ″
۷۔ جب کربلا میں نورِ سحر جلوہ گر ہوا	۱۵۸ ″

جدید جلد پنجم میں ۱۸ مرثیے ہیں جبکہ جدید جلد ششم میں ۲۹ مراثی اور ۷۸ سلام ہیں۔

جناب نقوی صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحسین کی مرتب کردہ جلد پنجم اور جلد ششم پہلی مرتبہ مطبع شاہی لکھنؤ سے شائع ہوئیں۔

جلد پنجم جدید اور جلد ششم جدید بک لینڈ کراچی نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیں۔ ادارہ نے دونوں جلدوں میں کہیں بھی مطبع دبدبۂ احمدی یا شاہی پریس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ دونوں جلدوں کے سرِ ورق پر ذیل کی عبارت درج ہے :

مراثی انیس - حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

جلد پنجم

(بیچ میں امام حسینؑ کا روضہ بنا ہوا ہے)

مقدمہ : سید مسعود حسن رضوی ادیب — ترتیب : مرزا احمد عباس

بک لینڈ کراچی محمد بلڈنگ، بندر روڈ کراچی ، ٹیلیفون ۳۶۱۰۹

دوسرے صفحہ میں سالِ اشاعت ۱۹۶۱ء، قیمت قسم اول سات روپے، قسم دوم پانچ روپے درج ہے۔ تیسرے صفحہ میں میر انیس کا فوٹو اور سالِ ولادت ۱۸۰۰ء درج ہے۔ اس کے بعد حالی کی دو رباعیاں ہیں۔ مرتب نے مسعود حسن رضوی کی کتاب شاہکار انیس سے ان کا مقدمہ اور مولانا اختر علی تلہری اور سر تیج بہادر سپرو کے تبصرے دونوں جلدوں میں نقل کر کے شائع کیے ہیں۔ جلد پنجم میں ۲۲۳ صفحوں میں ۱۸ مرثیے، ۲۱ رباعیاں اور ۱۰ نوحے ہیں۔ جلد ششم میں ۲۹ مرثیے، ۲۸ سلام اور ۱۵ رباعیاں ۲۹۴ صفحات میں ہیں۔ دونوں جلدوں میں غلطیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

نظامی بدایونی نے مراثی انیس کی تین جلدیں علی الترتیب ۱۹۲۱ء جلد اول ۱۹۲۴ء جلد دوم اور ۱۹۳۰ء میں جلد سوم شائع کیں۔ تینوں جلدیں مولانا سید علی حیدر نظم طباطبائی نے بڑی تحقیق و محنت سے ترتیب دی تھیں۔ جلد اول میں انھوں نے ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۴ء تک، دوسری جلد میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۴ء تک اور تیسری جلد میں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۰ء تک کا کلام شائع کیا۔ فاضل مرتب نے ماخذات کی تفصیل نہیں بتائی ہے۔

جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب نے میر انیس کے سات مرثیوں کا مجموعہ "رُوحِ انیس" کے نام سے ۱۹۳۱ء میں پہلی مرتبہ انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد سے شائع کیا۔ اس میں سات مرثیے، ۱۵ سلام اور ۲۵ رباعیاں شامل ہیں۔ "رُوحِ انیس" ۱۵۶ صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ۷۶ صفحوں پر مشتمل "فرہنگ اور حاشیے" ہیں۔ صفحہ ۶۸ سے ۷۲ تک غلط نامہ درج ہے۔ "رُوحِ انیس" میں جناب مسعود حسن صاحب رضوی نے نظم طباطبائی کی طرح ماخذات کی نشان دہی نہیں فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں دیباچۂ کتاب میں لکھتے ہیں :

"مرثیوں کے مختلف نسخے مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں سے مستعار لے کر یا ان کے گھروں پر جا جا کر اپنے نسخوں کا ان سے مقابلہ کیا۔ اس طرح بعض مرثیوں کا آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر یہ سب نسخے کسی ایک کتب خانے میں یا مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہوتے یا کسی طرح ہر شخص کی دسترس کے اندر ہوتے تو میں ان کے اختلاف

درج کرتے وقت ان کا حوالہ بھی دیتا جاتا مگر خود مجھ کو ان کے حاصل کرنے میں اتنی دقت اور اتنی زحمت اٹھانی پڑی کہ میرا ہی دل جانتا ہے اور اب اگر دوبارہ ان سب کو فراہم کرنا چاہوں تو ایک مدت کی دوادوش کے بعد بھی یقیناً کامیابی نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں حوالے دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

مسعود صاحب نے 'روحِ انیس' کی ترتیب میں واقعی بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام کیا ہے۔ ۱۹۷۲ء تک اس کے پانچ اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۹۲۸ء میں ۱۸ مرثیوں کا انتخاب زنانی مجلسوں کے لیے "عروسِ سخن المعروف بہ جواہرات انیس" کے عنوان سے بنت حسنین بیگم عابد رضا نے رامپور سے شائع کیا۔ کتاب ۲۰۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ مرتبہ نے اسے بیگم صاحبہ مولوی سید شبیر حسین زیدی چیف منسٹر رام پور کے نام منسوب کی ہے۔ یہ کتاب بھی اب نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ رشید صاحب کے پاس موجود ہے۔

آج سے چالیس سال قبل ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مجموعہ مراثی کا ایک خوب صورت نسخہ جلد اول میں عربی خط میں بمبئی سے شائع ہوا۔ اس میں انیس، مونس، دبیر کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ سرورق کی عبارت یہ ہے:

"مجموعہ مراثی انیس رحمۃ اللہ

جلد اول

باہتمام علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ

تاجرانِ کتب و مالکان مطبع محمدی بمبئی ۱۳۵۷ھ"

آخری صفحہ ۲۰۴ میں تمت کے تحت عبارت ذیل درج ہے:

"الحمد للہ کہ یہ مجموعہ مراثی جلد اول در حالات مصائب شہدائے کربلا علیہم السلام جناب علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ تاجرانِ کتب و مالکان مطبع محمدی کے اہتمام سے نہایت درستگی اور صحت کے ساتھ مطبع محمدی واقع مجگام گن پاؤڈر روڈ بمبئی میں چھپ کر دکان نمبر ۲۷۳ بھنڈی بازار سے شائع ہوا۔"

کتاب میں میر انیس کے سات مرثیے ہیں۔

مندرجہ بالا مجموعہ مراثی کے علاوہ لالہ رام نرائن مادھو نے الہ آباد سے اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی والوں نے بھی مراثی انیس کا انتخاب شائع کیا ہے۔ مراثی انیس کی دو جلدیں "وقارِ انیس" کے نام سے جناب مہذب لکھنوی نے شائع کیں۔ دونوں جلدوں میں ۱۲ چھ مرثیے ہیں۔ سال گزشتہ فروری ۱۹۷۹ء میں تیج کار صاحب بھارگو نے مراثی انیس کی چاروں جلدیں مطبوعہ نول کشور کو بار نہم جناب مہذب صاحب لکھنوی سے ترتیب دے کر شائع کی ہیں۔ چاروں جلدوں میں مراثی کی کل تعداد ۱۰۶ ہے۔ مہذب صاحب کی مہربانی سے چاروں جلدوں میں سیکڑوں غلطیاں وجود میں آگئی ہیں۔ یہ سب غلطیاں مہذب صاحب کی تصحیح کا نتیجہ ہیں۔

اس بات کا تذکرہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جناب نائب حسین نقوی مرحوم نے مراثی انیس کی چار جلدیں ترتیب دے کر غلام علی اینڈ سنز لاہور سے ۱۹۵۹ء میں شائع کرائیں۔ یہ جلدیں لاہور سے دوسری مرتبہ ۱۹۶۷ء میں دوبارہ چھپ گئیں۔ پہلے ایڈیشن میں جو الحاقی

مرثیے اور فاحش غلطیاں رہ گئی تھیں وہ دُوسرے ایڈیشن میں بھی موجود ہیں۔ یہ چاروں جلدیں غلط، بے ترتیب، ناقص اور نامکمل ہیں۔ ان کی تصحیح کا کام زیرِ نگرانی جناب ڈاکٹر صفدر حسین زیدی پاکستان میں جاری ہے۔

جناب مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ثم پاکستانی نے میر انیسؔ کی صد سالہ برسی کے موقع پر اکتوبر ۱۹۷۴ء میں مجلس ترقیِ ادب لاہور سے میر انیسؔ کے ۱۲ مراثی کا مجموعہ "منتخب مراثی انیسؔ" کے عنوان سے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔ راقم کو فاضل مرتب کی بعض باتوں سے اختلاف ہے۔ ان میں سے چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ فاضل صاحب کہتے ہیں :

(۱) "میر انیسؔ کے والد بہو بیگم کے ملازم تھے اور زبان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے۔" صفحہ ۴

(۲) "میر انیسؔ نے فیض آباد میں یہ پہلا مرثیہ کہا "عجب شہزادہ تھا شبیرؑ سبطِ مصطفےٰؐ یارو۔" صفحہ ۷

(۳) "نول کشور کی جلد ششم ایک مرتبہ چھپ کر متروک قرار دے دی گئی اور کراچی ایڈیشن اسی کی نقل ہے۔ اس لیے اس پر پوری طرح اعتماد مشکل ہے۔" صفحہ ۱۷۱ و ۶۲۳

تینوں باتوں کا جواب ذیل میں اجمالاً دیا جاتا ہے :

(۱) جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے یہ آج تک ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ میر خلیقؔ بہو بیگم کے دفترِ زبان سے متعلق تھے۔ اس قسم کی باتیں سب سے پہلے نواب نصیر حسین خاں خیال نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں۔ تفصیلات کے لیے راقم کا مقالہ "اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا" ملاحظہ ہو۔

(۲) یہ مرثیہ دراصل مرزا فصیحؔ کا ہے۔ راقم کی نظر سے اس کے کئی خطی نسخے گزرے ہیں۔ ایک نسخہ جناب رشید صاحب کے پاس اور دو نسخے جناب مسعود حسن رضوی صاحب کی ملکیت میں تھے۔ اب یہ نسخے آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مخطوطات میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ پر ۳ رمضان ۱۲۶۲ھ، ستمبر ۱۸۴۵ء کی تاریخِ کتابت بھی درج ہے۔

(۳) مطبع نول کشور سے صرف چار جلدیں شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ مطبع جعفری سے جلد پنجم اور پھر مطبع دبدبۂ احمدی سے عبدالحسین نے جلد پنجم قدیم اور جلد ششم قدیم شائع کیں۔ یہ جلدیں دُوسری مرتبہ جلد پنجم جدید اور جلد ششم جدید کے نام سے مطبع شاہی لکھنؤ میں چھپ گئیں۔ بُک لینڈ کراچی کی جلد پنجم اور جلد ششم مطبع شاہی کے جدید اڈیشن ہیں۔

جناب فاضل حسین نے جدید تحقیق و ترتیب کے لحاظ سے منتخب مراثی کا مجموعہ مرتب کر کے اردو مرثیہ کی ایڈیٹنگ میں شاندار کام کیا ہے۔ جس محنت، لگن اور عرق ریزی سے انھوں نے مرثیے ترتیب دیے ہیں اس کے لیے وہ قابلِ تحسین ہیں۔ ان کی ایڈیٹنگ کا یہ اسلوب اردو مرثیے کی ایڈیٹنگ کے نئے تقاضوں کو بے کم و کاست پُورا کرتا ہے۔ موصوف نے ہر مرثیہ کی ابتدا میں اس کے ماخذات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ہر مرثیہ کا مختصر تبصرہ بھی کیا ہے۔ موصوف کا ارشاد ہے کہ :

"میں نے انیسؔ کے جو مرثیے اس مجموعہ کے لیے مرتب کیے ہیں ان میں جدید اصولوں کی پابندی کی ہے۔

۱۔ معاصر یا قدیم خطی نسخے دریافت کیے۔

۲۔ قدیم ترین مطبوعہ نسخے مہیا کیے۔

۳۔ ہر مرثیے کا متعدد مطبوعہ مصحح نسخوں سے مقابلہ کر کے اختلافات کی نشان دہی کی

۴۔ ہر مرثیے کے آغاز میں مآخذ کی تفصیل اور کتاب کے خاتمے پر حواشی لکھے۔
۵۔ مصرعوں میں علامات لگائے کہ مصرعوں کو صحیح پڑھا جا سکے۔
۶۔ اصطلاحات اور مشکل مقامات کی ضروری تشریح لکھی۔
۷۔ ہر مرثیے کا خاکہ لکھا اور مختصر سا تبصرہ شامل کیا۔
۸۔ جہاں ممکن ہوا وہاں مرثیے کی تاریخِ تصنیف معین کرنے کی کوشش کی۔"

فاضل مرتب نے مرثیوں کی ترتیب میں جن ماخذات سے استفادہ کیا وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مرثیہ ہائے میر انیس جلد اول، مطبوعہ نول کشور نومبر ۱۸۷۶ء وغیرہ
۲۔ مراثی انیس جلد اول طبع نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۲ء
۳۔ مراثی انیس مرتبہ نائب حسین نقوی مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول و دوم
۴۔ روح انیس مرتبہ سید مسعود حسن رضوی
۵۔ پانچ قلمی نسخے بسلسلۂ مراثی ۲، ۷، ۸، ۹ اور ۱۰

منتخب مراثی انیس میں ذیل کے مراثی ہیں:

۱۔ یا رب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر	۱۸۸ بند
۲۔ فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے	۱۱۴ "
۳۔ جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا	۲۴۵ "
۴۔ بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حرؑ	۱۴۲ "
۵۔ جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج	۱۸۴ "
۶۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح	۱۵۷ "
۷۔ جب رن میں سر بلند علیؑ کا علم ہوا	۱۷۰ "
۸۔ جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے	۱۷۳ "
۹۔ نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری	۱۰۳ "
۱۰۔ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے	۱۹۷ "
۱۱۔ آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے	۴۰ "
۱۲۔ جب حرمِ مقتلِ سرور سے وطن میں آئے	۲۰ "

کتاب کی ابتدا میں "میر انیس" عنوان کے تحت ۱۵ صفحوں میں انیس کے مختصر حالاتِ زندگی درج ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۱۰ سے صفحہ ۵۴۸ تک مرثیے درج ہیں۔ صفحہ ۵۴۹ سے صفحہ ۶۴۶ تک حواشی مع فرہنگ ہیں۔ یہ حواشی بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کی

ترتیب دینے میں بڑی دیدہ ریزی اور محنت کا ثبوت فراہم کیا گیا۔ حواشی سے اختلافِ نسخ کا پتا بھی چلتا ہے۔

راقم فاضل حسین صاحب کے اس کام سے متاثر ہوا ہے۔ البتہ مستند ماخذات دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فاضل مرتب کے مراثی میں کوئی اضافہ نہیں ملتا ہے۔ مگر موجودہ صورتِ حال میں اس کی افادی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے اور مراثی انیسؔ کے ترتیب دینے میں یہ کتاب بڑی اہم ثابت ہو گی۔

ابھی کچھ دن ہوئے کہ صالحہ عابد حسین نے میر انیسؔ کے اٹھارہ مرثیوں کا مجموعہ "انیس کے مرثیے" کے عنوان سے مرتب کر کے ترقی اردو بورڈ نئی دہلی سے شائع کیا ہے۔ کتاب ۸۰۴ صفحات میں ہے۔ ابتدا میں شارب ردولوی کا دیباچہ بھی ہے۔ صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۲ تک کرنل بشیر زیدی صدر مرکزی انیسؔ کمیٹی نئی دہلی کے تاثرات انیس کمیٹی کے سلسلے میں "حرفِ آغاز" کے طور پر درج ہیں۔ یہ کمیٹی دلّی میں برسوں سے قائم ہے۔ اس کے پیشِ نظر کیا کام تھے، ان کے بارے میں زیدی صاحب فرماتے ہیں کہ،

(۱) "انیسؔ کے کل مرثیوں کے نئے اڈیشن شائع کرنا (ان کے مرثیوں کے متعدد مجموعے مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں لیکن نہ تو یہ مجموعے ان کے پورے کلام پر حاوی ہیں نہ ان میں سے بیشتر میں متن کی صحت کے جدید علمی تقاضوں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اسی لیے انیسؔ کے کلام کو سارے قلمی نسخوں سے مقابلے کے بعد جدید اصولوں کے مطابق مرتب کر کے ممتاز انیسؔ شناسوں کے مقدموں کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز ہے)

(۲) منتخب مراثی کو مع مقدمہ اور ضروری تشریحات دیوناگری رسم الخط میں شائع کرانا۔

(۳) میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ کلام کو جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ مختلف کتب خانوں یا گھرانوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے حاصل کرنا اور کامل تحقیق کے بعد شائع کرنا۔

(۴) دہلی اور دیگر شہروں میں انیسؔ، ان کے کلام اور عہد کے متعلق سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی وژن سے انیسؔ سے متعلق تقریریں اور فیچر نشر کرانا۔

(۵) محکمۂ ڈاک و تار سے انیسؔ صدی یادگاری ٹکٹ جاری کرانا۔

(۶) مزار انیسؔ کی مرمت اور درستی۔

(۷) انیسؔ کے مکان کو خرید کر اس کی مرمت کرانا اور منہدم حصّے کو نئے سرے سے تعمیر کرانا۔"

اس کے بعد زیدی صاحب ان کاموں کی وضاحت فرماتے ہیں جو انیسؔ کمیٹی نے سرانجام دیے ہیں۔ یعنی کمیٹی نے دلّی میں دو سمینار منعقد کیے۔ بیگم صالحہ عابد حسین سے انیسؔ صدی کے سلسلے میں "مہا کوی انیسؔ" مرتب کر کے بھارتیہ گیان پیٹھ سے دیوناگری میں شائع کیا اور حکومتِ ہند کی طرف سے محکمۂ ڈاک و تار نے انیسؔ یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ کمیٹی کو کلام انیسؔ کی اشاعت کے لیے نظام ٹرسٹ حیدر آباد سے پچاس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی ملا۔ اس کے علاوہ حکومتِ ہند اور ترقی بورڈ کا مالی تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ کمیٹی نے غیر مطبوعہ مراثی کی اشاعت کا کام نائب حسین نقوی صاحب کے سپرد کیا گیا تھا اور سب سے اہم کام یعنی انیسؔ کی مستند حیات لکھنے کا ڈاکٹر خلیق انجم کو سونپا ہے۔

انیس کمیٹی نے مالی ذرائع کے باوجود آج تک انیس یا مراثیِ انیس پر کوئی ٹھوس کام نہیں کیا ہے، جبکہ بار بار اعلان ہوا ہے کہ میر انیس کے غیر مطبوعہ مراثی اور ان کے جملہ مطبوعہ مراثی نئے ڈھنگ سے ترتیب دے کر شائع کیے جائیں گے "مہاکوی انیس" ہندی میں شائع کرکے اردو مرثیے میں کون سا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اردو میں انیس یا کلامِ انیس کے بارے میں کوئی تحقیقی کتاب مرتب کی جائے۔ راقم کے نزدیک انیس اور اردو ادب کی صحیح خدمت یہ ہوگی کہ مراثیِ انیس کو غلطیوں سے پاک کرکے شائع کیا جائے۔ کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ انیس کے سو سال گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کا پورا کلام صحتِ متن کے ساتھ شائع نہ ہو سکا۔

جناب بیگم صالحہ عابد کتاب کے دیباچہ میں ص ۱۴ اور ص ۱۵ میں فرماتی ہیں:

"جتنا میں جانتی ہوں کہ کتابوں کو ایڈٹ کرتے وقت مقابلے کے لیے جتنے زیادہ نسخے مل سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ جتنے میں چاہتی تھی اتنے نسخے فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ ایک ہی اڈیشن کی سب سلسلہ وار کتابیں بھی مجھے نہ مل سکیں۔ ایک بات واضح کردینا چاہتی ہوں میرے پیشِ نظر کوئی تحقیقی کام کرنا نہ تھا بلکہ میر انیس کے اعلیٰ درجے کے مرثیوں کا انتخاب کرکے مرتب کرنا تھا..... تحقیقی کام کرنے والوں کی خاطر آخر میں اختلافِ نسخ بھی دے دیا گیا ہے۔"

مرتبہ کو ماخذات نہ ملنے کی شکایت ہے۔ قلمی نسخوں کی فراہمی تو درکنار انھیں مطبع جعفری کی جلد پنجم، مطبع دبدبۂ احمدی کی جلد پنجم قدیم اور جلد ششم قدیم یا ان کے دوسرے اڈیشن جلد پنجم جدید اور جلد ششم جدید مطبع شاہی کی فراہم نہیں ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ جن مطبوعہ نسخوں سے موصوفہ نے استفادہ کیا ہے ان میں سے اکثر اغلاط سے اس قدر پُر ہیں کہ انھیں قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا ہے تو پھر یقینی طور پر ان کے ترتیب دیے ہوئے مرثیوں میں بھی وہ غلطیاں موجود ہونی چاہییں۔ زیرِ نظر مجموعہ میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں وہ جناب نقوی صاحب کی مرتب کردہ جلدوں کی وجہ سے دوبارہ وجود میں آگئی ہیں۔

راقم نے مورخہ ۶ مارچ ۱۹۷۶ء کو دلی کے انیس سمینار میں مرکزی انیس کمیٹی کے اربابِ اختیار کو واضح الفاظ میں کہا تھا کہ میر انیس کے غیر مطبوعہ مراثی کی فہرست نقوی مرحوم نے جو 'آج کل' نئی دہلی کے میر انیس نمبر مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء میں شائع کی تھی وہ مشکوک ہے اور راقم نے مقالے سے ثابت بھی کیا ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر مرثیے مطبوعہ ہیں۔ راقم نے یہ بھی کہا تھا کہ میر انیس کے مطبوعہ مرثیے غلط، بے ترتیب، ناقص اور نامکمل ہیں۔ اس کے علاوہ راقم نے کرنل بشیر زیدی صاحب، ڈاکٹر عابد حسین اور صالحہ عابد حسین کو بھی الگ الگ ملاقاتوں میں ان امور سے متعلق آگاہ کیا تھا۔ لیکن راقم کی مفید اور کارآمد باتیں نظرانداز کر دی گئیں۔ راقم کی رائے ہے کہ انیس کمیٹی نے بغیر کسی محنت و مشقت اور تحقیق و جستجو کے زیرِ نظر کتاب میں انیس کے اٹھارہ مرثیے نقل کرکے کوئی شایانِ شان کام نہیں کیا ہے۔ یہ کتاب رواروی میں شائع کی گئی ہے۔ غرضیکہ جناب بیگم صاحبہ کا یہ مجموعہ مراثی بھی سابقہ مجموعوں کی طرح بے ترتیب، ناقص، نامکمل اور فاش غلطیوں سے مملو ہے۔

جناب نقوی مرحوم کی تحقیق ہے کہ "میر انیس کے مرثیے انیس کے عہدِ شباب میں فسانۂ آزاد کی طرح اودھ اخبار میں شائع ہوتے رہے" لیکن یہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے کہ اودھ اخبار اور میر انیس کے عہدِ شباب میں کوئی تعلق تھا۔ مرثیہ گو شعرا نے شباب کا زمانہ زیادہ سے زیادہ ۱۸ سے ۲۵ سال کی عمر تک کا تسلیم کیا ہے۔ خود انیس نے لفظ شباب عام طور پر علی اکبرؑ کی عمر سے وابستہ کیا ہے جن کی عمر واقعۂ کربلا میں ۱۸ سال

بتائی جاتی ہے۔ میر انیس ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کا عہدِ شباب ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۵ء) سے ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۸ء) تک تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں نول کشور صاحب عالمِ گل سے عالمِ وجود میں آئے ہی نہیں تھے۔ منشی صاحب ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ اگر میر انیس عہدِ شباب میں استادی کے درجے پر فائز ہوتے تو پھر ان کا نام بھی اردو کے مشہور مرثیہ گو شعرا میں رجب علی بیگ سرور فسانۂ عجائب (سالِ تصنیف ۱۲۴۰ھ) میں ضرور شامل کرتے۔ اب اگر عہدِ شباب کی وضاحت کے لیے لغات کا سہارا لیا جائے گا تو پھر نور اللغات صفحہ ۲۹۴ جلد سوم، فرہنگِ آصفیہ صفحہ ۱۰۸ جلد سوم اور الفرائد الدریہ صفحہ ۳۴۹ کی روشنی میں شباب کا زمانہ بیس برس کی عمر سے چالیس برس تک ماننا پڑے گا۔ اس لحاظ سے انیس کا عہدِ شباب ۱۸۴۳ء یعنی ۴۰ سال کی عمر تک قرار دیا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ میں اودھ اخبار کا اجرا پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء میں ہوا تھا۔ اس وقت میر انیس کا سن ۵۵ برس سے تجاوز کر گیا تھا۔ منشی صاحب غدر سے قبل لاہور میں منشی ہرسکھ رائے کے اخبار کوہِ نور سے وابستہ تھے۔ غدر کے بعد وہ لاہور سے لکھنؤ آئے اور یہاں ۱۸۵۸ء میں مطبع اخبار کی بنیاد ڈالی۔ اودھ اخبار کا فائل ۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۵ء تک راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۵ء تک کے پرچے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اودھ اخبار کے ان پرچوں میں میر انیس کا کوئی بھی مرثیہ نہیں چھپا ہے۔

جناب نقوی صاحب مرحوم مطبع اودھ اخبار اور مطبع نول کشور کو دو الگ الگ چھاپے خانے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ میر انیس کی پہلی جلد اور مرزا دبیر کی دو جلدیں سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں مطبع اودھ اخبار میں چھپیں۔ بعد میں ان کے مزید اڈیشن پر بجائے مطبع اودھ اخبار کے مطبع نول کشور کا نام لکھا گیا۔ مطبع اودھ اخبار کا وہ کا نقوی صاحب کو غالباً جلد ششم قدیم سے ہوا ہے جس میں مرتب عبدالحسین نے بعض مرثیوں کے حواشی میں لکھا ہے کہ یہ مرثیے مطبع اودھ اخبار میں ناقص، غلط، بے ترتیب اور نامکمل چھپے تھے۔ اب صحیح و کامل کر کے چھاپے گئے۔ نقوی صاحب کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ فسانۂ آزاد کی طرح مراثی انیس بھی اودھ اخبار میں چھپتے رہے۔

نقوی مرحوم نے "آج کل" نئی دہلی کے میر انیس نمبر مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۶۰ میں فہرست ۲۲ کے تحت مرثیہ "خیر النسا کے باغ میں آمد خزاں کی ہے" کو غیر مطبوعہ قرار دیا تھا۔ جب راقم نے سالِ گزشتہ 'انیس سمینار' دہلی اور 'قومی آواز' کی گزشتہ اشاعتوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ نقوی مرحوم کے تسلیم کردہ غیر مطبوعہ مرثیے مطبوعہ مرثیوں میں دستیاب ہیں اور اب زیرِ نظر مرثیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مرثیہ انیس کے عہدِ شباب میں آگرہ میں شائع ہوا تھا اس لیے اسے نایاب سمجھ کر غیر مطبوعہ مراثی میں شامل کیا۔ نقوی مرحوم نے یہی مرثیہ جناب مرزا امیر علی صاحب جونپوری مالک اردو پبلشرز لکھنؤ کو جواہراتِ انیس جلد دوم مطبوعہ ۱۹۷۴ء میں غیر مطبوعہ قرار دے کر اس کا انتخاب اشاعت کے لیے عنایت فرمایا اور مرزائے موصوف نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اسے ہزار دل و جان سے غیر مطبوعہ قرار دے کر صفحہ ۳۲۹ میں شائع کیا۔ اس میں بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔ مرثیہ کی اصلیت یہ ہے کہ یہ میر انیس کی زندگی میں مطبع مخدومی بمبئی میں چھپا تھا۔ اس کا ایک نسخہ جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں محفوظ ہے اور راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔ مرثیے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:

"تمام شد مرثیہ و رباعی و مخمس من تصنیفاتِ میر انیس صاحب سلمہ۔ جس صاحب کو خریدنا ہو قاضی صاحب کی دکان جو واقع کولسہ محلہ موجود ہے تشریف لے جا کر خرید فرمائیں۔"

راقم نے 'قومی آواز' کی گزشتہ اشاعتوں میں یہ لکھا تھا کہ نقوی صاحب مرحوم کے مرتب کردہ مراثی انیس کی چار جلدیں مطبوعہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور بے ترتیب، غلط اور ناقص ہیں۔ اس سلسلے میں سلام کا ایک مصرع بھی پیش کیا تھا ع

رہی غرور سے نفرت سیاہ کاروں کو

نقوی مرحوم نے 'قومی آواز' کے ضمیمہ کی اشاعت مورخہ ۲ اپریل ۱۹۷۸ء میں لکھا ہے کہ زیرِ نظر مصرع انھوں نے کتابت کے دوران درست کیا تھا لیکن پریس والوں نے اِسے کیا سے کیا بنا دیا۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے اِسے ہرگز مرثیہ کا مصرع نہیں کہا ہے اور راقم کو ان الفاظ میں للکارا کہ "ذرا دکھاؤ کہ میں نے مرثیہ سے کہاں متعلق کیا ہے؟ میری مرتبہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۶ پر یہ شعر سلام ہی کے ماتحت چھپا ہُوا موجود ہے۔ ایسی غلط بیانیاں کرکے عوام کو گمراہ کرنا کہاں تک جائز ہے؟"

"ایسے محقق کا کیا کرے کوئی" جو بجائے حقیقت بیانی کے لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکے۔ نقوی مرحوم نے مراثی انیسؔ جلد اوّل کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ صحتِ کلام کے سلسلے میں جناب سیّد مسعود حسن رضوی اور جناب سیّد احتشام حسین نے ان کی مدد کی تھی۔ اور پاکستان میں سیّد وقار عظیم اور جناب نسیم امروہوی نے صحتِ کلام میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ آگے چل کر پھر لکھا ہے کہ:

"کتابت کے دوران ہی میں ایک بار پھر پاکستان آیا اور اپنے بزرگ جناب نسیم امروہوی سے جو عصرِ حاضر کے بہترین مرثیہ گو بھی ہیں بڑی امداد لیتا رہا۔ اور آپ نے کتابت کی غلطیوں، بحر سے گرے ہوئے مصرعوں نیز زبان کے اعتبار سے بعض غلطیوں کی تصحیح فرمائی۔ بعض مصرعے جو وزن سے گرے ہوئے تھے اور ہر ایڈیشن میں اسی طرح چھپے ہیں۔ اس کی تصحیح ایک شاعر ہی بغیر الفاظ کو بدلے ہوئے کر سکتا تھا۔ ایسی جگہوں پر آپ نے تصحیح کی۔ مثلاً یہ مصرع:

رہی غرور سے نفرت سیہ کاروں کو

"سیہ" وزن سے گر گیا ہے۔ آپ نے اس کو اس طرح کر دیا:

رہی غرور سے نفرت سیاہ کاروں کو"

یہاں پر بطور اطلاع یہ گزارش ہے کہ نسیم صاحب کی تصحیح سے مصرعہ تو موزوں ہو گیا لیکن معنی کے اعتبار سے پھر بھی جوں کا توں مہمل رہ گیا۔ اور ایسے لغو اور مہمل مصرع کو میر انیسؔ کی طرف منسوب کرنا زبان و ادب کی توہین ہے۔ مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ بدکار غرور سے نفرت کرتے ہیں۔ غرور ایک بُرائی ہے اور بُرے لوگ ہی اسے اختیار کرتے ہیں۔ نکوکار برائی سے اجتناب کرتا ہے۔ یہاں پر دوسری فاش غلطی یہ ہے کہ انھوں نے سلام کے مصرع کو مرثیے کا مصرع سمجھا ہے کیونکہ اس ضمن میں وہ مرثیہ کی صحت کے بارے میں ہی بحث کرتے ہیں اور اگر وہ اسے واقعی سلام کا مصرع سمجھتے تو انھیں اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال یہ میر انیسؔ کے ایک مشہور سلام کا مصرع ہے جو ہر اڈیشن میں ایسا ہی چھپا ہے جیسے کہ اسے نقوی صاحب نے جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۶ میں شائع کیا ہے۔ راقم کی نظر سے اس سلام کے کئی قلمی نسخے گزرے ہیں۔ ان میں سے دو نسخے جناب مسعود حسن رضوی کے کتاب خانے میں محفوظ تھے اور ان دونوں نسخوں میں سلام کے ۱۰ شعر درج ہیں اور مصرع یوں ہے:

رہی غرور سے نفرت نجستہ کاروں کو

سلام کا مطلع یہ ہے: ؎

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

اب دیکھیے زیرِ نظر مصرع کی وضاحت مصرع ثانی سے خود بخود ہوتی ہے اور یہ سلام کا بارھواں شعر ہے:

رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے

موصوف نقوی مرحوم کا یہ کہنا ہے کہ مصرع اُنھوں نے درست کرکے پریس والوں کو بھیجا تھا ان کا یہ عذرِ لنگ قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔ موصوف جیسے اہلِ زبان اور زبان داں سے ایسی فاش غلطی سرزد ہونا قابلِ افسوس ہے۔

نقوی صاحب مرحوم نے "آج کل" نئی دہلی کے میر انیس نمبر میں ص ۶۰ میں جو ۳۰ غیر مطبوعہ مراثی کی فہرست شائع کی۔ اس میں راقم نے "قومی آواز" کی گزشتہ اشاعتوں میں بیشتر مرثیوں کو رد کرکے مطبوعہ ثابت کیا ہے۔ ان میں سے ایک مرثیہ یہ بھی ہے:

مطلع:

اے اہلِ عزا رخصتِ اکبرؑ ہے پدر سے

اس سلسلے میں تفصیل کے لیے ضمیمہ ہفتہ دار "قومی آواز" لکھنؤ صفحہ ۲ کالم ۴ سطر ۲۷ مورخہ ۶ فروری ۱۹۷۷ء دیکھا جا سکتا ہے۔ راقم نے اس میں ٹھوس بنیادوں پر ثابت کیا کہ مرثیہ غیر مطبوعہ نہیں ہے بلکہ چھپا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود نقوی صاحب نے لکھا ہے کہ مرثیہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور اپنے بیان کی تائید میں جناب سید مسعود حسن رضوی مرحوم کا بھی حوالہ دیا ہے کہ موصوف نے بھی اِسے غیر مطبوعہ مرثیہ تسلیم فرمایا تھا۔ نقوی صاحب نے "قومی آواز" کی اشاعت مورخہ ۳ اپریل ۱۹۷۷ء میں کالم ۳ میں "پانچویں بات" کے تحت لکھا ہے:

"صاحبِ مضمون (اکبر حیدری) نے متعدد مطلعے لکھے ہیں جو میری طرف سے غیر مطبوعہ مراثی کے طور پر شائع ہو چکے ہیں حالانکہ میں نے تا ایں وقت صرف تین مراثی غیر مطبوعہ شامل کیے ہیں:

۱ - کھولا علم جو خسروِ زریں کلاہ نے

۲ - یا رب عروسِ فکر کو حسن و جمال دے

۳ - اے اہلِ عزا رخصتِ اکبرؑ ہے پدر سے"

اس کے بعد نقوی مرحوم نے لکھا ہے کہ:

"پہلے مرثیہ کا تو آپ نے ذکر نہیں فرمایا۔ دوسرے کے سلسلے میں جزوی اعتراض وارد فرمایا گویا کہ تینوں مرثیے غیر مطبوعہ تسلیم ہیں۔"

جہاں تک پہلے مرثیہ کا تعلق ہے۔ یہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے کہنے کے مطابق سال ۱۹۷۲ء سے قبل پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں "ماہِ نو" پاکستان کا میر انیس نمبر مطبوعہ ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۶۵ مرثیہ ۱۴۰ ملاحظہ ہو۔ جناب نائب حسین نقوی مرحوم نے اسے جون ۱۹۷۵ء میں "آج کل" نئی دہلی کے میر انیس نمبر میں شائع کیا ہے۔ راقم کی نظر سے اس کے تین قلمی نسخے گزرے ہیں۔ تفصیلات آگے درج ہیں۔

مرثیہ ۲ — یا رب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے

مرثیہ کے بعض قلمی نسخوں میں یہ میر انیسؔ کے صاحبزادے میر رئیسؔ سے منسوب ہے۔ راقم کی نظر سے اس کے دو نسخے جناب رشید صاحب کے کتاب خانے میں گزرے ہیں۔ نسخہ اوّل ناقص از آخر ہے۔ اس میں مقطع موجود ہی نہیں ہے۔ ابتدا کے سادہ ورق پر "من تصنیف رئیس" درج ہے۔ دوسرے نسخے میں انیسؔ اور مونسؔ دونوں کے مقطعے نمایاں ہیں۔ راقم نے اس مرثیہ کو پاکستان میں شائع کرایا ہے۔ نقوی صاحب مرحوم کے مطابق یہ زیرِ نظر مرثیہ مفتی محمد عباس قبلہ کے پاس مرزا نوشاہ کے لیے انیسؔ نے بھیجا تھا اور ثبوت کے لیے طوبیٰ کا کوئی مرقومہ نسخہ ان کے پیش نظر ہے جو میر انیسؔ، انسؔ، مونسؔ، نفیسؔ، رئیسؔ اور دُولھا صاحب عروجؔ کے سامنے انہی کے دولت کدہ پر نقل کیا گیا تھا۔ اگر ایسی کوئی تحریر ان کے پاس موجود ہوتی تو وہ اسے پیش کر چکے ہوتے۔

مرثیہ ۳ — اے اہلِ عزا رخصتِ اکبرؔ ہے پدر سے

اس مرثیہ کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ راقم نے اسے بھی مطبوعہ مرثیہ ثابت کیا ہے۔ اب ذرا حقیقتِ حال تفصیل سے سماعت فرمائیں۔ نقوی صاحب نے آج سے پانچ سال قبل یہ مرثیہ ہفتہ وار "سرفراز" لکھنؤ کے انیسؔ نمبر جلد ۵۰ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۷۲ء میں صفحہ ۷۵۸ میں "میر انیسؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ مرثیہ کے آغاز میں تمہید کے طور پر نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ تیس مراثی میرے پاس ایسے ہیں جن کے قدیم قلمی نسخے مختلف اکابرینِ ادب اور اربابِ ذوق کے یہاں بھی محفوظ ہیں۔ ان مخطوطات میں سے بعض جناب مہاراجکمار صاحب محمود آباد اور جناب سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے کتب خانوں میں موجود ہیں اور ان کے مسودات قلمی مراثی انیسؔ کی جلدوں میں شامل ہیں نیز دُوسرے اصحابِ ذوق کے پاس بھی ان کے مراثی کے قدیم نسخوں کا وجود ملتا ہے۔ یہ تمام مرثیے اسی لیے مستند کہے جا سکتے ہیں کہ سب کے سب عہدِ حیاتِ قرب وفاتِ میر انیسؔ کے نقل کردہ ہیں۔ سب میں مقطع اور تخلص موجود ہیں۔ بعض میں سنہ نقل اور نامِ ناقل بھی شامل ہے ایسے مشترک مراثی جن کے مختلف خطی نسخے مختلف مقامات، مختلف شائقینِ کلامِ انیسؔ، مختلف اکابرینِ ادب اور شناسانِ انیسؔ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں نیز ان میں کا کوئی مرثیہ علاوہ میر انیسؔ کے کسی دُوسرے شاعر کے تخلص کے ساتھ نہیں ملتا اور بعض میر انیسؔ ہی کے نام سے تمام اربابِ ذوق نے نقل بھی کیے ہیں ان کو غیر مصدقہ اور غیر مستند کیسے کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان ہی میں کا ایک مرثیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام مراثی مرکزی انیسؔ صدی کمیٹی نئی دِلّی میر انیسؔ کی صد سالہ یادگار کے سلسلے میں شائع کر رہی ہے۔"

اس کے بعد نقوی صاحب "نوٹ" میں فرماتے ہیں کہ:

"زیرِ نظر مرثیہ کا خطی نسخہ جناب مہاراجکمار صاحب آف محمود آباد کے یہاں بھی محفوظ ہے۔ چنانچہ بنیادی مخطوطے سے مطابقت کر کے لفظی اختلاف کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔"

مرثیہ پر جناب سید مسعود حسن رضوی مرحوم نے ہفتہ وار "سرفراز" لکھنؤ کی اشاعت مورخہ ۹ اپریل ۱۹۷۲ء میں کچھ اعتراض وارد کیے تھے۔ جناب نقوی مرحوم نے سرفراز لکھنؤ کی اشاعت مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۷۲ء میں "میرے اُوپر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات" کے

عنوان سے ایک مراسلہ شائع کیا تھا۔ موصوف نے اخبار کے صفحہ ۱ میں کالم ۱ میں لکھا ہے کہ:

"اخبار سرفراز مورخہ ۹ راپریل ۱۹۷۲ء میں راقم الحروف کے پیش کردہ غیر مطبوعہ مرثیہ میر انیسؔ کے سلسلے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے بعض اعتراضات معہ تصحیح نظر سے گزرے۔ سب سے بڑی مسرت تو یہ ہے کہ موصوف نے سرفراز کے مطبوعہ مراسلے میں موجودہ مرثیے کو میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ تسلیم فرما لیا ہے۔ مجھے ان کے اس جملے سے بڑا سکون ہو گیا۔ حقیقتاً اہم سوال تو یہی تھا کہ آیا یہ مرثیہ میر انیسؔ ہی کا ہے یا میں نے خود گھڑ کر محض الحاق کر دیا ہے۔"

جناب نقوی مرحوم کو اپنی اس تحقیق پر فخر تھا، اور اس مرثیہ کے غیر مطبوعہ ہونے پر انھیں بہت ہی ناز تھا۔ شادمانی کے سیلاب میں بہہ کر انھوں نے اسی مرثیہ کے اعتراض کے جواب میں جناب مسعود حسن رضوی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ مسعود صاحب کو چالیس سال تک پڑھا سکتے ہیں۔ نقوی صاحب مرحوم نے یہ نام نہاد "غیر مطبوعہ مرثیہ" جناب مرزا امیر علی صاحب جونپوری کو ہدیۃً نذر کیا تھا۔ مرزا صاحب نے اسے خوش ہو کر جواہراتِ انیسؔ جلد دوم مطبوعہ ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۸۵ میں شائع کیا۔ راقم نقوی صاحب کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ جس مرثیہ کو موصوف تا ایں دم غیر مطبوعہ تسلیم کرتے ہیں وہ آج سے قبل ۷۰ سال "مرثیہ ہائے میر انیسؔ مرحوم" جلد پنجم صفحہ ۱۳۶ مطبع جعفری میں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ راقم کی نظر سے اس کا ایک مخطوطہ بھی گزرا ہے۔ اس میں ۸۵ بند ہیں۔ اور ذیل کے مطلع سے شروع ہوتا ہے:

فرزندِ پیمبرؐ سے جُدا ہوتے ہیں اکبرؑ   ماں باپ کے جینے کا مزہ کھوتے ہیں اکبرؑ
خاموش کھڑے اشکوں سے مُنہ دھوتے ہیں اکبرؑ   روتے ہیں اُدھر شاہ اِدھر روتے ہیں اکبرؑ
ہستی کا چمن ہوتا ہے پامالِ خزاں سے
بن پھولے پھلے جاتے ہیں گلزارِ جہاں سے

اوپر کا مطلع اور ذیل کا مطلع ثانی زیرِ نظر مطبوعہ مرثیے میں غائب ہیں۔ البتہ مطلع اوّل کی بیت تغیرِ الفاظ کے ساتھ مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ مطلع ثانی بند ۴۰ سے مخطوطے میں شروع ہوتا ہے:

جب نیزہ سے رن میں ہوئے گھائل علی اکبرؑ   مرنے پہ ہوئے ضعف سے مائل علی اکبرؑ
بے تاب جو تھے صورتِ بسمل علی اکبرؑ   گھوڑے سے گرے تھامے ہوئے دل علی اکبرؑ
غُل تھا کہ ملی خاک میں تصویر نبیؐ کی
دولت ہوئی برباد حسینؑ ابنِ علیؑ کی

ان کے علاوہ بند ۴۱ سے بند ۵۶ تک یعنی ۱۶ بند مطبوعہ مرثیے سے غائب ہیں اور یہ سبھی بند مطبع جعفری جلد پنجم میں صفحہ ۲۴۷ میں مطلع ثانی "جب نیزہ سے رن میں ہوئے گھائل علی اکبرؑ" کے تحت علٰحدہ مرثیے کے طور پر ۲۲ بند میں درج ہے۔ نقوی مرحوم کے زیرِ نظر مرتّب کردہ مرثیے میں غلطیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان غلطیوں پر تبصرہ کرنا ناممکن ہے البتہ بعض اختلاف نسخ اور غلطیوں کی نشان دہی کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مرثیہ   اے اہلِ عزا رخصتِ اکبرؑ ہے پدر سے

	مصرع جس طرح نقوی مرحوم نے شائع کیا	اختلافِ نسخ
بند ۱ مصرع پنجم	حق ہے کوئی شے بیٹے سے بہتر نہیں ہوتی	سچ ہے کوئی شے بیٹے سے بہتر نہیں ہوتی
بند ۲ ٹیپ	ہنسنے کا چمن ہوتا ہے پامالِ خزاں سے بن پھولے پھلے جاتے ہیں گلزارِ جہاں سے	ہستی کا چمن ہوتا ہے پامال خزاں سے نسخۂ ثانی میں "خزاں میں" اور "جہاں میں" قافیہ ردیف ہے۔
بند ۵	بچّے کو لیے گرد پسر پھرتی ہے مادر ہیں بال کھلے سر سے گری جاتی ہے چادر شہ سے یہ اشارہ ہے کہ یا سبطِ پیمبرؐ روکو انھیں مرنے کو چلے سبطِ پیمبرؐ	پہلا مصرعہ معنی کے لحاظ سے مہمل ہے تیسرے اور چوتھے میں قافیہ غائب ہے۔ مصرعے یُوں ہیں: سر پیٹ کے جب گردِ پسر پھرتی ہے مادر ہیں بال کھلے سر سے گری پڑتی ہے چادر آہستہ اشارہ ہے کہ یا سبطِ پیمبرؐ روکو انھیں ہاتھوں سے چلے اب علی اکبر
بند ۶	صاحب مرے فرزند کو چھاتی سے لگا لو	بند کے چاروں مصرعوں میں لگالو، منالو، بلالو اور بچالو کے بجائے لگاؤ، مناؤ، بلاؤ اور بچاؤ قافیے ہیں۔
بند ۸ مصرع سوم	ناچار ہوں بانو نہیں بنتی کوئی تدبیر	ہے ہے میں کروں کیا کوئی بنتی نہیں تدبیر
بند ۹ مصرع اوّل	اتنے میں کمر باندھ چکا شاہ کا دلدار	اتنے میں کمر باندھ چکے اکبر جرّار
بند ۱۰ مصرع دوم	کیا کہتے ہو رخصت کسے کہتے ہیں میں قرباں	کیا کہتے ہو رخصت کسے کہتے ہیں مری جاں
بند ۱۱ مصرع سوم	عباسؑ سے قوت تھی سو دُنیا سے سدھارا	وہ
〃 〃 چہارم	اب اور کوئی ہے مری پیری کا سہارا	اب کوئی نہیں ہے مری پیری کا سہارا
بند ۱۲	فرزندِ حسنؑ کے تو شجاعت کے بیاں ہوں	کی
بند ۱۳	اب جانِ حزیں سینے میں گھبراتی ہے بابا	جسم
بند ۱۴	فرمایا کہ پانی ہمیں ہوتا جو میسّر	مجھے
بند ۱۶ مصرع ۱	تم ہوتے تو یہ ہوتا کہ لاشہ تو اٹھاتے	کو
〃 〃 ۳	اس دشت میں مر کر تو بھلا دُھوپ نہ کھاتے	مرتے
〃 〃 ۶	کچھ غم نہیں بے کس کی بھی میت کا خدا ہے	کچھ غم نہیں پر خیر ہمارا بھی خدا ہے

بند ۱۷ مصرع ۱	حضرتؑ نے یہ فرمایا تو بانو کو ہوئی یاس	حضرت نے یہ فرمایا تو بانو ہوئی بے آس
بند ۱۹	اب آگ کلیجے کی بھڑکتی ہے بجھاؤ	میں
	دادی سے خفا ہیں علی اکبرؑ کو مناؤ	بند ۱۷ اور ۱۸ میں حضرت بانو کا ذکر آیا ہے بند ۱۸ کے تیسرے مصرع میں انھوں نے اپنے کو دائی بتایا ہے لہذا مصرع میں دادی غلط اور دائی صحیح ہے۔
بند ۲۱ مصرع پنجم	کیا خوب صلہ پالنے کا ہم کو ملا ہے	کیا خوب صلا پالنے والی کو ملا ہے
بند ۲۲	جب دیکھا انھیں پیار کبھی ان پہ نہ آیا	جب دیکھا انھیں پیار ذرا ان پہ نہ آیا
بند ۲۴	اس پالنے والی کی محبت کو سمجھتے	اس پالنے والی کی محبت کو نہ سمجھے
	اٹھارہ برس کی مری محنت کو سمجھتے	اٹھارہ برس کی مری خدمت کو نہ سمجھے
بند ۲۹ ٹیپ	یہ سن کے چلے آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال	دلبند سے مادر کا جو دیکھا نہ گیا حال
	پھر مادرِ دل خستہ کا دیکھا نہ گیا حال	باہر گئے خیمے سے دھرے آنکھوں پہ رومال
بند ۳۱ مصرع اول	رو رو کے یہ کہتا تھا ید اللہ کا پیارا	دیکھی جو یہ حالت نہ رہا ضبط کا یارا
" ۳۲ " "	گھوڑے سے اتر کر قدم آنکھوں سے لگاؤ	گھوڑوں سے اتر کر قدم آنکھوں سے لگاؤ
" " " چہارم	رخ پھیرو کمانوں کے بس اب نیزے ہٹاؤ	رخ پھیرو کمانوں کے بس اب نیزے لٹاؤ
بند ۳۵	گمراہ تھے تم میں نے رہ راست بتائی	مہماں نے یاں آن کے راحت بھی نہ پائی
	ہرگز کلمہ کی بھی تمھیں شرم نہ آئی	مطلق کلمہ کی بھی تمھیں شرم نہ آئی
بند ۳۷ مصرع سوم	ہاتھوں سے بھی اک دست چھٹے قبضۂ شمشیر	ہاتھوں سے لعینوں کے چھٹے قبضۂ شمشیر
بند ۳۸ مصرع دوم	اے صف شکنو! ہے یہ غلط دھیان تمھارا	ہاں غازیو! اس دم کدھر ہے دھیان تمھارا
بند ۴۴ مصرع دوم	نہ ماہ میں یہ ضو ہے نہ مہر میں مہ تنویر	نہ ماہ میں یہ ضو ہے نہ ہے مہر میں تنویر
بند ۴۴ مصرع سوم	نازاں نہ ہو کیونکر قلمِ کاتبِ تقدیر	نازاں ہو نہ کیونکر قلمِ صانعِ تقدیر
بند ۴۶ مصرع اول	بینی میں شمیم چمن خلد بھری ہے	سینے
ٹیپ	رخ گل ہے تو یہ غنچۂ گلزار جہاں ہے	گلزارِ جناں
	اور بیچ میں مہ کے الفِ ماہ عیاں ہے	یہ بیچ میں منھ کے الفِ ماہ عیاں ہے
بند ۴۷ مصرع اول	شانوں میں بھی کیا شان ید اللہ ہے پائی	نے
" " دوم	جامے سے عیاں صاف ہے بازو کی صفائی	دیکھی نہیں یہ ماہِ دو ہفتہ میں صفائی

بند ۴۸ مصرع ۳	ناخن کی طرح ہاتھ میں ہے عقدہ کشائی	حیدر
″ ″ ۶	باندھے ہیں مگر انگلیاں شمشیر زنی پر	کمر
بند ۴۹ ″ ۳	کب چشمۂ مہتاب میں یہ حُسن و ضیا ہے	چہرہ
بند ۵۰ ″ ۱	مالک ہیں وہ حق کے یہ قدموں کا ہے دستور	آتے نہیں بے اِذن کبھی یاں ملک و حُور
″ ″ ۳	تہہ کرتے ہیں زانوئے ادب یاں ملک و حُور	ثابت ہے رہِ حق میں یہ قدموں کا ہے دستور
بند ۵۱ ″ ۱	پوشاک کی تعریف کو کیا لکھ سکے خامہ	پوشاک کی تعریف رقم کیا کرے خامہ
″ ″ ۲	برسوں میں کبھی ختم نہ ہو مدح کا نامہ	برسوں جو لکھے ختم نہ ہو مدح کا نامہ
بند ۵۳ ″ ۱	شمشیر ہلال فلک فتح و ظفر ہے	شمشیر ہلالی سبب فتح و ظفر ہے
″ ″ ۳	جب وار چلا پھر کہیں دشمن کو مفر ہے	جب وار چلا پھر نہیں دشمن کو مفر ہے
بند ۶۰ ٹیپ	عباسؑ کی تصویر ابھی خوں میں بھری ہے	عباسؑ کی . . . . . . بھری ہے
	بسم اللہ! اگر آپ کو دردِ پدری ہے	لڑ لیجیے گر آپ کو دردِ پدری ہے
بند ۷۱ مصرع ۲	دروازے پہ تھیں بیبیاں زینب کو سنبھالے	بانو (اور یہی درست ہے)
″ ″ ۵	کہہ دے کہ تمھیں دیر سے چلاتی ہے بانو	کہہ دو
بند ۷۴	عباسؑ کے آنے سے تو اب یاس ہے بھیّا	بھائی
	بھیّا کو تمھاری ہی فقط آس ہے بھیّا	بھینا ، بھائی

مرثیہ — کھولا علم جو خسروِ زرّیں کلاہ نے[1]

جناب ضمیر اختر نقوی کے کہنے کے مطابق یہ مرثیہ پاکستان میں ۱۹۷۱ء میں چھپا۔ اس کے بعد جناب ثاقب حسین نقوی مرحوم نے اسے جون ۱۹۷۵ء میں 'آج کل' نئی دہلی میر انیس نمبر میں شائع کیا تھا۔ راقم الحروف کی نظر سے اس کے تین قلمی نسخے گزرے ہیں۔ دو رشید صاحب کی ملکیت میں قلمی مراثی جلد چہارم مرثیہ ۲۷ اور قلمی مراثی جلد ہشتم میں ۱ کے تحت محفوظ ہیں۔ تیسرا نسخہ بڑی خستہ حالت میں جناب مرزا امیر علی جونپوری کے پاس ہے۔ اس میں ۱۴۵ بند ہیں اور ناقص از آخر ہے۔ سادہ ورق پر ابتدا میں یہ عبارت درج ہے:

"حسبِ فرمائش جناب خداوند نعمت سپہر کرامت جناب راجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ بتاریخ نہم ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء

تحریر یافت۔ بخط خام احقر الانام آغا حسن۔"

رشید صاحب کے نسخوں میں ۱۵۳ اور ۱۵۱ بند بالترتیب ہیں۔ نقوی مرحوم کے مطبوعہ نسخے میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ ذیل میں اختلافِ نسخ کے ساتھ چند غلطیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے:

---

[1] یہ مرثیہ بعض قلمی نسخوں میں مونس اور انس کے نام درج ہے۔

بند	مصرع	مصرع، جیسا کہ نقوی صاحب نے شائع کیا	اختلافِ نسخ
بند ۳	مصرع ۶	غرفوں سے سر نکالے تھیں حُوریں بھی سیر کو	مُنھ
بند ۵	″ ۴	اک سمت نوحؑ و آدمؑ و یحییٰؑ تھے اشکبار	بے قرار
″	″ ۶	موسیٰؑ عصا لیے ہوئے پردے کے پاس تھے	موسیٰؑ عصا لیے ہوئے ڈیوڑھی کے پاس تھے
بند ۱۱	″ ۱	حسرت یہ ہے کہ جعفرِ طیارؑ آپ ہوں	حسرت ہے یہ
بند ۱۲	″ ۲	واللہ حق یہ آپ کا ہے اے فلک مآب	جناب
بند ۱۴	″ ۴	تشریف جلد لائیں کہ کچھ کام ہے ضرور	تشریف جلد لائیے کچھ کام ہے حضور
بند ۱۵	بیت	چہرہ یہ سن کے سرخ ہوا اس جناب کا کِھل جائے جیسے پھول چمن میں گلاب کا	چہرہ یہ سن کے سُرخ ہوا اس جناب کا کِھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا
بند ۱۷	مصرع ۱	داخل ہوئے حرم میں جو وہ غیرتِ قمر	ہوا
″	″ ۵	کیا اوجِ رایتِ شہِ گردوں جناب تھا	مآب
بند ۱۸	″ ۲	حاضر ہیں شیرِ بیشۂ ضرغام کردگار	ہے
″	″ ۳	بھائی کہاں تھے تم ادھر آؤ کہ میں نثار	گئے تھے
″	″ ۵	کیا بندوبست ہے جو ٹہلتے ہو شیر سے	کہ
″	″ ۶	آنکھیں ہماری ڈھونڈتی ہیں تم کو دیر سے	تھیں
بند ۲۰	″ ۳	مولا یقین یہ ہے کہ بڑا آج رن پڑے	"یقین" میں نون اعلانیہ ہے اور "یہ" زاید ہے۔
بند ۲۲	″ ۳	چوبِ علم جری نے پکڑ کر بصد حشم	چوب علم پکڑ کے جری نے بصد حشم
بند ۲۶	″ ۶	واری! کسی طرح سے بچانا حسینؑ کو	بچالے
بند ۲۹	″ ۲	عمّو ہزار جاں سے تری پیاس پہ نثار	میں
بند ۳۳	″ ۱	پردہ اٹھا کے بڑھ گئے عباسؑ باحشم	اٹھا تو
″	″ ۵	پنجے کی ضو، نشانِ تجلی دکھا گئی	دکھاتی تھی
″	″ ۶	ہر گل کو بُو بہشت کے پھولوں کی آگئی	آتی تھی
بند ۳۶		(یہ مطلع ثانی کے تحت درج ہونا چاہیے تھا)	
بند ۳۸	″ ۱	اللہ رے، شاہِ دیں کی سواری کا احتشام	اہتمام
بند ۴۴	″ ۱	میداں میں پھر تو چلنے لگے فوجِ شر سے تیر	ناگہ سوئے خیام چلے

بند	مصرع	مصرع	لفظ
بند ۴۶	مصرع ۲	چمکے زمیں پہ دھوپ سے تارے دمِ جدال	میں
〃	〃 ۴	قاسم بھی ان میں ہوگئے گھوڑوں سے پائمال	دن
〃	〃 ۲	بھائی کا ہاتھ اٹھالیا ماتھے پہ رکھ کے ہات	سر
بند ۵۷	〃 ۴	ناکام وہ رہے کہ جو ہو نام کا غلام	کام
بند ۶۴	〃 ۴	عباسؑ ہم کہاں تمھیں ڈھونڈیں گے جا کے اب	ہے غضب
بند ۶۵	〃 ۴	بڑھ کر چڑھا فرس پہ وہ صفدر بہ احتشام	غازی
بند ۶۷	〃 ۳	شیر نبرد، صف شکن، عرصۂ جدال	شیر نبرد وصف شکن دعرصۂ جدال
بند ۶۹	〃 ۴	حیدرؑ صدا یہ دیتے تھے آکر صفوں کے پاس	پسر
بند ۸۲	〃 ۲	واں ابرووں پہ بل ہے ادھر دل ہیں چاک چاک	یاں
〃	〃 ۵	کیا خوفِ چشم زخم جو دشمن ہزار ہیں	زخم چشم
بند ۸۳	〃 ۱	پہلو کو آفتاب کے دابے ہوئے ہے شام	میں
〃	〃 ۶	ہالہ قمر کے گرد ہے تحت الفلک نہیں	تحت الحنک[1]
بند ۸۴	〃 ۳	دانتوں سے موتیوں کی خجالت عدن میں ہے	
〃	〃 ۴	گویا عدن کی ساری بضاعت یمن میں ہے	دہن
بند ۸۵	〃 ۲	آئینۂ سحر بھی یہاں موردِ حجاب	ہے
〃	〃 ۳	دیکھو قبا کے پردے میں شیشے کی آب و تاب	سینے
بند ۹۳	〃 ۴	گھوڑے کی جست وخیز سے ہلنے لگی زمیں	گھوڑوں
بند ۹۵	〃 ۵	ڈھالیں دکھا کے خم، سپرِ شام ہوگئی	اٹھا کے
بند ۹۶	〃 ۲	آگے بڑھے تو ڈر سے ہٹی نہر علقما	گھٹی
〃	ٹیپ	میداں سے دل میں فوجِ ستم گر کے جا پڑا	بجلی سا
		اک شیر تھا کہ قلب میں لشکر کے جا پڑا	مانندِ شیر
بند ۹۸	مصرع ۲	لشکر میں جس کا ہاتھ اٹھا سر گرا گئی	بڑھا
بند ۱۰۱	〃 ۱	وہ قد وہ رنگ و روپ وہ مستانہ اس کی چال	چال ڈھال

[1] تحت الحنک۔ زاہدوں کا معمول ہے کہ عمامہ کا ایک پیچ ٹھڈی کے نیچے سے نکال کے سر میں لپیٹ لیتے ہیں۔ حنک ٹھڈی کے حصۂ زیریں کو کہتے ہیں۔ (لغات کشوری)

بند ۱۱۱ مصرع ۲	نیزوں کے سر قلم کیے اعدا کے سر شگاف	پر
بند ۱۱۳ ٹیپ	قتل ان کو بھی کیا جو سمرقند والے تھے	نقل
	اور مصریوں کے جسم تو میٹھے نوالے تھے	مُنھ کے
بند ۱۱۹ مصرع ۲	دیکھا کھڑے ہیں تیروں کو تانے ہوئے سوار	نیزوں
〃 ٹیپ	اک شور ہے کہ جانے نہ دینا دلیر کو	تھا
	ہاں اے جوانو! گھیر لو دریا میں شیر کو	پہ
بند ۱۲۰ مصرع ۴	بے یار و آشنا کی مدد کیجیو خدا	کیجو اے
بند ۱۲۱ 〃 ۳	جس طرح تُو نے نوحؑ کو آفت میں دی نجات	طوفاں سے
بند ۱۲۴ 〃 ۲	ناوک در آئے سینہ میں آگے بڑھے اگر	آتے
بند ۱۳۱ 〃 ۵	جاویں گے نہر تک یہی اب دل پہ ٹھن گئی	جاؤں نہر تلک
بند ۱۳۲ 〃 ۶	بی بی! تمھیں نے بھائی کو میرے گنوا دیا	ہے ہے
بند ۱۳۸ 〃 ۲	مارا شقی نے شانے پہ تیغا جو آبدار	ایک بار
بند ۱۳۹ 〃 ۲	پہلو سے دب کے دوسرے ظالم نے بے خطر	بے خبر

نسخۂ نائب صاحب نقوی (مطبوعہ) کے بند نمبر ۸۶، ۷۷، ۱۰۹ نسخۂ امیر علی میں نہیں ہیں۔ نسخۂ امیر علی میں دو بند زاید ہیں۔ انھیں مطبوعہ کے بند ۱۱۲ کے بعد ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک بند (پہلا مصرع: گو راہ وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک) مطبوعہ نول کشور جلد دوم میں (مرثیہ: جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا) بند نمبر ۱۰۰ کے تحت درج ہے۔ یہ مطبوعہ نظامی جلد اول صفحہ ۹۳ میں بھی اسی مرثیے میں شامل ہے۔ البتہ دُوسرا بند نسخۂ امیر علی کا ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

رکتا نہ تھا کہیں پسرِ شاہِ قلعہ گیر　　حربے بھی کاٹ جاتے تھے تیغِ قضا نظیر
پھندے میں خود اجل کے وہ خود سر ہوئے اسیر　　دوڑے تھے راس وچپ جو کمندیں لیے شریر
زخمی پڑے سسکتے تھے اور چشم باز تھی
کیا ان حرام زادوں کی رسّی دراز تھی

جناب نائب حسین نقوی مرحوم نے جن غیر مطبوعہ مرثیوں کا ذکر آج کل نئی دہلی میر انیس نمبر مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۵۸ تا ۶۰ میں کر رکھا ہے اور جن کے بارے میں اُنھوں نے بار بار کہا ہے:

"انیسؔ کے غیر مطبوعہ مراثی کی میری تیار کردہ فہرست قطعی طور پر محقق ہو چکی ہے۔"[1]

---

[1] غالب نامہ ص ۱۱۱ مطبوعہ جنوری، اپریل ۱۹۷۶ء، غالب انسٹی ٹیوٹ ایوان غالب مارگ نئی دہلی

ان میں سے راقم الحروف نے ذیل کے مرثیے مطبوعہ ثابت کیے ہیں:

(۱) اے اہلِ عزا رخصت اکبرؑ ہے پدر سے — ۸۰ بند مطبوعہ مطبع جعفری صفحہ ۱۲۶ جلد پنجم
(۲) کھولا علم جو خسروِ زریں کلاہ نے — ۱۴۷ بند مطبوعہ کراچی بحوالہ ماہِ نو انیس نمبر صفحہ ۲۶۵
(۳) خیر النساءؑ کے باغ میں آمد خزاں کی ہے — ۸۰ بند مطبوعہ بحیات انیس وجلد دوم جواہراتِ انیس

اِن مرثیوں کی تفصیل اُوپر آچکی ہے۔ مزید مرثیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۴) آمدِ ہند کا غُل عترتِ شبیرؑ میں ہے — ۵۹ بند

یہ مرثیہ مرزا دبیر کے نام سے دفتر ماتم جلد نہم صفحہ ۱۶۲ مطبع علوی لکھنؤ مطبوعہ سال ۱۳۱۰ھ میں موجود ہے۔ مطلع اول، مطلع ثانی اور مقطع پیش کیا جاتا ہے:

قید خانے میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے — دُخترِ فاطمہؑ غیرت سے مُوئی جاتی ہے
رُوح قالب میں وہ زندان میں گھبراتی ہے — بے حواسی سے ہر اک بار یہ چلّاتی ہے
آسماں دور زمیں سخت کدھر جاؤں میں
بیبیو! مل کے دُعا مانگو کہ مرجاؤں میں

آمدِ ہند کا غُل عترتِ شبیرؑ میں ہے — شورِ ماتم حرمِ صاحبِ تطہیر میں ہے
دُخترِ فاطمہؑ رُو پوشی کی تدبیر میں ہے — کہتی ہے جاؤں کہاں پاؤں تو زنجیر میں ہے
کس غضب کی یہ خجالت ہے دہائی لوگو!
ہند آ پہنچی مجھے موت نہ آئی لوگو!

بس دبیرؔ اب نہیں تصنیف کا یارا باقی — گو کہ مضموں نئے ہیں ابھی کیا کیا باقی
یا الٰہی! رہے جب تک کہ یہ دنیا باقی — تعزیہ دار رہیں شاہ کے ہر جا باقی
جو غلامانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں
غالب کل کے مخالف پہ سدا غالب ہوں

جناب محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۲۸۹ھ مراثی انیس قلمی جلد دوم میں شامل ہے۔ اس میں ۴۳ بند ہیں لیکن مقطع موجود نہیں ہے مرثیہ ناقص ہے۔ مرثیہ ۱۳۱۰ھ میں دفتر ماتم میں اس وقت چھپا جبکہ میر انیس اور مرزا دبیر کے شاگردوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ شاگردوں کے علاوہ خاندانِ میر انیس میں میر نفیس، میر علی محمد صاحب عارف، دُولھا صاحب عروج، پیارے صاحب رشید اور مرزا دبیر کے فرزند بلند اقبال مرزا اوج بقید حیات تھے۔ ان لوگوں میں سے کسی نے دفتر ماتم کی اشاعت میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا لامحالہ مرثیہ بہ تحقیق مرزا دبیر کی تصنیف سے ہے۔

(۵) مرثیہ آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی — ۱۲۰ بند

نقوی صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق یہ ۱۱۶ بند میں غیر مطبوعہ مرثیہ ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ مرثیہ غیر مطبوعہ نہیں ہے۔ جناب سیّد محمد رشید صاحب کے قلمی مراثیِ انیسؔ جلد چہارم میں یہ مرثیہ نمبر ۲ کے تحت ۱۲۰ بند میں چھپا ہوا ملتا ہے۔ مرثیے کی تقطیع ۱۰ × ۶ ہے۔ یہ صفحہ ۲۲۹ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۲۵۲ پر ختم ہوتا ہے۔ ہر صفحہ میں ۵ بند درج ہیں۔ ہر بند یکے بعد دیگرے اور پانچواں دو دو مصرعوں میں حاشیہ پر ہے۔ ہر صفحہ کی پیشانی پر "مجلس ۹" اور "انیس" لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ "پہنچنا امام حسینؑ کا دشتِ کربلا میں" ہر صفحہ پر درج ہے۔ راقم کی نظر سے اس کا قلمی نسخہ بھی گزرا ہے۔ یہاں مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے:

آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی — تجویز کر رہے ہیں ملک خیمہ گاہ کی
سُن کر خبر ورودِ شہِ کم سپاہ کی — ذرّوں نے مُسکرا کے فلک پر نگاہ کی
جنگل میں دن کو روشنیٔ طُور ہو گئی
کوسوں زمین حُسن سے معمور ہو گئی

بس اے انیسؔ دیکھ لیا ہم نے رنگِ نظم — مضموں بندھے نہ باندھ کر ہے اس میں تنگِ نظم
گو شوق اب نہیں ہے وُہ اور نہ ترنگِ نظم — پر خُوب سلسلہ ہے عجب ہے یہ ڈھنگِ نظم
اِس کے صِلے ملیں گے تجھے جانبین سے
تحسین سامعین سے جنّت حسینؑ سے

مقطع میں تیسرے اور چوتھے مصرعے میں جو الفاظ خط کشیدہ ہیں وہ جُوں کے تُوں لکھے گئے ہیں۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ انیسؔ کے مطبوعہ مراثی میں غلطیوں کی بہتات ہے، بند نمبر ۱۰۶ سے ۱۰۹ تک آمدِ صبح کا سماں نظم ہوا ہے۔ ذیل میں یہ بند نقل کیے جاتے ہیں:

باتیں یہ تھیں کہ صبح کا تارا عیاں ہُوا — مغرب کی سمت لشکرِ انجم رواں ہوا
وہ چند اور حُسنِ رُخِ کہکشاں ہوا — تا چرخ سربلند جو شورِ اذاں ہوا
دنیا تمام نور سے معمور ہو گئی
وہ رات صبح ہوتے ہی کافور ہو گئی

وُہ پھُولنا شفق کا وہ صحرا وہ سبزہ زار — خودرو وہ گل کِھلے ہوئے وہ موسمِ بہار
صحرا کے طائروں کا چہکنا وہ بار بار — گلزارِ کربلا میں پپیہے کی وُہ پکار
جھونکے نسیمِ صبح کے لہریں فرات کی
تڑکا وُہ نورِ صبح کا خنکی وہ رات کی

چلنا صبا کا دشت میں نازاں وہ دمبدم — پھیلی ہُوئی وہ چاروں طرف نکہتِ ارم
وہ بُلبلوں کی زمزمہ پردازیاں بہم — پنجہ کی وہ لچک وہ سرافرازیِ علم
باہم مقابلہ میں وہ لشکر کھڑے ہوئے
دونوں طرف نشانوں کے جھنڈے گڑے ہوئے

گلہائے ارغواں کا لہکنا وہ بار بار بلبل کا عشق گل میں چہکنا وہ بار بار
بےخود صبا کا ہو کے بہکنا وہ بار بار (بند۱۰۹، صفحہ ۲۱۲ چوتھا مصرع غائب ہے)
شبنم سے تھا بھرا جو کٹورا گلاب کا
دھویا نسیم صبح نے منھ آفتاب کا

(۶) مرثیہ اے چرخ ستمگار یہ کیا جور و جفا ہے ۵۱ بند
جناب نقوی صاحب نے آج کل نئی دہلی کے میرانیس نمبر صفحہ ۵۰ کالم نمبر ا، مد نمبر ۴ کے تحت فرمایا ہے کہ:
"کئی مراثی مولوی سید محمد عبادت صاحب امروہوی نے عنایت فرمائے۔ یوں تو آپ کے یہاں مراثی کا بہت کچھ خزانہ موجود ہے۔ لیکن ان سب میں تین مراثی غیر مطبوعہ ہاتھ لگے۔ ان میں سے ایک مرثیہ عراق کے ایک تاریخی واقعہ پر مبنی ہے اور بعض بزرگوں کو اس کے بند اب تک یاد ہیں۔ اس کا مطلع ہے:
اے چرخ ستمگار یہ کیا جور و جفا ہے جو ظلم ترے دور میں دیکھا سو نیا ہے
رشتے ہیں عجب شہر میں سامان عزا ہے کیسی یہ قیامت ہے جو عالم میں بپا ہے
بستی وہ لٹی، لٹ کے جو آباد ہوئی تھی
ایسی کبھی دنیا میں نہ بیداد ہوئی تھی

یہ مرثیہ ۳۸ بند پر مشتمل ہے۔ اس کا مقطع ہے:
" کر حق سے انیس اب یہ دعا با دل پرغم یا قادر و یا ناصر یا خالق و اکرم
قایم رہے دنیا میں شہنشاہ معظم سلطان جہاں قبلۂ دین حامی عالم
دریائے کرم ہے یہ جناب احدی کا
سایا رہے اس فرق ہمایوں پہ علی کا"

نقوی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:
"سید محمد عبادت صاحب کے والد مولوی احمد حسن صاحب میرانیس کے عہد میں مفتی محمد عباس صاحب لکھنوی سے تلمذ کرتے تھے اور عرصے تک حیات انیس ہی میں لکھنؤ میں مقیم رہے۔"
یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:
"اس مرثیہ کا اصل نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا نسخہ دستیاب نہیں ہوسکا۔"
راقم کی تحقیق کے مطابق یہ مرثیہ مطبوعہ ہے اور جلد ششم قدیم مطبع دبدبۂ احمدی سال طباعت ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۱۹۰۱ء میں صفحہ ۳۹۴ میں ذیل کے مطلع ثانی کے طور پر بند نمبر ۱۴ کے تحت شروع ہوتا ہے:
اے مومنو! مصروف رہو یاد خدا میں جینے کا بھروسا نہیں اس دار فنا میں

اوقات کرو صرف عزائے شہدا میں　　سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
نزدیک ہے دُنیا سے سفر ملکِ عدم کا

اس کے ذیل میں ابتدائی ۱۳ بند میں دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تیرھواں بند یہ ہے :

دستور ہے توشہ سفری لیتے ہیں ہمراہ　　عصیاں کے سوا پاس ہمارے نہیں کچھ آہ
جانا تو مصمم ہے پہ دھڑکا ہے یہ واللہ　　نہ راہ سے آگاہ نہ منزل سے ہیں آگاہ
ہاں ایک اسی امید پہ دل اپنا قوی ہے
رہبر جو ہمارا حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

مرثیہ میں کل ۵۱ بند ہیں۔ ان میں سے مطلع اوّل کے ۱۳ بند کم کرکے مطلع ثانی :

"اے چرخِ ستمگار یہ کیا جور و جفا ہے"

کے ۳۸ بند باقی رہتے ہیں جو نقوی صاحب کو دستیاب ہوئے ہیں اور جس کو وہ غیر مطبوعہ مرثیہ تسلیم کرتے ہیں۔ جلد ششم قدیم کے صفحہ ۳۹۰ میں مرثیہ کا مقطع بند ۵۱ کے تحت یہ ہے :

خاموش انیسؔ آگے نہیں طاقتِ فریاد　　جانکاہ ہے شبیرؑ کے زواروں کی روداد
سینے میں تڑپتا ہے الم سے دلِ ناشاد　　اس ارضِ مقدس کو خدا پھر کرے آباد
گھر بار لٹے در بدر ہر بانیٔ شر ہو
کفار پہ اسلام کے لشکر کی ظفر ہو

مرثیہ جلد ششم جدید اور بک لینڈ جلد ششم کراچی میں بھی چھپا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ نومبر ۱۸۷۶ء میں مطبع اودھ اخبار موسوم بہ مطبع نول کشور کی جلد اول میں صفحہ ۳۹۱ میں ۱۲۴ بند میں چھپا تھا۔ اس کے بعد اسی جلد میں بارنہم ۱۹۷۶ء تک چھپتا رہا۔ نقوی مرحوم نے بھی اسے غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جلد سوم صفحہ ۳۹۴ میں ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔ مقطع بند نمبر ۱۲۴ کے تحت یہ ہے :

خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں کہرام　　کر حق سے دُعا بہرِ حسینؑ ذوی الکرام
کر دے مرے مولا کی زیارت کا سرانجام　　آغاز ہوا جو ہوا بہتر ہو پہ انجام
جس روز میں داخل ہوں رواقِ شہِ دیں میں
اس روز یہ سمجھوں کہ گیا خلدِ بریں میں

اس مرثیہ کے پہلے ۱۳ بند وہی ہیں جو مطبع دبدبۂ احمدی جلد ششم قدیم اور بعد کے اڈیشنوں میں موجود ہیں۔ چودھواں بند یہ ہے :

حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے　　کیا خالقِ اکبر نے شرافت اسے دی ہے

ہے فاطمہؑ ماں، نانا نبیؐ، باپ علیؑ ہے　　بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبریلؑ سوا کوئی کیا اس راز کو جانے
جس شے پہ ہٹا ہے وہی بھیجی ہے خدا نے

مرثیہ میں واقعۂ آہو اور شہادتِ حسینؑ نظم کی گئی ہے۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ دونوں مرثیوں میں مضامین الگ الگ ہیں لیکن مرتبین نے دونوں میں ایک ہی مطلع غلطی سے لکھ دیا ہے۔ نقوی مرحوم کے نسخہ میں مطبوعہ ہونے کے علاوہ دُوسری خرابی یہ ہے کہ وہ نامکمل ہے اور اس میں مقطع بھی غلط درج کیا گیا ہے۔ ان کے مقطع؛

"سلطانِ جہاں قبلۂ دیں حامیٔ عالم"

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں نے عہد واجد علی شاہ (۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء سے ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) میں کربلا میں زواروں کا قتل عام کیا تھا کیونکہ سلطان عالم واجد علی شاہ کو ہی کہتے تھے۔ در اصل یہ واقعہ محمد علی شاہ کے آخری زمانے میں ۱۲۵۸ھ میں ہوا تھا۔ اس کا ذکر نجات حسین عظیم آبادی نے بھی سوانح لکھنؤ میں مرزا دبیرؔ کے سلسلے میں کیا ہے۔ دبیرؔ نے بھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:

اے قہرِ خدا رومیوں کو زیر و زبر کر

تفصیلات کے لیے راقم کی کتاب "شاعرِ اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ" صفحہ ۴۲-۴۳ مطبوعہ اُردو پبلشرز لکھنؤ ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) مرثیہ　　جس وقت یہ شیریں نے سُنا آتے ہیں شبیرؑ

جناب نقوی مرحوم کی رائے ہے کہ یہ مرثیہ ۲۸ بند کا غیر مطبوعہ ہے۔ راقم الحروف کو اس کا ایک قلمی نسخہ مراثی انیسؔ جلد دوم کے آخر میں دستیاب ہوا جو رشید صاحب کی ملکیت میں ہے۔ اس میں بھی ۳۸ بند ہیں۔ ذیل میں مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے:

جس وقت یہ شیریں نے سُنا آتے ہیں شبیرؑ　　اور چاند سی صورت مجھے دکھلاتے ہیں شبیرؑ
صادق ہیں وفا وعدے کو فرماتے ہیں شبیرؑ　　تشریف مرے گھر کی طرف لاتے ہیں شبیرؑ
ناموس بھی ہمراہ ہیں اور بھیڑ بڑی ہے
جنگل میں کئی کوس تلک فوج پڑی ہے

جس وقت سکینہؑ نے کہا پڑ گیا کہرام　　اور پیٹنے رونے میں ہوا صبح کا ہنگام
آئی سرِ شبیرؑ کو لینے سپہِ شام　　رخصت ہوئی شیریں سے حرم بادل ناکام
کس پر ہے انیسؔ ایسا کرم ربِ غنی کا
شہروں میں ہے شہرہ تری شیریں سخنی کا

یہ مرثیہ بھی مطبوعہ ہے۔ اس سلسلے میں مراثی انیسؔ مطبوعہ نول کشور جلد ۴ صفحہ ۲۲۹، مراثی انیسؔ جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ مرتبہ نائب حسین نقوی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور اور جواہرات انیسؔ جلد دوم میں مرثیہ ۶۵ مطبوعہ اردو پبلشرز لکھنؤ ۱۹۷۴ء ملاحظہ فرمائیں۔ ان تینوں مجموعوں میں مرثیہ ۸۰ بندوں میں ذیل کے مطلعے سے چھپا ہُوا نظر آئے گا،

اے مومنو! کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ　　دریائے وفا کے دُرِ شہوار تھے شبیرؑ
خوشنودیِ خالق کے طلب گار تھے شبیرؑ　　اقلیمِ صداقت کے جہاندار تھے شبیرؑ
چاہا جو خدا نے وہی چاہا شہِ دیں نے
کیا وعدۂ طفلی کو نبھایا شہِ دیں نے

(۸) مرثیہ　　جب مرحلۂ عشق کو سَر کر گئے عباسؑ　　۷۲ بند

نقوی مرحوم کی تحقیق میں مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ جب ان کی توجہ مرثیہ کے مطبوعہ ہونے کی طرف مبذول کرائی گئی تو وہ سیخ پا ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۵ صفر ۱۲۸۸ھ کا راقم کے پیش نظر ہے۔ اس میں بھی ۷۲ بند ہیں۔ مرثیہ مطبع نول کشور جلد ۱ صفحہ ۴۰۲ اور اس کے بعد کے سبھی اڈیشنوں میں موجود ہے۔ نقوی صاحب نے بھی اسے اپنے مرتب کردہ مراثی انیس جلد دوم ص ۲۶ مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور میں شامل کیا ہے۔ ان سبھی اڈیشنوں میں مرثیہ ۱۰۴ بند میں چھپا ہے۔ مطلع اوّل کا بند یہ ہے:

جس دم شرف اندوزِ شہادت ہوئے عباسؑ　　غُل تھا کہ نثارِ سرِ حضرت ہوئے عباسؑ
آقا کے قدم چوم کے رخصت ہوئے عباسؑ　　جعفرؑ کی طرح داخلِ جنّت ہوئے عباسؑ
تصویر جو نظروں سے چھپی شیرِ خدا کی
صدمے سے کمر جھک گئی شاہِ شہدا کی

اس میں زیرِ نظر مطلع بند "جب مرحلۂ عشق کو سر کر گئے عباسؑ" موجود نہیں ہے۔ مطبع دبدبۂ احمدی کی جلد ششم قدیم کے صفحہ ۱۵۹ میں مرثیے کا مطلع اوّل و مطلع دوم یکے بعد دیگرے اس طرح درج ہیں:

جب بحرِ شہادت میں شنا کر گئے عباسؑ　　جاں سیّدِ بیکس پہ فدا کر گئے عباسؑ
جو حق محبت تھا ادا کر گئے عباسؑ　　تھا شور کہ دریا پہ قضا کر گئے عباسؑ
تصویر نگاہوں سے چھپی شیرِ خدا کی
صدمے سے کمر جھک گئی شاہِ شہدا کی

مرثیہ میں ۱۴۰ بند ہیں۔ مرتب نے مطلع اوّل کے حاشیے میں لکھا کہ:

"یہ مرثیہ غلط و ناقص ۱۰۴ بند کا مطبع اودھ اخبار میں چھپا تھا۔ اب کامل و صحیح کر کے ۱۴۰ بند کا چھاپا گیا ہے۔"

مرثیہ زیرِ نظر نظم جلد ششم قدیم میں صفحہ ۱۶۵ میں مطلع سوم کے تحت یوں درج ہے:

جب مرحلۂ عشق کو سر کر گئے عباسؑ　　تلواروں میں سینے کو سپر کر گئے عباسؑ
سرِ نذرِ شہ جن و بشر کر گئے عباسؑ　　چلّاتے شہِ دیں کہ سفر کر گئے عباسؑ
اب کوئی نہیں مونس و ہمدم ہے ہمارا
اے اہلِ حرم! پیٹو یہ ماتم ہے ہمارا

متذکرہ بالا قلمی نسخے کے پہلے ۳۰ بند (مطلع سمیت) مطبوعہ نول کشور جلد اول اور مطبوعہ لاہور جلد دوم کے مرثیے میں مفقود ہیں۔ اکتیسواں بند یہ ہے:

آفاق میں ہوتے نہ اگر پنجتنِ پاکؑ　　فرماتا ہے خالق نہ زمیں ہوتی نہ افلاک
کس شخص کے نانا کا لقب ہے شہِ لولاکؐ　　جب نورِ خدا اُٹھ گیا پھر کیا ہے بجز خاک
اللہ و محمدؐ کے جو پیارے ہیں تو یہ ہیں
بالائے زمیں عرش کے تارے ہیں تو یہ ہیں

یہ بند اُوپر کے نسخوں میں بند ۶۲ کے تحت درج ہے۔ قلمی مرثیہ کا مقطع بند ۶۷، مطبع نول کشور اور مطبع لاہور کا بند ۱۰۴ اور جلد ششم قدیم کا بند ۱۳۸ یُوں درج ہے:

خاموش انیسؔ آگے نہ لکھ لاش کا جانا　　پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا　　ہے ذاتِ خدا قادرِ قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

یہی مقطع غلطی سے مطبوعہ نول کشور اور مطبوعہ لاہور کے تمام نسخوں حتیٰ کہ صالحہ عابد حسین کے "انیسؔ کے مرثیے" میں مرتبین نے غلطی سے حبیب ابن مظاہر کے حال کے مرثیے میں درج کیا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:

کیا فوجِ حسینؑ کے جوانانِ حسیں تھے

اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ بحیاتِ انیسؔ جناب مہاراجکمار صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں محفوظ ہے۔ اس میں ۱۱۶ بند ہیں۔ مقطع یہ ہے:

خاموش انیسؔ اب کہ سماعت کی نہیں تاب　　ہے ماتمِ شبیرؑ میں دل آب جگر آب
ہے اشکِ عزادار ہر اک گوہرِ نایاب　　کیا دولتِ دیں لوٹتے ہیں شاہ کے احباب
میزانِ عدالت میں جو اعمال تُلیں گے
عقدِ گہرِ اشک کے اس وقت کھلیں گے

بہرکیف جو بند قلمی نسخہ (جب مرحلۂ عشق کو سر کر گئے عباسؑ) اور جلد ششم قدیم میں زیادہ ہیں اور جو مطبوعہ نول کشور اور دیگر مطبوعہ نسخوں میں کم ہیں وہ علٰحدہ درج کیے جاتے ہیں۔ مہاراجکمار صاحب کے پاس بھی اس کا ایک قلمی نسخہ ہے اس میں ۷۶ بند ہیں۔ ایک اور نسخہ دستیاب ہوا ہے اس میں ۷۴ بند ہیں اور یہ نور الحسن کوکبؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس طرح اس مرثیہ کے تین قلمی نسخے مل سکے۔ دو رشید صاحب اور ایک مہاراجکمار صاحب کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔

(۹)　مرثیہ　　زنداں میں قید جب حرمِ شاہِ دیں ہوئے　　۸۶ بند

نقوی مرحوم نے اس مرثیے کو بھی غیر مطبوعہ قرار دیا ہے اور اس بات پر مُصر تھے کہ مرثیہ میر انیسؔ کی تصنیف سے ہے۔ جناب

رشید صاحب کے پاس اس کے ۱۰۴ بند مطبوعہ کتابچہ کی صورت میں دستیاب ہوئے ہیں۔ مقطع درج نہیں ہے۔ چوبیسواں بند ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

یہ سُن کے پیٹتی ہوئی اُٹھی وُہ اپنا سر　　پٹکا زمیں پہ نوچ کے زیور اِدھر اُدھر
آواز دی خواصوں کو اپنی بہ چشمِ تر　　پیٹو سروں کو گرد مرے حلقہ باندھ کر
بے کس کا غم ہے خاک اڑاؤ بکا کرو
گھر فاطمہؑ کا لُٹ گیا ماتم بپا کرو

راقم الحروف کے پیشِ نظر اس مرثیے کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں ۱۰۲ بند ہیں اور وہ میر مونس کی تصنیف سے ہے۔ دیکھیے مقطع میں مونس تخلص درج ہے :

یہ سُن کے قیدیوں میں قیامت ہوئی بپا　　زنداں سے تا فلک گئی فریاد کی صدا
مونس خدا تجھے تری محنت کی دے جزا　　بر لائیں اہلِ بیتِ نبیؐ دل کا مُدعا
روشن ہے قلب رونے سے آنکھوں میں نور ہے
تیری دعا بھی اہلِ عزا کو ضرور ہے

مرثیہ کے خاتمے میں ذیل کی عبارت درج ہے :

"حسبِ فرمائش جناب محمد علی خاں صاحب بخطِ خام خاکسار احقر مرزا عباس تحریر یافتہ شد۔"

راقم کی نظر سے بہت سے مرثیے گزرے ہیں جو مرزا عباس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ مرثیے میر انیس اور مرزا دبیر کے عہدِ حیات کی یادگار ہیں۔ زیرِ نظر مرثیے کا مطلع یہ ہے :

زنداں میں قید جب حرمِ شاہِ دیں ہوئے　　اُجڑے مکاں میں مالکِ جنّت مکیں ہُوئے
سرتاجِ عرش، قابلِ فرشِ زمیں ہوئے　　پنہاں اندھیری قبر میں وہ مہ جبیں ہُوئے
گھٹ گھٹ گئے تھے دم یہ اسیروں کی شان تھی
کیا ضیق کا مکاں تھا کہ ہونٹوں پہ جان تھی

لکھنؤ کے مشہور عالمِ دین جناب سید محسن نواب صاحب قبلہ مرحوم کی ملکیت میں جو قلمی مراثی کے نسخے تھے ان میں سے بعض راقم کی نظر سے گزرے ہیں ان میں اکثر مرثیوں میں تاریخ کتابت بھی درج ہے اور یہ میر انیس کی زندگی میں نقل کیے گئے ہیں۔ ایک مرثیہ ہے جس کا مطلع بند یہ ہے :

یا رب مجھے مانندِ سحر صدق و صفا دے　　اس قلب کو خورشیدِ منوّر کی ضیا دے
پرواز کروں عرش پہ وہ ذہنِ رسا دے　　اک برق ہو شمشیرِ زباں کو وہ جلا دے
دیکھے جو اسے تیغِ دو دستی کو نہ دیکھے
دے طبع کو وہ اوج کہ پستی کو نہ دیکھے

زیرِ نظر مطلع "زنداں میں قید جب حرمِ شاہِ دیں ہوئے" اس قلمی نسخے کا مطلع دوم ہے۔ اس میں مقطع درج نہیں ہے۔ دراصل مرثیہ "یارب مجھے مانندِ سحر صدق و صفا دے" میر مونس کی تصنیف سے ہے۔ اس میں ۱۵۶ بند ہیں اور یہ مراثی میر مونس میں مرثیہ نمبر ۱۶ کے تحت چھپا ہے مقطع یہ ہے:

مونس متوجہ کبھی دنیا پہ نہ ہونا　　یاں خواب میں بھی چین سے ممکن نہیں سونا
دولت ہے جو راحت سے ملے قبر کا کونا　　رونا ہے تو زشتیٔ اعمال پہ رونا
غربت کا سفر راہ نئی لوگ سنئے ہیں
خاصانِ شہا روتے ہوئے ان سے گئے ہیں

(۱۰) مرثیہ　　جب داخل خرابہ ہوئی ہند خوش سیر　　۳۰ بند

نقوی صاحب نے اس مرثیہ کو بھی علٰحدہ سمجھ کر میر انیس کے غیر مطبوعہ مراثی میں شامل کیا ہے۔ دراصل یہ مرثیہ بھی مذکورہ بالا میر مونس کے مرثیہ کا حصہ ہے اور یہ مطلع ثانی کے طور پر چالیسویں بند سے شروع ہوتا ہے۔ ذیل میں مطلع بند پیش کیا جاتا ہے:

جب داخل خرابہ ہوئی ہند خوش سیر　　ظلمت کو واں کی دیکھ کے بولی بہ چشم تر
دیکھو تو لونڈیو! کہ ہیں یاں بیبیاں کدھر　　سب نے کہا کہ کچھ ہمیں آتا نہیں نظر
رونے کی قیدیوں کی صدائیں بلند ہیں
کھلتا نہیں کہ کون سے حجرے میں بند ہیں

(۱۱) مرثیہ　　خنجر جو بوسہ گاہِ پیمبرؐ پہ چل گیا　　۲۹ بند

جناب نقوی صاحب اس مرثیہ کو غیر مطبوعہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"اس مرثیہ کے تین خطی نسخے نظر سے گزرے اور وہ تینوں حیاتِ انیس کے نقل شدہ ہیں بلکہ ایک نقل ۱۲۴۴ھ کی ہے جس وقت میر صاحب کی عمر ۲۶ سال کی کہی جاسکتی ہے۔"

نقوی صاحب مرحوم نے مزید 'آج کل' نئی دہلی میر انیس نمبر صفحہ ۵۹ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"میں نے جسارت کی ہے کہ ایسے مراثی کو اپنے معیار پر پرکھنے کے بعد انیس سے منسوب کر دیا ہے۔ اب اگر اشاعت کے بعد کسی کے پاس مجھ سے زیادہ ٹھوس ثبوت ہوں تو وہ دے سکتے ہیں ورنہ میری تحقیق حرف آخر کہلائے گی۔"

راقم الحروف کے پیشِ نظر اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ نسخۂ اول میں ۲۶ اور نسخۂ دوم میں ۵۰ بند ہیں۔ موخرالذکر میں دو مقطعے ہیں۔ ایک مقطع وہی ہے جو نسخۂ اول میں ہے۔ دوسرا مقطع اس سے مختلف ہے۔ بہرحال دونوں مقطعے پیش کیے جاتے ہیں:

آگے انیس کر نہ غمِ شاہ کا بیاں　　بے انتہا ہے ماتمِ سلطانِ انس و جاں
درگاہِ حق میں کر یہ دعا ہو کے خوں فشاں　　آویں مدد کو شیر خدا وقتِ قبضِ جاں
صدقے سے شاہ کے نہ عذابِ فشار ہو
داغِ غمِ حسینؑ چراغِ مزار ہو

بس اے انیسؔ آتشِ غم سے جگر جلا　　گر عرض اب خدا سے کہ اے ربِ دوسرا
غمگیں بہت ہوں ہند میں میں غم کا مبتلا　　مشتاق ہوں بلادِ عرب کا اب اے خدا
یارب نہ غم سے اب دلِ وحشی ملول ہو
پہنچوں جو کربلا میں تو مطلب حصول ہو

نسخۂ اول میں دوسرا مقطع ہے۔

دراصل یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کا ہے اور سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں مطبع اودھ اخبار موسوم بہ (مطبع نول کشور) میں "مرثیہ مرزا دبیر" کے مجموعہ میں شائع ہوا۔ اس سلسلے میں جلد اول ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد یہ دفترِ ماتم جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۷۰ مطبع جعفری میں ۵۹ بند میں چھپا۔ جس مسودہ سے یہ نقل کیا گیا وہ ۱۲۶۳ھ کا مکتوبہ تھا۔ مطبع جعفری کے مرثیہ کے آخر میں ذیل کی عبارت چھپی ہوئی ملتی ہے:

"منقول عنہ مورخہ بست و ہفتم ماہ صفر مظفر ۱۲۶۳ھ ہجری روز سہ شنبہ حررہ صفدر مرزا عفی عنہ"۔

مرثیہ دفترِ ماتم جلد ہشتم مطبع شاہی لکھنؤ میں عابد علی خاں مالک مطبع کے اہتمام اور میر عبدالحسین صاحب تاجر کتب لکھنؤ محلہ درگاہ ۱۳ رباغ کی فرمائش سے دوسری مرتبہ صفحہ ۱۷۰ میں ۵۰ بند میں اکتوبر ۱۹۱۲ء میں مرثیہ نمبر ۲۶ کے تحت چھاپا گیا۔ اس جلد کے سرورق کی پیشانی پر گول دائرے میں مرزا اوجؔ کی مہر کا عکس بھی ہے جس میں یہ عبارت درج ہے:

"مہر کتب خانہ اوجؔ صادق آلِ محمد جعفر ۱۳۳۰ھ ہجری"۔

مہر کے اہلو پہلو میں ذیل کی عبارت چھپی ہوئی ملتی ہے:

"نقل دستخط و مہر کتب خانۂ اکمل الکملا افضل الشعرا شاعر آلِ محمد عالی جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ دام فیضہٗ۔
بعض کلام معجز نظام جناب والد ماجد طاب ثراہ سے کہ جو منقسم بیس جلد میں ہے یہ ان کے کتب خانہ سے دیا ہے اور تصحیح کا اقرار کیا ہے۔ باقی نقل کالاصل اس بات کا صادق آنا کاتبوں کے ہاتھ ہے"۔

جناب سید سرفراز حسین خبیرؔ لکھنوی شاگرد مرزا اوجؔ نے راقم کو اپنے دستِ خاص سے دبیرؔ کے بعض مشہور مرثیے نقل کر کے دیئے تھے۔ ان کے ساتھ دبیرؔ کے مطبوعہ مرثیوں کا ایک مجموعہ بھی شامل ہے۔ ایک مرثیہ کے سادہ ورق پر ابتدا میں جناب خبیرؔ صاحب نے اپنے قلم سے لکھا ہے:

"بند ۵۸، خنجر جو بوسہ گاہِ پیمبرؐ پہ چل گیا۔ تصنیف مرزا دبیر صاحب مرحوم"۔

دوسرے صفحہ کے ۶ صفحوں پر مشتمل یہ مرثیہ ۵۸ بندوں میں درج ہے۔ مرثیہ کے آخر میں رباعی بھی درج ہے:

اقلیمِ حواس بے خودی نے لوٹا　　اور شیشۂ صبر سنگِ غم سے ٹوٹا
یہ ماہِ رجب وہ ہے کہ جس میں شہؑ سے　　نانا کی لحد چھٹی مدینہ چھوٹا

ہر صفحہ میں چھے بند چھپے ہیں۔ مرثیے کا مقطع یہ ہے:

آگے دبیرؔ کہہ نہ غمِ شاہ کا بیاں　　بے انتہا ہے ماتمِ سلطانِ انس و جاں

درگاہِ حق میں کر یہ دُعا ہو کے خُوں فشاں　　آویں مدد کو شیرِ خدا وقتِ قبضِ جاں
صدقے سے شاہ کے نہ عذابِ فشار ہو
داغِ غمِ حسینؑ چراغِ مزار ہو

مرثیہ کے جس نسخے میں انیسؔ تخلص درج ہے اور جس میں ۵۰ بند ہیں ان میں سے ۴۹ بند وُہ ہیں جو مرزا دبیرؔ کے زیرِ بحث مرثیے میں موجود ہیں اور جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اسی طرح دُوسرے نسخہ کے اکثر بند بھی اس مرثیے میں چھپ چکے ہیں۔ جناب نقوی مرحوم کا یہ کہنا لغو اور بے بنیاد ہے کہ ان کے پاس زیرِ نظر مرثیہ کا ایک نسخہ ۱۲۴۴ھ کا مکتوبہ ہے جس میں انیسؔ تخلص درج ہے۔ ذیل میں مرثیے کا مطلع درج کیا جاتا ہے:

خنجر جو بوسہ گاہِ پیمبرؐ پہ چل گیا　　سروِ بتول زخموں کے پھولوں سے پھل گیا
خیمہ تمام طُور کے مانند جل گیا　　دِن ہو گیا اداس زمانہ بدل گیا
آندھی سیاہ چلتی تھی دشتِ نبرد میں
قطرے لہو کے گرتے تھے گردوں سے گرد میں

مرثیہ بہ تحقیق مرزا دبیرؔ کا ہے اور اسے میر انیسؔ کی طرف منسوب کرنا گمراہ کن ہے۔

(۱۲) مرثیہ　　درِ یزید پہ آلِ عبا کی آمد ہے　　۴۷ بند

جناب نقوی صاحب نے یہ مرثیہ میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مراثی کی فہرست میں نمبر ۱۷ کے تحت آج کل نئی دہلی کے میر انیسؔ نمبر صفحہ ۶۰ میں ۴۷ بند میں درج کیا ہے۔ راقم کی تحقیق کی روشنی میں یہ بھی مطبوعہ ہے اور مرزا دبیرؔ کی تصنیف سے ہے۔ مرثیہ دفترِ ماتم جلد ۱۴ میں صفحہ ۱۵۱ میں ۱۶۵ بند میں درج ہے۔ اس میں چار مطلعے اور دو مقطعے ہیں جو ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلا مطلع بند نمبر ۱ صفحہ ۱۵۱

درِ یزید پہ آلِ عبا کی آمد ہے　　قدم قدم پہ فلک سے بلا کی آمد ہے
ادھر تو قافلۂ کربلا کی آمد ہے　　ادھر گروہ گروہ اشقیا کی آمد ہے
اسیر شکر میں ہیں اور شور و شین میں ہیں
خدا کے ذکر میں ہیں ماتمِ حسینؑ میں ہیں

دوسرا مطلع بند نمبر ۷ صفحہ ۱۵۲

عزیزو! حادثۂ نو فلک دکھاتا ہے　　حرم کا قافلہ پیشِ یزید آتا ہے
گلے بندھے ہیں بدن سب کا تھرتھراتا ہے　　نہ سانس لیتے ہیں قیدی نہ بولا جاتا ہے
جو گرتے ہیں تو ستمگار نیزے مارتے ہیں
وہ رو کے حیدرِ کرّار کو پکارتے ہیں

پہلا مقطع بند نمبر ۵۴ صفحہ ۱۵۶

ندا علیؑ کی یہ آئی کہ اے اسیرِ جفا　　خدا کے عرش پہ ہے اب تو زلزلہ پیدا
سرِ حسینؑ کے پہلو میں ہے جو شورِ بکا　　یہ حوریں پیٹ رہی ہیں کہ غش میں ہے زہرا
ندا یہ سُن کے حرم پہ قلق کا جوش ہوا
دبیرؔ کیا کہے ماتم کا جو خروش ہوا

تیسرا بند مطلع نمبر ۶۴ صفحہ ۱۵۶

طبق میں جب کہ سرِ شاہِ دیں نظر آیا　　سکینہ سر کو یہ پیٹی کہ عرش تھرآیا
تڑپ کے گود میں اس کی جو شہ کا سر آیا　　تو تازیانہ لیے شمرِ بد گہر آیا
نمودِ معجزۂ شاہِ ذوالفقار ہوا
ہوا میں دستِ یداللہ آشکار ہوا

چوتھا مطلع بند نمبر ۶۹ صفحہ ۱۵۹

بلا اٹھا کے حرم کربلا میں آتے ہیں　　مریضِ شام کے ، دارالشفا میں آتے ہیں
عجب شکوہ سے دشتِ بلا میں آتے ہیں　　غمِ حسینؑ میں یادِ خدا میں آتے ہیں
جگر کے ٹکڑے بھرے دامنوں میں لائے ہیں
مزارِ شہؑ پہ چڑھانے کو پھول آئے ہیں

مقطع آخری بند نمبر ۱۲۳ صفحہ ۱۶۵

ندا یہ سُن کے ہوئے قبر سے وداعِ حرم　　میانِ حجرۂ زہرہؑ بہت کیا ماتم
دبیرؔ بس کر ہے ہر دل پہ اب ہجومِ الم　　دراز عمر غمِ شاہ کم ہے عمرِ قلم
بیانِ حادثۂ اہلبیتؑ آساں نیست
حکایتیست کہ آنرا بشرحِ پایاں نیست

(۱۳) مرثیہ　　سوچیں سب صاحبِ اولاد کہ کیا مشکل ہے　　۷۳ بند

جناب نقوی مرحوم کا اصرار ہے کہ یہ مرثیہ بھی غیر مطبوعہ ہے اور اس کا انکشاف انھوں نے میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مراثی کی فہرست میں فرمایا ہے۔ موصوف نے یہ "آج کل" کے میر انیسؔ نمبر میں نمبر ۱۴ کے تحت درج کیا ہے۔ نقوی مرحوم نے حاشیے میں لکھا ہے کہ "یہ مطلع درمیانی معلوم ہوتا ہے۔ اصل مطلع کی تلاش ہے۔"

راقم عرض کرتا ہے کہ اب اصل مطلع تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مطلع یہ ہے :

مومنو! مرنے کو ہمشکلِ نبیؐ جاتا ہے　　دولتِ بانوئے بیکس پہ زوال آتا ہے

کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے　　داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
ماں تڑپتی ہے شہو جن و بشر روتے ہیں
کس جواں بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں

مرثیہ میں ۸۰ بند ہیں اور اس کا ایک قلمی نسخہ راقم کو جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں نظر سے گزرا۔ نقوی صاحب کا یہ فرمانا غلط ہے کہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ در اصل یہ مطبع نول کشور کی جلد سوم میں آج تک نو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ خود جناب موصوف نے بھی اِسے مراثی انیسؔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جلد سوم میں صفحہ ۱۰۶ میں شائع کیا ہے۔ زیرِ نظر مرثیہ نول کشور کی جلد سوم صفحہ ۱۰۹ میں بند نمبر ۹ کے تحت درج ہے اور یہ مرثیہ کا مطلع ثانی ہے۔ ذیل میں مطلع ثانی کا بند اور مقطع پیش کیا جاتا ہے:

۱　سوچیں سب صاحبِ اولاد کہ کیا مشکل ہے　　تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے　　زخم اکبرؑ نے نہیں کھائے پہ ماں بسمل ہے
پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

مقطع بند نمبر ۸۰

کوئی کہتی تھی کہ مارا گیا ہم شکلِ رسولؐ　　کوئی کہتی تھی کہ بیکس ہوا فرزندِ بتولؑ
کوئی کہتی تھی گرا گلشنِ شبیرؑ کا پھول　　بس انیسؔ جگر افگار مناسب نہیں طول
کر دعا حق سے کہ عاجز ہوں گنہگار ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ سرورؑ کا عزادار ہوں میں

(۱۴)　مرثیہ　　وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم　　۷۱ بند

نقوی مرحوم کی تحقیق ہے کہ یہ مرثیہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اسی لیے انھوں نے اسے غیر مطبوعہ مراثی انیسؔ کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ موصوف اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ غالباً درمیانی مطلع ہے۔ اصل مطلع کی تلاش ہے۔"

راقم معتبر شواہد کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ کوئی غیر مطبوعہ مرثیہ نہیں ہے بلکہ انیسؔ کے ایک مشہور مرثیے کا حصّہ ہے جس کا بند مطلع ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا　　فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا　　پنجہ پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا کبھی نہ تھا جو علم اس نمود کا
دونوں طرف سے فوج میں غل تھا درود کا

مرثیہ مطبع نول کشور جلد دوم صفحہ ۲۶۹ میں بار نہم، مطبع نظامی بدایونی جلد دوم صفحہ ۱۶۹، اور شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جلد دوم صفحہ ۱۹ میں حضرت عباسؑ کے حال میں ۱۶۲ بند میں دو دو مرتبہ چھپا ہے۔ یہ مرثیہ متعدد بار روحِ انیس میں بھی چھپا ہے۔ نقوی صاحب کے مبلغ علم پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ انھیں یہ مشہور مرثیہ روحِ انیس میں بھی نظر نہیں آیا جو ان کے خیال میں غلطیوں کا پلندہ ہے۔ نقوی مرحوم کا دیا ہوا مطلع مرثیہ "جب رن میں سر بلند علیؑ کا علم ہوا" کے پانچویں بند کا پہلا مصرعہ ہے۔ ذیل میں پورا پانچواں بند اور مرثیہ کا مقطع پیش کیا جاتا ہے:

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجے کی وہ چمک وہ سر افرازیِ علم گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سایہ میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

مقطع بند نمبر ۱۶۲

بس اے انیس روک لے اب خامے کی عناں یہ غم ہے جانگداز نہ کبھی ہوئے گا بیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی ہیں اشکِ خوں رواں خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ دوجہاں
آنکھوں سے مَس کروں میں مزارِ بتولؑ کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؐ کو

(۱۵) مرثیہ   یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے   ۱۷۱ بند

اس مرثیے کا ذکر ضمناً اوپر آچکا ہے۔ یہ حال ہی میں جناب نقوی مرحوم نے "غالب نامہ" سہ ماہی مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ کے صفحہ ۱۱۲ میں، ۸۰ بند میں شائع فرمایا تھا تمہید میں مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ زیرِ نظر مرثیہ میر انیس نے جناب مفتی محمد عباس قبلہ کے پاس مرزا نوشاہ کے لیے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں نقوی مرحوم نے میر انیس کے نام مفتی صاحب کے ایک خط کا اقتباس بھی نقل کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"یا انیس الذاکرین صحیفہ شریفہ کہ طرب افزائے خاطر سوگوار و مرہم نہِ دل افگار بود رسیدہ و مسرت ہائے زاید الوصف بخشید۔ امید کہ گاہ گاہے بعد از سالے و ماہے بچنیں نوازش و الطاف یاد آور ایں مہجور و رنجور بودہ"

مندرجۂ بالا اقتباس سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ میر انیس نے یہی مرثیہ مرزا غالب کے لیے مفتی صاحب کے پاس بھیجا تھا اور یہ بھی کہیں ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مفتی صاحب قبلہ نے اسے غالب کے لیے ہی نقل کرایا تھا۔ نقوی مرحوم کا یہ فرمانا بھی بعید از حقیقت ہے کہ بمبئی کے ایک نسخے میں حاشیے پر یہ عبارت درج ہے:

"برائے مرزا نوشاہ نقل شدہ، در ۱۲۷۹ھ ہجری نقل شد۔"

موصوف نے یہ عبارت گھڑلی ہے۔ ماہرِ غالبیات جانتے ہیں کہ دوست احباب مرزا غالب کو مرزا نوشہ کہتے تھے ۔ خود مرزا نے یہی خطاب مہر میں نقش کرایا تھا۔ مہر انھوں نے ۱۲۳۱ھ ہجری میں یُوں بنوائی تھی :

عرف میرزا نوشہ
۱۲۳۱
اسد اللہ خاں

قدیم سے قدیم تذکروں میں بھی غالب کی یہی عرفیت درج ہے ۔ اس بارے میں عمدۂ منتخبہ جیسے قدیم ترین تذکرہ کی مثال پیش کی جاسکتی جس میں سب سے پہلے مرزا کا ترجمہ لکھا گیا۔ راقم نے مرزا نوشاہ غالب کے نام کے ساتھ کہیں نہیں دیکھا ہے بلکہ ہر جگہ "مرزا نوشہ" ہی نظر سے گزرا ہے۔

راقم الحروف کے پیشِ نظر مرثیے کے دو قلمی نسخے رہ چکے ہیں۔ نسخہ اول کی ابتدا میں نورالحسن کوکب نے اپنے ہاتھ سے "مرثیہ من تصنیف رئیس" لکھا۔ اس میں تخلص والا بند نہیں ہے۔ ناقص از آخر ہے۔ دُوسرے نسخے میں انیس تخلص ہے اور اس میں ۱۷۱ بند ہیں۔ راقم نے اسے کراچی سے شائع کرایا ہے۔ نقوی صاحب نے غالب نامہ میں مرثیہ کے جو ۸۰ بند شائع کیے ہیں۔ وُہ نامکمل اور بے ترتیب ہیں اور بعض بندوں میں غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ مثال کے طور پر صفحہ ۱۱۵ کے بند نمبر ۱۶ کی ٹیپ ملاحظہ ہو۔ نقوی صاحب نے اسے یُوں لکھا ہے :

لشکر میں جا پڑیں گے ارادے غضب کے ہیں
چتون بھی قہر کی ہے وہ تیور غضب کے ہیں

نقوی مرحوم نے دونوں مصرعوں کی ردیف "غضب کے ہیں" بیان فرمائی ہے جو کہ غلط ہے صحیح شعر یہ ہے :

لشکر پہ جا پڑیں گے ارادے یہ سب کے ہیں
چتون بھی قہر کی ہے تو تیور غضب کے ہیں

نقوی مرحوم کے نسخے میں ۹۱ بند کم ہیں ۔ انھوں نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ زیر نظر مرثیہ کا انتخاب شائع ہو رہا ہے اور نہ ایڈیٹر نے ہی کہیں پر یہ لکھا ہے کہ چونکہ مرثیہ طویل تھا اس لیے انتخاب ہی پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل میں چند بند پیش کیے جاتے ہیں جو غالب نامہ میں درج نہیں ہیں۔

بند نمبر ۷۷

ناگاہ باد پا کو اڑایا دلیر نے ۔۔۔ نیزہ عجب ہنر سے ہلایا دلیر نے
سایہ جو گیسوؤں کا دکھایا دلیر نے ۔۔۔ گھوڑے کو قلبِ فوج میں پایا دلیر نے
ہر جا صفوں میں دھوم ہوئی اس جلوس کی
بُو چار سُو مہک گئی عطرِ عروس کی

بند ۸۷

شان و شکوہ سب حسنِ مجتبیٰ کی تھی — بھالا ہلا رہے تھے یہ حسرت وغا کی تھی
جرأت جو قہر کی تھی تو ہمت بلا کی تھی — اس سن میں تھا وہ رعب کہ قدرت خدا کی تھی
چھایا ہوا تھا نور جو اس لالہ فام کا
فق تھا سحر کی طرح سے رنگ اہلِ شام کا
ناگاہ صفوں سے بارشِ تیرِ ستم ہوئی — باجوں کی فوج کیں میں صدا دمبدم ہوئی
لڑنے پہ واں سپاہ عدو سب بہم ہوئی — اور یاں جدا نیام سے تیغِ دودم ہوئی
جلوہ دیا وغا میں عجب آب و تاب سے
گویا ہلال ڈوب کے نکلا سحاب سے

بند نمبر ۱۰۰

یہ بات کہہ کے قاسمِ گلگوں قبا بڑھے — گویا جہاد کو حسنِ مجتبیٰ بڑھے
جس کی بساط خاک پہ ہوئے وہ کیا بڑھے — ملتی ہے کب اماں کہ جو تیغِ قضا بڑھے
سب طنطنہ شقی کا فرو ہو کے رہ گیا
نامرد ایک ضرب میں دو ہو کے رہ گیا

(۱۶) مرثیہ — رو مجو آج قیامت کا روز ہے

نقوی مرحوم نے یہ مرثیہ ۵۴ بند کا غیر مطبوعہ قرار دیا ہے اور اس کے حاشیے میں 'آج کل' کے میرانیس نمبر میں لکھا ہے کہ:

"یہ مرثیہ جواہر علی فیض آبادی کے بستے سے دستیاب ہوا۔ ان کا امام باڑہ فیض آباد میں موجود ہے۔"

موصوف کو یہاں بھی غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ جواہر علی خاں خواجہ سرا کا امام باڑہ اب تک فیض آباد میں موجود ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ مرثیہ ہذا ان کے بستہ سے نقوی صاحب کو کیسے دستیاب ہوا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ جواہر علی خاں کا انتقال میرانیس کی ولادت سے چار سال قبل ۱۲۱۴ھ میں فیض آباد میں ہوا تھا اور اپنے امام باڑہ میں دفن ہیں۔ قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے: ؎

آں جواہر کہ بود صاحب نام — کرد در زیر خاک چوں آرام
سالِ فوتش چناں گفت سروشش — گشت مدفون بزیر پائے امام
۱۲۱۴ھ

زیرِ نظر مرثیہ راقم کو میرانیس کے نام کسی نسخے میں نظر سے نہیں گزرا ہے اسی لیے راقم اسے مشکوک سمجھتا ہے۔ یہ کسی مرثیے کا درمیانی مطلع معلوم ہوتا ہے۔

(۱۷) مرثیہ — کیا آمدِ ہلالِ محرم کا شور ہے — ۳۳ بند

نقوی مرحوم نے اسے غیر مطبوعہ فہرست انیس میں نمبر ۲۹ کے تحت ۳۳ بند میں شامل کیا ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق

یہ دراصل میر مونس کا ہے اور ان کے مجموعہ مراثی جلد اول مطبع نول کشور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت پانچواں ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۲ء راقم کے سامنے ہے۔ اس میں یہ مرثیہ صفحہ ۹۹ میں درج ہے اور یہ ۱۱۹ بند پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ابتدا کے ۴ بند مطلع سمیت اور مقطع پیش کیا جاتا ہے۔

مطلع بند نمبر ۱

کیا آمدِ ہلالِ محرم کا شور ہے — ارض و سما میں شیعوں کے ماتم کا شور ہے
فوجِ ملائکہ میں اسی غم کا شور ہے — برپا ہے حشر دیدۂ پُر نم کا شور ہے
سُونی ہے قبر فاتحِ بدر و حنین کی
آتی ہے ہر طرف سے صدا شور و شین کی

بند نمبر ۲

ہر جا بپا ہے ماتمِ سلطانِ بحر و بر — کعبہ سیاہ پوش ہے حجاجِ نوحہ گر
ہے چاہ میں حسینؑ کے زمزم کی چشم تر — خم بار رنج و غم سے ہے محراب کی کمر
ساماں ہے ماتمِ شہِ عالم پناہ کا
اُٹھتا ہے غُل زمین سے فریاد و آہ کا

بند نمبر ۳

تیرِ غمِ حسینؑ ہر اک دل کے پار ہے — اس غم میں مرغ قبلہ نما بے قرار ہے
ہے رعد نعرہ زن تو سحاب اشکبار ہے — بلبل کا دل بھی لالہ صفت داغدار ہے
ہر قلب کے لیے یہی غم ایک بیش ہے
لالے کا دل لہو ہے جگر سینہ ریش ہے

بند نمبر ۴

پٹکا ہے سر سے خسروِ خاور نے تاجِ زر — تھرا رہا ہے جسم تو چہرہ ہے خُوں میں تر
فرطِ الم سے چاک گریباں کا ہے سحر — سوزِ دروں سے داغ ہے مہتاب کا جگر
رونے کو آسماں پہ ہیں انجم تلے ہوئے
ہیں غم میں بال لیلئِ شب کے کھلے ہوئے

مقطع بند نمبر ۱۱۹

مونس خموش غم سے کلیجہ فگار ہے — مجلس میں واحسینؑ کی ہر سُو پکار ہے
دل مضطرب ہے چشم سدا اشکبار ہے — ماتم میں شاہِ دیں کے ہر اک سوگوار ہے

پرسہ دو مصطفےٰ کو امامِ انامؑ کا
ماتم کرو حسین علیہ السلام کا

(۱۸) مرثیہ　　جب تیغِ ظلم سے سرِ سروَرؑ جدا ہُوا　　۴۶ بند

نقوی مرحوم نے اسے بھی غیر مطبوعہ تسلیم کیا ہے اور یہ بھی انیسؔ کے غیر مطبوعہ مراثی میں نمبر۱۱ کے تحت شامل کیا ہے۔ مرثیہ کا یہ نسخہ مہاراجکمار صاحب کے بستۂ سوم میں ۴۶ بند میں محفوظ ہے۔ راقم کو اس کا ایک اور نسخہ نظر سے گزرا ہے اس میں نفیسؔ تخلص درج ہے اس لیے یہ مرثیہ بھی انیسؔ سے متعلق مشکوک ہے۔

(۱۹) مرثیہ　　اُٹھا جو شہ نے بہرِ وغا آستین کو　　۵۰ بند

نقوی مرحوم کی رائے میں یہ بھی میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ ہے۔ اس مرثیہ کو میر انیسؔ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ دراصل سید محمد زکی بلگرامی تخلص زکیؔ شاگرد مرزا دبیرؔ کا ہے۔ ثابتؔ لکھنوی نے زکیؔ کے مراثی کی جو فہرست دربارِ حسین صفحہ ۱۴۷ میں شائع کی ہے اس میں زیرِ بحث مرثیہ نمبر ۴ کے تحت درج ہے۔

جناب نقوی مرحوم نے ذیل کے مراثی بھی انیس کے غیر مطبوعہ کلام کی فہرست میں شائع کیے ہیں۔ یہ مراثی راقم کی نظر سے کہیں نہیں گزرے۔ غالبًا یہ بھی انیسؔ یا کسی اور مرثیہ گو کے مطبوعہ کلام کے درمیانی مطلعے ہوں۔ اس لیے راقم انیسؔ سے متعلق ان کو بھی مشکوک سمجھتا ہے۔ مطلعوں کے ساتھ نقوی مرحوم کے دیے ہوئے نمبر درج کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے 'آج کل' دہلی انیسؔ نمبر صفحہ نمبر ۶۰ مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء ملاحظہ ہو:

نمبر	مطلع	تعداد بند
۹	روؤ مجبّو آج قیامت کا روز ہے	۴۵
۱۰	جب بادِ خزاں چل گئی احمدؐ کے چمن پر	۲۷
۱۳	جب غرق ہُوا خوں میں جہاز آلِ نبیؐ کا	۲۵
۱۵	جب نونہالِ گلشنِ مسلم خزاں ہوتے	۴۴
۱۸	دو شیروں کی نیزوں کے گلستاں میں ہے آمد	۶۰
۲۵	عرصہ ہوا حرم کو جو زندانِ شام میں	۱۱۷
۲۷	کونین میں محیط ہے کس مہ جبیں کا نور	۹۵

الحاقی مرثیے

راقم نے گزشتہ صفحات میں واضح طور پر بتایا ہے کہ مرتبین نے مراثی انیسؔ غلط، بے ترتیب اور ناقص چھاپے ہیں۔ ان خامیوں اور کوتاہیوں کے علاوہ کلامِ انیسؔ میں الحاقی مرثیے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ذیل میں چند الحاقی مرثیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

ابتدا میں ایک مرثیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے :

(۱) مرثیہ — واللہ عجب شانِ شہنشاہِ رُسل ہے — ۱۲۱ بند

یہ سب سے پہلے عبدالحسین نے جلد پنجم قدیم اور پھر جلد پنجم جدید میں شائع کیا۔ اس کے بعد جب مرزا محمد عباس نے جلد پنجم جدید کو ترتیب دے کر ۱۹۶۱ء میں بک لینڈ کراچی سے شائع کیا تو انھوں نے بھی اِسے مراثیِ انیس جلد پنجم میں شامل کیا۔ مرثیہ کے تینوں مطبوعہ نسخوں میں جلد پنجم قدیم جلد پنجم جدید اور بک لینڈ کراچی جلد پنجم میں بند نمبر ۱۲۱ کے تحت ذیل کا مقطع درج ہے :

جو احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کو ہوئی ایذا — جو ظلم و ستم شبّرؑ و شبّیرؑ پہ گزرا
ہوویں گے کبھی ظالم و مظلوم بھی یکجا — اب جانئے خوشی ہے انیسؔ آگے کہے کیا
جب حشر کو یہ دفترِ جاں سوز کھلے گا
اس ظلم کا بھی حال اسی روز کھلے گا

زیرِ نظر مرثیہ دراصل میاں دلگیر کی تصنیف ہے۔ اس میں ۱۲۲ بند ہیں اور یہ "کلیات مرثیہ دلگیر" جلد چہارم ص ۲۹ مطبوعہ نول کشور دسمبر ۱۸۸۵ء مطابق ربیع الاول ۱۳۰۳ھ میں درج ہے۔ مقطع بند نمبر ۱۲۲ کے تحت یہ ہے :

کیا فاطمہؑ کے بَین کہوں میں جگر افگار — جب تک کہ وہ جیتی رہی تھی دُکھ میں گرفتار
مظلوم اُٹھی وہ جگر احمدِ مختار — حق کون اسے دیتا کہ نہ رونے دیا زنہار
زہراؑ کو جو یہ نظم پسند آئے گی دلگیر
تو حشر میں عزّت تری رہ جائے گی دلگیر

مرتبین کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اُنھوں نے دلگیر کے مرثیے میں بند نمبر ۱۲۱ کے تحت میر انیسؔ کے دوسرے مرثیے کا مقطع ڈالا ہے جس کا مطلع یہ ہے :

فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ

اس میں ۹۵ بند ہیں اور مقطع وہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ یعنی "جو احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کو ہوئی ایذا" اس کے دو قلمی نسخے مہاراجکمار صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں محفوظ ہیں۔ ایک بستۂ ہشتم میں ہے۔ اس میں ۹۶ بند ہیں۔ اور دُوسرا نسخہ بستۂ ہفتم میں ۹۵ بند پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۲۶۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ آخر میں ترقیمہ کی یہ عبارت ہے :

"سلخ بستم شہر ربیع الثانی روز یک شنبہ ۱۲۶۴ھ بمقام لکھنؤ در عہدِ سلطنت واجد علی بادشاہ بقلم جواہر رقم جناب حکیم آدم شاہ صاحب دام اقبالہٗ"

مرثیہ (فخرِ ملک و اشرف آدم ہے محمدؐ) سب سے پہلے نول کشور کی جلد دوم صفحہ ۲ میں ۹۵ بند میں چھپا تھا۔ پھر اسے نائب حسین نقوی مرحوم نے بھی "نقل راچہ عقل" کے مصداق مراثی انیسؔ جلد اول میں شامل کر کے غلام علی اینڈ سنز لاہور سے شائع کیا۔ مرتبین نے ذیل کے بند دلگیر کے مرثیہ (واللہ عجب شانِ شہنشاہِ رسل ہے) میں شامل کر کے دونوں مرثیوں کو خلط ملط کیا۔ ہر بند کا مصرع اول نشاندہی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے :

مرثیہ فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ
مطبوعہ جلد دوم نول کشور

	مصرع
بند نمبر ۸۱	فاقوں میں مری کون خبر لیوے گا آخر
״ ۸۲	میں چھوٹی تھی جو سر سے اٹھی مادرِ غمخوار
״ ۸۳	ہے ہے مرے بچے ہوئے اب بیکس و مظلوم
״ ۸۴	رو رو کے بیاں کرتے تھے یہ حیدرِ کرّارؑ
״ ۸۵	کن آنکھوں سے بے جاں تمھیں دیکھوں مرے مولا
״ ۸۶	حیدرؑ یہ بیاں کرتے تھے با نالہ و افغاں
״ ۸۷	نانا کے کبھی چہرے سے چہرے کو ملاتے
״ ۸۸	سر پیٹ کے کہتی تھی یہ زہراؑ نہ جگا دو
״ ۸۹	یہ سُن کے سروں کو وہ پٹکتے تھے زمیں پر
״ ۹۰	یاں غسل و کفن میں متوجہ ہوئے حیدرؑ

مخطوطہ کے بند نمبر ۹۲ تا ۹۵ جلد پنجم جدید اور جلد پنجم بک لینڈ میں نہیں ہیں۔ ان بندوں کے پہلے مصرعے درج کیے جاتے ہیں :

بند نمبر ۹۲	کیا قہر ہے کی جن کی محمدؐ نے سفارش
״ ۹۳	یہ حفظِ مراتب تھا کہ قرآن جلایا
״ ۹۴	بے اِذن جہاں تھی نہ فرشتے کو رسائی
״ ۹۵	ہیہات نہ اس ظلم پہ بھی ہاتھ اٹھایا

مراثی دلگیر جلد چہارم اور مراثی انیسؔ جلد پنجم قدیم، جلد پنجم جدید اور جلد پنجم بک لینڈ کراچی میں اکیسویں بند تک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن دلگیرؔ کے بند نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹ کو ان نسخوں میں بند نمبر ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ میں دکھایا گیا ہے اور دلگیرؔ کے مرثیہ کے ان بندوں کو جلد پنجم قدیم اور دُوسرے مطبوعہ نسخوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ بند نمبر ۲۲ تا ۲۹، ۳۷ تا ۳۸ اور بند نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۲۔ غرضیکہ مرتبین نے انیسؔ کے مرثیے کو اس طرح مسخ کیا کہ ایک حصّہ "فخر ملک و اشرف . . . ." میں رکھا اور دُوسرا دلگیرؔ کے مرثیہ "واللہ عجب شانِ شہنشاہِ رسل ہے" میں شامل کیا۔

زیرِ نظر مرثیہ "واللہ عجب شان . . . ." الخ کے اکثر و بیشتر بندوں میں لفظی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف مصرعوں کی ترتیب میں بھی نمایاں ہے۔ یعنی جہاں مصرع اول ہونا چاہیے تھا وہاں اکثر مصرع سوم یا چہارم دکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دلگیر کے مرثیہ کا، جو تیرھواں بند ہے وہ یُوں ہے :

(۱) تھے مُوئے سفید آپ کی داڑھی میں جو ہفدہ (۲) پُر نور تھے خورشید نمط اور صفتِ مہ

(۳) پیدا ہوئے جب آپ تمام اس سے ہیں آگاہ (۴) آلائشِ دُنیا تھی نہ کچھ آپ کے ہمراہ
(۵) تھا نورِ جلال آپ کی پیشانی سے پیدا
(۶) ختنہ کیے اور نافِ بریدہ ہوئے پیدا

جلد پنجم قدیم اور دوسرے نسخوں میں مصرعوں کی ترتیب اس طرح ہے : پہلے تیسرا، پھر چوتھا، پھر پہلا، پھر دُوسرا مصرع ہے۔ ٹیپ ایک جیسی ہے۔ دلگیر کا بند نمبر۲ اس طرح ہے :

اس شاہ سے کونین میں بہتر نہیں کوئی — بہتر تو کہاں اس کے برابر نہیں کوئی
واللہ کہ ایسا تو پیمبرؐ نہیں کوئی — اشجع نہیں اور ایسا دلاور نہیں کوئی
کیا اور کہوں مرتبہ اس شاہ کا کیا ہے
حیدرؓ کو شرف اس کی غلامی سے ملا ہے

ٹیپ میں حضرت علیؓ کے مشہور قول "انا عبیدٌ من عبادِ محمدٍ" (میں غلامانِ محمدؐ سے ایک ادنیٰ غلام ہوں) کی طرف تلمیح ہے۔ یہ قول "اصولِ کافی" میں درج ہے۔ دیکھیے مرتبین نے بند کو کیا سے کیا بنا دیا :

اس شاہ سے کونین میں بہتر نہیں کوئی — بہتر کا تو کیا ذکر ہے ہمسر نہیں کوئی
حق یہ ہے کہ ایسا تو پیمبرؐ نہیں کوئی — جرّار و بہادر نہیں صفدر نہیں کوئی
ادنیٰ سا یہ رتبہ ہے جسے ذکر کیا ہے
بُوذرؓ کو شرف اس کی غلامی سے ملا ہے

ذیل میں چند اور بند پیش کیے جاتے ہیں :

	کلیاتِ مرثیہ دلگیر جلد نمبر۴		مراثی انیسؔ جلد پنجم قدیم وغیرہ
بند نمبر۳	خالق نے کیا اس کو ملائک سے بھی افضل	بند نمبر۳	خالق نے کیا . . . . الخ
	آخر کیا مبعوث تو پیدا ہوا اوّل		آخر کیا . . . . الخ
	پہنچا وہ جہاں واں نہیں پہنچا کوئی مرسل		واں پہنچا جہاں کوئی بھی پہنچا نہیں مرسل
	اس شاہ پہ تھا بال ہما چتر سا بادل		پہنچے نہ فرشتے بھی بھلا اور کا کیا دخل
	سب معجزے تھے اس میں رسولانِ سلف کے		سب معجزے . . . . الخ
	سمجھا نہ کوئی اس کو سوا شاہِ نجف کے		پہچانا کسی نے نہ سوا شاہِ نجف کے
بند نمبر۴ مصرع	پُر نور تھی اس درجہ وہ پیشانیِ انور	بند نمبر۴	پُر نور سدا رہتی تھی پیشانیِ انور
۱ و ۲	رہتے تھے ہمیشہ در و دیوار منوّر	مصرع ۱، ۲	اس نور سے رہتے در و دیوار منوّر

بندنمبر۵	آتی تھی جو خوشبو تنِ محبوبِ خدا سے ہرگز وہ کسی گل میں نہیں سُن لو صبا سے افزوں اثر آبِ دہن آبِ بقا سے	بندنمبر۵	آتی تھی یہ خوشبو تنِ محبوبِ خدا سے بے قدر ہے تشبیہ جو دُوں عطرِ حنا سے بُو باس ہے گلشن میں اسی زلفِ رسا سے
بندنمبر۶	عطار ہمیشہ عرقِ جسمِ پیمبر ملتے تھے مسلمانوں کو عطروں میں ملا کر اس طرح سے ہوتا تھا کوئی عطر نہ باہر پانی کا بھرا ڈول لیے آتے تھے اکثر آپ آبِ دہن ڈالتے تھے مضمضہ کرکے سب جانتے تھے آیا ہے یہ مشک سے بھر کے	بندنمبر۶	عطار ہمیشہ . . . . الخ شیشوں میں رکھا کرتے تھے ایسا تھا معطر اس طرح . . . . الخ پانی کا بھرا ظرف جو لے آتے تھے اکثر آپ آبِ دہن ڈالتے تھے مضمضہ کرکے سب جانتے یہ آیا ہے بس مشک سے بھر کے
بندنمبر۷	اس درجہ تھا حضرت کا کشیدہ قد بالا ہم قد کوئی اس شہ کے نہ ہو سکتا تھا اصلا عالم سے سرافراز جو خالق نے کیا ہو		کس درجہ تھا خوش وضع کشیدہ قد بالا ہمسر کوئی اس شہ کے نہ ہو سکتا تھا اصلا خود جس کو سرافراز کہ خالق نے کیا ہو
بندنمبر۸	یہ معجزۂ خاص تھا یہ قدر پیمبر سر پر سے کوئی مرغ نہ نکلا کبھی اڑ کر بیٹھی نہ مگس گاہ پیمبر کے بدن پر تھے نور میں پیش و پس ہر چشم برابر کوئی عقب پشت اگر جاتا تھا یارو آگے کی طرح ان کو نظر آتا تھا یارو	بند۸	لکھا ہے یہ تھا معجزۂ خاص پیمبر سر پر سے نہ نکلا کوئی طائر کبھی اُڑ کر بیٹھی نہ مگس بھی کبھی حضرت کے بدن پر تھے نور میں اعضائے مبارک بھی برابر کوئی عقب پشت اگر جاتا تھا چُھپ کر حضرت کو نظر آتا تھا وہ شخص برابر

(۲) دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آتے ۲۷ بند

مرثیہ، ۲۷ بند میں مطبوعہ نول کشور جلد چہارم صفحہ ۲۶۵ میں میر انیسؔ کے نام سے شامل ہے اور آج تک بارہا اسی میں چھپتا رہا۔ نائبؔ حسین نقوی مرحوم نے بھی اسے مراثی انیسؔ جلد اول صفحہ ۳۳۳ میں غلام علی اینڈ سنز لاہور سے شائع کیا۔ مرثیہ در اصل شریفؔ لکھنوی کا ہے۔ راقم کو اس کا نسخہ ایک قلمی جلد میں دستیاب ہوا جس میں خلیقؔ، دلگیرؔ، فصیحؔ، انیسؔ، دبیرؔ، مونسؔ، عزاؔ، قبولؔ اور شریفؔ کے مرثیے ہیں۔ قلمی جلد میں دبیرؔ کے ایک مرثیے پر سنہ ۱۲۷۴ھ کی تاریخ بھی موجود ہے۔ زیرِ نظر مرثیہ پسرانِ جنابِ مسلمؑ کے حال میں ۲۶ بند میں درج ہے۔ آخر میں ذیل کی عبارت درج ہے:

"تمت تمام شد۔ برائے خاطر عاطر بیگم صاحبہ داین نوشت بدخط احقر حقیر باقر علی عفی عنہ و ایں مرثیہ بوقت یکپاس روز تمام شدہ۔ بقلم مالک ایں مرثیہ نواب باقر علی خان بہادر حشمت جنگ۔"

عبارت بالا کی روشنی میں مرثیہ کا سالِ کتابت تعین کیا جا سکتا ہے۔ کاتب مرثیہ مرزا باقر علی کے ہاتھ کے کئی مرثیے راقم کو دستیاب ہیں جو انیسؔ و دبیرؔ کے زمانۂ حیات میں نقل کیے گئے ہیں۔ مالکِ مرثیہ نواب باقر علی خاں حشمت جنگ مرزا قاسم علی خان ابنِ سالار جنگ کے بیٹے تھے وہ بھی انیسؔ و دبیرؔ کے عہد میں موجود تھے۔ تیسرا ثبوت یہ ہے کہ جو کاغذ مرثیہ کے لیے استعمال کیا گیا تھا وہ ۱۸۶۹ء کا ہے۔ ہر صفحہ کے کونے پر انگریزی مُہر اور تاریخ درج ہے۔ مرثیہ کا مقطع یہ ہے:

یہ کہہ کے اشارہ کیا حاکم نے جو اک بار — اک شخص نے بس دوڑ کے ماری اسے تلوار
سر اُڑ گیا سیدھا گیا ناری طرفِ نار — بس روک لے خامہ کو شریفِ جگر افگار
ہے وقتِ مناجات دُعا مانگ خدا سے
محفوظ رہوں خلق میں مَیں رنج و بلا سے

مرثیہ کا ایک مطبوعہ نسخہ، ۲ بند کا بغیر سالِ طباعت جناب رشید صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے آخر میں فارسی کا ایک اور اردو کے دو سوز بھی ہیں۔ مرثیے میں خلیقؔ تخلص ہے اور مقطع مختلف ہے:

یہ سُن کے اس سے شمر نے چھینا بزورِ سر — تڑپی وہ آگے تخت کے سر پیٹ پیٹ کر
زینبؑ نے دوڑ کر جو اٹھایا بہ چشمِ تر — روتی تھی اور کہتی تھی ہے ہے مِرے پدر
حال اس کا دیکھ دیکھ کے دشمن بھی روتے تھے
اب کیا کہے خلیقؔ جو کچھ بین ہوتے تھے

(۳) مرثیہ — دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے — ۱۹ بند

جناب ضمیر اختر نقوی صاحب "ماہِ نو" کراچی کے میر انیسؔ نمبر صفحہ ۲۶، مطبوعہ اضافی شمارہ ۱۹۷۲ء میں بسلسلۂ اشاریہ مراثی انیسؔ نمبر ۱۰۹ کے تحت اس مرثیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ مرثیہ مشہور میر انیسؔ کے نام سے ہے لیکن میں نے اسے مرثیے کا مقطع آج تک نہیں دیکھا۔ تاجور نجیب آبادی نے "پیامِ مشرق" میں انیسؔ کے مرثیوں میں اس کو شامل کیا ہے۔ عبدالرؤف عروجؔ نے پانچ سو سالہ مرثیہ کی تاریخ میں اس مرثیہ کو "پیامِ زندگی" سے لیا ہے۔"

ضمیر اخترؔ صاحب نے بالآخر یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہی تسلیم کر کے اشاریہ مراثی انیسؔ میں شامل کیا ہے۔ در اصل یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کا ہے اور دفترِ ماتم[1] جلد نہم صفحہ ۵۴ میں دوسرے بند سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

پیغامِ اجل باپ کو ہے داغِ پسر کا

مرثیہ کا دُوسرا بند جس کا مصرعِ اوّل مطلع کے طور پر درج کیا گیا ہے یہ ہے:

---

[1] دفترِ ماتم، جلد نہم مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ

دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے　　دُنیا میں پسر باپ کی زینت کا سبب ہے
اولاد کا ہونا بھی بڑی بخشش رب ہے　　یہ سچ ہے مگر داغ بھی بیٹے کا غضب ہے
رونے کی ہے جا ظلم نیا کرتی ہے تقدیر
شبیرؑ کو اکبرؑ سے جدا کرتی ہے تقدیر

مرثیہ کا ایک قلمی نسخہ جناب رشید صاحب کے مراثی انیسؔ قلمی جلد ہفتم میں مرثیہ نمبر ۵ کے تحت ۴۷ بند میں شامل ہے۔ مقطع نہیں ہے۔ مرثیہ دبیرؔ کا ہی ہے۔ اور اس کا مقطع دفترِ ماتم، جلد نہم مطبع علوی لکھنؤ صفحہ ۵۸ بند نمبر ۳۸ کے تحت یہ ہے:

ہر دل پہ دبیرؔ آمدِ اندوہِ بکا ہے　　مجلس میں بھی ہر ایک طرف حشر بپا ہے
خاموش کہ اب خاتمۂ آلِ عبا ہے　　کر عرض یہ مولا سے کہ تو عقدہ کشا ہے
اے عقدہ کشا واسطہ ہم شکلِ نبیؐ کا
محتاج نہ کر تو مجھے دنیا میں کسی کا

(۴) مرثیہ　　دن گذرے بہت قید میں جب اہلِ حرم کو　　۵۶ بند

مرثیہ مطبوعہ نول کشور کی جلد چہارم میں صفحہ ۳۱۲ میں ۵۶ بند میں پہلی مرتبہ چھپا تھا اور ۱۹۷۶ء تک اسی جلد میں اور اسی مطبع سے بار بار چھپتا رہا۔ نقوی صاحب نے بھی اسے اپنے مرتب کردہ مراثی انیسؔ کی جلد سوم میں صفحہ ۳۲۲ میں لاہور سے نقل کر کے شائع کیا۔ مرثیہ دراصل میر خلیقؔ کا ہے۔ جناب سید مسعود حسن رضوی کے کتاب خانے میں اس کے تین قلمی نسخے نظر سے گزرے ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

مراثی میر خلیقؔ قلمی وغیر مطبوعہ	بند	کیفیت
جلد اوّل مرثیہ نمبر ۱۲	۴۱	مکتوبہ ۲۸ رمضان ۱۲۶۰ھ ہجری
جلد سوم مرثیہ نمبر ۳۲	۶۳	سالِ کتابت ندارد
جلد چہارم مرثیہ نمبر ۱۲	۵۱	مکتوبہ ۶ صفر ۱۲۵۱ھ ہجری بخط میر سلامت علی شاگردِ میر انیسؔ

تینوں نسخوں میں مقطع میں خلیقؔ درج ہے:

خاموش خلیقؔ اب نہیں یارا ہے سخن کا　　صد شکر کہ مدّاح ہے تو شاہِ زمن کا
کہہ حق سے کہ صدقہ سرِ ہفتاد و دو تن کا　　یاں بند نہ کر مجھ کو کبھی رنج و محن کا
دُنیا میں کسی طرح کا مجھ کو نہ الم ہو
پر دل میں مرے پنجتنِ پاکؑ کا غم ہو

(۵) مرثیہ　　شاہوں سے کم نہیں ہیں غلامانِ مرتضیٰؑ　　۶۴ بند

جناب رشید صاحب کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اس میں ۶۴ بند ہیں۔ مرثیہ ۱۲۷۰ھ کا مکتوبہ ہے۔ مقطع میں انیس تخلص درج ہے:

سرکا یہ کہنا تھا کہ قیامت ہوئی بپا　　غش آ گیا بتولؑ کو تھراتے مصطفےٰؐ
بس اے انیس اب ہے تجھے مشدتِ بکا　　زہراؑ سے عرض کر کہ بخونِ شہِ ہُدا

اہلِ سخن کے آگے ہو میرا سخن درست
آزار نے ستایا ہے کر دیجے تن درست[1]

آخر میں ترقیمہ بھی ہے:

"تمت تمام شد۔ بدست خط بے ربط بندۂ نور محمدؐ بمقام باڑی علاقہ رانا صاحب بہادر بمقام جناب قاضی صاحب سید نوازش علی صاحب۔ برائے خواندن خوصورت اتمام پذیرفت۔ مورخہ بست دیکم شہر رجب المرجب ۱۲۷۰ھ ہجری۔"

اگر مرثیہ کا نسخہ نقوی امروہوی مرحوم کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ اسے بھی انیس کے نام شائع کر دیتے۔ دراصل یہ مرثیہ مرزا دبیر کا ہے اور 'دفترِ ماتم' جلد ہشتم مرتبہ سید عبد الحسین مطبع شاہی لکھنؤ میں باردوم اکتوبر ۱۹۱۲ء میں ۶۱ بند میں چھپا ہے۔ مقطع وہی ہے جو مخطوطے میں انیس کے تخلص سے درج ہے اور مطبوعہ نسخے میں بجائے تخلصِ انیس' دبیر ہے۔

(۶) مرثیہ　　شیرِ خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں　　بند ۵۷

یہ مراثی انیس مطبوعہ نول کشور جلد دوم میں، ۵۷ بند میں درج ہے۔ نائب حسین نقوی صاحب نے اسے جلد سوم صفحہ ۲۶۳ میں لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میر ضمیر کے تخلص سے سید مسعود حسن رضوی صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں موجود تھا۔ اس میں ۶۰ بند ہیں۔ راقم نے اسے اپنی تصنیف "میر ضمیر" کے صفحہ ۱۱۹ میں میر ضمیر کے قلمی مراثی کے تحت مرثیہ نمبر ۹۴ میں شامل کیا ہے۔ ایک نسخہ میں انیس تخلص بھی درج ہے۔ البتہ وہ نسخہ ضمیر تخلص والے سے قریبی زمانہ کا معلوم ہوتا ہے۔

(۷) مرثیہ　　عجب شہزادہ تھا شبیر سبطِ مصطفےٰؐ یارو

جناب ضمیر اختر نقوی نے اسے 'ماہِ نو' کراچی میر انیس نمبر کے صفحہ ۲۰ میں مرثیہ گوئی کی ابتدا کے تحت اور جناب مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے "منتخب مراثی انیس" کے صفحہ ، میں میر انیس کا پہلا مرثیہ قرار دیا ہے جو انھوں نے بقول (نقوی صاحب اور فاضل صاحب) فیض آباد میں کہا تھا۔ یہ مرثیہ دراصل مرزا فصیح کا ہے۔ اس کے پانچ قلمی نسخے راقم کو دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک رشید صاحب اور چار مسعود حسن رضوی کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ ۲ رمضان ۱۲۶۱ھ مطابق ستمبر ۱۸۴۵ء کا مکتوبہ ہے اور اس میں ۴۶ بند ہیں۔ بقیہ نسخوں میں ۳۴، ۵۰ اور ۲۷ بند ہیں۔ رشید صاحب کا نسخہ ناقص از آخر ہے۔ مسعود صاحب کے سبھی

---

[1] مذکورہ بالا مرثیہ "شاہوں سے کم نہیں . . . ." الخ مرزا دبیر کے شاگرد بشیر کے نام سے بھی ملتا ہے۔

نسخوں میں مقطع میں فصیح تخلص درج ہے۔

(۸) مرثیہ لایا ہے رنگ باغِ جہاں میں سخن مرا ۱۴۸ بند

یہ مرثیہ سب سے پہلے جلد پنجم جدید میں چھپا تھا۔ اس کا کوئی قلمی نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا ہے۔ ضمیر اختر نقوی صاحب کا کہنا ہے کہ مرثیہ اصل میں نواب باقر علی تشفی کا ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود ضمیر صاحب نے اسے اشاریہ مراثی انیس میں صفحہ ۲۶۵ میں مرثیہ نمبر ۱۵۴ کے تحت میر انیس کا تسلیم کیا ہے۔

(۹) مرثیہ مدّاح ہوا ملکِ امامِ دوسرا کا ۵۰ بند

ضمیر اختر صاحب 'ماہِ نو' کراچی کے صفحہ ۲۶۷ میں مرثیہ نمبر ۱۸۰ کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"عبدالرؤف عروج نے اس مرثیہ کو انیس کا کہہ کر شائع کیا ہے۔ پورا مرثیہ بے نقط ہے۔ یہ مرثیہ در اصل یعقوب علی خاں نصرت لکھنوی کا ہے۔"

یہ بات راقم کی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ پھر یہ مرثیہ انیس کی تصنیف میں کیونکر شامل کیا گیا۔

(۱۰) مرثیہ ہاں بوستانِ طبع دکھا پھر بہارِ نظم ۱۲۸ بند

یہ مرثیہ جناب مہذب صاحب نے 'وقارِ انیس' جلد دوم میں انیس کے نام سے شائع کیا ہے۔ اسے ضمیر اختر نقوی نے اشاریہ مراثی انیس 'ماہِ نو' کراچی انیس نمبر کے صفحہ ۲۶۶ میں انیس کے مرثیہ نمبر ۱۷۰ کے تحت درج کیا ہے۔ یہ در اصل انیس کے بڑے فرزند میر نفیس کا ہے۔ نفیس کی مطبوعہ جلد اور کئی قلمی نسخوں میں نفیس کے تخلص سے موجود ہے۔

(۱۱) مرثیہ یا خدا دل کو کسی کے غمِ اولاد نہ ہو ۵۱ بند

یہ مرثیہ بھی مہذب صاحب نے انیس کے نام 'وقارِ انیس' جلد دوم میں شائع کیا ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ راقم کی نظر سے کہیں نہیں گزرا ہے۔ مہذب صاحب کا نسخہ ناقص از آخر ہے اور اس میں مقطع بھی درج نہیں ہے۔ ضمیر اختر صاحب نے اسے اشاریہ مراثی انیس میں مرثیہ نمبر ۱۷۳ کے تحت میر انیس کا ہی دکھایا ہے۔ راقم کو یہ مشکوک نظر آتا ہے جب تک کہ کوئی دوسرا قلمی نسخہ دریافت نہ ہو سکے گا اس وقت تک یہ الحاقی رہے گا۔

(۱۲) مرثیہ یارب ہمائے طبع کو اوجِ کمال دے ۱۱۳ بند

ضمیر اختر صاحب نے اس مرثیہ کو مرثیہ نمبر ۱۷۶ کے تحت اشاریہ مراثی انیس میں میر انیس کا قرار دیا ہے۔ انھوں نے تعدادِ بند ۱۱۴ لکھی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر صفدر آہ نے "فردوسِ ہند" میں لکھا ہے کہ مرثیہ میر انیس کا ہے لیکن میر مونس کی جلد میں بھی شائع ہوا ہے۔" ضمیر صاحب نے بھی مرثیہ کو انیس کا ہی تسلیم کیا ہے۔ اسی لیے تو اشاریہ میں اسے شامل کر لیا ہے۔ مرثیہ در اصل میر مونس کا ہے۔ راقم کے پیشِ نظر مراثی میر مونس جلد دوم مطبع نولکشور ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۰ء کا ہے۔ اس میں یہ مرثیہ نمبر ۷ کے تحت صفحہ ۱۰۵ میں ۱۵۲ بند میں چھپا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ جناب رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں محفوظ ہے۔ ذیل میں مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے:

یا رب ہمارے طبع کو اوجِ کمال دے ذہن رسا کو زیورِ حُسن و جمال دے
دریائے نظم کو گہرِ بے مثال دے تیغِ زباں کو جوہرِ سحرِ ہلال دے
مضموں وہ دے کہ جس میں نزاکت ہو رنگ ہو
باغِ سخن سے بُلبلِ خوش لہجہ دنگ ہو

مقطع بند نمبر ۱۵۲

مونسؔ خموش اب کہ ہے غم دل میں لاتعد بے شک ہے اس کلام میں عباسؑ کی مدد
یہ لفظ یہ صفائی یہ بندش یہ شدّ و مد کیونکر نہ سُن کے وجد کریں صاحبِ خرد
نظمِ سخن میں موتیوں کی آب و تاب ہو
اس مرثیہ کا بند ہر اک لاجواب ہو

(۱۳) مرثیہ اے عہدِ شیب ضعف میں زورِ شباب دے

یہ سب سے پہلے جلد پنجم قدیم میں چھپا تھا۔ مرتب عبدالحسین نے اسے پھر جلد پنجم جدید میں خارج کیا۔ دراصل مرثیہ امین فیض آبادی کا ہے اور جلد پنجم قدیم میں بطور الحاقی شامل ہوا تھا۔ ضمیرِ اختر صاحب نے اس مرثیہ کو فہرست میں شامل نہیں کیا ہے۔

جناب ضمیر اختر نقوی نے ماہِ نو کراچی کے میر انیسؔ نمبر مطبوعہ ۱۹۷۲ء میں اشاریۂ میر انیسؔ مرتب کر کے بڑی محنت اور عرق ریزی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس عظیم کام کے لیے وہ دلی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ موصوف نے متذکرہ بالا ۱۳ مرثیوں میں سے مرثیہ نمبر ۵، ۸ اور ۱۳ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق ان تین مرثیوں کے علاوہ ان کے شائع کردہ اشاریہ میں مرثیہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۶، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ یعنی دس مرثیے الحاقی ہیں۔ ان کے علاوہ فہرست میں مزید دس مرثیوں میں تکرار واقع ہوئی ہے اور اس طرح ان کے مرتب کردہ اشاریہ میں جس میں مرثیوں کی تعداد ۱۸۰ ہے اس میں ۲۰ مرثیے (الحاقی اور تکرار والے) خارج کر کے مرثیوں کی تعداد ۱۶۰ رہ جاتی ہے۔ ذیل میں ضمیر صاحب کی ترتیب کے مطابق مرثیے کا نمبر شمار مطلع اور تعداد بند کے ساتھ ان مرثیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے جن میں تکرار پائی جاتی ہے:

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	نمبر شمار	تکرار والے مطلعے
۴	آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی	۱۶۲	۸۲	جب گل ہوا چراغِ حسنؑ رزم گاہ میں بند ۲۰۲ جلد ششم قدیم صفحہ ۱۱۵ بند ۱۷ کے تحت مطلع ثانی ہے۔
۷	اے شمعِ قلم روشنیِ طُور دکھا دے	۱۲۶	۱۷۷	اے طبعِ رسا خُلد کا گلزار دکھا دے اس میں ”اے شمعِ قلم ...... الخ“ اور ”یا رب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر“ کے مرثیوں کے بند شامل کیے گئے ہیں۔

				"اے طبعِ رسا............... الخ" مرثیہ نمبر ۷ کا مطلع ثانی ہے۔
۹	اے مومنو مصروف رہو یادِ خدا میں	۱۲۲	۱۶	اے مومنو مصروف رہو یادِ خدا میں
۲۷	جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے	۱۹۷	۷۷	جب آسماں پہ ختم ہوا دَور جامِ شب
۴۵	جب خیمۂ فرزند پیمبر ہوا تاراج	۵۰	۷۹	جب رن میں ہوا خاتمۂ لشکرِ شبیرؑ جلد ششم جدید صفحہ ۲۲۷ مطلع ثانی ہے مرثیہ نمبر ۴۵۔
۱۱۵	سرسبز ہے ثنائے حسنؑ سے سخن میرا	۱۱۱	۱۵۹	مسجد میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے جلد ششم قدیم صفحہ ۲۵ بند ۱۹ کے تحت مرثیہ نمبر ۱۱۵ مطلع ثانی کے تحت درج ہے۔
۱۲۴	عباس علیؑ یوسفِ کنعان علیؑ ہے	۱۷۱	۱۲۸	عباسِ علمدارؑ کی درگاہ کے صدقے جلد ششم قدیم کا مطلع ہے۔
۱۴۶	کیا حضرتِ شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے	۱۲۳	۱۶۶	ہم صورتِ محبوبِ خداؐ تھے علی اکبرؑ اس میں شامل کیا گیا ہے۔
۱۶۸	اے مومنو روؤ کہ مصیبت کے دن آئے[1]	۳۰۱		اس مطلع کے تحت کوئی مرثیہ نہیں آتا ہے مرتب جلد ششم قدیم نے اس میں دو مرثیوں کو ملایا ہے: ۱۔ فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے ۱۱۴ بند ۲۔ جب دشتِ مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا ۱۷۲ بند
۱۴۵	کیا رتبہ دربارِ امامِ مدنی ہے	۱۵۹	۱۱۱	زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے مرثیہ نمبر ۱۴۵ کا مطلع ثانی ہے۔

---

[1] یہ مطلع ایک اور قلمی مرثیہ میں ہے جس کا مطلع ثانی یہ ہے:

خورشید درخشاں امامت ہے سفر میں

یہ مطلع اس مرثیہ کا ہے:

جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی

ناقص اور بے ترتیب مرثیے

راقم کے پیشِ نظر میر انیس کے سیکڑوں قلمی مرثیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مرثیے وُہ ہیں جو ۱۲۵۲ھ سے ۱۲۹۰ھ تک میر صاحب کی زندگی میں نقل کیے گئے ہیں۔ مرثیوں کی اچھی خاصی تعداد نور الحسن کوکب کے کتاب خانے میں محفوظ تھی۔ آج کل یہ مراثی جناب سید محمد رشید صاحب کی ملکیت میں ہیں۔ مخطوطات کے مطالعے کے بعد اس بات میں اب شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مرتبین نے مطبوعہ مراثی انیس کی ترتیب میں اصل ماخذات سے استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ مرثیے ادھر ادھر کے لوگوں سے حاصل کر کے شائع کیے۔ غرضیکہ اکثر مرثیے ناقص، غلط، بے ترتیب اور نامکمل ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جن کے مطلعے اور مقطعے غلط ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ مرثیوں سے ترتیب دے کر ایک ہی مرثیے کی صورت میں شائع کیے گئے ہیں۔ ذیل میں چند ایسے مرثیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے:

(۱) مرثیہ کیا حضرتِ شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے

یہ پہلی مرتبہ جلد ششم قدیم مطبع دبدبۂ احمدی میں ۱۴۳ بند میں ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں چھپا۔ مقطع یہ ہے:

زینبؑ کی صدا سُن کے اُٹھے سیّدِ ابرارؑ خیمے میں اسے لے گئے با دیدۂ خونبار
یہ جائے خوشی ہے انیسؔ جگرِ افگار حق سے یہ دُعا مانگ کر اے ایزدِ غفّار
بر لا مری امید کو سرور کا تصدق
اکبرؑ کا تصدق علی اصغرؑ کا تصدق

مطبوعہ نول کشور جلد چہارم صفحہ ۴۱ میں ایک مرثیہ درج ہے۔ مطلع یہ ہے:

ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علی اکبرؑ

اس میں ۴۰ بند ہیں۔ ان ۴۰ بندوں میں سے ۳۸ بند اوپر کے مرثیہ "کیا حضرت شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے" میں بھی موجود ہیں اور مرثیہ جلد چہارم یعنی "ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علی اکبرؑ" کا مقطع بھی وہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ مرثیہ زیر نظر "کیا حضرتِ شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے" کا ایک قلمی نسخہ مہاراجکمار صاحب کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ اس میں ۱۲۷ بند ہیں اور یہ کسی آغا محمد نے ۸ صفر ۱۳۰۷ھ کو نقل کیا ہے۔ اس کا مقطع یہ ہے:

خاموش انیسؔ اب کہ غم و رنج ہے طاری کس مُنہ سے کہوں حضرتِ شبیرؑ کی زاری
یہ غم کسی دشمن کو نہ دے ایزدِ باری ہوتا ہے اسے داغ میں خوں آنکھوں سے جاری
جب تک کہ نشاں عالمِ فانی کا رہے گا
ماتم علی اکبرؑ کی جوانی کا رہے گا

یہی مقطع ایک اور مرثیہ میں درج ہے جس کے کئی قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ ان میں سے سب سے قدیم نسخہ سید حیدر حسین کے ہاتھ کا

لکھا ہوا ہے۔ مرثیہ کے آخر میں ۳ رشوال ۱۲۵۴ھ بھی درج ہے۔ مرثیے کا مطلع یہ ہے:

تھے حُسن میں یُوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ

اس میں ۹۱ بند ہیں۔ جناب مہاراجکمار صاحب کے پاس بھی اس کا ایک قلمی نسخہ ہے اس میں ۹۲ بند ہیں اور مقطع وہی ہے جو اُوپر درج کیا گیا ہے۔ یعنی:

خاموش انیسؔ اب کہ غم و رنج ہے طاری

(۲) مرثیہ یارب! جہاں میں بھائی سے بھائی جُدا نہ ہو

مطبوعہ مرثیہ میں ۱۲۹ بند ہیں۔ دو قلمی نسخے دستیاب ہیں، ایک میں ۱۳۰، اور دُوسرے میں ۱۳۴ بند ہیں۔ مطبوعہ نول کشور، نظامی بدایونی اور غلام علی لاہوری کے نسخوں میں مقطع یہ ہے:

یہ بَین کر کے روئی جو وہ تازہ سوگوار — ماتم سے بیبیوں میں ہوا حشر آشکار
خاموش اب انیسؔ کہ دل کو نہیں قرار — بے خود ہیں بزمِ غم میں شہِ دیں کے دوستدار
حامی ہر اک اَلم میں امامِ جلیل ہیں
مدّاح جن کا تو ہے وہ تیرے کفیل ہیں

قلمی نسخوں اور جلد ششم قدیم میں مقطع اس طرح ہے:

بس اے انیسؔ قلب ہے سینہ میں بیقرار — خادم کی ہے یہ عرض کہ یا شاہِ نامدار[1]
تازہ ہے حشر تک غمِ عباسؑ نامدار — خواہانِ آبرو ہے یہ عبدِ گناہگار
لطفِ امامِ دیں سے مشرف غلام ہو
میرا بھی ذاکروں میں شہِ دیں کے نام ہو

(۳) مرثیہ عباسِ علیؑ یوسفِ کنعان علی ہے

مطبع نظامی جلد سوم میں مرثیہ میں ۱۷۱ بند ہیں۔ مقطع یہ ہے:

خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاریٔ شبیرؑ — ٹکڑے کیے دیتی ہے جگر کو تری تقریر
ہر بات میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر — مصرعے ہیں محبوں کے کلیجے کے لیے تیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہِ طلا دے
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

---

[1] دوسرے قلمی نسخے میں مصرعہ یوں ہے:

آقا سے ہے یہ عرض کہ یا شاہ ذی وقار

جلد ششم قدیم صفحہ ۱۲۹ میں مرثیہ ذیل کے مطلع سے چھپا ہے :

عباس علمدار کی درگاہ کے صدقے

لیکن مقطع دوسرا ہے :

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار کافی ہے رُلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلا تجھ کو ملے گا

یہی مقطع ذیل کے تین مرثیوں میں بھی مرتبین نے درج کیا ہے :

(۱) جب زُلف کو کھولے ہوئے لیلیٰ شب آئی
(۲) جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدارؑ نے دیکھا
(۳) جب طے کیا شہؑ نے سفر راہِ خدا کو

راقم کو زیرِ نظر مطلع "عباس علیؑ یوسف کنعان علی ہے"، انیس کے کسی قلمی نسخے میں نظر سے نہیں گذرا۔ ایک قلمی جلد دوم میں مرثیہ نمبر ۸ کے تحت ایک مرثیہ انیس کے نام درج ہے۔ مطلع یہ ہے :

ہے وصفِ علمدار نشانِ فوجِ شاہ کا

اس میں ۱۲۲ بند ہیں۔ اور مطلع دوم بند نمبر ۹ کے تحت یہ ہے :

عباس علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے شمشاد قبا پوشِ گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل روحِ حسنؑ جانِ علیؑ ہے شوکت سے دلاوری عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیونکر رہے میدانِ وغاکا
فرزند زبردست ہے وہ دستِ خدا کا

مقطع بند نمبر ۱۲۲ کے تحت درج ہے :

خاموش انیس اب کہ نہیں طاقتِ گفتار کر عرض کہ یا حضرتِ عباس علمدار
آقا تو مرا آپ سا ہو کل کا مددگار اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
تم عُقدہ کشا ہو پسرِ عُقدہ کشا ہو
خادم کا جو مطلب ہے بس اب جلد روا ہو

راقم نے اس مرثیے کا بغور مطالعہ کیا۔ دراصل یہ مرثیہ مونس کا ہے۔ مرثیہ (ہے وصفِ علمدار . . . . .) میں بند نمبر ۱۰
(دیکھا رعب ہے کیا دبدبہ کیا عزّت و توقیر)

بند نمبر ۱۱ : (کیا کیا جوان مرد ہوئے خلق میں پیدا)

بند نمبر ۱۲ : (ہے مشک جو سقائے سکینہ کی نشانی)

اور مقطع بنمبر ۱۲۲ : (خاموش انیس اب کہ نہیں طاقتِ گفتار)

یعنی کل چار بند میر انیس کے ہیں بقیہ پورا مرثیہ مونس کا ہے اور یہ مرثیہ مونس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ نول کشور میں ، ۱۳۰ بند میں شامل ہے۔ راقم کے پاس اس جلد کا طبع ثانی مطبوعہ ۱۸۹۰ء پیش نظر ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ کے مشہور عالم دین جناب سید محسن نواب صاحب قبلہ مرحوم کی ملکیت میں بھی تھا۔ اس میں ۱۲۹ بند ہیں اور یہ مرثیہ گڑگاؤں میں مورخہ ۱ر صفر ۱۲۹۵ھ کو نقل کیا گیا۔ انیس کا جو مقطع بند نمبر ۱۲۲ کے تحت اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس کا پہلا مصرع یہ ہے :

خاموش انیس اب کہ نہیں طاقتِ گفتار

در اصل ذیل کے مرثیے کا مقطع ہے :

ارباب علیؑ قبلۂ اربابِ وفا ہے (جلد دوم نول کشور صفحہ ۳۱۳)

مرتبین مراثی انیس نے غلطی سے انیس کے نام یہ مطلع دیا ہے :

عباس علیؑ یوسف کنعان علیؑ ہے

در اصل مرثیے کا مطلع یہ ہے :

روتے ہیں ملائک یہ عزا خانہ ہے کس کا

اور یہ بند مرثیہ مطبوعہ "عباس علیؑ یوسف کنعان علیؑ ہے" کا تیسرا بند ہیں۔ اس مطلع سے تین قلمی نسخے مل سکے۔ ان میں سے ایک نسخہ امیر علی صاحب جونپوری ، مہاراجکمار صاحب اور جناب رشید صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ نسخۂ رشید سب سے پرانا ہے اور یہ میر انیس کی زندگی میں ان کے ایک ہم عصر نور الحسن کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مرثیہ اسی مطلعے سے مطبع جعفری کی جلد پنجم میں بھی چھپا ہے۔ نسخۂ امیر علی ، مہاراجکمار اور مطبع جعفری میں وہی مقطع ہے جو اوپر پیش کیا گیا ہے اور جس کا مصرع اوّل یہ ہے :

خاموش انیس اب تو نہ کہہ زاریِ شبیرؑ

نسخۂ رشید کا مقطع یہ ہے :

اب آگے نہ دے طول انیسِ جگر افگار بیتاب ہے دل سینہ میں اور چشم ہے خونبار
اس مرثیے کا دیں گے صلہ سیدِ ابرار محروم رہے کوئی وہ ایسی نہیں سرکار

غم کیا یہ ترے قدر شناس ابنِ علیؑ ہیں
فیاضِ دو عالم ہیں سخی ابنِ سخی ہیں

یہ مقطع اس قلمی مرثیے کا بھی ہے :

کیا پیش خدا صاحبِ توقیر تھی زینبؑ

اور ۱۲۷۵ھ کا مکتوبہ ہے۔

(۴) مرثیہ : عباس علیؑ قبلۂ اربابِ وفا ہے

یہ مرثیہ مطبع نول کشور کی جلد دوم صفحہ ۳۱۳، نظامی بدایونی جلد سوم صفحہ ۱٦۸ اور غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جلد دوم صفحہ ۲۱۸ میں شامل ہے۔ جناب مہاراجکمار صاحب کے پاس ایک پرانا قلمی نسخہ مکتوبہ ۸ رجمادی الاول ۱۲٦۹ھ کا ہے۔ اس میں یہ مطلع ثانی کے طور پر درج ہے اور مرثیہ کا مطلع اول یہ ہے:

اقلیمِ شجاعت کا شہنشاہ ہے عباسؑ — اور وارثِ تیغِ اسد اللہ ہے عباسؑ
فرزندِ محمدؐ کا ہوا خواہ ہے عباسؑ — خورشید سپہرِ کرم و جاہ ہے عباسؑ
کس شوق سے صدقے ہوا فرزندِ نبیؐ کے
قربان علمدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

مطبوعہ مرثیے میں مطلع ثانی نہیں ہے۔

(۵) مرثیہ : جب رن میں حسینؑ اصغرِؑ بے شیر کو لائے

مطبوعہ مرثیے کا مقطع یہ ہے:

خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کئی باری — پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
خاموش انیسؔ اب کہ غم و درد ہے طاری — اس نظم کا بخشے گا صلہ ایزدِ باری
محشر میں علیؑ ساغرِ کوثر تجھے دیں گے
گھر خلد میں رہنے کو پیمبرؐ تجھے دیں گے

ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ہشتم محرم ۱۲۷۷ھ ہجری ہے۔ اس میں مقطع یہ ہے:

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش — ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
بخشش ہے جنھیں چشمِ عطا پاسِ خطا پوش — کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
ہاں مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

یہی مقطع مرتبین نے ذیل کے تین مطبوعہ مرثیوں میں رکھا ہے:

۱۔ دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو (مطبع جعفری جلد پنجم صفحہ ۱۲۹)

۲۔ عباسِؑ علی گوہرِ دریائے شرف ہے (مطبوعہ نول کشور جلد اول صفحہ ۲۵۹) نظامی بدایونی جلد سوم صفحہ ۱۰۵۔ مطبوعہ غلام علی۔ جلد چہارم صفحہ ۱۴۹۔

۳۔ ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پہ (مطبوعہ نول کشور جلد سوم صفحہ ۱۵، مطبوعہ غلام علی جلد دوم صفحہ ۱۴۱)

۶- مرثیہ : اے مومنو! مصروف رہو یادِ خدا میں

یہ مرثیہ مطبوعہ نول کشور جلد اول صفحہ ۲۹۱ اور غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جلد سوم میں صفحہ ۲۹۴ میں درج ہے۔ مقطع یہ ہے :

خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں کہرام ۔۔۔ کر حق سے دُعا یہ بہ حسینؑ ذوی الاکرام
کر دے مرے مولا کی زیارت کا سرانجام ۔۔۔ آغاز ہوا جو ہوا بہتر ہو پر انجام
جس روز میں داخل ہوں رواقِ شہِ دیں میں
اس روز یہ سمجھوں کہ گیا خلدِ بریں میں

مرثیے میں پہلے ۱۳ بند دُنیا کی بے ثباتی میں نظم کیے گئے ہیں۔ چودھواں بند یہ ہے :

حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے ۔۔۔ کیا خالقِ اکبر نے شرافت اسے دی ہے
ہے فاطمہؑ ماں، نانا نبیؐ، باپ علیؑ ہے ۔۔۔ بچپن سے وُہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبریل ہوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہ بھیجی ہے خدا نے

یہی مرثیہ ذیل کے مطلعے کے تحت جلد ششم قدیم مطبع دبدبۂ احمدی صفحہ ۲۵، میں ۱۱۵ بند میں درج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں "حقا کہ عجب" کے بجائے "اے مومنو کیا" لکھا ہے :

اے مومنو! کیا مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے

اس کے حاشیے میں عبدالحسین نے لکھا ہے کہ :

"واضح ہو کہ یہ مرثیہ ناقص وغیر مرتب مطبع اودھ اخبار میں چھپا تھا۔ اب صحیح کر کے اصلی مرثیہ سے چھاپا گیا ہے۔"

اس کا مقطع وہی ہے جو اُوپر "اے مومنو! مصروف رہو یادِ خدا میں" درج ہے۔ اس میں مطبوعہ نول کشور کے پہلے ۱۳ بند نہیں ہیں اور جلد ششم قدیم کے بند نمبر ۵، ،، اور ۳۰ مطبوعہ نول کشور میں نہیں ہیں۔

۷- مرثیہ : کیا فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حسیں تھے

مطبوعہ مرثیے کا مقطع یہ ہے :

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاشں کا جانا ۔۔۔ پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رولانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا ۔۔۔ ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

یہی مقطع ایک دُوسرے مطبوعہ مرثیے کا ہے جس کا مطلع ہے :

جب دم شرفِ اندوزِ شہادت ہوئے عباسؑ

دراصل یہ مقطع اس مرثیے کا ہے۔ اس کے کئی قلمی نسخے حیاتِ انیس میں لکھے گئے ہیں۔ ایک نسخہ ۱۲۸۵ھ اور دوسرا ۱۲۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔ مرثیے کا مطلع یہ ہے:

جب مرحلۂ عشق کو سر کر گئے عباسؑ

مرثیہ (کیا فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حسیں تھے)، کے جو نسخے انیس کی زندگی میں لکھے گئے ہیں۔ ان سب میں ذیل کا مقطع درج ہے:

خاموش انیس اب کہ سماعت کی نہیں تاب — ہے ماتمِ شبیرؑ میں دل آب جگر آب
ہے اشکِ عزادار ہر اک گوہرِ نایاب — کیا دولتِ دیں لوٹتے ہیں شاہ کے احباب
میزانِ عدالت میں جو اعمال تلیں گے
عقدِ گہرِ اشک کے اس وقت کھلیں گے

۸ - مرثیہ: عرشِ خدا مقامِ جنابِ امیرؑ ہے

مکتوبہ ۱۲۷۵ھ قلمی نسخے کا مقطع یہ ہے:

حق سے انیس اب یہ دعا کر بس ایک بار — یارب بحقِ شاہِ نجف شیرِ کردگار
قائم رہے جہاں میں عَلَمِ شاہِ نامدار — شاہوں کے بخت زینت و زیبِ دیں کا افتخار
ہر حال میں عنایتِ مشکل کشا رہے
سر پہ ہمیشہ سایۂ فضلِ خدا رہے

مطبوعہ نول کشور جلد دوم و جلد ششم قدیم میں ذیل کا مقطع ہے:

بس آگے اے انیس نہیں طاقتِ رقم — ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر رقم
طاری ہے شیعانِ علیؑ پر ہجومِ غم — کر تو دعا یہ حق سے کہ جب تک ہے دم میں دم
جاری زباں پہ نہ کوئی اور حرف ہو
مدّاحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

۹ - مرثیہ: برہم ہے مرقعِ چمنستانِ جہاں کا

مطبوعہ نسخے کا مقطع:

خامے کو بس اب روک انیس جگر افگار — خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار — غیر از غمِ شہ ان کو نہ ہو غم کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھوں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھوں

چار قلمی نسخوں میں مقطع یہ ہے:

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار　　فریاد کی کانوں میں صدا آتی ہے ہر بار
موجود ہے رُوحِ حسنؑ و حیدرِ کرّار　　اِس مرثیہ کا دیں گے صلا احمدِ مختارؐ
تاثیر سے ہر بند کو خالی نہ سمجھنا
مضمون کتابی ہے خیالی نہ سمجھنا

ایک اور قلمی نسخہ دستیاب ہُوا۔ اس میں مرثیہ کے ۲۷ بند ہیں۔ مقطع یہ ہے:

پھر ظالموں نے خیمۂ شبیرؑ جلایا　　اُونٹوں پہ ہر اک رانڈ کو سر ننگے بٹھایا
لاشہ پہ بھی حضرتؑ کے کوئی رونے نہ پایا　　کیا کیا نہ ستم راہ میں اعدا نے دکھایا
اب تاب انیسِؔ جگر افگار نہیں ہے
پایانِ غمِ سیدِ ابرار نہیں ہے

اس کے بعد ذیل کا ترقیمہ ہے:

"تمام شد بتاریخ ۲۴ شہر ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۸۵۶ء بمقام جھانسی بقلم تہور علی میرٹھی اثنا عشری"

اوپر کا مقطع (پھر ظالموں نے خیمۂ شبیرؑ جلایا) ایک اور قلمی مرثیے میں درج ہے جس کا مطلع یہ ہے:

جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو　　۳۰ بند

۱۰- مرثیہ: جب فاطمہؑ کے لال کا سر کٹ گیا تن سے

اس قلمی مرثیے میں ۴۰ بند ہیں اور نور الحسن کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مقطع یہ ہے:

جب زیرِ زمیں دفن ہوا لاشۂ شبیرؑ　　تربت سے لپٹ روئے بہت عابدِ دلگیر
رخصت ہُوئے اس قبر سے با حالتِ تغیّر　　نظروں سے نہاں ہوگیا وہ تابعِ تقدیر
خاموش انیسؔ آگے کسے تابِ بیاں ہے
لکھنے کا یارا ہے نہ کہنے میں زباں ہے

برعکس اس کے مطبوعہ مرثیے کا مقطع درج ذیل ہے:

اب وقتِ خموشی ہے انیسِؔ جگر افگار　　بیتاب ہیں رقّت سے شہِ دیں کے عزادار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرار　　ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلبگار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا!
ناقدروں کے احساں سے بچا لیجیو مولا!

۱۱- مرثیہ : جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

مطبوعہ مرثیے کا مقطع :

مولا! انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ — گھٹتی ہے عمر اور بڑھتے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آ نہ جائے آہ — بلوائیے اس غریب کو اے میرے بادشاہ
قربِ مزار قبلۂ عالم نصیب ہو
روضے میں مجھ کو آپ کی محرم نصیب ہو

مقطع سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسؔ نے یہ مرثیہ آخری عمر میں مرنے سے چند سال پہلے لکھا ہو لیکن حقیقت اس کے منافی ہے۔ راقم کو اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۶۶ھ کا دستیاب ہوا اس میں ذیل کا مقطع درج ہے :

بس اے انیسؔ بسکہ نہیں طاقتِ بیاں — اکبرؑ کی نوجوانی پہ روئیں گے انس و جاں
یہ مرثیہ قبول ہو لاریب و بے گماں — اب عرض کر حسینؑ سے اے شاہِ بیکساں
زوّار کیجئے مجھے اکبرؑ کے واسطے
عابدؑ کے واسطے علی اصغرؑ کے واسطے

مرثیہ حضرت علی اکبرؑ کے حال کا ہے۔ اس مناسبت سے یہی مقطع درست معلوم ہوتا ہے۔

۱۲- مرثیہ : جب رن میں قتل ہو چکا لشکر حسینؑ کا

اس کے کئی قلمی نسخے پیشِ نظر ہیں۔ مقطع یہ ہے :

شبیرؑ تو خدا سے یہ کرتے تھے التجا — خنجر کمر سے کھینچ کے تب شمرِ بے حیا
حضرتؑ کے چڑھ کے چھاتی پہ سر کاٹنے لگا — آگے نہ پوچھ شہ کی شہادت کا ماجرا
دل اے انیسؔ آتشِ غم سے کباب ہے
کس کو غمِ حسینؑ کے سننے کی تاب ہے

اوپر کا مطلع ذیل کے مرثیے کا مطلع ثانی ہے جو مطبوعہ نول کشور کی جلد چہارم صفحہ ۱۹۱ میں شامل ہے اور اس کا مطلع اوّل یہ ہے :

جب جاں نثارِ سبطِ پیمبرؐ ہوئے شہید

بند نمبر ۷۰ کے تحت مقطع درج ذیل ہے :

سر کٹ گیا جو سبطِ رسالت پناہ کا — غارت گروں نے قصد کیا خیمہ گاہ کا
بس اے انیسؔ شور ہے فریاد و آہ کا — عرض اس سے کر غلام ہے جس بادشاہ کا
خلقت کے درد و رنج و مصیبت کو رد کرو
آقا مدد کرو میرے مولا مدد کرو

۱۳- مرثیہ : جب خیمۂ فرزندِ پیمبرؐ ہوا تاراج

یہ مطبوعہ نول کشور جلد چہارم صفحہ ۲۴۵ میں ۵۰ بند میں ہے۔ مقطع یہ ہے :

سُن کر یہ صدا رانڈوں میں رونے کی ہوئی دھوم　　یہ بیٹیں کر غش کھا کے گریں زینب و کلثوم
وہ حال انیسؔ اب نہیں ہو سکتا ہے مرقوم　　جس طرح چھٹی باپ سے وہ دخترِ مظلوم
عالم میں یہ صدمہ نہ ہوا ہو گا کسی پر
رستے میں ہوئی جو کہ جفا آلِ نبیؐ پر

جلد ششم جدید صفحہ ۲۳۷ میں مرثیہ درج ہے۔ مطلع ہے :

جب رن میں ہُوا خاتمۂ لشکرِ شبیرؑ

اس میں ۱۳۰ بند ہیں۔ دوسرا بند مطلع ثانی کے تحت یہ ہے :

جب خیمۂ فرزندِ پیمبرؐ ہوا تاراج

بند نمبر ۲ سے بند نمبر ۳۲ تک وہی بند ہیں جو "جب خیمۂ فرزندِ پیمبرؐ . . . ." میں ہیں۔ بند نمبر ۳۳ کے تحت مطلع سوم درج ہے :

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ　　ختم مثلِ ہلال شبِ اول ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ　　اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل چلے عابد
رانڈوں میں تو مجوسیِ سجاد کا غُل تھا
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غُل تھا

مرثیہ "جب رَن میں ہوا خاتمۂ لشکرِ شبیرؑ" میں مطلع چہارم یہ ہے :

مطلع بند نمبر ۵۱

خنجر سے کٹا جبکہ گلا شاہِ ہُدا کا　　اور لُٹ گیا خیمہ بھی امامِ دوسرا کا
تھا طوق کے حلقے میں گلا زینِ عباؑ کا　　کوفے کو ہوا دن سے سفر اہلِ جفا کا
سب ضیغمِ حق جنگل ویراں میں پڑے تھے
بے سر شہِ دیں ریگِ بیاباں میں پڑے تھے

مطلع پنجم بند نمبر ۵۳

جب فاطمہؑ کے لال کا سر کٹ گیا تن سے　　اور کوچ کیا لشکرِ کفّار نے رن سے
سجّاد ہوئے قید، بندھے ہاتھ رسن سے　　محروم رہے سبطِ نبیؐ گور و کفن سے
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اُوپر
شہ رگ سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اُوپر

مرثیے کا مقطع :

اب وقت خموشی ہے انیسؔ جگر افگار بیتاب ہیں رقت سے شہِ دیں کے عزادار

مولا سے یہ کر عرض کہ اے سیّدِ ابرار ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلبگار

برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا

ناقدروں کے احساں سے بچا لیجیو مولا

مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۱۳۸ اور نظامی بدایونی جلد سوم اور پاکستانی اڈیشنوں میں ایک مرثیہ ہے جس کا مطلع یہ ہے :

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ ۸۹ بند

مقطع اس کا وہی ہے جو مطبع شاہی جلد ششم جدید کے مرثیہ "جب رن میں ہوا خاتمۂ لشکرِ شبیرؑ" کا ہے۔

(۱۴) مرثیہ : کیا عقدہ کشا خلق میں نامِ شہِ دیں ہے

جلد پنجم جدید میں ص ۶۵ میں مرثیہ درج ہے۔ مقطع یہ ہے :

یہ وقت دعا کا ہے انیسؔ اب نہ ہو غافل ہے فاطمہؑ کی روح عزاداروں میں شامل

یا قادر و یا حافظ و یا خالقِ عادل عالم میں یہ اقبال رہے بانیِ محفل

ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو

غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

یہ مقطع ایک قدیم اور معتبر نسخے میں اس مرثیے کا ہے :

کعبہ سے کیا جبکہ سفر قبلۂ دیں نے

یہی مقطع مطبوعہ مراثیِ نظامی جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۲۴۴ میں اس مرثیے کا ہے :

جب آیا سردارِ دو عالم ہوئی رن میں

فرق صرف اتنا ہے کہ مصرعِ ثانی بدلا ہے۔ پورا مقطع یہ ہے :

یہ وقت دعا کا ہے انیسؔ اب نہ ہو غافل یا رازق و یا حافظ و یا خالقِ عادل

عالم میں برحشمت رہے یہ بانیِ محفل سب مطلبِ دل ہوں تری درگاہ سے حاصل

ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو

غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

یہی مقطع "انتخاب میر انیس" مطبوعہ ادارۂ یادگار انیس کراچی بار ششم کے صفحہ ۲۴۳ میں اس مرثیہ میں رکھا گیا ہے :

"واللہ عجب شان شہنشاہِ رسل ہے"

۱۵ - مرثیہ : جس دم حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے ہوا جگر (قلمی)

قلمی مرثیے میں اس کا مقطع یہ ہے:

حق سے انیسؔ اب یہ دعا کر بصد بکا　　جو دوست ہیں علیؑ کے انھیں شاد رکھ سدا
دنیا کا غم نہ ہو انھیں بس ہے یہ مدعا　　حامی ہو اس کا حشر میں فرزندِ مرتضیٰؑ
مطلب ہے ان کا جو کہ وہ اب عنقریب ہو
حضرت کا ان کو دامنِ دولت نصیب ہو

یہی مرثیہ جلد ششم قدیم میں ذیل کے مطلعے سے درج ہے:

سرسبز ہے ثنائے حسنؑ سے سخن مرا

اس کا مقطع یہ ہے:

جی چاہتا ہے حال زیادہ کروں رقم　　رکتا ہے خوفِ طول سے پر توسنِ قلم
کس کو نہیں انیسؔ جہاں میں یہ درد و غم　　ہر ایک دل پہ لگتے ہیں سو نشترِ الم
دو دو ملیں گے ساغرِ نہرِ لبن مجھے
ہے بے ریا ولائے حسینؑ و حسنؑ مجھے

۱۶- مرثیہ: حضرت سے کربلائے معلّٰی قریب ہے

یہ قلمی مرثیہ ہے۔ اسی موضوع کا ایک اور مطبوعہ مرثیہ ہے۔ مطلع یہ ہے:

سبطِ نبیؐ سے منزلِ مقصد قریب ہے　　آرام گاہ جانِ محمدؐ قریب ہے
مولا تو دُور رہ گیا مشہد قریب ہے　　جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

اس کا مقطع یہ ہے:

شورِ بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات　　سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات　　گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
بس اے انیسؔ اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
بس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

ایک اور قلمی مرثیے کے ۲۰ بند اوپر کے مرثیہ (حضرت سے کربلائے معلّٰی قریب ہے) میں ہیں۔ پُورا بند مطلع یہ ہے:

حضرت سے کربلائے معلّٰی قریب ہے　　مشتاق جس زمیں کے ہیں وہ جا قریب ہے
پیاسے رہیں گے جس پہ وہ دریا قریب ہے　　تربت جہاں بنے گی وہ صحرا قریب ہے

جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آتی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

اس کا مقطع یہ ہے :

خاموش اے انیسؔ یہ اب حق سے کر دُعا — ہر روز مومنوں کی ترقی کرے خدا
محتاجوں کو فراغ مریضوں کو دے شفا — ہر ایک کے مطالبِ دل جلد کر عطا
میرا ہے یہ سوال کہ دل شاد ہو مرا
آزادِ قیدِ رنج سے استاد ہو مرا

۱۷ - مرثیہ : جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا

راقم الحروف کی نظر سے اس مرثیے کے کئی قلمی اور مستند نسخے گزرے ہیں۔ ان سبھی نسخوں میں مقطع کی مناسبت سے مطلع ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

وا حسرتا کہ عہدِ جوانی گزر گیا — ہنگامِ قوتِ ہمہ دانی گزر گیا
وہ زور، شورِ سحر بیانی گزر گیا — اب کیا علاج فرق سے پانی گزر گیا
پھولا ہے باغِ بزم میں مومن بہم نہیں
افسوس مجلسیں تو وہی ہیں پہ ہم نہیں

اوپر کا مصرع (جب خاتمہ . . . . .) مطلع ثانی کے تحت درج ہے۔ مقطع یہ ہے :

بس اے انیسؔ قلب و جگر کو نہیں قرار — آگے نہ کہہ مصیبتِ شبیرؑ نامدار
یہ بزم اور یہ آج کا پڑھنا ہے یادگار — رعشہ ہے دست و پا میں لرزتا ہے جسمِ زار
وہ یُوں پڑھے جسے نہ ہو طاقت کلام کی
تائید ہے حسین علیہ السلام کی

۱۸ - مرثیہ : جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

مرثیہ مطبوعہ ہے اور انیسؔ کے شاہکار مرثیوں میں مانا جاتا ہے۔ راقم کو اس کے کئی قلمی نسخے دستیاب ہوئے۔ ان میں سے ایک سید محمد ہاشم جونپوری شاگردِ میر انیسؔ کے ہاتھ کا مکتوبہ ہے اور اس پر ۱۲۸۹ھ کی تاریخ بھی درج ہے۔ سبھی قلمی نسخوں میں مرثیہ ذیل کے مطلعے اور اس کے بعد کے بند سے شروع ہوتا ہے۔ یہی بند جلد ششم قدیم صفحہ ۳۰۵ اور جلد ششم قدیم صفحہ ۳، امیں بھی آغاز مرثیہ میں درج ہیں :

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب — پایا سحر نے دخل اٹھا انتظامِ شب
فرشِ سفید بچھ گیا اکھڑے خیامِ شب — آغاز روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب

رونق نشانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریِ سلطانِ شرق کی
چھپنے لگا جو عابدِ شب زندہ دار ماہ　　اختر چلے لپیٹ کے سجادۂ سیاہ
غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ　　تھا شور دور دور شہنشاہِ کج کلاہ
ہر سُو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا

مطلع (جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے) راقم کو کسی معتبر قلمی نسخے میں نظر سے نہیں گزرا۔ مرثیہ انیس کی زندگی میں اسی مطلع سے مشہور تھا:

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب

۱۹ - مرثیہ: جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا

مستند اور پرانے نسخوں میں مرثیہ کے کئی مطلعے یکے بعد دیگرے درج ہیں۔ ان سبھی نسخوں میں مرثیہ کا مطلع بند ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

یا رب میری زبان کو شیریں کلام کر　　ملکِ سخنوری کا مدار المہام کر
حضرت کے ذاکروں میں مجھے نیک نام کر　　اس مرثیے کو گلشنِ دار السلام کر
آنکھوں سے مومنوں کی رواں جوئے اشک ہو
رنگیں وہ زمزمے ہوں جو بلبل کو رشک ہو

۲۰ - مرثیہ: کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے [1]

---

[1] کنعانِ محمد کے حسینوں ..... الخ کا ایک قلمی نسخہ خاندانِ انیس کی فرد سید علی احمد دانش کے پاس بھی موجود ہے جس کی تعداد ۲۹ بند ہے۔ اور غالباً یہ میر نفیس یا میر عسکری رئیس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس مسودے کو کسی نے تین جگہ درمیان میں خط کھینچ کر گویا الگ الگ کرنے کی نشان دہی بھی کی ہے۔ ابتدا میں "بسم اللہ خیر الاسما" لکھا ہوا ہے۔ اس مرثیے میں جو درمیانی مطلعے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ رخصت ہوئے حضرت جو محبانِ وطن سے

۲۔ جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے

مذکورہ بالا دونوں مطلعے مطبوعہ جلدوں میں الگ الگ پائے جاتے ہیں۔ اور نول کشور مطبوعہ میں بند نمبر ۶، پر یہ مطلع موجود ہے "فرما کے یہ رخصت ہوئے ویران وطن سے" جسے میر صاحب نے بدل کر "رخصت ہوئے حضرت جو محبانِ وطن سے" قرار دے دیا۔ بند نمبر ۵، کے بعد خط کھینچ کر

(باقی بر صفحہ آئندہ)

'مراثی انیس' مطبوعہ نول کشور جلد دوم، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور اور 'جواہراتِ انیس' میں یہ مرثیہ ۱۸۱ بند میں شامل ہے مرتبین نے غلطی سے اس کے ساتھ ایک دوسرا مرثیہ شامل کرکے شائع کیا جس کا مطلع ہے :

رخصت ہوئے حضرت جو محبانِ وطن سے

راقم کی نظر سے اس مرثیہ (رخصت ہوئے . . . . .) کے کئی قلمی اور مستند نسخے گزرے ہیں۔ ایک نسخہ سید علی مانوس نبیرۂ میر انیس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور یہ ۱۰۰ بندوں پر مشتمل ہے۔ مقطع درج نہیں ہے۔ آخر میں سنہ ۱۲۸۴ھ کی تاریخ بھی درج ہے۔ مرثیہ مطبع جعفری جلد پنجم میں بھی بغیر مقطع درج ہے۔ جتنے بھی معتبر نسخے دستیاب ہو سکے ہیں ان میں مقطع نہیں ہے۔ مرثیہ زیرِ نظر (کنعان محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے) ۷۶ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تین قلمی نسخے مل سکے۔ نسخۂ رشید اور نسخۂ امیر علی میں الگ الگ ۷۶ بند ہیں۔ نسخۂ رشید سب سے قدیم ہے اور یکم رجب سنہ ۱۲۸۶ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتبِ مرثیہ نورالحسن کوکب ہیں۔ اس کا مقطع بھی مطبوعہ مرثیہ سے مختلف ہے :

یہ سُن کے پھرے روتے ہوئے شاہ کے غم خوار　　کعبہ کو روانہ ہوئے واں سے شہِ ابرار
خاموش انیس اب یہ دعا کر بہ دلِ زار　　یارب اسی ماتم سے رہے مجھ کو سروکار
ہر دم پسرِ فاطمہؑ کی یاد میں گزرے
دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گزرے

انیس کے کچھ قلمی مرثیے ایسے بھی نظر نواز ہوئے جن میں مقطع میں انیس تخلص ڈالا گیا ہے لیکن تحقیق و جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ انیس کے نہیں بلکہ نفیس کے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کا مرثیہ دیکھیے :

اے اوجِ طبع شانِ نشانِ علیؑ دکھا　　۱۱۲ بند

مقطع یہ ہے :

بس اے انیس لبکہ سُنے تھے کبھی یہ بَین　　برپا ہے بزمِ ماتمِ سرور میں شور و شین
میں ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین　　کیجے مدد ہیں آقا غلاموں کے یاحسینؑ
عشرت ہو اور عیش کے سامان کم نہ ہوں
جز ماتمِ حضور کوئی اور غم نہ ہوں

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) میر صاحب نے ذیل کا مقطع قائم کیا ہے جو مطبوعہ جلد میں نہیں ہے :

مصروف بکا بزم میں ہیں شاہ کے غم خوار　　ہر شخص کے بر لائیں مطالب شہِ ابرار
خالق سے انیس اب یہ دعا کر بہ دلِ زار　　یارب اسی ماتم سے رہے مجھ کو سروکار
ہر دم پسرِ فاطمہؑ کی یاد میں گزرے
دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گزرے

مرثیہ رشید صاحب کے پاس ہے۔ آخر میں ترقیمہ یہ ہے:

"بخط عاصی پر معاصی ابو محمد بخاطر عاطر مستطاب جناب میرزا راحت حسین دام اقبالہٗ ۸ رجادی الثانی ۱۳۲۰ھ ہجری"۔

یعنی مرثیہ میر نفیسؔ کے انتقال کے دو سال بعد نقل کیا گیا اس قسم کے مرثیوں کو جانچنے کے لیے کہ آیا یہ میر انیسؔ کی تصنیف سے ہیں یا نہیں راقم نے پرانے اور معتبر ماخذات سے بڑی محنت اور عرق فشانی سے استفادہ کیا۔ اگر ان میں یہ انیسؔ کے نام کے ہیں تو انھیں انیسؔ کے نام ہی رہنے دیا۔ اوپر کا مرثیہ دراصل میر نفیسؔ کا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ۱۳۰۲ھ میں "مجموعہ مراثی نفیسؔ" بعنوان "بحر ماتم" مطبع جعفری میں مرثیہ نمبر ۱۲ کے تحت صفحہ ۲۷۱ میں چھپا۔ "بحرِ ماتم" اب نایاب ہے۔ مقطع میں نفیسؔ تخلص درج ہے۔ کچھ مرثیے ایسے بھی ہیں جو اصل میں میر انیسؔ کے ہیں لیکن غلطی سے میر مونسؔ اور نفیسؔ کی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ راقم نے ایسے مرثیوں کی نشان دہی بھی کی ہے اور ایسے مرثیوں کا سراغ بھی لگایا جو میر انیسؔ کے ہیں لیکن مقطع درج نہ ہونے کی وجہ سے مشکوک ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مرثیہ قابلِ ذکر ہے جسے علی حیدر نظم طباطبائی قبلہ نے جلد سوم مطبع بدایونی میں صفحہ ۳۶۹ میں شائع کیا۔ اور جس کا مطلع یہ ہے:

رن میں جب دم حُرِ ذی شاں نے شہادت پائی

جناب موصوف مرثیہ کی تمہید میں فرماتے ہیں:

"یہ مرثیہ میر محمد صاحب مرحوم میر صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ کا مشہور ہے۔ لیکن میر انسؔ مرحوم نے اس بات کی شہادت دی کہ "بھیّا نے یہ مرثیہ میر محمد کو کہہ دیا تھا مجھے معلوم ہے۔" اس مرثیے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ میر صاحب اپنے لیے جس کدوکاوش سے مرثیہ کہتے تھے اور کہیں کہیں اہلِ بصیرت کی نظر میں آورد کی شان بھی اس میں نظر آجاتی تھی وہ بات اس میں نہیں ہے۔ یہ سراسر آمد قلم برداشتہ انیسؔ کا کلام ہے۔ جسے یہ دیکھنا ہو کہ رَو میں میر انیس کیسا کہتے تھے وہ اس مرثیہ کو پڑھ کر دیکھے۔ تمام بند مشاقانہ ہیں۔ جو لوگ سخن شناس ہیں اور اِس صاحبِ کمال کے فن کے طرزِ بیان و زباں سے آشنا ہیں۔ وہ میر انسؔ کی اس شہادت کی بلاشبہ تصدیق کریں گے۔"

زیرِ نظر مطبوعہ مرثیہ میں مقطع درج نہیں ہے اور یہ میر انسؔ کے زمانے میں بھی بغیر مقطع کے ہی تھا۔ اگر مقطع ہوتا تو مشکوک بن جاتا۔ اتفاق سے راقم کو اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۲۷ر مارچ ۱۸۹۵ء کا دستیاب ہوا۔ یہ نسخہ جناب رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں محفوظ ہے۔ ذیل میں میر انیسؔ کے بعد پہلی مرتبہ اس کا مقطع پیش کیا جاتا ہے:

سب کی لاشوں کو اٹھاتے ہیں قیامت ہے انیسؔ — قلبِ صد پارہ ہے کیا سخت مصیبت ہے انیسؔ
تجھ پہ شہ کی نظرِ لطف و عنایت ہے انیسؔ — یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست ہے انیسؔ

اب یہ رنگینیاں خونِ دلِ بے تاب کی ہیں
بیتیں ہیں یا کہ یہ لڑیاں دُرِ نایاب کی ہیں

کلامِ انیسؔ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میر انیسؔ جو کچھ کہا کرتے تھے اس پر بار بار نظرِ ثانی کیا کرتے تھے۔ راقم کے پیش نظر موصوف کے کوئی چھ سو سے زائد قلمی مرثیے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض مرثیوں کے نسخے پانچ پانچ چھ چھ کی تعداد میں

دستیاب ہیں اور اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو انیسؔ کے زمانۂ حیات میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء سے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء تک کی تاریخیں درج ہیں۔ بعض نسخوں میں بندوں کی تعداد مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں نسبتاً کم ہے لیکن ایسے نسخے وافر تعداد میں محفوظ ہیں جن میں بندوں کی تعداد مطبوعہ نسخوں سے بہت زیادہ ہے۔ قلمی اور مطبوعہ مرثیوں کے بعض مصرعوں اور بیتوں میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کے مطلعے اور مقطعے بھی مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر ذیل کے مرثیے پیش کیے جاتے ہیں :

۱۔ جب قتل کی شب سبطِ نبیؐ کو خبر آئی (مطبوعہ ۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلیٰؑ شب آئی)

۲۔ یارب میری زبان کو شیریں کلام کر (مطبوعہ ۔ جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا)

۳۔ جب آسماں پہ ختم ہوا دَورِ جامِ شب (مطبوعہ ۔ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے)

دیکھیے تینوں مرثیوں کے مطلعے مطبوعہ مرثیوں سے مختلف ہیں۔ ان مرثیوں کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں اور سب کے سب جیسا کہ اُوپر مذکور ہو چکا ہے مستند اور معتبر ہیں اور حیاتِ انیسؔ کے مکتوبہ ہیں۔ بعض مرثیوں کے قلمی نسخے ایسے بھی ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق زمانہ کے وقت شاعر کی زبان زیادہ پختہ اور مربوط نہیں تھی لیکن جُوں جُوں مشقِ سخن بڑھتی گئی اور کلام اور فن میں پختگی آتی گئی پھر انہی خصوصیات کی روشنی میں کلام پر نظرِ ثانی کی جاتی تھی۔ نظرِ ثانی کے وقت مرثیوں کی زبان ، الفاظ ، مصرعے ، مطلعے اور مقطعے تبدیل کیے گئے اور بڑی حد تک بندوں میں اضافہ بھی کیا جاتا تھا۔ ایسی مثالیں ان قلمی نسخوں میں پائی جاتی ہیں جن میں مختلف تاریخیں درج ہیں۔ اس قسم کے مرثیے اب تک لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہیں اور اب یہ انیس نمبر کی دُوسری جلد میں منظرِ عام پر آنے والے ہیں۔ انیسؔ نے بالکل بجا فرمایا ہے :

گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے مجھ کو جواں کر دیا

مرثیوں کے بعض قلمی نسخے ایسے بھی دریافت ہوئے ہیں جو انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ان میں جا بجا کاٹ چھانٹ کی گئی ہے ذیل کے نسخے قابلِ ذکر ہیں :

۱۔ جب لشکرِ خدا کا عَلم سرنگوں ہوا
۲۔ جب قتل ہوا ظہر تک اسلام کا لشکر
۳۔ خیمہ میں آج غُل ہے وداعِ حسینؑ کا

تینوں نسخے جناب بہار اجگمار صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ راقم نے ان کے عکس لیے ہیں ۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیسؔ سخت محنت اور عرق ریزی کر کے کس طرح مرثیہ نظم کیا کرتے تھے اور جب تک ان پر بار بار نظرِ ثانی نہ کرتے تھے مجلسوں میں نہیں پڑھتے تھے ان کے حال میں حالیؔ کا یہ مقولہ حرف بہ حرف صادق آتا ہے جو موصوف نے اپنی کتاب میں ملٹن کے حوالہ سے نقل کیا ہے :

"ملٹن بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نہایت سخت محنت اور جانفشانی سے نظم لکھی جاتی ہے اور نظم کی

ایک ایک بیت میں اس کے سڈول ہونے سے پہلے کتنی ہی تبدیلیاں پے درپے کرنی پڑتی ہیں۔"[1]

بار بار نظرثانی کے بعد اس شعر کا اطلاق کلام انیسؔ پر ہوتا ہے:

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروس سخن کو سنوارا نہیں

قلمی مرثیوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ میر انیسؔ زیادہ وقت مرثیوں کی نظرثانی میں صرف کرتے تھے اور کم و بیش ہر مرثیہ میں وسیع پیمانے پر اضافہ کرتے تھے اسی لیے ان کے اکثر مرثیوں میں بندوں کی تعداد دو سو سے زاید تک پہنچی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا مطبوعہ کلام مرزا دبیرؔ کے 'دفترِ ماتم' کی بیس جلدوں پر حاوی ہے۔ ذیل میں چند مرثیے پیش کیے جاتے ہیں جن میں بندوں کی تعداد مطبوعہ مرثیوں سے زیادہ ہے:

مرثیے کا مطلع	مطبوعہ تعداد بند	قلمی تعداد بند
۱- جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا	۱۰۳	۱۵۶
۲- جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا	۵۹	۱۰۲
۳- زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے	۱۰۵	۱۴۱
۴- عباسِ علیؑ شیرِ نیستاں نجف ہے	۵۹	۱۰۶
۵- عرشِ خدا مقامِ جنابِ امیر ہے	۱۵۰	۱۸۲
۶- کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا	۱۶۸	۲۰۲
۷- یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر	۱۸۲	۲۳۱

یہ سبھی قلمی نسخے میر انیسؔ کی زندگی میں نقل کیے گئے ہیں اور ان پر تاریخیں بھی درج ہیں اور ایسے ہی ان تمام مرثیوں پر بحث کی گئی ہے جن میں بندوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس طرح ایسے تمام مرثیوں کے فاضل بند ایک جگہ جمع کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں انیس نمبر جلد دوم ملاحظہ ہو۔

افسوس تو اس کا ہے کہ آج تک انیسؔ جیسے عظیم المرتبت اور مسلم الثبوت اردو شاعر کا کلام صحتِ متن کے ساتھ نہیں چھپ سکا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ انیسؔ اردو کے سب سے برتر شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن یہ بات کس قدر دلخراش اور تکلیف دہ ہے کہ انیسؔ کی وفات کو سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ان کا مکمل کلیات صحت و صفائی کے ساتھ انیسؔ کی صد سالہ برسی کی تقریبات پر بھی معرضِ وجود میں نہ آسکا۔ انیسؔ کا جو مطبوعہ کلام مشکل سے دستیاب ہے وہ ناقص، غیر مرتب، غلط اور نامکمل ہے۔ انیسؔ کے پرستاروں اور اردو کے قدر دانوں کے فقدان کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ مراثی انیسؔ اب نایاب

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۶۹ مطبوعہ ۱۹۲۹ء رفاہ عام پریس لاہور۔

ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی اشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ "تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو"۔ خدا مغفرت کرے منشی نول کشور آنجہانی کو جنھوں نے کلامِ انیسؔ شائع کر کے انیسؔ کے نام کے ساتھ ساتھ اپنے نام کو بھی روشن کیا۔ اگر وہ ۱۸۷۶ء میں مراثی انیسؔ کی اشاعت کا بیڑا نہ اٹھاتے تو آج انیسؔ آسمان شاعری پر مہرِ عالم تاب کی طرح نہ چمکتے۔ آفریں صد آفریں منشی صاحب کے وارث جناب تیج کمار صاحب بھارگو پر جنھوں نے زرِ کثیر صرف کر کے میر انیسؔ کی صد سالہ برسی کے موقع پر مارچ ۱۹۷۶ء میں مراثی انیسؔ کی چاروں جلدیں بار نہم شائع کیں۔ مکمل سیٹ کی قیمت ۹۰ روپے ہے۔ یہ جلدیں حضرت مہذبؔ لکھنوی نے ترتیب دی ہیں۔ موصوف نے بلا وجہ و ضرورت کلام انیسؔ پر اپنی طرف سے تصحیح فرما کر نہ صرف ان جلدوں کا ستیاناس کیا ہے بلکہ انھوں نے انیسؔ کے ساتھ منشی نول کشور صاحب کو بھی گویا قتل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے انیس نمبر کی دوسری جلد ملاحظہ ہو۔ قصہ کوتاہ چونکہ مرتبین نے مطبوعہ مراثی کے ماخذات کی نشان دہی نہیں کی ہے اس لیے ان میں سے اکثر مرثیے بے ترتیب اور نامکمل ہیں۔ لہٰذا مراثی انیسؔ پر تحقیقی نظر ڈالنے کی بیحد ضرورت ہے۔

اشاریہ قلمی مراثیِ انیسؔ

ضمیر اختر نقوی صاحب نے ماہِ نو کراچی میر انیسؔ نمبر مطبوعہ ۱۹۷۲ء میں میر انیسؔ کے مطبوعہ مراثی کا اشاریہ مرتب کر کے واقعی ایک اہم کام اور غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان کے مرتب کردہ اشاریہ میں بعض الحاقی مرثیے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ کچھ مرثیے ایسے ہیں جو مکرر درج کیے گئے ہیں۔ راقم کو مراثی انیسؔ کے سیکڑوں قلمی نسخے جناب مہاراجکمار صاحب محمود آباد اور جناب سید محمد رشید صاحب جعفر منزل امین آباد لکھنؤ کے کتاب خانوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ کچھ قلمی نسخے جناب راجہ سید احمد مہدی آف پیرپور اور متعدد نسخے جناب مرزا امیر علی صاحب جونپوری سے بھی استفادہ کے لیے مل گئے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ میر انیسؔ کے بعض مشہور مرثیوں کے آٹھ آٹھ دس دس نسخے نظر سے گزرے۔

قلمی مراثی مملوکہ رشید صاحب

جناب رشید صاحب کے کتاب خانے میں میر انیسؔ کے وہ قلمی مراثی دس ضخیم جلدوں میں ہیں جو نور الحسن عرف نور محمد تخلص کوکبؔ کی ملکیت میں تھے۔ موصوف میر انیسؔ کے عہدِ حیات میں راجہ صاحب دھولپور کے وکیل و معتمد تھے۔ قلمی مرثیوں میں جو یادداشتیں ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوکبؔ اپنے زمانے میں نامور ہستیوں میں شمار ہوتے تھے۔ متعدد لوگوں نے ان کی خوشنودی کے لیے میر انیسؔ کے بہت سے مرثیے لکھ کر ان کی نذر کیے تھے۔ کوکبؔ میر انیسؔ کے پرستاروں میں تھے۔ انھوں نے تبرکاً و تیمناً میر انیسؔ کے بہت سے مرثیے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ ان میں تاریخ کتابت کے ساتھ ساتھ کوکبؔ کے دستخط بھی موجود ہیں جن کے آغاز میں "مرثیہ من تصنیف میر انیس سلمہ" کے الفاظ درج ہیں۔ سبھی نسخوں کی ابتدا میں کوکبؔ کے دستخط ملتے ہیں۔ بہت سے مرثیوں پر اودھ اخبار لکھنؤ، کارنامہ لکھنؤ، پنجابی لاہور اور پٹیالہ اخبار کے کوَر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ اخبار میر انیسؔ کی حیات میں چھپتے تھے۔ کچھ اخباروں میں ڈاک خانہ چوک لکھنؤ اور ڈاک خانہ ریاست دھول پور کی مُہریں بھی نمایاں ہیں جن میں میر انیسؔ کے انتقال ۱۸۷۴ء سے قبل کی تاریخیں درج ہیں۔ نور الحسن کوکبؔ نے بہت سے مرثیوں کے آغاز میں "مقابلہ نمودہ" کے الفاظ بھی لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر معتبر اور مستند مرثیے تھے۔

کوکب اپنے وقت میں عالم جید اور فاضل یگانہ تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے مرثیے بھی کہتے تھے۔ جناب رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں وہ مجلس کے طرز پر متعدد نثری اور منظوم مرثیے کئی کتابوں میں سلسلہ وار محفوظ ہیں اور ان کے علاوہ لکھنؤ کے مشہور تاجر کتب جناب نادر آغا کے پاس کوکب کی تقریباً تین درجن تصانیف ہیں ان میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

۱۔ تاریخ نوری (اردو) بخطِ مصنف	تقریباً ۱۲۰۰	صفحات
۲۔ تاریخ نورالاسلام (شیعہ بادشاہوں کا تذکرہ) بخطِ مصنف اردو	۵۰۰	〃
۳۔ تاریخ سکہ جات قدیم مرتبہ نورالحسن	۲۵۰	〃
۴۔ تذکرہ معین الدین چشتی 〃	۱۰۰	〃
۵۔ تاریخ لب لباب دھولپور مع نسب نامہ راجگان دھولپور	۵۰۰	〃
۶۔ تاریخ دھولپور (اس میں دھولپور کے بارے میں شاہانِ دہلی کے فرامین کی نقلیں جمع کی گئی ہیں)	۲۵۰	〃

جناب رشید صاحب کی ملکیت میں مراثی انیسؔ کی آٹھ ضخیم جلدیں مخطوطات کی صورت میں ہیں۔ ان میں ۱۲۵ مرثیے ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور جلدیں بھی ہیں۔ ان میں مختلف لوگوں کے مرثیے ہیں۔ ایک جلد کے سرورق پر "جلد مراثی قلمی و مطبوعہ (انیس و خاندانِ انیس)" درج ہے۔ اس میں ۳۶ مرثیے ہیں اور ان میں ۱۴ قلمی مرثیے میر انیسؔ کے ہیں۔ ان ۱۴ مرثیوں میں ذیل کے مرثیے میر رئیسؔ کے تخلص سے درج ہیں :

۱۔ اے اہلِ عزا ! ماہِ محرم کے دن آئے	۴۶ بند۔ مقطع ندارد
۲۔ اے طبعِ رسا روضۂ شبیرؑ دکھا دے	۶۶ بند۔ (ایک اور نسخے میں انیسؔ تخلص ہے اور یہ ۱۲۹۴ھ کا مکتوبہ ہے)
۳۔ فرصت ہوئی حرم کو جو دفنِ امام سے	۳۱ بند۔ (۲ نسخے)
۴۔ یارب ! عروسِ فکر کو حسن و جمال دے	۱۷۱ بند۔ (نسخۂ ثانی میں ۱۶۸ بند بغیر مقطع کے ہیں)

راقم نے ان چاروں مرثیوں کو میر انیسؔ کی تصانیف سے تسلیم کیا ہے۔ اس لیے کہ میر رئیسؔ کا مرثیہ کہنا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اندازِ بیان اور صفائیِ زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرثیے انیسؔ کے ہی ہیں۔ راقم کے بیان کی تائید سید حیدر علی نظم طباطبائی سے بھی ہوتی ہے۔ موصوف مراثی انیسؔ مطبوعہ نظامی بدایونی صفحہ ۵۱۴ مرثیہ نمبر ۱۹ "نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری" کی تمہید میں فرماتے ہیں کہ:

"میر صاحب (انیسؔ) کی اولاد میں منجھلے صاحبزادے میر عسکری اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے اور کئی پشت سے یہی ذریعۂ معاش تھا۔ میر صاحب نے یہ مرثیہ ان کو کہہ دیا۔ رئیسؔ ان کا تخلص رکھ کر مقطع میں بھی رئیسؔ کا نام ڈال دیا۔ مقصود یہ تھا اس سے ان کو بھی مرثیے کہنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اور یہی ذریعۂ معاش ہو جائے گا۔ لیکن میر عسکری صاحب اس فن سے مناسبت نہ رکھتے تھے۔ آخر کو یہ مرثیہ خود میر صاحب کے نام سے مجلسوں میں پڑھا جانے لگا اور حقیقت میں ایک لفظ بھی اس میں میر عسکری کا نہیں ہے۔"

زیرِ نظر متفرقہ قلمی جلد میں میر انیسؔ کے علاوہ میر مونسؔ اور پیارے صاحب رشیدؔ کے مرثیے بھی ہیں۔ دُوسری قلمی جلد میں انیسؔ کے علاوہ افسردہؔ، ترقیؔ، مونسؔ، نفیسؔ اور تعشقؔ کے مرثیے ہیں۔ جلد میں کل ۲۳ مرثیے ہیں۔ ان میں صرف دو مرثیے میر انیسؔ کے ہیں:

۱ - جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدارؑ نے دیکھا　　　۱۵۶ بند

۲ - اے طبعِ رسا شانہ کشِ زلفِ سخن ہو　　　۱۱۱ بند

اس طرح رشید صاحب کے قلمی مرثیوں کی ۱۰ جلدوں کی تفصیل جن میں میر انیسؔ کے مرثیے ہیں درج ذیل ہے:

جلد اول، ۲۲ مراثی - جلد دوم، ۲۲ - جلد سوم، ۱۷ - جلد چہارم، ۲۸ - جلد پنجم، ۲۱، جلد ششم ۱۰ -
جلد ہفتم، ۵ - جلد ہشتم، ۴ - جلد قلمی (انیسؔ و خاندانِ انیسؔ) ۱۴ - جلد قلمی متفرقہ ۲ -

رشید صاحب کے یہاں مجلد ۱۰ قلمی جلدوں میں مرثیوں کی تعداد ۱۵۱ ہے۔ ان کے علاوہ موصوف کے پاس بہت سے ایسے قلمی مرثیے بھی محفوظ ہیں جو علٰحدہ کتابچہ کی صورت میں ہیں۔ ان کے کتاب خانے میں میر انیسؔ کا جو قلمی ذخیرۂ مراثی ہے وہ فی الواقعی اپنی نظیر نہیں رکھتا ہے۔ ایسے نادر اور مستند مرثیے راقم کی نظر سے کہیں نہیں گزرے ہیں۔ رشید صاحب ہر سال اس ذخیرۂ مراثی میں کچھ نہ کچھ اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔ انھیں مراثی جمع کرنے میں ایسی شیفتگی ہے کہ کبھی کبھی اس کی فراہمی کے سلسلہ میں زیرِ بار بھی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر انھیں بڑے سلیقے سے جلدوں میں محفوظ رکھتے ہیں۔ ان جلدوں میں تقریباً ایک سَو مرثیے میر انیسؔ کے زمانۂ حیات (۱۲۵۰ھ سے ۱۲۹۱ھ تک) میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان مرثیوں میں سالِ کتابت اور کاتب کا نام بھی درج ہے۔ راقم اس ذخیرۂ مراثی کو معتبر اور مستند سمجھتا ہے اور ان کے بندوں میں اچھا خاصا اضافہ بھی ملتا ہے۔

قلمی مراثی انیسؔ کتاب خانہ راجہ صاحب محمود آباد

یہ ہندوستان کے مشہور کتاب خانوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جو مخطوطات یہاں راقم کی نظر سے گزرے ہیں وہ نادر الوجود ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر مصنفین کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ کتاب خانہ کی دیکھ بھال محمد امیر حیدر خاں مہاراجکمار صاحب کر رہے ہیں۔ یہاں میر انیسؔ کے قلمی مراثی کے ۹ بستے ہیں۔ موصوف کا کہنا ہے کہ یہ ذخیرہ خاندان انیسؔ کے ایک فرد سیّد محمد عباس ایم اے مرحوم کے کتاب خانے سے ان کے یہاں منتقل ہو گیا ہے۔ مرثیوں کی تعداد ۲۲۹ ہے۔ ان میں سے ۱۴ مرثیے انیسؔ کے عہدِ حیات کے مکتوبہ ہیں۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

بستہ اوّل، ۱۵ - دوم، ۸ - سوم، ۳۴ - چہارم، ۴۴ - پنجم، ۲۷ - ششم، ۱۷ - ہفتم، ۱۴ - ہشتم، ۲۷ - نہم، ۲۳ -
کل مراثی ۲۲۹ - راقم الحروف کی رائے میں میر انیسؔ کے مطبوعہ مراثی کے ماخذات یہی ۹ بستے ہیں۔ جو خامیاں مطبوعہ مرثیوں میں پائی جاتی ہیں وہ ان قلمی مرثیوں میں بھی موجود ہیں۔ معدودے چند مرثیوں میں کاتب کا نام اور سالِ کتابت درج ہے۔ دو مرثیے میر مانوسؔ نبیرۂ میر انیسؔ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ مہاراجکمار صاحب فرماتے ہیں کہ ذیل کے مرثیے میر انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں:

۱ - جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا　　　۲۲۰ بند (کچھ بند میر نفیسؔ اور دُولھا صاحب عروجؔ نے بھی لکھے ہیں)

۲ - جب قتل ہوا تھرتک اسلام کا لشکر ۳۶ بند
۴ - جب کربلا میں خاتمۂ پنجتن ہوا ۵۴ بند

کتاب خانے میں بعض مرثیوں کے ایک سے زیادہ نسخے ملتے ہیں۔ مہاراجکمار صاحب کے مرثیے رشید صاحب کے مرثیوں کے مقابلے میں زیادہ معتبر اور مستند نہیں کہے جا سکتے ہیں۔ یہ مطبوعہ مرثیوں کے عین مطابق ہیں۔ کچھ مرثیے رشید صاحب کے مرثیوں کے مطابق بھی ہیں۔

مراثی انیسؔ قلمی مملوکہ مرزا امیر علی جونپوری اردو کتب کے مشہور تاجر و ناشر مرزا امیر علی جونپوری مالک اردو پبلشرز نظیر آباد لکھنؤ کے پاس بھی مراثی انیسؔ کے کئی قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد ۳۰ ہے اور آج کل یہ راقم کی تحویل میں ہیں۔ زیادہ تر مرثیے کتابی صورت میں ایک جلد میں بندھے ہوئے ہیں اور کچھ مرثیے خوشخط اور بڑی تقطیع میں لکھے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلد کسی بدذوق اور خودغرض شخص کے پاس بھی رہی تھی کیونکہ کچھ مرثیے ایسے ہیں کہ ان کے مطلعے اور مقطعے دیدہ و دانستہ غائب کر دیے گئے ہیں۔ یہ مرثیے بہت پرانے معلوم ہوتے ہیں اور رشید صاحب کے مرثیوں کے مطابق ہیں

راقم نے ان تینوں بزرگواروں کے پاس میر انیسؔ کے جو قلمی مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے ان کی تعداد اس طرح ہے:

رشید صاحب ۱۵۱ ، مہاراجکمار ۲۲۹ ، امیر علی ۳۰ - کل مراثی ۴۱۰ -

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ان میں بعض مرثیوں میں ایک سے زیادہ نسخے بھی ہیں۔ ذیل میں اب حروفِ تہجی میں میر انیسؔ کے قلمی مراثی کا اشاریہ مرتب کیا جاتا ہے جو مہاراجکمار صاحب، رشید صاحب اور امیر علی صاحب کی ملکیت میں ہیں۔ ان میں مطبوعہ مراثی کا اندراج نہیں ہے۔ جن قلمی نسخوں کی ابتدا یا آخر میں ”من تصنیف میر انیس سلمہٗ“ لکھا ہے اشاریہ میں انھیں بحیاتِ انیسؔ لکھا گیا ہے۔ کیفیت کے خانے میں سالِ کتابت بھی درج ہے۔

نمبر شمار	مطلع	بند	نسخے	کتب خانہ مہاراجکمار	کتب خانہ رشید صاحب	کتب خانہ امیر علی	کیفیت
	الف						
۱	آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے	۲۵	۱		علمی جلد اوّل		
۲	آفتابِ فلکِ عز و شرافت ہے حسینؑ	۲۷		بستۂ سوم			
۳	آمد ہے جگر بندِ شہِ قلعہ شکن کی	۱۵۴			جلد ششم		مکتوبہ ۱۷ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ
۴	آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی	۱۲۰	۲	بستۂ اول	” چہارم		مطبوعہ بحیات انیسؔ و دیگر قلمی
۵	آمد ہے کربلا میں نیستاں کے شیر کی	۱۷۱	۲	”			
۶	اقلیمِ شجاعت کا شہنشاہ ہے عباسؑ	۱۱۲		” پنجم			مکتوبہ ۷ر جمادی الاول ۱۲۶۹ھ مطلع ثانی: عباسؑ علی قبلۂ اربابِ وفا ہے

۷	اے اہلِ عزا! رخصتِ اکبرؑ ہے پدر سے	۸۰	۲	بستۂ اول			
۸	اے اہلِ عزا! ماہِ محرم کے دن آئے	۴۶		قلمی جلد خاندانِ انیس			مقطع ندارد
۹	اے بختِ رسا روضۂ شبیرؑ دکھا دے	۷۲	۲				مکتوبہ ۱۲۹۰ھ بقلم سید مصطفےٰ عرف بنّے
۱۰	اے تیغِ زباں! جوہرِ تقدیر دکھا دے	۱۴۷	۴	بستۂ اول	جلد اول		از بستۂ مقیم الدولہ راجہ نواب علی وہبؔ
۱۱	اے حُسنِ بیاں آئینۂ حسن دکھا دے	۱۴۰			〃 دوم		
۱۲	اے شمعِ زباں انجمن افروز بیاں ہو	۱۰۵		قلمی جلد خاندانِ انیس			مکتوبہ بحیاتِ انیسؔ
۱۳	اے شمعِ قلم روشنیِ طُور دکھا دے	۱۲۴	۲	بستۂ اول			
۱۴	اے طبعِ رسا شانہ کش زلفِ سخن ہو	۱۱۱			قلمی جلد متفرقات		مکتوبہ بحیاتِ انیسؔ اخبار کارنامہ مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۸۷۳ء کا کور چڑھا ہوا ہے۔
۱۵	اے مومنو! حسینؑ کا ماتم اخیر ہے	۱۹			جلد چہارم		مکتوبہ برائے راجہ دولت رائے یکم رمضان ۱۲۸۰ھ کاتب زین العابدین بمقام ایٹہ۔
۱۶	اے مومنو! کیا شور ہے ماتم کا جہاں میں	۹۴	۲				متفرقہ جلد مکتوبہ ۱۲۷۴ھ مونسؔ کے نام بھی غلطی سے چھپا ہے۔ مطبع جعفری میں انیسؔ کے نام ہے۔
۱۷	اے مومنو! کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ	۸۹	۲	بستۂ اول	جلد ششم		
۱۸	اے مومنو! کیا مرتبۂ سبطِ نبی ہے[1]	۱۱۱		〃			مکتوبہ ۲۷ر ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ، دیکھو جلد ششم قدیم صفحہ ۲۵۷ اور نول کشور جلد اول صفحہ ۳۹۱۔
۱۹	اے مومنو! مرنے کے لیے جاتے ہیں اکبرؑ	۴۲		بستۂ اول			
۲۰	اے مومنو! مصروف رہو یادِ خدا میں	۱۲۴			جلد ششم		مکتوبہ ۱۲۹۷ھ مالک و کاتب سید عاشق حسین رضوی

---

[1] جلد ششم قدیم صفحہ ۲۵۷ میں ۱۱۵ بند درج ہیں۔ نول کشور جلد اول صفحہ ۳۹۱ میں ۱۲۴ ہیں۔ اس میں ابتدا کے ۱۳ بند دوسرے مرثیے کے شامل کیے گئے ہیں جس کا مطلع یہ ہے:

اے مومنو! مصروف رہو یادِ خدا میں

	ب						
۲۱	بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُر	۱۴۳	۴	بستہ اول			"تمام شد در عظیم آباد ۱۲۶۳ھ" نسخہ اول۔ نسخۂ دوم میں انیسؔ اور مونسؔ تخلص ہیں۔ مطلع: "بخدا عرصۂ اقبال تہور تھا حُر" یہ ۱۳۰۹ھ کا مکتوبہ ہے۔ نسخہ چہارم ناقص از اول، تخلص مونس' مکتوبہ ۱۳۱۴ھ۔
۲۲	برہم ہے مرقع چمنستانِ جہاں کا	۹۶	۶	بستہ اول	جلد اول و متفرقات	خوشخط نسخہ	مکتوبہ ۲۲ شہر ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۸۵۶ء و نسخہ ششم مکتوبہ بحیات انیسؔ ۱۲۸۰ھ
۲۳	بشر کے جسم سے رنجِ فراقِ جاں پوچھو	۳۱	۳	بستۂ دوم			مکتوبہ بحیات انیسؔ ۱۲۹۰ھ
	پ						
۲۴	پا چکے شہ سے جو مرنے کی اجازت عباسؑ	۴۵	۲	بستۂ دوم			
۲۵	پہنچا جو کربلا میں غریب الوطن حسینؑ	۹۹			جلد پنجم		بحیاتِ انیسؔ بخط وزیر مرزا
۲۶	پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے	۱۱۶	۲	بستہ دوم	" سوم		مطبوعہ بحیات انیسؔ
۲۷	پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح	۱۶۸	۳	" سوم	" چہارم		بحیات انیسؔ
	ت						
۲۸	تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتیٰ کی مدح	۱۲۱			" چہارم		سالِ تصنیف قبل ۱۲۷۲ھ۔ یہ غلطی سے مونسؔ کی جلد دوم میں چھپا۔ کاتب مرزا عباس ہمعصر انیسؔ۔
۲۹	تلف ہوئی جو شہِ خوش خصال کی دولت	۳۱			جلد چہارم		ناتمام۔ مقطع ندارد
۳۰	تھے حُسن میں یوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ	۹۳	۴	بستہ سوم	جلد سوم و ششم		مکتوبہ بست و سیوم شہر شوال ۱۲۵۴ھ۔

ج

۳۱	جاتا ہے شیر بیشۂ حیدرؑ فرات پر	۱۴۹	۵	بستۂ سوم		خوشخط نسخہ	نسخۂ سوم مکتوبہ ۱۲۹۸ھ
۳۲	جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج	۱۸۷	۷	〃	جلد ششم	〃	برحیاتِ انیس
۳۳	جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر	۱۲۱	۲	〃	٭چہارم		مکتوبہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ بخط نور الحسن کوکب۔
۳۴	جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے	۱۰۶	۲	بستہ سوم			
۳۵	جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب[1]	۱۹۸	۶	〃		〃	بخط سید محمد ہاشم جونپوری شاگردِ انیس مکتوبہ محرم الحرام ۱۲۸۸ھ۔
۳۶	جب آسماں پہ مہر کا زرّیں نشاں کھلا	۱۵۷	۱	〃			مرثیہ میں انیس اور مونس دونوں تخلص درج ہیں۔ مراثی مونس جلد سوم مطبوعہ ۱۸۸۹ء نولکشور میں چھپا ہے۔ دراصل یہ مرثیہ میر انیس کا ہی ہے اور غلطی سے مراثی مونس میں چھپا۔ جناب رشید صاحب کے مراثی انیس قلمی جلد ششم میں پہلا مرثیہ "جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں" ہے۔ یہ مرثیہ ۱۲۷۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس کے آخر میں میر انیس کے اٹھارہ مرثیوں کے مطلعے درج کیے گئے ہیں۔ ان میں یہ مرثیہ بھی درج ہے۔ اٹھارہ مرثیوں کی فہرست۔ ۱۰ رجمادی الاول

[1] مرثیہ کے چھے قلمی نسخے اسی مطلعے سے دستیاب ہوئے۔ جلد ششم قدیم صفحہ ۳۰۵ میں بھی اسی مطلعے کے تحت چھپا لیکن مطبوعہ نول کشور جلد چہارم اور دیگر مطبوعہ مرثیوں میں مطلع یہ ہے:

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

							سنہ ۱۲۷۲ھ کو لکھی گئی۔
۳۷	جب آفتابِ تاجِ سرِ آسماں ہوا	۶۲	۲	بستۂ سوم			مکتوبہ ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ
۳۸	جب آمدِ سردارِ دوعالم ہوئی رن میں	۹۶	〃	〃			
۳۹	جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا	۱۵۲	۴	〃	قلمی جلد اول	نسخۂ خوشخط	
۴۰	جب باغِ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں	۸۰	۳	〃			
۴۱	جب بہرِ وغا قاسمِؑ گل پیرہن آئے	۸۰			جلد پنجم		مکتوبہ بہ حیاتِ انیس۔ اس پر پٹیالہ اخبار مورخہ ۶ رجب سنہ ۱۸۸۱ء کا کور چڑھا ہوا ہے۔ مرثیہ کا مشہور مطلع یہ ہے: پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
۴۲	جب تیروں سے مجروح ہوا قاسم نوشاہ	۴۳			جلد پنجم		
۴۳	جب تیغِ ظلم سے سرِ سرور جُدا ہوا	۴۶		〃			
۴۴	جب تیغِ کیں حسینؑ کی گردن پہ چل گئی	۶۰		〃			
۴۵	جب جاں نثارِ سبطِ پیمبرؐ ہوئے شہید	۴۶	۲	〃			
۴۶	جب جنگ کو میداں میں آئے علی اکبرؑ	۲۶		〃			
۴۷	جب جنگ کو میداں میں سدھارے علی اکبرؑ	۳۱		〃	جلد چہارم		مطلع اوّل: اے مومنو! اولاد کا مرنا بھی ستم ہے
۴۸	جب حُر کو ملا خلعتِ پُرخونِ شہادت	۱۷۵	۴	〃 چہارم	〃 اول	نسخۂ امیر	نسخۂ رشید مکتوبہ ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۷ھ۔ نسخۂ مہاراجکمار صاحب مکتوبہ ۲ جولائی سنہ ۱۸۸۲ء۔
۴۹	جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں	۱۵۷	۵	〃	جلد ششم		مکتوبہ سنہ ۱۲۷۲ھ نسخہ دیگر مکتوبہ سنہ ۱۲۸۱ھ۔
۵۰	جب خالی جہاں ہوگیا شاہِ دوجہاں سے	۴۲	〃				مقطع میں مونس درج ہے۔
۵۱	جب خیمۂ امامِ دوعالم بپا ہوا	۵۹			〃 پنجم		مقطع ندارد۔ مکتوبہ قبل از سنہ ۱۸۷۴ء۔
۵۲	جب خیمۂ فرزندِ پیمبرؐ ہوا تاراج	۵۰	۳		〃 اوّل		نسخۂ رشید۔ مکتوبہ بہ حیاتِ انیس۔

۵۳	جب وادیِ غربت میں علیؑ کا پسر آیا	۱۷۳	۲	بستہ چہارم	جلد چہارم		مطبوعہ مطلع : "جب دشتِ مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا"
۵۴	جب دشتِ کربلا کی زمیں سُرخرو ہوئی	۱۲۱		〃			مقطع میں مونس درج ہے۔
۵۵	جب دولتِ سرور پہ زوال آگیا رن میں	۱۳۰	۷	〃	جلد ششم	نسخہ امیر	نسخہ رشید مکتوبہ ۳۰ر جمادی الاول ۱۲۸۱ھ ۔ نسخہ مہاراجکمار مکتوبہ ۹ر ستمبر ۱۸۸۲ء۔
۵۶	جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے	۱۵۴	۳	〃	جلد متفرقہ		
۵۷	جب رفیقانِ حسین ابنِ علیؑ کام آئے	۷۳		〃			
۵۸	جب رن کو بادشاہِ زمین و زماں چلا	۴۴		〃			مقطع وہی ہے جو اس مرثیہ میں ہے: جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
۵۹	جب رن میں آمد آمد سلطانِ دیں ہوئی	۷۳		〃			
۶۰	جب رن میں حسینؑ اصغرؑ بے شیر کو لائے	۵۰	۲	〃	〃		نسخہ رشید مکتوبہ ۱۲۷۷ھ
۶۱	جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا	۲۰۱	۴	〃	جلد ششم		
۶۲	جب رن میں قتل ہو چکا لشکر حسینؑ کا	۴۴	۲	〃	جلد متفرقہ		
۶۳	جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو	۳۵	۲	〃	جلد پنجم		کاتب کاظم علی خاں مرثیہ خوان
۶۴	جب قتل کی شب سبطِ نبیؐ کو خبر آئی[1]	۱۷۰	۵	〃	〃		نسخہ رشید مکتوبہ ۱۲۷۱ھ کاتب سبحان علی سندیلوی
۶۵	جب سنی ہند کے آنے کی خبر زینبؑ نے	۶۹	۷	〃	قلمی ششم		نسخہ رشید مکتوبہ ۴ر رمضان ۱۲۵۶ھ نام کاتب نجف علی
۶۶	جب شام کے زنداں میں ہوئی شامِ حرم کو	۴۵	۴	〃	جلد اول		نسخہ رشید مکتوبہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء
۶۷	جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی	۲۴۷	۴	〃			راجہ پیرپور کے نسخے میں ۱۱۱ بند ہیں وہ ۱۳۱۱ھ کا ہے۔ نسخۂ دیگر ۲۰ر رجب ۱۲۸۹ھ کا ہے۔ اس میں ۶۵ بند ہیں۔ مطلع یہ ہے :

[1] مرثیہ اس مطلع سے مشہور ہے : جب زلف کو کھولے ہوئے لیلیِ شب آئی

۶۸	جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا	۷۲			جلد سوم		"ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی" نسخۂ مہاراجکمار مطبوعہ کے مطابق ہے جو کئی مرثیوں سے مرتب ہوا ہے۔ مکتوبہ بر حیات انیس مالک مرثیہ مرزا مظفر علی
۶۹	جب صبحِ شبِ عقدِ چراغِ حسن آئی	۹۸		بستہ چہارم			
۷۰	جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو	۹۲		"			
۷۱	جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے[1]	۱۰۵	۵	"			نسخۂ محسن نواب صاحب قبلہ ۱۲۶۹ھ کا مکتوبہ ہے۔ نسخۂ مہاراجکمار ۱۲۷۲ھ اور دوسرا ۲۰ جولائی ۱۸۸۲ء کا مکتوبہ ہے۔
۷۲	جب غرق بحرِ خوں ہوئی کشتی نجات کی	۵۸	۲	"			
۷۳	جب فاطمہؑ کے لال کا سر کٹ گیا تن سے	۴۴			جلد دوم		بخط نور الحسن کوکب
۷۴	جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں	۱۱۴	۴	بستہ چہارم	رر		مکتوبہ ۱۳۱۱ھ بخط عنایت علی ولد تہوّر علی
۷۵	جب قتل ہوا اظہر تک اسلام کا لشکر	۳۶		"			بخط میر انیس
۷۶	جب قطع ہوئے نخل گلستانِ علیؑ کے	۶۸	۲	"	جلد اول		مکتوبہ ۷ راگست ۱۸۸۲ء
۷۷	جب قصد کیا شاہ نے کوفہ کا وطن سے	۳۲		"			
۷۸	جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے	۴۷	۲	"			مطبوعہ فیض احمدی پریس باغ مکّا۔ نوشتہ نجف علی۔ ضمیمہ پٹیالہ اخبار مورخہ ۲۶ رمئی ۱۸۷۳ء کا کور چڑھا ہوا ہے۔
۷۹	جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی						
۸۰	جب کٹ گیا تیغوں سے گلستانِ محمدؐ	۱۲۱					
۸۱	جب کربلا میں خاتمۂ پنجتن ہوا	۵۳	"		جلد دوم		

[1] مطلع ثانی: "جب سالکانِ راہِ خدا نام کر گئے۔"

۸۲	جب کوفیوں نے کوفے میں مسلم سے دغا کی	۸۴	۲	بستہ چہارم	جلد چہارم		
۸۳	جب گلشنِ ایماں کو قلم کر چکے اعدا	۹۸					مطبوعہ مطلع : جب طوقِ سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ
۸۴	جب کربلا میں روزِ دہم کی سحر ہوئی			〃			ناقص
۸۵	جب کھا کے سناں خوں میں ہوئے تر علی اکبرؑ	۴۱		〃			
۸۶	جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا	۲۲۳	۷	جلد ہفتم و نہم	جلد چہارم	نسخہ امیر	نسخۂ رشید بخطِ نور الحسن کوکب
۸۷	جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدارؑ نے دیکھا	۱۵۶		〃 ہشتم	قلمی متفرقہ		
۸۸	جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا	۱۹۰	۵	〃 ہفتم			مکتوبہ ۵ رجب ۱۲۸۹ھ
۸۹	جب مرحلۂ عشق کو سر کر گئے عباسؑ	۷۶	۳	〃 نہم	جلد دوم		بخطِ نور الحسن کوکب ۱۲۸۸ھ
۹۰	جب کہ تیروں سے بدن شاہ کا غربال ہوا	۴۰		〃 ہشتم			
۹۱	جب کہ محبوس ہوئے اہلِ حرم زنداں میں	۵۵		〃			
۹۲	جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں	۴۰		〃			
۹۳	جب یزید اپنے گناہوں سے پشیمان ہوا	۳۲			جلد سوم		
۹۴	جس دم حسینؑ دلبرِ شبّرؑ کو رو چکے	۱۰۲	۲	〃 ہشتم			
۹۵	جس دم شرف اندوزِ شہادت ہوئے عباسؑ	۱۲۸		〃 پنجم			
۹۶	جس گھڑی نہر پہ خیمہ شہِ والا کے ہوئے				جلد چہارم		بغیر مقطع
۹۷	جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا	۱۰۲	۳	〃 پنجم	متفرقہ		نسخۂ رشید مکتوبہ ۱۲۶۹ھ
۹۸	جس وقت یہ شیریں نے سنا آتے ہیں شبّیرؑ	۴۶	۲		جلد چہارم		
	ح						
۹۹	حضرت سے جب برادرِ خوشخو جدا ہوا	۱۱۴		〃 پنجم			
۱۰۰	حضرت سے کربلائے معلّیٰ قریب ہے	۳۶		〃 ہفتم			
	خ						
۱۰۱	خنجر جو بوسہ گاہِ پیمبرؐ پہ چل گیا	۵۰	۲	جلد ہفتم			یہ دفترِ ماتم جلد نہم میں دبیرؔ کے نام چھپا ہے قلمی نسخوں میں انیسؔ تخلص ہے۔
۱۰۲	خورشیدِ حقیقت رُخِ زیبائے علیؑ ہے	۱۲۱	۲	〃 پنجم			نسخہ سید محسن نواب قبلہ مرحوم محمد حسین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے سنہ ۱۲۴۰ فصلی کا مکتوبہ ہے۔

۱۰۳	خورشیدِ فلک عکسِ دُرِ تاجِ علیؑ ہے	۱۴۰	۲	جلد دوم	۱		نسخہ امیر علی ۱۲۹۴ھ کا مکتوبہ ہے۔
۱۰۴	خورشید نے کھولا جو بیاضِ سحری کو	۱۲۵		″ پنجم			مکتوبہ ۱۲۸۵ھ
۱۰۵	خیمہ میں آج غُل ہے وداعِ حسینؑ کا	۳۱		متفرقہ			
	د						
۱۰۶	دربار میں ورود ہے اب اہلبیت کا				جلد چہارم		نامکمل
۱۰۷	درپیش ہوا جبکہ سفر سبطِ نبیؐ کو	۶۵		البتہ ششم			مکتوبہ میر نوروز علی ۱۳۰۶ھ
۱۰۸	دشتِ وغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے	۸۵	۳	پنجم و ششم	جلد اول		
۱۰۹	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	۳۸		ششم			
۱۱۰	دوزخ سے جو آزاد کیا حُرؒ کو خدا نے	۱۶۰	۴	ششم و ہفتم	جلد متفرقہ	نسخہ امیر	نسخہ رشید ۱۴ محرم ۱۲۹۵ھ کا مکتوبہ ہے۔
۱۱۱	دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں	۵۷		ششم			
۱۱۲	دنیا سے علمدارِ دلاور کا سفر ہے	۹۶			جلد ہفتم		
۱۱۳	دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر	۱۸۲	۳	ششم			بخطِ میر علی مانوس نبیرۂ میر انیس مکتوبہ ۱۲۸۴ھ
۱۱۴	دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو	۷۶	۲	نہم		متفرقہ	
	ر						
۱۱۵	رخصت ہوئے حضرت جو محبانِ وطن سے	۱۰۰	۴	ششم	ہشتم		بخطِ سید علی مانوس ۱۲۸۴ھ
۱۱۶	رخصت ہے پدر سے علی اکبرؑ سے جواں کی	۱۰۷		″			ایک نسخہ میں نفیس تخلص ہے۔ لیکن قدیم ترین نسخہ میر انیس کا ہی ہے۔
۱۱۷	رطب اللساں ہوں مدحِ شہِ خاص و عام میں	۱۶۲	۴	″	اوّل		مکتوبہ ۱۲۸۵ھ نسخہ رشید۔ نسخۂ مہاراجکمار بحیات انیس
۱۱۸	رن میں جب زینبؑ بیکس کے پسر قتل ہوتے	۴۳			متفرقہ		مکتوبہ رجب ۱۲۴۷ھ
۱۱۹	رن سے جب کھا کے سناں اکبرؑ ذیشان آتے	۲۸		پنجم			
۱۲۰	رن میں جب دمِ حُرؒ ذیشاں نے شہادت پائی	۶۷			جلد پنجم		مکتوبہ نسخۂ رشید ۲۷ مارچ ۱۸۹۵ء
۱۲۱	روتے ہیں ملائک یہ عزاخانہ ہے کس کا[1]	۱۷۱	۳	نہم	سوم	نسخۂ امیر علی خوشخط	نسخۂ رشید بخط نورالحسن کوکب بستہ پنجم میں مونس تخلص ہے۔

[1] مرثیہ اس مطلع سے چھپا ہے: "عباس علی یوسف کنعان علی ہے"

۱۲۲	رُوحِ سخن ثنائے حسینِؑ شہید ہے	۱۲۶	۲	پنجم و ششم			
	ز						
۱۲۳	زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی	۹۹			متفرق جلد		
۱۲۴	زنداں میں قید جب حرم شاہِ دیں ہوئے	۶۲			"		مونس تخلص درج ہے۔ کاتب مرزا عباس بلقر مانش محمد علی خاں۔
۱۲۵	زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ امم سے	۱۴۰	۳	بستہ ششم و نہم	جلد سوم		مکتوبہ بحیات انیس
	س						
۱۲۶	سبطِ نبیؐ سے منزلِ مقصد قریب ہے	۵۵	۲	بستہ ششم			ناقص از آخر
۱۲۷	سوچیں سب صاحبِ اولاد کہ کیا مشکل ہے[1]	۷۳			قلمی جلد دوم		
	ش						
۱۲۸	شمشادِ بوستانِ ہدایت حسینؑ ہے	۱۶۰	۷	بستہ اول و سوم و ہفتم وغیرہ			مکتوبہ ۱۲۸۴ھ سبھی نسخے حیاتِ انیس میں لکھے گئے ہیں۔
۱۲۹	شیریں سخنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر	۱۰۲	۲	بستہ پنجم			دوسرے نسخے کا مطلع یہ ہے: "غنچہ دہنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر" مکتوبہ بحیات انیس
	ص						
۱۳۰	صحرا ابھی ہے پُر نور خوشا طلعت عباسؑ	۱۲۷					
	ط						
۱۳۱	طے کر چکا جو منزلِ[2] شب آفتاب نے	۱۳۵		بستہ ہشتم			
۱۳۲	طے کر چکے حسینؑ جو راہِ ثواب کو	۱۱۲	۲	ششم			مکتوبہ بہ حیاتِ انیس
	ظ						
۱۳۳	ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی	۶۵				بیاضِ حیدری	تمام شد بخط خام سید کاظم علی ۲۰ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۹ھ
	ع						
۱۳۴	عالم میں مرتضےٰؑ کی ولادت کی دھوم ہے	۱۱۹	۲	بستہ ہشتم	جلد متفرق		مکتوبہ ۹ شوال ۱۳۰۶ھ
۱۳۵	عباس علیؑ زینتِ فوجِ شہ دیں ہے	۴۷		" پنجم			

---

[1] مطبوعہ نول کشور جلد سوم میں بند نمبر ۹ کے تحت اس مرثیے میں چھپا ہے: "مومنو! مرنے کو ہم شکلِ نبیؐ جاتا ہے"

[2] روحِ انیس میں یہ مصرع اس طرح سے ہے۔ "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے"

۱۳۶	عباسِ علیؑ قبلۂ اربابِ وفا ہے	۱۱۲		بستہ ہشتم			
۱۳۷	عباسِ علیؑ گوہرِ دریائے شرف ہے	۱۰۱	۳	〃 سوم ہشتم			
۱۳۸	عباسِ علیؑ شیرِ نیستانِ علیؑ ہے	۱۰۸			جلد پنجم		
۱۳۹	عباسؑ کے جو نہر پہ شانے قلم ہوئے	۳۵	۲	〃 نہم	〃 دوم		
۱۴۰	عرشِ خدا مقامِ جنابِ امیر ہے	۱۱۵	۵	〃 ہشتم	〃 اول	نسخۂ امیر علی	نسخۂ رشید مکتوبہ ۲۷؍ رجب ۱۲۸۰ھ
	غ						
۱۴۱	غش ہوئے پیاس سے جب بانو کے جانی اصغر	۳۵	۲	〃 پنجم و نہم	〃 اول		
۱۴۲	غُلِ آمدِ عباسؑ کا ہے فوجِ ستم میں	۱۰۶	۳	〃 ہفتم	〃 اوّل		نسخۂ رشید مکتوبہ ۲۰؍ رمضان ۱۲۸۱ھ
۱۴۳	فخرِ ملک و اشرفِ آدمؑ ہے محمدؐ	۹۶	۳	پنجم و نہم			مکتوبہ ۱۲۶۴ھ
۱۴۴	فرزندِ پیمبرؐ سے جدا ہوتے ہیں اکبرؑ	۵۸	۳		〃 چہارم		
۱۴۵	فرزندِ پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے	۱۲۹	۴	〃 ہشتم	〃 سوم		نسخۂ رشید مکتوبہ رجب ۱۲۸۵ھ کاتب مرزا علی در بنگلہ مرزا حاجی کانپور
۱۴۶	فرصت ہوئی حرم کو جو دفنِ امام سے	۳۱			جلد متفرقہ		
	ق						
۱۴۷	قتل جب رن میں ہوئے مونس و غمخوارِ حسینؑ	۴۳		بستہ ہشتم			
	ک						
۱۴۸	کعبہ سے کیا جکہ سفر قبلۂ دیں نے	۱۰۴	۲		جلد متفرقہ	نسخۂ امیر علی خوشخط	نوشتہ بحیاتِ انیس
۱۴۹	کربلا میں جب زوالِ خسروِ خاور ہوا	۴۰		〃 نہم			
۱۵۰	کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے	۷۵	۲		جلد اول		مکتوبہ رجب ۱۲۸۰ھ بخط نور الحسن کوکب
۱۵۱	کوفے میں جب حرم حضرتِ شبیرؑ آئے	۵۴		〃 پنجم			
۱۵۲	کھولا علم جو خسروِ زریں کلاہ نے	۱۵۲	۴		جلد چہارم و ہشتم	خوشخط نسخہ	نسخۂ رشید بخطِ نور الحسن کوکب مکتوبہ ۱۲۸۵ھ
۱۵۳	کیا بحر ہے وہ بحر کنارہ نہیں جس کا	۱۱۳			جلد اوّل		
۱۵۴	کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زینبؑ	۹۹	۲		〃		بخطِ نثار علی مکتوبہ ۱۲۷۵ھ

۱۵۵	کیا حضرتِ شبیرؑ پہ الطافِ خدا تھے	۱۲۷		بستہ نہم			
۱۵۶	کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا	۲۱۲	۷	〃 ہفتم		خوشخط	راجہ پیر پور اور دلشاد حسین زیدپوری کے پاس بھی قلمی نسخے ہیں۔
۱۵۷	کیا فوجِ حسینی میں جوانانِ حسیں تھے	۱۱۶	۲	〃 ہشتم			نسخۂ سید محسن نواب قبلہ حیاتِ انیس کا مکتوبہ ہے۔
۱۵۸	کیا عشق تھا شبیرؑ سے محبوبِ خدا کو	۸۶	۳	〃 نہم			مکتوبہ ۱۳۰۱ھ
	گ						
۱۵۹	گیسوئے حورِ خلد تھی ہمسر ہر اک طناب	۱۲۷			جلد دوم		مطلع : "طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح"
	ل						
۱۶۰	لہو سے لال جو رن میں علیؑ کا لال ہوا	۴۳		〃 ہشتم			
	م						
۱۶۱	مسجد میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے [1]	۷۵		〃			
۱۶۲	مشرق سے صبح کی جو سفیدی عیاں ہوئی	۱۰۴		〃			
۱۶۳	مومنو! خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج	۴۰	۲	پنجم و ہشتم			
۱۶۴	مومنو! خاتمۂ فوجِ خدا ہوتا ہے	۳۷			جلد دوم		مکتوبہ ۲۴ محرم ۱۲۹۶ھ
۱۶۵	مومنو! مرنے کو ہمشکلِ نبیؐ جاتا ہے	۸۱	۲	ہشتم	〃 اول		مکتوبہ ۱۲۵۳ھ
۱۶۶	مہرِ سپہرِ عزّ و شرافت ہے فاطمہؑ	۹۵		〃			
۱۶۷	میداں میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے	۱۰۷			〃 دوم		مکتوبہ بحیاتِ انیس
۱۶۸	میداں میں جب جنگ کو آئے علی اکبرؑ [2]	۵۴		〃 نہم			
	ن						
۱۶۹	نکل جو رن میں تیغِ حسینی غلاف سے	۱۴۴	۲	〃 پنجم			
۱۷۰	نمک خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری	۱۰۳	۳		〃 پنجم		مکتوبہ ۹ شوال ۱۲۹۴ھ بخط سید عاشق حسین رضوی

---

[1] جلد ششم قدیم میں یہ مطلع ثانی ہے اس مرثیے کا: "سرسبز ہے ثنائے حسنؑ سے سخن مرا"

[2] جلد ششم جدید میں اس کے ۶۷ بند ہیں۔ اور مطلع یہ ہے: "اے مومنو! اولاد کا مرنا بھی ستم ہے"

	و						
۱۷۱	واحسرتا کہ عہدِ جوانی گزر گیا (مطبوعہ مطلع: جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا)	۱۷۱	۵	بستہ ہفتم			مکتوبہ ۱۳۰۱ھ۔ نسخہ امیر علی مکتوبہ بحیاتِ انیس ہے۔
۱۷۲	وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم	۷۱			جلد دوم		مطبوعہ مطلع: جب رن میں سر بلند علیؑ کا علم ہوا
	ھ						
۱۷۳	ہاں اے نشانِ فوجِ مضا میں علم ہو آج	۱۹۱			؍؍ چہارم		نوشتہ بحیاتِ انیس
۱۷۴	ہاتھ آئی کسے خلق میں یہ عزت و توقیر	۸۶			؍؍ پنجم		بخط وزیر مرزا ۱۲۸۶ھ
۱۷۵	ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علی اکبرؑ	۴۰	۲	بستہ ششم	؍؍ اوّل		مکتوبہ بحیاتِ انیس
۱۷۶	ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر	۱۱۳			؍؍ ششم		
۱۷۷	ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں	۱۲۵	۶	؍؍ ہشتم و نہم	؍؍ پنجم		مکتوبہ بحیاتِ انیس نسخۂ رشید
۱۷۸	ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتنؑ کی مدح	۱۱۰		؍؍ ہشتم	؍؍		نسخۂ رشید مکتوبہ ۲۰ ؍ اکتوبر ۱۸۸۰ء مالک سید عاشق حسین رضوی
۱۷۹	ہے شور آمد آمدِ حُرؑ فوجِ شاہ میں	۱۳۷		؍؍ ہشتم			
	ی						
۱۸۰	یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جُدا نہ ہو	۱۳۳	۲		جلد متفرقہ		
۱۸۱	یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر	۲۳۱	۶	؍؍ ہشتم	؍؍ پنجم		مکتوبہ بحیاتِ انیس نسخۂ رشید
۱۸۲	یارب کسی کا باغِ تمنا خزاں نہ ہو	۱۴۹	۶	؍؍ پنجم	؍؍ اوّل		مکتوبہ ۹ ؍ مئی ۱۸۷۱ء و ۱۱ ؍ نومبر ۱۸۸۲ء
۱۸۳	یارب کوئی جہاں میں اسیرِ بلا نہ ہو	۷۹			؍؍ چہارم		مطلع اوّل: جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
۱۸۴	یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے	۱۱۴			؍؍ پنجم		مطلع اوّل: یُوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا ہے پدر سے
۱۸۵	یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے	۱۷۱	۳		؍؍ متفرقہ		
۱۸۶	یارب مری زبان کو شیریں کلام کر	۲۴۸	۴	بستہ ہشتم	؍؍ چہارم		نسخۂ رشید مکتوبہ ۱۰ ؍ ربیع الاوّل ۱۲۸۳ھ۔ مطبوعہ مطلع: جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا

۱۸۷	یثرب سے اہلبیتِ پیمبرؐ قریب ہیں	۸۶			جلد دوم	
۱۸۸	یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا ہے پدر سے	۱۴۴		بستہ ششم		

جلد ششم قلمی (رشید صاحب) میں پہلا مرثیہ "جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں" ہے۔ یہ مرثیہ ۱۲۷۲ھ کا مکتوبہ ہے اس کے ساتھ اٹھارہ مرثیوں کے مطلعوں میں ذیل کے تین مرثیے بھی درج ہیں، ان مرثیوں کی تلاش جاری ہے سولہ مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔

۱۔ برپا ہوئے ریتی پہ جو خیمے شہِ دیں کے

۲۔ برہم جو کیا شہ کے مرقع کو قضا نے

۳۔ جب دشتِ کربلا کی زمیں آسماں ہوئی

راقم الحروف کو جناب سید محمد رشید صاحب، مہاراجکمار صاحب اور مرزا امیر علی جونپوری صاحب کے یہاں میر انیسؔ کے جو قلمی مرثیے دستیاب ہوئے ان کی تعداد چھ سو سے زاید ہے۔ ان سبھی مرثیوں کا اشاریہ انیس نمبر میں ترتیب دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ جناب سید مسعود حسن رضوی صاحب کے کتاب خانے میں انیسؔ کے ہی تقریباً تین سو قلمی نسخے نظر سے گزرے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر ان کے شاگرد میر سلامت علی رضوی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ بعض مرثیے ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں سید علی حیدر نظم طبا طبائیؒ کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ وہ میر صاحب کے زمانۂ پیری کا نتیجۂ فکر ہیں۔ اسی لیے موصوف نے اس قسم کے مرثیے جلد اول مطبوعہ نظامی بدایونی میں شامل کیے ہیں۔

ذیل میں کتاب خانۂ مسعود صاحب کے انہی قلمی مراثی کی فہرست نقل کی جاتی ہے جن کے ساتھ تاریخِ کتابت بھی درج ہے:

مطلع	کیفیت
اے تیغِ زباں جوہرِ تقدیر دکھا دے	بقلم سید غلام عباس مورخہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ
اے چرخِ ستمگار یہ کیا جور و جفا ہے	بقلم میر سلامت علی شاگرد میر انیسؔ ۱۵ جمادی الاول ۱۲۵۹ھ
اے رخشِ کلکِ رزم کا میداں دکھا مجھے	〃 〃 〃 〃 یکم رمضان ۱۲۹۸ھ
اے مومنو کیا مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے	〃 〃 〃 〃 ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ
جب باغِ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں	〃 〃 〃 〃 ۱۳ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ
جب جنگ کو میداں میں شہِ تشنہ لب آئے	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا	〃 〃 〃 〃 ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ
جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو (۲ نسخے)	〃 〃 〃 〃 ۲۹ شعبان ۱۲۵۸ھ
جب قتل رن میں ہو گیا لشکر حسینؑ کا	〃 〃 〃 〃 ۱۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ
جب طوقِ سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ	〃 〃 〃 〃 ۲۱ شوال ۱۲۵۵ھ

جب ظالموں نے خیمہ کو میداں سے اٹھایا	بقلم میر سلامت علی شاگرد میر انیس ۲۴ رجب ۱۲۸۶ھ
جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے (۲ نسخے)	〃 〃 〃 〃 ۳ رجادی الثانی ۱۲۵۱ھ
جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے	〃 〃 〃 〃 ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۶۹ھ
جب قطع ہوئے نخلِ گلستانِ علیؑ کے	〃 〃 〃 〃 ۲۰ رذی الحجہ روز شنبہ ۱۲۶۹ھ
جس دم جہازِ آلِ پیمبر ہوا تباہ[1]	〃 〃 〃 〃 ۲۶ رمحرم ۱۲۵۷ھ
جس دم شرف اندوزِ شہادت ہوئے عباسؑ	〃 〃 〃 〃 ۸ رذی قعدہ ۱۲۶۰ھ
خورشیدِ حقیقت رُخِ زیبائے علیؑ ہے	〃 〃 〃 〃 ۲۶ رجمادی الثانی ۱۲۵۱ھ
دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو	〃 〃 〃 〃 ۱۴ رشوال ۱۲۵۵ھ
دوزخ سے جب آزاد کیا حرؑ کو خدا نے	〃 〃 〃 〃 ۳۰ رشوال ۱۲۶۷ھ
زینبؑ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے (۲ نسخے)	مکتوبہ ۲۶ رشعبان ۱۲۶۲ھ و ۱۳ رذی قعدہ ۱۲۶۷ھ
عرصۂ جنگ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے	〃 ۲۵ رجمادی الاول ۱۲۹۳ھ
غُل آمدِ عباسؑ کا ہے فوجِ ستم میں	〃 ۱۲۵۹ھ
فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ	〃 ۶ رجمادی الاوّل ۱۲۵۵ھ
فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے	〃 ۲ رشوال ۱۲۶۲ھ
کربلا میں جب زوالِ خسروِ خاور ہوا	〃 ۱۲۵۶ھ
کعبے سے کیا جبکہ سفر قبلۂ دیں نے	بقلم سید نواب امداد حسین ۱۱ رمحرم ۱۲۶۳ھ

میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ اور نایاب مرثیے

غیر مطبوعہ مراثی سے مراد میر انیسؔ کے وہ قلمی مرثیے ہیں جو کسی مطبوعہ جلد میں آج تک راقم کی نظر سے نہیں گزرے ہیں۔ راقم کو یہ مرثیے جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں دریافت ہوئے۔ زیرِ نظر مرثیوں کی ترتیب بندوں کی تعداد کے مطابق رکھی گئی ہے یعنی جس مرثیے میں جتنے بند ہیں اس کو اسی ترتیب سے شامل کیا گیا۔

نایاب مرثیوں سے وہ مرثیے مقصود ہیں جو نول کشور، عبدالحسین، نظامی بدایونی اور پاکستانی مطبوعہ جلدوں میں شامل نہیں ہیں۔ اس قسم کے چند مرثیے مطبع جعفری جلد پنجم سے ماخوذ ہیں۔ جہاں تک تحقیق ہو سکا مطبع جعفری کی یہ جلد عرصہ سے عنقا ہو رہی ہے۔ راقم کو اس کا ایک مکمل نسخہ انیسؔ کے ایک پرستار اور انسان ہمدرد جناب راجہ سید احمد مہدی صاحب پیر پور سے دستیاب ہوا۔

---

[1] مرثیے میں مونسؔ تخلص درج ہے۔ حیدری

انیس نمبر کی جلد اول میں راقم نے وہ مرثیے بھی شامل کیے ہیں جو غلطی سے مونس کی جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔ مونس کی یہ جلدیں اب نایاب ہیں۔ جناب رشید صاحب کے پاس مراثی مونس کی ۶ مطبوعہ جلدیں نولکشور اور عبد الحسین کی مرتب کردہ ہیں۔ مطبوعہ جلدوں کے علاوہ ان کے پاس مونس کے ۶۲ قلمی مرثیے بھی محفوظ ہیں۔ راقم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔ ان میں وہ مراثی درج نہیں ہیں جن کو راقم نے میر انیس کی تصانیف سے قرار دیا ہے۔ نمبر کے آخر میں میر انیس کے ۳ سلام، ۱ مخمس، ۵۶ رباعیاں درج کی جاتی ہیں۔ یہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔

مرثیہ[1] : یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر ۲۲۱ بند

یہ مرثیہ سب سے پہلے اودھ اخبار موسوم بہ مطبع نول کشور جلد اوّل میں نومبر ۱۸۷۶ء مطابق ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ ۱۸۲ بند میں چھپا تھا۔ پھر اسی مطبع میں مارچ ۱۹۷۶ء تک بار نہم چھپتا رہا۔ نظامی پریس بدایوں (جلد دوم)، نائب حسین نقوی (جلد اول مطبوعہ لاہور) اور بیگم صالحہ عابد حسین (انیس کے مرثیے) نے بھی مطبع نول کشور کی بنیاد پر اسے اتنے ہی بندوں میں شائع کیا۔ لاہور میں سید مرتضیٰ حسین فاضل نے میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر ۱۹۷۴ء میں یہ مرثیہ ۱۸۰ بند میں "منتخب مراثی انیس" میں شامل کر کے شائع کیا۔ کراچی میں خانوادۂ انیس کے ایک صاحبِ کمال بزرگ جناب سید یوسف حسین شائق مرحوم کے پاس مرثیہ مخطوطے کی صورت میں محفوظ تھا اور اس میں ایسے بھی بند مندرج ہیں جو اب تک نہیں چھپے ہیں۔ موصوف نے پہلی مرتبہ پانچ غیر مطبوعہ بند "ماہِ نو" کراچی انیس نمبر مطبوعہ ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۱۵ میں اپنے مضمون "کلامِ انیس کی اشاعتوں میں غلطیاں" کے ذیل میں شائع کیے۔ یہیں سے مرتضیٰ حسین فاضل نے یہ بند نقل کر کے اپنے مرتب کردہ "منتخب مراثی انیس" میں شامل کیے ہیں۔

مرثیہ سید عبد الحسین صاحب نے جلد ششم قدیم مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مرثیہ نمبر ۲۰ کے تحت ذیل کے مطلعے کے تحت شائع کیا تھا:

اے طبعِ رسا، خلد کا گلزار دکھا دے

مرثیے کے حاشیے میں مرتب کی یہ عبارت بھی درج ہے:

"واضح ہو کہ یہ مرثیہ اودھ اخبار میں ۱۸۲ بند کا ناقص اور غلط چھپا تھا۔ اب یہ مرثیہ کامل و صحیح ۲۲۱ بند کا چھاپا گیا۔"

عبد الحسین صاحب کا یہ مرثیہ بلند بانگ دعوٰی کے باوجود غلط اور بے ترتیب چھپا ہے۔ اس کے ابتدائی ۱۸ بندوں میں ۱۵ بند ایک دوسرے مرثیے کے شامل کیے گئے ہیں جس کا مطلع یہ ہے:

اے شمعِ قلم روشنیِ طور دکھا دے

---

[1] اس مرثیے کا ایک قدیم ترین نسخہ خاندانِ انیس کے بزرگ سید محمد ہادی صاحب لائق مرحوم (متوفی ۸ مئی ۱۹۷۶ء) کے پاس بھی موجود تھا جسے وہ میر انیس کے ہاتھ کا لکھا ہوا کہتے تھے۔ بقول دانش صاحب اب وہ مرثیہ فروخت ہو کر مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہو گیا ہے اور اس کے تمام عکس سید نائب حسین صاحب نقوی امروہوی کے پاس موجود ہیں۔

مراثیِ انیسؔ میں گڑبڑ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تمام مرتبین نے زیرِ بحث مرثیہ (یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر) کے بند ۷۵، ۸۰، ۸۱، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۱ دوسرے مرثیے (اے شمعِ قلم روشنیِ طور دکھا دے) میں بند ۱۵، ۲۳، ۲۴، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶ کے تحت دوبارہ شائع کیے ہیں۔ ان سبھی لوگوں نے غلطی سے دونوں مرثیوں میں ایک ہی مقطع بھی ڈالا ہے۔ غالباً عبدالحسین کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ مرثیہ انھوں نے غلط ترتیب دے کر شائع کیا ہے اسی لیے انھوں نے اسے جلد ششم قدیم کے دوسرے ایڈیشن "جلد ششم جدید" مطبع شاہی لکھنؤ (جون ۱۹۱۴ء) میں شامل نہیں کیا۔

مراثیِ انیسؔ جلد پنجم مطبع جعفری لکھنؤ (سالِ اشاعت ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء) صفحہ ۲۱۰ میں (یارب چمنِ نظم کو .....) ذیل کے مطلعے سے بغیر مقطعے کے، ۹۰ بند میں ناقص اور غیر مربوط چھپا تھا:

اے خضر! بیابانِ سخن راہ بری کر

غرضیکہ ابتدا سے آج تک سبھی مرتبین نے زیرِ نظر مرثیہ غلط اور ناقص چھاپا ہے۔ مطبع نول کشور اور نظامی بدایونی کے پرانے ایڈیشن اب نایاب ہو گئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں مہذبؔ صاحب اور نقوی صاحب کی مرتب کردہ جلدیں دستیاب ہیں۔ چونکہ ان دونوں کی جلدوں میں ہزاروں غلطیاں موجود ہیں اس لیے راقم پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ سرِ دست میر انیسؔ کے اس مرثیے کو صحیح طور عوام کے سامنے پیش کرے تاکہ نئی نسل کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میر صاحب نے مرثیہ ایسا ہی غلط کہا تھا۔ انھی وجوہات کی بنا پر مہذب صاحب اور نقوی صاحب کی بعض غلطیوں کی نشان دہی مستند قلمی نسخوں کی مدد سے کی جاتی ہے:

حوالہ	مصرع	تبصرہ (صحتِ الفاظ)
بند ۱۶ چوتھا مصرع (نقوی)	دیکھے اِسے ہاں ہے کوئی خواہانِ جواہر	"انھیں" صحیح اور "اسے" غلط ہے۔
" ۱۸ " " (مہذب نقوی)	شرمندہ زمانے سے گئے وائلِ سحباں	"وعبل و سحباں" ہونا چاہیے۔
" ۲۰ تیسرا " (مہذب)	نہ دھن میں ہے جودت نہ طبیعت میں روانی	"دھن" غلط اور "ذہن" صحیح ہے۔
" ۲۳ پہلا " (")	ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقدیر	"تقدیر" کے بجائے "تقریر" ہونا چاہیے۔
" ۲۳ تیسرا " (")	منظور ہے اک بات میں دو فصل کی تحریر	"بات" غلط "باب" درست ہے۔
" ۲۴ پانچواں " (مہذب نقوی)	یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو	یہاں "ہر فصل" ہونا چاہیے۔
" ۲۵ پانچواں " (مہذب)	پستی پہ ہیں سب رکنِ رکینِ دینِ متیں کے	"پستی" غلط "پشتی" درست ہے۔
" ۲۶ تیسرا " (")	چہرے کی سجائی سے قبا چست ہے تن کی[۱]	"سجائی" غلط اور "بحالی" درست ہے۔
" ۲۷ تیسرا " (نقوی)	اے ظلمتِ غم دیدہ تو عالم سے نہاں ہو	مصرع میں "تو" زاید ہے۔

---

[۱] نقوی صاحب نے مصرع یوں غلط لکھا ہے: "چولی کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی"

بند ۲۹ پہلا مصرع (مہذب)	اے کعبۂ ایماں، تری راحت کے دن آئے	"راحت" غلط "حرمت" صحیح ہے۔
بند ۴۱ تیسرا " (نقوی)	ناگاہ در حجرہ ہوا مطلع الانوار	یہاں "مطلعِ انوار" ہونا چاہیے۔
بند ۵۱ دوسرا " (نقوی مہذب)	سرسبزیِ دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے	"دنیا" غلط "ایماں" صحیح ہے۔
بند ۵۴ پہلا " (مہذب)	ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ امت	"ح سے ہے اشارہ" ہونا چاہیے۔
" ۵۴ دوسرا " (نقوی)	سمجھیں گے اسی سین کو سین سعادت[لہ]	"کو" اور "سین" کے درمیان "سب" ہونا چاہیے۔
" ۶۶ دوسرا " (مہذب)	شعلوں کی طرح آگ نکلتی ہے جگر سے	"آگ" غلط "آہ" صحیح ہے۔
" ۹۰ پانچواں " (مہذب نقوی)	ہر خورد و کلاں عاشق شاہِ مدنی ہیں	"ہر" کے بجائے "سب" ہونا چاہیے۔
" ۹۳ تیسرا " (مہذب)	شاہد الم فاقہ سے ہے زردیِ رخسار	"سے ہے" کے بجائے "پہ تھی" صحیح ہے۔
" ۹۴ تیسرا " (")	دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں اس میں	چاروں مصرعوں میں "جس میں" ہونا چاہیے۔
" ۱۰۱ پانچواں " (مہذب نقوی)	کوثر پہ ہے نم بن نہیں آرام چچا کو	یہاں "ہے" کے بجائے "بھی" صحیح ہے۔
" ۱۰۰ چھٹا " (نقوی)	افسوس کہ ایک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا	"ایک" سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے "اک" ہونا چاہیے۔
" ۱۱۳ تیسرا " (مہذب)	شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو	"شب بھر" کے بدلے "ہر شب" صحیح ہے۔
" ۱۱۵ دوسرا " (مہذب نقوی)	اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو	"اس" کے بجائے "پھر" درست ہے۔
" ۱۱۸ پانچواں " (")	ٹھہرا نہ گیا واں شہ والا نکل آئے	"واں" کے بجائے "پھر" درست ہے۔
" ۱۲۳ دوسرا " (")	اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور پہ کچھ خاک	صحیح مصرع "اور ڈال دی پیراہن پُر نور میں کچھ خاک"۔
" ۱۲۶ تیسرا " (")	زیور نے عجب حسنِ خداداد دکھایا	"داد" غلط "ساز" صحیح ہے۔ "ساز" سے ہی قافیہ بنتا ہے۔
" ۱۵۲ تیسرا " (نقوی)	قلیم ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا	"قلیم" غلط "تعلیم" درست ہے۔
" ۱۵۵ پانچواں " (")	..... نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں	ایک لفظ رہ گیا ہے اور وہ "رونا" ہے۔
" ۱۶۸ چوتھا " (")	خنجر کی زباں تیغِ زبانی کو نہ پہنچے	"تیغ" غلط اور "تیز" صحیح ہے۔
" ۱۸۴ بیت (نقوی مہذب)	دنیا جو بچی روح محمدؐ کا سبب تھا شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا	یہ بیت دوسرے بند کی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ راقم کے مرتب کردہ مرثیے میں بند نمبر ۱۸۴

[لہ] بند ۵۴، پہلا مصرع: "دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا"۔ صحیح مصرع یہ ہے: "دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا"

			ملاحظہ ہو۔ مطبوعہ بند نمبر ۱۹۴ کی بیت یہ ہے: اک زلزلہ تھا نہ فلک و ہفت طبق کو ہر بار اُلٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو
بند ۱۰۷ پہلا مصرع	(مہذب)	بھولے نہیں اکبرؑ کی ہیں ہم تشنہ دہانی	صحیح مصرع: بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی
" ۱۰۸ پانچواں "	(")	اس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملادو	"اُس" غلط اور "ان" ہونا چاہیے۔
" ۲۱۸	(نقوی)	قربان بہن، اے مرے سید، مرے سرور	چار مصرعوں میں "میرے سید" ردیف اور "سرور" "خنجر" "بے پر" اور "سر" قافیے ہیں۔ مصرعے کی ترتیب یہ ہے: قربان بہن، اے مرے سرور، مرے سید
" ۷۹ دوسرا "	(مہذب)	مذبوحِ قضا، کشتۂ خنجر، مرے سید	"قضا" غلط اور "قفا" درست ہے۔
رباعی چوتھا مصرع	(")	یہ قبر کی منزل بھی بہت بھاری ہے	قلمی نسخوں میں "بہت" کے بجائے "غضب" ہے۔ رباعی مرثیے کے آخر میں درج ہے۔

راقم الحروف نے یہ مرثیہ کل تیرہ۱۳ نسخوں سے ترتیب دیا ہے۔ تفصیلات یہ ہیں:

مطبوعہ نسخے

۱۔ مراثی انیس جلد اوّل ، مطبوعہ نول کشور	۱۸۲	بند
۲۔ مراثی انیس جلد دوم ، نظامی بدایونی	۱۸۲	"
۳۔ مراثی انیس جلد اول (نقوی) مطبوعہ لاہور	۱۸۲	"
۴۔ منتخب مراثی انیس مرتبہ مرتضےٰ حسین فاضل لاہور	۱۸۷	"
۵۔ انیس کے مرثیے صالحہ عابد حسین	۱۸۲	"
۶۔ مراثی انیس جلد ششم قدیم مطبع دبدبۂ احمدی	۲۲۲	"
۷۔ مراثی انیس جلد پنجم مطبع جعفری	۹۷	"

قلمی نسخے

۱۔ نسخۂ اول ۔ کتاب خانہ مہاراجکمار صاحب ، بستۂ پنجم	۶۶	بند
۲۔ نسخۂ دوم ۔ " " " ، بستۂ ہشتم	۹۳	"
۳۔ نسخۂ سوم ۔ " " " " "	۱۸۲	"
۴۔ نسخۂ چہارم ۔ کتاب خانہ رشید صاحب قلمی جلد اول	۷۴	"

۵۔ نسخہ پنجم۔ کتاب خانہ رشید صاحب قلمی جلد سوم ۱۱۰ بند
۶۔ نسخۂ ششم۔ کتاب خانہ رشید صاحب قلمی جلد پنجم ۲۲۱ "
ان سبھی قلمی نسخوں میں باعتبار شکستگی کاغذ نسخۂ ششم زیادہ پرانا اور مستند معلوم ہوتا ہے اس لیے ترتیب مرثیہ کے سلسلے میں یہی بنیادی نسخہ قرار دیا گیا۔

یہ میر انیس کے شہکار مرثیوں میں شمار ہونے کے قابل ہے اور اس زمانے کی یاد دلاتا ہے جب انیسیوں اور دبیریوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہوتے تھے۔ انیس اس زمانے میں کبیدہ خاطر رہتے تھے اور انھیں یہ شکایت تھی کہ ان کے مقابلے میں لوگ دبیر کی زیادہ قدر کرتے ہیں اور ان پر تابڑ توڑ اعتراضات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

ایک اور جگہ اہلِ زمانہ کی ناقدری کا شکوہ یوں کرتے ہیں:

عالم ہے مکدّر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

مرثیے میں مناجات، امام حسین کی پیدائش، دنیا کی بے ثباتی، چہرہ، رخصت، آمد، سراپا، رجز، جنگ، تلوار، گھوڑے، شہادت اور بین کے مضامین نہایت حسنِ ادا کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور تکنیک کے لحاظ سے یہ مکمل مرثیہ ہے۔ جناب مرتضیٰ حسین فاضل اسے بہترین مرثیہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

"خود اعتمادی، فنی برتری کا احساس اور اپنے کمالِ فن پر ناز اس مرثیے کا مابہ الامتیاز ہے بظاہر لکھنؤ کی فضا مخالفت انیس سے گونج رہی تھی۔ حریفوں کی یلغار سے میر صاحب ذہنی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ انھیں اپنی شاعری میں کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ اثر آفرینی اور لطافت شعری میں پورا کلام جواہرات کی دکان ہے:

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر ہنگام سخن کھلتی ہے دکّان جواہر
ہیں بند مرصع، تو ورق خوانِ جواہر دیکھے انھیں، ہاں، کوئی ہے خواہانِ جواہر

طبیعت کی روانی، تخیل کی ندرت آفرینی، فن پر قدرت اور قلم پر اختیار ہے۔ ہیئت شعری کے علاوہ شعروں میں جان اور مرثیے میں روح کی حرارت بھی موجود ہے۔ لفظ و ترکیب، مصرعوں کی چستی اور بیتوں کی درستی مہارت سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس جسم میں حرکت اور اس رعنائی میں توانائی شاعر کے عقیدے سے پیدا ہوتی ہے عروضی تانے بانے پر جب شاعر کا ضمیر، شاعر کا یقین، شاعر کا عقیدہ، شاعر کا احساس توانا پوری ہیئت کر لباس اور خود کو اس کا ملبوس بنالے۔

نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علیؑ کی" [1]

شاد عظیم آبادی اس مرثیے کے بارے میں ایک معرکے کا ذکر یوں کرتے ہیں :

"دوسرا معرکہ حسین آباد میں میر کلّو نامی تاجر کے یہاں ہوا۔ یہ بزرگ سال بھر میں ایک مجلس ایسی کرتے تھے کہ شاید لکھنؤ میں ایسا کوئی نہ تھا جو اس مجلس میں شریک نہ ہوتا ہو۔ اور ہمیشہ سے مرزا دبیرؔ وہاں پڑھا کرتے تھے۔ عجیب اتفاق پیش آیا کہ عین اسی وقت میں جب کہ مجلس بھر چکی تھی اور مرزا صاحب کا انتظار تھا۔ مرزا صاحب کو خدا جانے کیا صدمہ پہنچا کہ نہ آئے۔ خود میر کلّو دوڑے گئے وہیں سے میر انیسؔ کے گھر شیدیوں کے احاطے پہنچے۔ دوپہر قریب تھی میر انیسؔ گھر میں کھانا کھا کے لیٹے ہوئے مرثیہ دیکھ رہے تھے کہ میر کلّو نے بہ ایں آواز پکارا "اے حلالِ مشکلات کے پوتے' ذرا ادھر آئیے۔" میر انیسؔ باہر آئے۔ میر کلّو کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ انھوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا بس مجلس تیار ہے اور کچھ نہ پوچھیے، تشریف لے چلیے۔ میر انیسؔ سمجھ گئے۔ میر کلّو کہیں سے پالکی کہار لے آئے۔ میر انیسؔ نے بہت عذر کیا کہ میں پا پیادہ چلوں گا۔ نہ مانا۔ غرض بہ عوض مرزا صاحب میر انیسؔ کو لوگ دیکھ کر متحیر ہوئے۔ اتنے میں میر کلّو پہنچے ۔ ہاتھ باندھ کر پڑھنے کی استدعا کی۔ میر انیسؔ منبر پر گئے اور یہ مرثیہ پڑھا :

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

تین گھنٹے پڑھے اور ایسا پڑھے جیسا چاہیے۔ میر کلّو تن و دل سے ہوا خواہ بن گئے۔" [2]

مرثیے میں ذیل کے مطلعے ہیں :

مطلع اول : یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
مطلع دوم : ہاں، اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو
مطلع سوم : یارب ! مری فریاد میں تاثیر عطا کر
مطلع چہارم : اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
مطلع پنجم : دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
مطلع ششم : لو مومنو! سُن لو شہِ ذی جاہ کی تقریر

نسخۂ ششم (قلمی مملوکہ رشید صاحب) میں ۲۲۱ بند ہیں جبکہ مطبوعہ جلدوں میں ۱۸۲ بند ہیں۔ اس طرح قلمی نسخے میں ۳۹ بند زیادہ ہیں اور وہ یہ ہیں :

بند ۸، ۴۳، ۵۸، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۷۸، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲،

---

[1] منتخب مراثی انیس ص ۱۹ [2] فکرِ بلیغ ص ۲۷۱

۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۴ - جہاں تک ہو سکا، مرثیہ قلمی نسخوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔

مرثیہ ۲ کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا ۲۱۲ بند

مرثیہ تین مطبوعہ اور پانچ قلمی نسخوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

مطبوعہ نسخے

۱۔ مراثی انیس	مطبع جعفری جلد پنجم	۱۷۴ بند
۲۔ 〃	نظامی بدایونی جلد دوم	۱۶۸ 〃
۳۔ نظامی جنتری	(نسخۂ دلشاد)	۱۸۴ 〃

قلمی نسخے

نسخۂ اول :	مہاراجکمار	(دبستۂ ہفتم)	۱۷۴ 〃
نسخۂ دوم :	〃	(〃)	۱۹۲ 〃
نسخۂ سوم :	〃	(〃)	بغیر مقطع
نسخۂ چہارم :	رشید صاحب		۱۵۷ بند
نسخۂ پنجم :	امیر علی جونپوری		۱۵۷ 〃

مرثیہ نول کشور کی جلدوں میں نہیں چھپا ہے۔ پہلی مرتبہ مطبع جعفری میں غلط اور بے ترتیب ۱۷۴ بند میں ۱۸۹۵ء میں چھپا۔ اس نسخے میں بند نمبر ۱ سے بند نمبر ۹۴ تک ترتیب درست ہے۔ بند نمبر ۱۵۰ سے بند نمبر ۱۷۳ تک یعنی ۲۴ بند دوسرے مرثیے کے شامل کیے گئے ہیں۔ قلمی نسخوں اور نظامی بدایونی کے ۱۷ بند (نمبر ۱۴۰ تا ۱۵۶) مطبع جعفری کے مرثیے میں نہیں ہیں۔ اس لیے یہ مرثیہ اس جلد میں ناقص اور غلط چھپا ہے۔ نظامی پریس لکھنؤ نے سید دلشاد حسین زید پوری کا یہی مرثیہ نظامی جنتری بابت ۱۹۷۶ء میں نایاب مرثیے کے طور پر شائع کیا تھا۔ اس نسخے میں بھی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ موصوف اگر اسے نظامی بدایونی کے مطبوعہ مرثیے سے مقابلہ کر کے شائع کرتے تو آتنی غلطیاں شاید وجود میں نہ آجاتیں۔

نسخۂ رشید (قلمی)، اور نسخہ امیر علی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں نسخے مستند ہیں۔ راقم الحروف نے نسخۂ دوم (راجکمار) کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ مرثیے کا ایک قلمی نسخہ سید علی احمد دانش کی مِلک میں بھی ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ یہ وہی نسخہ ہے جو میر انیس نے انتقال سے چند ماہ قبل جمادی الثانی ۱۲۹۱ھ میں کہا تھا۔ یہ مرثیہ بقول دانش صاحب میر انیس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسے انھوں نے پھر صاف نہیں کیا تھا۔ اس میں بہت سی جگہوں میں کاٹ چھانٹ ہیں اور کچھ بیتیں قلمزد بھی کی گئی ہیں۔ راقم نے اس کے آخری چند بند دیکھے ہیں جن میں مقطع بھی ہے۔ بہرحال جناب دانش صاحب نے اس مرثیے کا عکس شائع کرنے کی اجازت جناب مرزا

امیر علی صاحب جونپوری کو مرحمت فرمائی جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

مرثیہ امام حسینؑ کے حال میں نظم ہوا ہے۔ چہرے میں علی اکبرؑ کی شہادت بیان کی گئی ہے۔ یہ مرثیہ بھی میر انیسؔ کے عظیم شاہکاروں میں امتیازی خوبیوں کا حامل ہے۔ سیرت نگاری، جذبات نگاری اور مکالمہ نویسی مرثیے کی اعلیٰ خصوصیتیں ہیں۔ انیسؔ نے اس میں امام حسینؑ اور لشکرِ اعدا کے ایک سپاہی کی معرکہ آرائی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے طرزِ ادا کی اس خصوصیت کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ دشمن کے کردار کے لیے ایسے الفاظ کا مظاہرہ کیا ہے جن سے قارئین کو اس کے خلاف سخت نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ چند بند ملاحظہ ہوں:

سر طبلکِ معکوس، جبیں حد سے فزوں تنگ ‏ ‏ غدار و سلحشور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر، پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ ‏ ‏ حیراں شبِ ظلمات ہو، یہ تیرگیِ رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا منھ اس دشمنِ رب کا
بن جائے توا، عکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منھ قبر سے کالا ‏ ‏ شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کے قامت سے بلندی میں دوبالا ‏ ‏ دانتوں کی کبودی، دہن مار کا چھالا
شیر اس کی صدا سُن کے لرز جاتے تھے بن میں
فاسد تھی ہوا رن کی، یہ بدبو تھی بدن میں

ترکش کا دہن مرگِ مفاجات کا مسکن ‏ ‏ وہ سخت کماں، نرم جہاں حلقۂ آہن
چار آئینے کو تیر بنا دیتی تھی جوشن ‏ ‏ چلّہ وہ جسے دیکھ کے تھرائے تہمتن
کچھ دیو سے بھی زور زیادہ تھا شقی کا
دو ٹانک کا حلقہ تو کیا وہ تھا شقی کا

مرثیے میں ذیل کے ۲۰ بند غیر مطبوعہ ہیں اور اب پہلی مرتبہ شامل کر کے شائع کیے جاتے ہیں۔ بند نمبر ۸، ۱۲، ۱۶، ۲۵، ۵۶، ۵۷، ۸۵، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴۔

مرثیہ۳ یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے۔

مرثیہ کے کئی قلمی نسخے مل سکے ہیں۔ ایک نسخہ میں ۱۶۸ بند ہیں اور یہ ناقص از آخر ہے۔ نورالحسن کوکبؔ نے اسے میر عسکری رئیسؔ (فرزند میر انیسؔ) کی طرف منسوب کیا۔ رئیسؔ کی مرثیہ گوئی ثابت نہیں ہوتی ہے۔ مرثیہ کے دیگر نسخوں میں انیسؔ تخلص ہے۔ اور یہ انھی کا ہے۔ نائب حسین نقوی صاحب نے اسے غالب نامہ مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی میں ۱۹۷۶ء میں ۷۱ بند میں بے ترتیب شائع کیا۔ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور اسے اب کئی نسخوں سے ترتیب دے کر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل راقم نے اسے کراچی میں بھی شائع کرایا ہے۔ مرثیہ جناب قاسم کے حال میں ہے۔ مرثیہ میں ذیل کے مطلعے ہیں:

مطلع اول : یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے

مطلع دوم : جب رن میں زرفشاں ورقِ آسماں ہوا

مطلع سوم : جب سب رفیقِ حق تک کر چکے ادا

مطلع چہارم : پایا سجا جو اشہب گردوں مقام کو

مرثیہ لاجواب ہے اور اس میں ۱۷۱ بند ہیں۔ یہ انیس کی زندگی میں لکھا گیا ہے اس کا شمار میر انیس کے بہترین مرثیوں میں ہوگا۔

مرثیہ جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا ۱۵۶ بند

یہ مرثیہ سب سے پہلے اودھ اخبار (مطبع نول کشور) میں ۱۸۷۶ء میں ۱۰۳ بندوں میں جلد اوّل میں چھپا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۰۶ء تک بار نہم اتنے ہی بندوں میں اسی مطبع میں چھپتا رہا۔ بعد ازاں نظامی بدایونی کی جلد دوم اور نائب حسین نقوی کی مرتب کردہ مطبوعہ لاہور کی جلد اول میں بھی ۱۰۳ بندوں میں جُوں کا تُوں شائع ہوا۔

راقم الحروف کو اس مرثیے کے چار قلمی نسخے دستیاب ہوئے۔ ۳ نسخے مہاراجکمار صاحب کے بستۂ ہشتم سے اور ایک جناب رشید صاحب کی قلمی متفرقات جلد میں۔ چاروں نسخوں میں بندوں کی تعداد ۱۵۶ ہے۔ اس طرح اس مرثیے میں مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں ۵۳ بند زیادہ ہیں جو پہلی مرتبہ شائع کیے جاتے ہیں۔ نسخۂ رشید کسی حسین علی صاحب نے شملہ میں ۴ر جولائی ۱۸۵۲ء کو نقل کیا تھا۔ کاتب پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا ہے اس نے پورا مرثیہ بڑی احتیاط اور صحت کے ساتھ لکھا ہے۔ راقم نے اسی نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔ غیر مطبوعہ بندوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

بند نمبر ۷، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۶، ۵۴، ۵۷، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۲۔

مرثیہ جناب عباسؑ کے حال میں ہے۔ ذیل میں تلوار کی تعریف میں تین بند جو غیر مطبوعہ ہیں پیش کیے جاتے ہیں:

حلقے میں کمانداروں کے آیا جو وہ صفدر — چلّے بھی کٹے، تیر بھی، ٹکڑے ہوئے یکسر
سہمے ہوئے تھے تیغ کی دہشت سے ستمگر — غل تھا کہ زہے رعب، جگر گوشۂ حیدرؑ
رُخ پھر گئے تھے صاعقۂ شعلہ فشاں سے
تیروں سے کماں بھاگتی تھی تیر کماں سے (بند نمبر ۹۲)

بجلی کی چمک سے بھی زیادہ چمک اس کی — شعلہ بھی گریزاں ہو جو دیکھے لپک اس کی
اک دھوم سماوات سے تھی تا سمک اس کی — رہ رہ کے ثنا کرتے تھے جن و ملک اس کی
لرزاں تھا تہِ تیغ، قدم گاؤ زمیں کے
پَر کانپتے تھے حضرت جبریل امینؑ کے (بند نمبر ۱۰۴)

ساحل پہ ادھر شمر و عُمر کانپ رہے تھے　　پانی کے جو ساکن تھے اُدھر کانپ رہے تھے
سب مچھلیوں کے ڈر سے جگر کانپ رہے تھے　　تھے گھر میں نہنگ اپنے مگر کانپ رہے تھے
چکر میں تھا گرداب بھی جرّار کے ڈر سے
موجیں بھی نہ بڑھ سکتی تھیں تلوار کے ڈر سے

مرثیہ ۵　　خورشید فلک عکس دُرِ تاجِ علی ہے

مرثیہ کے دو نسخے دستیاب ہوئے۔ ایک قلمی اور دوسرا مطبوعہ۔ قلمی نسخہ سردار مرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمہ کی عبارت آخر میں یہ ہے:

"تمام شد بستم ماہ شعبان روز پنجشنبہ ۱۲۹۴ھ بخط خام سردار مرزا"

پہلے ورق پر ذیل کی عبارت درج ہے:

"یا خیر الحافظین　　شمار مرثیہ نمبر ۵

یا فتاح

خورشید فلک عکس در تاج علی ہے

در احوال کرامت و سخاوت و شجاعت و عبادت و شہادت حضرت

سردار مرزا　بند نمبر ۱۴۰"

دوسرا نسخہ مطبع جعفری جلد پنجم کا ہے۔ راقم نے مرثیہ دونوں نسخوں سے ترتیب دے کر شاملِ رسالہ کیا ہے۔ مرثیہ نایاب ہے۔ ایک نسخہ مسعود حسن رضوی کے پاس بھی انیس کا ہی تھا۔ یہ غلطی سے "ریحان غم" میں انس کے نام سے چھپا ہے۔

مرثیہ ۶　　اے حُسنِ بیاں آئینۂ حسن دکھا دے

یہ مرثیہ قلمی جلد دوم میں زیر نمبر ۱۴ شامل ہے۔ اس میں ۱۳۰ بند ہیں۔ جہاں تک معلوم ہو سکا غیر مطبوعہ ہے۔ یہ جناب قاسمؑ کے حال کا ہے۔ اس میں ذیل کے مطلعے ہیں:

مطلع اوّل : اے حُسنِ بیاں آئینۂ حسن دکھا دے
مطلع دوم : وہ کون سمن بر کہ مہمانِ جناں ہے
مطلع سوم : جب صبحِ شبِ قتل ہوئی رن میں نمودار
مطلع چہارم : پائی جو رضا سرورِ ریاضِ حسنؑ نے
مطلع پنجم : میدان میں جس دم گلِ باغِ حسنؑ آیا

رشید صاحب کو یہ مرثیہ نور الحسن کوکب کے بستے سے ملا۔ ابتدا میں سادہ ورق پر میر حسین علی صاحب فیض آبادی کا نام درج ہے۔ اس کے بعد ذیل کی عبارت ہے:

"مطلع شہادت جناب قاسم ۔ بند نمبر ۱۳۸ ۔ تصنیف میر انیس صاحب سلّمہ ۔ تمام"
اے حسن بیاں آئینۂ حسن دکھا دے مرثیہ میر انیس کی زندگی میں نقل ہوا ہے۔

مرثیہ دنیا سے علمدار دلاور کا سفر ہے

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور یہ قلمی جلد ہفتم میں نمبر ۲ کے تحت، ۱۳۷ بندوں میں بغیر مقطع درج ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر بند نور الحسن کوکب نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔ اور یہ انیس کی زندگی میں نقل ہوا ہے۔ ابتدا کے سادہ ورق پر ذیل کی عبارت ملتی ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جناب علی اکبر علیہ السلام مطلع بند ناتمام میر انیس صاحب"

مرثیہ پر اخبار 'کارنامہ' نمبر ۲۵ جلد ۱۳ جون ۱۸۸۲ء کا کور لگا ہوا ہے۔ مطلع اول کے بعد دوسرا مطلع یہ ہے: ؎

رخصت ہے پدر سے پسر ماہ لقا کی

مرثیہ ۸ خورشید نے کھولا جو بیاضِ سحری کو

مرثیہ قلمی جلد پنجم میں زیر نمبر ۱۲ غیر مطبوعہ درج ہے۔ اس میں ۱۲۵ بند ہیں۔ بند ۳، ۷ اور ۴، ۸ کرم خوردہ ہیں۔ ابتدائی حصہ بڑا دردناک بین پیش کرتا ہے۔ شاعر نے پورے ماحول کو رنج و غم سے متاثر کیا ہے۔ چند بند پیش کیے جاتے ہیں:

وہ صبح غم انگیز جو تھی چاک گریباں مغموم تھی سب انجمن عالمِ امکاں
گردوں پہ بھی ماتم کا نظر آتا تھا ساماں تھرّاتا تھا سر کھولے ہوئے نیّرِ تاباں
بے چین تھے دل فاطمہ زہراؑ کی بکا سے
ہے ہے کی صدا آتی تھی جنگل کی ہوا سے

ہر مرغِ چمن باغ میں سرگرمِ فغاں تھا سرو لبِ جو لشکرِ ماتم کا نشاں تھا
پژمردہ و افسردہ تھا جو پھول جہاں تھا ہر برگ برنگِ دلِ مسموم تپاں تھا
سر کھولا تھا خاتونِ جہاں نے جو سحر سے
آہوں کا دھواں اٹھتا تھا سنبل کے جگر سے

پھولوں نے گریبانوں کو پھاڑا تھا جو غم سے سب ڈالیاں جھک جھک گئی تھیں بارِ الم سے
گلشن میں اداسی تھی جو اعدا کے ستم سے نرگس تھی بحسرت نگراں دیدۂ نم سے
ہر مرتبہ سرگرمِ فغاں ہوتی تھی بلبل
غنچوں کے جگر پھٹتے تھے یوں روتی تھی بلبل

نہریں ہمہ تن اشک تھیں گلشن ہمہ تن درد پھولوں کے سروں پر جو اڑاتی تھی صبا گرد
رہ رہ کے ہوا صبح کی بھرتی تھی دمِ سرد خوبانِ چمن تھے صفتِ کاہ رُبا زرد
لالے میں تراوت نہ تبسم گلِ تر میں
کانٹا غمِ سرور کا کھٹکتا تھا جگر میں

مرثیہ میر انیسؔ کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ آخر میں ذیل کا ترقیمہ ہے :

"تمت تمام شد بہ خط سخاوت حسین ولد سید امیر علی . . . . . بپاس خاطر برادر گرامی قدر سید مرتضیٰ ولد سید کرامت علی صاحب ساکنہ سرسہ بتاریخ ۱۷ شعبان ۱۲۸۵ھ ہجری"

مرثیہ ۹   رخصت ہے پدر سے علی اکبرؑ سے جواں کی

ایک قلمی نسخے میں نفیسؔ تخلص ملتا ہے۔ لیکن مرثیہ در اصل میر انیسؔ ہی کا ہے۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتاب خانے میں جو مرثیے خاندانِ انیسؔ سے منتقل ہوئے ہیں ان میں یہ ۱۲۶۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ مرثیہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ مطلع ثانی یہ ہے : ع

اے تیغِ زباں معرکۂ جنگ دکھا دے

مرثیہ ۱۰   جب کٹ گیا تیغوں سے گلستانِ محمدؐ

مرثیہ جناب رشید صاحب کی قلمی جلد دوم میں مرثیہ نمبر ۱۶ کے تحت ۷۲ بند میں درج ہے ابتدا میں سادہ ورق پر ذیل کی عبارت تحریر ہے :

"میر حسین علی فیض آبادی   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   از بستہ نور الحسن عرف نور محمد کوکب
جناب سید الشہدا علیہ السلام   بند ۷۲، تمام   میر انیسؔ صاحب
مطلع : جب کٹ گیا تیغوں سے گلستانِ محمدؐ"

مرثیہ نور الحسن کوکبؔ کی نظر سے گزرا ہے۔ پہلے ورق پر ان کے دستخط موجود ہیں۔ یہ مرثیہ مطبع جعفری جلد پنجم میں صفحہ ۱۹۲ میں ۱۲۱ بندوں میں چھپا ہے جبکہ قلمی نسخے میں ۷۲ بند ہیں۔ اور اسے نور الحسن کوکبؔ نے اپنے دستخط خاص سے "تمام" لکھا ہے۔ یعنی ان کی نظر میں مرثیہ مکمل ہے۔ لفظ "تمام" سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے کسی مستند نسخے سے بھی مقابلہ کیا تھا۔ مرثیہ اس وقت نقل کیا گیا جبکہ میر انیسؔ اور کوکبؔ دونوں زندہ تھے۔ مرثیہ کا کاغذ انگریزی اور بادامی رنگ کا ہے اور اس پر انگریزی اعداد میں ۱۸۶۹ کی تاریخ بھی درج ہے۔ مطبع جعفری جلد پنجم میں مرثیہ کے جو بند قلمی نسخے کے مقابلے میں زیادہ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

بند نمبر ۶، ۱۰، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۵، ۳۸، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۹۱، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۴۴، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۹۱، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۱۷ = ۴۶ بند   مطبع جعفری کی جلد پنجم نایاب ہے اس لیے راقم نے مرثیہ دونسخوں سے ترتیب دے کر شاملِ باقیاتِ انیسؔ کیا ہے۔

مرثیہ ۱۱   آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی

یہ انیسؔ کے نایاب مرثیوں میں ہے۔ اس پر تفصیلی بحث مرثیہ نمبر ۵ کے تحت اوپر کے صفحات میں کی گئی ہے۔ مرثیہ میر انیسؔ کی زندگی میں شائع ہوا تھا اور اس کا مطبوعہ نسخہ جناب رشید کی ملکیت میں ہے۔ یہ نول کشور یا کسی اور مجموعہ مراثی انیسؔ میں دستیاب نہیں ہے۔ مرثیہ شاندار ہے۔ اس میں منظر نگاری کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔

مرثیہ ۱۲ تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتیٰ کی مدح

مرثیہ رشید صاحب کے پاس جلد چہارم قلمی میں نمبر ۱ کے تحت موجود ہے۔ اس میں ۱۱۱ بند ہیں۔ اور مقطع یہ ہے :

خاموش بس انیسؔ کہ وقتِ بکا ہے یہ خویش رسول پاک کی بزم عزا ہے یہ
یہ مرثیہ نجف میں پڑھوں التجا ہے یہ حقا کہ سب عطائے شہِ لافتا ہے یہ
لینے ہیں دو صلے تجھے سرکار شاہ سے
اک شیرِ حق سے ایک رسالت پناہ سے

مرثیہ کے آخر میں ترقیمہ کے طور پر ذیل کی عبارت درج ہے :

"ترقیمہ۔ حسبِ فرمائش جناب محمد علی خاں صاحب بخط خام خاکسار حقیر کاتب سرکار حسین ابنِ علی شہیدِ کربلا یعنی بعقلم
مرزا عباس تحریر یافتہ شد۔"

کاتبِ مرثیہ میر انیسؔ کی زندگی میں موجود تھا اور مرثیہ انہی کی زندگی میں نقل کیا گیا۔ مرزا عباس کے نقل کیے ہوئے متعدد نسخے راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

جناب رشید صاحب کی قلمی جلد ششم میں پہلا مرثیہ ہے "جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مرگئے دونوں" اس پر "از تصنیفات میر انیس صاحب دہلوی" لکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سنہ ۱۲۷۲ھ کی تاریخ بھی درج ہے۔ مرثیہ کے آخر میں سید باقر حسین مالک مرثیہ کا نام اور "دوازدہم شہر جمادی الاول ۱۲۷۲ھ" کی تاریخ ہے۔ مرثیہ کے آخری ورق پر انیسؔ کے ۱۰ مرثیوں کے مطلعے درج ہیں۔ زیر بحث مرثیہ اس فہرست میں نمبر ۳ کے تحت درج ہے۔ مطلعوں کے بعد اسی صفحہ پر میر انیسؔ کا ایک سلام ہے۔ اس کی ابتدا میں "سلام میاں انیسؔ ابن خلیق ابن حسن دہلوی" لکھا ہے۔ سلام کا مطلع یہ ہے : ع

دل سیر ہے گدائے جناب امیر کا

مرثیہ کی ابتدا میں میر انیسؔ کی دو رباعیاں بھی درج ہیں۔ دونوں کے مصرع اولین یہ ہیں :

۱۔ سرگرم رہوں نبی کی مدّاحی میں
۲۔ کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف

مرثیہ زیرِ نظر میر انیسؔ کی تصنیف سے ہے۔ یہ غلطی سے مرثیہ مونسؔ جلد دوم مطبوعہ نولکشور نومبر سنہ [illegible] میں چھپا۔ مقطع کے مصرع اول میں تخلص یوں ہے : ع

مونسؔ بس اب خموش کہ وقت بکا ہے یہ

راقم الحروف نے یہ مرثیہ دو نسخوں سے مرتب کیا ہے۔

مرثیہ ۱۳ عباس علیؑ شیر نیستان نجف ہے ۱۰۰ بند

مرثیہ مطبع نول کشور کی جلد دوم میں میر انیسؔ کے انتقال کے کوئی دو سال بعد ۵۹ بندوں میں چھپا تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۶ء

تک اسی مطبع میں نویں مرتبہ چھپا۔ نظامی بدایونی جلد سوم صفحہ ۱۹۹، اور نقوی صاحب کی مرتب کردہ جلد سوم صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ لاہور میں بھی یہ ۹۵ بندوں میں شائع ہوا۔ راقم کو اس کا ایک قدیم اور مستند قلمی نسخہ جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں جلد پنجم قلمی میں زیر نمبر ۴ دستیاب ہوا۔ اس میں ۱۰۸ بند ہیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مطبوعہ جلدوں میں مرثیہ ناقص، غلط اور غیر مرتب شامل کیا گیا۔ راقم نے نسخۂ رشید کو ہی بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔ اس میں ۴۹ بند غیر مطبوعہ ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے:

بند ۲، ۳، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۲۱، ۲۸، ۲۹، ۳۴، ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۵۲، ۵۵، ۶۲، ۶۳، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۴، ۹۸، ۹۹۔

ذیل میں حضرت عباسؑ کے سراپا اور گھوڑے کی تعریف میں چند بند پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی غیر مطبوعہ ہیں:

نورانی وہ رُخ اور خط رخسار کا ہالا   خورشید نے مُنہ پردۂ شب سے تھا نکالا
لب برگِ گلِ تر سے نزاکت میں دوبالا   دیکھے دُرِ دنداں کو اگر دیکھنے والا
بجلی سی چمک جاتی تھی ہر ایک سخن میں
کیا کیا دُرِ شہوار تھے اس درجِ دہن میں

گردن تھی کہ تھی جلوہ نما شمعِ سرِ طُور   اور ہاتھوں میں تھا زورِ یدُ اللہ بدستور
ہم پنجہ ہو اسے یہ نہ تھا شیر کا مقدور   سینے کی صباحت تھی عجب اور عجب نور
حق نے یہ صفا بخشی تھی آئینۂ تن میں
عکسِ رُخِ روشن نظر آتا تھا بدن میں

بجلی کو خجل کرتا تھا شبدیزِ سبک تاز   تھے دامنِ زیں دونوں طرف بازوئے پرواز
اڑ جاتا تھا مانندِ نظر بے پر و پرواز   سرعت تھی غزالوں کی یہ تھا چُست کا انداز
کہیے شرر اس کو تو ہو وہ دیر سخن میں
چھپ جاتا تھا نظروں سے وہ اک چشم زدن میں

آنکھیں وہ کہ ہو نرگسی آہُو بھی نگوں سر   چھوٹا سا دہن نافۂ آہُو کے برابر
جوں سبزۂ شبنم تھا پسینہ سے بدن تر   آتش کبھی اور آگ کبھی اور کبھی صرصر
طاؤس کے بھی ہوش اُسے دیکھ کے گُم تھے
رشکِ مہِ نَو نعل تھے اور بدر سے سُم تھے

مرثیہ ۱۴   میداں میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

اس میں ۱۰۰ بند ہیں اور یہ غیر مطبوعہ ہے۔ مرثیہ جناب علی اکبرؑ کے حال میں جلد دوم قلمی میں زیر نمبر ۱ درج ہے اور یہ بحیات انیس

نقل کیا گیا۔ مرثیہ بڑا شاندار ہے۔

مرثیہ ۱۵ اے شمعِ زبان انجمن افروزِ بیاں ہو

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور یہ رشید صاحب کی قلمی جلد مراثی متفرقات میں مرثیہ نمبر ۲۲ کے تحت شامل ہے۔ ہر صفحہ میں ۶ بند ہیں۔ اس پر اخبار "کارنامہ" کا کور چڑھا ہے۔ اخبار کے ضروری اندراج یہ ہیں:

"کارنامہ (انگریزی حروف میں بھی کارنامہ) رجسٹرڈ نمبر ۵، جلد ۹، نمبر ۱۵، ۱۴ اپریل ۱۸۷۳ء مطابق ۱۶ صفر ۱۲۹۰ ہجری روز شنبہ۔"

اس کے بعد سرورق کے کالم نمبر ۱ میں اشتہار درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار ہفتہ میں روز دوشنبہ قاعدہ سے چھپتا تھا۔ دوسرے کالم میں قطعہ تاریخ سال نہم درج ہے اس کی عبارت یہ ہے:

"قطعۂ تاریخ سالِ نہم

نظمِ دل پسند نتیجہ فکر آسماں پیوند عالی فہم باریک بین نازک خیال جناب شیو دیان مہاراجہ جے گوپال سنگھ بہادر متخلص بہ ثاقبؔ دیوان سرکار شاہزادہ عالی وقار صاحب عالم و عالمیان جرنیل صاحب بہادر دام اقبالہٗ

آغاز نفیس کارنامہ چوں حسن و جمال یوسفی خوب
در لکھنؤ از وفورِ زینت شد طبع ز اہتمام یعقوبؑ
جلد نہش چو گشت مطبوع گشتہ تاریخ سال مطلوب
ثاقبؔ سن عیسوی عیاں شد رمز ایں کارنامہ مرغوب = ۱۸۷۳"

قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار "کارنامہ" لکھنؤ میں ۱۸۶۴ء سے چھپنا شروع ہوا تھا۔ اخبار پر دھولپور کے ڈاک خانے کی مہر ہے جس پر انگریزی میں اپریل ۱۸، ۱۸۷۳ء کی تاریخ درج ہے۔ اخبار کے آخر میں ذیل کی عبارت نمایاں ہے:

"حسب الارشاد سید فدا احسن خاں صاحب باہتمام احقر العباد محمد یعقوب عفی عنہ مطبع کارنامہ لکھنؤ واقع گولہ گنج میں چھپا۔"

زیرِ نظر مرثیہ جناب عباس کے حال کا ہے۔ اس میں ۱۰۵ بند ہیں اور یہ میر انیسؔ کی زندگی میں ۱۸۷۳ء سے قبل کا نقل کیا ہوا ہے۔ مرثیہ کا اسلوبِ بیان بڑا شاندار ہے، پُر شکوہ اور پُروقار ہے۔ زورِ بیان ملاحظہ کیجیے:

اے شمعِ زباں انجمن افروزِ بیاں ہو اے زلفِ سخن طور کے شعلہ کا دھواں ہو
اے برقِ شرر ریز قلم نور فشاں ہو اے مصرعِ موزوں علمِ کاہ کشاں ہو
ہر حرف پہ مہتاب کا اک ہالہ بنا دے
ہر دائرہ اک شعلۂ جوالہ بنا دے

اے طوطیِ نطق آج شکر ریز ثنا ہو اے بلبلِ بستانِ سخن نغمہ سرا ہو

اے لوح، چراغِ یدِ بیضا کی ضیا ہو　　اے سطر تو اعجاز سے موسیٰؑ کا عصا ہو
مشتاق ہیں سب دن کو رُخِ ماہ دکھا دے
تصویرِ جمالِ اسد اللہ دکھا دے

کس شیر کی آمد ہے کہیں دل نہ دہل جائیں　　ہر صاحبِ دل نادِ علیؑ پڑھ کے سنبھل جائیں
ہاں بھیڑ میں مشتاقِ زیارت نہ کچل جائیں　　بینائی سے بھی مردمِ چشم آگے نہ نکل جائیں
سب بزم کرے قدرتِ باری کا تماشا
دکھلا دے بہادر کی سواری کا تماشا

مرثیہ ۱۶　　زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اس کے دو قلمی نسخے دریافت ہوئے۔ تفصیلات یہ ہیں :

(۱) نسخہ حیدری۔ یہ نسخہ راقم کی ملکیت میں ہے۔ اس میں ۹۹ بند ہیں۔ مرثیہ میں ۳ مطلعے ہیں :

مطلع اوّل : زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی

〃 دوم : جس دم اسیرِ خانۂ زنداں حرم ہوئے

〃 سوم : آمد ہے آج ہند کی زندانِ شام میں

مرثیے کے ۲۴ بند میر انیس کے دوسرے مرثیے میں بھی ملتے ہیں جس کا مطلع یہ ہے :

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی

یہ بند مراثی انیسؔ مطبوعہ نظامی بدایونی کی جلد اوّل میں ذیل کے بندوں کے تحت درج ہو چکے ہیں :

بند نمبر ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ = ۲۴ بند

دونوں نسخوں کا مقطع یہ ہے :

بس اے انیسؔ بزم میں ہے گریہ و بُکا　　وقتِ دعا ہے خالقِ اکبر سے کر دعا
یا رب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبیٰؑ　　دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو
بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

(۲) نسخہ امیر علی جونپوری میں ۸۶ بند ہیں۔ مطلع اور مقطع ذیل میں درج ہے :

زنداں میں قید جب شہِ دیں کے حرم ہوئے　　سب سوگوارِ ماتمِ شاہِ اُمم ہوئے
مرنے سے شہ کے دل پہ عجب درد و غم ہوئے　　مشغولِ گریہ قید میں صاحب حشم ہوئے

زنداں کے ڈر سے جان نہ تھی ان کی جان میں
بارہ گلے بندھے ہوئے تھے ریسمان میں

مقطع :

بس اے انیسؔ بزم میں برپا ہے شور و شین — تا حشر کم نہ ہوگا کبھی ماتمِ حسینؑ
آقا سے کر یہ عرض کہ یا شاہِ مشرقین — دوری سے اب نہیں ہے ذرا میرے دل کو چین
آنکھوں سے قبر پاک دکھاؤ غلام کو
روضہ پہ اپنے جلد بلاؤ غلام کو

نسخہ امیر علی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ میر انیسؔ نے اوائل عمر میں تصنیف کیا ہوگا۔ کیونکہ نشستِ الفاظ اور بندشِ تراکیب میں وہ پختگی نظر نہیں آتی ہے جو نسخہ راقم میں ہے۔ مثال کے طور پر دونوں نسخوں کے چند بند پیش کیے جاتے ہیں :

نسخۂ امیر	نسخۂ حیدری
زنداں میں قید جب شہِ دیں کے حرم ہوئے	جس دم اسیر خانۂ زنداں حرم ہوئے
سب سوگوار ماتمِ شاہِ اُمم ہوئے	آفت میں مبتلا وہ اسیرِ الم ہوئے
مرنے سے شہ کے دل پہ عجب درد و غم ہوئے	ناموسِ مصطفےٰؐ کو عجب رنج و غم ہوئے
مشغول گریہ قید میں صاحب حشم ہوئے	دکھ پر جو دکھ ہوئے تو ستم پر ستم ہوئے
زنداں کے ڈر سے جان نہ تھی ان کی جان میں	دم گھٹ گئے تھے جان نہ تھی ان کی جان میں
بارہ گلے بندھے ہوئے تھے ریسمان میں	بارہ گلے بندھے ہوئے تھے ریسمان میں
———	———
بیٹھے ہیں قید میں حرمِ شاہِ حق شناس	مضطر تھے قید سے حرمِ شاہِ حق شناس
چہروں پہ خاک لب پہ دمِ سرد دل اُداس	چہروں پہ خاک لب پہ فغاں اور دل اداس
رعشہ تنوں میں غم سے پریشان و بے حواس	رعشہ تنوں میں غم سے پریشان و بے حواس
دل پر ہجومِ رنج و الم زندگی سے یاس	دل پر ہجومِ رنج و الم زندگی سے یاس
ماتم میں شاہِ دیں کے ہر اک سوگوار ہے	پُرساں نہ کوئی دُکھ میں بجز کردگار تھا
مونس نہ ہے کوئی نہ کوئی غم گسار ہے	مونس نہ تھا کوئی نہ کوئی غم گسار تھا
———	———
کس طرح حال خانۂ زنداں لکھوں بھلا	اس خانۂ شکستہ کا لکھوں میں حال کیا
ظاہر تھا کہنگی سے کوئی دم میں اب گرا	ثابت تھا کہنگی سے کوئی دم میں اب گرا

چاروں طرف سے بند نہ روزن نہ واں ہوا
تھے اس میں اہلبیت نبی وامصیبتا
تھی لب پہ آہ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے
دیوار و در سے سر کو ہر اک دم پٹکتے تھے

چاروں طرف سے بند نہ روزن نہ واں ہوا
تھے اس میں اہلبیت نبی وامصیبتا
آرام تھا کسی کو نہ غم میں امام کے
روتے تھے تا بہ صبح خرابی میں شام کے

———

ہے آمد آمدِ زن حاکم بجز و فر
تسلیم کو کھڑے رہیں قیدی جھکائے سر
چلّا کے رونے پائے نہ اب کوئی نوحہ گر
سنتے ہیں رحم آیا ہے تم سب کے حال پر
دیکھے خود آن کر تو یقیں ہے بُکا کرے
کیا دور ہے جو قیدِ ستم سے رہا کرے

ہاں اب کرے نہ بین کوئی سوختہ جگر
مجرے کو سب ادب سے کھڑے ہوں جھکا کے سر
چلّا کے کوئی رو دے نہ مظلوم و نوحہ گر
سنتے ہیں رحم آیا ہے رانڈوں کے حال پر
مانگو دعا کہ فضل و کرم کبریا کرے
کیا دور ہے جو قیدِ ستم سے رہا کرے

دونوں نسخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیسؔ نے نسخۂ امیر علی پر نظر ثانی کر کے اسے پھر نسخۂ حیدری کی صورت میں دوبارہ ترتیب دیا۔

مرثیہ ۱۷ پہنچا جو کربلا میں غریب الوطن حسینؑ

مرثیہ ۱۰۱ بندوں میں غیر مطبوعہ ہے اور یہ جلد چہارم قلمی میں نمبرہ ۲ کے تحت شامل ہے۔ اسے میر انیسؔ کی زندگی میں وزیر مرزا نے قلم بند کیا۔ آخر میں ذیل کا ترقیمہ ہے:

"تصنیف میاں انیسؔ صاحب سلمہٗ، کتبہ بہ بندۂ حقیر سراسر بہ تقصیر وزیر مرزا از خط تمام شد۔"

ذیل کے دو بند ایک دوسرے مرثیے سے مل گئے ہیں:

سب اہلِ بیتؑ خیمہ سے نکلے برہنہ سر — چلّاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
ہنگامِ عصر تھا کہ لٹا فاطمہؑ کا گھر — آگے بہن کے ذبح ہوئے شاہِ بحر و بر
سر کٹ گیا حسینؑ سبھوں سے بچھڑ گئے
سادات کے بسے ہوئے سب گھر اُجڑ گئے

بند نمبر ۱۰۱:

بس اے انیسؔ طول کسی کو نہیں پسند — رونے کو مومنوں کے یہ کافی ہیں چند بند
اس نظم کو قبول کریں شاہِ ارجمند — دنیا میں ذاکروں کا رہے مرتبہ بلند
نغمے غضب ہیں زمزمے ان کے عجیب ہیں
یہ بوستانِ فاطمہؑ کے عندلیب ہیں

مرثیہ ۱۸ تھے حُسن میں یُوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ

یہ قلمی جلد سوم میں مرثیہ نمبر ۱۳ کے تحت موجود ہے۔ اس کے کئی قلمی نسخے دستیاب ہوئے۔ سب سے قدیم نسخہ ۱۲۵۴ھ کا ہے۔ مرثیہ سید حیدر حسین نے بست وسیوم شہر شوال ۱۲۵۴ھ کو تمام کیا۔ مرثیہ مطبع جعفری جلد پنجم میں غلط اور بے ترتیب چھپا ہے۔ راقم نے چار نسخوں سے اِسے ترتیب دیا ہے۔ ذیل کے مطبوعہ بند مخطوطہ میں نہیں ہیں:

بند نمبر ۱۸، ۲۱، ۴۷، ۵۱۔

مطبوعہ مرثیہ کی ترتیب یُوں ہونی چاہیے:

بند نمبر ۵، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵۔ بند نمبر ۲۶ سے آخر تک ترتیبِ مرثیہ درست ہے۔ قلمی نسخوں کے بعض بند مطبوعہ مرثیے میں نہیں ملتے ہیں۔

مرثیہ ۱۹ اے مومنو! کیا شور ہے ماتم کا جہاں میں

مرثیہ راقم کو ایک قلمی بیاض میں ملا۔ یہ بیاض راقم کو مرحوم ڈپٹی علی سجاد صاحب نے عنایت فرمائی۔ اس میں جو مراثی ہیں وہ ۱۲۷۴ھ ہجری سے قبل نقل کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک مرثیہ مرزا دبیرؔ کا بھی ہے اور وہ ۱۲۷۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ زیرِ نظر مرثیہ مطبع جعفری جلد پنجم میں بھی ۱۸۹۵ء مطابق ۱۳۱۲ھ میں چھپا تھا۔ مقطع یہ ہے:

کر حق سے انیسؔ اب یہ دعا با دِلِ پُر غم — یا قادِرُ یا حافِظُ یا خالقِ عالم
نوّاب مبارک محل و ثانیِ مریم — فیاضِ زماں فخرِ خواتینِ معظّم
ہر لحظہ فزوں عزّت و اقبال وحشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

مرثیہ غلطی سے مونسؔ کی جلد سوم مطبع نول کشور میں ۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۶ھ میں ۹۴ بندوں میں چھپا تھا۔ مقطع یہ ہے:

غسل اور کفن اُس کو دیا دونوں نے اک بار — اور قبر بھی کی فاطمہؑ کے پیاروں نے تیار
گاڑا اسے پائین مزارِ شہِ ابرار — سویا وہ کہاں جا کے زہے طالع بیدار
مونسؔ جو علیؑ کے ہیں محب کیا انھیں ڈر ہے
فردوس بریں الفتِ حیدرؑ کا ثمر ہے

رشید صاحب کے پاس میر مونسؔ کے جو قلمی مرثیے ہیں ان میں زیرِ نظر مرثیہ درج نہیں ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق مرثیہ میر انیسؔ کا ہی ہے۔

مرثیہ ۲۰ اے بخت رسا روضۂ شبّیرؑ دکھا دے

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور یہ رشید صاحب کی قلمی جلد متفرقات میں زیر نمبر ۱۰ شامل ہے۔ اس کے آخر میں کاتبِ مرثیہ سید مصطفیٰ علی عرف بنے کا نام درج اور میر انیسؔ کی زندگی میں نقل کیا گیا۔ مقطع میں انیسؔ تخلص ہے۔ ایک دُوسرے نسخے میں جو اس کے

بعد لکھا گیا۔ اس میں رئیس تخلص ڈالا گیا ہے۔ مرثیہ دراصل میر انیس کا ہے۔ زیرِ نظر مرثیہ پہ "ناصر الاخبار" ترجمہ ایکٹ نمبرا بابت ۱۸۶۷ء ۱۳ (نمبر۱۵۔ جلد ۱۹) کا کور لگا ہوا ہے۔

مرثیہ ۲۱ جب تیروں سے مجروح ہوا قاسمؑ نوشاہ

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور یہ میر انیس کی زندگی میں نقل کیا ہوا دستیاب ہوا۔ اس کے دو نسخے مل سکے۔ ایک راقم الحروف کی بیاض میں ہے اور دُوسرا نسخہ جلد چہارم میں مرثیہ نمبر۱ کے تحت شامل ہے۔

مرثیہ ۲۲ رن میں جب زینبؑ بے کس کے پسر قتل ہوئے

یہ مہاراجکمار صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں ۴۴ بند میں محفوظ ہے۔ مرثیہ کی ابتدا میں ذیل کے الفاظ درج ہیں:

"۱۲۴۴ھ ہجری، مرثیہ انیس سلّمہٗ بند۔۴۴"

آخر میں ترقیمہ ہے:

"تمام شد روز یک شنبہ رجب ۱۲۴۷ھ ہجری"

میر انیس کے جو قلمی مرثیے دستیاب ہوئے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ پرانا نسخہ ہے۔ مرثیہ میں میر خلیق کا طرز ہے۔

مرثیہ ۲۳ مومنو! خاتمۂ فوج خدا ہوتا ہے

یہ جلد دوم قلمی میں ۳۸ بند میں مرثیہ نمبر۳ کے تحت درج ہے اور میر انیس کے ابتدائی کلام میں ہے۔ مرثیہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۵۶ھ ہجری کا مکتوبہ اور غیر مطبوعہ ہے۔

مرثیہ ۲۴ غش ہوئے پیاس سے جب بانو کے جانی اصغر

مرثیہ میر انیس کے ابتدائی کلام میں میر خلیق کے طرز میں بحرِ طویل میں دریافت ہوا۔ یہ غیر مطبوعہ ہے اور میر انیس کی زندگی کا مکتوبہ ہے۔ مرثیہ علی اصغرؑ کے حال کا ہے۔

مرثیہ ۲۵ اے مومنو! حسینؑ کا ماتم اخیر ہے

مرثیہ جلد چہارم قلمی میں زیرِ نمبر۱ میں ۱۹ بند پر مشتمل ہے اور میر انیس کے سب مرثیوں میں مختصر ترین ہے۔ یہ انیس کی حیات میں نقل ہوا ہے۔ آخر میں ذیل کا ترقیمہ ہے:

"تمام شد بخطِ خام احقر الانام سید محمد زین العابدین بمقام ایٹہ بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ ہجری بروز جمعہ۔ مالک جناب راجہ دولت رائے صاحب بہادر۔"

سلام

ذبح ابنِ مالکِ کوثر جو پیاسا ہو گیا پانی پانی شرم سے مجرائی دریا ہو گیا[1]

---

[1] یہ سلام میر انیس کے مجموعہ سلام ہائے "گلدستۂ میر انیس" مطبوعہ اردو پبلشرز لکھنؤ اور میر ببر علی انیس کی مطبوعہ جلدوں میں درج نہیں ہے۔ یہ "شجرۂ غم" مرتبہ سید علی اظہر جونپوری، سال طباعت ۱۲۹۹ھ سے دستیاب ہوا۔ (مملوکہ محمد رشید)

اب تک مقتل میں آ کر کہتی ہے روحِ بتول
اے زمینِ کربلا مہماں ترا کیا ہو گیا

بارہا مہرِ نبوت پر دھرا جس نے قدم
حیف ہے پامال اس کا رن میں لاشا ہو گیا

مومنو! رونے کی جا ہے قید میں زینب رہی
کربلا میں چہلمِ فرزندِ زہراؑ ہو گیا

سر کھلا بازو بندھا وارث ہوئے پیارے چھٹے
ایک دن میں عترتِ حیدرؑ پہ کیا کیا ہو گیا

لاشِ اصغرؑ پہلوئے اکبرؑ میں رکھ کر بولے شاہ
لو علی اکبرؑ تمھارا باپ تنہا ہو گیا

طوق جب عابدؑ نے پہنا حلقۂ ماتم بندھا
جب پڑی زنجیر پا میں حشر برپا ہو گیا

سر برہنہ کہتی تھی بلوے میں زینبؑ ہے غضب
اب تمھارا حال اعدا کو تماشا ہو گیا

پوچھا شیریں نے کلیجہ ہاتھ سے پکڑے ہو کیوں
بولی بانو نیزہ سے زخمی کلیجا ہو گیا

قابلِ شادی شبیہِ مصطفیٰؐ صاحب جمال
قتل اٹھارہ برس کا میرا بیٹا ہو گیا

شمر نے مارے طمانچے تب سکینہؑ نے کہا
لوگو! شاید قتل رن میں میرا بابا ہو گیا

جو ہوا بیمار اندوہِ شہِ دیں اے انیسؔ
خود وہ اپنے دردِ عصیاں کا مسیحا ہو گیا

(۲)

کسی کو مجرئی ھمدم نہ ہنگامِ اجل پایا
علیؑ جب آئے تب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا[1]

کہا شبیرؑ نے اکبر گلِ باغِ جوانی تھا
اسے نیزہ لگا کر کچھ لعینوں نے نہ پھل پایا

لگایا تیر جس کج باز نے وقتِ دعا شہ پر
جوابِ راست اس نے تیغِ شہ سے برمحل پایا

لعیں کہتے تھے روکیں وار کیونکر تیغِ حیدرؑ کا
کبھی سر پر کبھی بر میں کبھی زیرِ بغل پایا

پس از قتلِ شہِ دیں گھر لٹا قیدی ہوئیں رانڈیں
نہ ماتم کی صفیں بچھیں نہ رونے کا محل پایا

ہوا گھر چھوڑ کر قرباں جو حُر فرزندِ زہراؑ پر
قریبِ قصرِ حیدرؑ باغِ جنت میں محل پایا

اٹھایا داغ فرزندِ جواں کا عین پیری میں
شہِ دیں نے گلستانِ ریاضت کا یہ پھل پایا

رفیقوں کی طرف دیکھا جو ہنگامِ وغا شہ نے
ہر اک جانباز کو آمادۂ جنگ و جدل پایا

وطن میں کہتی تھی صغراؑ مصیبت کچھ ہے بابا پر
بہت میں نے دلِ غمگیں کو مضطر آج کل پایا

غضب تڑپے شہِ دیں رکھ کے سر اکبرؑ کے لاشے پر
جگر میں اس کے جب ٹوٹا ہوا برچھی کا پھل پایا

سرِ حُر اپنے زانو پر رکھا شاہِ دو عالم نے
جری نے رتبۂ معراج ہنگامِ اجل پایا

---

[1] سلام کے پہلے سات شعر "گلدستۂ انیسؔ" میں ملتے ہیں۔ باقی اشعار مراثی انیسؔ جلد ششم قدیم صفحہ ۲۵۵ سے ماخوذ ہیں۔

عدو سے کہتا تھا حُر سایۂ طوبیٰ ملا مجھ کو   ہوا خواہی میں سروِ باغِ زہراؑ کے یہ پھل پایا
فرس سے ہو کے زخمی خاک پر گرنے لگے جس دم   شہِ والا نے دستِ فاطمہؑ زیرِ بغل پایا
بڑھا جو منھ پہ اس کا سر اُتارا تیغِ حیدرؑ نے   مشا آئی اسے جس کے ذرا ابرو پہ بل آیا
گیا نارِ سقر کو چھوڑ کر جنت کے گلشن کو   مقدر کی طرف سے حُر نے یہ حُسنِ عمل پایا
کہا اکبرؑ نے وقتِ نزع یہ رو رو کے حضرت سے   چلے ہم اب نفس کے آمد و شد میں خلل پایا
یہ حسرت ہے کہ دم نکلے ہمارا ماں کی گودی میں   اجل کے ہاتھ سے وقفہ نہ لیکن ایک پل پایا
کیا جب شاہ نے حملہ اجل نے آ کے میداں میں   طپاں بسمل کو بسمل پہ دمِ جنگ و جدل پایا
تڑپ کر ذوالفقارِ حیدریؑ خود میان سے نکلی   علیؑ کے لال ابرو پہ غصہ سے جو بل پایا
سہے صدمے پہ صدمے دُکھ پہ دُکھ اعدا کے ہاتھوں سے   نبیؐ کے بعد زہراؑ نے نہ آرام ایک پل پایا
برابر چار ٹکڑے کر کے چھوڑا اس کو میداں میں   جسے تیغ دو پیکر نے دمِ جنگ و جدل پایا

انیسؔ آخر نہ دولت کام آئی اہلِ دولت کی
بجز نقدِ تہیدستی نہ کچھ وقتِ اجل پایا

(۴)

قبر میں خاک شفا پھولوں کی چادر باہر   مجرئی بوتے ارم پھیلی ہے اندر باہر[1]
دیکھ عبرت سے ذرا گورِ غریباں کی طرف   استخواں قبر کے اندر ہے تو پتھر باہر
دیکھ کر شمسہ ایوان ملا کارِ حسینؑ   مہر کترا کر نکل جاتا ہے باھر باہر
کیا صفائی ہے کہ آیا کبھی عکس غبار   شیشۂ دل سے صدا آئی کہ باہر باہر
شاعرو! قامتِ اکبرؑ سے نہ دینا تشبیہ   ابھی جامہ سے نہ ہو جائے صنوبر باھر
گھر میں حاکم کے ہے قتل شہِ مظلوم کا جشن   سب زن و مرد زری پوش ہیں اندر باہر
آستیں ابنِ یدُ اللہ نے الٹی دمِ جنگ   سب نے جانا کہ ہوا میان سے خنجر باہر
گھر گئے شاہ جو نرغے میں تو عباسِ علیؑ   باندھے ہتیار پھرا کرتے تھے باھر باہر
شب کو بھی گھر میں ٹھہرتے تھے نہ مانندِ قمر   گرد خیمہ کے کیا کرتے تھے چکر باھر
شاہ خیمہ میں ہیں ڈیوڑھی پہ علمدارِ حسینؑ   جھرہے برجِ شرف میں مہِ انور باہر
ہو گئی آلِ پیمبرؐ میں قیامت برپا   نکلے ہتیار جو سج کر علی اکبرؑ باہر

---

[1] سلام کے کچھ شعر مونسؔ کی مطبوعہ جلد میں بھی ہیں۔ در اصل یہ میر انیسؔ کا ہے۔ یہ سلام راقم کو رشید صاحب کی ایک مستند جلد سے دستیاب ہوا۔

غل ہوا تیغِ حسینی سے شرارے جو اڑے ۔ دن کو پردوں سے نکل آئے ہیں اختر باہر
مُنھ سے حُر کہتا تھا پانی مجھے دیتی ہیں بتول ۔ ہاتھ جنّت کے دریچے میں ہیں ساغر باہر

ہے زباں مُنھ میں مگر شہروں میں پھرتا ہے کلام ۔ اپنی شمشیر تو کاٹھی میں ہے جوہر باہر
ہر سحر ماتمِ سرور میں نکل آتا ہے ۔ گُل کے چہرے پہ لہو خسروِ خاور باہر

ہے تمنائے انیسؔ اب کہ دمِ بازپسیں
مرقدِ شہ سے نہ ہوئے مرا بستر باہر

(۴)

یوں فلک ہے روضۂ شبیرؑ عالی جاہ پر ۔ اے سلامی بے تکلف جس طرح رشٹے ماہ پر[1]
خضر قرباں ہیں سلوکِ حیدری ذی جاہ پر ۔ پھر نہ وہ بہکا جسے لائے خدا کی راہ پر ۔ نـ بھٹکا
احمدؐ مرسل نے دنیا میں جو کی فاقہ کشی ۔ رزق ہر ممکن کا واجب ہوگیا اللہ پر
حضرت یعقوبؑ کی الفت کی قدر اس دم ہوئی ۔ کھینچ کر جب لائے یوسفؑ کو برادر چاہ پر
قبر میں نہ ہے تخت اس کا ہے نہ اس کا بوریہ ۔ ڈھیر مٹی کا برابر ہے گدا و شاہ پر
ہاتھ وہ ہیں بند جو ہوویں نہ امرِ خیر میں ۔ پاؤں وہ ہیں جو چلے جائیں خدا کی راہ پر
سارقوں نے سُن لیے مضمونِ مولودِ علیؑ ۔ اب کمندیں پھینکتے ہیں قصرِ بیت اللہ پر
کہتے تھے قاسمؑ کوئی ہم سا نہیں حسرت نصیب ۔ جو نئے دولھا ہیں روئیں گے ہمارے بیاہ پر
اسفل و اعلیٰ کو یوں لازم ہے حفظِ آبرو ۔ چاہ دریا پر نہ جاتا ہے نہ دریا چاہ پر
عیب بینوں میں ہنر کوئی نہیں جز اعتراض ۔ شعر کیسے معترض اب ہوویں گے بیت اللہ پر ۔ نـ ہوں
فقر کی نعمت کا میں بھوکا ہوں یا مشکل کشا ۔ آپ کشکولِ گدا بھر دیں خدا کی راہ پر
حُبِّ حیدرؑ چاہیے کیسی خطا کیسے گناہ ۔ بخش دینا جُرم کیا دشوار ہے اللہ پر
دولت اس کو دی قناعت کی تو اس کو گنجِ زر ۔ لطف اس عادل کا یکساں ہے گدا و شاہ پر

---

[1] رشید صاحب کے پاس سلاموں کا ذخیرہ ہے جو مختلف مرثیہ گویوں کے کلام پر مشتمل ہے۔ یہ سلام اسی سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ یہ سلام خانوادۂ انیسؔ کی فرد علی احمد دانشؔ کے پاس بھی موجود ہے۔ نسخۂ رشید اور نسخۂ دانشؔ میں بعض اختلاف ہیں۔ درجِ ذیل شعر نسخۂ دانشؔ سے ماخوذ ہے:

نقش پاتے شاہ سے تشبیہ ہم دیتے ضرور
گر نہ ہوتا جھائیوں کا عیب رشٹے ماہ پر

نسخۂ دانشؔ میں جو اختلافی الفاظ ہیں وہ حاشیہ پر اس نشان (نـ) کے تحت درج ہیں۔ (حیدری)

الفتِ یوسفؑ زلیخا کو ہمیں عشقِ علیؑ — کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر ہے کوئی چاہ پر — ن- تو

تختِ سلطانی سے بالاتر ہے اس کا بوریہ — صاحبِ مسند ہے تکیہ ہے جسے اللہ پر — ن- تختِ سلطاں سے کبھی

رن سے جو بھاگا نہ جھپٹا اس پہ حضرت جنگ میں — شیرِ نر حملہ کبھی کرتا نہیں روباہ پر

آدم و جن و ملک، حور و پری وحشش و طیور — کس کا سر ہے جو نہیں جھکتا تری درگاہ پر

ہر جگہ پیکاں پہ پیکاں تھا سری پر تھی سری — یہ کمانوں سے چلے تھے تیر جسمِ شاہ پر — ن- یوں

ابرؤوں پر شہ کی کیا زیبا تھی نورانی جبیں — خوشنما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر — ن- سورت

لاشۂ شبیرؑ عریاں تھا تو صحرا کے طیور — شہپروں سے دھوپ میں سایہ کیے تھے شاہ پر

فکر کا ہے کی ہے، کیا دنیا سے جاؤ گے انیسؔ
اپنی روٹی لے کے دسترخوانِ شاہنشاہ پر — ن- اپنا توشہ

مخمس

یُوں ہی زیست کے دن گزر جائیں گے — تاسف رہے گا جو مرجائیں گے[1]
گناہ کم نہ ہوگا جدھر جائیں گے — سلامی در شہ پہ گر جائیں گے
تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے

نہ ہو بند میں منزلِ عمر طے — مدد کر اب اے خضرِ فرخندہ پے
تڑپتا رہوں ہجر میں تا بہ کے — ہر اک آن یاں زندگی موت ہے
جئیں گے جو واں جا کے مرجائیں گے

لگے گی اگر آنسوؤں کی جھڑی — اٹھائے گا یہ ابر شرمندگی
سمندر نہ ہم چشم ہوگا کبھی — چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

غمِ شہ میں کہتے تھے عابد یہی — عبث مانعِ گریاں ہے یہ شقی
رکی ہے کسی سے کبھی سیل بھی — چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی[2]
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

---

[1] میرانیس نے خود اپنے سلام پر یہ مخمس کہا تھا۔ جناب رشید صاحب کے پاس بہت سے مرثیہ گو شعرا کے سلاموں کی کئی ضخیم جلدیں محفوظ ہیں۔ زیرِ نظر مخمس ایک جلد سے دستیاب ہوا۔

[2] چوتھے اور پانچویں مصرعے میں تکرار ہے۔ یہ تکرار اصل مخطوطے میں بھی ہے۔

پڑے تھے جو چہروں پہ زلفوں کے بال عیاں تیوروں سے علیؑ کا جلال
دھرے ہاتھ قبضوں پہ بہر جدال لعینوں سے کہتے تھے زینبؑ کے لال
جو کچھ ہم سے ہوگا وہ کر جائیں گے

شجاعت میں ہم ہیں عدیم النظیر پلے پی کے ہم بنتِ زہراؑ کا شیر
ہمارا ہے نانا امیرِ کبیر نہ دکھلاؤ تیغیں کبیر و صغیر
ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے

حرم رو کے جب ذکر کرتے کبھی ہمیں ان کی شادی کی حسرت رہی
نہ سہرا بندھا اور نہ مہندی لگی یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی
کہ اکبرؑ جواں ہو کے مر جائیں گے

ستایا صغیروں کو جب پیاس نے لیا گھیر انھیں حسرت و یاس نے
اشارہ کیا خضرؑ و الیاسؑ نے کہا جا کے اعدا سے عباسؑ نے
سرک جاؤ ہم نہر پر جائیں گے

ہلی لذتِ معانی انیسؔ بس اب تلخ ہے زندگانی انیسؔ
فزوں حد سے ہے ناتوانی انیسؔ ملے گا جو اب بھی نہ پانی انیسؔ
تڑپ کر کئی طفل مر جائیں گے

عبث ہو مری راہ روکے ہوئے پھروں گا نہ گر خُوں بھی میرا بہے
زیادہ تو پانی نہیں مانگتے سکینہ کی اس ننھی سی مشک سے
جو ہے نہر خالی تو بھر جائیں گے

اسی سوچ میں تھے امامِ زمن کہ بیکس کو یاں کون دے گا کفن
کہن جامۂ شہ جو لائی بہن پہن کر کہا شہ نے رختِ کہن
یہ کپڑے بھی تن سے اُتر جائیں گے

پسِ خیمہ اماں بھی اب روئیں گی خدیجہؑ بھی اشکوں سے مُنھ دھوئیں گی
کرو صبر گر قسمتیں سوئیں گی مصیبت کی راتیں بسر ہوئیں گی
نہ روؤ یہ دن بھی گزر جائیں گے

جو چاہوں تو بدلا ابھی ان سے لُوں پہ صابر ہوں کیا بد دعا ان کو دُوں
یہ ظالم کریں تو کریں میرا خُوں خدا تو ہے شاہد کہ بے جُرم ہُوں
چھپیں گے کدھر اور کدھر جائیں گے

جب آئیں گے محشر میں اہلِ فساد   خدا ان سے پوچھے گا وجہِ عناد
ستم کرکے ہوئیں یہاں آج شاد   ملے گی قیامت میں اس خوں کی داد
فدک یہ نہیں جو کہ کھا جائیں گے

جو ہے لطف تیری زباں میں انیسؔ   وہ ہے اور کس کی زباں میں انیسؔ
ترا غل ہے ہندوستاں میں انیسؔ   خدا بات رکھ لے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

اشعارِ غیر مطبوعہ

گھر گیا بیٹا جو نرغہ میں سپاہِ شام کے[1]   چل گئی غم کی چھری دل پر شہِ ناکام کے
بسکہ بلبل کی طرح عاشق ہے اس گلفام کے   شاہ تیری صورت بسمل کلیجہ تھام کے
پار جس دم سینۂ اکبرؑ کے بھالا ہوگیا

گر پڑا گھوڑے سے جس دم اکبرؑ غنچہ دہن   پڑ گئے کانٹے زباں میں کھل گئے زخمِ بدن
کیوں نہ ہوتی رن کی وہ ساری زمیں رشکِ چمن   برچھیاں کھا کھا کے رن میں اکبرؑ گل پیرہن
جس جگہ تڑپا وہاں اک خوں کا تھالا ہوگیا

کل ہم اخبارِ امامانِ اُمم دیکھا کیے   ابتدا سے انتہا تک یک قلم دیکھا کیے
پڑھ کے اس مطلع کو سوئے چرخ ہم دیکھا کیے   اے فلک مجرے کو جن کے تجھ کو خم دیکھا کیے
ہائے تو دیکھا کیا اور وہ ستم دیکھا کیے

تیر جب اصغرؑ کو مارا حرملہ نے یک بہ یک   کیا کہوں بیتاب تھے کیسے شہِ جن و ملک
ہاتھ تو بچے کے سینہ پر نگہ سوئے فلک   مر گیا اصغرؑ تو اک ہچکی میں لیکن دیر تک
ہاتھ رکھ کر شاہِ دیں سینہ پہ دم دیکھا کیے

مسدس

کریں گے جگہ نکیرین مجھ سے آ کے کلام   کہ کون رب ہے ترا کون ہے نبی و امامؑ[2]

---

[1] مخمس کے یہ چار بند رشید صاحب کی قلمی جلدوں سے دستیاب ہوئے اور چاروں بند غیر مطبوعہ ہیں۔

[2] مسدس کا یہ غیر مطبوعہ بند جلد چہارم قلمی سے دریافت ہوا۔   اکبر حیدری

کہوں گا رب ہے مرا ذوالجلال والاکرام محمدِ عربیؐ ہے مرے نبیؐ کا نام
"علیؑ امام من ست و منم غلامِ علیؑ
ہزار جان گرامی فدائے نامِ علیؑ"

رباعیات

جناب ضمیر اختر نقوی صاحب نے 'ماہِ نو' کراچی کے میر انیس نمبر میں میر انیس کی ۵۵۴ مطبوعہ رباعیات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ رباعیات مطبع نول کشور لکھنؤ، مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ، مطبع شاہی لکھنؤ، مطبع یوسفی دہلی، نظامی پریس لکھنؤ اور دیگر مقامات سے مراثی انیس کی جلدوں اور علحدہ کتابی صورت میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئیں۔

ذیل میں اب وہ رباعیات درج کی جاتی ہیں جو راقم الحروف کو جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میر انیس کی مختلف قلمی جلدوں میں دریافت ہوئیں۔ یہ رباعیات 'ماہِ نو' کراچی میر انیس نمبر میں شامل نہیں ہیں اس لیے غالباً سب غیر مطبوعہ ہیں:

اکبرؑ نے جو گھر موت کا آباد کیا صغراؑ کو دمِ نزع بہت یاد کیا
لاشہ پہ کمر پکڑے یہ کہتے ہیں حسینؑ تم نے علی اکبرؑ ہمیں برباد کیا

—

بے دینوں کو مرتضیٰؑ نے ایماں بخشا دینداروں کو جنّت کا گلستاں بخشا
بخشش کا ہے خاتمہ کہ خاتم دے کر درویش کو رتبۂ سلیماں بخشا

—

بے گور و کفن باپ کا لاشا دیکھا پردیس میں مادر کا رنڈاپا دیکھا
زنداں میں جفائے خار و طوق و زنجیر عابدؑ نے پدر کے بعد کیا کیا دیکھا

—

جو مرتبہ احمدؐ کے وصی کا دیکھا ہم نے نہیں یہ رتبہ کسی کا دیکھا
کہتے ہیں نبیؐ جب ہوئی معراج مجھے پہنچا جو وہاں ہاتھ علیؑ کا دیکھا

—

شبیرؑ کا غم یہ جس کے دل پہ ہو گا آنسو جو گرے گا شکلِ گوہر ہو گا
پوچھے گا خدا جو ایسے دُر کی قیمت تب حشر میں جوہری پیمبرؐ ہو گا

—

کیا پانچ ہوتے خدا کے مظہر پیدا　　تا حشر نہ ہوں گے جن کے ہمسر پیدا
حیرت ہے مجھے کہ حیف ایسوں کے لیے　　اندوہ و الم تھے زہر و خنجر پیدا

کیا جوش و خروش سے محرّم آیا　　جو خانہ بخانہ دینے یہ غم آیا
تم قدر کرو کچھ اس کی اہلِ ماتم　　فرزندِ رسولؐ کا ہے ماتم آیا

محرّم آیا الم کا پیام آ پہنچا　　مقامِ قتل پر اپنے امام آ پہنچا
بہاؤ چشم سے نم اشک اے عزادارو!　　غمِ حسین علیہ السلام آ پہنچا

نیزہ شبیرؑ کو شقی نے مارا　　اور تیر سہ پہلو بھی کسی نے مارا
جب شمر کو دیکھتی سکینہؓ کہتی　　ہائے مرے بابا کو اسی نے مارا

عقبیٰ کے ہر ایک کام سے ناکام ہے تو　　اس وقت میں بھی طالبِ آرام ہے تو
اے وائے انیسؔ پختہ کاری تیری　　سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

ہے افسرِ دیں تاجِ سکندر حیدرؑ　　اور بعد نبیؐ سب سے ہیں بہتر حیدرؑ
ہے تجھ سے دعا میری یہ اے ربِ غفور　　جاری ہو مری زباں پہ حیدرؑ حیدرؑ

کیا پیاس میں تھے محوِ عبادت شبیرؑ　　سینہ پہ تو قاتل تھا گلے پر شمشیر
نکلا نہ لہو خشک تھا یہ حلقِ حسینؑ　　جاری تھی مگر خوں کے بدلے تکبیر

یکتا ہے جو مدّاح مدام اس کا ہوں　　واحد جو ہے عبدِ نیک نام اس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہدوں گا انیسؔ　　قنبر کا جو آقا ہے غلام اس کا ہوں

وحشت سائے سے ہے وہ دیوانہ ہوں　　جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں میں　　جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

عشرے سے دلوں پہ رنج و غم چھاتے ہیں — کی ہیں ریاضتیں تو پھل پاتے ہیں
اللہ جزائے خیر دے مردم کو — تکلیف اٹھا کے دُور سے آتے ہیں

دولت سے نہ کچھ لطف و مزا پاتے ہیں — کھانے میں فقط چرخ کا غم کھاتے ہیں
دُنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیسؔ — مہمانِ اجل آئے تو مر جاتے ہیں

جب لوح و قلم ہوئے قران السعدین — فرمانے لگا یہ ان سے ربِّ کونین
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا — وہ ہیں احمدؐ و حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

رونے میں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں — کیا صبر امامؑ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بَر میں — اُس بیٹے کو خدا پہ فدا کرتے ہیں

کیا کیا نہ ستم اہلِ جفا کرتے ہیں — شبیرؑ مگر شکرِ خدا کرتے ہیں
پھرتا ہے گلے پہ تیغ لب پر نہیں آہ — یُوں وعدۂ طفلی کو وفا کرتے ہیں

اکبرؑ کہتے تھے بابا کیوں روتے ہو — اس فدوی کے غم میں جان کیوں کھوتے ہو
فرماتے تھے شہ رونے کی جا ہے اکبرؑ — اٹھارہ برس بعد جدا کیوں ہوتے ہو

آیا ہے محرّم آہ و زاری کر لو — شبیرؑ کے غم میں بے قراری کر لو
از بسکہ کیے ہیں سیکڑوں تم نے گناہ — لو مفت ہی رو کے رستگاری کر لو

آتا ہے جو خلق میں محرّم تازہ — ہوتا ہے حسینؑ کا یہ کیوں غم تازہ
مارا ہے گیا شفیعِ محشر کا خلف — تا روزِ جزا رہے گا ماتم تازہ

تدبیر کرو اشکوں سے مُنھ دھونے کی — امید نہیں اگلے برس ہونے کی
اے مومنو! افسوس کہ خاموش ہو تم — ہر سمت سے آتی ہے صدا رونے کی

پیری سے خاک مہربانی نہ ہوئی
وقتِ آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے آتے لوگ
افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

عابدؑ کی تمام عمر زاری نہ گئی
پوشاکِ عزا تن سے اُتاری نہ گئی
خواب و آرام و صبر و تاب و طاقت
یہ سب گئے اور بے قراری نہ گئی

ہر آن گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جو میں انیسؔ
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گُل کِھلے جو مُرجھا نہ گئے

بے کار نہیں ہے آہ و زاری ایسی
ہے عینِ قرار بے قراری ایسی
اشکوں میں جو آب ہے تمھارے یارو
گوہر میں کہاں ہے آبداری ایسی

زینبؑ نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی
پردیس میں تقدیر مجھے لُوٹ گئی
فرزندوں کے مرنے کا نہ غم تھا مجھ کو
پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی

یہ مجلسِ ماتمِ شہِ بطحا ہے
ارواحِ ائمہ کا گزر اس جا ہے
رونے کے لیے دُور سے سب آتے ہیں
یہاں ماتمِ فرزندِ نبیؐ برپا ہے

دل میں جب مسلمؑ بے کس کا خیال آتا ہے
صاحبِ درد کو افسوس کمال آتا ہے
سر نیزے پہ چڑھا لاش پھری کوچوں میں
ایلچی پر کہیں ایسا بھی زوال آتا ہے

جو قصر کرے دل کو قیصر وہ ہے
تکیہ حق پہ ہو جس کا بستر وہ ہے
آئینہ سکندر نے بنایا تو مگر
دل آئینہ ہو جس کا سکندر وہ ہے

رسی میں گلا علیؑ کی جائی کا ہے — اب تک نہیں طور کم ربائی کا ہے
گھبرا کے یہ کہتی تھی کہ کب چھوٹیں گے — چہلم نزدیک میرے بھائی کا ہے

رونے کے لیے رُوحِ رسولؐ آتی ہے — کونین کی دولت ہمیں مل جاتی ہے
شیعہ کرتے ہیں جب دُعائیں مل کر — آمین آمین بتولؑ فرماتی ہے

اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے — ہاتھوں سے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے
شیعوں کے تو قلب ہیں کہیں موم سے نرم — پتھر کا جگر ہو تو پگھل جاتا ہے

کیا بزم ہے کیا آہ و بکا ہر سُو ہے — اک ایک عزادارِ شہ خوشخُو ہے
یا رب! یہ رہے باغ خزاں سے محفوظ — جب تک کہ چمن میں گُل ہے گل میں بُو ہے

لے زیرِ قدم لحد کا باب آ پہنچا ہے — بیدار ہو اب کہ وقتِ خواب آ پہنچا ہے
پیری کی بھی دوپہر ڈھل آہ انیسؔ — ہنگامِ غروبِ آفتاب آ پہنچا ہے

زہراؑ سے کوئی غمِ پیمبرؐ پُوچھے — زینبؑ سے کوئی فراقِ حیدرؑ پُوچھے
پُوچھے کوئی سجادؑ سے شبیرؑ کا غم — بانوؑ کے جگر سے داغِ اکبرؑ پوچھے

بستی کو اُجاڑ کر بسایا ہے اِسے — گھر اپنا بگاڑ کر بنایا ہے اِسے
سوئیں گے لحد میں پاؤں پھیلا کے انیسؔ — کھویا ہے جو نقدِ جاں تو پایا ہے اِسے

مہماں کی عزت میں بڑی عزت ہے — ہر اک دانہ میں خُلد کی نعمت ہے
ہے پیشِ خدا جلیل وہ مثلِ خلیلؑ — کیا عزت و توقیر ہے کیا عظمت ہے

عازم طرفِ عالمِ بالا ہوں میں — اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں
یا رب! ترا نامِ پاک جپنے کے لیے — گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

کیونکر نہ سحاب جوشِ غم سے برسے — کیوں برق گرے نہ اوجِ گردوں پہ سے
کیوں رعد کرے نہ شور و فریاد و فغاں — پانی کو جو ابنِ میرِ کوثر ترسے

گر سبطِ نبیؐ کی مہربانی ہو جائے — مردوں کی لحد میں زندگانی ہو جائے
ڈرتے ہیں دوزخ سے محبانِ حسینؑ — سایہ ڈالیں تو آگ پانی ہو جائے

یک بار درود جو نبیؐ پر بھیجے — حسنینؑ و بتولؑ اور علیؑ پر بھیجے
اونیٰ ہو بشر یہ پاوے رتبۂ اعلیٰ — دس بار درود حق اسی پر بھیجے

کیا دخلِ سخن کوئی فلک پر پہنچے — نہ آہ غریب و نہ تونگر پہنچے
جب حلِّ علیٰ نبیؐ و آلہٖ کہیے — تو عرش تک دُعا کا لشکر پہنچے

اک آن نہیں حق سے جُدا حیدرؑ ہے — حق کا کرم و لُطف و عطا حیدرؑ ہے
حُور و غلمان ملائک و جن و بشر — سب جانتے ہیں عقدہ کشا حیدرؑ ہے

مولا مرے مقتل کے قریب آ پہنچے — جنگل کی طرف عرش مکیں آ پہنچے
اے مومنو! مشغولِ بکا ہو شب و روز — ایامِ عزائے شہِ دیں آ پہنچے

عیاں بالکل ثواب ہو جاتا ہے — پرسش سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
نبق ہے شراب تو نجف میں سرکہ — جو زائرِ بُو ترابؑ ہو جاتا ہے

انیسؔ کے بارے میں بعض نئی معلومات

میر انیسؔ کے دادا میر حسن نے اپنے اسلاف کا ذکر تذکرہ شعرائے اُردو اور کلیات کے دیباچے میں کیا ہے۔ دونوں کتابوں میں ان کے جدِ اعلیٰ کا نام میر برات اللہ مندرج ہے۔ یہ سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ اب پہلی مرتبہ کیا جا رہا ہے۔ دراصل ان کا نام میر ہدایت اللہ تھا۔ راقم کے پاس میر حسن کے تذکرہ شعرائے ہندی کا قدیم ترین مخطوطہ ۱۱۸۸ھ کا مکتوبہ ہے اور غالباً مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں میر حسن اپنے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ:

"اصل ایں فقیر ابن میر غلام حسین بن عزیز اللہ ابن میر ہدایت اللہ ابن میر امامی ہروی از ہرات است۔"[1]

میر انیس فیض آباد میں بمقام گلاب باڑی ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوئے۔[2] انیس کے سوانح نگاروں نے مذہبی علوم میں دو اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک میر نجف علی فیض آبادی اور دُوسرے مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام کا۔ راقم الحروف کو مولوی حیدر علی کی استادی مشکوک نظر آتی ہے۔ اس نام کے دو علما ہوئے ہیں، ایک فیض آباد اور دُوسرے لکھنؤ کے۔ دونوں مولوی صاحبان عمر میں انیس سے چھوٹے تھے۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک کے استاد ہونے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ اوّل الذکر نے میر انیس کے عقاید کے خلاف کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے منتہی الکلام[3] سرِ فہرست ہے۔ رشک لکھنوی (متوفی ۱۲۸۴ھ) نے ایک مثنوی بغیر نام کے لکھی اور یہ "مثنوی بے نام" ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں مطبع احمدی لکھنؤ میں چھپی۔ اس کا ایک نایاب اور نادر نسخہ جناب مسعود حسن رضوی کے کتاب خانے میں راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ مثنوی میں مولوی حیدر علی فیض آبادی کی زبردست ہجو کی گئی ہے۔ ایک شعر نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے: ؎

ایک فیض آباد کا حیدر علی　　　وہ خفی مردود ہے، مرتد جلی

آزاد انہی کو میر انیس کا استاد قرار دیتے ہیں۔ دوسرے مولوی صاحب یعنی مولوی حیدر علی[4] کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لکھنؤ کے

---

[1] تذکرہ شعرائے اُردو مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری، مطبوعہ اردو پبلشرز لکھنؤ۔

[2] موازنہ انیس و دبیر ص ۲۷ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۶ء

[3] اس کتاب کے بارے میں اودھ اخبار ۲۴ مارچ ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۸۲ میں "منتہی الکلام" کی سرخی کے تحت عبارت ذیل درج ہے:

"حسب اشتہار مندرجہ اودھ اخبار ۱۲ اپریل ۱۸۶۲ء کتاب منتہی الکلام تالیف مولوی حیدر علی صاحب قریب الاختتام ہے۔ ہند میں تحقیقات مذہبی میں یہ نسخہ اہلِ تسنن کے نزدیک ایک مستند ہے۔ پہلے چھاپا گیا تھا قیمت اس کی ۔۔۔ تک تھی۔ مگر اس پر بھی جلد ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ کمیابی سے حکمِ عنقا رکھتا ہے لہٰذا بنظرِ تسہیل خریداری قیمت اس کی باوصف عمدہ چھاپا و صحت مالا کلام ایک جلد کے خریدار کے لیے ۔۔۔ اور خریداران نسخ متعددہ کے واسطے بدرجۂ تخفیف قیمت ہے۔ بیوپارانہ قیمت میں اور بھی مراعات ہے۔ تاکہ اربابِ شوق دل سے خریداری میں توجہ فرمائیں۔ لہٰذا جن کو ضرورت ہو مطبع نول کشور واقع لکھنؤ میں درخواست بھیجیں۔"

[4] مولوی حیدر علی محلہ توپ دروازہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور مفتی محمد عباس قبلہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تجلیات (عزیز لکھنوی) میں درج ہے کہ ان کا پایۂ علمی بہت بلند تھا اور علم و ادب میں آپ کا کمال مشہور تھا۔ شاعر بھی تھے اور عربی میں صاحبِ دیوان تھے۔ آپ کئی سال تک نواب لطف علی خاں مرحوم رئیسِ پٹنہ کے یہاں امام جمعہ و جماعت تھے اور کئی سال چھ مہینے لکھنؤ اور چھ مہینے پٹنہ میں رہتے تھے۔ ۱۹ محرم ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ امام باڑہ ممتاز العلما سید تقی صاحب میں مدفون ہوئے۔ تاریخ یہ ہے: ؎

بولا سر ادب کو جھکا کر دلِ حزیں　　　تاریخ لاجواب عدیم النظیر ہے

(تذکرہ بے بہا صفحہ ۱۳۲ سید محمد حسین نوگانوی)

عالم جید تھے۔ اور ان کے نام سے ایک مسجد کٹرہ حیدر حسین خاں میں اب تک موجود ہے۔ راقم نے اس مسجد کے بارے میں لکھنؤ کے مسن لوگوں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں اس نام کی کوئی مسجد نہیں ہے۔ میر انیسؔ کے دوسرے استاد میر نجف علی مولوی دلدار علی غفراں مآب کے ہم عصر تھے۔ وہ آئینۂ حق نما اور سبیکۃ الذہب کی روشنی میں کشمیری تھے۔

غزل گوئی

انیسؔ کی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے ہوا تھا۔ اس صنف میں اصلاح کس سے لیتے تھے، معلوم نہیں ہو سکا۔ ناصرؔ لکھنوی خوش معرکۂ زیبا نسخۂ پٹنہ میں لکھتے ہیں کہ،

"عہدِ شباب میں جبکہ فیض آباد میں تھے اوائل میں چند غزلیں بھی کہی تھیں۔ جب سے لکھنؤ میں تشریف لائے شوق مرثیہ گوئی کا ہوا۔ وہ سب غزلیں یک قلم دھو ڈالیں۔ نسیاً منسیاً کیں۔"[1]

بقولِ مولف گلستان سخن انیسؔ کو غزل گوئی میں دستگاہ تمام اور زبان پر قدرت حاصل تھی۔[2] "خوش معرکۂ زیبا" نسخۂ لکھنؤ میں مذکور ہے کہ مولفِ تذکرہ کو ذیل کے تین شعر میر علی اوسط رشکؔ (متوفی ۱۲۸۴ھ) کی معرفت دستیاب ہوئے تھے:

(۱) یہی باعث ہے اس بے رحم کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں سے کسی کے دل کے جلنے کا

(۲) رہا تن میں نہ خوں باقی گیا موسم جوانی کا
شباب آخر ہوا روشن چراغ زندگانی کا

(۳) جو میں رگڑا سر ترے پاؤں پہ، مرادفعۃً گیا دردِ سر
یہ خواص صندلِ سُرخ ہے مری جاں رگِ حنا نہیں

پہلا شعر انیسؔ نے اپنے والد میر خلیق (متوفی ۱۲۶۰ھ) کے سامنے شیخ ناسخؔ (متوفی ۱۲۵۴ھ) کی موجودگی میں پڑھا تھا۔ شیخ صاحب شعر سُن کر جھوم اُٹھے تھے اور انھیں کے کہنے پر حزیںؔ تخلص چھوڑ کر انیسؔ اختیار کیا تھا۔[3] خوش معرکۂ زیبا نسخۂ پٹنہ میں انیسؔ کی جو غزل اور دو شعر درج ہیں ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ تذکرہ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ:

"چونکہ غزل میر صاحب کی شہر لکھنؤ میں صفتِ عنقا نایاب ہے۔ بہت تلاش سے ایک غزل دستیاب ہوئی واسطے ناظرین کے لکھی جاتی ہے۔"

شہیدِ عشق ہوئے قیسؔ نامور کی طرح — جہاں میں عیب بھی ہم نے کیے ہُنر کی طرح

---

[1] خوش معرکۂ زیبا ص ۲۹۹ جلد اول، مرتبہ مشفق خواجہ کراچی [2] گلستانِ سخن صفحہ ۱۲۵ مرزا قادر بخش صابرؔ

[3] واقعاتِ انیسؔ ص ۲۰

کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق سحر کی طرح — ڈھلا ہی جاتا ہُوں فرقت میں دوپہر کی طرح
تمھارے حلقۂ بگوشوں میں ایک ہم بھی ہیں — پڑا رہے یہ سخن کان میں گہر کی طرح
نحیف و زار ہیں کیا باغباں سے زور چلے — جہاں بٹھا دیا بس رہ گئے شجر کی طرح
خدا جہاں میں سلامت رکھے تجھے اے قبر — کہ سوئے پاؤں کو پھیلا کے اپنے گھر کی طرح
ہماری قبر کو کیا احتیاجِ عنبر و عود — سُلگ رہا ہے ہر اک استخواں اگر کی طرح
سیاہ بختوں کو یوں باغ سے نکال لے چرخ — کہ چار پھول تو دامن میں ہوں سپر کی طرح
تمام خلق ہے خواہانِ آبرو یا رب! — چُھپا مجھے صدفِ قبر میں گہر کی طرح
تجھ ہی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں — مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح

انیسؔ یُوں ہوا حالِ جوانی و پیری
بڑھے تھے نخل کی صورت گرے ثمر کی طرح

خموش اے بلبلِ شوریدہ اس میں کیا ہے بس میرا
یہ اپنی اپنی قسمت ہے، چمن ترا، قفس میرا

بنے یُوں تین در دریا کے اندر
کہ ششدر رہ گئی سدِّ سکندر

کلب حسین خاں نادرؔ (متوفی ۱۲۹۵ھ) نے ۱۲۸۳ھ میں اپنا دیوان مخمس ترتیب دیا تھا۔ "دیوان غریب" تاریخی نام ہے اس میں میر انیسؔ کی غزل کے سات شعر درج ہیں اور وہ یہ ہیں:

وجد ہو بلبلِ تصویر کو جس کی بُو سے — اس سے گلرنگ کا دعوٰی کرے پھر کس رو سے
کس سے اے شوخ ہوئی رات کو ہاتھا پائی — نورِ تن آج جو ڈھلکا ہے تیرے بازو سے
کل تو آغوش میں شوخی نے ٹھہرنے نہ دیا — آج کی شب تو نکل جاؤ مرے قابو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے — آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے
ایک دن وُہ تھا کہ تکیہ تھا کسی کا زانو — اب سر اٹھتا ہی نہیں اپنے سرِ زانو سے
نزع میں ہُوں مری مشکل کرو آساں یارو — کھولو تعویذِ شفا جلد مرے بازو سے

شوخیِ چشم کا تُو کس کے ہے دیوانہ انیسؔ
آنکھیں مُلتا ہے جو یُوں نقشِ سمِ آہُو سے

ذیل کی غزل بھی انیسؔ کے نام راقم الحروف کی نظر سے گزری ہے:

اشارے کیا نگہِ نازِ دلربا کے چلے — جب اُن کے تیر چلے نیچے قضا کے چلے
پکارکھتی تھی حسرت سے لاشِ عاشق کی — صنم کہاں ہمیں تو خاک میں ملا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
ملا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا — انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے
مثالِ ماہیِ بے آب موج تڑپا کی — حباب پھوٹ کے رُوئے جو وہ نہا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے — کفن میں ہم بھی عزیزوں سے مُنھ چھپا کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

راقم الحروف کو ندوۃ العلوم لکھنؤ کے کتب خانے سے میر انیسؔ کی ایک غزل دریافت ہوئی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:

بتوں سے آنکھیں لڑا چکے ہیں غضب کے صدمے اٹھا چکے ہیں
ہوئی ہے برباد زندگانی کیے کو ہم اپنے پا چکے ہیں
بقصدِ شبخوں لگا کے مِسّی لبوں پہ لاکھا جما چکے ہیں
نہ باز آئیں گے میرے خوں سے وہ اس کا بیڑا اٹھا چکے ہیں
جو بیٹھے آئینہ شانہ لے کر تو شام سے لے کے صبح کر دی
ہُوا جو پچھلے پہر کا تڑکا تب آپ چوٹی گندھا چکے ہیں
ہوس جہاں کی مٹا چکے ہیں قضا کے پیغام آ چکے ہیں
وہ تیغ اپنی اٹھا چکے ہیں ہم اپنی گردن جھکا چکے ہیں
بجا ئی تم نے جو میری جاں اب جہاں میں ہے دھوم اے شکر لب
جدھر نکلتے ہو کہتے ہیں سب یہی تو مردہ جِلا چکے ہیں
عجب طبیعت اُدھر لگی ہے مری نظر سوئے در لگی ہے
ذرا ٹھہر جا خبر لگی ہے سُنا ہے در تک وہ آ چکے ہیں
اندھیرا ہے خوف کچھ نہ کھاؤ، خیالِ نقشِ قدم نہ لاؤ
نظر کی صورت چلے بھی آؤ ہم اپنی آنکھیں بچھا چکے ہیں
صغیر غم کیا جو وہ نہ آیا، اجل بھی آخر نہ آئے گی کیا
جنھیں کہ مرنے کی ہے تمنّا وہ جینے سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں

گئے ہیں چھپ کر رقیب کے گھر قدم نکلے ہیں حد سے باہر
ابھی تو آگے نہ ہو گا کیا کیا، حیا کا پردہ اٹھا چکے ہیں

انیسؔ ایسے نہیں وہ ناداں سمجھ نہ جائیں سخن کی تہ کو
غزل کے پردے میں اپنا مطلب ہم ان کو بالکل سنا چکے ہیں

جناب محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں میر انیسؔ کی آٹھ قلمی جلدیں ہیں۔ چھٹی جلد میں "جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج" کے اختتام میں ذیل کے اشعار تضمین کے عنوان سے دریافت ہوئے۔ یہ بھی غزل سے متعلق انیسؔ کی تصنیف سے ہیں:

زباں میں لکنت، صدا میں رعشہ، نہ دل میں طاقت، نہ تن میں جاں ہے
نہ وہ فصاحت، نہ وہ بلاغت، نہ وہ طلاقت، نہ وہ بیاں ہے
ہوئی ہے بالوں پہ برف باری، فسردگی سر بسر عیاں ہے
گیا جوانی کے ساتھ سب کچھ وہ گرمیِ عشق اب کہاں ہے
جو کی ہے اس وقت آہ میں نے بجھی ہوئی آگ کا دھواں ہے

مرثیہ گوئی میر انیسؔ اردو کے سب سے برتر شاعر ہیں۔ ان کی مرثیہ گوئی نے اُردو شاعری کو بلند ترین درجے پر پہنچا دیا اور دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اس فن میں وہ اپنے والد میر مستحسن خلیقؔ کے شاگرد تھے۔ ایک مرثیے کے مقطع میں کہتے ہیں: ع

حقا کہ یہ خلیقؔ کی ہے سر بسر زباں

ایک اور جگہ کہتے ہیں: ؎

طرزِ کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجدادِ با وقار سے میراث پائی ہے

جب خلیقؔ کا انتقال ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں ہوا تو انیسؔ کو بے حد قلق ہوا۔ اس کا اظہار انھوں نے ایک مرثیے میں کیا ہے جو عبد الحسین کی مراثی انیسؔ جلد ششم جدید میں مرثیہ نمبر ا کے تحت شامل ہے۔ مطلع یہ ہے: ع

بلبل ہوں بوستانِ شہِ تاجدار کا ۱۳۳ بند

مرثیہ کے چہرے میں انیسؔ نے خلیقؔ کی موت پر اپنے صدمے کا اظہار ذیل کے بندوں میں کیا ہے:

بلبل ہوں بوستانِ شہِ تاجدار کا طرّہ ہے یہ کلام دُرِ شاہوار کا
گلدستۂ سخن پہ ہے عالم بہار کا سارا یہ فیض ہے شہِ عالی وقار کا
حاسد سے کچھ غرض ہے نہ اس سے گلا مجھے
جاگیر خلد لینا ہے اس کا صلا مجھے

کرتا ہوں وصفِ سبطِ پیمبرؐ اگر رقم   ہوتا ہے جوش بحرِ طبیعت کو دمبدم
گو عیب ہیں بہت ہیں ہُنر ہیں بہت ہی کم   دشمن بھی مدح کرتے ہیں یہ شہ کا ہے کرم
طرزِ کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجدادِ با وقار سے میراث پائی ہے

ادنیٰ سے اُن کے فیض نے اعلیٰ کیا مجھے   ذرہ تھا گو پہ مہر کی بخشی ضیا مجھے
سائے نے ان کے دے دیا ظلِ ہما مجھے   صدقے سے ان کے مل گئی طبعِ رسا مجھے
فرزند میں خلیق سے عالی ہمم کا ہوں
دُرِ یتیم میں اسی بحرِ کرم کا ہوں

یا رب! یہ کیسی باغِ جہاں میں ہوا چلی   لالے کی طرح داغِ دلِ زار ہیں جبلی
آئی صدائے آہ جو چٹکی کوئی کلی   ہے خار رنج سے دلِ بلبل کو بیکلی
گلچین موت گل کو جو صرفِ خزاں کرے
کیا عندلیب زمزمہ پردازیاں کرے

نیرنگیاں دکھاتا ہے باغِ جہاں نئی   فصلِ بہار میں بھی ہے شکلِ خزاں نئی
سنتے ہیں عندلیب چمن کی فغاں نئی   کھٹکے عجیب ہوتے ہیں آفت عیاں نئی
شاداب تھے جو پھول وہ کمھلا کے رہ گئے
غنچے نہ کھلنے پائے کہ مرجھا کے رہ گئے

آئے خزاں گلوں پہ تو ہو پھر بہارِ غم   تازہ ہوائے آہ سے ہوں برگ و بارِ غم
داغوں کے گل کھلیں تو گلوں میں ہوں خارِ غم   آنسو بہیں تو پھولے پھلے شاخسارِ غم
گلچیں نسیمِ غم ہو الم باغباں ہے
نالہ ہو عندلیب تو دل آشیان ہے

جو سرو راست قد تھے ہوئے خاک میں نہاں   کُوکُو کا شور قمریوں میں ہے یہاں وہاں
تیغِ اجل گلوں پہ چلی آگئی خزاں   اڑتی ہے خاک خار ہوا گلشنِ جہاں
افسوس ہے خلیق سا مشفق پدر نہیں
اس رنج سے کسی کو کسی کی خبر نہیں

عبرت ہے باغِ دہر کی کٹتی ہے صبح و شام   راہی ہوا کوئی تو کسی نے کیا مقام
پامالِ ظلم اور چمن ہوں تو کیا کلام   تاراج جب ہو باغِ رسولِ فلک مقام

افسوس کربلا میں ستم پر ستم ہوا
اک دو پہر میں گلشنِ حیدرؑ قلم ہوا

ایک اور مرثیے میں خلیق کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب　　نام لے دھو لے دہن کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہراؑ و علیؑ عاشقِ رب　　تبعِ مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب
ہے اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

لکھنؤ میں میر انیس کی مستقل سکونت

بقول صاحبِ واقعاتِ انیس زمانۂ عہد امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ-۱۲۶۳ھ) میں میر انیس کا مستقل قیام لاہور میں ہوا ہے[1]۔ صحیح تاریخ اب تک معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ امجد علی شاہ کے آغازِ حکومت میں لکھنؤ میں مرثیہ گوئی میں نام پیدا کر چکے تھے اور اس فن میں مرزا دبیر کے ہم پلہ تھے بلکہ خواص کی نظر میں ان سے برتر تھے۔ نجابت حسین خاں عظیم آبادی ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء کی ابتدا میں سفر کے سلسلے میں وارِدِ لکھنؤ ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے سفر نامہ میں میر انیس کی ایک مجلس کا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ کتاب فارسی میں ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا نام سوانح لکھنؤ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جناب مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ مجلس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

"مجھے ۲۶، ربیع الاول ۱۲۵۹ھ جمعرات کو میر انیس کی مجلس سننے کا اشتیاق ہوا۔ میں مصطفےٰ خان کے امام باڑے میں گیا جو میرے گھر سے بہت دور تھا۔ مجلس لوگوں سے چھلک رہی تھی۔ پہلے ایک شخص نے منبر پر فضائلِ اہلبیت اور حدیث خوانی کی۔ بعد آں میر انیس نے بکمالِ فصاحت و بلاغت و متانت مجلس پڑھی۔ حاضرین و سامعین پر رقت کا غلبہ طاری ہوا۔ مجلس کے دوران ہر فردِ واحد کی زبان سے واہ وا اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ان کے کلام کی جس قدر تعریف کی جائے اس میں مبالغہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس فن میں وہ مرزا دبیر سے آگے ہیں۔"

نجابت عظیم آبادی کے بیان کی تائید نوبت رائے نظر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میر انیس نے پہلی مجلس مصطفےٰ خاں نامی ایک بزرگ کے یہاں تحسین گنج میں پڑھی تھی[2]۔ البتہ تاریخ کے بارے میں وہ بھی خاموش ہیں۔

انیس کی ایک تاریخی مجلس

'روحِ انیس' میں جو فوٹو میر انیس کی ایک مجلس کا شائع ہوا اس کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے جناب مسعود حسن رضوی نے یہ نہیں بتایا کہ مجلس کس امام باڑے اور

---

[1] واقعاتِ انیس ص ۳۱ جدید ایڈیشن　　[2] میر انیس مغفور مطبوعہ 'زمانہ' کانپور ۱۹۰۵ء

زمانے کی یادگار ہے۔ ماہِ نو کراچی میر انیس نمبر مطبوعہ ۱۹۷۴ء میں اس مجلس کا فوٹو شائع کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

"محلِ شاہی میں میر انیس مجلس پڑھ رہے ہیں ان کی تکریم کے لیے تاجدارِ اودھ واجد علی شاہ مورچھل لیے استادہ ہیں"۔

مجلس کا فوٹو "دبستانِ انیس" راولپنڈی مطبوعہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں بھی چھپا ہے۔ مجلس کے نیچے ذیل کی عبارت ہے:

"حیدر آباد دکن میں ایک مجلس۔ میر انیس منبر پر، میر مونس کھڑے ہوئے ہیں"

راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ در اصل یہ امام باڑہ بتولی بیگم صاحبہ کا تھا جو اب بھی موجود ہے۔ موصوفہ نواب سالار جنگ (متوفی ۱۲۰۱ھ) برادر بہو بیگم صاحبہ کے خاندان سے تھی۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف رئیس نواب خادم حسین خاں عرف نواب ننھے بتولی بیگم کے نواسے اور امین الدولہ کے پرپوتے تھے۔ راقم نے حال ہی میں اس امام باڑے میں پیارے نواب صاحب برادر زادہ نواب ننھے سے مرزا علی خان کے احاطے (مفتی گنج) میں دریافت کیا تھا۔ موصوف امام باڑہ بتولی بیگم کے حصہ دار تھے۔ اب ان کا انتقال سالِ گزشتہ ہوا۔ اس وقت امام باڑے میں پیارے نواب صاحب کی بہن عرف بیوی جانی رہتی ہیں اور پورا امام باڑہ انھی کی ملکیت میں ہے۔ داروغہ محمد خاں بتولی بیگم کے منتظم تھے۔ بعض ناواقف لوگ اسے غلطی سے امام باڑہ داروغہ محمد خان کہتے ہیں۔ یہی غلطی حیاتِ دبیر کے مصنف نے بھی کی ہے۔ میر انیس بتولی بیگم کے امام باڑے میں بقول صاحبِ حیاتِ دبیر، ہر مہینے کی ۲۳ تاریخ کو عہدِ واجد علی شاہ میں پڑھتے تھے۔ اس مجلس اور امام باڑے کی قلمی تصویر پیارے نواب صاحب کے پاس تھی جو ان سے بعد میں راجہ صاحب محمود آباد نے لے لی تھی۔ اس وقت یہ تصویر جناب مہاراجکمار صاحب کے پاس ہے۔ اس کا ایک فوٹو امیر الدولہ راجہ امیر حسن (متوفی ۱۳۲۳ھ) والیِ محمود آباد کی بنا کردہ امیر الدولہ پبلک لائبریری قیصر باغ لکھنؤ میں محفوظ ہے۔ تصویر پر ۱۲۷۲ھ (مطابق ۱۸۵۵ء) کی تاریخ بھی درج ہے۔ بتولی بیگم کا اماباڑہ مفتی گنج لکھنؤ میں نواب قاسم علی خاں (متوفی ۱۲۳۴ھ) فرزند نواب سالار جنگ کے باغ کے ملحق ہے جس کے عقب میں میر حسن کی قبر ہے۔

'رُوحِ انیس' میں جناب سید مسعود حسن رضوی صاحب نے میر انیس کی تحریر کا عکس شائع کیا ہے۔ اس میں چار بند ہیں آغازِ مرثیہ میں "بسم اللہ خیر الاسما" کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے بعد مرثیہ ذیل کے مطلعے سے شروع ہوتا ہے:

مجلس کا انتظام اسی شہر پہ ہے ختم

یہ چاروں بند مطبوعہ مرثیہ مطبع نظامی بدایونی جلد اول میں نہیں ہیں۔ مرثیہ اس مطلعے سے شروع ہوتا ہے:

جب لشکرِ خدا کا عَلَم سرنگوں ہوا ۲۱۹ بند

اس کے تین قلمی نسخے راقم کو دستیاب ہوئے۔ تینوں نسخوں میں ۱۶ بند زیادہ ہیں۔ ان میں وہ چار بند بھی ہیں جن کا عکس 'روحِ انیس' میں چھپا ہے اور جو بقول مسعود صاحب میر انیس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ذیل میں فاضل بندوں میں سے چند بند پیش کیے جاتے ہیں:

ہر دل ہے عندلیبِ گلستانِ لکھنؤ   رضواں بھی ہے ارم میں ثنا خوانِ لکھنؤ
گلزارِ مومنین ہے زہے شانِ لکھنؤ   نعرے علیؑ علیؑ کے ہیں قربانِ لکھنؤ
شیعہ ہر ایک عاشقِ شیدا علیؑ کا ہے
بے فصل سب کو عشق خدا کے ولی کا ہے

کہتے ہیں ان کو دیکھ کے قدسی باحترام وہ گل ہیں یہ کہ باغِ ارم جن کا ہے مقام
ناجی ہیں ان کو نارِ جہنّم سے کیا ہے کام لکھے ہوئے ہیں مصحفِ زہراؑ میں ان کے نام
سب ہیں غلامِ خاص شہِ مشرقین کے
جنّت میں ساتھ ہوں گے یہ غنچے حسینؑ کے

ذی علم، نکتہ فہم، سخن سنج، ذی شعور ذی قدر، ذی وقار، فرد تن، سخی غیور
نخوت نہ خود سری نہ تجبر نہ مکر و زور وضعیں درست، قلب صفا اور رخوں پہ نور
کیوں کر نہ عرش و فرش پہ یہ نیک نام ہوں
آقا حسینؑ ساتھ تو ایسے غلام ہوں

وفات میر انیس کا انتقال بعمر ۷۲ سال (قمری) چند ماہ بعارضۂ تپ دق چوپداری محلہ (سبزی منڈی) لکھنؤ میں مورخہ ۲۹ شوال روز پنجشنبہ ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء کو قریب شام ہوا[1] اور شبِ جمعہ کو ہی اپنے باغ میں دفن کیے گئے۔ جناب سید بندہ حسینؒ[2] قبلہ نے نماز پڑھائی۔ ۱۹۵۶ء میں جب راقم نے یہ مقبرہ دیکھا تو اس کی حالت بڑی خستہ تھی۔ خاندان انیس کے افراد اور سید مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کی پرخلوص کوشش سے مقبرہ حال ہی میں بڑی خوب صورتی سے از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ جناب بخشی غلام محمد مرحوم سابق وزیر اعظم کشمیر نے مقبرے کی تعمیر کے لیے کشمیر سرکار کی طرف سے دس ہزار روپے کا عطیۂ گراں دیا تھا۔ میر انیس نے مرنے سے قبل ذیل کی رباعیاں کہی تھیں:

ہر آن گھٹتی جاتی ہے طاقت میری بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جو ہیں انیس اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

نہ آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی آواز علیؑ علیؑ کی، ہاں نکلے گی
جس طرح نگہِ چشم سے باہر ہو انیس یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

درد و الم ممات کیوں کر گزرے یہ چند نفسِ حیات کیوں کر گزرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی تھک کر انیس اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

---

[1] اودھ اخبار مورخہ یکم جنوری ۱۸۷۵ء

[2] سید بندہ حسین لکھنؤ کے مشہور و معروف مجتہد جناب سید محمد قبلہ سلطان العلماء کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا انتقال بعارضۂ دق ۲۹ ماہ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ کو ہوا۔ امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ مادۂ تاریخ: "پیشوائے مومنین رفتہ ز دنیا آہ آہ" (تذکرہ بے بہا ص ۵۶)

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں　　رخصت اے زندگانی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری　　اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں[1]

ذیل کی رباعی وقتِ آخر کہی تھی :

عازم طرفِ بالا ہوں میں　　اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں
یا رب ترا نام پاک جپنے کے لیے　　گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں[2]

میر مونس[3] انیس کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ انیس کی وفات سے ان پر جو صدمۂ گراں گزرا تھا اس کا اظہار ذیل کی رباعیات سے ہوتا ہے :

انیس نے کیا دنیا سے انتقال افسوس　　جہان سے گیا، کیا صاحبِ کمال افسوس
زمینِ شعر و سخن جس کے دم سے روشن تھی　　وہ آفتاب ہوا مورِدِ زوال افسوس

خوش فہم و سخن سنج و سخنداں نہ رہا　　ذی رتبہ و ذی شوکت و ذیشاں نہ رہا
ہو جاتی تھی جس سے بزم سرِ مطلعِ نور　　ہیہات وہ آفتابِ تاباں نہ رہا

مداحِ نبی و آلِ دُنیا سے اٹھا　　خوش خصلت و خوش جمال دنیا سے اٹھا
تھا بدر صفت کمال جس کا روشن　　افسوس وہ ذی کمال دنیا سے اٹھا

افسوس ولا انیس مغفور نہیں　　ہر چشم لہو روئے تو کچھ دُور نہیں
تارے بھی ہیں خورشید بھی ہے ماہ بھی ہے　　آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور نہیں

انیس کی وفات پر بہت سے باکمال اور مستند شعرا نے تاریخیں کہیں۔ راقم الحروف نے بڑی محنت سے بعض نایاب دواوین سے

---

[1] دیوانِ فصاحت عنوان صفحہ ۲۴۰ مصنفہ میر مونس　[2] ... [3] میر محمد نواب، مونس تخلص۔ مرثیہ گوئی میں اپنے والد میر خلیق کے شاگرد تھے اور اس فن میں انیس سے کچھ کم نہ تھے اور ان کے مقابلے میں شہرت بھی ماند پڑ گئی تھی۔ نہایت زود گو تھے۔ ان کے بہت سے قلمی و غیر مطبوعہ مرثیے رشید صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ تین جلدوں اور سلاموں کا مجموعہ "دیوانِ فصاحت" عنوان کے نام سے مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا۔ انیس کے انتقال کے کچھ ہی مہینوں کے بعد صفر ۱۲۹۲ھ میں رحلت کی۔ منیر شکوہ آبادی نے تاریخ کہی :

حضرتِ مونس وحیدِ عصر تھے　　لکھنؤ میں کی قضا افسوس ہائے
وہ فصاحت وہ بلاغت وہ زباں　　ذاکرِ نامی موا افسوس ہائے

(تنویر الاشعار صفحہ ۵۴۸)

حسب ذیل تاریخیں دریافت کی ہیں:

مرزا دبیر

داد خواہیم یا غیاث المستغیثین الغیاث	از کہ دل مانوس گردد بے سخنور اے انیس
عبرۃ للناظرین گردید افلاک و زمین	دیدنی نبود مہ و خورشید و اختر بے انیس
وا دریغا عینی و دینی دو بازویم شکست	بے نظیر[1] اول شدم امسال و آخر بے انیس
یادگار رفتگاں ہستیم و مہمانِ جہاں	چند روزہ چند ہفتہ بے برادر اے انیس
الوداع اے ذوقِ تصنیف الفراق اے شوق نظم	شد حواس خمسہ و دہ عقل ششدر اے انیس
پوست کندہ موشگافان سخن گویند حیف	ہر سر مو بر رگ جانست نشتر بے انیس
بسکہ در بزمم بسوزد داغ بر بالائے داغ	نیست جز طاؤس دل پروانہ دیگر بے انیس
نیست ایام تماشائی چمن اکنوں کہ ہست	دانۂ شبنم سپند و غنچہ مجمر بے انیس
تازہ مضموں نظم می فرمود در ہر بحرِ شعر	چشمۂ چشمم شود ہم چشمہ کوثر بے انیس

سالِ تاریخش بز بر د بقیہ شد زیب نظم

طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس = ۱۲۹۱ سنہ ہجری

در سنین عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف	گرچہ طبعم بود محزون و مکدر بے انیس
آسماں بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین	طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

۱۸۷۴ء

راقم کو دبیر کی اس تاریخ کا قدیم ترین نسخہ جناب قبلہ و کعبہ سید محسن نواب مرحوم مجتہد لکھنؤ کے کاغذات میں نظر سے گزرا۔ تاریخ چھپے ہوئے رجسٹر کے فارم مطبوعہ ۱۸۷۴ء میں درج ہے اور اس پر یہ عبارت ہے:

"نقشہ ویکسینیٹر موضع و محلہ وارمعہ نام ٹیکہ یافتہ ۱۸۷۴ء"

جلال لکھنوی

ہزار سال اگر آسماں کند گردش	سخنورے نہ شود ہرگز ایں چنیں پیدا
جلال مصرعِ تاریخِ رحلتش بنوشت	انیس بودہ بعالم چہ شاعرِ یکتا ۱۲۹۱ھ

ایضاً

بلبل باغِ قدس بود انیس	شد بگلزارِ قدسیاں شامل[2]
سالِ مرگش نوشت کلکِ جلال	مر گیا ہے سخنورِ کامل ۱۲۹۱ھ

---

[1] دبیر کے بھائی غلام محمد تخلص نظیر تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا۔

[2] دیوان جلال قلمی کتاب خانہ راجہ صاحب محمود آباد

لطافت[1] لکھنوی

جو میر ببر علی تھے انیس ذاکر شاہ — وحید دہر سب اہلِ زباں کے راس و رئیس
فصیح و کامل و سحبانِ وقت و وبلِ عصر — جناں میں جاتے ہوئے ساتھ حورعین کے جلیس
قریب شام ہوئے وہ مہِ کمال تمام — اخیر چاند تھا گزرے تھے آہ دن انیس
سنا یہ واقعۂ جانکاہ جب کہی تاریخ — کہ جس میں لفظ ہیں آئے مناسب اور سلیس
بیان مصرعِ آخر کے اب صنائع ہوں — یہ فکر سمجھیں لطافت جسے حساب نویس
شروعِ مصرعِ تاریخ جو کہ ہیں دو حرف — مہینہ ایک ہے اور دوسرا ہے روزِ خمیس
سنین بھی ہیں عیاں اس سے عیسوی ہجری — جو بینات زبر ہوں رقم بہ طور نفیس
وہ مرثیہ نہ وہ پڑھنا نہ وہ بڑے مجمع — اداس مجلسِ ماتم ہے سامعین دس بیس

عجب مصرعِ تاریخ ہے ملا یکتا
یہ پنجتن کا ہے نوحہ انیس ہائے انیس[1] = ۱۲۹۱ ہجری

مرزا محمد مرتضےٰ عرف میرزا مچھو بیگ تخلص عاشق

شد بہ جنت جناب میر انیس — بعدِ چندے دبیر عالی جاہ[2]
دورہ بر دورہ گر ہزاراں سال — کند ایں چرخ پیر شام و پگاہ
ایں چنیں برگزیدگاں نشود — باز پیدا بہ عالمے واللہ
ذات ایں ہر دو بس غنیمت بود — نیست شک لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
شاعر و ذاکر حسینؑ و حسنؑ — مدح گو خاص بندۂ درگاہ
حیف اے آسماں ستم بہ ستم — رنج بر رنج و غم بغم ناگاہ
وہ دل غمزدہ دو پارہ شد — چارہ در حساب خواہ مخواہ
زیں سرائے سپنج و دو یکتا — سوئے دار البقا شدند اے آہ
عاشق از استماع ایں احوال — فکر تاریخ کرد حال تباہ

از سر جوش و درد ہاتف گفت
شدہ بیہم غروب مہر و ماہ
۱۸۷۴ - ۱۸۷۵ء

---

[1] دیوانِ لطافت صفحہ ۲۶۳ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ

[2] دیوانِ عاشق قلمی ص ۳۲۷ کتاب خانہ راجہ صاحب محمود آباد۔ اس قطعہ تاریخ میں انیس و دبیر دونوں کی تاریخِ وفات نکلتی ہے۔

آغا جو شرف

شبیرؑ کے ولا سے جناب انیس کو ‏‏‏   فردوس میں ملا ہے عجب گلشن نفیس
دنیا میں ان کو عشق دلی تھا حسینؑ سے   مداح تھے یہ، معتقد اُن کے تھے سب رئیس
منبر ملا جناں میں تو رضواں نے یہ کہا   تم ہو خطیب عرشِ الٰہی کے ہم جلیس
ان کے بیاں پہ وجد میں روح القدس ہوئے   کہنے لگے سنی نہیں ایسی زباں سلیس

عالم نے کی دُعا سنِ رحلت میں اسے شرف
روحِ امین عرش مبارک ہو اسے انیس[۱]   = ۱۲۹۱ ہجری

ایضاً

دو تاریخ واقعات یکے میر انیس و دیگرے مرزا دبیر در یک مصرع

آنکھوں میں ہیں مرے جو یہ آنسو بھرے ہوئے   لکھتا ہوں واقعہ میں انیس و دبیر کا
روزِ ازل سے عالمِ ایجاد میں بنتا   ان کے نظیر کا ہے نہ ان کی نظیر کا
جنت میں اپنے پہلوؤں میں اس نے دی جگہ   جنت میں جو امام ہے برتاؤ پیر کا
آخر غمِ انیس میں بے دم ہوئے دبیر   غم ہم صفیر نے یہ کیا ہم صفیر کا
بے شبہ دونوں خاص یہ بندے خدا کے ساتھ   دم بھرتے تھے یہ عاشقِ ربِّ قدیر کا
جانے کو بارگاہِ خدا و رسولؐ کے   بخشا لقب حسینؑ نے ان کو سفیر کا

دو داغ دونوں کے سن رحلت میں اے شرف
ہے ہے غم انیس میں غم ہے دبیر کا[۲]
۱ ۹ ۲ ۱ ۲ ۹ ۲ ۱

اودھ اخبار لکھنؤ اور انیس

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ میر انیس کا انتقال ۲۹ر شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۸۷۴ء کو ہوا۔ ان کے کچھ حالات اور وفات کی خبریں اودھ اخبار لکھنؤ میں کئی مہینوں تک چھپتی رہیں۔ اس زمانے میں اخبار کی عنانِ ادارت غلام محمد خاں تپش کے ہاتھ میں تھی۔ ذیل میں کچھ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

اودھ اخبار مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۸۷۴ء مطابق ۴ر ذیقعدہ ۱۲۹۱ ہجری روز سہ شنبہ

"افسوس ہے کہ آفتاب اوجِ کمالات غروب ہوا۔ حقیقت ہے کہ آج شہنشاہِ اقلیم سخن کی مرگ کا ماتم کرنا پڑا یعنی سحبان زمان، طوطیِ ہندوستان، صاحبِ زبانِ نفیس، حضرت میر ببر علی انیس جو لکھنؤ کے یادگار اور

---

[۱] دیوانِ شرف قلمی کتاب خانہ راجہ صاحب محمود آباد۔ [۲] ایضاً

ہندوستان کے افتخار تھے۔ انھوں نے ایک ہفتہ بیمار رہ کر پنجشنبہ کو اس جہانِ گزراں سے رخصت کی۔ طائرِ گلزارِ قدس نے قفسِ عنصری سے نکل کر گلشنِ قدس کی راہ لی انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ایسے کامل کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس افسوس ہائے افسوس.... اس واقعہ سے تمام اہلِ لکھنؤ کی جان پر وہ صدمہ ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور یقین ہے کہ ہر ایک مقام پر اس سانحہ سے آثارِ ماتم عیاں ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت دبیر سلمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کی نعش پر جاکر روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان فصیح اللساں قدر داں کے اُٹھ جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ جیسے کاملین لکھنؤ میں اپنے زمانے کے آتش و ناسخ گزرے ہیں۔ ان سے بڑھ کر ان دونوں کاملوں کا زمانہ رہا۔ خدا تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کو زندہ و سلامت رکھے۔ منشی اشرف صاحب اشرفؔ خوشنویس مطبع ہذا نے جو تاریخِ وفات لکھی ہے وہ بکمال اندوہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

چوں انیسؔ از جہاں سفر بنمود — یافتہ در جناں مکانِ نفیس

از سرِ راہ گفت اشرفؔ سال — انتخابِ زمانہ بود انیس = ۱۲۹۱ھ"

اودھ اخبار مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۸۷۴ء مطابق ۱۰ر ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ روز سہ شنبہ

"قطعۂ تاریخ وفات از سید محمد ذکی عرف سید محمد صاحب اَلمؔ شاگرد میر مونسؔ سلّمہٗ (۹ شعر)

اے وائے شد خزاں چو بہار گل سخن — از باغ نظم بلبل رنگیں کلام رفت

می بود پنج شنبہ و بست و نہم ز عید — قبل از غروب پیش شہ خاص و عام رفت

سہ سال چند ماہ بہ ہفتاد شد فزوں — چوں آں رفیع مرتبہ و ذوالکرام رفت

از دل کشید سر آہ زد ندا

سوئے ارم انیسؔ امام انام رفت"

۱۲۹۱ھ

(اخبار میں فارغ علی مراد آبادی کی چند تاریخیں بھی درج ہیں۔ ذیل میں صرف تاریخی مادے درج کیے جاتے ہیں)

۱۔ پنجے میں شیرِ مرگ کے آیا ببر علی = ۱۲۹۱ھ

۲۔ مرثیہ ہی ہوا تمام اے وائے = ۱۲۹۱ھ

اودھ اخبار مورخہ یکم جنوری ۱۸۷۵ء

"اگرچہ جناب میر انیس صاحب کی وفات کا واقعہ اور قطعاتِ تاریخ قبل اس کے درج ہو چکے ہیں مگر مفصل حال جو بعد میں پہنچا وہ بھی مع رباعیات جناب مغفور ہم نہایت تاسف کے ساتھ درج کرتے ہیں فی الحال اس زمانۂ نافرجام میں عجیب سانحہ عظیم رونما ہوا کہ بعارضۂ تپ و ورم کبد افتخار الذاکرین سلطان المداحین تاج الشعرا افصح الفصحا جناب میر ببر علی صاحب انیسؔ اعلی اللہ مقامہ و درجاتہ نے انتقال کیا۔

انتیسویں سلخ شوال یوم پنج شنبہ تھا کہ یہ آفتاب نظم اخیر روز بجرِ اجل میں غروب ہوا۔ اب ایسا ذی کمال پیدا نہ ہوگا۔ بہ سبب شبِ جمعہ ہی کو دفن ہوئے۔ صدہا آدمیوں کا مجمع ہمراہ جنازہ تھا۔ روز جمعہ یہ خبر عام ہوئی۔ تمام شہر کو شریک نہ ہونے کا بدرجۂ کمال ملال رہا کہ خبر مرگ جناب مرحوم بہ سبب شب کے کم مشہور ہوئی تھی۔ روز دوشنبہ کو امام باڑہ جناب مولانا خاتم المجتہدین جناب سید تقی صاحب[1] ممتاز العلما طاب ثراہ میں جو عقب مسجد تحسین علی[2] خاں واقعہ چوک قدیم ہے بتقریب مجلس پنجم ہوئی۔ ہزارہا آدمیوں کا مجمع تھا۔ اب نوچندی ذی الحجہ مجلس جناب مغفور امام باڑۂ مذکور میں اول وقت قرار پائی اور جناب میر خورشید علی نفیس صاحبزادے جناب مرحوم کے مرثیہ تصنیف جناب مغفور بھی پڑھیں گے۔ جن حضرات کو اکتسابِ ثواب منظور ہو وُہ شریک مجلس ہوں۔ دیکھنا اس خبر کا واسطے باشندگانِ شہر دیگر و بیرون جات کے راقم اخبار نے قرار دیا۔ ایسا نہ ہو مثل شرکت نہ ہونے ہمراہ جنازہ کے اس مجلس کی خبر نہ ہو اور شریک نہ ہوں اور چند رباعیات جو جناب مرحوم نے اس علالت میں تصنیف فرمائی تھیں اور اشعار تاریخ افصح الفصحا جناب میر نواب صاحب مونس ہمراہ عبارت ہٰذا کے چھاپتے ہیں۔

تاریخ وفات میر انیس نوشتہ میر مونس (۹ شعر)

ازمرگ انیس وا دریغا	ویراں گردید باغ ایجاد
اعجاز بیاں صدق گفتار	شیریں سخن و فصیح و استاد

---

[1] سید تقی صاحب قبلہ ممتاز العلما ۱۲۳۴ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جناب سید حسین قبلہ معروف بہ میرن صاحب کے فرزند بلند اقبال تھے۔ ۲۴ رمضان ۱۲۸۹ھ کو انتقال کیا۔ اپنے بنائے ہوئے امام باڑے واقع چوک لکھنؤ میں دفن ہیں۔ بعد انتقال جنت مآب ملقب ہوا۔ جلال لکھنوی نے تاریخ کہی:

سید تقی کہ مجتہد العصر بود، مرد	افسوس منہدم شدہ بنیاد اجتہاد
پرسیدم کہ اے جلال ز ہاتف چو سال مرگ	گفتہ ستون کعبۂ دیں ناگہاں فتاد

(دیوان جلال قلمی)

تقی صاحب نے ۱۲۷۶ھ میں امام باڑہ تعمیر کیا تھا۔ ریاض لطافت یعنی دیوانِ فصاحت میں تاریخ اس طرح درج ہے:

تاریخ بنا و تمام امام باڑہ جناب قبلہ و کعبہ ممتاز العلما سید محمد تقی

ہے جو ان کا امام باڑہ رفیع	خوب و مرغوب و تحفہ و زیبا
کہہ دیا "تعزیت سرائے حسین"	بس لطافت نے سال ہجری کا

امام باڑہ اب بھی موجود ہے۔ اس میں سید العلما جناب سید علی تقی صاحب قبلہ عشرۂ محرم پڑھتے ہیں۔

[2] تحسین علی خاں، بہو بیگم والدۂ نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا تھے۔ ۲۰ شعبان ۱۲۲۶ھ کو انتقال کیا۔ ناسخ نے تاریخ کہی۔ مادۂ تاریخ یہ ہے "وائے نواب ناظر" لکھنؤ چوک میں ان کی مسجد آصف الدولہ بہادر کے زمانے کی یادگار ہے۔ ۱۲۰۵ھ میں تعمیر ہوئی تھی "مسجد تحسین علی ست" مادۂ تاریخ ہے۔

مونس افگندہ خاک بر سر   با جان حزیں و طبع ناشاد
پرسیدم ازو چوں سالِ تاریخ
گفتا الماس نظم برباد   = ۱۲۹۱ھ

اودھ اخبار مورخہ ۲۱ر فروری ۱۸۷۵ء روز سہ شنبہ

"حضرت انیسؔ کا چہلم"

اللہ اللہ افصح الفصحا تاج الشعرا جناب میر انیسؔ کا چہلم بھی ہوگیا۔ یہ مجلس بھی قابلِ دید ہوئی تھی۔ علاوہ رؤسائے لکھنؤ کے ہزارہا آدمی شہر کے اور بیسیوں باہر شہر شریکِ جلسۂ تعزیت تھے۔ جس وقت میر نفیسؔ نے سرِ منبر مندرجہ ذیل رباعی جناب مبرور کی پڑھی اس وقت گریہ و بکا کا شور عالمِ بالا تک پہنچا تھا:

دردا کہ فراق رُوح و تن میں ہوگا   تنہا تنِ ناتواں کفن میں ہوگا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے   جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

اس مضمون سے حضرت انیسؔ کی تصویر سب کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ آخرش سب لوگ کلیجوں کو تھام کر رہ گئے اور کل من علیہا فان پڑھ کر چُپ ہو رہے۔ اسی موقع پر حضرت نفیسؔ نے ایک مخمس پڑھا:

از باغِ جہاں بلبلِ بستانِ سخن رفت   در برجِ لحد نیّرِ تابانِ سخن رفت
ہیہات کہ سرِ دفترِ دیوانِ سخن رفت   افسوس کہ شاہنشہِ ایوانِ سخن رفت
ویرانیٔ نظم است کہ سلطانِ سخن رفت

فریاد برآمد زلبِ ہر گلِ گلشن   بلبل ز غمش کرد بپا نالہ و شیون
بود است ازو راہِ سخن وادیِ ایمن   شد تیرگیِ روز سخن بر ہمہ روشن
کاں شمعِ فروزاں ز شبستانِ سخن رفت

سر دفترِ اہلِ ہنر و اہلِ زباں بود   روشن قمرِ برجِ معانی و بیاں بود
در نظمِ سخن افصح استادِ زماں بود   سرمایہ دہِ نکتہ فروشانِ جہاں بود
او رفت ز عالم سر و سامانِ سخن رفت

رفت آنکہ سرافرازیِ مجلس ز وِشش بود   تازہ گلِ مضمون ز نسیمِ رقمش بود
سیرابیِ بزمِ سخن از جامِ جمش بود   شادابیِ معنی ز سحابِ قلمش بود
از رفتنِ او فیضِ گلستانِ سخن رفت

در مجلسِ او بود ز بس جوششِ ملائک   برخاست و گردید ہمہ آغوشِ ملائک
بود است بر آوازِ خوشش گوشِ ملائک   می برد سخن سازیِ او ہوشِ ملائک
ہر کس سخنش خواند بقربانِ سخن رفت

پنہاں شدہ خورشیدِ سپہرِ ہمہ دانی　　جاں داد شہِ کشورِ اعجاز بیانی
تاریک شدہ انجمن مرثیہ خوانی　　ماتم کدہ شد خطۂ الفاظِ معانی
سلطانِ سخن شانِ سخن جانِ سخن رفت

ہرچند بظاہر بدنش زیرِ زمیں است　　روحش بفلک ہم نفسِ روحِ امیں است
یاد آور او مرثیۂ سرورِ دیں است　　خاموشِ نفیسؔ از المش طبع حزیں است
کاں شہرِ سخن بحرِ سخن کانِ سخن رفت

اودھ اخبار مورخہ ۹ر فروری ۱۸۷۵ء کی اشاعت میں کسی نامعلوم انیسیئے کا ایک طویل مراسلہ چھپا تھا۔ اس میں مرزا دبیرؔ کے اس قطعۂ تاریخ کے مادّے پر اعتراض کیا تھا:

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ　= ۱۲۹۱ھ

اسی اخبار میں مرزا دبیرؔ کا رقعہ بھی چھپا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انیسیوں نے مرزا دبیرؔ کے جس تاریخی قطعہ کے اعتراض پر اپنا زورِ قلم صرف کیا تھا آخر میں اس صدی کے ایک ممتاز انیسیے جناب سید مسعود حسن رضوی نے دبیرؔ کے اسی تاریخی قطعہ کو سنگِ مرمر کی لوح پر کندہ کرا کے حال ہی میں مزارِ انیسؔ پر نصب کرایا۔

اکبر حیدری کاشمیری
۸ر فروری ۱۹۷۹ء

مختصر تعارف تصاویرِ خاندانِ انیسؔ

تصاویر سے متعلق مختصر تعارف محترمی جناب مرزا امیر علی جون پوری کی پرخلوص کوشش کے صلے میں لکھا، موصوف نے جس محنت اور جاں فشانی سے تصاویر چھپوائیں وہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ خداوندِ عالم انھیں اپنے ارادوں میں کامیاب فرمائے۔

سید علی احمد دانشؔ آلِ انیسؔ ۲؍جون ۱۹۷۹ء

تصویر نمبر ۱: میر انیسؔ کے پردادا میر غلام حسین ضاحکؔ، آپ کی ولادت ۱۱۹۸ھ میں دلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام میر عزیز اللہ تھا۔ دہلی کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ترکِ وطن کے بعد فیض آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مرزا رفیع سوداؔ ان کے ہم عصر شمار کیے جاتے ہیں جن سے ضاحکؔ کی شاعرانہ چشمکیں رہا کرتی تھیں۔ میرے دادا صاحب میر علی محمد عارفؔ کی ایک نجی تحریری یادداشت کے مطابق میر ضاحکؔ کا ۱۱۹۶ھ میں فیض آباد میں انتقال ہوا، وہیں درگاہ میں دفن ہوئے۔ وفات اور جائے دفن کی نشان دہی غالباً ان کو انیسؔ یا میر نفیسؔ نے کی ہوگی۔ آپ کا غیر مطبوعہ دیوان صوبہ بہار کے بتیا راج کے محافظ خانے میں محفوظ ہے۔

تصویر نمبر ۲: میر انیسؔ کے دادا میر غلام حسن حسنؔ، آپ کی ولادت دلی کے محلہ سید واڑے میں ۱۱۳۶ھ میں ہوئی۔ لیکن اپنے والد میر ضاحکؔ کے ساتھ فیض آباد چلے آئے۔ لکھنؤ بھی آیا کرتے اور محلہ پیر بخارا حسین آباد میں آپ کا قیام رہتا تھا۔ فیض آباد میں وہ مرزا نوازش علی خاں بہادر سردار جنگ سے متعلق رہے۔ جب وہ لوگ لکھنؤ چلے آئے تو وہ بھی یہیں رہنے لگے۔ میر حسنؔ نے مختلف مثنویاں کہیں مگر جو قبولِ عام ہوئی وہ مثنوی سحرالبیان ہے جس کے شمول کے بغیر کوئی تذکرہ مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی تصانیف میں تذکرۂ شعرائے ہندی بھی بے حد اہم کتاب ہے جس میں میر حسنؔ نے بڑی جانفشانی سے شعرا کا مختصر تعارف اور نمونۂ کلام درج کیا ہے۔ اس تذکرے کا ایک بہت اہم نسخہ مہاراجکمار صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کا ایک دُوسرا نسخہ جو میر حسنؔ کے انتقال کے تیس سال کے بعد کا تحریر کردہ ہے راقم کے پاس موجود ہے۔ میر حسنؔ کا انتقال یکم محرم ۱۲۰۱ھ میں محلہ پیر بخارا میں ہوا اور عقب باغ قاسم علی خاں میں دفن ہوئے۔ قبر آج بھی موجود ہے۔

تصویر نمبر ۳: میر انیسؔ ابن میر مستحسن خلیقؔ، ببر علی نام اور حزیںؔ تخلص تھا۔ غالباً ۱۲۱۸ھ میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدا غزل گوئی سے کی اور کبھی کبھی ناسخؔ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ میر خلیقؔ نے ان کا تخلص حزیںؔ رکھا تھا جو لکھنؤ میں ناسخؔ نے ۱۸۱۰ء میں بدل کر انیسؔ کر دیا۔ میری نظر سے انیسؔ کے بعض ایسے مراثی گزرے ہیں جو نامعلوم وجوہ کی بنا پر اب تک طبع نہ ہو سکے۔ آپ کا بعارضۂ اسہال کبدی ۲۹؍شوال ۱۲۹۱ھ میں محلہ سبزی منڈی والے مکان کے مغربی کمرے میں انتقال ہوا۔ اپنی قایم کردہ ہڑواڑ میں بہن کے برابر سپردِ خاک کیے گئے۔

تصویر نمبر ۴ : میر انیس کے منجھلے بھائی میر مہر علی انس ۱۱ صفر ۱۲۲۳ھ کو فیض آباد میں پیدا ہوئے ۔ زیادہ تر اپنے کلام پر میر خلیق سے اصلاح لیتے تھے ۔ میر خلیق میر انیس سے بنوا دیتے تھے اور کبھی میر نواب مونس کو بھی دکھاتے تھے ۔ آپ کے زیادہ تر مراثی غیر مطبوعہ موجود ہیں بہ اعتبار خوانندگی بین لاجواب پڑھتے تھے ۔ اس بات کے میر انیس بھی معترف تھے ۔ خاندان میں آپ نے اور میر سید علی مانوس ہمیرۂ میر انیس نے طویل عمر پائی ۔ مہر علی صاحب انس کا انتقال محلہ باورچی ٹولہ میں ۶ محرم ۱۳۱۰ھ کو ہوا ۔ حکیم مہدی علی خاں کے مقبرے میں دفن ہوئے ۔

تصویر نمبر ۵ : میر خلیق سب سے چھوٹے بیٹے اور میر انیس کے چہیتے بھائی میر نواب مونس ، آپ کی ولادت ۵ محرم ۱۲۲۶ھ کو فیض آباد میں ہوئی جس کا انھوں نے اپنے ایک سلام میں بھی ذکر کیا ہے ۔ آپ کے کلام میں اپنے والد میر خلیق اور انیس کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں ۔ خوانندگی میں بھی آپ بلند درجہ پر فائز تھے ۔ طبیعت بھی بڑی باغ و بہار پائی تھی ۔ آپ کے شاگردوں کا بھی بہت وسیع حلقہ تھا جو دورِ حاضر میں میر انیس سے منسوب کیے جا رہے ہیں ۔ نشست گاہ میں آپ ہی کی وجہ سے زیادہ شعرا کا جمگھٹ رہتا تھا ۔ کبھی غزل اور کبھی مرثیہ موضوع بحث رہتا تھا ۔ اسی درمیان مثال میں میر انیس کے شعر بھی پیش کیے جاتے تھے ۔ ضرورت محسوس ہوئی تو اندر سے میر انیس کو بھی بلوا لیا جاتا تھا اور انیس ان شعری مباحث کو حل کر دیتے تھے ۔ میر مونس کے یکے بعد دیگرے دو عقد ہوئے لیکن اولاد نہ ہوئی ۔ میر انیس کے انتقال کے بعد بہت غمزدہ رہتے تھے کہ اچانک ۱۲ شوال ۱۲۹۲ھ کی شب میں نو بجے کے قریب حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال ہوا ۔ میر انیس کے برابر دفن ہوئے ۔

تصویر نمبر ۶ : میر انیس کے سب سے بڑے فرزند ۔ آپ کا نام میر خورشید علی اور تخلص نفیس تھا ۔ ۱۲۴۰ فصلی / ۱۲۳۴ھ کو فیض آباد میں پیدا ہوئے ۔ مادرِ گرامی کا نام ہنیگا بیگم تھا ۔ میر انیس نے آپ کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام کیا ۔ فیض آباد کی سکونت کے علاوہ لکھنؤ میں قبلہ و کعبہ مفتی میر عباس صاحب سے بھی بعض اہم کتابوں کی تعلیم دلوائی ۔ میر انیس فرماتے تھے کہ "خورشید علی پر مجھے اتنی محنت کرنا پڑی کہ میں وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا" ۔ آپ بہت اچھے خوشنویس بھی تھے ۔ لہٰذا ان کے والد میر انیس نے جو ماہانہ رقم مقرر کی تھی اس کے بعد قرآن مجید لکھ کر اپنی گزراوقات کیا کرتے تھے جس کا ذکر میر علی محمد صاحب عارف نے اپنے مرثیے 'نیرنگِ بوستانِ جہاں ہے بہار پر' کے چہرے کے بندوں میں تفصیل سے نظم فرمایا ہے :

تھے شاغلِ عبادتِ معبودِ پاک ذات — مائل صیام پر تھے تو راجع سوئے صلوٰت
تھا فرض انھیں ادائے سنن مثلِ واجبات — چھوڑا نہیں تلاوتِ قرآں کو تا حیات
معبودِ بے مثال کی تنزیہہ کرتے تھے
ہم پر نماز روزے کی تنبیہہ کرتے تھے

ان کی بھلا ریاضت و محنت کا کیا حساب — غافل نہ اپنے شغل سے رہتے تھے غیر خواب
ان کا ہر ایک فعل تھا منجر سوئے ثواب — اکثر کتب خطب جو لکھے ہیں بہ آب و تاب
چھوڑا نہ اس شرف کو بھی دنیا میں ساتھ سے
قرآں لکھا تمام و کمال اپنے ہاتھ سے

کر شکرِ حق کہ ذاکر و مدّاح تُو بھی ہے — اس وادیِ وسیع کا سیّاح تو بھی ہے
لاریب اس طلسم کی مفتاح تُو بھی ہے — وہ آفتاب اگر تھے تو مصباح تو بھی ہے

یہ کیا شرف ہے کم کہ غلامِ نفیسؔ ہوں
میں ورثہ دارِ نعمتِ خوانِ انیسؔ ہوں

میر نواب مونسؔ کی وفات کے بعد امیر الدولہ مہاراجا امیر حسن خاں صاحب جو خود بھی بہت اچھا شاعرانہ مزاج رکھتے تھے آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور سو روپے ماہانہ مقرر فرمایا۔ آپ کا لکھا ہوا قرآن مجید مہاراجکمار صاحب محمود آباد کے پاس محفوظ ہے۔ تقدس کا یہ عالم تھا کہ جناب میر آغا صاحب مجتہد نے فرمایا تھا "اگر علما میں سے کوئی نہ ہو تو خورشید علی صاحب نفیسؔ نماز پڑھا سکتے ہیں"۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جن میں کئی حضرات کو میر انیسؔ کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ آپ کی وفات بہ عمر ۸۰ سال ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ کو مکان انیسؔ سے متصل اپنے تعمیر کردہ مکان میں ہوئی جس میں اب میر سید علی مانوسؔ کے پوتے سید فرخ حسین صاحب رہتے ہیں۔ مقبرۂ میر انیسؔ میں مونسؔ کے برابر دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۷ : میر انیسؔ کے سب سے چھوٹے فرزند۔ آپ کا نام سید محمد اور تخلص سلیسؔ تھا۔ ۱۲۴۱ھ میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ میر انیسؔ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ خواندگی بھی خوب فرماتے تھے اور زیادہ عمر باپ کے ساتھ گزاری۔ آپ کے مراثی زیادہ تر غیر مطبوعہ لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ آخر زمانہ میں ایک متعہ کر لیا تھا اور فیض آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی وہیں علی نواب قدیمؔ پیدا ہوئے۔ میر انیسؔ کو بیٹے کی علاحدگی کا بہت صدمہ ہوا۔ سلیسؔ کی جو بیوی زندہ تھیں اور میر انیسؔ کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کے تین بچے تھے، ابو صاحب جلیسؔ، محمد نواب صاحب غیورؔ اور ایک دختر بٹو بیگم وغیرہ۔ جب بیمار ہوئے تو لکھنؤ واپس آئے اور محلہ معالی خاں کی سرائے میں ایک کرایہ کا مکان لے لیا تھا وہیں ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ میں انتقال ہوا۔ میرے دادا میر عارفؔ حسبِ وصیت جنازے کو خاندانی قبرستان لائے اور باپ اور چچا کے قریب سپردِ خاک کیا۔

تصویر نمبر ۸ : میر انیسؔ کے پوتے دُولھا صاحب۔ آپ کا نام سید خورشید حسن اور عروجؔ تخلص تھا۔ بقولِ عروجؔ ان کی ولادت ۴ رجب ۱۲۸۲ھ کو اسی مکان میں ہوئی۔ جب میر انیسؔ راجہ کے بازار والے مکان میں رہتے تھے، جو بعد کو انیسؔ نے تلسی رام کوہلی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، کیونکہ بڑی منتوں مرادوں کے بعد ہوئے تھے۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ بڑے ناز و نعم سے پرورش کی گئی اور پیار میں گھر کی عورتیں "دُولھا" کہنے لگیں، جو زیادہ مشہور ہو گیا۔ میر انیسؔ "دُولھا میاں" کہہ کر پکارتے تھے۔ میر نفیسؔ کی حیات میں شاعری سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ان کی وفات کے بعد مرثیہ کہہ کر میر عارفؔ کے پاس تشریف لائے اور اصلاح لینا چاہی۔ عارفؔ خوب روئے اور دُولھا صاحب سے کہا کاش دُولھا تم نے نانا باوا (مراد میر نفیسؔ) کی زندگی میں توجہ کی ہوتی۔ دُولھا صاحب بھی رونے لگے اور مرثیہ چھوڑ کر چلے گئے جسے بعد کو عارفؔ نے درست کر کے دے دیا۔ طرزِ خواندگی میں عروجؔ نے اپنا ایک الگ رنگ بنایا تھا جو اُنھیں تک قائم رہا۔ آج بھی لوگ انھیں یاد کرتے ہیں۔ آپ کے مراثی "عروجِ سخن" کے نام سے راجہ صاحب محمود آباد نے طبع کرا دیے تھے۔ اب اُن کی مستند سوانح عمری اور جناب عروجؔ نے خود ایک کتاب 'عروجِ اردو' لکھی تھی جسے عزیزی نیر مسعود صاحب رضوی شائع

فرمارہے ہیں: آپ نے متعدد عقد کیے لیکن پہلی بیوی کے بطن سے صرف لڈن صاحب فائز ہوئے۔ عروج کا انتقال ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ کو کٹرہ کے مکان میں ہوا۔ مقبرۂ انیس میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۹ : میر انیس کے نواسے میر سید علی نام، مانوس تخلص۔ میر انیس کی بیٹی عباسی بیگم کے بطن سے ۳۰ ربیع الاول ۱۲۶۰ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میر ثامن علی تھا۔ ابتدائی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کی بنا پر نانا انیس کے ساتھ رہنے لگے، اُنھیں سے مرثیہ پڑھنا سیکھا۔ غزل بھی کہتے تھے اور مرثیہ بھی۔ تقریباً تینتیس سال میر انیس کی بستہ برداری کے فرائض انجام دیے۔ آپ کو میر انیس کی منجھلی پوتی منسوب تھیں جن سے سید علی احمد واصف، سید مہدی حسین واقف، سید نواب حسین عاکف اور ایک دختر ہوئی۔ سید مہدی حسین واقف کے فرزند سید فرخ حسین رضوی ماشاءاللہ بقیدِ حیات ہیں اور مرثیہ خوب پڑھتے ہیں۔ اُنھوں نے مرثیہ پڑھنا بابو صاحب فائق سے سیکھا۔ بین لاجواب پڑھتے ہیں اور اب بزرگِ خاندان ہیں۔ جناب مانوس نے طویل عمر پائی۔ ۱۷ اپریل ۱۹۴۱ء میں بعارضۂ فالج انتقال فرمایا۔ مقبرۂ میر انیس میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۰ : میر انیس کے پڑپوتے، سید محمد حسن نام، فائز تخلص۔ آپ کی ولادت ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ ابتدا میں غزل کی طرف متوجہ ہوئے اور حسن تخلص اختیار کیا۔ جب مرثیہ نظم کیا تو جناب عارف نے اصلاح کے دوران فائز تخلص بھی رکھا۔ کلامِ فائز پر عارف کی اصلاح راقم السطور کے پاس موجود ہے، کیونکہ تنفس کے مرض میں مبتلا رہتے تھے خوانندگی میں زیادہ مقبول نہ ہوئے۔ آپ کے مراثی بعض افراد کے پاس بستوں کی زینت ہیں اور سب غیر مطبوعہ ہیں۔ یکم رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق اگست ۱۹۴۶ء میں لاولد فوت ہوئے۔ مقبرہ انیس میں عروج کے برابر محوِ خواب ہیں۔

تصویر نمبر ۱۱ : میر انیس کے پوتے، سید ابو محمد نام اور جلیس تخلص۔ ۱۸۵۸ء میں مکانِ انیس میں پیدا ہوئے۔ کانوں میں اذان انیس نے دی۔ بڑے ذہین تھے۔ میر انیس انھیں "ابو میاں" کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور بہت عزیز رکھتے تھے۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ مرثیہ خوانی کی تعلیم گھر ہی میں ہوئی۔ آپ کو پیارے صاحب رشید کی بہن بتولی بیگم منسوب تھیں مگر اولاد نہ ہوئی۔ مرثیوں میں شانِ انیس نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ غزل میں عارف و رشید سے مشورہ کرتے تھے۔ طرزِ خوانندگی میں مقبول ہو چلے تھے کہ ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اپنے والد کے برابر مزارِ انیس میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۲ : میر انیس کے نواسے، سید مصطفیٰ میرزا نام اور رشید تخلص۔ آپ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۳ھ بروز چہارشنبہ ۱۸۴۷ء کو اپنے نانا میر انیس کے گھر واقع راجہ کی بازار میں ہوئی۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ غزل اور مرثیہ میں وہ اپنے والد احمد میرزا صابر اور جناب عشق کے شاگرد تھے۔ میر انیس سے کبھی اصلاح نہیں لی۔ بقول شاد عظیم آبادی رشید کے مراثی میں ننھیال کا اثر موجود نہیں وہ اپنے اسلاف عشق و تعشق کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ آپ کو میر انیس کے منجھلے فرزند کی بیٹی منسوب تھیں۔ رشید صاحب نے اپنے ایک مرثیے "میں ہوں سلطانِ سخن مجھ سے بڑی شانِ سخن" میں فرمایا ہے:

خوب تحقیق میں بچپن سے رہی کد مجھ کو
مستند ہوں کہ ملی عشق کی مسند مجھ کو

بڑے زاہد و نیک صفات بزرگ تھے۔ غربا پروری بھی خوب فرماتے تھے۔ ایک زمانے میں بعض لکھنوی شخصیتوں نے قدیم اور عارف کو مرثیہ گوئی میں ٹکرا دیا تھا، یہاں تک کہ "عارف و قدیم" کے نام سے کتابچے شائع کیے گئے۔ جناب قدیم نے اپنے ایک مرثیے میں فرمایا ہے :

تمیز خاک نہیں ہمسری پہ مرتے ہیں
ہر ایک بات پہ نانا کی فخر کرتے ہیں

جناب رشید نے اسے اپنی طرف ایک بھرپور طنز سمجھا اور لکھنؤ میں کافی عرصہ مجلس نہیں پڑھے۔ ادھر جناب عارف نے قدیم صاحب کے ایک شاگرد سے گفتگو کے دوران کہا "بھئی خوب رہی، ارے لڑانا ہی تھا تو دور سے لاتے، ہماری کا ایک سے نکالا اور ہمیں سے لڑا دیا" یہ خبر جب قدیم صاحب تک پہنچی تو قدیم صاحب نے فرمایا کہ علی سچ کہتے ہیں۔ رشید صاحب کا بعارضہ فالج ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء کو انتقال ہوا۔ باغِ میر عشق میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۳ : میر انیس کے پروتے، میر محمد صاحب سلیس کے پوتے سید ہاشم حسین حزیں۔ آپ کی ولادت ۹ جون ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ جامعہ ناظمیہ میں ہوئی۔ اپنے والد محمد نواب غیور کی وفات کے کافی عرصہ بعد شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ گوشہ نشینی کی وجہ سے زیادہ مشہور نہ ہوئے۔ بڑے غیور اور آن بان والے تھے۔ مکانِ انیس میں اپنے بھائی میر محمد ہادی لائق کے ساتھ رہے ابتدا میں وہ اپنے کلام پر میرے والد لائق اور عمِ محترم سید محمد عباس آصف ایم۔ اے سے اصلاح لیتے تھے، بعد کو جناب سید سجاد حسین شدید سے بھی مشورۂ سخن فرماتے تھے۔ آپ کا غیر مطبوعہ کلام مہاراجکمار صاحب محمود آباد کے پاس محفوظ ہے۔ طویل علالت کے بعد بعارضۂ دق ۲۴ ستمبر ۱۹۶۶ء کو محل سرائے میر انیس میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ مقبرۂ انیس میں اپنے والد اور چچا ابو صاحب جلیس کے برابر دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۴ : میر انیس کے پرنواسے، میر محمد زکی نام، زکی تخلص۔ عام طور سے لوگ منے صاحب زکی کے نام سے واقف ہیں انتہائی کوشش کے باوجود سالِ ولادت معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کے والد کا نام سید محمد نقی اور والدہ کا نام شہزادی بیگم تھا۔ جناب رشید سے اصلاحِ سخن فرماتے تھے۔ آپ کو رشید صاحب کی بیٹی منسوب تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ عقد ثانی سے سید محمد رضی، سید محمد وصی بی، اے مقیم کناڈا ہیں۔ آپ کا کلام بہار میں جہاں وہ مرثیہ خوانی کے سلسلے میں جایا کرتے تھے وہیں مرحوم کے شاگردوں کے پاس ہے۔ جناب زکی کے مراثی میں پیارے صاحب رشید کا رنگ نمایاں طور پر موجود ہے۔ بہ عمر ۶۰ سال ۵ جون ۱۹۴۳ء میڈیکل کالج لکھنؤ لے جایا گیا وہیں انتقال ہوا۔ مقبرۂ انیس میں سپردِ خاک کیے گئے۔

تصویر نمبر ۱۵ : میر انیس کے بھتیجے میر ہادی نام وحید تخلص۔ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ مرثیہ گوئی میں بڑا اچھا مذاق تھا۔ اپنے والد میر مہر علی انس کے شاگرد تھے۔ اپنے چچا میر انیس کے مرثیوں پر مرثیے کہے اور سلاموں کی تضمینیں بھی خوب کیں۔ خوانندگی بھی خوب فرماتے تھے۔ ۱۸۸۹ء میں لکھنؤ کے محلہ باورچی ٹولہ میں انتقال ہوا۔ حکیم بندے مہدی کے مقبرے میں والد ماجد میر مہر علی انس کے برابر دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۶ : میر انیس کے بھائی انس کے پوتے اور سید خلیل کے بیٹے میر فرزند حسن جلیل۔ رشید و خلیل و وحید سے مشورۂ سخن فرماتے تھے بسلسلۂ ذاکری ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گئے۔ ۱۹۰۲ء میں جلیل لاہور گئے جس کا ذکر سر عبد القادر نے رسالہ "مخزن" میں کیا ہے رام پور اسٹیٹ سے زیادہ رابطہ رہا۔ کلیاتِ میر ضاحک کا ایک نسخہ جو ان کی مِلک تھا نواب صاحب رام پور حامد علی خاں کو پیش کیا جو غالبؔ

وہاں موجود ہے۔ بقول میر محمد ہادی لائق ۱۹۲۲ء میں ۵ مئی کو کٹرہ بزن بیگ (چوپٹیاں) اثنا عشری مسجد سے متصل مکان میں انتقال ہوا۔ کربلا امداد حسین خاں میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۷: میر انیس کے منجھلے بھائی انس کے پرپوتے سید رضی حیدر نام اور فرید تخلص۔ عام طور پر آپ کو سلطان صاحب فرید کہا جاتا تھا۔ سنتے ہیں کہ مرثیہ بھی کہتے اور پڑھتے تھے لیکن میری نظر سے ان کا کوئی مرثیہ نہیں گزرا۔ معلوم ہوا ہے کہ فرید صاحب کے فرزند جو حیدر آباد دکن میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس مرحوم کا سرمایۂ شعری موجود ہے۔ میں نے ان کے فرزند ڈاکٹر احمد اختر صاحب کو خط بھی لکھے اور جناب فرید کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرنا چاہیں مگر اب تک ناکام ہوں۔ میرے والد جناب لائق کی ایک تحریری یادداشت کے مطابق بعمر ۷۰ سال ۲۶ اگست ۱۹۶۸ء کو محلہ مشک گنج لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ کربلائے امداد حسین خاں میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۱۸: میر انیس کے پرپوتے۔ علی محمد نام عارف تخلص۔ آپ کی ولادت ۳ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ کو ہوئی۔ آپ کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ والد سید محمد حیدر جلیس کا عالم جوانی میں اچانک انتقال ہوگیا۔ میر انیس کے حکم سے میر نفیس اپنی بیٹی اور نواسے کو اپنے یہاں لے آئے۔ مختلف لوگوں سے تعلیم دلوائی اور عروض و قافیہ کی کتابیں جناب میر خورشید علی نفیس نے خود پڑھائیں۔ بڑے ذہین تھے۔ چودہ برس کے سن میں حسب فرمائش نانا جان (میر نفیس) مثنوی "من و سلویٰ" مصنف مفتی میر عباس کی تاریخ کہی۔ مرثیے بھی خوب کہے اور خوانندگی میں بھی اس روایت کو برقرار رکھا جسے میر انیس نے قائم کیا تھا۔ آپ کے مراثی فصاحت و بلاغت سے پُر نظر آتے ہیں۔ بقول ابواللیث صدیقی "عارف کے مرثیے مرثیت سے پُر نظر آتے ہیں"۔ علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا خیال ہے کہ "بعد میر نفیس کے، میر نفیس کی جگہ (میری مراد علمی شاعری سے ہے) ان سے آباد تھی۔ مگر جس زمانے میں ان کو عروج کرنا تھا، نہ امرا باقی تھے اور نہ قدرداں، بعد سلطنت سابق امر بھی مٹ گئے نہ خواجہ سرا رہے اور نہ محلات شاہی۔ پھر کون پُرسانِ حال ہوتا"۔ عارف کے مراثی سید صفدر حسین صفدر اور یوسف حسین شائق نے "معارف سخن" کے نام سے پاکستان میں شائع کر دیے ہیں۔ بروز چہار شنبہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو اچانک انتقال ہوا۔ میر نفیس کے برابر سپرد خاک کیے گئے۔ مختلف شعرا نے تاریخیں کہیں۔ عروج کے مادۂ تاریخ کا آخری مصرع:

"عارف انیسِ عہد مثالِ نفیس بود"

دیگر:

سید علی محمد عارف چو مہر جنت\
حیف صد حیف اٹھ گیا لو مسند آرائے نفیس ۱۳۳۴ھ

تصویر نمبر ۱۹: میر انیس کے پرپوتے سید ظفر حسین نام فائق تخلص۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں مکانِ انیس میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مدرسہ علویہ میں جو ان کے والد میر عارف نے قائم کیا تھا گھر ہی میں ہوئی۔ غزل اور مرثیہ دونوں میں وہ عارف کے شاگرد تھے۔ خوانندگی میں نفیس و عارف کے اصولوں کو اپناتے تھے۔ ایک طویل مناجات جو مرحوم نے آخر زمانہ میں نظم کی تھی راقم السطور کے پاس محفوظ ہے۔ جناب فائق کے مراثی پاکستان میں ان کے فرزند سید اصغر حسین شائع فرمانے والے ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۲ شعبان ۱۳۶۴ھ میں مکانِ انیس میں ہوا۔ مقبرۂ میر انیس میں انیس کے پائنتی دفن کیے گئے۔

تصویر نمبر ۲۰ و ۲۱ : میر انیس کے پرپوتے محمد ہادی نام لائق تخلص۔ آپ کی ولادت ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ / ۵ جون ۱۸۹۴ء کو مکانِ انیس میں ہوئی۔ ابتدا میں عربی و فارسی کی تعلیم ہوئی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لیے نخاس اسکول میں داخل کیے گئے۔ خاندانِ انیس کے بیشتر بزرگوں کو دیکھا اور قدیم خاندانی روایات کے محافظ رہے۔ صنفِ سخن میں وہ اپنے والد میر عارف کے شاگرد تھے۔ ہمیشہ چہلم اور عاشور میں لکھنؤ ریڈیو سے اپنے مخصوص انداز میں مرثیہ پڑھتے اور مومنین کو مثاب فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے بیشتر شاہی امام باڑوں سے وابستہ رہے آخر زمانہ میں اتر پردیش اردو اکاڈمی کے سابق سکریٹری جناب صباح الدین عمر نے ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ڈیڑھ سو روپے ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ بروز اتوار ۱۹ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ / ۸ مئی ۱۹۷۷ء کو اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا۔ اسی دن مقبرہ انیس پر غسل کے بعد نماز جنازہ سید کاظم نقوی مجتہد نے پڑھائی اور ۲ بجے رات کو میر عارف کے برابر چبوترے کے اوپر مشرق کی جانب دفن ہوئے۔ فضل نقوی نے تاریخ کہی ہے :

زیرِ تربت بھی ہے مجلس پڑھ رہے ہیں مرثیہ
ہادیِ فن عارفِ روحِ گلستانِ انیس = ۱۹۷۷ء

تصویر نمبر ۲۲ : میر انیس کے پرپوتے سید یوسف حسین نام شائق تخلص۔ ۱۹۱۰ء میں مکانِ انیس میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم حسین آباد اسکول میں ہوئی۔ کرسچین کالج لکھنؤ سے انٹر پاس کرنے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ جب تک لکھنؤ میں رہے۔ کچھ عرصہ سی۔ ایس۔ ڈی کے محکمہ میں کانپور میں ملازم رہے۔ دار التصنیف و تالیف ریاست محمود آباد میں بحیثیت لائبریرین ملازم رہے، اور وہیں ایک رسالہ "رہبر" کے نام سے جاری کیا جسے خود ترتیب دیتے تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد ۱۹۵۱ء میں پاکستان چلے گئے۔ وہاں ایسٹرن فیڈرل انشورنس کمپنی (E. F. U) کراچی میں ملازم رہے۔ ۱۹۷۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ فارسی اور اردو میں لاتعداد غزلیں کہیں۔ سلام و نوحے بھی کہے۔ اخلاقی اور مذہبی رباعیاں کہیں۔ میر انیس کے سو سلام تصحیح کر کے "تجلیاتِ انیس" کے نام سے شائع کیے۔ بعض کتابوں کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اپنے والد میر عارف کے مراثی کو "معارف سخن" کے نام سے چھپوایا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین زیدی کے پروگرام کے مطابق میر انیس کے مراثی کو تصحیح کر کے ترتیب دیا۔ مراثی مونس، مراثی انس، مراثی نفیس، مراثی وحید، مراثی خلیق وغیرہ ترتیب دیے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ میر انیس کا ایک مطبوعہ مرثیہ "جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے" کا مطبوعہ مطلع جو جناب شائق نے تصحیح کر کے شائع کیا ہے درج ذیل ہے :

کیا غازیانِ فوجِ خدا کام کر گئے
فاقوں میں تشنہ کام لڑے نام کر گئے

بعمر ۶۸ سال ۴ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ / ۱۴ مارچ ۱۹۷۸ء بروز منگل دس بجے دن کو انتقال ہوا اور جنت البقیع کراچی میں دفن ہوئے۔

تصویر نمبر ۲۳ : میر انیس کے پرپوتے، سید علی احمد نام دانش تخلص۔ میری ولادت ۱۰ جنوری ۱۹۲۴ء کو محل سرائے میر انیس میں ہوئی۔ کانوں میں اذان والد محترم سید محمد ہادی لائق نے دی۔ ابتدا میں مذہبی تعلیم کی خاطر مدرسہ جامعہ ناظمیہ میں داخل کیا گیا۔ انگریزی تعلیم پبلک جونیر ہائی اسکول میں ہوئی۔ بعض نامساعد حالات کی بنا پر تعلیم کو ترک کیا اور فکرِ معاش کی طرف رجوع ہوا۔

اب اُتر پردیش گورنمنٹ کے سرکاری رسالہ "نیا دور" سے متعلق ہوں۔ بزرگوں کی طرح شاعری سے بھی دلچسپی رکھتا ہوں، جس کا ذکر میں نے اپنی اس رباعی میں یُوں کیا ہے :ــ

میں انیس و انس کی آواز ہوں ورثہ دارِ حیدرِ کرارؑ ہوں
فکرِ عارف تھی جہاں پر ضوفشاں اب وہیں میں مائلِ پرواز ہوں

تصویر نمبر ۲۴ : مقبرۂ قدیم جو میر نواب مونس کی وفات کے بعد میر خورشید علی صاحب نفیس اور روسائے لکھنؤ نے تعمیر کروایا۔ چند برس قبل انجمن یادگار انیس کمیٹی لکھنؤ نے خاندان انیس کے ممتاز افراد کے تعاون سے اسے پھر تعمیر کروایا ہے۔

تصویر نمبر ۲۵ : نو تعمیر مقبرۂ انیس جسے یادگار انیس کمیٹی نے کشمیر گورنمنٹ کی مالی امداد کے بعد تعمیر کیا۔

تصویر نمبر ۲۶ : میر انیس کی نشست گاہ جہاں انیس لوگوں سے ملاقات کرتے تھے اور شعری مباحث کو حل کیا کرتے تھے، اپنے بعض عزیز شاگردوں کو مرثیہ خوانی اور ان کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ بڑے بڑے علما، رؤسا، غربا مختلف علمی مسائل یہیں حل کیا کرتے اور یہی وُہ جگہ ہے جہاں میر انیس کے سب سے چھوٹے اور عزیز بھائی میر نواب مونس کی وجہ سے اساتذۂ لکھنؤ جمع ہوتے اور اپنے اپنے کلام کو سناتے، کبھی غزل کبھی سلام اور کبھی مرثیہ موضوعِ گفتگو رہتا۔ اسی درمیان میر انیس کے شعر بھی مثال میں پڑھے جاتے اور ان بحثوں کو میر انیس برابر والے کمرے سے سنا کرتے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں 'مدرسہ ایمانیہ' کے طالب علموں نے میر انیس کے اس مرثیہ "جب قطع کی شب سبطِ نبیؐ کو خبر آئی" کے مطلع پر اعتراض کیا تھا مگر میر انیس نے انھیں جواب سے مطمئن کر دیا تھا۔

تصویر نمبر ۲۷ : میر انیس کے فرزند میر خورشید علی نفیس کی ایک یادگار مجلس۔ جو اَب سے تقریباً ۷۰ سال قبل نواب مشیر الملک بہادر کے یہاں یاقوت پورہ حیدر آباد دکن میں کھینچی گئی۔ تصویر کے درمیان منبر پر مرثیہ لیے ہوئے جناب میر نفیس اعلی اللہ مقامہٗ، منبر کے پہلو میں دہنی جانب منبر پر کہنی ٹیکے ہوئے میر علی محمد صاحب عارف، دوسری جانب میر انیس کے نواسے میر سید علی مانوس معروف بہ سید صاحب کھڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ جناب مانوس کی پشت پر ان کے فرزند سید علی احمد واصف چوگوشیہ ٹوپی پہنے جھانک رہے ہیں۔ میر مانوس کے برابر میر نفیس کے شاگرد سید محمد تقی بستہ لیے ہوئے کھڑے ہیں۔ بانیِ مجلس نواب مشیر الملک منبر کی پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ یہ میر نفیس صاحب کی آخری تصویر ہے، وہاں سے واپسی کے بعد بیمار ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں رحلت فرمائی۔

عمرِ مختصر

اِس عمرِ مختصر میں، ابھی مجھے بڑے کام کرنا ہیں۔ توفیق ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ مجھے نہیں معلوم!

زندگی نے میری خواہشوں کا ساتھ دیا تو میں میر انیسؔ کا سارا کلام (چار جلدوں میں) چھاپوں گا۔ اس لیے کہ جتنے نسخے ملتے ہیں وہ بڑے ناقص ہیں۔ ہزاروں اغلاط سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور اس کام میں میرا ساتھ ڈاکٹر اکبر حیدری ہی دیں گے۔

اس کام کے لیے ہمارے ذہن میں جو نقشہ ہے، وہ تو منفرد ہے۔ اگر ہمیں کامیابی ہوئی تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اس موضوع پر دنیا کی لائبریریاں آپ کی جھولی میں ہوں گی!

——— محمد طفیل

مرثیہ ۱

یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

۱

یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ اِرم کر
اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے، توجہ کوئی دم کر
گُم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

۲

ہر باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پہ ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برو مند ہے یا حضرتِ باری!
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سُونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

۳

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اِک ایک لڑی نظمِ ثریّا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبی سے

۴

بھر دے دُرِ مقصود سے اُس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت، وہ نمک ہو

۵

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دُوں
قطرے کو جو دُوں آب تو گوہر سے ملا دُوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دُوں
خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اِک پھُول کا مضموں ہو تو سَو رنگ سے باندھوں

۶

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

۷

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور اور وُہ چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صُوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پُوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آئی ہے خُلدِ بریں سے

۸ ★

وہ فرش ہو اس بزم ارم رشک میں نایاب
ہو جس کی سفیدی سے خجل چادرِ مہتاب
دل عرش کا لوٹے کہ یہ راحت کا ہے اسباب
مخمل کو بھی حسرت ہو کہ میں اس پہ کروں خواب
آئینوں سے ہو چار طرف نور کا جلوا
دکھلائے ہر اک شمع رُخِ حُور کا جلوا

۹

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائے عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

۱۰

مصرع ہو صف آرا، صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
مدّ آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یُوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رَن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۱۱

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے، یہ چلائیں سپاہی
لاریب، ترے نام پہ ہے سکّۂ شاہی
ہردم یہ اشارہ ہو، دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اِس طبل وعَلم کا

۱۲

تائید کا ہنگام ہے، یا حیدرِ صفدر!
امداد ترا کام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تُو صاحبِ اکرام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تیرا ہی کرم عام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بہ کف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں، میں ایک طرف ہوں

۱۳

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہُوں، کسی رُوح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے، پر انصاف نہیں ہے

۱۴

نیک و بدِ عالم میں تامّل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رُخ طرفِ گل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانیِ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں، گو شیشۂ دل چُور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

۱۵

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہے، چاند بناتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے دُرِ نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعل بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

۱۶
ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے وہ کانِ جواہر
ہیں بند مرصّع ، تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے انھیں، ہاں کوئی ہے خواہانِ جواہر
بیناسئے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا ، نظر چاہیے اس کو

۱۷
کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار
اب ہے کوئی طالب ، نہ شناسا ، نہ خریدار
ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

۱۸
خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج !
اے باعثِ ایجادِ جہاں ، خلق کے سرتاج !
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
اُمید اسی گھر کی ، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری ، یہی توشہ ہے سفر کا

۱۹
میں کیا ہوں ، مری طبع ہے کیا ، اے شہِ ذی شاں
حسان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے دعبل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

۲۰
لا یعلم و لا اعلم کی کیا سحر بیانی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
نہ ذہن میں جُودت ، نہ طبیعت میں روانی
گویا ہوں فقط ، ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہُوں ، فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مدّاحِ خدا ہے

۲۱
تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
خود سر بگریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اِک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
تقصیر بحل کیجئے ، بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

۲۲
مجرم ہوں ، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
بُھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جُہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علیؑ کی

۲۳
ہر چند زباں کیا مری ، اور کیا مری تقریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیِ شبیرؑ
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر
مولا کی مدد کا متمنّی ہے یہ دلگیر
ہر فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

۲۴

شعباں کی ہے تاریخِ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہم ماہ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیلِ سعادت
وہ بھی عمل خیر ہے، یہ بھی ہے عبادت
مدّاح ہوں، کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلہ اس کا بہشت اُس کا صلا ہے

۲۵

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوتے سب
امید بر آئی، مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ، کرمِ رب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
پشتی پہ ہیں سب رُکنِ رکینِ دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

۲۶

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
بخشی ہے رضا جائزۂ فوجِ سخن کی
چہرے کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی
تو برطرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی
اِک فرد پُرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

۲۷ مطلع دوم

ہاں اے فلکِ پیر! نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چار دہم! نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم! دیدۂ عالم سے نہاں ہو
اے روشنیِ صبحِ شبِ عید! عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

۲۸

اے شمس و قمر! اور قمر ہوتا ہے پیدا
نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
تو نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

۲۹

اے کعبۂ ایماں! تری حرمت کے دن آئے
اے رکنِ یمانی! تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس! تری عزت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم! تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ حرم! جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا! اور صفائی ہوئی تجھ میں

۳۰

اے یثرب و بطحا! ترے والی کی ہے آمد
لے رتبۂ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد
کہتے ہیں چمن، ماہِ جلالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں
یعقوبؑ سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

۳۱

اے ارضِ مدینہ! تجھے فوق اب ہے فلک پر
رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر
خورشید ملا، تیرا ستارہ ہے چمک پر
صدقے گلِ تر ہیں ترے پھولوں کی مہک پر
پَر جس پہ فرشتوں کے بچھیں، فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا، عرش وہی ہے

۳۲

یا ختمِ رسلؐ! گوہرِ مقصود مبارک
یا نورِ خدا! اخترِ مسعود مبارک
یا شاہِ نجف! شادیِ مولود مبارک
یا خیرِ نسا! اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا، نور دوبالا رہے گھر میں
اِس ماہِ دو ہفتہ کا اجالا رہے گھر میں

۳۳

اے امتیو! ہے یہ دمِ شکر گزاری
ہر بار کرو سجدۂ شکرِ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمھاری
فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی ہوئے صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۳۴

اے ماہِ معظم! ترے اقبال کے صدقے
شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اُتری برکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
قرباں سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہے
نوروز بھی اِس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

۳۵

قربان شبِ جمعۂ شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قایم ہوا دین، اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

۳۶

وہ نورِ قمر اور وہ دُر افشانیِ انجم
تھی جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے وہ حُوروں کا تبسّم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلّم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

۳۷

روشن تھا مدینے کا ہر اک کُوچہ و بازار
جو راہ تھی خوشبو، جو محلّہ تھا وہ گُل زار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھُولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

۳۸

کیا شب تھی وہ مسعود ہمایون و معظّم
رُخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت نہ تھی اِک دم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سُنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

۳۹

تھی فاطمہؑ بے چین ادھر دردِ شکم سے
مُنہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
مضطر تھے علیؑ بنتِ پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

۴۰

کرتے تھے دعا بادشہِ یثرب و بطحا
راحم ہے تری ذاتِ مقدس، مرے مولا!
زہراؑ ہے کنیز اور مرا بچہ تیرا بندا
آسان کر اے بارِ خدا مشکلِ زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

۴۱

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار
دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسماؑ نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اِک بار
فرزند مبارک تمھیں یا حیدرِ کرّار
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہِ جبیں پر
فرزند نہیں، چاند یہ اترا ہے زمیں پر

۴۲

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہؐ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویرِ رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

۴۳ ★

اُمِّ سلمہ نے کہا یا شاہِ رسالت
پیشانیِ انور پہ ہے کیا نورِ امامت
لاریب کہ قرآنِ مبیں کی ہے یہ آیت
تم شمعِ رسالت ہو تو یہ نورِ ہدایت
خوش ہو کہ نمازی ہے یہ دلبند تمھارا
اللہ کے سجدے میں ہے فرزند تمھارا

۴۴

مژدہ یہ سنا احمدِ مختارؐ نے جس دم
بس شکر کے سجدے کو گرے قبلۂ عالم
آئے طرفِ خانۂ زہراؑ خوش و خرم
فرمایا مبارک پسر! اے ثانیِ مریمؑ
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزندِ محمدؐ کے جگر کا

۴۵

کی عرض یہ اسماؑ نے کہ اے خاصۂ داور!
نہلا لوں تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِ مختارؐ نے ہنس کر
لے آ کہ نواسہ ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

۴۶

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو تمھیں ماہر
یہ نورِ الٰہی ہے، یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
یہ آیتِ ایماں ہے، یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

۴۷

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سنائی
اسماؑ اسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
ہنسنے لگے سُرخی رُخِ پُر نور پہ آئی
مُنہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربیؐ نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

۴۸

جان آ گئی ، یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا
قرآں کی طرح رحل دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے ، بہت پیار جو آیا
بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا، کی جبکہ نظر سینہ و سر پر
چُوما جو گلا ، چل گئی تلوار جگر پر

۴۹

جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقت
اِس کان میں فرمائی اذاں اُس میں اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت!
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت؟
پُرنور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

۵۰

کیونکر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اِک نیّرِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں!
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
اعلیٰ ہے جو سب سے وہ مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں مَیں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

۵۱

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے
سرسبزیٔ ایماں ہے اسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر، فیضِ قدم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث، نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

۵۲

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا
بھائی! کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا؟
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیّدِ والا!
سبقت کروں حضرت پہ، یہ مقدور ہے میرا؟
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

۵۳

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریل خوش انجام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام
یا ختمِ رسلؐ! ہم نے حسینؑ اس کا رکھا نام
یہ حُسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے "احسان" سے تصغیر "حسن" ہے

۵۴

"ح" سے ہے اشارہ کہ یہ ہے حامیٔ امّت
سمجھیں گے اسی "سین" کو سب سینِ سعادت
"ی" اس کی بزرگی میں ہے "یٰسین" کی آیت
ہے "ن" سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں و نسل حصہ زیادہ ہے حسنؑ سے

۵۵

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اِک جا
تب اس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا
اب اور نہ ہو گا کوئی اس حُسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

۵۶

فیاض نے کونین کی دولت اِسے دی ہے
دی ہے جو علیؑ کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، ہمّت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبّت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظّم ہے، مکرّم ہے، ولی ہے
ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے

۵۷

جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر
جبرل نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبّیرؑ
کی حسبِ علیؑ کہہ کے، محمدؐ سے یہ تقریر
یا شاہ یہ مہ رو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

۵۸ ★

قدسی ترے فرزند کی خدمت کے لیے ہیں
میکال و سرافیل حفاظت کے لیے ہیں
جن و پری و اِنس اطاعت کے لیے ہیں
سامان یہ اس لال کی رحمت کے لیے ہیں
موجود ہے مرکب کے عوض دوش تمہارا
زہراؑ کی جو گودی ہے تو آغوش تمہارا

۵۹

ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

۶۰

ہے یہ سببِ تہنیت و تعزیت اس دم
ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توأم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اُسے اظلم
گر حشر بھی ہو گا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

۶۱

ہو گا یہ محرّم میں ستم اے شہِ ذی جاہ!
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخِ دہم جمعہ کے دن، عصر کے وقت آہ!
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گم راہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

۶۲

چلّائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی
اے وائے اخی! کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دِل ہِل گیا، برچھی سی کلیجے میں در آئی
یہ واقعہ سُن کر نہ جئے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیونکر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

۶۳

جس وقت سُنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم
بیٹے پہ چھری چل گئی یا سیّدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبّیرؑ کی گردن

۶۴

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اِسے پانی!
ہے ہے، یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی!
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی!
ہے ہے، مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی!
پیراہنِ صد چاک کفن ہوئے گا اس کا
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

۶۵

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آتے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آتے ہیں جہاں میں
اماں کے رُلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہُوئے ہوتے
اے کاش! مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

۶۶

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں ہوں گی
"مظلوم حسینؑ" آج سے میں ان کو کہوں گی

۶۷

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم!
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشورِ محرم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی، نہ سر دھوؤں گی بابا
چلے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

۶۸

حیدرؑ ہیں کہاں، آکے دلاسا نہیں دیتے
زہراؑ کا برا حال ہے، سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
ہے ہے، مجھے فرزند کا پرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

۶۹

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
اے میرے شہید، اے میرے بیکس، ترے واری
ہاں، بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہو گا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہو گا

۷۰

مر جائے گا تُو تشنہ دہن، ہائے حسیناؑ!
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن، ہائے حسیناؑ!
اک جان پہ یہ رنج و محن، ہائے حسیناؑ!
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسیناؑ!
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

۷۱

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہراؑ!
کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ
جبرئیلؑ سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہُوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ اُمت کا سبب ہے

۷۲

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبرؐ
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہوئے گا رہا عابدِ مضطر
تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آکر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سرپیٹ کے زینبؑ سی بہن روئیں گی اس کو

۷۳

جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم
ہر گھر میں بپا ہووے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے مَلک عرش سے اس رونے کو باہم
ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہو گا نہ کبھی کم
پُرنور سدا اس کا عزاخانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

۷۴ ★

کہہ کر یہ سخن روئے بہت احمدِ مختار
منہ رکھ دیا ہونٹوں پہ نواسے کے کئی بار
یوں پیٹے دہن کھول کے شبّیرِ خوش اطوار
جس طرح کوئی دودھ کا ہوتا ہے طلبگار
جوش آگیا الفت کا دلِ شاہِ زمن میں
مولاؐ نے زباں دے دی نواسے کے دہن میں

۷۵ ★

یوں چوسی نواسے نے زبانِ شہِ والا
جس طرح پیئے دودھ مزے سے کوئی ماں کا
اللہ رے لعابِ دہنِ پاک کا رتبا
نہریں عسل و شیر کی جاری ہوتیں گویا
شیریں ہیں لب و کام و دہن جس کے بیاں سے
پوچھے وہ حلاوت کوئی حضرت کی زباں سے

۷۶ ★

سو جاتے تھے یوں شیرِ زباں چوس کے حضرت
جو دودھ پہ ماں کے بھی نہ پھر ہوتی تھی رغبت
بچپن میں تو خالق نے عطا کی تھی یہ نعمت
مرتے ہوتے پانی نہ ملا وائے مصیبت
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

۷۷

کیا اوج ہے، کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صلِّ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں، یاں کی فضا کا
پانی میں بھی ہے یاں کے مزا آبِ بقا کا
دربار معلّیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۷۸ ★ مطلع سوم

یارب! مری فریاد میں تاثیر عطا کر
بلبل بھی پھڑک جائے وہ تقریر عطا کر
توفیقِ ثنا خوانیٔ شبّیرؑ عطا کر
مدّاح کو اب خلد کی جاگیر عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہے نہ اعجازِ بیاں ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ میں ہیچ مداں ہوں

۷۹

لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

۸۰

جو چاند سی تصویر ہے وہ خون سے تر ہے
مجروح ہیں اعضا کہیں تن ہے کہیں سر ہے
دیکھو تو یہ کس باپ کا مظلوم پسر ہے
برچھی تو کلیجہ میں ہے برچھی میں جگر ہے
ٹکڑے ہے جو دُولھا یہ جگر بند ہے کس کا؟
یہ تیر سے مارا ہوا فرزند ہے کس کا؟

۸۱ ★

دریا پہ جو سوتا ہے وہ کس کا ہے فدائی
مرنے پہ بھی نکلی نہ تھی قبضے سے ترائی
گرمی میں عجب سرد جگہ سونے کو پائی
کس شیر کا فرزند ہے یہ کس کا ہے بھائی
اس شان پہ کیوں کر ہو گماں اور کسی کا
شوکت سے یہ ظاہر ہے کہ بیٹا ہے علیؑ کا

۸۲ ★

ریتی پہ جو سوتے ہیں یہ دو چاند سے فرزند
کس باپ کے پیارے ہیں یہ کس ماں کے ہیں دلبند
جلوے میں مہِ چاردہم سے بھی ہیں وہ چند
یہ حیدرؓ و جعفرؓ کے کلیجے کے ہیں پیوند
پایا نہیں پانی بھی کسی تشنہ دہن نے
قربان کیا ہے اِنھیں بھائی پہ بہن نے

۸۳
مطلع چہارم

اے خضرِ بیابانِ سخن! راہبری کر
اے نیّرِ تابانِ خرد! جلوہ گری کر
اے درد! عطا لذّتِ زخمِ جگری کر
اے خوفِ الٰہی! مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں ولی ابنِ ولی کے
آزاد ہوں صدقے سے حسین ابنِ علیؑ کے

۸۴

قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسف یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ سخن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

۸۵

مجلس کا زہے نور، خوشا محفلِ عالی
حیدرؓ کے محبّوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری، پنجتنی، شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

۸۶

اِن میں جو مُسن ہیں، وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں، وہ حیدرؓ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں، علی اکبرؓ کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب، علی اصغرؓ کے ہیں مہماں
سب خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

۸۷

ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدرؓ کہ یہ غم خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہُوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

۸۸

غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
ان کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

۸۹

مردم کے لیے واجبِ عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معیّن پہ ادا طاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

۹۰

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اِسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ، سعادت اِسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا بھی ہو مجلس میں تو راحت اسے جانو
فاقے کیے ہیں، دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

۹۱

تکلیف کچھ ایسی نہیں، سایہ ہے ہوا ہے
پانی ہے خنک، مروحہ کشِ بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشور کا بھی حال سنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے، ہنگامِ بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

۹۲

لُو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دَد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

۹۳

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیار
شاہد المِ فاقہ پہ ہے زردیِ رخسار
بے آبی سے اُودے تھے لبِ لعلِ گہربار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چُوسا تھا محمدؐ کی زباں کو

مطلع پنجم

۹۴

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گُل ہے یہ گُل، بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست، مروّت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

۹۵

گودی ہے کبھی ماں کی، کبھی قبر کا آغوش
گُل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں، کبھی خاموش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بہ سرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مُسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ ہے، تابوت میں دن کو

۹۶
شادی ہو کہ اندوہ ہو، آرام ہو یا جَور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طَور
ماتم کی کبھی فصل ہے، عشرت کا کبھی دَور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھِلتا ہے جو مُرجھا نہیں جاتا

۹۷
ہے عالمِ فانی کی عجب صبح، عجب شام
گہ غم، کبھی شادی، کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
واحسرت و دردا! کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کئے ہفتم سے دہم تک

۹۸
ریتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر
شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلمؑ کے، نہ ہمشیر کے دلبر
قاسمؑ ہیں، نہ عباسؑ، نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

۹۹
منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہؑ کی محبت
سجّاد سے کچھ کہنے ہیں اسرارِ امامت
بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب یہ ہے، زیبِ بدن رختِ کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوسِ بدن ہو

۱۰۰
خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
اِک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا، پہ جانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بَین، اِدھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

۱۰۱
حضرت کا وُہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
اُمّت کے لیے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے امّاں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے ترِ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

۱۰۲
اس عمر میں تھوڑے غمِ جانکاہ اٹھائے؟
اشک آنکھوں سے امّاں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
ٹکڑے دلِ شبّر کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی!
اِنساں ہوں، کلیجا مرا پتھر نہیں بھائی!

۱۰۳
ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
دشوار ہے اِک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی، یُوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

۱۰۴
ہے ہے تمھیں ہیں لے کے کہاں چھپ رہوں بھائی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی
یارب! کہیں مرجاتے ید اللہ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقت جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں یہ بجائی مجھے روئے

۱۰۵
زینبؑ کی وہ زاری، وہ سکینہؑ کا بلکنا
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا مُنہ اور وہ بُندے کا چمکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

۱۰۶
وہ کہتی تھی، بابا! ہمیں چھاتی سے لگاؤ
فرماتے تھے شہ، آؤ نا، جانِ پدر آؤ
ہم کڑھتے ہیں، تم آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
کوثر پہ بھی تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

۱۰۷
بی بی! کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری؟
کس گوشے میں بیٹھی ہیں، کہاں کرتی ہیں زاری؟
جب سے سوئے جنت گئی اکبرؑ کی سواری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آتے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک؟
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک؟

۱۰۸
کس جا ہیں، طلب ہم کو کریں، یا وہی آئیں
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
کچھ ہم سے سُنیں، کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
اک دم کے مسافر ہیں، ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لُٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھُٹے گا

۱۰۹
غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
ثابت ہُوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیرؑ
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا، یا شہِ دلگیر!
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا!
یہ خادمہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا!

۱۱۰
یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
قدموں پہ گری دَوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جاں کاہ جدائی کا الم ہے
اُٹھو تمھیں رُوحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے!

۱۱۱
وُہ کہتی تھی کیونکر میں اُٹھوں، اے مرے سرتاج
والی! انھی قدموں کی بدولت ہے مرا راج
سر پہ جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج
چادر کے لیے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم، مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی، تخت الٹ جائے گا میرا

۱۱۲

یاں آئی میں، جب خانۂ حیدرؑ ہوا برباد
وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دوجہاں نے مری امداد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی سے بہو ہوگئی زہراؑ و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

۱۱۳

چھتیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سیّدِ خوش خو
ہر شب رہے تکیہ سرِ اقدس کا جو بازو
ہے ہے اُسے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو
سر پہ نہ ردا ہو گی تو مرجاؤں گی صاحب!
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب!

۱۱۴

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے
ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

۱۱۵

سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
بس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خو
ہے شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب!
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب!

۱۱۶

لازم ہے خدا سے طلبِ خیر بشر کو
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
آنا ہے تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجّادؑ سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

۱۱۷

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمخوار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پُوچھنے والا بھی نہیں ہے

۱۱۸

یہ کہہ کے کچھ ارشاد کیا گوشِ پسر میں
بیمار کے اٹھنے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینبؑ، یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا پھر شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

۱۱۹

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
کج کی طرفِ دوشِ یمیں گردنِ انور
تھرّائے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر!
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

۱۲۰

یارب! یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

۱۲۱

میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق!
بستی ہو کہ جنگل تُو ہی حافظ، تو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدّی پہ منافق
نہ دوست ہے دنیا، نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں، دو بہویں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

۱۲۲

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں، قید ہوں اور شام میں جائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم، طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

۱۲۳

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک
اور ڈال لی پیراہنِ پرنور پہ کچھ خاک
میّت ہوئے شبّیرؑ، کفن بن گئی پوشاک
بس فاتحہ خیر پڑھا بادلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست، نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو رُکتے ہوئے رہوار کو دیکھا

۱۲۴

گرد ان کے دامن علی اکبرؑ کو پکارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب، اے مرے پیارے!
لختِ دلِ شبّیرؑ! کدھر اس وقت سدھارے
بھائی ہیں کہاں، ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں، مسلمؑ کے جگر بند کہاں ہیں!
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں!

۱۲۵

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا
اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غُل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

۱۲۶

شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حُسنِ خدا ساز دکھایا
فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک چرخِ بریں پر
غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر

۱۲۷ ★

بجلی کو نہ تھا اس کی جلو لینے کا یارا
رہوار کو دُلدل کا چلن یاد تھا سارا
اڑنے میں نہ آہُو کبھی جیتا، نہ چکارا
شہباز بھی بازی اسی جانباز سے ہارا
طاؤس کا کیا ذکر، پری سے بھی حسیں تھا
سایہ تھا کہیں دھوپ میں اور آپ کہیں تھا

۱۲۸ ★

جانباز نے طے کی عجب انداز سے وہ راہ
لے آئی سلیماں کو ہوا تا صفِ جنگاہ
وہ رُعب وہ شوکت وہ نہیبِ شہِ ذی جاہ
دلدل کو اڑاتے ہوئے آئے اسد اللہ
غل تھا یہ محمدؐ ہیں کہ خالق کے ولی ہیں
اقبال پکارا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں

۱۲۹ ★

نصرت نے صدا دی کہ مددگارِ جہاں ہیں
صولت نے کہا تاجِ سرِ کون و مکاں ہیں
گویا ہوئی ہمت کہ محمدؐ کی زباں ہیں
غربت نے کہا فاقہ کش و تشنہ دہاں ہیں
سطوت یہ پکاری بخدا شیر یہی ہیں
بولی ظفر اللہ کی شمشیر یہی ہیں

۱۳۰ ★

عکسِ رُخِ روشن جو چمکتا ہوا آیا
ذروں نے شہِ شرق کے پہلو کو دبایا
جنگل میں پری بن گیا ہر نخل کا سایا
کرسی سے زمیں کہتی تھی دیکھا مرا پایا
تھی چاندنی خورشیدِ فلک شرم سے گم تھا
وہ روزِ دہم رشکِ شبِ چار دہم تھا

۱۳۱ ★

تنہا تھے یہ اللہ ری جلالت شہِ دیں کی
تھراتے تھے سب دیکھ کے صولت شہِ دیں کی
گردوں پہ ملک تکتے تھے صورت شہِ دیں کی
غُل تھا کہ یہ آخر ہے زیارت شہِ دیں کی
خود حُسن یہ کہتا تھا کہ شمعِ سحری ہوں
شبیرؑ کا کیا کوچ ہے میں بھی سفری ہوں

۱۳۲ ★

ہاں دیکھ لو تنویرِ جبینِ شہِ والا
یہ حُسن میں ہے ماہِ دو ہفتہ سے دوبالا
ہے برقِ تجلی اِسی مہتاب کا ہالا
اندھیر ہے پر جب نہ رہا اس کا اجالا
آنکھوں سے نہاں ہوگی جو یہ نور کی صورت
ہو جائیں گی صبحیں شبِ دیجور کی صورت

۱۳۳ ★

گر لاکھ جلائے گا دل اپنا کوئی دلسوز
اس کعبۂ ابرو سے نہ ہوگا شمع افروز
گردش میں رہیں گے جو مہ و مہر شب و روز
دیکھیں گے یہ زلفیں نہ یہ رخسارِ دل افروز
کلیاں تو بہت باغ میں نرگس کی کھلیں گی
ڈھونڈیں گی جو مردم کو تو آنکھیں نہ ملیں گی

۱۳۴ ★

خوبی دہن دلب کی سمجھنے میں سب حیراں
روئیں گے جو یاد آئے گا یہ سینۂ تاباں
ملنا دُر و یاقوت کا مشکل نہیں چنداں
دیکھو گے زمانے میں نہ ایسے لب و دنداں
یہ دُرِّ گرانمایہ صدف میں نہ ملیں گے
کیا ذکر صدف کا ہے نجف میں نہ ملیں گے

۱۳۵ ★

چھانے کی اگر بادِ صبا خاک چمن کی
خوشبو کہیں پائے گی نہ اس سیبِ ذقن کی
ضَو دیکھ رگِ گردنِ سردارِ زمن کی
پرتو سے زمیں غیرتِ آئینہ ہے رن کی
سوزِ غمِ فرقت کو نہ بیگانوں سے پوچھو
اِس شمع کے بجھ جانے کو پروانوں سے پوچھو

۱۳۶ ★

یہ صدر جو الہامِ الٰہی کا ہے مصدر
دل علم کا، اسلام کا گھر، شرع کا مظہر
دیندار سمجھتے ہیں اسے مصحفِ اکبرؑ
ہو جائے گا وقفِ تبر و نیزہ و خنجر
کاٹیں گے ہر اک جزوِ تنِ شاہِ امم کو
کھل جائے گا شیرازۂ قرآں کوئی دم کو

۱۳۷ ★

اِن ہاتھوں کو اب لائیں گے مشکل میں کہاں سے
زخمی انھیں کر دیں گے لعیں تیغ و سناں سے
جاری تھی عجب خیر شہِ کون و مکاں سے
ہیہات چلا عقدہ کشا آج جہاں سے
یُوں تجربہ نہ اِن ہاتھوں کا احوال کھُلے گا
مشکل کوئی پڑ جائے گی تب حال کھلے گا

۱۳۸

لو مومنو! سُن لو شہِ ذی جاہ کی تقریر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو، نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّی نہیں، یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

۱۳۹

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
ہاں، میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبرؐ نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویٔ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

۱۴۰

ہم وُہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
سرداریٔ فردوس کا افسر ہمیں بخشا
اقبالِ علیؑ، خُلقِ پیمبرؐ ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی، زور ہمیں، زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں، گھر طورِ تجلّا ہے ہمارا
تختِ بنِ داؤد مصلّا ہے ہمارا

۱۴۱

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
قوسین مکاں، ختمِ رسل، صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

۱۴۲

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

۱۴۳

اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفّار تھے تھوڑے
طاقت تھی کہ عزّیٰ کوئی لات سے توڑے
بدکیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے
بے توڑے وہ بُت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

★ ۱۴۴

ہے کون سا وہ فخر کہ زیبا نہیں ہم کو
وہ کیا ہے جو اللہ نے بخشا نہیں ہم کو
واللہ کسی چیز کی پروا نہیں ہم کو
کیا بات ہے خود خواہشِ دنیا نہیں ہم کو
غافل ہے وہ دنیا کے مزے جس نے لیے ہیں
بابا نے مرے تین طلاق اس کو دیے ہیں

★ ۱۴۵

جو چاہیں جسے بخش دیں ہم ہاتھ اٹھا کے
انگلی نہیں کنجی ہیں یہ اسرارِ خدا کے
خالی کوئی جاتا نہیں دروازے پہ آ کے
بھر دیتے ہیں فاقوں میں بھی کاسے فقرا کے
سر دیتے ہیں سائل کو جگر بندِ علیؑ ہیں
فیاض کے بندے ہیں سخی ابنِ سخی ہیں

۱۴۶

اس عہد میں مالک اُسی تلوار کے ہم ہیں
جرار پسرِ حیدرِ کرارؑ کے ہم ہیں
فرزند محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں
وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۱۴۷

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ تیغ علیؑ ہے یہ کمر بندِ حسنؑ ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ پیرہنِ یوسفِؑ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربیؐ کی
یہ مہرِ سلیماں ہے، یہ خاتم ہے نبیؐ کی

۱۴۸

دیکھو تو، یہ ہے کون سے جرار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے، کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر، گھاٹ نہیں ہے

۱۴۹

دم لے کہیں رُک کر، وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے، گرانی نہیں اس میں
جُز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب، آگ ہے، پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہے
ناہیں نہیں، غصے سے اجل چیں بر جبیں ہے

★ ۱۵۰

کچھ بس نہ چلے گا جو یہ خونخوار چلے گی
سر اڑنے کی آندھی دمِ پیکار چلے گی
تھم جائے گی ایک بار تو سو بار چلے گی
اُگلے گا لہو چرخ وہ تلوار چلے گی
میداں سے کہیں بھاگ کے جانا نہ ملے گا
دم لینے کا دنیا میں ٹھکانا نہ ملے گا

★ ۱۵۱

ہم سے کوئی اعلیٰ نہیں عالی نسبی میں
طفلی سے حمائل رہے آغوشِ نبیؐ میں
ہم مصحفِ ناطق ہیں زبانِ عربی میں
تفسیر ہیں قرآن کی ہم تشنہ لبی میں
مخفی ہیں جو رُتبے وہ عیاں ہو نہیں سکتے
خود ہم سے شرف اپنے بیاں ہو نہیں سکتے

۱۵۲
سب قطرے ہیں، گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیم ملک عرش پہ تھا وِرد ہمارا
جبریلؑ سا اُستاد ہے شاگرد ہمارا

۱۵۳
گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بہ جُز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ تھے جب تو یہ اسلام کہاں تھا

۱۵۴
محسن سے بدی، ہے یہی احساں کا عوض واہ!
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے، دوست کے بدخواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو، اب بھی مسافر کو نکل جانے دو لِلّٰہ
ٹل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہرِ خدا سے

۱۵۵
بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں، کسی کا کبھی شکوہ نہ کروں گا
اِس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

۱۵۶
اعدا نے کہا، قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں، دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بُکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ، جدھر دولتِ دنیا ہے، اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں، بندۂ زر ہیں

۱۵۷
حضرت نے کہا، خیر خبردار صفوں سے!
آیا غضب اللہ کا، ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
کب پھنستی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کا چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو!
لو، بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو!

۱۵۸
ہاں گوشۂ عزلت، خمِ شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر، فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

۱۵۹
جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے
دکھلائے ہوائیں دو سرا اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

۱۶۰
بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
چلنے لگی یکدست جو شمشیر دو دستی
معلوم ہوا الٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں، بت اسد اللہ نے توڑے

۱۶۱ ★
کاٹے کبھی منہ سر کبھی گردن سے اڑائے
گہ دستِ قوی بازوئے دشمن سے اڑائے
یوں رُوح کے طائر قفسِ تن سے اڑائے
جس طرح پرندوں کو کوئی بن سے اڑائے
جانبازوں کا یہ حال تھا شمشیر کے ڈر سے
جس طرح ہرن بھاگتے ہیں شیر کے ڈر سے

۱۶۲ ★
دم میں اثرِ قہرِ الٰہی نظر آیا
دوزخ کی طرف قافلہ راہی نظر آیا
جس صفت میں زِرہ پوش سپاہی نظر آیا
چو رنگ وہیں صورتِ ماہی نظر آیا
بھاگی تھی ہوا خوف سے شمشیرِ دودم کے
مچھلی بھی نہ لہراتی تھی دامن میں علم کے

۱۶۳ ★
چلنے میں عجب تیغ نے انداز نکالے
سر لے گئی گردن سے نئے ناز نکالے
طاقت تھی کہ ناوک قدر انداز نکالے
سوفار کا کیا منہ تھا جو آواز نکالے
بازو تو جفا کیشوں کے شانوں سے جُدا تھا
تیروں سے کماں، تیر کمانوں سے جُدا تھا

۱۶۴
بجلی سی گری، جو صفِ کفار سے نکلی
آواز 'بزن' تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در دامن واماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

۱۶۵
افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پہ کبھی آئی
گہ پھر گئی سینے پہ، جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

۱۶۶
بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندی اُدھر اِک خُوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو، لعل اگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

۱۶۷
زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
معشوق بنی سُرخ لباس اس نے جو پہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خُلد کی بُو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دُولھا کی بغل میں

۱۶۸

سر پٹکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھُری تھی

۱۶۹

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی
امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی، قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی، عجب ظرف تھا اس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

۱۷۰

ہر ڈال کے پھُولوں کو اڑاتا تھا پھل اس کا
تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

۱۷۱

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
جا پہنچی کماں داروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے
منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفترِ نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا، دیکھ لیا جائزہ سب کا

۱۷۲ ★

سر پر جو سپر کو کسی خودسر نے اٹھایا
نوکوں پہ اُسے تیغِ دو پیکر نے اٹھایا
تلوار نے کیا دیو کو اژدر نے اٹھایا
لڑنے کا مزا خوب ستمگر نے اٹھایا
یُوں پھینک دیا خاک پہ سر کاٹ کے تن سے
اُگلے کوئی جس طرح نوالے کو دہن سے

۱۷۳ ★

ہر ہاتھ کے پرزے تھے تو ہر ڈھال کے ٹکڑے
پونہچے تھے کہ تھے قرعۂ رمّال کے ٹکڑے
کاٹے زرۂ جسمِ بد افعال کے ٹکڑے
تڑپی جو وہ مچھلی تو ہوئے جال کے ٹکڑے
مقتل کی جو سرحد سے چلی شام میں ٹھہری
کیا ماہیِ دریائے ظفر دام میں ٹھہری

۱۷۴ ★

جوشن پہ گئی کاٹ کے بازو نکل آئی
سینے سے بڑھی چیر کے پہلو نکل آئی
ہر زخم سے اس طرح وہ مہ رو نکل آئی
معلوم ہوا پھُول سے خوشبو نکل آئی
گر پڑتی تھی بجلی جدھر آتی تھی لپک کر
کیا منہ تھا کہ مر جاتے تھے بسمل بھی پھڑک کر

۱۷۵

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

★ ۱۷۶
چڑھتی ہے یہ ندی تو اترتی ہے بمشکل
جب باڑھ پہ آتی ہے تو ٹھہرتی ہے بمشکل
اس گھاٹ سے کشتی بھی گزرتی ہے بمشکل
دھارے میں جو ڈوبے تو ابھرتی ہے بمشکل
پانی یہ نہیں بحر ہے اِس تیغ کے بَر میں
بچتا نہیں وہ رہتا ہے جو آ جائے بھنور میں

★ ۱۷۷
طوفانِ غضب آبِ دمِ شمشیر سے اٹھا
وار اس کا تبر سے نہ کسی تیر سے اٹھا
ضربت کا نہ لنگر کسی تدبیر سے اٹھا
اک موجۂ خوں لشکرِ بے پیر سے اٹھا
اللہ رے تلاطم کہ زمیں ہل گئی رن کی
ضربہ جو پڑا ڈوب گئیں کشتیاں تن کی

★ ۱۷۸
وہ نعرۂ شیرانہ وہ حملے وہ تہور
تھراتے تھے ساونت لرزتے تھے بہادر
جنات کو حیرت تھی ملائک کو تحیر
وہ سُرعتِ شبدیز کہ تھکتا تھا تصور
مارا اُسے دو لاکھ میں جا کر جسے تاکا
سب ٹھاٹ تھا ضرغامِ الٰہی کی دغا کا

۱۷۹
چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دوپارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سُنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

۱۸۰
بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

۱۸۱
ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے
دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غُل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

۱۸۲
شہ کہتے تھے، ہے باڑھ پہ دریا، نہ رُکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچا نہ رُکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہراؑ نہ رُکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰؑ نہ رُکے گا
ہے بحرِ غضب، نام بھی قہرِ صمد اس کا
رُکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

★ ۱۸۳
اس صف میں گئے بیچ میں اس غول کے نکلے
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغ دو سر تول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے
اک زلزلہ تھا نہ فلک و ہفت طبق کو
ہر بار اُلٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو

★ ۱۸۴
بڑھتے تھے جو تولے ہوئے شمشیرِ دو دم کو
ہاتھوں کو ظفر چومتی تھی فتح قدم کو
تھا خوف سے لرزہ عرب و روم و عجم کو
اک شیر نے روکا تھا چھ لاکھ اہلِ ستم کو
دنیا جو بچی رُوحِ محمدؐ کا سبب تھا
شبیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

۱۸۵
لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ اُمّت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۱۸۶
فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو، روکو ہمیں آکر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر!
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جاکر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

۱۸۷
بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ چاند سا رُخ، وہ قد و قامت، وہ جوانی
وہ سُوکھے ہوئے ہونٹ، وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی، کہیں باپ جیا ہے؟

۱۸۸
یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے
الفت ہمیں لے آئی ہے بھر پاس تمھارے
لڑتے ہُوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے
عباسؑ! غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
اِن سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

۱۸۹
لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے
ہے عصر کا وقت، اے اسداللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے؟

۱۹۰
کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابنِ ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۱۹۱
کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
سالم نہ کلائی تھی، نہ شانہ تھا، نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سُرخ تھے سید کے لہُو سے

★ ۱۹۲

زخموں سے جو وہ دستِ مبارک ہوئے بیکار
ہرنے پہ دھری شاہ نے سپر میاں میں تلوار
بس کعبۂ ایماں کے قریب آگئے کفّار
مظلوم کو تیغیں جو لگانے لگے اک بار[1]
یوں شاہ کو گھیرے تھے پرے فوجِ ستم کے
جس طرح صف آرا تھے صنم گرد حرم کے

★ ۱۹۳

سجدے کی جگہ چھوڑی نہ تیروں نے جبیں پر
تقدیر نے لکھے کئی نقش ایک نگیں پر
کثرت تھی جراحت کی رُخِ قبلۂ دیں پر
ہر جا خطِ شمشیر تھی قرآن مبیں پر
تلواروں کے ٹکڑے تھے ہر اک جزوِ بدن پر
مجموعہ پریشان تھا، سی پارہ تن پر

★ ۱۹۴

حضرت کی یہ صورت تھی، فرس کا تھا یہ احوال
منہ تیغوں سے زخمی تھا بدن تیروں سے غربال
گھائل تھی جبیں خوں میں ڈوبی ہوئی تھی یال
گردن کا وہ کینڈا نہ وہ شوخی تھی نہ وہ چال
ہر سمت سے تیروں کا جو مینہ اس پہ پڑا تھا
پر کھولے ہوئے دھوپ میں طاؤس کھڑا تھا

۱۹۵

جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا راہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِؑ دل افگار
اب خاتمۂ جنگ ہے، اے اسپِ وفادار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں، نہ ہاتھ ہمارا

۱۹۶

زخمی ہے، نہیں اب تری تکلیف گوارا
گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں بھی نہیں یارا
کیا بات تری، خوب دیا ساتھ ہمارا
آ پہنچا ہے منزل پہ یداللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

۱۹۷

گھیرے ہیں عدو، خیمے تلک جا نہیں سکتے
کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا، تجھے دوڑا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں، ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں، مجھے درد ہے سب کا

۱۹۸

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سنی درد کی باتیں جو یہ ساری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہِ والا کے قدم پر

۱۹۹

گردن کو ہلایا کہ مسیحا! نہ اُتریے
دم ہے ابھی مجھ میں، مرے آقا! نہ اُتریے
تلواریں لیے گرد ہیں اعدا، نہ اُتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا! نہ اُتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مری زیں ہو

---

[1] نسخہ دیگر: مظلوم پہ تیغیں کئی سو چل گئیں اک بار

۲۰۰

شہ نے کہا، تا چند مسافر سے محبت
وہ تو نے کیا، ہونا ہے جو حقِ رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں، نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

۲۰۱

ہے عصر کا ہنگام، مناسب ہے اترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلہ صعب ہے دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

۲۰۲

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا، زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
کپڑے تنِ پُر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو راہوار کی گردن پہ دھرے تھے

۲۰۳

منہ بال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے راہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکمِ خدا ہو

۲۰۴

یہ کہہ کے جو سر کا اسداللہ کا جایا
اِک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا
پیکانِ سہ پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ، زہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

۲۰۵

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وُہ تیر
جو سر پہ لگی تیغ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلّائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؑ کا

۲۰۶

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

۲۰۷

نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک، بنِ کامل کا کلیجے کے ہوا پار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رُک گیا، نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

۲۰۸
تھرّا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعد جفا کار
اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشن جرّار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۲۰۹
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیّدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
برقع تھا، نہ مقنع تھا، نہ موزے تھے نہ چادر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو، فاطمہؓ آتی ہے بچانے کو پسر کے

۲۱۰
ہلتا تھا فلک، ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فرماتی تھیں، فضہ جو اڑھا دیتی تھی معجر
فریادی ہوں، فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یونہی جاؤں میں روضے پہ نبیؐ کے
پردہ تو گیا ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۲۱۱
اُس بھیڑ میں آکر وہ ضعیفہ یہ پکاری
اے سبطِ نبیؐ، ابنِ علیؑ، عاشقِ باری
گھوڑا تو ہے کوتل، کدھر اتری ہے سواری
بھیّا! بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۲۱۲
اُس وقت شہِ دیں نے سُنی زاریِ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستم گر
زینبؑ نکل آئی ہے، ٹھہر جا، ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

۲۱۳
منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دیکھو گی کسے، ہم تو ہیں پنجے میں قضا کے
اُٹھ سکتے نہیں، جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ، امّاں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

۲۱۴ ★
جاؤ صفِ ماتم پہ کرو گریہ و زاری
گھر سے نکل آئے نہ سکینہ مری پیاری
فردوس سے آ پہنچی ہے نانا کی سواری
بس اب نہ سُنو گی بہن! آواز ہماری
رونا ہے تو رو لیجو مرے لاشے پہ آ کے
ہٹ جاؤ کہ سر کٹتا ہے سجدے میں خدا کے

۲۱۵
دوڑی یہ صدا سُن کے یداللہ کی جائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے! بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو، نہ گردن کو، نہ شمشیر کو دیکھا
پہنچیں تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا

۲۱۶

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بے کس یہ پکاری
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربیؐ کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۲۱۷

ہے ہے، پسرِ صاحبِ معراج، حسیناؑ!
پردیس میں بہوں کا لٹا راج، حسیناؑ!
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج، حسیناؑ!
ہے ہے، کفن و گور کے محتاج، حسیناؑ!
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشا بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

۲۱۸

قربان بہن، اے مرے سرور! مرے سید
مذبوحِ قفا کشتۂ خنجر، مرے سید
اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سید
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر، مرے سید
دیتے ہو صدا کچھ، نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

۲۱۹

بھیا! مرا کوئی نہیں، تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیدِ ذی جاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا، آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھیا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

۲۲۰

اے میرے شہید! اے مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
انساں پہ ستم یہ کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

۲۲۱

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بیچین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مرے تو چین
ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

مرثیہ ۲

کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا

۱

کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا
کیا درد ہے، جز دل کوئی محرم نہیں جس کا
کیا داغ ہے، جلنا کوئی دم کم نہیں جس کا
کیا غم ہے کہ آخر کبھی ماتم نہیں جس کا
کس داغ میں صدمہ ہے فراقِ تن و جاں کا
وہ داغ ضعیفی میں ہے، فرزندِ جواں کا

۲ مطلع دوم

جب باغِ جہاں اکبرِ ذی جاہ سے چھوٹا
پیری میں برابر کا پسر شاہ سے چھوٹا
فرزندِ جواں، ابنِ اسد اللہ سے چھوٹا
کیا اخترِ خورشید لقا ماہ سے چھوٹا
تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبیرؑ
ناموس میں ماتم تھا کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

۳

ہے ہے علی اکبرؑ کا ادھر شور تھا گھر میں
اندھیر تھی دنیا، شہِ والا کی نظر میں
فرماتے تھے سوزش ہے عجب داغِ پسر میں
اٹھتا ہے دھواں، آگ بھڑکتی ہے جگر میں
پیغامِ اجل اکبرؑ ناشاد کا غم ہے
عاجز ہے بشر جس سے وہ اولاد کا غم ہے

۴

اُس گیسوؤں والے کے بچھڑ جانے نے مارا
افسوس بڑھا ضعف، گھٹا زور ہمارا
دنیا میں محمدؐ کا یہ ماتم ہے دو بارا
عالم ہے عجب جانِ جہاں آج سدھارا
چادر بھی نہیں لاشۂ فرزندِ حسیں پر
کس عرش کے تارے کو سلا آئے زمیں پر

۵

پیری پہ میری رحم کر، اے خالقِ ذوالمن!
طے جلد ہو اب مرحلۂ خنجر و گردن
قتلِ علی اکبرؑ کی خوشی کرتے ہیں دشمن
تجھ پر میرے اندوہ کا سب حال ہے روشن
مظلوم ہوں، مجبور ہوں، مجروح جگر ہوں
تو صبر عطا کر مجھے، یا رب کہ بشر ہوں

۶

پھر لاشۂ اکبرؑ نظر آئے تو نہ روؤں
برچھی جو کلیجے میں در آئے تو نہ روؤں
دل دردِ محبت سے بھر آئے تو نہ روؤں
سو بار جو منہ تک جگر آئے تو نہ روؤں
شکوہ نہ زباں سے غمِ اولاد میں نکلے
دم تن سے جو نکلے تو تری یاد میں نکلے

۷

اک عمر کی دولت تھی، جسے ہاتھ سے کھویا
ہر وقت رہا، میں تری خوشنودی کا جویا
پالا تھا جسے گود میں، وہ خاک پہ سویا
میں لاش پہ بھی خوف سے تیرے نہیں رویا
قسمت نے جوانوں کو سبکدوش کیا ہے
مجھ کو تو اجل نے بھی فراموش کیا ہے

۸ ★

یہ تازہ جواں تھا مری پیری کا سہارا
آگے مرے اعدا نے اسے نیزے سے مارا
ناشاد و پُر ارمان اُٹھا وہ مرا پیارا
اٹھارھواں تھا سال کہ دنیا سے سدھارا
سمجھوں گا میں رُوٹھے مجھے جب رُوئیں گے اِس کو
یہ ہے وہ جواں مرگ کہ سب رُوئیں گے اِس کو

۹

اس حال سے روتے ہوئے داخل ہوئے گھر میں
ترتھی تنِ انور کی قبا خونِ پسر میں
سوزشِ دلِ پُر داغ میں ہے، درد جگر میں
خم آگیا تھا بارِ مصیبت سے کمر میں
پنہاں تھا جو فرزندِ جگر بند نگہ سے
موتی رُخِ انور سے ٹپکتے تھے مژہ سے

۱۰

بانوؑ سے کہا رو کے خوشا حال تمھارا
صرفِ رہِ معبود ہوا مال تمھارا
مقبول ہوئی نذر یہ اقبال تمھارا
سجدے کرو، پروان چڑھا لال تمھارا
دل خوں ہے کلیجے پہ سناں کھا کے مرے ہیں
ہم اُس کی امانت اسے پہنچا کے پھرے ہیں

۱۱

جیتے تھے تو آخر علی اکبر کبھی مرتے
گر بیاہ بھی ہوتا تو زمانے سے گزرتے
سینے سے کلیجے کو جدا ہم جو نہ کرتے
بگڑی ہوئی اُمت کے نہ پھر کام سنورتے
گر حلق سے اُس شیر کی شمشیر نہ ملتی
یہ اجر نہ ہاتھ آتا یہ توقیر نہ ملتی

۱۲ ★

صاحب! تمھیں ہم سے ہے محبت تو نہ رونا
بیٹا تو گیا، صبر کی دولت کو نہ کھونا
اکبرؑ نے تو آباد کیا، قبر کا کونا
ہم بھی ہوں اگر ذبح، تو بیتاب نہ ہونا
جُز نفع ضرر طاعتِ باری میں نہیں ہے
جو صبر میں لذت ہے وہ زاری میں نہیں ہے

۱۳

اکبرؑ نے تو جاں اپنی جوانی میں گنوائی
تھی کون سی ایذا جو نہ اُس لال نے پائی
افسوس کہ پیری میں ہمیں موت نہ آئی
تلوار نہ سر پر نہ سناں سینے پہ کھائی
غم کھائیں گے خونِ دلِ مجروح پئیں گے
کیا زور ہے جب تک وہ جِلائے گا جئیں گے

۱۴

دستور ہے مرتا ہے پدر آگے پسر کے
پہلے وہ اُٹھے تھامنے والے تھے جو گھر کے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو پدر کے
افسوس لحد بھی نہ ملے گی ہمیں مر کے
سر نیزے پہ اور دشت میں تن ہو گا ہمارا
خاک اُڑ کے پڑے گی یہ کفن ہو گا ہمارا

۱۵

زینبؑ سے کہا رختِ کُہن، لاؤ تو پہنیں
ملبوسِ شہنشاہِ زمن، لاؤ تو پہنیں
موت آگئی اب سر پہ کفن، لاؤ تو پہنیں
کپڑے جو پھٹے ہوں وہ بہن، لاؤ تو پہنیں
سر کٹ کے جو تن وادیِ پُر خار میں رہ جائے
شاید یہی پوشاک تنِ زار میں رہ جائے

۱۶
اللہ نے بچپن میں مرے ناز اٹھائے
طفلی میں نبیؐ نے شرف ایسے نہیں پائے
عُریاں تھا کہ جبریلِ امیں عرش سے آئے
فردوس کے حُلّے مرے پہنانے کو لائے
بیکس ہُوں، دل افگار ہوں آوارہ وطن ہوں
میں ہُوں وہی شبیرؑ کہ محتاج کفن ہُوں

۱۷ ★
جو مصلحت اُس کی ہے، نہیں رحم سے خالی
صابر کو عطا کرتا ہے، وہ رتبۂ عالی
وارث وہی بچوں کا وہی رانڈوں کا والی
مقہور ہے وہ جس نے بنا ظلم کی ڈالی
قاتل کا دمِ ذبح بھی شکوہ نہ کروں گا
یہ بھی کرم اُس کا ہے کہ مظلوم مروں گا

۱۸
ناشاد بہن پاؤں پہ گِر کر یہ پکاری
ماں جائے برادر تری غربت کے میں واری
بِن بھائی کے ہوتی ہے بدُ اللہ کی پیاری
گھر لُٹتا ہے کیوں کر نہ کروں گریہ وزاری
رونے کو نجف تک بھی کُھلے سر نہ گئی میں
خالی یہ بھرا گھر ہوا اور مر نہ گئی میں

۱۹
بچپن تھا کہ امّاں سے ہوئی پہلے جدائی
بابا کے لیے ماتمی صف میں نے بچھائی
روتی تھی پدر کو کہ سفر کر گئے بھائی
یثرب بھی چُھٹا دیس سے پردیس میں آئی
غم دیکھوں بڑے بھائی کا ماں باپ کو روؤں
قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اب آپ کو روؤں

۲۰
فرمایا کہ دُنیا میں نہیں موت سے چارا
رہ جاتے ہیں ماں باپ بچھڑ جاتا ہے پیارا
ہجرِ علی اکبرؑ تھا نبیؐ کو بھی گوارا
وہ مر گئے اور کچھ نہ چلا زور ہمارا
دیکھا جسے آباد وہ گھر خاک بھی دیکھو
اب خاتمۂ پنجتنِ پاک بھی دیکھو

۲۱
کِس کِس کی نہ دولت پہ زوال آگیا زینبؑ
پابندِ رضا تھا تو شرف پا گیا زینبؑ
دنیا سے گیا جو تنِ تنہا گیا زینبؑ
کِھلتا نہیں وہ پھول جو مرجھا گیا زینبؑ
جو منزلِ ہستی سے گیا، پھر نہیں ملتا
یہ راہ وہ ہے جس کا مسافر نہیں ملتا

۲۲
میں کون ہوں اِک تشنہ لب و بیکس و محتاج
بندہ تھا خدا کا سو ہوا ہوں میں طلب آج
وہ کیا ہوئے جو لوگ تھے کونین کے سرتاج
نہ حیدرِ کرّارؑ ہیں نہ صاحبِ معراج
کچھ پیٹنے رونے سے نہ ہاتھ آئیگا زینبؑ
آیا ہے جو اِس دہر میں وہ جائیگا زینبؑ

۲۳
کس طرح وہ بیکس نہ اجل کا ہو طلب گار
ناصر نہ ہو جس کا کوئی دنیا میں نہ غمخوار
اِک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں گرفتار
اکبرؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ علمدار
کوشش ہے کہ سجدہ تہِ شمشیر ادا ہو
تنہائی کا مرنا ہے خدا جانیے کیا ہو

۲۴
قاتل جو چھری خشک گلے پر مرے پھیرے
خالص رہے نیت کوئی تشویش نہ گھیرے
کٹنے میں رگوں کے یہ سخن لب پہ ہو میرے
قربان حسینؑ ابنِ علیؑ نام پہ تیرے
بہنوں کی نہ ہو فکر نہ بچوں کی خبر ہو
اس صبر سے سر دوں کہ مہم عشق کی سر ہو

۲۵ ★
گو تیسرا فاقہ ہے مگر ہے مجھے سیری
گھبراتا ہوں ہوتی ہے جو سر کٹنے میں دیری
کچھ غم نہیں امت نے نظر مجھ سے جو پھیری
راضی رہے معبود یہی فتح ہے میری
ہدیہ مرا مقبول ہو درگاہ میں اُس کی
آباد وہ گھر ہے جو لُٹے راہ میں اس کی

۲۶
فرما کے یہ ہتھیار سجے آپ نے تن پر
غُل پڑ گیا، شاہِ شہدا چڑھتے ہیں رن پر
احمدؐ کی قبا آپ نے پہنی جو بدن پر
پیدا ہوا اک جلوۂ نَو رُخت کہن پر
اللہ رے خوشبوُ تنِ محبوبِ خدا کی
پھولوں کی مہک آگئی کلیوں سے قبا کی

۲۷
وہ پھول سے رخسار، گلابی وہ عمامہ
تعریف میں خود جس کی سر افگندہ ہے خامہ
وہ زرد عبا نور کی وہ نور کا جامہ
برسوں جو لکھیں ختم نہ ہو مدح کا نامہ
کپڑے تنِ گلرنگ کے خوشبو میں بسے تھے
ٹوٹی کمر امت کی شفاعت پہ کسے تھے

۲۸
شمشیرِ ید اللہ لگائی جو کمر سے
سر پیٹ کے زینبؑ نے ردا پھینک دی سر سے
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے آپ جو گھر سے
بچوں کی طرف تکتے تھے حسرت کی نظر سے
اُس غل میں جُدا شہ سے نہ ہوتی تھی سکینہؑ
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو روتی تھی سکینہؑ

۲۹
شہ کہتے تھے بی بی ہمیں رو کر نہ رُلاؤ
پھر پیار کریں ہم تمھیں منہ آگے تو لاؤ
وہ کہتی تھی ہمراہ مجھے لے لو تو جاؤ
میں کیا کروں میداں میں اگر جا کے نہ آؤ
نیند آئے گی جب آپ کی بُو پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

۳۰
فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر
چھاتی پہ سُلائے گی تمھیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغرؑ
فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پر
شب ہوئے گی اور دشت میں ہم ہوئیں گے بی بی
اصغرؑ مرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

۳۱
وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
میں آپ سے بولوں گی نہ اب یا شہِ ابرار
اچھا نہ اگر کیجئے جلد آنے کا اقرار
مر جاؤں گی اس شب کو تڑپ کر میں دل افگار
کیسی ہیں یہ باتیں مرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

۳۲

اصغرؑ بھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں سوئے
بہلا لیا امّاں نے اگر چونک کے روئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے
یہ پیار ہو جس پر اُسے یُوں ہاتھ سے کھوئے
جیتے رہیں فرزند کہ سب لختِ جگر ہیں
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ امّاں کے پسر ہیں

۳۳

شہ کہتے تھے صدمہ دلِ مضطر پہ ہے بی بی
ہفتم سے تباہی مرے سب گھر پہ ہے بی بی
اعدا کی یورش سبطِ پیمبرؐ پہ ہے بی بی
جس نے تمھیں پیدا کیا وہ سر پہ ہے بی بی
چھوٹے نہ وہ جو صبر کا جادہ ہے سکینہؑ
ماں باپ سے پیار اس کا زیادہ ہے سکینہؑ

۳۴

لو روؤ نہ اب صبر کرو باپ کو جانی
کچھ دیتی ہو عباسؑ کو پیغام زبانی
اُودے ہیں لبِ لعل یہ ہے تشنہ دہانی
ملتا ہے تو بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
محبوبِ الٰہی کے نواسے ہیں سکینہؑ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہؑ

۳۵

دنیا ہے یہ شادی ہے کبھی اور کبھی آلام
راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کبھی آغاز کا انجام
وُہ دن گئے کرتی تھیں جو اس چھاتی پہ آرام
ضد کر کے نہ اب رات کو رویا کرو بی بی
جب ہم نہ ہوں تم خاک پہ سویا کرو بی بی

۳۶

سمجھا کے چلے آپ سکینہؑ کو غش آیا
غُل تھا کہ اٹھا سر سے شہنشاہ کا سایا
ڈیوڑھی سے جو نکلا اسد اللہ کا جایا
رہوار سبک سیر کو روتا ہوا پایا
کس عالمِ تنہائی میں سیّد کا سفر تھا
بھائی نہ بھتیجا نہ ملازم نہ پسر تھا

۳۷

سائے کی طرح جو نہ جدا ہوتی تھی دم بھر
وہ رات کی جاگی ہوئی سوتی تھی زمیں پر
گردوں کی طرف دیکھ کے فرماتے تھے سرور
تو سر پہ ہے تنہا نہیں فرزندِ پیمبرؐ
کچھ کام نہ اس بیکس و ناشاد سے ہوگا
جو ہوگا وہ مولا تری امداد سے ہوگا

۳۸

روتے ہوئے مولا جو قریبِ فرس آئے
نصرت کی صفیں باندھے مَلک عرش ولیں آئے
فریاد کناں جن بھی مثالِ جرس آئے
جنگل سے ہٹے پانچ جو دستے تو دس آئے
ڈھالیں لیے سب ہاتھوں کو قبضوں پہ دھرے تھے
لشکر سے جِنّوں کے بھی کئی دشت بھرے تھے

۳۹

تھی قومِ نبی جان بھی سرداری کو حاضر
فوجوں کے طلائے تھے خبرداری کو حاضر
لشکر تھا فرشتوں کا مددگاری کو حاضر
جبریلؑ تھے خود حاشیہ برداری کو حاضر
تولے ہوئے نیزوں کو لڑائی پہ تلے تھے
رہوار تو ابلق تھے علم سبز کھلے تھے

۴۰
اصرار کیا سب نے پہ حضرت نے نہ مانا
جز حق مددِ غیر کو رد کرتے ہیں دانا
وہ شاہ کہ جس کے یدِ قدرت میں زمانا
کون آیا گیا کون یہ مطلق بھی نہ جانا
بندہ وہی بندہ ہے جو راضی ہو رضا پر
اَوروں سے اُسے کیا جسے تکیہ ہو خدا پر

۴۱
کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
ہم آپ کے بابا کی مدد کرتے تھے ہر بار
فرمایا وہ خواہاں تھے کہ مغلوب ہوں کفار
میں اپنی شہادت کا خدا سے ہوں طلبگار
جان آج ہماری کسی صورت نہ بچے گی
بالفرض بچالیں تو پھر اُمت نہ بچے گی

۴۲
زعفر نے یہ کی عرض بصد اشک فشانی
ہو حکم تو لے آؤں ابھی نہر سے پانی
کچھ کام تو لے اے اسد اللہ کے جانی
فرمایا کہ مطلق نہیں اب تشنہ دہانی
دریا بھی جو خود آئے تو لب تر نہ کروں گا
احمدؐ کا نواسا ہوں میں پیاسا ہی مروں گا

۴۳
جس وقت فلک پر ہو عیاں ماہِ محرّم
ہر تعزیہ خانہ میں بپا ہو مرا ماتم
جو بیبیاں ہیں روئیں گھروں میں مجھے باہم
مردوں میں یہ ہو شور کہ ہے ہے شہِ عالم
سب پیر و جواں روئیں یہ انجام ہو میرا
مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ نام ہو میرا

۴۴
دنیا میں مرے گا جو کسی شخص کا بھائی
یاد آئے گی عباسؑ دلاور کی جُدائی
جاں اپنی بھتیجے نے کسی کے جو گنوائی
روئے گا کہ قاسمؑ نے سناں سینہ پہ کھائی
اولاد کا ماتم جسے ناشاد کرے گا
اکبرؑ کے جواں مرنے کو وہ یاد کرے گا

۴۵
دس روز شب و روز ہو غل ہائے حسینؑا
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے جائے حسینؑا
زخمِ تبر و تیر و سناں کھائے حسینؑا
سب پانی پئیں اور نہ تو پائے حسینؑا
جب پانی پئیں اشک فشانی کو نہ بھولیں
بچّے بھی مری تشنہ دہانی کو نہ بھولیں

۴۶
زینبؑ نے پکارا مرے ماں جائے برادر
ناشاد بہن لینے رکاب آئے برادر
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر
صدقے ہو بہن گر تمھیں پھر پائے برادر
غش آئے گا دو گام پیادہ جو بڑھو گے
اس ضعف میں رہوار پہ کس طرح چڑھو گے

۴۷
حضرت نے یہ فرمایا کہ خواہر نہ نکلنا
جب تک کہ میں زندہ رہوں باہر نہ نکلنا
لِلّٰہ بہن کھولے ہوئے سر نہ نکلنا
سر کھول کے کیا اوڑھ کے چادر نہ نکلنا
کیا تم نے کہا دل مرا تھرّا گیا زینبؑ
بھائی کی مناجات میں فرق آگیا زینبؑ

۴۸

رخصت ہوئے روتے ہوئے سارے مَلک و جن
گھوڑے پہ چڑھا تن کے وہ کونین کا محسن
آفت کا تھا وہ وقت قیامت کا تھا وہ دن
سایا نہ کسی جا تھا نہ پانی کہیں ممکن
عباسؑ کے حملے جو لعیں دیکھ چکے تھے
دریا بھی نظر بند تھا یوں گھاٹ رُکے تھے

۴۹

وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
وہ گرم زرِہ اور وہ ہتھیاروں کا جلنا
وہ گرد کا مقتل میں تق لوں کا وہ چلنا
وہ بَن میں پہاڑوں سے شراروں کا نکلنا
گرمی سے فرس میں بھی نہ وہ تیز تگی تھی
پیاسے تھے حسینؑ آگ زمانے کو لگی تھی

۵۰

جب جنگ کو میداں میں شہِ بحر و بر آئے
اللہ ری تمازت کہ پسینے میں تر آئے
غصے میں جو ہلتے ہوئے ابرو نظر آئے
غل تھا کہ علیؑ تول کے تیغِ دوسر آئے
حُسن خمِ ابرو تھا دو بالا مہِ نَو سے
چہرے میں زیادہ تھی ضیا مہر کی ضَو سے

۵۱

چہرہ وہ کہ رضواں نو دکھائے چمن ایسے
جنت کے گلستاں میں نہیں گلبدن ایسے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہن ایسے
ہے شور جہاں میں نمک ایسا سخن ایسے
قرآں نہ اُترتا تو قرأت بھی نہ ہوتی
یہ خلق نہ ہوتے تو فصاحت بھی نہ ہوتی

۵۲

منظور نظر گیسُو و رخسارۂ تاباں
ظلمت کی سحر گیسُو و رخسارۂ تاباں
ہالے میں قمر گیسُو و رخسارۂ تاباں
مشک و گلِ تر گیسُو و رخسارۂ تاباں
دیکھے نہ کبھی نورِ سحر دیکھ کے ان کو
دو راتوں میں دو چاند نظر آتے ہیں دن کو

۵۳

آئینے کا کیا منھ کہ جبیں سے ہو مقابل
مہتاب کہوں گر تو وہ ناقص ہے یہ کامل
چہرے پہ کلف صاف ہے یہ عیب ہیں داخل
خورشید بھی اصلاً نہیں تشبیہ کے قابل
ہمسر ہوں وہ کیونکر کوئی نسبت نہیں جن کو
یہ رات کو پیشانی سے محجوب وہ دن کو

۵۴

آراستہ لشکر ہے ادھر ہلتے ہیں بھالے
قبضوں پہ ہیں چالاک جواں ہاتھوں کو ڈالے
بدکیش ہیں واں تیروں کو ترکش سے نکالے
فوجوں پہ تو فوجیں ہیں رسالوں پہ رسالے
خنجر وہ کلیجے پہ جو زہراؑ کے پھرے ہیں
شاہِ شہدا قلعۂ آہن میں گھرے ہیں

۵۵

تلواریں لیے دشمنِ جاں ایک طرف ہیں
گھوڑے پہ شہِ کون و مکاں ایک طرف ہیں
تیر ایک طرف گرزِ گراں ایک طرف ہیں
آپ ایک طرف لاکھ جواں ایک طرف ہیں
سر کٹنے کا دھڑکا نہیں وسواس نہیں ہے
فوجوں سے وغا اور کوئی پاس نہیں ہے

۵۶ ★

وہ دشت وہ گرمی وہ حرارت وہ تب و تاب
پانی کا جو قطرہ ہے وہ ہے گوہرِ نایاب
انسان کا تو کیا ذکر پرندے بھی ہیں بے تاب
لو چلتی ہے مرجھائے ہوتے ہیں گلِ شاداب
اڑتے ہیں شرر آگ بیاباں میں بھری ہے
پھولوں میں نہ سرخی ہے نہ سبزے میں تری ہے

۵۷ ★

وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن ہوتے ہیں کالے
ضیغم ہیں ترائی میں زبانوں کو نکالے
ریتی پہ دھرے پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
دھوپ اس پہ یہ سہتے ہیں جسے فاطمہؑ پالے
تابش ہے کہ اک ایک کڑی نرم ہوئی ہے
سب سرخ ہے سینہ پہ زرہ گرم ہوئی ہے

۵۸

بے سایہ جو ہے لاشۂ ہم شکلِ پیمبرؐ
بکسے ہوئے ہیں دھوپ میں زخمِ تنِ انور
واحسرت و دردا کہ نہیں لاش پہ چادر
سوتے ہیں لبِ نہر علمدارِ دلاور
تنہا جو وہ ساونت ہزاروں سے لڑا ہے
مارا ہوا اک شیر ترائی میں پڑا ہے

۵۹

فرماتے ہیں گرمی کی بس اب مجھ کو نہیں تاب
میں تین شب و روز سے جنگل میں ہوں بے آب
مرجھاتے ہیں سب باغِ علیؑ کے گلِ شاداب
کیونکر وہ جئے جس سے بچھڑ جائیں یہ احباب
صابر ہوں میں ایسا ہی کہ غش آ نہیں جاتا
ان پھولوں کو اس خاک پہ دیکھا نہیں جاتا

۶۰

اتنی مجھے مہلت دو کہ قبریں تو بناؤں
سیدانیوں سے بہرِ کفن چادریں لاؤں
اس خاک میں ان چاند کے ٹکڑوں کو ملاؤں
یہ دفن ہوں میں قبر نہ پاؤں تو نہ پاؤں
قطرہ کوئی اس نہر سے پیاسے کو نہ دینا
مٹی بھی محمدؐ کے نواسے کو نہ دینا

۶۱

کیا ان سے عداوت جو گئے دارِ فنا سے
کوتاہ ہیں چلنے سے قدم ہاتھ وغا سے
مطلب انھیں دریا سے نہ کچھ سرد ہوا سے
رحم ان کا طریقہ ہے جو ڈرتے ہیں خدا سے
مہماں تھے لڑے بھی تو یہ سب حق پہ لڑے ہیں
آخر یہ بشر ہیں کہ جو بے گور پڑے ہیں

۶۲

مرتا ہے مسافر کسی بستی میں کوئی گر
سب لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں مل کر
قرآں کوئی پڑھتا ہے کہ بیکس تھا یہ بے پر
لے آتا ہے تربت پہ کوئی پھولوں کی چادر
غم کرتے ہیں سب فاتحہ خوانی میں سوم کو
سید ہیں یہ اور شرم نہیں آتی ہے تم کو

۶۳

ان میں کئی بچے ہیں کہ نکلے تھے نہ گھر سے
نازک ہیں صباحت میں زیادہ گلِ تر سے
افتادہ ہیں اس دھوپ میں یہ تین پہر سے
پوچھے کوئی یہ درد و الم میرے جگر سے
نرغہ ہے کہ تلواروں میں دم لے نہیں سکتا
زندہ ہوں میں اور ان کو کفن دے نہیں سکتا

۶۴
یہ سن کے پکارا پسرِ سعد بد افعال
کیسا کفن اور کیسی لحد فاطمہؑ کے لال
اکبرؑ ہوں کہ ہوں قاسمؑ و عباسؑ خوش اقبال
ہم گھوڑوں کی ٹاپوں سے کریں گے انھیں پامال
سینوں پہ گلِ زخم ابھی اور کھلیں گے
سجّادؑ کو ٹکڑے بھی نہ لاشوں کے ملیں گے

۶۵
حضرت نے کہا دُور ہو او ظالمِ مردود
اللہ شہیدوں کی حفاظت کو ہے موجود
یہ وُہ ہیں کہ زہراؑ و نبیؐ جن سے ہیں خوشنود
ہر لاش کو گھیرے ہوئے ہے رحمتِ معبود
قبروں میں بھی جنّت کے چمن ان کو ملیں گے
فردوس کے حُلّوں کے کفن ان کو ملیں گے

۶۶
میں دیر سے آمادہ ہوں تلوار کو تولے
کہدے کہ علم فوج صفیں باندھ کے کھولے
ماروں انھیں پھوٹیں کہیں تجھ دل کے پھپھولے
سر تن سے اڑا دوں کوئی اب مُنھ سے جو بولے
آرام سفر کر گیا راحت نہیں باقی
بڑھتا ہوں کہ بس اب کوئی حجت نہیں باقی

۶۷
یہ فوج ہے کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں
کیا ڈر انھیں بچپن میں جو تلواروں سے کھیلیں
الٹیں صفتِ کاہ اگر کوہ کو ریلیں
گو قہ تو ہے کیا شام کو اور روم کو لے لیں
چاہیں تو زمیں کے ابھی ساتوں طبق الٹیں
یوں الٹیں کہ جس طرح ہوا سے ورق الٹیں

۶۸
کہتے ہیں جسے اہلِ جہاں گنبدِ گردان
نُہ ورقے میں اِک جزوِ کتابِ شہِ مرداں
ہم آج ہیں عالم میں قضا فہم و قدر دان
حق بین و حق آگاہ و سخن سنج و ہنر دان
کس امر میں تقلیدِ محمدؐ نہیں کرتے
فاقوں میں سوالِ فقرا و نہیں کرتے

۶۹
اللہ نے کونین کی شاہی ہمیں دی ہے
امداد رسولوں کی مرے باپ نے کی ہے
مجھ میں بھی وہی دل، وہی شوکت، وہی جی ہے
سر پر سے ہیں جب تیغِ علیؑ میان سے لی ہے
سر تن سے کٹے جب تو مہم جنگ کی سر ہے
مرجائے بہ عزّت یہ بہادر کی ظفر ہے

۷۰
ہم دولتِ دنیا کبھی گھر میں نہیں رکھتے
توقیرِ زر و مال نظر میں نہیں رکھتے
رکھتے ہیں قدم خیر میں شر میں نہیں رکھتے
کچھ اور بجز تیغ کمر میں نہیں رکھتے
نذرِ رہِ معبود تن و سر ہے ہمارا
زیور ہے یہی اور یہی سر ہے ہمارا

۷۱
شہر اس کی تب و تاب سے ویرانے ہوئے ہیں
جب چمکی ہے یہ دیو بھی دیوانے ہوئے ہیں
مُنھ وُہ ہے کہ تلواروں میں دندانے ہوئے ہیں
لوہا وہ کہ جبریلؑ جسے مانے ہوئے ہیں
کر دیتی ہے شب دشمنِ ایماں کے دنوں کو
چڑھ آتی ہے تپ اس کے شراروں سے جنوں کو

۷۲
برباد اسی تیغ سے سرکٹ کے ہُوئے ہیں
جانبر جو ہوئے، بھاگ کے یا ہٹ کے ہُوئے ہیں
عاجز ہے زرہ خود بھی سر ٹیکے ہوئے ہیں
اب تک پرِ جبریلِ امینؑ سُکے ہوئے ہیں
باعث یہ نہ ہوتا تو پھر آرام نہ لیتے
تھا خاتمہ گر ہاتھ علیؑ تھام نہ لیتے

۷۳
مشہورِ جہاں عمرو و علیؑ کی ہے لڑائی
زور اس کا کہ یہ دیو نے قوت نہیں پائی
خندق کے اِدھر آتے ہی تلوار جو کھائی
گویا تھی مہینوں سے تن و سر سے جدائی
لاشے کا اُدھر ڈھیر سرِ نحس اِدھر تھا
خندق کو جو دیکھا تو لہو تا بہ کمر تھا

۷۴
کب میان سے شمشیر دو سر لی نہیں ہم نے
لڑنے میں کبھی مُنھ پہ سپر لی نہیں ہم نے
جب تک کہ زمیں خون سے بھر لی نہیں ہم نے
کچھ اپنے سر و تن کی خبر لی نہیں ہم نے
شمشیر و سپر بعد ظفر کھولتے ہیں ہم
جب صاف ہو میداں تو کمر کھولتے ہیں ہم

۷۵
پیغامِ قضا تیغِ ید اللہ کو جانو
ہمنائے علیؑ فاطمہؑ کے ماہ کو جانو
بینائی ہو تو کوہِ گراں کاہ کو جانو
عاجز نہ کبھی بندۂ اللہ کو جانو
انگشت سے حلقے کو مروڑا ہے علیؑ نے
خیبر کا دراک ہاتھ سے توڑا ہے علیؑ نے

۷۶
اللہ رے زورِ یدِ پاکیزہ و طاہر
آثارِ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْض تھے ظاہر
کھاتے تھے سدا نانِ جویں خلق ہے ماہر
کچھ زر نہ سماتا تھا نظر میں نہ جواہر
اسباب شہنشاہِ دو عالم یہی بس تھا
قرآں تھا یہ تلوار تھی بس ایک فرس تھا

۷۷
بھاتا تھا شریکِ فقرا شاہ کو ہونا
بھُولا نہیں راتوں کو مناجات میں رونا
ہے یاد ہمیں بوریے پر راتوں کو سونا
بستر تھا وہی دن کا وہی شب کا بچھونا
اک ریزۂ زر خانۂ حیدرؑ سے نہ نکلا
دنیا سے اُٹھے جب تو کفن گھر سے نہ نکلا

۷۸
پانی بھی ملک کوثر و تسنیم کا لائے
جبریلِ امیں عرش سے رِوتے ہوئے آئے
پیوند پہ پیوند جو ملبوس میں پائے
سر پیٹ کے ہم بھائیوں نے اشک بہائے
جو کچھ کہ تھا قبل اپنے شہنشاہ نے بھیجا
کافور نبیؐ نے کفن اللہ نے بھیجا

۷۹
اللہ ہے عالم کہ وہی حال ہے میرا
ریتی پہ پڑا ہے جو زر و مال ہے میرا
یہ گوہر و یاقوت ہے وہ لال ہے میرا
اس دشت میں جو مال ہے پامال ہے میرا
آرام پس از رنج و محن بھی نہ ملے گا
مجھ کو تو کئی روز کفن بھی نہ ملے گا

۸۰
ہم اپنے جو لشکر کے پرے تم کو دکھائیں
تم کیا ہو نبی جان کی جاں نیں ابھی جائیں
جرّار کبھی تاب ٹھہرنے کی نہ لائیں
مرجائیں ہزاروں تو ہزاروں کو غش آئیں
منظور ملائک کی جو امداد کروں میں
اک اپنے لیے لاکھوں کو برباد کروں میں

۸۱
میں نے تو بھرے گھر کو تمھارے لیے چھوڑا
دربارِ پیمبرؐ کو تمھارے لیے چھوڑا
اُس قبرِ منوّر کو تمھارے لیے چھوڑا
بیماری میں دختر کو تمھارے لیے چھوڑا
نے ماں کے نہ پہلو میں بڑے بھائی کے جا ہو
قسمت میں یہ تھا قبر مری سب سے جدا ہو

۸۲
سچ ہے سخنِ حق میں بڑی ہوتی ہے تاثیر
تھرّائے جگر رونے لگے فوج کے بے پیر
مولا نے سنبھل کر جو رکھی دوش پہ شمشیر
ہٹ کر پسرِ سعد پکارا کہ چلیں تیر
اک حشر بپا ہو گا جو یہ شیر لڑے گا
سر خاک پہ لوٹیں گے بڑا کھیت پڑے گا

۸۳
نقارۂ رزمی پہ لگی چوب یکایک
تھرّانے لگا دشتِ پُر آشوب یکایک
تلواریں کھنچیں زہر میں سر ڈوب یکایک
لشکر سے بڑھے فوج کے سرکوب یکایک
رحم آیا نہ اعدا کو ولی ابنِ ولی پر
نرغہ ہوا مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۸۴
غُل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
زہرے جسے سُن سُن کے ہوئے جاتے تھے پانی
کالے وہ عَلَم شام کے لشکر کی نشانی
وہ تیر جگر دوز کمانیں وہ کیانی
اک تیر سے مرجانے میں عرصہ نہیں کھنچتا
رستم سے بھی جن کا کبھی چلّہ نہیں کھنچتا

۸۵ ★
تحت الحنکیں باندھے سوارانِ تنومند
جن کے کبھی نیزوں کے نہ رستم سے کھُلے بند
وہ گرزِ سپر فرق پہ رو کے کوئی ہر چند
اک ضرب میں ہو جائے بشر خاک کا پیوند
نہ رُوح ہو تن میں نہ لہو قلب و جگر میں
سر سینے میں ہو سینہ مجروح کمر میں

۸۶
تلوار ادھر سیدِ ابرار نے کھینچی
یا تیغِ دوسر حیدرِ کرّارؑ نے کھینچی
تصویرِ اجل برقِ شرربار نے کھینچی
گردن طرفِ غار ہر اک مار نے کھینچی
گھبرا گئے صدمہ یہ ہوا رُوحِ امیں پر
سر رکھ دیا جھک جھک کے پہاڑوں نے زمیں پر

۸۷
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
شیروں نے ترائی سے کنارہ کیا دب کے
چونک اٹھے وہ جو سوتے تھے جاگے ہوئے شب کے
دل ہل گئے رنگ اُڑ گئے کفارِ عرب کے
سردار قدم گاڑے تھے ہر چند زمیں پر
رگڑ گر پڑے کھُل کھُل کے کمر بند زمیں پر

۸۸
نعرہ کیا بڑھ کر شہِ دیں نے کہ خبردار
لشکر سے کہا شمرِ لعیں نے کہ خبردار
صیحہ کیا جبریلِ امیں نے کہ خبردار
ماہی سے کہا گاوِ زمیں نے کہ خبردار
گیتی پہ یونہیں گریہ زد و کشت رہے گی
شاخیں مری ہوں گی نہ تری پشت رہے گی

۸۹
جنگل میں پہاڑوں کے جگر خوف سے کانپے
گرنے لگے پتے یہ شجر خوف سے کانپے
گھڑیال تھے پانی میں مگر خوف سے کانپے
تھے دور اولی الاجنحہ پر خوف سے کانپے
گر قوتِ پرواز خداداد تھی ان کو
رُودادِ پرِ رُوحِ امیں یاد تھی ان کو

۹۰
چلاتے تھے ہر صف میں نقیبانِ جفا کیش
ہاں غازیو! اس وقت بڑی جنگ ہے درپیش
فرزندِ علیؑ ہے یہ جگر خستہ و دل ریش
سر کرتے ہیں سر دے کے مہم کو ظفر اندیش
کوشش کی گھڑی جان لڑا دینے کا دن ہے
صفین کے کشتوں کے عوض لینے کا دن ہے

۹۱
مولائے اُمم لشکرِ پُر کید پہ آئے
انبوہِ عناد و حسد و شید پہ آئے
گہ عمر پہ آئے تو کبھی زید پہ آئے
یُوں آئے کہ جس طرح اجل صید پہ آئے
ہلچل تھی کہ طوفاں میں جہاز آتا ہے جیسے
تیغ آتی تھی کنجشک پہ باز آتا ہے جیسے

۹۲
سر گرنے لگے جسم سے چلنے لگی تلوار
چار آئینوں میں جا کے نکلنے لگی تلوار
افعی کی طرح زہر اُگلنے لگی تلوار
پی پی کے لہو رنگ بدلنے لگی تلوار
پانی نے اثر زہرِ ہلاہل کا دکھایا
ہر ضرب میں جلوہ حق و باطل کا دکھایا

۹۳
ہر غول میں غل تھا یہ لڑائی ہے غضب کی
انبار سر و تن ہیں صفائی ہے غضب کی
سر تن سے اُترتے ہیں چڑھائی ہے غضب کی
یہ گھاٹ نیا ہے یہ لڑائی ہے غضب کی
چھپنے کو جگہ دامنِ صحرا میں نہیں ہے
یہ باڑھ غضب کی کسی دریا میں نہیں ہے

۹۴
تلواریں جو آری ہیں تو بے آب سنانیں
بیکار تھیں میں ہیں کمینوں کی کمانیں
اک منھ میں اُسے حق نے جو دو دی ہیں زبانیں
اِس رمز کو جو سیف زباں ہوں وہی جانیں
مطلب تھا کہ اب دین کو کامل یہ کرینگے
وہ شرک کو اور کفر کو باطل یہ کرینگے

۹۵
بربادی ہوئی کفر کے لشکر کی اسی سے
گردن نہ بچی عمرِ دلاور کی اسی سے
کچھ چل نہ سکی مرحب و عنتر کی اسی سے
چُولیں ہُوئیں ڈِھیلی درِ خیبر کی اسی سے
میدان ہر اک معرکہ میں ہاتھ ہے اس کے
قبضہ کی طرح فتح و ظفر ساتھ ہے اس کے

۹۶

جو سایۂ شمشیرِ ظفر یاب میں آیا
ماہی کی طرح موت کے قلّاب میں آیا
ہر طور خلل زیست کے اسباب میں آیا
جو آگیا کاوے میں وہ گرداب میں آیا
کچھ مطلبِ دل ہاتھ بھی مارے سے نہ نکلا
دریائے دمِ تیغ کے دھارے سے نہ نکلا

۹۷

بجھ بجھ گئے بجلی سی چمک کر جدھر آئی
جل جل گئے شعلہ سی لپک کر جدھر آئی
کٹ کٹ گئے سینہ سے سرک کر جدھر آئی
مر مر گئے مقتل میں لچک کر جدھر آئی
ہر بار نیا رنگ نئی جلوہ گری تھی
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی پری تھی

۹۸

جب مثلِ سموم آکے نکل جاتی تھی سن سے
پتّوں کی طرح خاک پہ سر گرتے تھے تن سے
جو شیر تھے میداں کے ہرن ہو گئے رَن سے
وحشی بھی چلے جاتے تھے بھاگے ہوئے بَن سے
افعی نہ فقط ڈر کے دراڑوں میں چھپے تھے
دَب دَب کے درندے بھی پہاڑوں میں چھپے تھے

۹۹

سہمے ہوئے تھے مارِ سیہ گنڈلیاں مارے
ہرنوں میں جو تھے شیر تو چیتوں میں چکارے
غُل تھا کہ جلا دیں گے جہاں کو یہ شرارے
دُنیا کی تباہی کے یہ آثار ہیں سارے
تلوار کے پانی سے یہ آتش زدگی ہے
جنگل سے چلو آگ زمانہ کو لگی ہے

۱۰۰

اللہ ری مولا کی ہزاروں سے لڑائی
فوجوں سے دغا ظلم شعاروں سے لڑائی
پرخاش پیادوں سے سواروں سے لڑائی
لشکر کی حدیں چار تھیں چاروں سے لڑائی
انبوہ میں سرگرم زد و کشت کہیں تھے
جو صف سے بڑھا تیغ بکف آپ وہیں تھے

۱۰۱

ہاتھ اٹھتا تھا جب تا بہ فلک جاتی تھی بجلی
گرتی تھی سروں پر تو کڑک جاتی تھی بجلی
جب بڑھتی تھی تلوار سرک جاتی تھی بجلی
اِس پار سے اُس پار چمک جاتی تھی بجلی
گرجے ہیں پر اس طرح مسلسل نہیں گرجے
نعرے ہیں کہ ایسے کبھی بادل نہیں گرجے

۱۰۲

مقتل میں کوئی خاک پہ دم توڑ رہا تھا
باغی کوئی ہستی کا چمن چھوڑ رہا تھا
ہٹ ہٹ کے کوئی دستِ ادب جوڑ رہا تھا
گھوڑے کی ادھر باگ کوئی موڑ رہا تھا
تلوار کے سائے سے ڈرے جاتے تھے اعدا
بھاگڑ تھی کہ پس پس کے مرے جاتے تھے اعدا

۱۰۳

شمشیرِ عدو کُش کی ہوا کے وہ تھپیڑے
ڈوبے ہوئے تھے خون میں سب فوجوں کے بیڑے
گھوڑے کو بڑھانے کے لیے کیا کوئی چھیڑے
بوچھار سروں کی تھی لہو کے تھے دڑیڑے
ساون نہیں برسا کبھی بھادوں نہیں برسا
مینھ برسا ہے ہر سال مگر یُوں نہیں برسا

۱۰۴
لاشیں تھیں دس اک لاش پہ، سر گرتے تھے سر پر
پاؤں پہ کبھی ہاتھ تو سینے تھے کمر پر
چار آئینہ شانوں پہ کٹے تیر و تبر پر
خنجر تھے انھیں کے جو پھرے ان کے جگر پر
بے چلّہ کماں گرزِ گراں مشت کے نیچے
تیغیں تہِ گردن سپریں پشت کے نیچے

۱۰۵
سیدھے جو نشاں تھے انھیں کیا تیغ نے الٹا
اس صف کو بچا کر وہ پرا تیغ نے الٹا
لشکر کا ورق وقتِ وغا تیغ نے الٹا
گردن بھی الگ تھی جو گلا تیغ نے الٹا
جو صاحبِ دفتر تھا وہ مقتل سے ہٹا تھا
جس فرد کے چہرے پہ نظر کی وہ کٹا تھا

۱۰۶
چلّاتے تھے گِر گِر کے یہ جن بیرِ الم کے
جانوں کو بچاؤ کہیں یہ تیغ نہ چمکے
جل جائیں گے سائے سے اسی برقِ دو دم کے
رن پڑتا ہے لڑتے ہیں یہ جس کھیت میں جم کے
ہیں سیفِ خدا عرش سے تیغ اتری ہے ان کو
جانیں وہی ان شیروں سے ہو سامنا جن کو

۱۰۷
غالب کوئی ان پر کسی صورت نہیں رہتا
قایم قدمِ صاحبِ جرأت نہیں رہتا
بے سر ہے جو پابندِ اطاعت نہیں رہتا
کلمہ نہ پڑھے جو وہ سلامت نہیں رہتا
حملوں سے اگر ہونٹوں پہ وہ جان نہ لاتے
جنّات جو کافر تھے وہ ایمان نہ لاتے

۱۰۸
شیرِ اسدِ قلعہ شکن گونج رہا تھا
جنبش تھی پہاڑوں کو یہ رن گونج رہا تھا
قرنا سے اُدھر چرخِ کہن گونج رہا تھا
نعروں سے ادھر ظلم کا بن گونج رہا تھا
غل تھا کہ لہو، خوف سے گھٹ جانے کا دن ہے
بھاگو یہی گیتی کے الٹ جانے کا دن ہے

۱۰۹
کیا تیغ کی تعریف کرے کوئی زباں سے
جن مانگیں اماں جان کی جس آفتِ جاں سے
ہے قطعِ سخن خوب جو باہر ہو بیاں سے
دھوئی ہوئی کوثر سے زباں لاؤں کہاں سے
یوں تیغ کبھی عرش سے اتری ہے کسی کو
یہ وہ ہے خدا نے جسے بھیجا ہے نبیؐ کو

۱۱۰
تلواریں ہزاروں ہیں پہ نایاب یہی ہے
بازو درِ نصرت کا یہی باب یہی ہے
بجلی جسے کہتے ہیں وہ بیتاب یہی ہے
ہے باڑھ پہ دریا ہمہ تن آب یہی ہے
اس قبضہ[1] کو اس میل کو اس ساتھ کو دیکھو
تلوار کو کیا دیکھتے ہو ہاتھ کو دیکھو

۱۱۱
ایسا ہے لڑائی کا چلن ہاتھ میں کس کے
دیکھا ہے یہ بے ساختہ پن ہاتھ میں کس کے
ہے زورِ شہِ قلعہ شکن ہاتھ میں کس کے
یہ کاٹ، یہ گردش ہے، یہ کس بل ہاتھ میں کس کے
تلوار تو کیا انگلیاں وہ تیغ دو سر ہیں
ہاتھوں کی لکیریں نہیں تعویذِ ظفر ہیں

---
[1] اس تال کو اس میل کو اس ہاتھ کو دیکھو

۱۱۲

سر کاٹ دیا فرق پہ جس حال میں پہنچی
چہرے پہ جو گھوڑے کے پڑی بال میں پہنچی
مچھلی تھی کہ جوشن کے کبھی جال میں پہنچی
پنجہ کے لڑانے کے لیے ڈھال میں پہنچی
سمجھا یہ ہر اک برق گری دشمنِ دیں پر
پنجہ تو سپر میں تھا کلائی تھی زمیں پر

۱۱۳

اعضائے سوارانِ تنومند جدا تھے
نیزے تھے تو کیا جسم کے سب بند جدا تھے
بیٹوں سے پدر باپ سے فرزند جدا تھے
کیا وصل تھے پیوند سے پیوند جدا تھے
تنہا نہ سرِ اہلِ ستم کاٹ دیے تھے
تلوار نے رشتے بھی بہم کاٹ دیے تھے

۱۱۴

ڈھالوں کی گھٹا کا وہ ادھر جھوم کے آنا
تلوار کی بجلی کا چمکتے ہوئے جانا
جنگل کی سیاہی تھی کہ تیرہ تھا زمانا
دریا کا کنارا تھا کہ جیحوں کا دہانا
یوں سیل کبھی جانبِ صحرا نہیں آتی
ایسی کبھی برسات میں بہیا نہیں آتی

۱۱۵

سب تھے سپر انداختہ تلوار کے آگے
دو چار کے پیچھے تھے تو دو چار کے آگے
یوں موت تھی اس صاعقہ کردار کے آگے
جس طرح پیادہ چلے اسوار کے آگے
غل تھا وہ ہٹیں کھیت سے جو آگے بڑھے ہیں
سر نذر کو آپ لڑائی پہ چڑھے ہیں

۱۱۶

ڈوبا تھا کوئی اور کوئی خون میں تر تھا
ہر نخلِ قد اس معرکہ میں زیر و زبر تھا
ڈھالیں تھیں نہ ساعد تھے نہ بازو تھے نہ سر تھا
پتے تھے نہ شاخیں نہ شجر تھا نہ ثمر تھا
یوں باغ کی رونق کبھی جاتے نہیں دیکھی
ایسی بھی خزاں آج تک آتے نہیں دیکھی

۱۱۷

جو برچھیاں بے پھل تھیں وہ خجالت سے گڑی تھیں
آری تھیں وہ تلوار سے تیغیں جو لڑی تھیں
تھیں کُند سنانیں وہ جو نیزوں سے کڑی تھیں
جوشن پہ بھی ایسی کبھی کڑیاں نہ پڑی تھیں
ریتی پہ کٹے ہاتھوں کا پشتارہ ہوا تھا
ہر پارۂ چار آئنہ صد پارہ ہوا تھا

۱۱۸

ٹکڑے ہیں کمانیں قدر انداز کریں کیا
آفت کا نشانہ ہیں فسوں ساز کریں کیا
بے تیر ہے ترکش کا دہن باز کریں کیا
اُڑ جائیں پرِ تیر تو پرواز کریں کیا
چلّے بھی تو گوشوں کی طرح ساتھ نہیں ہیں
جس پاس کماں رہ گئی ہے ہاتھ نہیں ہیں

۱۱۹ ★

زرہیں جو کٹیں موت کے قابو میں بس آئے
جب دام سے چھوٹے تو میانِ قفس آئے
جو رنگ تھے جو راس و چپ و پیش و پس آئے
وہ بیس ہوئے تیغ کے نیچے جو دس آئے
نہ غول نہ مجمع نہ پرا تھا نہ وہ صف تھی
تھی ایک ہی بجلی پہ چمک چار طرف تھی

۱۲۰

رحم ایک جگہ ہے تو عتاب ایک جگہ ہے
اک جا ہے ظفر فتح کا باب ایک جگہ ہے
برق ایک جگہ ہے تو سحاب ایک جگہ ہے
حیرت کی ہے جا آتش و آب ایک جگہ ہے
وہ نار جسے خوں کی روانی نہ بجھائے
یہ آگ وہی ہے جسے پانی نہ بجھائے

۱۲۱

جس فرق پہ یہ صاعقہ کردار گری ہے
سر تن سے گرا ہاتھ سے تلوار گری ہے
اک بار کہیں برق شرر بار گری ہے
سو بار یہ اٹھی ہے تو سو بار گری ہے
ٹالے یہ بلا سر سے جو کوئی تو قدم لیں
اتنی ہمیں مہلت نہیں ملتی ہے کہ دم لیں

۱۲۲

مولا سا کوئی سائف و سیاف نہیں ہے
صف کونسی ایسی ہے کہ جو صاف نہیں ہے
دنیا میں عدالت نہیں انصاف نہیں ہے
ایسا تو کوئی قاف سے تا قاف نہیں ہے
دکھلا دیے جوہر تھے جو خالق کے ولی کے
نے قبل لڑا کوئی نہ یوں بعد علیؑ کے

۱۲۳

اللہ ری لڑائی میں سبک تازیِ شبدیز
شہباز بھی تھے قائلِ جانبازیِ شبدیز
وہ سینہ وہ گردن وہ سرافرازیِ شبدیز
وہ آنکھ وہ چہرہ وہ خوش اندازیِ شبدیز
جس طرح فرو رہتی ہے مایوس کی گردن
گردن سے یونہی جھکتی ہے طاؤس کی گردن

۱۲۴ ★

کلغی کا وہ بالا ہوا پایا اسی سر پر
بس عقدِ ثریا نظر آیا اسی سر پر
تاروں کو مہِ نو نے سجایا اسی سر پر
لاریب ہما ڈالے تھا سایا اسی سر پر
ساری ہے عناصر میں ہوا خاک نہیں ہے
شہباز نے پر کھولے ہیں فتراک نہیں ہے

۱۲۵

آہو جو کہوں اس کو تو آہو ہے چکارا
ساتھ اس کے ہما کو نہیں پرواز کا یارا
وہ نعل وہ ہر کیل وہ سم معرکہ آرا
پتلی وہ پری سمجھے جسے آنکھ کا تارا
دیکھی ہے سموں میں کسی گھوڑے کے یہ ضو بھی
یک جا ہیں ستارے بھی قمر بھی مہِ نو بھی

۱۲۶ ★

نعل اور سم ایسے کبھی پیارے نہیں دیکھے
کیلوں سے چمکتے ہوئے تارے نہیں دیکھے
آہو نہیں دیکھے کہ چکارے نہیں دیکھے
اب تک یہ خوش اسلوب طرارے نہیں دیکھے
دیکھو اسے جب فرش سے جائے یہ سما پر
دیکھا نہ ہو گر تختِ سلیمانؑ کو ہوا پر

۱۲۷

اللہ ری جانداریِ شبدیز وغا میں
تلوار کے چلنے سے بھی تھا تیز وغا میں
دل کا تھا اشارا اسے مہمیز وغا میں
ہر فعل تھا شمشیر شرر ریز وغا میں
ہاتھ اس کے جدھر آئے اجل پا گئی اس کو
اک ٹاپ پڑی جس پہ زمیں کھا گئی اس کو

۱۲۸
تلوار کے مانند نہ بھرتا تھا دم اس کا
گردن کے مہِ نو سے وہ ملتے وہ خم اس کا
دریا سے روانی میں فزوں تر قدم اس کا
کس طرح لکھے وصف حمیت قلم اس کا
دوڑاؤں کہاں تک فرسِ ذہنِ رسا کو
کہہ دو کسی شاعر نے جو باندھا ہو ہوا کو

۱۲۹
غل تھا کہ چھلاوے میں یہ چھل بل نہیں دیکھی
پھرتی ہوئی یوں آج تلک کل نہیں دیکھی
باریک یہ جلد اور یہ ہیکل نہیں دیکھی
ایسی تو کبھی خواب میں مخمل نہیں دیکھی
نازک ہے کہ مہمیز کی طاقت نہیں رکھتا
ابریشمِ چینی یہ لطافت نہیں رکھتا

۱۳۰
جو رگ ہے عوض خوں کے حرارت سے بھری ہے
جلدی جو ہے سب جلد بھی جودت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے
اُبلی ہوئی ہر آنکھ شجاعت سے بھری ہے
اڑ جاتا ہے برچھوں وہ محل جست کا پا کر
تلواروں کے نیچے سے نکل جاتا ہے آکر

۱۳۱
چلنے میں پری کیا ہے نسیم سحری کیا
جس جا پہ پھرے برق کی واں جلوہ گری کیا
طاؤس ہے کیا نسر ہے کیا کبک دری کیا
یاں اوج سعادت کا ہما کیا ہے پری کیا
راکب جو ذرا چھیڑ دے اس برق شیم کو
سائے کو نہ وہ پائے نہ یہ گرد قدم کو

۱۳۲
اُس صف کو اُلٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
فوجوں سے پلٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
جوں شیر جھپٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
بجلی سا سمٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
تھمتا ہے چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا
طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

۱۳۳
پامال نہ ہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے
سم تر نہ ہوں گر قلزمِ زخار پہ دوڑے
اس طرح رگِ ابرِ گہر بار پہ دوڑے
جس طرح کہ نغمہ کی صدا تار پہ دوڑے
اغراق ہے یاں کچھ نہ تعلی شعرا کی
کافی ہے یہ تعریف کہ قدرت ہے خدا کی

۱۳۴
اک ظالمِ شامی سپہِ شوم سے نکلا
مکار بڑے ٹھاٹھ بڑی دھوم سے نکلا
لڑنے کے لیے خاصۂ قیوم سے نکلا
کشتوں کا عوض لینے کو معصوم سے نکلا
دو بھائی بھی اس کے شہِ والا سے لڑے تھے
سر اُن کے کہیں جسم کہیں رن میں پڑے تھے

۱۳۵
غصہ سے غضب سُرخ تھیں خونخوار کی آنکھیں
بجلی سے جھپکتی تھیں نہ غدار کی آنکھیں
دیکھی جو نہ تھیں حیدرِ کرار کی آنکھیں
مستِ مے نخوت تھیں جفاکار کی آنکھیں
سر کاٹیے سردار کا سودا تھا یہ سر میں
غرّہ کہ تہمتن نہ سماتا تھا نظر میں

۱۳۶

سر طبلکِ معکوس جبیں حد سے فزوں تنگ
غدار و سلح شور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ
حیراں شبِ ظلمات وہ تھی تیرگیِ رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا مُنھ اُس دشمنِ رب کا
بن جائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

۱۳۷

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منھ قیر سے کالا
شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کی قامت سے بلندی میں دوبالا
دانتوں کی کبودی سے دہن مار کا چھالا
شیر اس کی صدا سن کے لرز جاتے تھے بن میں
فاسد تھی ہوا رن کی یہ بدبُو تھی دہن میں

۱۳۸

وہ ڈھال کہ جو سینۂ رستم کو چھپا لے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھا لے
نیزہ وہ کہ مرحب کو جو مرکب سے اٹھا لے
گرز ایسا کہ عنتر جسے مشکل سے سنبھالے
کج طبع کہ سر جائے پہ کینے کو نہ چھوڑے
خنجر وہ کہ سالم کسی سینے کو نہ چھوڑے

۱۳۹ ★

ترکش کا دہن مرگ مفاجات کا مسکن
وہ سخت کماں نرم جہاں حلقۂ آہن
چار آئینہ کو تیر بنا دیتے تھے جوشن
چلّہ وہ جسے دیکھ کے تھرّا ائے تہمتن
کچھ دیو سے بھی زور زیادہ تھا شقی کا
وہ ٹانک کا حلقہ تو کبادہ تھا شقی کا

۱۴۰ ★

سیدھا ہوا گر قوس کے قبضہ کو پکڑ کے
رُوح تنِ رستم قفسِ جسم میں پھڑکے
چلّے کو جو کھینچے وہ جفا کار اکڑ کے
گرجے وہ کہ بجلی بھی نہ اس قہر سے کڑکے
تاکیں جو نشانہ کو سلح شور کی آنکھیں
ہے کور تو کیا کور کرے مور کی آنکھیں

۱۴۱

حضرت نے کہا اپنے ارادے کی خبر دے
آنکھوں سے اٹھا نشۂ پندار کے پردے
بو جاتا ہے اس تخم کو دانا جو ثمر دے
غرّہ یہ تُرا تجھ کو کہیں پست نہ کر دے
دنیا میں نہیں کچھ عملِ نیک سے بہتر
پیدا کیا اللہ نے اِک ایک سے بہتر

۱۴۲ ★

کیوں عمرو کو تھا اپنے تن و توش پہ کیا ناز
مرحب کو یہ دعوٰی تھا کہ مجھ سا نہیں جانباز
تھا ناریوں میں عنترِ مغرور بھی ممتاز
تینوں تھے شقی بندۂ حرص و ہوس و آز
ایک ایک کا تن سر سے اُتارا ہے علیؑ نے
تڑپے بھی نہیں یوں انھیں مارا ہے علیؑ نے

۱۴۳ ★

وہ کون سی تھی جنگ جو سر کی نہیں ہم نے
کب رن کی زمیں خون سے تر کی نہیں ہم نے
جز خیر کسی سے کبھی شر کی نہیں ہم نے
خواہش کی نظر جانبِ زر کی نہیں ہم نے
بے مانگے ہمیں دیتا ہے مختار ہمارا
مشہور ہے کونین میں ایثار ہمارا

۱۴۴ ★

گر ماہِ بلالی ہے کبھی موسم دَے ہے
اسباب و زر و مال بھلا کون سی شے ہے
تم کھوتے ہو دنیا کے لیے دین کو ہے ہے
مقلوب کرو زر کو تو وہ ماحضر مے ہے
اس نشہ سے کار رہے وہ کچھ بھی جسے حس ہے
زائل جو کرے عقل بشر کو وہ نجس ہے

۱۴۵ ★

اژدر تھا وہ حیدرؑ نے جسے مہد میں چیرا
بیٹا میں علیؑ کا ہوں نبیؐ کا ہوں نبیرا
فردوسِ معلّٰی میں ہمارا ہے ذخیرا
بخل اوروں کا شیوہ ہے سخا اپنا وطیرا
ہے کون سا قطرہ جسے دریا نہیں کرتے
زر کیا ہے کہ سر دینے میں صرفہ نہیں کرتے

۱۴۶ ★

بھر دیتے ہیں کشکول فقیروں کے معہ ذیل
دریا ہے کہیں ہاتھ ہمارا تو کہیں سیل
ہے گفۂ میزان اسی ہاتھ کے دو کیل
یہ نقرہ و زر دستِ ہنرمند کے ہیں میل
فاقوں میں بھی فیضِ کفِ عالی نہیں جاتا
سائل کبھی دروازہ سے خالی نہیں جاتا

۱۴۷

لڑنا ہے تو بڑھ عصہ کا ہنگام قریں ہے
اب سجدۂ معبود کی مشتاق جبیں ہے
لشکر ہے ترے ساتھ ادھر کوئی نہیں ہے
عباسؑ سا غازی ہے نہ اکبرؑ سا حسیں ہے
فاقہ ہے جدا ضعف جدا پیاس جدا ہے
اب میں ہوں یہ تلوار ہے اور سر پہ خدا ہے

۱۴۸

یہ سنتے ہی سفاک نے بھالے کو سنبھالا
تلوار کو چمکا کے بڑھے سیّدِ والا
آپہنچا تھا سینہ کے قریں ظلم کا بھالا
فرزندِ یداللہ نے عجب ہاتھ نکالا
کیا جانیے بجلی تھی کہ تیغ دو زباں تھی
نہ ہاتھ میں بھالا تھا نہ بھالے میں سناں تھی

۱۴۹

حضرت نے کہا ہول سے دم اس کا جو بھولا
کافی تھا ترے قتل کو اک تیغ کا ہولا
سنتے تھے کہ نیزے میں تجھے ہے یدِ طولا
جو بند کہ تھے یاد انھیں خوف سے بھولا
نے ہاتھ میں طاقت تھی ترے اور نہ مکاں تھی
نیزہ تھا کہ تنکا تھا قلم تھا کہ سناں تھی

۱۵۰

جھنجھلا کے کہا اس نے کہ یا شاہِ سرافراز
سرہنگ نہ مجھ سا ہے نہ سرکش نہ سرانداز
طاقت پہ مجھے فخر تھا نیزے پہ مجھے ناز
کیا جانیے یہ سحر تھا یا آپ کا اعجاز
چمکی تھی کہاں تیغ کہاں چل کے پھری تھی
مجھ پر کبھی اس طرح سے بجلی نہ گری تھی

۱۵۱

حضرت نے کہا سحر نہ جان اس کو ستمگر
اعجاز دکھائیں تو نہ تو ہو نہ یہ لشکر
ہیں سیفِ خدا کوئی ہمارا نہیں ہمسر
اس ہاتھ میں شمشیرِ دو دستی کے ہیں جوہر
ہر وقت یہاں وردِ زباں نادِ علیؑ ہے
بجلی نہیں یہ ضرب بھی ایجادِ علیؑ ہے

۱۵۲ ★

قبضہ میں کماں لے کے یہ بدکیش پکارا
تیر اس کے دلِ کوہ کو کرتے ہیں دو پارا
حضرت نے کہا تیغ کا کافی ہے اشارا
کھل جائے گی یہ خیرہ سری او ستم آرا
پیکاں کی طرح غنچۂ خاطر نہ کھلے گا
بھاگے گا تو گوشہ بھی نہ چھپنے کو ملے گا

۱۵۳ ★

چلّہ میں اُدھر تیر جفاکار نے جوڑا
کاوے پہ ادھر ڈال دیا آپ نے گھوڑا
چلّہ کو ادھر کھینچ کے سفاک نے چھوڑا
گلگوں کو اڑا کر شہِ ذیجاہ نے موڑا
باطل ہوا سرکش کو کماں پر جو گماں تھا
ناوک تھا نہ چلّہ تھا نہ ترکش کا نشاں تھا

۱۵۴ ★

حضرت نے کہا شرم سے نہوڑائے ہے کیوں سر
حلقہ ابھی ثابت ہے اٹھا دوسرے سر پر
حلقہ کو پٹک کر یہ پکارا وُہ ستم گر
اب گرز ہے اور آپ ہیں یا سبطِ پیمبرؐ
بگڑی ہے وغا جان پہ اس وقت بنی ہے
بعد اس کے تو پھر معرکۂ تیغ زنی ہے

۱۵۵

ظالم نے ادھر گرزِ گراں سر کو اٹھایا
ثابت یہ ہوا دیو نے لنگر کو اٹھایا
نے ہاتھ میں لی تیغ نہ جمدھر کو اٹھایا
مولا نے فقط تیغِ دو پیکر کو اٹھایا
اڑتے ہوئے دیکھا جو ہوا میں شرروں کو
سمٹا لیا تھرا کے فرشتوں نے پروں کو

۱۵۶

شبیرؑ قریب آ گئے گھوڑے کو ڈپٹ کے
شبدیز اِدھر سے اُدھر آیا جو سمٹ کے
ہر چند بچاتا رہا ضربت کو وہ ہٹ کے
پرکالۂ گرز اڑنے لگے تیغ سے کٹ کے
باقی تھا جو کچھ گرز وہ دو ہو گیا آخر
قبضہ جو اٹھا تھا وہ فرو ہو گیا آخر

۱۵۷ مطلع ثانی

اے سیفِ ید اللہ صفائی مجھے دکھلا
خیبر میں جو گزری وہ لڑائی مجھے دکھلا
دریائے شجاعت کی ترائی مجھے دکھلا
اے دستِ خدا عقدہ کشائی مجھے دکھلا
ہاں فتح کا اور تیرا سدا ساتھ رہا ہے
ہر جنگ میں میدان ترے ہاتھ رہا ہے

۱۵۸

یا شیرِ خدا سیفِ دو دم دیجیے مجھ کو
یا شاہِ نجف طبل و علم دیجیے مجھ کو
سر پر نہ ہو لشکر وہ حشم دیجیے مجھ کو
میداں جو نہ چھوٹے وہ قلم دیجیے مجھ کو
سب فوج کے چہرے ابھی کٹتے نظر آئیں
نیزے سپہ شام کے ہٹتے نظر آئیں

۱۵۹

کوثر کا بھرا جام پلا دیجیے مولا
بالائے ولا اور ولا دیجیے مولا
پھر غنچۂ خاطر کو کھلا دیجیے مولا
شمشیرِ فصاحت کو جلا دیجیے مولا
میں وہ نہیں یا خلق میں انصاف نہیں ہے
مدت سے جو چپ ہوں تو زباں صاف نہیں ہے

۱۶۰

گو پیر ہوں، پر زور جوانی ہے ابھی تک
سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں، پر تیزِ زبانی ہے ابھی تک
قبضے میں وہ تیغِ صفہانی ہے ابھی تک
جوہر ہیں وہی باڑھ وہی گھاٹ وہی ہے
کہنہ تو ہے شمشیر مگر کاٹ وہی ہے

۱۶۱

اس گھر کے وغاکر نے کا سب ڈھنگ دکھا دے
جس طرح علیؑ لڑتے تھے وہ جنگ دکھا دے
تلوار کی بجلی کو تہِ تنگ دکھا دے
راکب کو بھی مرکب کو بھی چورنگ دکھا دے
ٹھہرے نہ کہیں زیں سے جو مرکوب کے نکلے
دو تین وجب خاک میں پھل ڈوب کے نکلے

۱۶۲

لو غور سے چلتی ہوئی صمصام کو دیکھو
بے رونقیِ ظالمِ ناکام کو دیکھو
تیغ و سپرِ شاہِ خوش انجام کو دیکھو
اعجاز ہے اک جا سحر و شام کو دیکھو
قرباں رُخِ تابانِ شہِ جن و بشر کے
خورشید مبیں بیچ میں ہے شام و سحر کے

۱۶۳

منہ سُرخ ہے سب خاطرِ اقدس ہے جو برہم
رخساروں پہ بل کھائے ہیں گیسوئے پُرخم
ابرو میں ہے چلتی ہوئی تلوار کا عالم
پتلی کا یہ ہے رعب کہ تھرّاتے ہیں ضیغم
لو دیکھ لو اس صاحبِ شمشیر کی آنکھیں
غصے میں نہ دیکھی ہوں اگر شیر کی آنکھیں

۱۶۴

دبتا ہے سرکتا ہے سمٹتا ہے وہ ظالم
گھوڑے کے قریب آکے پلٹتا ہے وہ ظالم
بڑھ آتے ہیں جب آپ تو ہٹتا ہے وہ ظالم
رد ہوتا ہے جب وار تو کٹتا ہے وہ ظالم
شمشیر کلیجے پہ چھُری پھیرے ہوئے ہے
بھاگے تو کدھر جائے اجل گھیرے ہوئے ہے

۱۶۵

غل تھا کبھی دیکھی نہیں ردّ و بدل ایسی
چلتی نہیں تلوار کبھی بر محل ایسی
اب ہوگی زمانے میں نہ جنگ و جدل ایسی
ہاتھ ایسا زبردست تو برقِ اجل ایسی
بل جسم میں کس ہاتھ میں تلوار میں جس ہے
سو سر کا وہ دشمن ہو تو اک وار اسے بس ہے

۱۶۶

جب چلتی ہے سن سے شرر اڑتے ہیں ہوا میں
ذرے بھی اِدھر سے اُدھر اڑتے ہیں ہوا میں
کاٹے ہوئے تیروں کے پر اڑتے ہیں ہوا میں
پرکالۂ قرصِ سپر اڑتے ہیں ہوا میں
کچھ شبہ و تشکیک غلط اس پہ نہیں ہے
اُس ڈھال کے سو ٹکڑے ہیں خلا اس پہ نہیں ہے

۱۶۷

تلوار چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے
برسی تو زرہ کٹ گئی خود اڑ گیا سر سے
چہرے سے چھلم کھل گئی زنجیر کمر سے
پہلو سے سپر میں تھی کلائی پہ سپر سے
دنیا سے اسے رشتۂ تقدیر نے کھویا
دستانوں کو بھی ہاتھ سے بے پیر نے کھویا

۱۶۸
مولاؑ کی طبیعت جو ذرا جوش پر آئی
تلوار اجل بن کے زرہ پوش پر آئی
گہ فرق پہ چمکی تو کبھی دوش پر آئی
آفت کمر و صدر و تن و توش پر آئی
جانے کی جہاں سے خبر آتی ہے کسی کو
گرتی ہوئی بجلی نظر آتی ہے کسی کو

۱۶۹
سر پر جو پڑی تیغ، جبیں سے اتر آئی
کیا ذکر جبیں، صدر لعیں سے اتر آئی
بڑھ کر کمرِ دشمنِ دیں سے اتر آئی
کیا بندِ کمر، خانۂ زیں سے اتر آئی
خوں بھی نہ تنِ توسنِ چالاک سے نکلا
بجلی سا چمکتا ہوا پھل خاک سے نکلا

۱۷۰
تکبیر کا نعرہ جو کیا، آپ نے تن کے
صاف آئی صدا اوج سے یہ چرخ کہن کے
اے لختِ جگر بادشہِ قلعہ شکن کے
لڑتے ہیں یونہیں فوج سے جو شیر ہیں ان کے
تو صبر میں ایوبؑ خوش انجام ہے شبیرؑ
اب سجدے میں جھک عصر کا ہنگام ہے شبیرؑ

۱۷۱
سُن کر یہ صدا آپ نے تلوار کو روکا
تلوار کو کیا برقِ شرر بار کو روکا
بے چین تھا پر اسپ خوش اطوار کو روکا
گردوں کی طرف دیکھ کے رہوار کو روکا
فرمایا کہ جینے سے دل اب تنگ ہے گھوڑے
تھم جا کہ بس اب خاتمۂ جنگ ہے گھوڑے

۱۷۲
اب سینے کو وقفِ تبر و تیر کریں گے
اب طاعتِ معبود کی تدبیر کریں گے
اب عصر کی نیت میں نہ تاخیر کریں گے
اب سجدۂ باری تہِ شمشیر کریں گے
ایذا ہو کہ دکھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
سر دے کے بس اب جائیں گے درگاہِ خدا میں

۱۷۳
عاشق کو نہیں دُوریِ معشوق گوارا
سر جلد کٹا دو یہ ہے خالق کا اشارا
مشتاقِ اجل ہے اسد اللہ کا پیارا
اب خنجر بے آب ہے اور حلق ہمارا
طالب ہُوں رضامندیِ ربِّ دوسرا کا
صد شکر کہ وقت آگیا وعدے کی وفا کا

۱۷۴
یہ کہہ کے رکھی میاں میں شبیرؑ نے تلوار
حکمِ شہِ والا سے کھڑا ہو گیا رہوار
بجلی جو تھمی ہونے لگی تیروں کی بوچھار
دو لاکھ کے نرغے میں گھرے سیدِ ابرار
مجروح ہوا صدر بھی، زخمی ہوا سر بھی
چلنے لگیں تیغیں بھی سنانیں بھی تبر بھی

۱۷۵
یہ سنتے ہی مولا نے رکھی میاں میں تلوار
حملے لیے پھر رن سے بڑھے فوج کے سردار
ٹوٹے ہوئے پھر رن میں پرے جم گئے اِک بار
اترے ہوئے چلّوں کو چڑھانے لگے خونخوار
تھا شور کہ ہاں نیزوں سے پیاسے کو گرا دو
گھوڑے سے محمدؐ کے نواسے کو گرا دو

۱۷۶

چلّے سے شقی تیر لگانے کو پھر آئے
سیّد کا لہو تن سے بہانے کو پھر آئے
زہراؑ و محمدؐ کے رُلانے کو پھر آئے
کفّارِ عرب کعبے کے ڈھانے کو پھر آئے
خُوں بہنے سے بے تاب و تواں ہو گئے شبیرؑ
تلواروں کی کثرت سے نہاں ہو گئے شبیرؑ

۱۷۷

دو لاکھ عدو فاطمہ زہراؑ کا پسر ایک
فریاد کہ سو خنجرِ خونخوار ہیں سر ایک
نوکوں پہ تو نوکیں ہیں سنانوں کی جگر ایک
بیداد کو کانٹے ہیں ہزاروں گلِ تر ایک
کثرت ہے کہ اک زخم سے اک زخم ملا ہے
لالے کا چمن جسمِ مبارک پہ کھلا ہے

۱۷۸

تیروں سے سبک ہے جو صدرِ شہِ صفدر
پُرخوں وہ قبا صاف ہے تابوت کی چادر
گرتا ہے جو پیشانی کا خوں ریش سے بہہ کر
چلّو میں اسے پیتے ہیں اور ملتے ہیں مُنہ پر
فریاد ہے یہ لب پہ امامِ دوسرا کے
جاؤں گا یُونہی سامنے محبوبِ خدا کے

۱۷۹

طالب ہیں کہ پانی تو پلاؤ مجھے یارو
کہتے ہیں لعیں ساقیِ کوثر کو پکارو
فرماتے ہیں خیراب مجھے نیزے تو نہ مارو
وہ کہتے ہیں، ہے حکم کہ سر تن سے اتارو
آفت پہ جو آفت تو ستم ہوں گے ستم پر
پامال ہو لاشا یہی تاکید ہے ہم پر

۱۸۰

ناگہ بن اشعث کی لگی تیغ جبیں پر
تھرّا گیا گھوڑے پہ جگر گوشۂ حیدرؑ
قربوس پہ جھک کر جو اٹھے سبطِ پیمبرؐ
اک بار لگے حلق پہ دو تیر برابر
ناموسِ نبیؐ گھر سے کھلے سر نکل آئے
دو تیر گلا توڑ کے باہر نکل آئے

۱۸۱

زہراؑ کی صدا ہے مرے پیارے کو سنبھالو
گرتے ہوئے اس عرش کے تارے کو سنبھالو
یا شیرِ خدا پیاس کے مارے کو سنبھالو
ہاتھوں پہ مرے راج دلارے کو سنبھالو
نرغے سے یہ مظلوم نکلنے نہیں پاتا
بچّہ مرا گھوڑے پہ سنبھلنے نہیں پاتا

۱۸۲

گھوڑے سے گرا جب وہ دو عالم کا خوزادہ
مرکب سے اتر کر ہوا تب شمر پیادہ
ظالم نے کیا بے ادبی کا جو ارادہ
زخموں میں ہوا سینے کے درد اور زیادہ
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر شہِ دیں کے
دو ہاتھ نظر آئے گلے پر شہِ دیں کے

۱۸۳

پوچھا ستم ایجاد نے تب غیظ میں آ کے
یہ کون ہے پہلو میں امامِ دوسرا کے
فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کے
گردن میں مری ہاتھ ہیں محبوبِ خدا کے
جھک کر مری گردن پہ گلا دھرتے ہیں نانا
تلوار ہٹا پیار مجھے کرتے ہیں نانا

۱۸۴
ہاں اہلِ عزا روؤ اب آتی ہے قیامت
لازم ہے کرو کچھ تو ادا حقِ محبت
نزدیک ہے سر تن سے جدا ہونے کی ساعت
حضرت کو جُھکے دیکھتے ہیں اہلِ شقاوت
دنیا سے بس اب کوچ ہے مولا کا تمھارے
بے جُرم گلا کٹتا ہے آقا کا تمھارے

۱۸۵
شارع کا یہ ہے حکم جو ہے مومنِ دیندار
دنیا میں وہ مجرم کہ ہو قتل اُس کا سزاوار
ارشادِ نبیؐ ہے اسے دو اور نہ آزار
مہلت کا ہو طالب تو مناسب نہیں انکار
مارو نہ تبر سے اسے نہ گرزِ گراں سے
سینے کو نہ مجروح کرو تیر و سناں سے

۱۸۶
گر بھائی بہن کے ہو وہ دیدار کا خواہاں
دکھلا دو بلا کر تو کرو پھر اُسے بے جاں
سُن لو جو وصیت کرے وہ مردِ مسلماں
گھر اس کا پسِ مرگ نہ لوٹو کسی عنواں
پڑھنے دو نماز اس کو جو وقت آئے ادا کا
نرمی تمھیں لازم ہے کہ بندہ ہے خدا کا

۱۸۷
پیاسا ہو تو پانی اسے منگوا کے پلاؤ
ہر عضو سے خون اس کا زمیں پر نہ بہاؤ
سو جائے تو ہرگز بہ خشونت نہ جگاؤ
اک ضرب سوا اور اُسے ضربت نہ لگاؤ
مر جائے تو مرقد میں دھرو لاش کو اس کی
گھوڑوں سے نہ پامال کرو لاش کو اس کی

۱۸۸
فریاد ہے شبیر پہ کچھ رحم نہ آیا
سرتاجِ فلکِ احمدِ مختار کا جایا
بے جرم و گنہ پر نہ ترس ایک نے کھایا
مرتے ہوئے قطرہ بھی نہ پانی کا پلایا
مانگا کیے خود خاک پہ سر دھرنے کی مہلت
سیّد کو نہ دی سجدۂ رب کرنے کی مہلت

۱۸۹
دیکھا دمِ آخر نہ بہن کو نہ پسر کو
ہلنے نہ دیا شمر نے زہراؑ کے قمر کو
ناموسِ نبیؐ سامنے پیٹا کیے سر کو
کن سختیوں سے ذبح کیا تشنہ جگر کو
دَب دَب کے لہو نور کے آئینے سے نکلا
دم شمر کے زانو کے تلے سینے سے نکلا

۱۹۰
جب کٹ گیا حلقِ پسرِ حیدرِ کرارؑ
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعد جفاکار
اتریں ابھی گھوڑوں سے نہ سب فوج کے اسوار
پیدل بھی ابھی اپنی کمر کھولیں نہ زنہار
قتلِ شہ بےکس کا صلا دینا ہے مجھ کو
اک کام ابھی اور ہے وہ لینا ہے مجھ کو

۱۹۱
جو لوگ ادھر ہیں قدم آگے نہ بڑھائیں
جو آگے ہیں غول اپنے وہ اس سمت کو لائیں
جو میسرہ پر ہیں وہ سوئے میمنہ جائیں
اور میمنہ والے طرفِ میسرہ آئیں
سب فوج پہ جب یہ ہوئی تاکید شقی کی
پامال ہوئی لاش حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۱۹۲

بشاشں چلا شمرِ لعیں جانبِ لشکر
اک ہاتھ میں سرِ شاہ کا اور ایک میں خنجر
پُرنور تھا چہرہ صفتِ مہرِ منوّر
خوں حلقِ بریدہ سے ٹپکتا تھا زمیں پر
رخساروں پہ زخمِ تبر و تیر پڑے تھے
ماتھے پہ اسی طرح کئی تیر گڑے تھے

۱۹۳

عمامہ نہ تھا فرق پہ عریاں تھا سرِ پاک
اور دونوں طرف گیسوؤں میں جم گئی تھی خاک
پُرآب تھی چشمِ پسرِ سیّدِ لولاک
ابروئے مطہر کئی جا تیغوں سے تھے چاک
خُون جم گیا تھا ریشِ امامِ دوسرا میں
سُوکھے ہوئے لب ہل رہے تھے ذکرِ خدا میں

۱۹۴

بجنے لگے باجے ظفر و فتح کے جب دم
آپس میں گلے ملنے لگے فوج کے اظلم
خیمے سے نکل آئی اُدھر زینبِ پُرغم
فریاد جو کی ہلنے لگا عرشِ معظم
عُریاں سرِ زہرا و پیمبر نظر آیا
آگے جو بڑھی لاشۂ بے سر نظر آیا

۱۹۵

سرپیٹ کے چلائی کہ ہے ہے مرا بھائی
جیتی رہی میں لُٹ گئی اماں کی کمائی
بھیا ہوئی کس وقت سر و تن میں جُدائی
ناشاد بہن آپ تک آنے بھی نہ پائی
کیا قہر ہے دفنِ الم و یاس نہ ہوں میں
کٹ جائے گلا آپ کا اور پاس نہ ہوں میں

۱۹۶

کیا گزری تہہِ تیغِ جفا ہائے برادر
یہ ذبح کی ایذا و بلا ہائے برادر
تنہائی میں صدمہ یہ سہا ہائے برادر
دی تم نے بہن کو نہ صدا ہائے برادر
نازک یہ گلا کون سے خونخوار نے کاٹا
آئی یہ صدا شمرِ ستم گار نے کاٹا

۱۹۷

پُوچھا کہ دیا تھا دمِ آخر تمھیں پانی
فرمایا کہ اب تک نہ بجھی تشنہ دہانی
چلائی وہ ناشاد بصد اشک فشانی
تھا پاس کوئی اے اسد اللہ کے جانی
تھا ستم ایجادوں کے حلقے میں پڑے تھے
فرمایا کہ نانا مرے پہلو میں کھڑے تھے

۱۹۸

بے چین مری روح ہے آنسو نہ بہاؤ
سر ننگے خدا کے لیے بلوے میں نہ آؤ
گھر لوٹنے فوج آتی ہے اب خیمے میں جاؤ
گوشہ کوئی مل جائے تو بچوں کو چھپاؤ
بیدردوں کے ہاتھوں سے نہ دکھ پائے سکینہؑ
ڈر ہے نہ کہیں سہم کے مر جائے سکینہؑ

۱۹۹

کیوں چرخ یہ حال اُس کا جو ہو خلق کا والی
اک چاند پہ اُمڈی یہ گھٹا ظلم کی کالی
وہ ناوکِ دل دوز، وہ جسمِ شہِ عالی
حلقہ کوئی جوشن کا نہیں تیر سے خالی
طاری ہے غشی دل کو سنبھالا نہیں جاتا
اک تیر بھی سینے سے نکالا نہیں جاتا

۲۰۰

مظلوم مسافر پہ یہ بیداد صد افسوس
اک جان ہزاروں ستم ایجاد صد افسوس
ٹوٹے ہوئے ہیں پیاسے پہ جلاد صد افسوس
شہ کی کوئی سنتا نہیں فریاد صد افسوس
جز نیزہ و تیغ و تبر آتا نہیں کوئی
فرزندِ محمدؐ کو بچاتا نہیں کوئی

۲۰۱

بے حال ہیں رہوار پہ آقائے خوش اوقات
بند آنکھیں ہیں خوں بہتا ہے کی جاتی نہیں بات
سر پیٹتے ہیں اہلِ حرم لٹتے ہیں سادات
حامی نہیں کوئی کوئی پرساں نہیں ہیہات
حالِ شہ آوارہ وطن دیکھ رہی ہے
تلواروں میں بھائی کو بہن دیکھ رہی ہے

۲۰۲

لو خاک پہ گھوڑے سے گرے سبطِ پیمبرؐ
تھرائی زمیں ہلنے لگا عرشِ منوّر
سر پیٹتی مقتل کو چلی زینبؑ مضطر
یاں شمرِ ستمگار بڑھا کھینچ کے خنجر
سر ننگے نجف سے شہِ مرداں نکل آئے
مرقد سے نبیؐ چاک گریباں نکل آئے

۲۰۳

چلائے ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
گھبرا کے درختوں سے اُڑے طائرِ صحرا
آندھی ہوئی اک غرب کی جانب سے ہویدا
تھرانے لگے کوہ اُبلنے لگے دریا
تیرہ ہوا دن اڑنے لگی خاک جہاں میں
غل ہائے حسینا کا اٹھا کون و مکاں میں

۲۰۴

اس حشر میں احمدؐ کی نواسی کا یہ تھا حال
گرتی تھی کبھی اٹھتی تھی گہ کھولے ہوئے بال
چلاتی تھی سر پیٹ کے اے فاطمہؑ کے لال
ہے ہے تمھیں تلواروں میں گھیرے ہیں بد افعال
کیا کیا مجھے صدمہ یہ جدائی نہیں دیتی
لاش آپ کی زینبؑ کو دکھائی نہیں دیتی

۲۰۵

بھیا مجھے رستا نہیں ملتا کدھر آؤں
کیونکر تمھیں جلادوں کے پنجہ سے چھڑاؤں
بھیا تمھیں اس بھیڑ میں کس طرح سے پاؤں
سب قتل ہوئے بہرِ مدد کس کو بلاؤں
کیا ہے کہ جو بابا کی سواری نہیں آتی
بھیا مجھے آواز تمھاری نہیں آتی

۲۰۶

لی جن سے زمیں مول انھیں لوگوں کو بلاؤ
میں کس کو پکاروں کہ ترس بھائی پہ کھاؤ
اے اہلِ زراعت تمھیں امداد کو آؤ
لٹتے ہوئے کنبے کو محمدؐ کے بچاؤ
کام آؤ غریبوں کے تو احساں ہے تمھارا
یہ بے وطن اس دشت میں مہماں ہے تمھارا

۲۰۷

شہ نے جو سُنی زاریِ زینبؑ تہِ خنجر
گھبرا کے صدا دی کہ ادھر آؤ نہ خواہر
کیا قہر ہے تم رن میں چلی آئیں کھُلے سر
مشغول ہے امت کی دعا میں یہ برادر
مطلوب رضامندیِ معبود ہے زینبؑ
تنہا نہیں، اللہ تو موجود ہے زینبؑ

۲۰۸

کس طرح اٹھیں سینۂ زخمی پہ ہے جلّاد
نانا مجھے گودی میں لیے کرتے ہیں فریاد
امّاں مرے پہلو میں ہیں اے زینبؑ ناشاد
روتے ہیں مرے بھائی بھی یہ دیکھ کے بیداد
گریاں وحزیں خاصۂ قیوم کھڑے ہیں
بابا بھی سرہانے مرے مغموم کھڑے ہیں

۲۰۹

یہ سنتے ہی دوڑی طرف لاش وہ مضطر
چلّائی کہ ہمشیر بھی آتی ہے برادر
لاشے پہ نہ پہنچی تھی کہ برپا ہوا محشر
دیکھا کہ لیے جاتا ہے قاتل سرِ سرور
سب تیر اسی طرح سے سینہ میں گڑے ہیں
بے سر شہِ دیں خاک پہ مقتل میں پڑے ہیں

۲۱۰

ہاں پیٹ کے سر روئیں وہ جو اہلِ عزا ہیں
یاں احمدِ مختارؐ بھی سرگرمِ بکا ہیں
مقتل میں کھلے سر حرمِ شیرِ خدا ہیں
خاک اڑتی ہے جنباں طبقِ ارض و سما ہیں
سر کٹ چکا لختِ دلِ زہراؑ و علیؑ کا
اب لٹتا ہے ملبوسِ کہن سبطِ نبیؐ کا

۲۱۱

عمامۂ پُرخوں لیے جاتا ہے کوئی آہ
بھاگا ہے کوئی لے کے عبائے شہِ ذی جاہ
ہاتھوں سے قبا کھینچ رہا ہے کوئی گمراہ
عُریاں ہے زمیں پہ تنِ فرزندِ یدُ اللہ
اب لشکرِ کیں لاش کو پامال کرے گا
بعد اس کے ستم ہاتھوں پہ جنجال کرے گا

۲۱۲

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ تحریر
عالم جسے روتا ہے وہ مظلوم ہے شبّیرؑ
خالق سے دُعا مانگ کہ اے مالکِ تقدیر
دکھلا مجھے آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر
محسوب ہوں زوّارِ امامِ دوسرا میں
مر جاؤں تو مدفن ہو جوارِ شہدا میں

★ مرثیہ ۳

یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے

۱

یارب عروسِ فکر کو حُسن و جمال دے
ملکِ سخنوری کو دُرِ بے مثال دے
رنگینیٔ کلام کو سحرِ حلال دے
آتے قمر کو رشک وہ اوجِ کمال دے
گلکاریاں کروں جو مضامیں کے باغ میں
پھُولوں کی بُو بہشت سے آئے دماغ میں

۲

ہاں اے زباں روانیٔ طبعِ رسا دکھا
دریائے فکر کے گہرِ بے بہا دکھا
اس معرکہ میں جوہرِ سیفِ خدا دکھا
تصویرِ رزمِ قاسمِ گلگوں قبا دکھا
شہرت ریاضِ دہر میں ہو چار سُو مری
بُلبل بھی سُن کے وجد کرے گفتگو مری

۳ مطلعِ ثانی

جب رن میں زر فشاں ورقِ آسماں ہوا
پنہاں نظر سے حُسنِ رُخِ کہکشاں ہوا
ہر سُو فروغِ نور سے روشن جہاں ہوا
اسلام کی سپاہ میں شورِ اذاں ہوا
رُو پوش ہو گیا مہِ تاباں حجاب سے
ذرّے نظر لڑانے لگے آفتاب سے

۴

پردے سے آسماں کے جو طالع ہوئی سحر
مشغولِ ذکرِ حق ہوئے صحرا کے جانور
کوسوں سماں تھا نور کا بالائے خشک و تر
سجدے میں جُھک گئے تھے نہالانِ بارور
جھونکے نسیمِ صبح کے بھی سرد سرد تھے
ذرّوں میں یہ چمک تھی کہ ہیرے بھی گرد تھے

۵

ڈُوبا تھا اپنے رنگ میں ہر گُل جدا جدا
پھُولا تھا ہر طرف چمنِ قدرتِ خدا
سبزہ وہ اُس کچھار کا صحرا کی وہ فضا
گویا زمرّدیں تھا بیابانِ کربلا
تھا ہر طرف شفق کا گماں لالہ زار سے
جانیں لڑی ہوئی تھیں عروسِ بہار سے

۶

جنّت پہ طعنہ زن چمنِ روزگار تھا
پھُولوں کی ڈالیوں پہ بھی جوشِ بہار تھا
پر بلبلوں کو خندۂ گل ناگوار تھا
یعنی وہ شورِ قتلِ شہِ نامدار تھا
شبنم جو روتی غم میں شہِ دل ملول کے
موتی بکھرے ہوئے تھے کٹوروں میں پھُول کے

۷

ظاہر ہوئی سحر کی سفیدی جو ایک بار
نکلے درِ خیام سے سُلطانِ نامدار
ہمشکلِ مصطفےٰؐ نے اذاں دی بحالِ زار
باندھیں صفیں سبھوں نے بصد عزّ و افتخار
اس دم زباں پہ تھا یہ ہر اک دلِ ملول کی
یہ آخری نماز ہے سبطِ رسولؐ کی

۸

بے مثل تھی جماعتِ شاہِ فلک سریر
ہنس ہنس کے دیکھتا تھا جوانوں کو چرخِ پیر
کیونکر نہ ہوں وہ جرأت و ہمت میں بے نظیر
پیرو تھے اس کے جس نے پیا فاطمہ کا شیر[1]
ہر دم سوئے امامِ غریباں نگاہ تھی
پیاسے تو تھے پہ یوسفِ زہرا کی چاہ تھی

۹

وہ دبدبہ وہ رعب وحشم، وہ شکوہ و شان
سوکھے لبوں پہ شکرِ خداوندِ دو جہان
ہر وقت بس اسی کا تصور اسی کا دھیان
ہو جائیں ہم نثار شہنشاہِ انس و جان
آقا پہ تھا جو غم تو خوشی ناپدید تھی
الفت ہے اس کا نام کہ مرنے کی عید تھی

۱۰

رضواں پکارتا تھا یہ جنت میں بار بار
آؤ مجاہدو کہ سحر سے ہے انتظار
دیکھو یہ باغِ خلد یہ میوے یہ سبزہ زار
یہ حلۂ بہشت یہ کوثر یہ لالہ زار
حبِ حسینؑ ہے جو تمہاری سرشت میں
دیکھو دیئے خدا نے یہ رتبے بہشت میں

۱۱

حق نے عطا کئے ہیں تمہیں اس طرح کے گھر
جن میں جڑے ہیں لعل کہیں اور کہیں گہر
میوے وہ خوشگوار وہ پھولے پھلے شجر
چھایا ہوا وہ سایۂ طوبیٰ اِدھر اُدھر
نہریں بھی لہریں لیتی ہیں کوثر کے ذوق میں
آنکھیں حباب دیر سے کھولے ہیں شوق میں

۱۲

حوروں میں غل یہ ہے کہ وہ صفدر کب آئیں گے
مضطر ہے دل حسینؑ کے یاور کب آئیں گے
پیاسے بہ نہر جانبِ کوثر کب آئیں گے
جانیں لڑی ہوئی ہیں وہ گوہر کب آئیں گے
ہاتھوں میں ظرف سرخ کہیں سبز فام ہیں
چھلکے ہوئے شرابِ طہورا کے جام ہیں

۱۳

فارغ ہوئے نماز سے جب سبطِ مصطفےٰؐ
خالق سے ہاتھ اٹھا کے یہ کرنے لگے دعا
اے دستگیرِ بے کس و محتاج بے نوا
کٹ جائے آج خنجرِ براں سے یہ گلا
اترے یہ بارِ دوش تو راحت ہو چین ہو
ہاتھوں پہ سر دھرے ہوئے حاضر حسینؑ ہو

۱۴

اعدا کے جو ستم ہیں وہ تجھ سے نہاں نہیں
راحت سے ایک دم کوئی تشنہ دہاں نہیں
صحرا میں شورِ قتل ہے گھر میں اماں نہیں
جاؤں کدھر یہ نرغۂ اعدا کہاں نہیں
ہے قحطِ آب فاطمہ زہراؑ کے لال پر
ٹکڑے جگر کے ہوتے ہیں بچوں کے حال پر

۱۵

کیا منہ بشر سے وصف جو ہوئیں ادا ترے
غربت میں لطف عام ہیں صبح و مسا ترے
اشفاق ہیں پدر سے فزوں کبریا ترے
بچوں پہ کون رحم کرے گا سوا ترے
خوش ہوں پسر جو زیورِ آہن میں غرق ہو
رسی میں ہو گلا پہ نہ ہمت میں فرق ہو

---

[1] شیر درندہ کو کہتے ہیں

۱۶

یارب! جہاں میں آلِ پیمبر کو صبر دے
کلثومؑ کو حسینؑ کی دختر کو صبر دے
چادر چھنے تو زینبؑ بے پر کو صبر دے
ہر اک گھڑی میں عابدؑ مضطر کو صبر دے
ہر حال میں تجھ ہی پہ ہے تکیہ فقیر کا
حافظ ہے تو بلا میں یتیم و اسیر کا

۱۷

صابر ہے ہر مہم میں رسولِ خدا کا لال
صدقے ہیں تیری راہ میں اطفالِ خورد سال
راضی ہوں میں اسیر جو گر فاطمہؑ کی آل
کچھ غم نہیں کھلیں بھی جو سیدانیوں کے بال
زنداں میں بیٹیاں ہوں جنابِ بتولؑ کی
لیکن رہا ہو نار سے امت رسولؐ کی

۱۸

فارغ ہوئے دعا سے جو سلطانِ ذی وقار
اس وقت ہاتھ جوڑ کے بولے یہ جاں نثار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بار بار
اب اذنِ جنگ دیجیے یا شاہِ نامدار

- - - - - - - - - - - - - - -

لہ

- - - - - - - - - - - - - - -

۱۹

مولا دلوں کو تاب نہیں اب خدا گواہ
گھیرے ہے چار سمت سے اعدا کی سب سپاہ
باجوں کا شور ہوتا ہے ہلتی ہے رزم گاہ
بڑھ بڑھ کے مورچوں سے ڈراتے ہیں رُوسیاہ
گر حکم ہو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
ایسا نہ ہو کہ بے ادبی اشقیا کریں

۲۰

فوجِ گراں ادھر ہے تو ہو کچھ نہیں ہے غم
سب باگیں پھیر لیں گے جو تیغیں ہوئیں علم
کب تک سنیں کلام درشت ان کے دمبدم
کچھ انتہا بھی ظلم کی ہے یا شہِ امم
مغرور و بے حیا سپہِ بے شعور ہے
مولا! اب ان کی چشم نمائی ضرور ہے

۲۱

بولے یہ سن کے حضرتِ عباسِؑ نیک خو
سنتے ہیں کچھ حضور دلیروں کی گفتگو
اللہ رے عزّ و شانِ جوانانِ ماہ رو
دریا بہے گا آج لہو کا کنارِ جو
لشکر پہ جا پڑیں گے ارادے یہ سب کے ہیں
چتون جو قہر کی ہے تو تیور غضب کے ہیں

۲۲

ایک ایک سر فروش ہے ایک ایک جاں نثار
تکتے ہیں چشمِ غیظ سے اعدا کو بار بار
ڈر ہے گلوں پہ پھیر نہ لیں تیغِ آبدار
بہتر ہے اب کہ اُن کو ملے حکمِ کارزار
دم بھر قرار شاق ہے دنیائے زشت میں
جلدی انھیں یہی ہے کہ پہنچیں بہشت میں

۲۳

بولے بہا کے اشک شہنشاہِ کربلا
بھیا کسے ملے ہیں یہ انصارِ باوفا
شکوہ نہ پیاس کا ہے نہ فاقوں کا کچھ گِلا
بچو تک انھیں میں برچھیاں کھانے کی دُوں رضا
تیغِ الم سے میرا جگر چاک چاک ہے
چھوٹے جو یہ رفیق تو دُنیا پہ خاک ہے

لہ کرم خوردہ

۲۴
دیکھے یہ دل کسی کے نہ پتے نہ یہ جگر
پرحیف اب بچھڑتے ہیں یہ غیرتِ قمر
کچھ بس نہیں کھڑے ہیں پاندھے ہوئے کمر
اچھا خوشی ہے ان کی تو جائیں کٹائیں سر
چھوڑیں اکیلا فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہیں آج سب کے داغ اٹھانے حسینؑ کو

۲۵
خوش ہو گئے یہ سُن کے رفیقانِ شاہِ دیں
جانے لگا جہاد کو اک ایک مہ جبیں
ایسے لڑے سپاہ سے وہ ناصرانِ دیں
ہتھیار پھینک پھینک کے بھاگے سب اہلِ کیں
نہ وہ صفیں نہ مجمعِ مردم تھا گھاٹ پر
خشکی میں ابتری تھی تلاطم تھا گھاٹ پر

۲۶
کس کس بہادری سے لڑے عاشقِ امام
اللہ رے حرب درہم و برہم تھی فوجِ شام
لیکن کہاں چھ لاکھ کہاں چند تشنہ کام
کھا کھا کے زخم مر گئے آخر وہ لالہ فام
ایذا تھی دھوپ میں جو تنِ پاش پاش کو
جا کر حسینؑ لاتے تھے ایک ایک لاش کو

۲۷ مطلع سوم
جب سب رفیقِ حقِ نمک کر چکے ادا
مرنے کی پھر خوشی سے عزیزوں نے لی رضا
وہ بھی ہوئے شہید تو رونے کی ہے یہ جا
قاسمؑ تھے اور حضرتِ عباسؑ باوفا
تھے سامنے جو لاشۂ پُرخوں دھرے ہوئے
تکتے تھے فوجِ شام کو آنسو بھرے ہوئے

۲۸
مشغول تھے بکا میں شہنشاہِ ذی وقار
جو اقتلوا الحُسینؑ کی ہونے لگی پکار
گرجے دہل بلند ہوا شورِ گیر و دار
پھر کھل گئے صفوں میں علم ہائے زرنگار
نکلے سوار جنگ کو باہم تھے ہوئے
بڑھنے لگے صفوں سے سپاہی بجے ہوئے

۲۹
نوبادۂ حسنؑ نے جو دیکھا یہ ماجرا
ہمشکلِ مصطفےٰؐ سے الگ جا کے یہ کہا
بھیا! مقامِ غور ہے رونے کی ہے یہ جا
سب مر گئے ہمیں نہ ملی رخصتِ وغا
کھیلے ہوئے تو ساتھ گئے پہنچے بہشت میں
ہم نامراد رہ گئے دنیائے زشت میں

۳۰
خیمہ میں آج صبح سے محشر ہے آشکار
بیٹوں کے غم میں روتی ہیں زینبؑ بحالِ زار
کیا منہ دکھائے جا کے حرم میں یہ سوگوار
پردے کے پاس بیٹھی ہیں اماں جگر فگار
فرمائیں گی شہید ہر اک تشنہ لب ہوا
قاسمؑ نے لی نہ رن کی اجازت غضب ہوا

۳۱
کہتی تھیں شب کو مجھ سے یہ اماں بچشمِ تر
قرباں جاؤں آج قیامت کی ہے سحر
عمّو پہ دیکھنا جو ہجومِ سپاہِ شر
لانا دُلہن کا دھیان نہ مطلق مرے پسر
حسرت یہی ہے اور ہے یہ آرزو مری
تم مر کے آئیو کہ رہے آبرو مری

۳۲
یاں تو یہ ذکر کرتا تھا شبّرؑ کا نونہال
خیمہ میں پیچ و تاب سے مادر کا تھا یہ حال
غم سے عرق جبیں پہ ہے بکھرے ہوئے ہیں بال
دل مضطرب ہے رونے سے آنکھیں ہیں دونوں لال
صدمہ یہ ہے کہ رن کی اجازت میں گدنہ کی
قاسمؑ نے اس مہم میں چچا کی مدد نہ کی

۳۳
کیونکر نہ دل ہو سینۂ سوزاں میں بے قرار
سو سو طرح سے ہوئے گا اماں کو انتشار
بھیّا! پھر ایسا وقت نہ پاؤ گے زینہار
دلوا دو تم چچا سے ہمیں اذنِ کارزار
ڈر ہے کہ پھر وغا کا جو غل بے ادب کریں
عباسؑ نامدار نہ رخصت طلب کریں

۳۴
جس دم ہجوم یاس نے گھیرا زیادہ تر
غصّے سے کانپتی ہوئی اٹھی وہ نوحہ گر
فضہ سے رو کے کہنے لگی وہ نکو سِیَر
لادے حسنؑ کے لال کی اس دم مجھے خبر
مقتل میں ہیں کہ پاس شہِ کربلا کے ہیں
رخصت ملی ہے یا ابھی طالب رضا کے ہیں

۳۵
کہیو کہ اے یتیم حسنؑ تم پہ مرحبا
کیا خوب ماں کو شاد کیا تم پہ میں فدا
حیراں ہوں میں کھڑے ہوئے تم دیکھتے ہو کیا
اب تک رضا نہ لی مجھے حیرت کی ہے یہ جا
اب کون ہے جہاں میں شہِ خوشخصال کا
کیا ہے چچا کے بعد ارادہ جدال کا

۳۶
شب کو کیے تھے آپ نے مادر سے یہ کلام
اقرار کیا گئے تھے "تا سعف کا ہے مقام
عمو پہ ہے سحر سے یہ نرغہ میں ازدحام
کچھ کر سکے نہ تم مددِ شاہِ خاص و عام
سمجھا گئے تھے باپ بھی کیا کیا ہزار حیف
بازو کی بھی سند کو نہ دیکھا ہزار حیف

۳۷
کیا کہہ گئے تھے آپ سے شبّرؑ جگر فگار
تجھ کو اسی سخن کا تصور ہے بار بار
کہتا تھا کون باپ سے ہنگام احتضار
خادم کرے گا پہلے عزیزوں سے سر نثار
اس دم کہاں ہے جرأت و ہمت وہ آپ کی
ہے ہے عمل کیا نہ وصیت پہ باپ کی

۳۸
فضہؑ چلی یہ سُن کے جو خیمہ سے نوحہ گر
دیکھا کہ آپ آتے ہیں قاسم جھکائے سر
منہ سرخ تیغ ہاتھ میں باندھے ہوئے کمر
آتے ہی ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تھرّائی ماں جو غیظ سے منہ اپنا موڑ کے
قاسمؑ قدم پہ گر پڑے ہاتھوں کو جوڑ کے

۳۹
بولی اٹھا کے سر کو یہ مادر جگر فگار
واللہ تم سے یہ نہ توقع تھی میں نثار
کام آئے سب وغا میں عزیز و رفیق و یار
تم نے چچا سے کیوں نہ لیا حکم کارزار
کیا قہر ہے کہ شاہ سے اذنِ وغا نہ لو
زینبؑ کے لال قتل ہوں اور تم رضا نہ لو

۴۰

کس کس نے دی نہ آن کے شہؑ کے قدم پہ جان
لو تم نہ اذن غیر رضا لیں خدا کی شان
کیا ہو گئی وہ جرأت و ہمت وہ آن بان
ہوتا ہے یوں خموش کوئی وقتِ امتحان
لکھ دی جو حق نے سیرِ ارم سرنوشت میں
دیکھو نصیبِ وہب کہ پہنچا بہشت میں

۴۱

گھر ہے دلہن کی فکر تو بے جا ہے یہ خیال
ہر رنج و غم میں رانڈوں کا حافظ ہے ذوالجلال
صابر ہے دکھ میں درد میں خیرالنسا کا لال
کھلنے کا سر کے غم ہے نہ کچھ قید کا ملال
راضی رہیں حسینؑ رضا ذوالمنن کی ہو
کنگنا ہو یا رسن میں کلائی دلہن کی ہو

۴۲

ماں سے سنے جو قاسمِؑ مضطر نے یہ کلام
آنکھوں سے اشک پونچھ کے بولا وہ لالہ فام
آگاہ دل کے حال سے ہے خالقِ انام
اماں سحر سے مرنے کو حاضر تھا یہ غلام
کی سو طرح خوشامد و منت غلام نے
لیکن نہ دی وغا کی اجازت امام نے

۴۳

قدموں پہ گر کے شہؑ کے یہ کی عرض چند بار
دیجیے رضا کہ مرنے کو جائے یہ جاں نثار
شاہد ہیں اس میں حضرتِ عباسؑ نامدار
کیں سو خوشامدیں نہ ملا اذنِ کارزار
شک ہو اگر تو شہ کے برادر گواہ ہیں
بلوا کے پوچھیے علی اکبرؑ گواہ ہیں

۴۴

اماں دلہن سے ملنے کی بھی کچھ ہوس نہیں
تیار جان دینے پہ ہیں پیش و پس نہیں
حامی کوئی نہیں کوئی فریاد رس نہیں
سر پہ اجل کھڑی ہوئی ہے اپنا بس نہیں
یارا کلام کا ہے نہ طاقت ہے صبر کی
درپیش آج صبح سے منزل ہے قبر کی

۴۵

مادر سے رو کے ابن حسنؑ نے یہ جب کہا
بس سر جھکا کے رہ گئی وہ غم کی مبتلا
پھر اشک بھر کے آنکھوں میں بولی کہ میں فدا
ہاں واری سچ ہے کیوں نہ ہو شاباش و مرحبا
بہتر ہے جو خوشی ہو شہِ تشنہ کام کی
لازم یونہی ہے تم کو اطاعت امام کی

۴۶

زغے میں آج صبح سے ہیں سرورِ امم
فرصت نہیں ہے لاش اٹھانے سے کوئی دم
کیونکر کہیں گے وہ کہ سدھارو سوئے عدم
بیٹی کے رانڈ ہونے کا صدمہ تمہارا غم
دیتے نہیں رضا جو شہِ کربلا تمہیں
میں اب دلائے دیتی ہوں اذنِ وغا تمہیں

۴۷

جب تک حرم میں آئیں شہنشاہِ نامدار
مل آؤ تم بھی جا کے دلہن سے یہ ماں نثار
جب سے سنا ہے تم کو مہیائے کارزار
گھونگھٹ میں رو رہی ہے وہ مغموم و سوگوار
ایسی کوئی دلہن بھی نہ بیکس غریب ہو
قسمت میں تھا بیاہ میں رونا نصیب ہو

۴۸

باتیں یہ سُن کے دل پہ جو صدمہ ہوا کمال
حجلہ میں آکے بیٹھ گیا مجتبےٰ کا لال
آئے نظر عروس کے گوندھے ہوئے جو بال
بلوے میں سر کے کھلنے کا بس آگیا خیال
آئی صدا جو کان میں فریاد و آہ کی
کس یاس سے عروس کی جانب نگاہ کی

۴۹

جھک کر دُلہن کے رُخ پہ جو دُولھا نے کی نظر
دیکھا کہ ہے لباس بدن آنسوؤں سے تر
ہچکی لگی ہے شرم کے مارے جھکائے سر
سہرے سے مِل کے گرتے ہیں آنسو اِدھر اُدھر
چہرہ تمام زرد ہے صدمے دوچند ہیں
آنکھیں وہ نرگسی کفِ رنگیں سے بند ہیں

۵۰

رقت کو ضبط کرکے یہ بولا حسنؑ کا ماہ
لو الوداع جاتے ہیں مابینِ رزم گاہ
مہماں ہیں کوئی آن کے تکتی ہے موت راہ
چارہ نہیں اجل سے کسی کا خدا گواہ
ناراض والدہ ہوں جو وقفہ ذرا کریں
صاحب یہی لکھا تھا مقدر میں کیا کریں

۵۱

صاحب بس اب یہ آج کی صحبت ہے مغتنم
پھر ہم کہاں بھلا یہ فرصت ہے مغتنم
اس دُکھ میں دو گھڑی کی بھی راحت ہے مغتنم
جی بھر کے دیکھ لیں کہ یہ صورت ہے مغتنم
بے درد، کل پھر آئیں گے بلوائے عام میں
منزل سحر کو ہونے گی کل راہِ شام میں

۵۲

یہ صبر کا مقام ہے روؤ نہ زار زار
صاحب تمہارے حال پہ ہوتا ہے دل فگار
ہے تیرِ آہ سینۂ سوزاں کے آر پار
مجبور ہیں نہ بس ہے کچھ اپنا نہ اختیار
گو عمر بھر کا منزلِ فانی میں ساتھ ہے
پر کیا کریں اجل کا گریباں میں ہاتھ ہے

۵۳

دیکھو دلہن کو وہب کی اللہ رے حوصلا
دُولھا کو روزِ عقد جو مرنے کی دی رضا
اللہ رے پاس خاطر دلبندِ مرتضاؑ
دیکھا خود اپنی آنکھوں سے کٹتے ہوئے گلا
تعریف ہر زباں پہ ہے اس رشک ماہ کی
حاضر ہے اب کنیزی میں ناموس شاہ کی

۵۴

جس وقت کہ قتل ہوا وہبِ باوفا
بیوہ نے کی نہ آہ بجز شکرِ کبریا
ہر چند رانڈ ہونے کا صدمہ ہے جانگزا
رونے کی پر دُلہن کے نہ آئی کبھی صدا
ماں اس جری کی زینبؑ مضطر کے ساتھ ہے
زوجہ جو ہے وہ شاہ کی دختر کے ساتھ ہے

۵۵

اللہ رے صبرِ مادرِ وہبِ نکو سِیَر
اس کو فدا کیا کہ جو تھا غیرتِ قمر
تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جب وہ نامور
بیٹے کی لاش پر بھی نہ روئی وہ نوحہ گر
نہ رُخ کیا وطن کا نہ راحت قبول کی
غربت میں اہلِ بیت کی خدمت قبول کی

۵۶

ظاہر ہے صبرِ مادرِ وہبِ جگر فگار
کچھ غم کیا نہ بیٹے کے مرنے کا زینہار
دُولھا کو کس خوشی سے دیا اذنِ کارزار
روئی نہ دل کڑھا نہ ہوئی چشم اشکبار
عورت تھی پر جہاد کی دل سے امنگ تھی
روکیں نہ گر تو خود وہ مہیائے جنگ تھی

۵۷

تم بھی اگر خوشی سے رضا دو تو جائیں ہم
ہے آرزو کہ جلدی سے اب سر کٹائیں ہم
اب تا کجا یہ ظلم کے صدمے اٹھائیں ہم
ہے ولولہ کہ جسم پہ تلوار کھائیں ہم
بیٹی ہو کس سخی کی بہو کس ولی کی ہو
کیونکر نہ صابرہ ہو کہ پوتی علیؑ کی ہو

۵۸

صاحب خدا کے واسطے کھولو تو لعلِ لب
اس حال میں یہ شرم مناسب نہیں ہے اب
ہے رحم کا مقام کہ فرقت کی ہے یہ شب
اب یاں سے جا کے دیکھیے ملتے ہیں تم سے کب
کیونکر بھلا ہراس نہ ایک ایک گام ہو
کیا جانئے آج کون سی منزل پہ شام ہو

۵۹

جاتے ہیں واں جہاں کوئی راحت رساں نہیں
جس جا سراغِ نقشِ رہِ کارواں نہیں
بستی کا ذکر کیا کہیں کوسوں مکاں نہیں
ساتھی نہیں شفیق نہیں مہرباں نہیں
کیونکر نہ خوف ہو کہ نئی واردات ہے
صاحب غضب یہ منزلِ اوّل کی رات ہے

۶۰

للہ سر جھکا کے نہ آہ و بکا کرو
آساں کرے کریم یہ مشکل دعا کرو
دل میں خیال گریۂ خیرالنساؑ کرو
جانا ہمیں کہاں ہے تصور ذرا کرو
اس دکھ میں چاہئے ہے مددگار ساز کی
منزل کڑی ہے راہ ہے دور و دراز کی

۶۱

جس دم سنیں دلہن نے یہ باتیں بچشمِ تر
کھینچی وہ آہ دل سے کہ تھرا گیا جگر
آہستہ سر جھکا کے یہ بولی وہ نوحہ گر
شب کی دلہن کو چھوڑ کے صاحب چلے کدھر
دیجے نہ یوں دغا کہ یہ رسمِ وفا نہیں
صاحب مرا جہاں میں کوئی آسرا نہیں

۶۲

سمجھا رہے ہیں آپ مصیبت میں کیا مجھے
غربت میں کیجئے نہ اسیرِ بلا مجھے
دکھلائی خوب آپ نے مہر و وفا مجھے
مانگو دعا کہ پہلے اٹھا لے خدا مجھے
سامان وہ ہوا ہے کہ جس کی خبر نہ تھی
بیوہ بنوں گی صبح کو اس کی خبر نہ تھی

۶۳

جلتی زمیں پہ آپ جو سوئے کٹا کے سر
پھر کون اس غریب کی لے گا بھلا خبر
مہماں ہیں اور کوئی گھڑی شاہِ بحر و بر
اماں سحر سے روتی ہیں تھامے ہوئے جگر
تقدیر میں لکھا ہے کہ سب در بدر پھریں
نیزے پہ سر ہو آپ کا ہم ننگے سر پھریں

۶۴

جاتے ہو تم تو سونے کو مقتل میں ہے غضب
صحرا کی ہولناکی میں ہوگی بسر یہ شب
کیونکر بھلا جگر پہ نہ ہو صدمہ و تعب
سہرا بڑھا نہ تھا کہ اجل نے کیا طلب
قسمت میں ہے کہ ظلم عجیب و غریب ہوں
چوتھی بکا میں، قید میں چالے نصیب ہوں

۶۵

صاحب کنیز آپ کی الفت پہ ہو فدا
بیوہ بنا کے مجھ کو چلے وامصیبتا
پر خیر جائیے مگر اتنی ہے التجا
لاشہ جہاں ہو میں بھی وہیں ہوں پئے عزا
جنگل میں کون ہوگا تنِ پاش پاش پر
رویا کروں گا راتوں کو صاحب کی لاش پر

۶۶

پوچھے گا مجھ سے آکے جو کوئی کہ اے غریب
پُرخوں یہ کس کی لاش ہے بے یار و بے حبیب
سر پیٹ کر کہوں گی یہ ہے سانحہ عجیب
مجھ سا جہاں میں کوئی نہ ہوگا بلا نصیب
دُولہا شہید ہو گیا تقدیر سو گئی
شب کو دلہن تھی صبح کو میں رانڈ ہو گئی

۶۷

رونے لگی یہ کہہ کے جو وہ غیرتِ قمر
قاسمؑ کا فرطِ غم سے تڑپنے لگا جگر
ناگاہ گھر میں دوڑ کے فضہ نے دی خبر
بی بی غضب ہوا کہ بڑھی فوجِ بد گہر
اکبرؑ رضا طلب ہیں قیامت ہے صاحبو
لو اب جوان بیٹے کی رخصت ہے صاحبو

۶۸

ہمشکلِ مصطفےٰؐ ہیں مہیائے کارزار
تھامے کمر کھڑے ہیں شہنشاہِ نامدار
آئے کوئی یہ لشکرِ اعدا میں ہے پکار
تھرا رہے ہیں غیظ سے عباسؑ ذی وقار
آیا ہے یہ جلال علمدار شاہ کو
روکا ہے لڑکے شیر نے جنگی سپاہ کو

۶۹

جس دم کہا پکار کے فضہ نے یہ سخن
گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا نوبادۂ حسن
ہتھیار سج کے تن پہ چلا جب وہ صف شکن
گھونگھٹ ہٹا کے پاس سے تکنے لگی دلہن
غل تھا جہاں سے کوچ ہے اس نونہال کا
مٹتا ہے اب نشانِ حسنؑ خوشخصال کا

۷۰

رخصت کو شہؑ کے پاس چلا تھا وہ سیمبر
دیکھا کہ آپ آتے ہیں حضرت بچشمِ تر
ہیں ساتھ ساتھ اکبرؑ و عباسؑ نامور
قاسمؑ نے جلد دوڑ کے رکھا قدم پہ سر
کی عرض خانہ زاد کو اذنِ وغا ملے
رہ جائے آبرو جو دُرِ مدعا ملے

۷۱

مادر نے دی صدا شہِ والا نہ روکیے
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں، مولا نہ روکیے
میداں سے بڑھتے آتے ہیں اعدا نہ روکیے
مرنے کی ہے انھیں بھی تمنا نہ روکیے
سینہ میں بے قرار دلِ ناصبور ہے
صدقے گئی غلام کی خاطر ضرور ہے

۷۲
شہؑ نے گلے لگا کے بھتیجے سے یہ کہا
افسوس تم کو موت نے مہلت نہ دی ذرا
کس کس کا داغ دل پہ سہے ابنِ مرتضیٰؑ
تم بھی چچا کو چھوڑ چلے وا مصیبتا
صدمہ فراق کا تمھیں تقدیر دے چلی
آخر تمھیں عروس، اجل بن کے لے چلی

۷۳
بہتر ہے جو رضائے خدا خیر غم نہ کھاؤ
پھر ایک بار اور لگا لیں گلے سے آؤ
تم کو بھی ہم نے صبر کیا جاؤ سر کٹاؤ
بیاہی جو ایک شب کی ہے بیوہ اسے بناؤ
راحت ہو عقد کر کے یہ حکمِ خدا نہ تھا
ہے ہے ابھی تو ہاتھ سے کنگنا کھلا نہ تھا

۷۴
رونے لگے یہ کہہ کے جو سلطانِ نامدار
تسلیم کو جھکا بہ ادب وہ نکو شعار
پھر عرض کی یہ مادرِ بیکس سے ایک بار
اماں ذرا عروس کی جانب سے ہوشیار
اب اس مریضِ غم کی پرستار آپ ہیں
بیوہ کی اس الم میں مددگار آپ ہیں

۷۵
یہ بات کہہ کے مادرِ عالی مقام سے
رخصت ہوئے حسین علیہ السّلام سے
مل کر گلے شبیہِ رسولِ صلعم انامؐ سے
تنتا ہوا چلا وہ دلاور خیام سے
دیکھا جو سرخ غیظ سے چہرہ جناب کا
گردوں پہ زرد ہو گیا رنگ آفتاب کا

۷۶ مطلع چہارم
پایا سجا جو اشہبِ گردوں مقام کو
چمکار کر ہزبر نے تھاما لگام کو
زینِ فرس پہ چڑھ کے جو تولا حسام کو
آگے بڑھی جلو میں ظفر انتظام کو
چہرہ کی ضَو سے خاک کو یہ مرتبا ملا
طبقہ زمیں کا چرخِ چہارم سے جا ملا

۷۷
وہ حسن اور وہ رعب وہ بجلی سا راہوار
وہ ولولہ جہاد کا وہ شوقِ کارزار
خوشبو وہ عطر بیز وہ خلعت ستارہ دار
آنکھوں میں شب کے نیند کا چھایا ہوا خمار
کنگنا بندھا تھا ہاتھ میں اس خوش صفات کے
سہرے سے یہ عیاں تھا کہ دولہا ہیں رات کے

۷۸
ناگاہ بادپا کو اڑایا دلیر نے
نیزہ عجب ہنر سے ہلایا دلیر نے
سایا جو گیسوؤں کا دکھایا دلیر نے
گھوڑے کو قلبِ فوج میں پایا دلیر نے
ہر جا صفوں میں دھوم ہوئی اس جلوس کی
بُو چار سُو مہک گئی عطرِ عروس کی

۷۹
شان و شکوہ سب حسنِؑ مجتبےٰ کی تھی
بھالا ہلا رہے تھے یہ حسرت وغا کی تھی
جرأت جو قہر کی تھی تو ہمت بلا کی تھی
اس سن میں تھا وہ رعب کہ قدرت خدا کی تھی
چھایا ہوا تھا نور جو اس لالہ فام کا
فق تھا سحر کی طرح سے رنگ اہلِ شام کا

۸۰

ناگہ صفوں سے بارشِ تیرِ ستم ہوئی
باجوں کی فوج کیں میں صدا دمبدم ہوئی
لڑنے پہ واں سپاہِ عدو سب بہم ہوئی
اوریاں جدا نیام سے تیغِ دو دم ہوئی
جلوہ دیا وغا میں عجب آب و تاب سے
گویا ہلال ڈوب کے نکلا سحاب سے

۸۱

کھنچنا تھا تیغ کا کہ قیامت بپا ہوئی
دہشت سے فوجِ شام میں ہلچل سوا ہوئی
یوں بے حواس رن میں صفِ اشقیا ہوئی
جنگی دہل کی پھر نہ صدا جابجا ہوئی
کڑکیت یوں صفوف میں گھبرا کے رہ گئے
کیا رعب تھا کہ جھانجھ بھی تھرا کے رہ گئے

۸۲

جس پر گری چمک کے کیا تن سے سر جدا
خود و زرہ دو نیم تھی تیغ و سپر جدا
ساعد دو نیم بازو و صدر و کمر جدا
سینے سے دل جدا تھا تو دل سے جگر جدا
چم خم غضب کا تھا کہ لعیں دنگ ہو گئے
ہر وار میں سوار بھی چو رنگ ہو گئے

۸۳

مارا جو بڑھ کے ہاتھ تو سر کٹ کے گر پڑا
دل بچ گیا اگر تو جگر کٹ کے گر پڑا
جلدی میں کوئی تا بہ کمر کٹ کے گر پڑا
ہر نخل قد برنگِ شجر کٹ کے گر پڑا
سرسبز کوئی بانیِ ظلم و جفا نہ تھا
ایسی ہوا چلی کہ سروں کا پتا نہ تھا

۸۴

تھی آبرو کی تیغ دو پیکر کو جستجو
دریائے خوں میں پیرتی پھرتی تھی چارسُو
برہم مزاج شعبدہ گر وار تند خو
دم باز سر تراش ستمگار سرخرو
چلتی تھی بار بار شرارے غضب کے تھے
بسمل پھڑک رہے تھے اشارے غضب کے تھے

۸۵

لڑتا تھا وہ ہزبر عجب آن بان سے
چلتا تھا ہاتھ تیغ کا حیدرؑ کی شان سے
نامی جوان فوج کے عاجز تھے جان سے
جلدی میں بھی نہ تیغ نکلتی تھی میان سے
جانبر دم نبرد کوئی اہلِ شر نہ تھا
جس پر جھپٹ کے وار کیا تن پہ سر نہ تھا

۸۶

جس شخص پر لپک کے وہ آتش زباں گئی
یوں دل جلا کر لذتِ آرام و جاں گئی
جب مثلِ برق سر پہ وہ آتش فشاں گئی
ثابت نہ تھا کہ روح کہاں تھی کہاں گئی
کفار کانپ کانپ کے گرتے تھے خون میں
کلے سروں کے تیرتے پھرتے تھے خون میں

۸۷

تلوار تولتے ہوئے قاسم جدھر سے چلے
خود بڑھ کے بہرِ نذر لعینوں کے سر چلے
گر سامنے سے بھاگ کے کچھ بد گہر چلے
تلوار نے لپک کے صدا دی کدھر چلے
بھاگو نہ بار بار صفِ کارزار میں
آؤ ادھر کہ فوج کی بھرتی ہے نار میں

۸۸
وہ بانکپن وہ ناز سے چلنا ادھر ادھر
بسمل وہ ہو گیا جسے دیکھا اٹھا کے سر
برچھی چلی ادھر کو نگہ پڑ گئی جدھر
جوہر سے تھا عیاں کہ ستارے ہیں جلوہ گر
بالکل چلن عروس کے سب آشکار تھے
نا ہیں نہ تھیں گندھے ہوئے پھولوں کے ہار تھے

۸۹
جس کو چمک کے دور سے چہرہ دکھا دیا
جان اس کی لے کے اور طرف منہ پھرا دیا
پاؤں پہ سرکشی نے جو دھڑ سے گرا دیا
دولھا نے ہاتھ روک لیا مسکرا دیا
عاری تھی فوج کاٹ سے شمشیر تیز کے
خوں بہہ رہا تھا بند تھے کوچے گریز کے

۹۰
جب آئی سَن سے تیغ تو تھرا کے رہ گئے
اٹھا نہ ہاتھ منہ پہ سپر لا کے رہ گئے
باغی سمومِ تیغ سے مرجھا کے رہ گئے
ترکش کٹا تو تیر بھی چلّا کے رہ گئے
غل تھا کہ تیغِ تیز سے اعدا ملول ہیں
قبضہ نہ تیغ پر ہے نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

۹۱
جب مثلِ برق فوج کے بادل پہ آ گری
دی رعد نے صدا کہ وہ برقِ بلا گری
ثابت ہوا نشانیٔ قہرِ خدا گری
تلوار کیا کہ کھولے ہوئے منہ قضا گری
یوں مرغِ روح خوف سے اڑ کر ہوا ہوئے
گویا قفس سے طائرِ وحشی رہا ہوئے

۹۲
چمکی گری سروں کو اڑایا چلی گئی
خوں تن سے ناریوں کا بہایا چلی گئی
موقع جہاں پہ ذبح کا پایا چلی گئی
بیٹھی اٹھی جمال دکھایا چلی گئی
برہم رہی وغا میں ہر اک تیغ زن کے ساتھ
چلتی تھی سر جھکا کے مگر بانکپن کے ساتھ

۹۳
ہلچل بپا تھی رعب سے غازی کے ہر کہیں
اعدا کے تن کہیں نظر آتے تھے سر کہیں
ٹکڑے تھے ہاتھ پاؤں کہیں اور کمر کہیں
بکتر کہیں تھا تیغ کہیں تھی سپر کہیں
صحرا میں جانور تھے نہ اژدر پہاڑ میں
روحیں چھپی تھیں خوف سے لاشوں کی آڑ میں

۹۴
دیکھا جو فوج میں یہ تلاطم یہ شور و شر
گھبرا گئے تمام دلیرانِ نامور
بولا یہ شمر سے پسرِ سعد بد گہر
ارزق کدھر گیا اسے اس کی نہیں خبر
کہہ دو لڑے وہ آن کے اس گلعذار سے
بیٹھا ہے منہ چھپا کے کہاں کارزار سے

۹۵
آیا شقی تو غیظ سے بولا وہ بے حیا
جا جلد بہرِ جنگ تامل نہ کر ذرا
فوجوں میں ابتری ہے تردد کی ہے یہ جا
کیا وجہ ہے کہ تو نے نہ کی اب تلک وغا
ہرگز تشفیِ دلِ مضطر نہ ہووے گی
جب تک لڑے نہ تو یہ مہم سر نہ ہووے گی

۹۶

بولا یہ بات سُن کے وہ مغرور و خیرہ سر
آ، ہوش میں ذرا کہ ترا دھیان ہے کدھر
دنیا میں میرے زور سے اُفتادہ ہے، ہر بشر
سبکی ہے میں وغا کا ارادہ کروں اگر
یہ طفل ہے میں لڑکے بھلا اس سے کیا کروں
عباسِ نامدار جو آئیں، وغا کروں

۹۷

لیکن پسر مرے ہیں وہ جبّار و پہلواں
جن کا جواب آج نہیں زیرِ آسماں
شہرہ ہے ان کی جنگ و جدل کا کہاں کہاں
رستم کو ضربِ تیغ سے دیتے نہیں اماں
جائیں گے وہ تو خلعت و انعام پائیں گے
یہ طفل کیا حسینؑ کا سر کاٹ لائیں گے

۹۸

یہ سُن کے خوش ہوا پسرِ سعد نحس تب
بیٹوں کو رزم گاہ سے اس نے کیا طلب
آئے وہ بے حیا تو یہ بولا وہ بے ادب
تم چار پہلواں ہو یہ ہے ایک تشنہ لب
شہرہ ہے شش جہت میں تمھارے جہاد کا
سر لاؤ جلد کاٹ کے اس خوش نہاد کا

۹۹

یہ کہہ کے چپ ہوا جو وہ بدکیش و بدگہر
فوراً بڑھا نبرد کو ان میں سے اک پسر
آیا قریب جب ستم آرا بہ کرّ و فر
تھم کر نگاہِ قہر سے قاسمؑ پہ کی نظر
واں برقِ تیغ قہر و غضب شعلہ ور ہوئی
اور یاں دعائے حیدرِؑ صفدر سپر ہوئی

۱۰۰

بولا جری یہ کھینچ کے شمشیرِ برق دم
آ جلد آ کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم
عرصہ نہ کر جدال میں او بانیِ ستم
واں بے قرار ہیں ملک الموت دمبدم
منظور تھا جو قتل ترا کردگار کو
پہلے تجھی کو موت نے بھیجا شکار کو

۱۰۱

یہ بات کہہ کے قاسمِؑ گلگوں قبا بڑھے
گویا جہاد کو حسنِؑ مجتبےٰ بڑھے
جس کی بساط خاک نہ ہوئے وہ کیا بڑھے
ملتی ہے کب امان جو تیغِ قضا بڑھے
سب طنطنہ شقی کا فرد ہو کے رہ گیا
نامرد ایک ضرب میں دو ہو کے رہ گیا

۱۰۲

بھائی کا ایک بھائی نے دیکھا جونہی یہ حال
غصّے سے دوسرا بھی ہوا عازمِ جدال
تیر افگنی میں ظالمِ ثانی تھا بے مثال
رستم بھی گوشہ گیر ہو جس سے بہ شکلِ زال
نکلا کماں کو دوش پہ ظالم دھرے ہوئے
ترکش میں تیرِ ظلم و تعدی بھرے ہوئے

۱۰۳

بولے پکار کر یہ علی اکبرِؑ جواں
لو دُوسرا شکار بھی آتا ہے بھائی جاں
بودا ہے کیا بساط ہے گو ہے یہ پہلواں
بھیّا! اسے سناں پہ اٹھا لو مع کماں
مہلت نہ دو جدال کی اس حیلہ ساز کو
دکھلا تو دو جہاں کے نشیب و فراز کو

۱۰۴
یہ بات سُن کے غیظ میں آیا جو وہ شریر
کھینچی کماں کہ سہم گئے سب جوان و پیر
خالی کیے شقی نے برابر سے جتنے تیر
اک دم میں سب کو کاٹ گئی تیغِ بے نظیر
کانپا بدن غبارِ الم دل میں بھر گیا
خالی کماں جو رہ گئی چہرہ اتر گیا

۱۰۵
ناوک نہ پڑ سکا کوئی ابنِ حسنؑ پہ جب
نادم ہوا خطا پہ خود اپنی وہ بے ادب
سوچا کہ رُخ پھرا کے نکلیے یہاں سے اب
آواز دی یہ قاسمِؑ گلگوں قبا نے تب
او کج نہاد عزم نہ کیجو گریز کا
لے دیکھ کاٹ اب مری شمشیرِ تیز کا

۱۰۶
چھیڑا یہ کہہ کے اشہبِ گردوں خرام کو
جلوہ دیا وغا کا حسینی حسام کو
مارا جو ہاتھ دوڑ کے اس تیرہ فام کو
کاٹا تبر کو تیغ کو چلّے کو دام کو
پایا مزہ جو تیغ نے خوں اس کا چاٹ کے
در آئی جسمِ نحس میں ترکش کو کاٹ کے

۱۰۷
راہی ہوا جو ظالمِ ثانی بھی سُوئے نار
نوبادۂ حسنؑ نے صدا دی یہ ایک بار
سنتا ہے او لعین بد آئین و بد شعار
اب لا تو اُن کو اور جو ہوں آزمودہ کار
ہوویں شریک ان کے عذابِ الیم میں
مالک کو انتظار ہے نارِ جحیم میں

۱۰۸
ارزق نے اس کلام سے کھایا جو پیچ و تاب
بس تیسرے پسر کو روانہ کیا شتاب
آیا جو تیغ تول کے وہ خانماں خراب
یاں اسپِ تیز گام اڑا صورتِ عقاب
وہ خاک اڑی کہ دشت بھی پُر گرد ہو گیا
دہشت سے رنگِ تیرہ دروں زرد ہو گیا

۱۰۹
آ پہنچا زد پہ تیغ کی جس دم وہ بے ہُنر
نیزہ یہاں جری نے اٹھایا بہ کرّ و فر
ماری سناں جو سینۂ دشمن پہ دوڑ کر
تھرا کے یہ زمیں نے صدا دی کہ الحذر
ثابت ہوا کہ شعلۂ برقِ اجل گرا
رہوار سے اُلٹ کے شقی منہ کے بل گرا

۱۱۰
چوتھے پسر کو دیکھ کے بولا یہ ذی وقار
آ تو بھی بہرِ جنگ کہ پورے ہوں چار یار
سمجھا تجھے بھی نشۂ جرأت کا ہے خمار
حسرت سے دیکھتی ہے اجل تجھ کو بار بار
دوزخ میں بھی قرار نہیں انتظار میں
ساتھی ترے وہ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں نار میں

۱۱۱
یہ سُن کے آگ لگ گئی اس نابکار کو
نیزہ اٹھا کے گرم کیا رہوار کو
رد کر دیا ہنر بر نے ظالم کے وار کو
جولاں کیا سمندِ آہو شکار کو
مارا لپک کے ہاتھ جو اس شہ سوار نے
گھوڑے سے گر کے سانس نہ لی نابکار نے

۱۱۲
چاروں شریر جب ہوئے دوزخ میں ایک جا
کانپا غضب سے ارزقِ ملعون و بے حیا
اس دم یہ بڑھ کے حضرتِ قاسمؑ نے دی صدا
دیکھا ہماری ضرب کو او بانیِ جفا
دبکا ہوا ہے فوج میں کیوں منہ کو پھیر کے
ہوشیار اب اجل تجھے لائی ہے گھیر کے

۱۱۳
یہ سُن کے آگیا جو حرارت کا دل میں جوش
پہنا شقی نے زیورِ جنگی بصد خروش
چھائی یہ بیخودی نہ رہا دست و پا کا ہوش
بیٹوں بغیر زہر تھا دنیا کا ناؤ نوش
نے رحم کچھ نہ خوف تھا قہرِ الٰہ سے
بدعت ٹپک رہی تھی شقی کی نگاہ سے

۱۱۴
بڑھ کر مثالِ دیو پکارا وہ خیرہ سر
او طفل اب اجل تری آئی ہے بے خبر
مارے ہیں تو نے جان سے چاروں مرے پسر
پھنکتا ہے جسم دل میں بھڑکتے ہیں جب شرر
ہے موت زندگی کہ وہ آرامِ جاں نہیں
جب تک عوض میں اس کا نہ لوں پہلواں نہیں

۱۱۵
قبضہ میں ہے مرے وہ حسامِ قضا نظیر
جس سے پناہ مانگتے ہیں سب جوان و پیر
جوڑوں اگر کمانِ کیانی میں بڑھ کے تیر
چِلّا کے رزم گاہ سے رستم ہو گوشہ گیر
سیکھے ہیں افسروں نے چلن مجھ سے حرب کے
سکتے پڑے ہوئے ہیں مرے حرب و ضرب کے

۱۱۶
سہراب میرے سامنے آئے یہ تاب کیا
نیزہ کوئی شریر ہلائے یہ تاب کیا
تیوری کوئی وغا میں چڑھائے یہ تاب کیا
آنکھ آفتاب مجھ سے ملائے یہ تاب کیا
ہرگز ہٹا نہیں میں صفِ کارزار سے
لاکھوں میں بھی لڑا ہوں اکیلا ہزار سے

۱۱۷
دیکھ اب بھی کچھ گیا نہیں لڑنے سے درگزر
دُولھا بنا ہے اپنی جوانی پہ رحم کر
بچہ ہے کیا وغا کے دکھاؤں تجھے ہُنر
پھینکے ہیں میں نے کاٹ کے رُویں تنوں کے سر
نعرہ کروں تو شیر ژیاں ہانپنے لگے
پیرِ فلک کا ڈر سے جگر کانپنے لگے

۱۱۸
بولا یہ بڑھ کے تب حسنِؑ مجتبےٰ کا لال
او نابکار، دھیان کدھر ہے زباں سنبھال
بس اب نہ کیجو یہ تعلّی یہ قیل و قال
دم بھر میں اب نہ تیر نہ ترکش ہے اور نہ ڈھال
تیغِ زباں کے وار سے کب ڈرنے والے ہیں
تو کیا کہ تیرے پیر بھی سب دیکھے بھالے ہیں

۱۱۹
بیٹوں کا کیا خیال ہے او قیدیِ اجل
پہنچے سزا کو اپنی وہ مکار و پُر دَغل
باغِ جہاں میں ظلم کا ان کو ملا یہ پھل
چاروں لٹک رہے ہیں جہنم میں سر کے بل
چاروں سقر میں جلتا ہے ایک ایک پسر ترا
اب بن رہا ہے پانچویں دوزخ میں گھر ترا

۱۲۰
گھبرا نہ او شریر و بد آئین و بد گہر
تو بھی چلا وہیں کہ جہاں ہیں ترے پسر
قعرِ سقر میں بھی تری الفت ہے شعلہ ور
لینے کو بار بار لپکتا ہے ہر شرر
مالک ہے بیقرار ترے انتظار میں
جلدی ہے نار کو تجھے کھینچے کنار میں

۱۲۱
کیا تیری ضرب کیا تیری تیغ اور کیا یہ تیر
آنکھوں سے عین جنگ میں دیکھا ہے گوشہ گیر
مخفی نہیں ہے جانتے ہیں سب یہ او شریر
بھاگے ہزار بار لڑائی میں تیرے پیر
اس پر کہ سب وہ افسرِ فوجِ کثیر تھے
لیکن کھڑے ہوئے تو جنابِ امیرؑ تھے

۱۲۲
یہ سن کے اس شقی نے بڑھایا جو راہوار
سنبھلا ادھر سمند پہ شبّرؑ کی یادگار
آئی صدا علیؑ کی یہ پوتے کو ایک بار
جانے نہ دیجیو کہ یہ ہے پانچواں شکار
آتا ہے زد پہ ظلم کے بانی کو دو کرو
ہاں میرے شیر، مرحبِ ثانی کو دو کرو

۱۲۳
سر پر وغا میں تم سے نہ ہوگا یہ خیرہ سر
تم عاشقِ حسینؑ ہو یہ پیروِ عمر
کیا جانتا ہے جنگ کی باتیں یہ بے ہنر
دیکھو کہ لے چلی اجل اس کو سوئے سقر
گو ہے قوی پہ زور کہاں بدخصال میں
ڈوبا ہوا ہے خود عرقِ انفعال میں

۱۲۴
دیکھو غرور دلیر سے ہوتا ہے دم میں زیر
یہ بزدلا ہے تم کو کیا ہے خدا نے شیر
ہے بے حواس دیکھتا ہے منہ کو پھیر پھیر
بس فیصلہ ہے تیغ کے کھنچنے کی ہے یہ دیر
الجھا ہے اس کے گھات میں دامِ کمند بھی
غصہ سے چاہتا ہے دہانہ سمند بھی

۱۲۵
مژدہ یہ سُن کے ابنِ حسنؑ شادماں ہوا
چہرے پہ اور رعب و تہور عیاں ہوا
واں ڈر سے زرد رنگِ رُخِ پہلواں ہوا
یاں سے ہزبر تازی پہ چڑھ کر رواں ہوا
تھا سامنا دغا کا جو موذی مہیب سے
پڑھتی تھی فتح آیۂ نصرت قریب سے

۱۲۶
وہ ولولہ سوار کا وہ شانِ راہوار
راکب جو ہاں کہے تو یہ ہو صفوں کے پار
وہ سُم کہ ہر قدم پہ ہلالِ فلک نثار
وہ جلد پاک صاف کہ منہ دیکھ لے سوار
تن تن کے جست و خیز دکھاتا تھا راہ میں
گویا کہ پھر رہی تھی پری رزم گاہ میں

۱۲۷
تلوار تول کر جو بڑھا بانیِ حسد
یاں قاسمؑ جری نے کہا "یا علیؑ مدد"
دُولھا کو دی تھی حق نے اسی فتح کی سند
جتنے شقی نے وار کیے سب ہوئے وُہ رد
تصویر سب نبرد میں شانِ حسنؑ کی تھی
کیونکر بھلا نہ ہو کہ مدد پنجتن کی تھی

۱۲۸

سر بر ہوا وغا میں جوان سے نہ وہ شریر
بولا یہ مسکرا کے حسنؑ کا مہِ منیر
گھبرا کے ہاتھ پشت پہ رکھے ہیں تیرے پیر
کیا غم تجھے کہ جب ترے آتے ہوں دستگیر
دوزخ میں بھی کیا نہ گوارا جدائی کو
آئے ہیں خود سقر سے تری پیشوائی کو

۱۲۹

یہ بات کہہ کے ہاتھ میں لی تیغِ شعلہ زا
منہ پر سپر کو روک کے ظالم جھجک گیا
قاسمؑ نے بڑھ کے غیظ سے موذی کو دی صدا
او رُو سیاہ ! ڈھال تو چہرے سے کر جدا
فاقوں میں کیا حواس ہیں میرے ادھر تو دیکھ
آنکھیں ملا کے جنگ و جدل کے ہنر تو دیکھ

۱۳۰

ظالم ابھی سے جسم میں رعشہ ہے اس قدر
نیزے کی بجال دیکھ کے بھتا اگیا جگر
ہے امتحاں کا وقت دکھا جنگ کے ہنر
تلوار کھینچ ہاتھ میں ہتھوا نس لے سپر
بے زخم کھائے شیر کبھی ڈکتے نہیں
جو مرد ہیں وہ منہ پہ سپر رکھتے نہیں

۱۳۱

بو وانہ ہو جدال میں کہ مجتمع حواس
ہے تشنگی تو نہر سے جا کر بجھا لے پیاس
نامرد بین روز کے پیاسے سے یہ ہراس
ڈرتا ہے گر، تو اور بلا لے کسی کو پاس
کوئی تو اس وغا میں بھلا جد و کد کرے
دے شر کو صدا کہ وہ تیری مدد کرے

۱۳۲

یہ بات سُن کے گرز اٹھایا ذلیل نے
گھیرا شقی کو قہرِ خدائے جلیل نے
مارا جو ہاتھ دوڑ کے اس مست پیل نے
پھرتی سے دو کیا اسے تیغِ اصیل نے
چمکی جو برق ہاتھ بھی چلنے سے رُک گیا
ظالم سپر کو روک کے گھوڑے پہ جُھک گیا

۱۳۳

جھکنا تھا بسکہ یاں سے چلی تیغ سربلند
کاٹے سنان و تیغ و زرہ حلقۂ کمند
کیا آبدار تھی وہ حسامِ وغا پسند
وہ تھا لئیم سر سے کمر تک مع سمند
امدادِ تیغ زن کے طریق آشکار تھے
کٹ کر گرے جو خاک پہ دونوں تو چار تھے

۱۳۴

ٹکڑے کئے وغا میں جو اس نحس و شوم کے
چھپنے لگے صفوں میں جواں شام و روم کے
سیدھے ہوئے فرس پہ جو نوشاہ جھوم کے
روحِ حسنؑ لپٹ گئی بازو کو چُوم کے
دیکھا جو ضرب قاسمؑ گردوں رکاب کو
چوما ظفر نے دوڑ کے پائے جناب کو

۱۳۵

اکبرؑ نے بڑھ کے حضرت عباسؑ سے کہا
لو عمو جان فتح ہوئی شکرِ کبریا
شہرہ تھا جس کی جنگ کا شہروں میں جا بجا
مارا گیا وہ ارزقِ ملعون و بے حیا
کہہ دیجیے پھوپھی سے نہ آہ و بکا کریں
رونے کے بدلے شکر کا سجدہ ادا کریں

۱۳۶
دیجے خبر یہ مادرِ قاسمؑ کو دوڑ کر
ارزق پہ فتح یاب ہوا آپ کا پسر
سب سے سوا دلہن پہ ہے صدمہ زیادہ تر
حجلہ میں غش پڑی ہے وہ مغموم و نوحہ گر
جلدی خبر خوشی کی اسیرِ محن کو دیں
چونکا کے اہلبیتؑ تسلّی دلہن کو دیں

۱۳۷
قاسمؑ کو بڑھ کے بھیّا یہ پکارا وہ نوجوان
کس آن بان سے اسے مارا ہے بھائی جان
آنکھوں میں پھر رہی ہے جنابِ حسنؑ کی شان
توصیفِ حرب و ضرب میں قاصر ہے یہ زبان
اب پست ہمتِ عمرِ خیرہ سر ہوئی
آؤ گلے ملیں کہ تمھاری ظفر ہوئی

۱۳۸
بھیّا! کمال آپ کی مادر تھیں بے حواس
کیسی دعائیں مانگ رہی تھیں وہ حق شناس
دل پر وفورِ غم سے جو تھا دمبدم ہراس
ڈیوڑھی پہ تھیں کبھی کبھی گریاں دلہن کے پاس
کہتی تھیں دمبدم مرے دلبر کی خیر ہو
اے کردگار! قاسمِؑ مضطر کی خیر ہو

۱۳۹
صد شکر کی خدا نے دعا ان کی مستجاب
اس وقت کی دعا سے نہایت تھا اضطراب
کیونکر نہ ہوتے ارزقِ ملعوں پہ فتح یاب
چالاک دست، ہوش بجا، تیغ لاجواب
ہاں بھائی جان قاتلِ کفّار کیوں نہ ہو
بیٹے ہو کس کے صفدر و جرار کیوں نہ ہو

۱۴۰
تسلیم کر کے دور سے قاسمؑ نے دی صدا
ادنیٰ غلام ہوں مری جرأت کا ذکر کیا
دنیا میں عمّو جان کو قایم رکھے خدا
کام آ گئے وغا میں جگر بندِ مرتضیٰؑ
سر بر ہوا وہ چشمِ عنایت جدھر ہوئی
یہ سب مہم حضور کے صدقے سے سر ہوئی

۱۴۱
کب تک لڑے یہ بیکس و مضطر نہیں ہے تاب
بلوہ ہے بڑھتے آتے ہیں یہ خانماں خراب
دو دن ہوئے غذا نہ ملی ہے نہ جامِ آب
بھیّا جگر ہے پیاس کی گرمی سے اب کباب
لڑتے ہیں بار بار اذیت ہے پیاس کی
لب خشک ہو گئے ہیں یہ شدت ہے پیاس کی

۱۴۲
باندھے ہیں بدعتوں پہ کمر بانیِ فساد
ناحق نبیؐ کی آل سے ہے کینہ و عناد
آتی ہے تشنگی علی اصغرؑ کی مجھ کو یاد
ایک جام بھی ملے تو بر آئے دلی مراد
ہیں چوکیاں فرات پہ فوجِ کثیر کی
کس طرح آ کے پیاس بجھائیں صغیر کی

۱۴۳
انصاف کا مقام ہے کیونکر قرار آئے
کس سے کہیں جو شاہ کے بچوں پہ رحم کھائے
معصوم تین دن سے تڑپتے ہیں ہائے ہائے
آ جائے جان ان میں جو قطرہ کوئی پلائے
دریا کی سمت یاس سے آنکھیں کیے ہوئے
بچے کھڑے ہیں ہاتھوں میں کوزے لیے ہوئے

۱۴۴
باتیں یہ تھیں کہ پھر اُمنڈ آئی سپاہِ شام
میداں میں پھر چمکنے لگیں برچھیاں تمام
سیراب سب وہ فوج یہ دو دن سے تشنہ کام
واحسرتا کہ گھر گیا شبّر کا لالہ فام
ناوک چلے ستم کے جو فوجِ شریر سے
سینہ فگار ہو گیا بارانِ تیر سے

۱۴۵
سنبھلا جو کھا کے تیر جگر بندِ مرتضاؑ
تلواریں سر پہ چلنے لگیں وا مصیبتا
تھاما جو سر تو اور قیامت ہوئی بپا
دل پر سناں جبیں پہ لگا ناوکِ جفا
تن پر ہر ایک زخم تڑپنے سے کھل گیا
کانپی زمین، عرشِ معلّٰی بھی ہل گیا

۱۴۶
گھیرے ہوئے تھی چار طرف فوج بے ادب
اس گل کے تن پہ برچھیاں چلتی تھیں ہے غضب
تیغیں جو بار بار لگاتے تھے مل کے سب
غش میں کراہتا تھا وہ مظلوم و تشنہ لب
سنبھلے نہ تھے کہ گرز شریروں کے پھر پڑے
قاسمؑ تڑپ کے خاک پہ گھوڑے سے گر پڑے

۱۴۷
گرتے ہی خاک پر شہِ والا کو دی صدا
جلد آؤ عمّو جان یہ خادم ہوا فدا
تن پائمال ہوتا ہے گھیرے ہیں اشقیا
ہنگامِ جاں کنی ہے ترحم کی ہے یہ جا
سر کاٹنے کی فکر میں فوجِ شریر ہے
جلد آیئے حضور یہ خادم اخیر ہے

۱۴۸
شہ نے جونہی سنی یہ صدا ہل گیا جگر
رونے لگے پکار کے سلطانِ بحر و بر
جس دم نظر پڑی یہ قیامت یہ شور و شر
دوڑی حرم سے مادرِ قاسمؑ برہنہ سر
چلّائی کون فدیۂ راہِ خدا ہوا
ہے ہے حسینؑ روتے ہیں لوگو یہ کیا ہوا

۱۴۹
بولے یہ سر کو پیٹ کے عباسؑ صف شکن
مارا گیا نبردمیں نو بادۂ حسنؑ
دل رو رہا ہے قلب پہ صدمہ ہے اے بہن
جاتے ہیں رن کو لاش اٹھانے شہِ زمن
خیمہ میں جا کے نالہ و آہ و بکا کرو
نوشاہ مر گیا صفِ ماتم بپا کرو

۱۵۰
دوڑے یہ سن کے خاک بسر سوئے قتل گاہ
تھامے ہوئے تھے بازوئے اکبرؑ بہ اشک و آہ
آئے جو پاس لاش کے سلطانِ دیں پناہ
دم توڑتا ہوا نظر آیا وہ رشکِ ماہ
دیکھا کہ ہے نہ ہوش نہ آنکھوں میں نور ہے
سب گل سا جسم گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور ہے

۱۵۱
شانہ ہلا کے شہؑ نے یہ قاسمؑ کو دی صدا
بیٹا تمھاری تشنہ دہانی کے میں فدا
یہ بچپنا یہ جرأت و ہمت یہ حوصلا
یہ زخم کھاتے اور نہ خبر کی ہمیں ذرا
اکبرؑ سنبھال کے ہمیں لاشے پہ لائے ہیں
چونکو کہ ہم تمھاری صدا سن کے آئے ہیں

۱۵۲

جس دم سنی صدائے شہنشاہِ خاص و عام
دولھا نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ امام
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے شبرؑ کا لالہ فام
اس پرورش پہ آپ کی صدقے یہ تشنہ کام
کیا تقویت ہوئی شہِ والا کو دیکھ کر
گویا کہ جان آگئی آقا کو دیکھ کر

۱۵۳

ہے جائے فخر آپ سا آقا مدد کو آئے
عزت دوچند ہو گئی عز و شرف وہ پائے
بغلوں میں ہاتھ دے کے جو آپ ہی کوئی اٹھائے
حسرت نثار ہونے کی قدموں پہ رہ نہ جائے
جس حال میں غلام ہے واقف حضور ہیں
کیوں کر اٹھوں کہ تیغوں سے سب عضو چور ہیں

۱۵۴

اکبرؑ سے پھر تڑپ کے یہ بولا وہ نیک نام
کہیے گا والدہ سے کہ اے عاشقِ امام
لائیں جو شاہ لاش ہماری سوئے خیام
دیکھے گا اس کی فکر جو بیوہ ہے تشنہ کام
سینہ میں بے قرار دلِ ناصبور ہے
اے والدہ! دلہن کی تشفی ضرور ہے

۱۵۵

یہ کہہ کے روئے اکبرؑ مہ رو پہ کی نظر
آئیں جو ہچکیاں تو کراہا وہ نوحہ گر
لیں کروٹیں تڑپ کے بہ حسرت ادھر ادھر
حضرت کے رخ کو پاس سے دیکھا بچشمِ تر
کانپا فلک حسینؑ نے اک ایسی آہ کی
دولھا کا دم نکل گیا گودی میں شاہ کی

۱۵۶

خیمہ میں لاش جب شہِ والا اٹھا کے لائے
میت زمیں پہ رکھ کے کہا ہائے ہائے ہائے
چلاتے تھے کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے جائے
بیٹا! چچا کو کون اس آفت سے اب بچائے
اب ہم جہاں میں بیکس و ناشاد ہو گئے
دو گھر تمھارے مرنے سے برباد ہو گئے

۱۵۷

رونے بیاں یہ کر کے جو سلطانِ کربلا
پیٹے یہ سر حرم کہ قیامت ہوئی بپا
ہے ہے بنے کی جب دلھن نے سنی صدا
بھر آیا دل جگر پہ چلا خنجرِ جفا
حجلے سے مڑ کے جانبِ قاسمؑ نگاہ کی
مسند پہ سر پٹک کے کلیجے سے آہ کی

۱۵۸

آہستہ سر جھکا کے سکینہؑ سے یہ کہا
سہرا بڑھاؤ جلد بہن تم پہ میں فدا
جو سوگوار ہو اسے زینت سے کام کیا
بیوہ ہوں سر پہ ڈال دو میلی سی اک ردا
اب کون غمگسار ہے مجھ دردناک کا
بس آج سے مرے لیے بستر ہے خاک کا

۱۵۹

دیکھا یہ حال ماں نے جو دولھا کا ناگہاں
آنکھوں سے سیلِ اشک ہوئے یک بیک رواں
بے اختیار دل پہ ہوا صدمۂ گراں
وہ آہ کی کہ آگئے جنبش میں انس و جاں
کانپا جو پاؤں ضعف سے تھرا کے گر پڑی
لاشا جہاں تھا بس وہیں تھرا کے گر پڑی

۱۶۰

شانہ ہلا کے لاشہ کا بولی وہ تشنہ کام
سوتا ہے یُوں کوئی یہ تعجب کا ہے مقام
داری نہ غم چچا کا نہ فکرِ سپاہِ شام
اٹھو سدھارتے ہیں شہنشاہِ خاص و عام
یہ کیا سبب کہ ہاتھ میں تیغ و سپر نہیں
لڑنے حسینؑ جاتے ہیں تم کو خبر نہیں

۱۶۱

کیا سو رہے ہو شاہ پہ بلوائے عام ہے
مضطر کمال عترتِ خیر الانامؐ ہے
سونے کا کون وقت یہ اے لالہ فام ہے
اٹھو کہ دن غروب ہوا وقت شام ہے
لاشا تمھارا نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے
سمجھائیے اسے کہ دُلہن سر پٹکتی ہے

۱۶۲

چونکو خدا کے واسطے واری یہ ماں نثار
کھائے ہیں زخم سینہ پہ کاری یہ ماں نثار
ہے جاں بلب وہ درد کی ماری یہ ماں نثار
سمجھاؤں کیا دلہن کو تمھاری یہ ماں نثار
آیا نہ راس بیاہ یہ تقدیر سو گئی
نو دس برس کے سِن میں دلہن رانڈ ہو گئی

۱۶۳

بانوؑ نے رو کے شاہ سے اس دم کیا کلام
حُجرا کے پاس جمع ہیں سیدانیاں تمام
ہوگا نہ ضبط آپ سے یا شاہِ خاص و عام
باہر سدھاریئے کہ یہ آفت کا ہے مقام
آتی ہے بیٹے کو تن پاش پاش پر
رانڈیں دلہن کو لاتی ہیں دُولھا کی لاش پہ

۱۶۴

روتے چلے یہ سن کے شہنشاہِ بحر و بر
حُجلے سے یاں دلہن کو نکالا بچشمِ تر
دو بیبیاں سنبھالے تھیں بازو اِدھر اُدھر
چادر سفید دوش پہ تھی اور کھلا تھا سر
اک شور تھا کہ غور کرو اس جلوس کو
دُولھا کے پاس لاتی ہیں بہنیں عروس کو

۱۶۵

کہہ دو پکار کر کوئی آنسو نہ اب بہائے
بانو کہاں ہے آن کے دولھا کو دیکھ جائے
آیا ہے وقت شام نہ عرصہ کوئی لگائے
کنبہ میں جس عزیز کو ملنا ہو جلد آئے
دیدار آخری ہے یہ فرقت عجیب ہے
مل لیں بنتے سے جلد کہ رخصت قریب ہے

۱۶۶

آئی قریب لاش جو کُبرا جھکا کے سر
دل پر چلی وُہ تیغ کہ خوں ہو گیا جگر
دیکھا کہ سب لباسِ بدن ہے لہو میں تر
رُخ پر پڑی ہیں سہرے کی لڑیاں اِدھر اُدھر
خوں بہہ رہا ہے زخمِ بدن آشکار ہیں
نوکِ سناں سے دستِ حنائی فگار ہیں

۱۶۷

اک آہ کر کے بیٹھ گئی وہ جگر فگار
میّت کو دیکھ کر نہ رہا دل پہ اختیار
آواز دی کہ اے مرے دولھا! ترے نثار
بخشو خطا کہ ہوں میں تمھاری قصوروار
یہ کیا سبب ہے آج کہ لب کھولتے نہیں
شانہ ہلا رہی ہے دلہن بولتے نہیں

۱۶۸

صاحب سحر تلک تمھیں چاہت تھی اس قدر
کڑھتے تھے دمبدم مرا منہ دیکھ دیکھ کر
رخصت جو مجھ سے ہونے کو آتے دمِ سحر
روتی تھی میں تو آپ بھی ہوتے تھے نوحہ گر
شب کی دلہن کے حال پہ مطلق نظر نہیں
صاحب میں پیٹتی ہوں تمھیں کچھ خبر نہیں

۱۶۹

خالق کسی کو یوں نہ اسیرِ بلا کرے
یہ درد وہ نہیں کوئی جس کی دوا کرے
کیوں کر نہ شغلِ نالہ و آہ و بکا کرے
بیوہ جو ایک شب کی دلہن ہو وہ کیا کرے
غربت میں بھائی بند بھی منہ موڑے جاتے ہیں
کس آسرے پہ آپ مجھے چھوڑے جاتے ہیں

۱۷۰

غش ہوگئی یہ کہہ کے جو گبرا اسیرِ غم
خیمہ سے لاش اٹھا کے چلے سرورِ امم
در تک گئے خیام سے سر پیٹتے حرم
کہتی تھی رو کے مادرِ قاسمؑ یہ دمبدم
چھوڑا مجھے ضعیفی میں رونے کے واسطے
جاتے ہو ریگِ گرم پہ سونے کے واسطے

۱۷۱

خاموش اے انیسؔ ہوا مرثیہ تمام
محشر بپا ہے بزم میں روتے ہیں خاص و عام
گھبرا نہ اپنی زشتیِ قسمت سے صبح و شام
کردیں گے اب تو تیری مدد سرورِ انامؑ
سب کچھ ملے گا فیضِ امامِ غیور سے
لیتی ہے داد قاسمِ صہبائے نور سے

مرثیہ ۴

جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا

۱
جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا
قبضے کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سرورِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

۲
بے چین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

۳
پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
بیوہ ہوئی اک شب کی دلہن وائے مصیبت
بے شمع ہوئی قبرِ حسن وائے مصیبت
تازہ تمھیں پھر بھائی کا غم ہو گیا آقا
دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا

۴
کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیرِ دودم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
دنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے
کیا جانئے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

۵
یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار
قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غمخوار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

۶
تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے
ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہِ امم سے
دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
قاسمؑ کے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

۷ ★
پہلے ہمیں لازم تھا کہ دنیا سے گزرتے
تلوار جب آتی تو سپر سینے کو کرتے
قاسمؑ سے بھتیجے کے عوض خون میں بھرتے
قسمت میں تو یہ داغ تھا کسی طور سے مرتے
ناشاد بھتیجے سے ندامت کسے ہوتی
پہلے اجل آتی تو خجالت کسے ہوتی

۸
واللہ کہ قاسمؑ کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
ساماں وہی ہو گیا تھا جو انھیں مرغوب
سرسبز ہوا سیّدِ مسموم کا محبوب
اک ہم ہیں کہ بہنوں سے خجل بھائی سے محجوب
منہ زینبِ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
بھاوج کے بھی پہ سے کبھی لے جا نہیں سکتے

۹
سمجھے شہِ والا یہ کنایہ یہ اشارا
رو کر کہا، کیا خواہشِ تقدیر سے چارا
ہم نے بھی تو صدمے سے اور دم نہیں مارا
گودی کے پلے مر گئے، گھر لٹ گیا سارا
یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا
اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

۱۰
سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جاں
بھائی ہیں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں
سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آساں
اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احساں
بھائی کی خوشی خلق میں سب کرتے ہیں بھائی
ہم تم سے رضا ران کی طلب کرتے ہیں بھائی

۱۱
بے تاب ہے دل پیار کریں ہم تمھیں آؤ
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں، آنسو نہ بہاؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
داغِ غمِ فرزندِ جواں سہہ نہ سکیں گے
اکبرؑ بھی پھر اس امر میں کچھ کہہ نہ سکیں گے

۱۲
تھرا گئے عباسِ علیؑ سُن کے یہ تقریر
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
آقا کے تصدق سے ملی ہے مجھے توقیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
بخشش تو کریموں ہی کا دستور ہے آقا
میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا

۱۳
سر دینے کو موجود ہوں اے گل کے مددگار
جاں دینے میں حرف ہے نہ حجت ہے نہ تکرار
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بندِ علی ہو
دو رَن کی اجازت تو میں جانوں کہ سخی ہو

۱۴
عباسؑ نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
مشہور ہے جرّار غلام آپ کا سب میں
عزّت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

۱۵
گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبدِ وفادار
فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمدِ مختارؐ
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرّارؑ؟
مخدومۂ کونین خوش ہوں گی کہ بیزار
ان قدموں کو چھوڑا ہے کبھی یاد تو کیجے
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے

۱۶ ★

تھی یوں تو ید اللہ کو سب بیٹوں سے الفت
پر آپ کے رتبے سے نہ تھی ایک کو نسبت
سب ہوتے تھے یکجا تو یہ فرماتے تھے حضرت
لازم ہے تمھیں شبر و شبیرؑ کی خدمت
یوں کہنے کو ہاں مرتبے اعلیٰ ہیں تمھارے
تم سب ہو غلام ان کے یہ آقا ہیں تمھارے

۱۷

صفین میں جس روز صف آرا ہوئے کفار
اس جنگ میں تھے آپ بھی یا سیدِ ابرار
تھی کاندھے پہ چھوٹی سی سپر چھوٹی سی تلوار
موجود تھے شبر بھی سجے جنگ کے ہتھیار
نہ معرکہ دیکھا تھا کوئی اور نہ لڑا تھا
خادم کی طرح میں بھی پسِ پشت کھڑا تھا

۱۸ ★

مانگی جو اجازت حسنِ سبز قبا نے
روکا انھیں خوش ہو کے شہِ ارض و سما نے
جب آپ بڑھے پیار کیا شیرِ خدا نے
پہلے تو ہنسے بعد لگے اشک بہانے
فرمایا اُولوالعزم ہے تو مجھ کو یقیں ہے
پیارے ترے لڑنے کا ابھی حکم نہیں ہے

۱۹ ★

بیتاب تھا اس دن بھی اسی طرح مرا دل
بڑھتا تھا یہ کچھ عرض لیے آداب سے مشکل
خود میری طرف دیکھ کے بولے شہِ عادل
سمجھا ترے مطلب کو میں اے نیک شمائل
بیتاب ہیں مرنے پہ جو شمشیر تلے ہیں
جو آپ کے جوہر ہیں وہ سب ہم پہ کھلے ہیں

۲۰ ★

تو شیر ہے، بے جا نہیں عباسؑ ترا نام
ہوئیں گے ترے ہاتھ سے دنیا میں بڑے کام
اس دوش پہ ہوگا علمِ لشکرِ اسلام
پیارے ابھی ہے دُور تری جنگ کا ہنگام
مختار ترا فاطمہؑ کا لال ہے پیارے
تو سب مرے بیٹوں میں خوش اقبال ہے پیارے

۲۱ ★

ابنِ حنیفہ سے یہ فرمایا اے دلبر
ہاں لشکرِ کفار سے تو جا کے وغا کر
یہ سن کے بڑھے وہ صفتِ شیرِ دلاور
حملے سے جری کے تہ و بالا ہوا لشکر
پسپا ہُوئے سب دادِ وغا دے کے پھر آئے
رن سے کئی سرداروں کے سر کاٹ کے پھر آئے

۲۲ ★

کی تھی نہ محمد نے ابھی میان میں تلوار
فرمایا کہ پھر فوج پہ جا اے مرے دلدار
یہ سنتے ہی شبدیز کو جولاں کیا یکبار
اور ڈوب گیا فوج میں وہ صفدرِ جرّار
ہر ضرب میں سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
پھر آئے صفیں فوج مخالف کی الٹ کر

۲۳ ★

دم بھی نہ لیا تھا کہ ہوا حکم علیؑ کا
ہاں شیر مرے میمنۂ فوج پہ اب جا
رستے ہی سے پلٹا وہ ہزبرِ صفِ ہیجا
حملے کئے ایسے کہ دلاور ہوئے پسپا
رخساروں کو اشکوں سے بھگوتے ہوئے آئے
جب تیسری بار آئے تو روتے ہوئے آئے

★ ۲۴

پوچھا سببِ گریہ علیؑ نے جو بہ تکرار
کی عرض کہ اوروں سے بہت کم ہے مرا پیار
فرزند برابر ہیں سب اے کُل کے مددگار
جھونکا مجھے تلواروں میں حضرت نے کئی بار
وقت آیا تو اس بندۂ دلگیر کو بھیجا
اک بار نہ شبّرؑ کو نہ شبیرؑ کو بھیجا

★ ۲۵

سن میں یہ بڑے مجھ سے ہیں مَیں عمر میں ہوں کم
اعدا سے مکرّر مجھے لڑنے کا نہیں غم
پر جنگ کا گر حکم ہو، اے قبلۂ عالم
اعدا سے لڑوں دم میں ہے جب تک کہ مرا دم
کیا اشک تھمیں صبر کا یارا نہیں آقا
غم ہے غلام آپ کو پیارا نہیں آقا

★ ۲۶

تھرا گئے سنتے ہی یہ حکم شہِ ابرار
دیکھا رُخِ فرزند کو حیرت سے کئی بار
فرمایا کہ اے نورِ نظر صفدر و جرّار
پھر کہیو زباں سے سخن ایسا نہ خبردار
بے زار پدر جس میں ہو وہ بات نہ کیجو
رتبے میں کبھی ایسی مساوات نہ کیجو

★ ۲۷

تو ہے مرا پیارا، یہ محمدؐ کے ہیں پیارے
تو خاک کا ذرہ ہے یہ ہیں عرش کے تارے
تاجِ سرِ کونین ہیں یہ لال ہمارے
آنچ آئے جو اُن پہ تو علیؑ جان کو وارے
ان دونوں میں خوشبو ہے رسولِ عربیؐ کی
یہ لال مرے پاس امانت ہے نبیؐ کی

★ ۲۸

کونین میں ان سے کوئی بہتر نہیں بیٹا
تو شبّرؑ و شبیرؑ کے ہمسر نہیں بیٹا
تو زینتِ آغوشِ پیمبرؐ نہیں بیٹا
مادر تری زہرؑا کے برابر نہیں بیٹا
محبوب کو اپنے یہ پسر حق نے دیے ہیں
جو رتبۂ اعلیٰ ہیں وہ سب ان کے لیے ہیں

★ ۲۹

افلاکِ امامت کے قمر ہیں یہی دونوں
دریائے صداقت کے گہر ہیں یہی دونوں
خاتونِ قیامت کے پسر ہیں یہی دونوں
سلطانِ رسالت کے جگر ہیں یہی دونوں
بھیجوں انھیں لڑنے کو نبیؐ صدقے ہوں جن پر
سو بیٹے جو تجھ سے ہوں تو قربان کروں ان پر

★ ۳۰

تو قتل ہو یا سب مری اولاد ہو بے جان
لڑنے انھیں بھیجوں یہ نہ ہوگا کسی عنوان
فرزندِ نبیؐ ہیں مرے بیٹے نہ انھیں جان
ہے فخر پدر کا ترے گر ان پہ ہو قربان
کام ان کے جو آئے تو لٹا دوں میں گھر اپنا
پیارا نہ کیا ان سے نبیؐ نے پسر اپنا

★ ۳۱

اوروں سے زیادہ ہے مرے دل میں ترا پیار
پر شبّرؑ و شبیرؑ سے نسبت نہیں زنہار
تو ہاتھ جو میرا ہے تو آنکھیں ہیں یہ دلدار
تلواروں میں پہلے تجھے جانا ہے سزاوار
ضائع ہو اگر چشم تو مردم کا ضرر ہے
اے نورِ نظر! ہاتھ تو آنکھوں کی سپر ہے

۳۲ ★

جس شاہِ دو عالم کا یہ رتبہ ہو، یہ توقیر
ہم جیتے رہیں اور وہ کھائے تبر و تیر
انصاف سے فرمائیے یا حضرتِ شبیرؑ!
بخشیں گے کبھی شیرِ خدا یہ مری تقصیر
تا عصر یہ وقت اور یہ زمانہ نہ رہے گا
پر خلق میں خادم کا ٹھکانہ نہ رہے گا

۳۳

شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
کفنائیو زہراؑ کی ردا میں تنِ بے سر
رکھیو تمھیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
سمجھائیو ناموسِ شہنشاہِ زمن کو
پرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو

۳۴

عباسؑ نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
عابدؑ کا گلا طوقِ گلوگیر میں دیکھیں

۳۵ ★

کیا عزم تھا کیا ہو گیا جو مرضیِ غفار
حجت کا نہ مقدور رہے نہ طاقتِ گفتار
صدمہ تو بڑا یہ ہے کہ کیوں باندھی ہے تلوار
کس گوشے میں اب مُنہ کو چھپائے یہ علمدارؑ
منہ شہر میں ہم چشموں کو دکھلا نہیں سکتا
روضے پہ یداللہ کے بھی جا نہیں سکتا

۳۶ ★

فرمائیں گے تھا بیکس و تنہا مرا پیارا
کیوں آپ سے فرقت ہوئی بھائی کی گوارا
سر کو قدمِ سبطِ پیمبرؐ پہ نہ وارا
ہم آج سے اس کے نہ یہ فرزند ہمارا
کیا کام یہاں دور رہے پاس نہ آئے
کہہ دو کہ مرے روضے پہ عباسؑ نہ آئے

۳۷

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری
اشک آنکھوں سے بہنے لگے صفتِ ابرِ بہاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
اچھا وہی ہووے گا جو مرضی ہے تمھاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے

۳۸ ★

تنہائی ہے تقدیر میں تم کیا کرو بھائی
دیکھیں گے ابھی اکبرؑ و اصغرؑ کی جدائی
کب دیکھیے اس رنج سے ہوتی ہے رہائی
قسمت میں ہے دیکھیں ہمیں سب گھر کی صفائی
ہمدم کوئی غیر از الم و یاس نہ ہوئے
سر تن سے کٹے جب تو کوئی پاس نہ ہوئے

۳۹ ★

ہوتا ہے بڑے بھائی کو بھائی کا سہارا
بھائی ہے وہ بھائی کہ جو ہو بھائی کا پیارا
سمجھے تھے کہ چھوڑو گے نہ تم ساتھ ہمارا
عباسؑ! جدائی نے تمھاری ہمیں مارا
کیوں کر دلِ غم دیدہ کو سمجھائے گا شبیرؑ
اب باپ کی تصویر کہاں پائے گا شبیرؑ

۴۰

یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
فضہ نے کہا زینبِ دلگیر سے ناگاہ
میدان سے آتے ہیں ادھر سیّدِ ذی جاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

۴۱

زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور
فرمایا میں سمجھی سببِ گریۂ سرور
روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبیؐ کا
سامان یہ ہے رخصتِ عباس علیؑ کا

۴۲ ★

ہے ہے ہمیں تقدیر کہاں گھیر کے لائی
کیسی یہ بلا خانۂ سادات پہ آئی
آفت ہے علمدارِ دلاور کی جدائی
ہو جائے گا اب اور بھی تنہا مرا بھائی
پردیسیوں سے جنگ یہ کیوں ٹھن گئی لوگو !
ہے ہے مرے بھائی پہ یہ کیا بن گئی لوگو !

۴۳

یہ سن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبر
بانوؑ علی اکبرؑ کے لیے ہو گئی مضطر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسِ دلاور
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
بولیں کہ یونہیں حال مرا غیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

۴۴

یہ کہہ کے چلی جانبِ در شاہ کی ہمشیر
داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرت شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبر کی بلائیں
اک ہاتھ سے عباسِؑ دلاور کی بلائیں

۴۵

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا !
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
یہ روٹھتے ہیں جوں جوں انھیں سمجھاتے ہیں بہنا
بھائی تو ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہیں بہنا

۴۶ ★

بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم
مل جائے رضا ان کی تقاضا ہے یہ ہر دم
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریمؑ
مر جائیں گے عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم
یہ غیظ میں رکتے نہیں رو کے سے کسی کے
کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضے پہ علیؑ کے

۴۷

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہو گا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا
اس وقت میں عباسؑ تمھیں چھوڑیں گے تنہا!
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

۴۸

دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
جرّار و وفادار ، مددگار ، فدائی
غصّہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے میں الم اور یہ غم کھانے نہ دُوں گی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دُوں گی

۴۹

ان سے تو زیادہ ہمیں پیارا نہیں کوئی
بعد ان کے ضعیفی کا سہارا نہیں کوئی
ان کے نہ جدا ہونے کا چارا نہیں کوئی
معلوم ہوا اب کہ ہمارا نہیں کوئی
خود گور کنارے ہوں بھروسا مرا کیا ہے
اچھا یہ چلے جائیں ہمارا بھی خدا ہے

۵۰

ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادرِ غمخوار
پالا ہے اُنھیں گود میں، کیا میں نہیں مختار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
کیوں آپ ہیں بیٹا کہاں جاتے ہیں عباسؑ

۵۱

حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
زینبؑ نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
لے جا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رُلواؤ
تم کو سرِ زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے شبیرؑ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائیں گے شبیرؑ

۵۲

عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانیِ زہرا!
مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہِ والا
رکتے نہ ، جو ئیں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہو گا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہو گا

۵۳

خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
فرمایئے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
نہ دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؑ کا جانا
جرّاروں کے سر جسم پہ محسن کے لیے ہیں
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

۵۴ ★

صفدر مرے بھائی ، مرے ذی جاہ برادر
داغ اپنی جوانی کا نہ دو آہ برادر
ہے قصد بچھڑ جانے کا واللہ برادر
پیار آپ کا بس دیکھ لیا واہ برادر
تقدیر میں آرام کوئی آن نہیں ہے
آج اپنی سکینہؑ کا بھی کچھ دھیان نہیں ہے

۵۵

آ گے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبیرؑ
صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی، ہمشیر!
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر!
مر جاؤں میں اکبرؑ پہ جو تولے کوئی شمشیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظورِ نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

۵۶
روکو نہ مجھے سیدِ ابرار کا صدقہ
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرارؑ کا صدقہ
دِلوا دو رِضا، احمدؐ مختار کا صدقہ
میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

۵۷ ★
تنہا ہوں میں اے وارثِ ذرّیتِ حیدرؑ
ماں دُور ہے بابا کا بھی سایا نہیں سر پر
خادم کو بھروسا ہے مگر آپ کا خواہر
جب آپ ہی روکیں گی تو پھر کون ہے رہبر
عزت پہ نمک خوار کی بات آن پڑی ہے
اے بنتِ علیؑ! عقدہ کشائی کی گھڑی ہے

۵۸
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا ہائے مقدّر
دِلوا دوں رِضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں رکتے ہیں سرور
جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوئے گر
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے

۵۹
یہ کہہ کے گئیں شہ کے قریں زینبؑ بے پر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر

۶۰
روتے ہیں کہ ہم چشموں میں اب ہوتا ہوں محجوب
معلوم ہوا یہ نہ رُکیں گے کسی اسلوب
خیر اب وہی کیجے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی برضا ہیں
بندے کے تو سب امر محول بخدا ہیں

۶۱
فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
شبّیرؑ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
لو داغِ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے تمھیں وہ باغ مبارک
شبّیرؑ کے سینے کے لیے داغ مبارک

۶۲
عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانوؑ نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
اس طرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی

۶۳
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
اوڑے ہوئے جاتے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
زینبؑ نے کہا آئی ہے لو عاشقِ عباسؑ
عباسؑ نے گودی میں لیا، آ کے بصد یاس
بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے

۶۴

عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی
شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لو گود سے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

۶۵

یہ سنتے ہی اس پیاسی میں اک جان سی آئی
فِضّہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
یُوں کہنے لگی رو کے وہ شبیرؑ کی جائی
میں رَن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھارو
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو

۶۶

عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دُور
مشکیزہ بھرا اور پھرے خرّم و مسرور
اور آ گئے مری جان جو اللہ کو منظور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
وعدہ کریں کیونکر کہ بھروسا نہیں دم کا

۶۷

بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
کیوں مشک انھیں دوں کہ نہ دوں اے شہِ عادل
ہرچند کہ بے آب مری زیست ہے مشکل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
حضرت نے سنیں حضرت عباسؑ کی باتیں
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

۶۸

بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ذی جاہ
تم پیاسی ہو کس طرح تمھیں منع کروں آہ
پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
دو مشک انھیں خیر جو کچھ مرضی اللہ
کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سکینہؑ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہؑ

۶۹

یہ سُن کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصد غم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یُوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر بُرج سے باہر نکل آیا

۷۰

مُجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہوّر بہم آئے
چُوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

۷۱

جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادمِ درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم، وجد ہو یہ حال مرا ہے
عزت نے کہا اوج پہ اقبال مرا ہے

۷۲

استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
دُونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اُس دم
تھا متصلِ بُرجِ شرف، نیّرِ اعظم
عالم کو نظر آنے لگا نور کا عالم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکّر میں پڑے تھے
گویا کہ علیؑ عرش کے پہلو میں کھڑے تھے

۷۳

اسواریِ غمخوارِ امامِ زمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
جب گرد اٹھی، بوئے گلِ یاسمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلہن آئی
آمد درِ دولت پہ ہوئی کبکِ دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

۷۴

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ فلک جاہ
روحِ اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
آتا ہے بڑا شیرِ دلاور سُوئے جنگاہ
اس سج کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدرؑ میں اور اس میں سرِ مُو فرق نہیں ہے

۷۵

داؤدی زرہ ہے اُسی انداز سے بر میں
ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
غصہ وہی چتون میں وہی رعب نظر میں
برپا تھی قیامت شہِ ذی جاہ کے گھر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شبیرؑ
ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیرؑ

۷۶

جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا
جرّار و وفادار دلاور نظر آیا
بھرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
سب فوج کو نورِ رُخِ حیدرؑ نظر آیا
گردوں پہ ہُوا غُل کہ یہ قدرت ہے خدا کی
دی خاک کے ذرّوں نے صدا صلِّ علیٰ کی

۷۷

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور
ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزیِ افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

۷۸

زرریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خرد مند
یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
تھی اس کی ضیا آئینۂ مہر سے دہ چند
کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حُور کھڑی تھی

۷۹

اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی
تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
پنجہ جو ہلا، پھیل گیا نورِ الٰہی
دامن جو کھلا، رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سبزی حسنؑ سُرخی رنگِ شہِ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرّد کی زمیں تھی

۸۰

غُل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
زر ریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا مہِ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

۸۱

ناگاہ بڑھے حضرتِ عباسؑ فلک جاہ
ذرّوں میں چلا مہر، ستاروں میں چلا ماہ
اشعارِ رجز تھے کہ چلی سیفِ یداللہ
ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے روباہ
دم بند تھے دہشت سے فصیحانِ جہاں کے
کہتی تھی فصاحت کہ نثار اس کی زباں کے

۸۲

نعرہ تھا کہ میں شیرِ نیستانِ علیؑ ہوں
جرّار ہوں، صفدر ہوں، شجاعِ ازلی ہوں
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
میں جوششِ بازو سے ولی ابنِ ولی ہوں
گھر ہے وہ، ملک برجِ شرف کہتے ہیں جس کو
بیشہ ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو

۸۳ ★

مخفی نہیں خیبر میں یدُ اللہ کا لڑنا
اور ایک وجب نیزے کا وہ سنگ میں گڑنا
حملوں سے وہ فوجوں کے محلّوں کا اُجڑنا
وہ زلزلہ اور وُہ درِ خیبر کا اکھڑنا
قوت نہیں اعجاز ہے سب فوج میں غُل تھا
خندق پہ اُدھر در تھا اِدھر لاشوں کا پُل تھا

۸۴ ★

کرّارؑ کے حملے نہ رُکے فوج کے دَل سے
وہ کون تھے بھاگے تھے جو صفین و جمل سے
پروا نہیں کچھ آج جو بے آب ہیں کل سے
پھُولے گا گُلِ فتح اسی باغ کے پھل سے
لاکھوں کو بھگا دیں، یہ تصوّر نہیں جاتا
فاقوں میں بھی شیروں کا تہوّر نہیں جاتا

۸۵ ★

مشہور ہے اس شیفتۂ رب کی لڑائی
اک کھیل تھی واں عنتر و مرحب کی لڑائی
اِن آنکھوں سے دیکھی ہوئی ہے سب کی لڑائی
لڑ لیتے ہیں پیش آتی ہے جس ڈھب کی لڑائی
ہر چند پیادہ وہ شہِ عرش نشیں تھا
سر عمر کا خندق میں کہیں جسم کہیں تھا

۸۶ ★

ہم سا کوئی جرّار دو عالم میں نہیں ہے
دیکھو کہ یہ انبوہ کوئی دم میں نہیں ہے
جرأت جو ہے لڑکوں میں وہ رستم میں نہیں ہے
وہ کون سا جوہر ہے کہ جو ہم میں نہیں ہے
پروا نہیں دُنیا کی غنی ابنِ غنی ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

۸۷ ★

ہے غیظ ہمارا، غضبِ خالقِ اکبر
سب ہم میں ہیں شمشیرِ یداللہ کے جوہر
طفلی میں جری ہوتے ہیں لختِ دلِ حیدرؑ
گہوارہ میں ہم چیرتے ہیں کلّۂ اژدر
بُت خانۂ زُور کو تہِ خاک کیا ہے
اصنام سے اللہ کا گھر پاک کیا ہے

۸۸ ★

تم روکے ہو اس نہر کو ہم آتے ہیں دیکھو
کس شان سے مشکیزے کو بھر لاتے ہیں دیکھو
لڑ لڑ کے ہزاروں سے نکل جاتے ہیں دیکھو
لو تیغ یدُ اللہ کو چمکاتے ہیں دیکھو
ہم شیر ہیں زورِ اسد اللہ ہے ہم میں
برہم ہوں تو دنیا کو الٹ دیتے ہیں دم میں

۸۹

پڑھ کر یہ رجز میاں سے لی تیغ جری نے
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبک دری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیمِ سحری نے
اڑ کر گیا اور ابھر کے طرارہ نکل آیا
تلواروں کے چنگل سے چکارہ نکل آیا

۹۰

گھوڑے کو ادھر سے جو پلٹ کر ادھر آئے
یوں آئے کہ روباہوں پہ جوں شیر نر آئے
گویا کہ علیؑ لشکرِ ہیجا میں در آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے پیہم نظر آئے
تلوار کی بجلی جو گری کوند کے رن میں
آخر صفِ اوّل ہوئی اک چشم زدن میں

۹۱

اُس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی پہ جب آئے
معلوم ہوا شیر کے پنجے میں سب آئے
غُل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برقِ غضب آئے
جھونکا جو چلا صرصرِ شمشیر کا سَن سے
ڈھالیں تو اٹھی رہ گئیں سر اڑ گئے تن سے

۹۲ ★

حلقے میں کمانداروں کے آیا جو وہ صفدر
چلّے بھی کٹے، تیر بھی ٹکڑے ہوئے یکسر
سہمے ہوئے تھے تیغ کی دہشت سے ستمگر
غُل تھا کہ زہے رعب، جگر گوشۂ حیدرؑ
رُخ پھر گئے تھے صاعقۂ شعلہ فشاں سے
تیروں سے کماں بھاگتی تھی تیر کماں سے

۹۳ ★

تھا کاٹ میں تلوار کے غازی کا نیا ڈھنگ
اسوار بھی دو حصّے تھا رہوار بھی چو رنگ
گہ فرق پہ گہ سینہ پہ اور گاہ تہِ تنگ
چلاتے تھے ظالم کہ یہ اعجاز ہے یا ڈھنگ
آمد ملک الموت کی ہے وار نہیں ہے
یہ مرگِ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

۹۴

میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
راحت نے کہا غیرِ فرار اب نہیں چارا
خود امن نے گھبرا کے اماں کو یہ پکارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستا نہ ملے گا

۹۵

شمشیرِ علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
بتیں ہیں دو پارا کہ قلم سیف زباں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
چار آئینہ کیا یہ مہِ نو ہے وہ کتاں ہے
کیا قبضے سے اس برقِ جہاں سیر کے نکلے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے

۹۶
بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
چار آئینہ کیا قلعۂ آہن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سَن سے نکل جائے
جب تک نہ کسا دو کبھی جھکتے نہیں دیکھا
ہاں سیل رُکے پر اُسے رکتے نہیں دیکھا

۹۷
خاک اُڑ گئی اس صف کی جدھر سَن سے چلی وہ
خود و سر و رُو کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ
تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

۹۸
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
بجلی تھی کٹاری تھی قدر ولی تھی قضا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی، سیل فنا تھی
پیشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے

۹۹
کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اس کا
قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اس کا
تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اس کا
چلتی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اس کا
ہے صاحبِ جوہر کا محل چرخ بریں پر
رکھا ہے مہِ نو نے کبھی پاؤں زمیں پر

۱۰۰
غُل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے ہیں کہیں لہر نہیں ہے

۱۰۱
دشمن کو ہوا لگ گئی اس کی جو قضا را
سمجھا وہ کہ شہپر ملک الموت نے مارا
گھاٹ اس کا نہ تھا بحرِ فنا کا تھا کنارا
بے تن سے سر اترے ہوئے مشکل تھا اتارا
دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اس کے
ابھری نہ کوئی کشتیِ تن گھاٹ سے اس کے

۱۰۲
وہ برق ہے جو خرمنِ ہستی کو جلا دے
وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے
وہ شعلہ ہے جو تیغِ دو دستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے
ہے دُور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بری ہے

۱۰۳ ★
بجلی کی چمک سے بھی زیادہ چمک اس کی
شعلہ بھی گریزاں ہو جو دیکھے لپک اس کی
اک دھوم سماوات سے تھی تا سمک اس کی
رہ رہ کے ثنا کرتے تھے جن و ملک اس کی
لرزاں تھے تہِ تیغ قدم گاؤ زمیں کے
پر کانپتے تھے حضرت جبریلِ امیں کے

★ ۱۰۴

ویرانۂ لشکر کی بنا اس نے جو ڈالی
دم بھر میں ہوئے قصرِ بدن روح سے خالی
اس صف میں جو سیفی تو اُدھر رسم جدالی
ناخن ملک الموت کا تھا تیغِ ہلالی
بند اس کے جدا سب تھے جو مرنے پہ تُلا تھا
وہ کون سا عقدہ تھا جو اس پر نہ کُھلا تھا

۱۰۵

اِک آفتِ نو لشکرِ سفاک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
گہِ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
وہ ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دودم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

★ ۱۰۶

مقتل کو چمن کرتی تھی خونباریِ شمشیر
پیدا تھی ہر اک زخم سے گلکاریِ شمشیر
رد کرتی تھی ہر وار کو طراریِ شمشیر
تھا شور کہ قربان سپرداریِ شمشیر
نصرت ہو اگر ایک جواں ساتھ ہو ایسا
تیغ ایسی ہو دل ایسا ہو لو رہا تھ ہو ایسا

★ ۱۰۷

سالم صفِ ہیجا میں کسی سر کو نہ چھوڑا
سر کیا ہے کہ بے دو کیے پیکر کو نہ چھوڑا
جوشن کو کمربند کو بکتر کو نہ چھوڑا
چار آئینے کو ڈھال کو مغفر کو نہ چھوڑا
لوہے کے چبانے کی صدا بھا گئی اس کو
جس چیز پہ منہ ڈال دیا کھا گئی اس کو

★ ۱۰۸

یاں سے گئی واں، واں سے اُدھر جا کے پھر آئی
دم بھر میں لہو خاک پہ برسا کے پھر آئی
منہ جس کو دکھایا اُسے تڑپا کے پھر آئی
گرمائی تو دریا کی ہوا کھا کے پھر آئی
جس جا تھی وہیں تھی کہیں آئی نہ گئی تھی
انداز نئے ڈھنگ نیا چال نئی تھی

★ ۱۰۹

ہر سُو ملک الموت کے انداز سے آئی
ہر صید پہ جلدی کبھی شہباز سے آئی
کس شان سے کس ٹھاٹھ سے کس ناز سے آئی
بے پاؤں چلی فرق پہ اعجاز سے آئی
اعدا کو نئے طرح کے چو رنگ دکھائے
اک تیغ نے دو ہاتھ میں سَو رنگ دکھائے

★ ۱۱۰

بھاری ہوئی سب فوج پہ جس دم اُسے تولا
فولاد کی مغفر کو سمجھتی تھی پھپھولا
منہ اس کا تھا کیا جانیے کس سانپ پہ کھولا
اس بھیڑ کو پسپا کیا اس غول کو رولا
اک ہاتھ میں سب فوج کو پامال کیا تھا
دم بھر میں سیہ کاروں کا منہ لال کیا تھا

۱۱۱

لڑتا ہوا پہنچا لبِ دریا جو وہ جرّار
تھا دستِ مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار
دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

۱۱۲

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسؑ خوش اطوار
بھُولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
اس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
پانی سے اٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمت اِسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

۱۱۳

ڈھیلی کی لگام اس کی کئی بار یہ کہہ کر
تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہووے گا میسّر
کی عرض کہ اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
دُو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبرؐ
پانی پیے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا

۱۱۴

یہ سُن کے علمدارؑ کی آنکھیں ہوئیں پُرنم
سیراب کیا مشکِ سکینہؑ کو بصد غم
منہ باندھ کے تسمے سے رکھا دوش پہ جس دم
کی عرض مدد کیجیو، اے حافظِ عالم!
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یا رب! میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

۱۱۵

کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
ہرچند کہ دُو روز سے قطرہ نہیں پایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کی پلا ہوں
جس حال سے آیا تھا اسی طرح چلا ہوں

۱۱۶ ★

اب تن میں نہ طاقت ہے نہ وہ تابِ تواں ہے
کمزور ہوں اور دوش پہ بھی بارِ گراں ہے
حربے لیے سب فوجِ ستم دشمنِ جاں ہے
سقہ ہوں میں جس کا وہ بہت تشنہ دہاں ہے
پیاسوں کی امانت کو شریروں سے بچا لے
اے بارِ خدا مشک کو تیروں سے بچا لے

۱۱۷ ★

اس پیاس کی گرمی سے جوانوں کو نہیں تاب
دو چار ہیں بچے کہ موئے جاتے ہیں بے آب
پانی کا یہاں قحط ہے دانہ بھی ہے نایاب
سیدانیاں ہفتم سے ہیں سب بے خور و بے آب
دُودھ اِتنا نہیں ہے کہ زباں بچے کی تر ہو
اس پر یہ ستم جو چھ مہینے کا پسر ہو

۱۱۸

یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسؑ فلک جاہ
جاری تھا زباں پر توتوکّلتُ علی اللہ
پھر آ گئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اِس نہر میں مر جائیں گے عباسؑ

۱۱۹

ساحل پہ ہُوئی قتلِ علمدار کی تدبیر
ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر
عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یُوں آتے تھے ساحل پہ، نہنگ آتا ہے جیسے

۱۲۰ ★

سر کٹ کے گرا جس نے قدم نہر میں ڈالا
ہاتھ اڑ گئے اس کے جو بڑھا تول کے بھالا
ہٹ جاتا تھا بڑھ بڑھ کے سواروں کا رسالا
ساحل پہ تلاطم تھا صفیں تھیں تہ و بالا
پانی یہ اچھلتا تھا کہ تھراتے تھے لاشے
دریا میں چھپے راس نظر آتے تھے لاشے

۱۲۱ ★

ساحل پہ ادھر شمر و عُمر کانپ رہے تھے
پانی کے جو ساکن تھے ادھر کانپ رہے تھے
سب مچھلیوں کے ڈر سے جگر کانپ رہے تھے
تھے گھر میں نہنگ اپنے مگر کانپ رہے تھے
چکر میں تھا گرداب بھی جرّار کے ڈر سے
موجیں بھی نہ بڑھ سکتی تھیں تلوار کے ڈر سے

۱۲۲

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا، کیوں ہم کو نہ روکا

۱۲۳

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی
لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی
جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رُکتے نہیں یوں حکمِ خدا روکے تو روکے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

۱۲۴

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور
پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
غل تھا کہ نہیں رُکنے کا یہ عاشقِ داور
لو جاتا ہے دریا سے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

۱۲۵

دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا
وُہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگے تھے ان لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا
یہ کہتے تھے "اللہ مددگار ہے میرا"
تلواروں سے نیزوں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دُعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

۱۲۶ ★

الجھا ہوا ہوں مشک میں اے لشکرِ ناری
ورنہ مرا مردہ بھی ہے تم لوگوں پہ بھاری
کچھ غم نہیں اللہ کرے گا مِری یاری
سب مجھ پہ کھلی ہے جو حقیقت ہے تمھاری
دم بند ہے تلواروں کو چمکا نہیں سکتے
لاکھوں ہوں مگر منہ پہ مرے آ نہیں سکتے

۱۲۷ ★

برچھی لیے بڑھتے تھے سوار ایک طرف سے
در پے تھی پیادوں کی قطار ایک طرف سے
تلواروں کی تھی شیر پہ مار ایک طرف سے
تیر آتے تھے دم بھر میں ہزار ایک طرف سے
تنہائی میں کیا جانیے کیا کرتے تھے عباسؑ
مشکیزہ لیے سب سے دغا کرتے تھے عباسؑ

۱۲۸ ★

چمکا کے کبھی تیغِ شرر بار کو روکا
چھیڑا کبھی گہ اسپِ وفادار کو روکا
کاٹی کبھی برچھی کبھی تلوار کو روکا
دو چار کو زخمی کیا دو چار کو روکا
اپنا تنِ انور نہ شریروں سے بچایا
جھک جھک گئے اور مشک کو تیروں سے بچایا

۱۲۹ ★

اس قہر کے دریا کو کہاں تک کوئی جھیلے
وہ شور وہ زورِ گشت کا وہ فوج کے ریلے
جس قوم سے تلوار چلی جان پہ کھیلے
واحیف وہ دریغا، وہ ہزاروں پہ اکیلے
مشکیزہ پہ ہر دم جو سپر ہو گئے عباسؑ
سرتا بقدم خون میں تر ہو گئے عباسؑ

۱۳۰ ★

مشکیزہ سنبھالیں کہ لعینوں سے لڑیں آہ
تھی فکر کہ ٹھنڈا نہ کہیں ہو علمِ شاہ
دم پھولا ہوا اور کوئی ہمدم نہ ہوا خواہ
شل ہو گیا تھا دستِ جگر بندِ یداللہ
مجروح تھا سر تیروں سے چھاتی بھی چھنی تھی
مظلوم کی اک جان پہ کیا آن بنی تھی

۱۳۱ ★

لاکھوں سے لڑائی تھی چلے ہاتھ کہاں تک
جانبازیاں کیں جسم میں طاقت تھی جہاں تک
دو روز سے اک بوند نہ پہنچی تھی وہاں تک
دل جلنے لگا پیاس کا غلبہ ہوا یاں تک
اس پر بھی نہ مضطر تھے نہ گھبراتے تھے عباسؑ
لڑتے ہوئے لشکر سے چلے آتے تھے عباسؑ

۱۳۲

لکھا ہے کہ اک تھا بنِ ورقہ ستم آرا
تیغ اس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضا را
بے دست ہوا حیدرِ کرّار کا پیارا
احمدؐ کا نشان خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جراُت سقائے حرم کو
تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو

۱۳۳

جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علمِ شاہ
بس پاس سے عباسؑ علمدار نے کی آہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ
دونوں نہ رہے دستِ جگر بندِ یداللہ
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عباسؑ
بازو جو کٹے سرورِ داں بن گئے عباسؑ

۱۳۴

یاں کی تو یہ صورت تھی سنو حال ادھر کا
سب گھر تہ و بالا ہے شہِ جن و بشر کا
عریاں ہے سر فاطمہ زہراؑ کے پسر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاعِ ازلی کے
کانوں میں صدا آتی ہے رونے کی علیؑ کے

۱۳۵ ★

اک شور ہے دریا پہ علمدارؑ، علمدارؑ
یہ روتے ہیں بیٹے کے لیے حیدرِ کرّارؑ
دنیا سے چلا ہائے مرا جعفرِ طیّار
شبیر کہاں پائے گا اب ایسا مددگار
طاقت تھی کہ بھائی کی مدد بھائی کرے گا
اب کون مرے بچوں کی سقائی کرے گا

★ ۱۳۶

فریاد ہے فریاد، فلک نے مجھے لُوٹا
بیداد ہے بیداد کہ بازو مرا ٹوٹا
بچپن کا جو تھا ساتھ ضعیفی میں وہ چھُوٹا
مرنے میں مرے بھائی نے سینے کو نہ کُوٹا
مرنے کا ہمارے غمِ تازہ نہ اٹھایا
بھائی نے برادر کا جنازہ نہ اٹھایا

۱۳۷

مجمع حرمِ شاہ کا ہے خیمے کے در پر
سیدانیاں سب بیٹھی ہیں کھولے ہوئے سر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسؑ دلاور
فرزند تو ہے گود میں، سر پہ نہیں چادر
مائیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچے
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچے

۱۳۸

غش ہے کوئی سامانِ عزا کرتی ہے کوئی
ششدر کوئی بی بی ہے، بکا کرتی ہے کوئی
تسبیح لیے ذکرِ خدا کرتی ہے کوئی
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتی ہے کوئی
دُکھ پہنچے نہ کچھ بازوئے شاہِ شہدا کو
یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

۱۳۹

زینبؑ کا یہ نقشہ ہے کہ چادر نہیں سر پر
گہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چھائی ہے اداسی شہِ مظلوم کے گھر پر
چلتی ہے چھُری پیاس کی بچوں کے جگر پر
صدمہ یہ ہے کچھ کہہ نہیں سکتی ہے سکینہؑ
اک ایک کا منہ یاس سے تکتی ہے سکینہؑ

۱۴۰

کہتی ہے کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مَل کر
کیوں مشک چچا جان کو دی وا ے مقدر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
میرے لیے مجروح ہوا ان کا برادر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
کیوں بیبیو تم نے مری تقدیر کو دیکھا

۱۴۱

میں کس سے کہوں کون ہے جو نہر پہ جائے؟
لِلّٰہ چچا کو کوئی میدان سے لائے
کس کام کا پانی ہے جو وہ پھر کے نہ آئے
جاں آئے بدن میں جو سکینہؑ انھیں پائے
کہہ دے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو

۱۴۲

کہتی تھی چچی لے کے سکینہ کی بلائیں
کیوں روتی ہو، ممکن ہے کہ وہ گھر ہی میں آئیں
صدقہ گئی مقبول ہیں بچوں کی دعائیں
اب چاہیے اکبرؑ خبر آنے کی سنائیں
دنیا میں خوشی تا بہ قیامت رہو، بی بی
وہ بھی جئیں اور تم بھی سلامت رہو، بی بی

۱۴۳

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج سے یک بار
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
اب پائیں گے شبیرؑ کہاں ایسا مددگار
مارا اُسے کیا، قتل ہوئے حیدرِ کرارؑ
کم ہو گیا زور آج امامِ ازلی کا
کٹتا ہے گلا حضرت عباس علیؑ کا

۱۴۴
اس شور کے ساتھ آئی صدا طبلِ ظفر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے زینب کو خبر کی
اٹھے شہِ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ اُدھر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے
ہلتا تھا کلس خیمے کا ہے ہے کی صدا سے

۱۴۵
میداں میں عجب حال سے پہنچے شہِ ذی جاہ
اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیر ید اللہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جانکاہ
نہ پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں
ہمشکلِ نبیؐ دستِ پدر تھامے ہوئے ہیں

۱۴۶
گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار
دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غم خوار
اللہ، بہت دور گرے یاں سے علمدارؑ
غل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
تلوار علم کرنے دو، اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیر جواں کا

۱۴۷
اکبرؑ نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
شبیرؑ پکارے میرے بھائی مرے بھائی
عباسؑ نے آواز حزیں اپنی سنائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہے جدا بہرِ سلام اُٹھ نہیں سکتا
تن چُور ہے ایسا کہ غلام اُٹھ نہیں سکتا

۱۴۸
شبیرؑ پکارے ترے قربان برادر
طاقت مری پیری کی مری جان برادر
ساونت برادر! مرے ذی شان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمہارا
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمہارا

۱۴۹
پانی کے لیے جس نے کمر بھائی کی توڑی
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپ نے موڑی
اٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مزا تھا
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزا تھا

۱۵۰
یہ کہتے تھے جو لاشۂ پُر خوں نظر آیا
تلواروں سے ٹکڑے قدِ موزوں نظر آیا
شانوں سے رواں خوں کا جیحوں نظر آیا
رنگِ گلِ رخسار دگرگوں نظر آیا
دم توڑتے تھے تیر سے لپٹے ہوئے رن میں
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں

۱۵۱
شاہِ شہدا لاشِ علمدار سے لپٹے
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غم خوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوشش تھا رقت کا شہِ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

۱۵۲

چلاتے تھے، اے بھائی کی پیری کے سہارے
اے شیرِ جواں، یارِ وفادار ہمارے
اے باپ کے محبوب پسر، بھائی کے پیارے
اب خلق سے جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
تھا میری ضعیفی کا عصا ہاتھ تمھارا
آج اُٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمھارا

۱۵۳

جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی
معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جدائی
تھی یادِ حسنؑ کی تری الفت نے بھلائی
گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی
یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

۱۵۴

یہ سن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
شہ نے کہا روتے ہو غش ہے پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچتی تھیں ساری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
بوسے قدمِ شاہ پہ دینے لگے عباسؑ
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

۱۵۵

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمۂ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ کبھی لی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ
بولے دمِ آخر کہ نثارِ شہِ ذی جاہ
روتے رہے شاہِ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کی سفر کر گیا بھائی

۱۵۶

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے رُلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

★ مرثیہ ۵

خورشیدِ فلک عکسِ دُرِ تاجِ علیؑ ہے

۱
خورشیدِ فلک عکسِ درِ تاجِ علیؑ ہے
کرسی سے فزوں پایۂ معراجِ علیؑ ہے
مریم سے فزوں رتبۂ ازواجِ علیؑ ہے
خالق کے سوا جو ہے وہ محتاجِ علیؑ ہے
یہ قاسمِ رزقِ ملک و جن و بشر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دستِ نگر ہیں

۲
رضواں چمن آرائے گلستانِ علیؑ ہے
ذی رتبہ ہے جبریل کہ دربانِ علیؑ ہے
فردوس بھی مشتاق ثنا خوانِ علیؑ ہے
ڈھلتے ہیں گنہ جس سے وہ دامانِ علیؑ ہے
ہیں عقدہ کشا گل کے یہ ہے کام علیؑ کا
مشکل ہوئی حل جس نے لیا نام علیؑ کا

۳
رشکِ گلِ بُستانِ جہاں روئے علیؑ ہے
سروِ چمنِ دیں قدِ دلجوئے علیؑ ہے
خوشبوئے ارم نکہتِ گیسوئے علیؑ ہے
سر رشتۂ جاں سلسلہ موئے علیؑ ہے
مولا کے قدم مُہرِ نبوت کا شرف ہیں
انگشترِ عالم میں یہی دُرِ نجف ہیں

۴
قدسی کو نہیں بار وہ دربارِ علیؑ ہے
اللہ کا گھر مطلعِ انوارِ علیؑ ہے
بنیاد ہی نرگس ہے جو بیمارِ علیؑ ہے
حق بیں ہے وہ جو طالبِ دیدارِ علیؑ ہے
شائق نہ تجلّی کا ہو نہ طور کو دیکھے
آنکھیں جو خدا دے تو ترے نور کو دیکھے

۵
شیعوں پہ سدا بخشش و انعامِ علیؑ ہے
کہتے ہیں جسے عرشِ خدا بامِ علیؑ ہے
جو جان ہے اسلام کی وہ لامِ علیؑ ہے
بیمار کو تعویذِ شفا نامِ علیؑ ہے
طاقت ہے یہی جسم یہی جان یہی ہے
قبلہ ہے یہی دین یہی ایمان یہی ہے

۶
عاجز ہیں ملک خالقِ اکبر کی ثنا میں
ایسا ہی تردّد ہے پیمبر کی ثنا میں
انسان کو کیا دخل ہے اس گھر کی ثنا میں
قاصر ہے زباں حیدرِ صفدر کی ثنا میں
ہر چند کہ بندہ ہے وہ اللہ نہیں ہے
رتبہ سے پر اس کے کوئی آگاہ نہیں ہے

۷
تا لوح کے سینے کے نہ کینہ سے کرے پاک
کیا شیرِ الٰہی کے کوئی لکھ سکے اوصاف
لے ماہ سے ماہی تلک اور قاف سے تا قاف
خامہ لیے ہے سوچ میں ہر صاحبِ انصاف
کیا بات نئی مدح میں پیدا ہو کسی سے
ہے دفترِ کونین بھرا وصفِ علیؑ سے

۸

حق اس کا ثنا خواں ہے وہ ہے حق کا ثنا خواں
باور نہ کسی کو ہو تو موجود ہے قرآں
نہ عرش نہ کرسی نہ ملائک تھے نہ انساں
تھا نورِ علیؑ علمِ الٰہی میں درخشاں
کیا لکھیے پھر اس گوہرِ یکتائے کرم کو
لغزش ہے اب آگے قدمِ رخشِ قلم کو

۹

ہیں مہتممِ خانۂ حق روزِ ازل سے
حکم ان کا ہے سب پر کرمِ عزّ وجل سے
عالم ہیں جسے چاہیں اماں دیویں اجل سے
شفقت سے یہ پیش آتے ہیں گو رد کر و شل سے
خدمت غربا کی ہے سدا کام علیؑ کا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام علیؑ کا

۱۰

ہے عینِ علیؑ علمِ الٰہی کا اشارا
اس عین سے منظور تھا عالم کا نظارا
اور بیچ میں ہے لامِ ولایت علم آرا
جس لام سے اللہ نے نام اپنا سنوارا
یہ حرف تو ہمنام جناب احدی ہیں
یے سے ہے یہ ثابت کہ یداللہ یہی ہیں

۱۱

یہ نام ہے وہ نام کہ ہے عرش پہ تحریر
حقا کہ اسی نام سے کرسی کی ہے توقیر
بالا ہے اسی نام کے باعث فلکِ پیر
گیتی ہوئی ساکت یہ ہے اس نام کی تاثیر
طوفاں کی بلا نوحؑ پہ آئی تھی شرر کی
آدمؑ کی اسی نام نے مشکل میں مدد کی

۱۲

یوسفؑ کو اسی نام نے زنداں سے چھڑایا
یعقوبؑ کو بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملایا
اس نام نے فرعون سے موسیٰؑ کو بچایا
اور بہرِ خلیلؑ آگ کو گلزار بنایا
جُز نام علیؑ فائدہ کس کام نے بخشا
ایوبؑ کو بھی صبر اسی نام نے بخشا

۱۳

ہوتا جو نہ وہ عالمِ ایجاد کا بانی
صورت نہ پکڑتا کبھی یہ گلشنِ فانی
تھے منکشف اللہ کے سب رازِ نہانی
جُز ذاتِ محمدؐ کوئی اس کا نہیں ثانی
بے شک شہِ لولاک و علیؑ نورِ خدا ہیں
باطن میں تو وہ ایک ہیں ظاہر میں جدا ہیں

۱۴

صورت گرِ عالم کو ہوا جبکہ یہ منظور
قدرت مری ظاہر ہو نہ رکھیے اسے مستور
تب پشت سے ہو منتقل آدمؑ کے بدستور
تا پشت ابوطالبؑ والا گیا وہ نور
بیکس تھے کوئی تھا نہ محمدؐ کی مدد کو
بس حمل انہیں روزوں میں تھا بنتِ اسد کو

۱۵

پیدا نہ ہوا تھا ابھی وہ حق کا مصاحب
اعجاز نمایاں تھے مگر ظاہر و غائب
پردے سے عیاں ہوتے تھے آثارِ عجائب
تھے بسکہ ازل سے وہ منیب اور یہ نائب
جب آتے تھے محبوبِ خدا خانۂ عم میں
تعظیم علیؑ کرتے تھے مادر کے شکم میں

۱۶
آخر ہوئی جب حمل کی مدت تہِ افلاک
فرمانے لگے بنتِ اسد سے شہِ لولاک
جاؤ حرمِ کعبہ میں کیوں ہوتی ہو غمناک
وہ گھر بھی ہے پاک اور یہ مولود بھی ہے پاک
اس کی بھی سعادت ہے تمھارا بھی شرف ہے
یہ گوہرِ نایاب وہ پاکیزہ صدف ہے

۱۷
یہ سن کے گئیں بنتِ اسد کعبے کے در پر
کی عرض بصد عجز یہ ہاتھوں کو اٹھا کر
مشکل مری آسان کر اے خالقِ اکبر
آئی یہ صدا واں سے کہ آ کعبے کے اندر
قدرت مری اب ہوئے گی ظاہر اسی گھر میں
اس طفل کا ہے اول و آخر اسی گھر میں

۱۸
دیکھا کہ یکایک ہوئی شق کعبے کی دیوار
داخل ہوئیں اس میں تو لرزتا تھا تنِ زار
جب فضلِ خدا سے ہوئے پیدا شہِ ابرار
یہ شور فرشتوں میں ہوا عرش پہ یکبار
کیا دن ہے خوشی کا کرم عزّ و جل سے
خورشید نمودار ہوا بُرجِ حمل سے

۱۹
جبریلؑ کی سدرہ سے صدا آئی یہ ناگاہ
پیدا ہوا اللہ کے گھر میں اسد اللہ
اب راہ پہ آئیں گے وہ کافر جو ہیں گمراہ
اسلام کو دنیا میں جلا دے گا یہ ذی جاہ
مشرک کے مٹانے سے اسے کام رہے گا
اصنام پرستی کا نہ اب نام رہے گا

۲۰
اک بار فلک نور سے روشن ہوئے سارے
ہر شب سے دوچنداں ہوئے تابندہ ستارے
کوثر نے صدا دی کہ زہے بخت ہمارے
کرنے لگیں حوریں طرف کعبہ نظارے
شائق تھے جو پیدائشِ سلطانِ زمن کے
غنچے بھی ہنسے دیتے تھے جنت کے چمن کے

۲۱
لکھا ہے تولد ہوئے جب شاہِ ولایت
تا عرش گئی روشنیِ شمعِ امامت
پڑھ کر کلمہ دے کے اذاں کہہ کے اقامت
سجدہ کیا خالق کو یہ پہلی تھی عبادت
طاقوں میں جو بُت تھے انھیں لغزش ہوئی جا سے
تھرا کے گرے شیرِ الٰہی کی صدا سے

۲۲
کفار میں تھا شور صنم تھے تہ و بالا
غُل تھا کہ یہ ہے نورِ الٰہی کا اُجالا
جب طاعتِ رب کر چکا وہ سیّدِ والا
ماں نے اسے آغوشِ مبارک میں سنبھالا
گھر میں عجب احوال تھا والد کا قلق سے
لے آئیں انھیں بنتِ اسد خانۂ حق سے

۲۳
ہر چند کہ تھے گود میں ماں کے تہہِ دامن
گھر حسن کے پرتو سے مگر ہو گیا روشن
ابرو و مژہ تیر و کماں تھے پئے دشمن
رشکِ مہ و خورشید تھی پیشانی و گردن
مشتاق تھی ماں عین تمنا میں پدر تھا
پر کھولنا آنکھیں نہ ابھی مدِ نظر تھا

۲۴
ہنستے ہوئے آئے جو شہِ یثرب و بطحا
بولے یہ محمدؐ سے ابو طالبؑ والا
ہرگز نہیں کم شیرِ درندہ سے یہ بچا
جب چاہتے ہیں ہم کہ یہ آنکھوں کو کرے وا
پنجہ یہ ہمیں مارتا ہے شیر کے مانند
ناخن بھی ہیں اس شیر کے شمشیر کے مانند

۲۵
رومال سے جب باندھتے ہیں ہاتھ بدستور
یہ پھاڑ کے ہاتھوں سے اُسے پھینکتا ہے دور
محبوبِ الٰہی نے کہا سُن کے یہ مذکور
سمجھا نہیں کوئی اسے جو کچھ کہ ہے منظور
عاشق ہے مرا مجھ سے محبت ہے اسی کو
بے منہ مرا دیکھے یہ نہ دیکھے گا کسی کو

۲۶
یہ کہہ کے لیا گود میں حیدرؑ کو نبیؐ نے
دیکھا رُخِ شہ صَلِّ علیٰ کہہ کے علیؑ نے
دی جبکہ زباں مُنہ میں رسولِ عربیؐ نے
چُوسا اُسے تا دیر محمدؐ کے وصی نے
تاثیرِ لعابِ دہنِ خیر درا سے
معمور ہُوا صدرِ علیؑ عِلمِ خدا سے

۲۷
بالیدہ ہر اک دم تنِ حیدرؑ نظر آیا
زورِ ید قدرت رگ و ریشہ میں در آیا
طاقت تھی وہی جو کوئی ان سے نہ بر آیا
دو ٹکڑے کیا دیو بھی لڑنے کو گر آیا
خوں سے جو بہم خونِ شہنشاہِ عرب تھا
ہاں لحمک لحمی یہی کہنے کا سبب تھا

۲۸
فرماتے ہیں محبوبِ خدا حق میں علیؑ کے
کونین میں رُتبے ہیں بڑے میرے وصی کے
احوال سے ماہر ہوں میں ہر ایک نبیؑ کے
یہ شان و بزرگی نہیں حصّے میں کسی کے
مجموعۂ کونین میں یُوں شاہِ نجف ہے
جس طرح سے یٰسین کو قرآں میں شرف ہے

۲۹
آدمؑ تھے اگر الفتِ اسلام سے ممتاز
پر نوحؑ بھی تھے خوفِ الٰہی سے سرافراز
موسٰیؑ پہ ہوئے منکشف اللہ کے سب راز
تقوٰی کے سبب پایا تھا یحیٰیؑ نے بھی اعزاز
یعقوبؑ تھے ثابت قدم اندوہ و بلا میں
ایوبؑ نے پایا تھا شرف صبر و رضا میں

۳۰
حد سے تھا براہیمؑ کو بھی عشقِ الٰہی
یوسفؑ کو بھی تھی سلطنتِ حسن کی شاہی
عیسٰیؑ نے بھی اوقاتِ عبادت میں نباہی
یونسؑ کو بھی تھا زہد میں پرہیز و مناہی
جو خلق و مروت تھی رسولِ عربیؐ میں
موجود ہیں یہ سب صفتیں ایک علیؑ میں

۳۱
میں پایۂ معراج کو جس وقت کہ پہنچا
بس پہلے جو اللہ نے پُوچھا تو یہ پُوچھا
اے دوست مرے دوست بہت کس کو ہے رکھتا
کی عرض میں نے اُسے جو دوست ہے تیرا
آہستہ جدا کرتا ہے یوں روح کو تن سے
جیسے کوئی لے جاتا ہے اک پھول چمن سے

۳۲

میں کہنے لگا دل میں زہے رتبۂ حیدرؑ
اس طرح جسے دوست رکھے خالقِ اکبر
تھا میں تو اسی سوچ میں نہوڑائے ہوئے سر
آئی یہ صدا پھر طرفِ جیب تو نظر کر
سمجھا کہ ملک میرے چپ و راس کھڑے ہیں
دیکھا تو یہ دیکھا کہ علیؑ پاس کھڑے ہیں

۳۳

دشمن ہے جو حیدرؑ کا وہ کافر سے نہیں کم
ملعون ہے مردود ہے مرتد ہے وہ اظلم
واللہ جلائے گی اسے نارِ جہنم
جو دوست علیؑ کا ہے اُسے حشر کا کیا غم
اللہ اسے دیکھے گا رحمت کی نظر سے
سایہ عَلمِ حمد کا سرکے گا نہ سر سے

۳۴

شیعوں کو نہیں ہے ملک الموت کا وسواس
حیدرؑ کا وہ ہے دوست تو کیوں ہو الم و یاس
اس لطف سے آتا ہے محبانِ علیؑ پاس
انسان کو کسی دوست سے جوں دوست کا ہو پاس
آہستہ جدا کرتا ہے یوں روح کو تن سے
جیسے کوئی لے جاتا ہے اک پھول چمن سے

۳۵

بھرتا ہے دمِ مرگ جو دَم آلِ نبیؐ کا
کھل جاتا ہے اُس پر کہ محب ہے یہ علیؑ کا
سمجھاتا ہے گو وقت ہے کوتہ نفسی کا
ہے لطف و کرم تجھ پہ جنابِ احدی کا
سختی سے نہ سینے پہ ترے ہاتھ دھروں گا
جو رحم رسولوں پہ کیا تجھ پہ کروں گا

۳۶

حامی ہو ید اللہ سا جب سرورِ عالی
واللہ یہ مرنا بھی نہیں حسن سے خالی
دوزخ سے بچائے گا تجھے دین کا والی
گھبرا نہ مجھے دیکھ کے اے شیعۂ غالی
دعویٰ ہے جو تجھ کو کہ ہوا خواہِ علیؑ ہوں
میں بھی بخدا بندۂ درگاہِ علیؑ ہوں

۳۷

بیٹھیں گے علیؑ آکے سرھانے دمِ مردن
لے جا ہے غمِ تشنگی و تاریکیِ مدفن
واں داغِ غمِ سبطِ نبی ہوئے گا روشن
بولیں گے نکیرین جناں ہے ترا مسکن
حیدرؑ کا محب ہے تجھے ڈر کیا ہے ہمارا
آقا ہے جو تیرا وہی آقا ہے ہمارا

۳۸

کہتے ہیں محمدؐ کہ یہ فرماتا ہے خالق
جو عابد و زاہد کہ علیؑ کا ہے منافق
اس کے لیے دوزخ ہے وہ دوزخ کے ہے لایق
اور دوست ہے جو گو کہ وہ ہو فاجر و فاسق
طاعت کے نہ کرنے کا عذاب اس پہ نہیں ہے
حُوریں ہیں وہی اور چمنِ خلدِ بریں ہے

۳۹

حیدرؑ کے فضائل کوئی کیا کر سکے تحریر
قرآں میں ثنا جس کی کرے مالکِ تقدیر
اللہ رے عزّ و شرف اللہ رے توقیر
ہے جس کے غلاموں کے لیے خلد کی جاگیر
آفاق میں حیدرؑ سا شہنشاہ نہیں ہے
جو کچھ کہو سب سچ ہے پہ اللہ نہیں ہے

۴۰
وہ زور وہ شوکت وہ سخاوت وہ شجاعت
وہ خلق وہ اعجاز وہ ہمت وہ کرامت
وہ خوفِ الٰہی وہ عدالت وہ عبادت
وہ شکر وہ تسبیح وہ فاقے وہ قناعت
الطاف یتیموں پہ ترحم غربا پر
تھا خاتمہ ان کا شہِ عقدہ کشا پر

۴۱ مطلع
اب روئیں محبان خوش اقبال علیؑ کے
ہوتا ہے بیاں زُہد کا احوال علیؑ کے
آرام سے واقف تھے نہ اطفال علیؑ کے
سو رہتے تھے فاقے سے سدا لال علیؑ کے
کونین میں نعمات تصرف میں تھے جن کے
کھاتے تھے وہ سُوکھے ہوئے ٹکڑے کئی دن کے

۴۲
صرفِ رہِ حق کر دیا جو مزد میں پایا
فاقے کئے آپ اور غریبوں کو کھلایا
کپڑے اسے بخشے جو برہنہ نظر آیا
جُز نانِ جویں آپ نے کچھ اور نہ کھایا
فرماتے تھے یہ وجہ ہے تعلیلِ غذا کی
تا پشت رہے راست عبادت میں خدا کی

۴۳
اک روز کسی شخص نے حیدرؑ سے یہ پوچھا
اس ظرف میں یا شاہ فقط جَو کا ہے آٹا
پھر مُہر جو کر دیتے ہیں آپ اس کا سبب کیا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
دونوں مرے بیٹے جو نواسے ہیں نبیؐ کے
شفقت وُہ بہت حال پہ کرتے ہیں علیؑ کے

۴۴
ہر چند یہ آٹا تو نہیں مہر کے قابل
پر اس سے ہے سَو رنگ کی لذّت مجھے حاصل
ڈر ہے کہ مبادا کہیں ہو جاؤں میں غافل
وہ آردِ گندم کو نہ اس میں کریں شامل
قاتل ہے یہ لذّاتِ جہاں سَم کی طرح سے
مجھ پر بھی عتاب آئے نہ آدمؑ کی طرح سے

۴۵
تھے تارکِ دُنیا ئے دُنی حیدرِ کرّارؑ
جُز نقدِ سخا پاس نہ درہم تھے نہ دینار
بستر کے نہ پابند نہ بالش سے سروکار
رحلت کے لیے آپ کو رکھتے تھے سبکسار
اک تیغ خداداد تھی دو رختِ کہن تھے
جب اُٹھ گئے دُنیا سے تو محتاجِ کفن تھے

۴۶
ہوتا تھا سوا عید کے ایسا کوئی دن کم
صائم نہ ہو جس میں وہ شہنشاہِ دو عالم
بیتِ شرفِ خاص سے اک دن خوش و خرم
مسجد میں ہوئے جلوہ نما سیّدِ اکرم
اِک مردِ عرب آیا زیارت کو حسنؑ کی
واقف تھا نہ صورت سے شہِ قلعہ شکن کی

۴۷
مغرب کے فریضہ کو ادا کر چکے جب شاہ
سب اُٹھ گئے بیٹھا رہا وہ بندۂ اللہ
تھا آردِ جَو روزہ کشائی کو جو ہمراہ
لی اک کفِ دست آپ نے افطار کیا آہ
اک مشت اسے بھی وہ دیا لطف و کرم سے
لے کر اسے رخصت وہ ہوا شاہِ امم سے

۴۸

واں سے حسنؑ پاک کے دربار میں آیا
مسند پہ بہم شبّر و شبیرؑ کو پایا
کھانا بھی اسی وقت تھا مطبخ سے منگایا
دیکھا جو اسے لُطف و عنایت سے بٹھایا
کیا فیض سخائے حسنؑ سبز قبا تھا
مسکینوں کا حلقہ تھا، ہجومِ فقرا تھا

۴۹

ہر رنگ کا خوانوں میں چلا آتا تھا کھانا
آگے وہ غریبوں کے چُنا جاتا تھا کھانا
دیتے تھے اُسے خود جسے جو بھاتا تھا کھانا
کس لطف سے خوش ہوکے ہر اک کھاتا تھا کھانا
فرماتے تھے مانع نہ کوئی پاسِ ادب ہو
لے لے جسے جس رنگ کے کھانے کی طلب ہو

۵۰

وہ مردِ عرب تھوڑے سے کھانے کو اٹھا کر
شبّرؑ سے لگا کہنے کہ یا سبطِ پیمبرؐ
مسجد میں گیا میں جو پئے طاعتِ داور
اک شخص کو واں دیکھ کے دل ہو گیا مضطر
محتاج ہے بیکس ہے غریب الغربا ہے
کھانے کے عوض آردِ جَو پھانک رہا ہے

۵۱

اس مرتبہ کہنہ ہے کہ ثابت نہیں پوشاک
رکھتا ہے گریبانِ قبا مثلِ کفن چاک
فرش اس کو میسّر نہیں دُنیا میں بجز خاک
ایسا کوئی محتاج نہ ہو گا تہہِ افلاک
فاقے سے وہ بیٹھا ہوا ہے گھر میں خدا کے
ہو حکم تو دے آؤں یہ کھانا اسے جا کے

۵۲

پانی سے مرے سامنے روزہ کیا افطار
ہر گھونٹ پہ کہتا تھا کہ شکر اے مرے غفّار
انبان میں سُوکھے ہوئے ٹکڑے تھے جو دو چار
کی لُطف سے میری بھی صلاح اس میں کئی بار
میں نے کہا مجھ سے تو چبائے نہیں جاتے
سخت ایسے یہ ٹکڑے ہیں کہ کھائے نہیں جاتے

۵۳

اس مردِ عرب نے جو نہی یہ بات سُنائی
گھبرا کے لگا دیکھنے مُنہ بھائی کا بھائی
دونوں نے خبر حال کی بابا کے جو پائی
دل سینوں میں ٹکڑے ہوئے رقت بہت آئی
رو کر کہا اے شخص یداللہ وہی ہیں
ہم سب ہیں اسی در کے گدا شاہ وہی ہیں

۵۴

وہ باپ ہمارے ہیں علیؑ حیدرِ کرّار
مجبور نہیں ساری خدائی کے ہیں مختار
نعمت سے نہ مطلب ہے نہ زر سے ہے سروکار
جُز نانِ جویں ہے اُنھیں سب کھانوں سے انکار
لے فرش سے تا عرش تعلق ہے اُنھیں کا
ہم کھاتے ہیں جو کچھ یہ تصدق ہے اُنھیں کا

۵۵

اس زہد پہ یکتا تھے عبادت میں بھی حیدرؑ
جب وقتِ نماز آتا تھا ہو جاتے تھے مضطر
جاتے تھے جو مسجد میں پئے طاعتِ داور
تھرّاتے تھے اعضائے تنِ فاتحِ خیبر
یہ خوفِ الٰہی تھا شہنشاہِ عرب کو
جو دل کے دھڑکنے کی صدا آتی تھی شب کو

۵۶

دن کو تو رکھا کرتے تھے روزہ شہِ ابرارؑ
راتوں کو عبادت میں رہا کرتے تھے بیدار
تا صبح تھی تکبیرۃ الاحرام کی تکرار
اور ختم تھا قرآں بھی گھڑی بھر میں کئی بار
ہو جاتے تھے یہ محو عبادت میں خدا کی
مطلق نہ خبر رہتی تھی اپنے سر و پا کی

۵۷

اک جنگ میں تھے معرکہ آرا شہِ مرداں
جو تیر لگا پاؤں میں پر نکلا نہ پیکاں
چین آتا نہ تھا درد کے مارے کسی عنواں
جرّاح سے کہنے لگے پیغمبرِ ذی شاں
لاکھوں میں ید اللہ کی شمشیر علیؑ ہے
ایسا ہی یہ ہے درد کہ دلگیر علیؑ ہے

۵۸

جرّاح نے کی عرض کہ کھینچوں اسے کیونکر
پاؤں کو تو چھونے نہیں دیتے مجھے حیدرؑ
آہستہ یہ فرمانے لگے اُس سے پیمبرؐ
جب کرنے لگے طاعتِ داور یہ دلاور
تب کھینچو پیکاں قدمِ شیرِ خدا سے
بے چین ہوں مَیں بھی اِلَمِ شیرِ خدا سے

۵۹

جس وقت علیؑ بہرِ عبادت ہوئے اِستاد
جُز یادِ خدا اور انھیں کچھ نہ رہا یاد
سجدے میں گیا جبکہ محمدؐ کا وہ داماد
جرّاح بھی موجود تھا واں موجبِ ارشاد
پاس آن کے زنبور سے پیکانِ جفا کو
کھینچا تو خبر بھی نہ ہوئی شیرِ خدا کو

۶۰

اب حال سخاوت کا سُنو شیرِ خدا کی
کیا فقر میں ہمّت تھی شہِ عُقدہ کشا کی
ہو جاتے تھے بیتاب صدا سن کے گدا کی
رستے میں قطار اونٹوں کی سائل کو عطا کی
سجدے میں انگوٹھی کا جو احسان کیا تھا
درویش کو ہم شانِ سلیمان کیا تھا

۶۱

تھے راہِ الٰہی میں پسر دینے کو حاضر
بے گھر جسے پایا ہوئے گھر دینے کو حاضر
مقروضوں کے بدلے رہے زر دینے کو حاضر
سر جس نے کہ مانگا ہوئے سر دینے کو حاضر
رانڈوں پہ ترحم تھا یتیموں پہ کرم تھا
بیماروں کا تھا درد تو محتاجوں کا غم تھا

۶۲

حیدرؑ سا زمانے میں نہ ہو گا کوئی جوّاد
بندے بھی بہت راہِ خدا میں کیے آزاد
دشمن نے دمِ جنگ وہ شمشیرِ خداداد
مُولا سے جو مانگی تو وہیں کی اُسے آزاد
درہم دیے دینار دیے راہِ خدا میں
خود بلکہ کئی بار بِکے راہِ خدا میں

۶۳

لکھا ہے سخاوت میں علیؑ کی یہ بہ تکرار
فاقے سے کئی روز کے تھے حیدرِؑ کرار
سائل نے سوال آ کے یہ اُن سے کیا اک بار
درہم مجھے دو چار ہزار اے شہِؑ ابرار
شہرہ ہے دو عالم میں سخاوت کا تمھاری
سکّہ ہے زر و سیم پہ ہمّت کا تمھاری

۶۴

حلِ مشکلِ لاحل بخدا ہو گی تمھیں سے
حاجت مری یا شاہ روا ہو گی تمھیں سے
بیماری و عسرت کی دوا ہو گی تمھیں سے
ہو گی تو یہ ہمّت عطا ہو گی تمھیں سے
تم صاحبِ مسند ہو پیمبرؐ کے وصی ہو
بیٹے بھی تمھارے ہیں سخی تم بھی سخی ہو

۶۵

سائل سے یہ سُن کر متردّد ہوئے حیدرؑ
فرمانے لگے حضرتِ سلمانؓ کو بلا کر
وہ باغ جو میرا ہے عنایاتِ پیمبرؐ
بیچو اُسے جتنے کو بِکے جلد برادر
فانی ہے جہاں دم میں خدا جانے کہ کیا ہو
سائل کی تو حاجت کسی صورت سے روا ہو

۶۶

سلمانؓ گئے یہ سُن کے اور اک دم میں پھر آئے
صرّے کئی درہم کے اُسے بیچ کے لائے
بس چار ہزار اُن میں سے سائل کو دلائے
اور آٹھ ہزار اور مساکین نے پائے
ذرّہ نہ رہا پاس جب اس باغ کے زر میں
فاقے سے گئے فاقے سے داخل ہوئے گھر میں

۶۷

مُنھ دیکھ کے زہراؑ نے کہا باغ کو بیچا
فرمایا کہ ہاں بِک گیا تب بولی یہ زہراؑ
کچھ گھر میں بھی لاتے کہا لاتا میں بھلا کیا
جو مستحق اس زر کے تھے ان لوگوں کو بخشا
کیونکر میں کروں ترک اسے جو بات بھلی ہو
مجھ کی تو رہے خلقِ خدا سیر علیؑ ہو

۶۸

یہ کہہ کے چلے گھر سے جو باہر شہِؑ ابرار
دامانِ علیؑ دوڑ کے پکڑا بدلِ زار
چھوڑو مرے دامن کو کہا شہؑ نے کئی بار
بولیں کہ نہ چھوڑوں گی نہ چھوڑوں گی میں زنہار
ذات آپ کی حلالِ مہماتِ جہاں ہے
فرمائیے حصّہ مرے بچوں کا کہاں ہے

۶۹

حضرت کی سخاوت تو یہ اور گھر کا یہ احوال
ہیں فاقے سے تم فاقے سے فاقے سے مرے لال
کچھ پاس میں رکھتی نہیں دنیا کا زر و مال
عُسرت ہی میں گزرے چلے جاتے ہیں مہ و سال
آفاق میں محتاج ہوں پیراہن نو کو
اِک کہنہ ردا ہے وہی جاتی ہے گرو کو

۷۰

یاں حیدرؑ و زہراؑ میں تو ہوتی تھی یہ گفتار
واں روحِ امیں عرش سے نازل ہوا اک بار
کی عرض محمدؐ سے کہ اے کُل کے مددگار
فرماتا ہے یُوں بعد سلام ایزدِ غفّار
ہم پیار بہت کرتے ہیں اس اپنے ولی کو
زہراؑ سے کہو چھوڑ دے دامانِ علیؑ کو

۷۱

یہ حکمِ خدا سُن کے نبیؐ آئے تو دیکھا
دامانِ علیؑ پکڑے ہوئے روتی ہے زہراؑ
فرمایا کہ اے جانِ پدر حال ہے یہ کیا
کی عرض یہ زہراؑ نے کہ انصاف کی ہے جا
باغ ان کا بِکا اور نہ درہم نظر آئے
ہم رہ گئے فاقے سے یہ تقسیم کر آئے

۶۲

فرمایا محمدؐ نے کہ اے ثانیِ مریم
جبرئیل امیں وحیِ خدا لایا ہے اس دم
دامانِ علیؑ چھوڑ دے عسرت کا نہ کھا غم
ہر امر میں حیدرؑ کی اطاعت ہے مقدم
تھرّا گئیں سُن کر یہ سخن منہ سے نبیؐ کے
بس چھوڑ دیا ہاتھ سے دامن کو علیؑ کے

۶۳

احمدؐ نے گلے شیرِ الٰہی کو لگایا
اور دستِ کرم فاطمہؑ کے سر پہ پھرایا
پھر سات درم دے کے یہ شفقت سے سنایا
کچھ کھانے کو منگواؤ کہ کھانا نہیں کھایا
زہراؑ نے علیؑ سے کہا اس سات درم میں
بازار سے جو لاؤ کہ اب دم نہیں ہم میں

۶۴

نکلے جو علیؑ گھر سے حسنؑ کو لیے ہمراہ
بازار میں کہتا تھا یہ اک بندۂ اللہ
دیوے ہمیں کچھ قرض کوئی مردِ حق آگاہ
بچّے مرے فاقے سے کئی روز کے ہیں آہ
یہ سُن کے نہ دیکھا گیا پابندِ غم اس کو
حضرت نے وہی دے دیے ساتوں درم اس کو

۶۵

منہ دیکھ کے شبّرؑ کا یہ فرمایا بہ اشفاق
سائل کو نہ دینا اسد اللہ پہ تھا شاق
کچھ جائے تردّد نہیں اللہ ہے رزاق
یہ کہہ کے چلے واں سے جو شاہنشہِ آفاق
یوں رزق پہنچنے کا سبب سامنے آیا
ناقہ لیے اک مردِ عرب سامنے آیا

۶۶

مولا سے کہا اس نے کہ یا حیدرِ کرار
بکتا ہے یہ اس ناقہ کے ہیں آپ خریدار
فرمایا کہ کچھ پاس نہیں درہم و دینار
اس نے کہا میں قرض بھی دینے کو ہوں تیار
درہم اُسے سَو دینے کہے شاہِ زمن نے
راضی وہ ہوا لے لی مہار اس کی حسنؑ نے

۶۷

اتنے میں پھر اک شخص نے پوچھا یہ سرِ راہ
اس ناقے کو تم بیچتے ہو یا اسدؑ اللہ
فرمایا کہ ہاں دے گا جو قیمت کوئی دلخواہ
اس نے کہا کتنے کو لیا آپ نے یا شاہؑ
بتلائی خرید اپنی جو مردِ عربی کو
درہم صد و ہفتاد دیے اس نے علیؑ کو

۶۸

جب واں سے روانہ ہوا وہ ناقہ کو لے کر
بازار میں بائع کو لگے ڈھونڈنے حیدرؑ
ناگاہ سرِ راہ نظر آئے پیمبرؐ
فرمایا کسے ڈھونڈتے پھرتے ہو برادر
جبریل تھا جو قرض تمہیں دے گیا ناقہ
میکال تھا جو مول ابھی لے گیا ناقہ

۶۹

ناقہ نہ تھا دنیا کا وہ تھا ناقۂ جنّت
درہم یہ کیے ہیں تمہیں خالق نے عنایت
لے جاؤ کہ خورسند ہو خاتونِ قیامت
مقبول ہے خاصانِ الٰہی کی سخاوت
بھوکوں کو غریبوں پہ کرم کا یہ عوض ہے
جو بخشے ہیں ان سات درم کا یہ عوض ہے

۸۰
یہ سُن کے ہوا شاد وہ سلطانِ حجازی
قبلہ کو جھکا شکر کے سجدے میں نمازی
تھا ذکر یہ لب پر کہ زہے بندہ نوازی
میں اک کفِ خاک اور لقب صفدر و غازی
فلقے میں بھی مجھ کو یہ سرافراز کیا ہے
کیا مرتبہ اس بندۂ احقر کو دیا ہے

۸۱
کیا فیض ہے کیا خیر ہے کیا جُود و سخا ہے
کیا رحم کیا بخشش و الطاف و عطا ہے
محتاج اسی در کا ہر اک شاہ و گدا ہے
حقا کہ دو عالم کا علیؑ عقدہ کشا ہے
سائل کبھی خالی نہ گیا سامنے آکر
یا آپ دیا یا اُسے دِلوا دیا جا کر

۸۲
تھے جلوہ نما کوفہ کی مسجد میں یداللہ
جو آن کے اک شخص نے مجرا کیا ناگاہ
مستفسرِ حال اس سے ہوئے سیّدِ ذیجاہ
کی عرض کہ قرباں ترے الطاف کے یا شاہ
دل خستہ ہوں مفلس ہُوں پریشاں و حزیں ہوں
مقروض ہوں ایسا کہ ہلاکت کے قریں ہوں

۸۳
تم مہتمِ خانۂ ربِّ دوسرا ہو
رتبے میں رسولانِ سلف سے بھی سوا ہو
وہ زندۂ جاوید ہے جو تم پہ فدا ہو
تدبیر کرو کچھ کہ مرا قرض ادا ہو
ہوتی ہے اعانت غربا کی اسی گھر سے
جاتا نہیں مایوس کوئی آپ کے در سے

۸۴
سائل سے یہ سنتے ہی اُٹھے حیدرؑ صفدر
ساتھ اس کو لیے احمد کوفی کے گئے گھر
قنبرؓ نے پکارا تو نکل آیا وہ باہر
تسلیم بجا لا کے گدا شہؑ کے قدم پر
کی عرض کہ اس بندہ نوازی کے میں صدقے
الطافِ شہنشاہِ حجازی کے میں صدقے

۸۵
حیدرؑ نے یہ فرمایا بصد لطف و عنایت
کیا وجہ جو آیا نہیں کیسی تھی طبیعت
تو آیا نہ ہم کو تری لے آئی محبت
تب احمد کوفی نے یہ کی عرض کہ حضرت
آنا مرا خدمت میں جو موقوف تھا اب تک
اس گھر کی میں تعمیر میں مصروف تھا اب تک

۸۶
پُوچھا اسد اللہ نے صرف اس پہ ہوا کیا
کی عرض کہ دینار ہزار اے شہِ والا
فرمایا کہ فردوس میں اک قصرِ مصفا
بیچیں اسی قیمت پہ ترے ہاتھ تو لے گا
جو کہتا ہوں میں یہ صفتیں ساری ہیں اس میں
نہریں عسل و شیر کی بھی جاری ہیں اس میں

۸۷
خوش ہو کے کہا اس نے کہ یا حیدرِ کرارؑ
خادم بسر و چشم ہے اس گھر کا خریدار
طے ہو گئی تھی پہلے ہی قیمت کی تو گفتار
گھر میں سے اٹھا لایا وہ اک صرّۂ دینار
کی عرض کہ حاضر ہے یہ زر لیجئے مولا
اس گھر کا قبالا مجھے کر دیجئے مولا

۸۸
حضرت سے یہ جب احمدِ کوفی نے کہی بات
بولے شہِ والا بہ تبسّم بہ مدارات
باہر نہیں اس امر سے حلّالِ مہمات
لے آ تو دوات و قلم اے مرے خوش اوقات
آیا جو قلمدان تو بہ شفقت شہِ دیں نے
لکھی یہ قبالے کی عبارت شہِ دیں نے

۸۹
میں ہوں جو علیؑ شیرِ خدا فاتحِ خیبر
اک گھر ہے کہ واقع ہے وہ فردوس کے اندر
قبضہ تھا بلا شرکتِ غیر آج تک اس پر
بیچا اُسے اور احمدِ کوفی سے لیا زر
اب آج سے یہ مالک و مختار ہے اس کا
چار اس کی حدیں ہیں سو یہ اظہار ہے اس کا

۹۰
ملحق حدِ اول ہے پیمبرؐ کے مکاں سے
چسپیدہ ہے حد دوسری حیدرؑ کے مکاں سے
اور قرب حدِ ثالث کی ہے شبّرؑ کے مکاں سے
حد چوتھی ہے ملحق مرے دلبر کے مکاں سے
جو فاطمہؑ کی جان دوم ہوشِ نبیؐ ہے
وہ بیکس و مظلوم حسینؑ ابن علیؑ ہے

۹۱
جب لکھ کے دیا احمدِ کوفی کو قبالا
سائل کو وہ زر بخش گئے سیّدِ والا
اک شور زمیں سے ہُوا تا عالمِ بالا
دُنیا میں علیؑ سا نہیں زر بخشنے والا
کیونکر نہ وہ ممتاز ہو درگاہِ خدا میں
گھر بیچ کے سائل کو دیا راہِ خدا میں

۹۲
یاں گھر میں گیا احمدِ کوفی جو بہ فرحت
زوجہ سے کہا کیجیو اس خط کی حفاظت
رکھیو تو اسے یاد جو کرتا ہُوں وصیّت
میں تجھ سے اگر پہلے کروں خلق سے رحلت
یہ بات فراموش نہ تو کیجیو بی بی
اس خط کو مری قبر میں رکھ دیجیو بی بی

۹۳
لکھا ہے کہ جب احمدِ کوفی نے قضا کی
حیدرؑ نے جنازے کی نماز اس کی ادا کی
کیا بندہ نوازی ہے شہِ عقدہ کشا کی
جب دفن کیا اس کو تو بخشش کی دعا کی
تشریف دمِ دفن و کفن لاتے ہیں مولا
شیعوں کے اسی طرح سے کام آتے ہیں مولا

۹۴
اے مومنو! اب غور کرو رتبۂ حیدرؑ
خالق کو تھی کیا خاطرِ دامادِ پیمبرؐ
واں فاتحہ پڑھتے تھے ابھی فاتحِ خیبرؑ
جو چرخ سے آ پہنچا سپید ایک کبوتر
منقار میں نامہ لیے جویائے علیؑ تھا
آباد ہیں جس جا وہ پیمبرؐ کا وصی تھا

۹۵
اس نامۂ سربستہ کو ناگہ وہ کبوتر
غائب ہُوا دامانِ یداللہ میں رکھ کر
کھولا تو خطِ سبز سے لکھا تھا یہ اس پر
خالق کی طرف سے ہے یہ نامہ سوئے حیدرؑ
تاجی کیا امت کو ترے لطف و کرم نے
تو بخش چکا جو جسے بخشا اسے ہم نے

۹۶

جو کچھ تری مرضی ہے وہ ہے مرضیِ باری
بیچا تھا جو گھر تو نے وہ تھی بیع ہماری
سب خلق میں ہے فیض تری ذات سے جاری
ہر شخص کو لازم ہے تری شکر گزاری
تیرا ہی یہ باعث ہے کہ اک صرۂ زریں
داخل ہوا آج احمد کوفی اسی گھر میں

۹۷

ہیں شیرِ خدا رونقِ بستانِ شریعت
زیبا ہے انھیں مسندِ ایوانِ شریعت
استادہ کمر بستہ ہیں ارکانِ شریعت
اے صلّ علیٰ عدل زہے شانِ شریعت
نقصان ہو اگر زیرِ قدم ایک بھی جاں کا
پشہ کے عوض پوست کھنچے پیلِ دماں کا

۹۸

غیروں سے عزیزوں کو سمجھتے تھے نہ بہتر
محتاجوں پہ رکھتے تھے نہ کچھ فوق تونگر
تھا عدل کا مولا کے نہیب ایک سا سب پر
رکھ سکتے تھے سرکش نہ قدم حکم سے باہر
اہلِ دوَل اس عصر کی نظروں سے گرے تھے
باعث تھا یہی لوگ جو حیدرؑ سے پھرے تھے

۹۹

داد اس کی ملی جو کوئی فریاد کو آیا
شہباز کے چنگل سے کبوتر کو بچایا
قابو کسی مظلوم پہ ظالم نے نہ پایا
بدعت کا نہ تھا غم خوش و خرم تھی رعایا
جا سکتا نہ تھا مار کبھی مور کے گھر میں
یکساں تھے ضعیف اور قوی ان کی نظر میں

۱۰۰

زنہار کسی کو نہ ستا سکتا تھا کوئی
کمزور کو قوت نہ دکھا سکتا تھا کوئی
بے جُرم کو قیدی نہ بنا سکتا تھا کوئی
خونی کو نہ دہشت سے چھپا سکتا تھا کوئی
منظور رعایت تھی عرب سے نہ عجم سے
تھراتے تھے سب عدلِ شہنشاہِ امم سے

۱۰۱

آہُو سے نہ شیروں نے کبھی آنکھ ملائی
لَو شمع کی پروانے کے پر تک نہیں آئی
شاہیں سے نہ ایذا کبھی کنجشک نے پائی
بلبل نے کبھی گُل کی شکایت نہ سنائی
کہتی تھی یہی خلق بہم روئے زمیں پر
ایسی بھی عدالت ہوئی کم روئے زمیں پر

۱۰۲

اعجاز و کرامات کا خواہاں کوئی آیا
خلقت کو کیا جمع اور اعجاز دکھایا
عیسیٰؑ کی طرح مُردے کو ٹھوکر سے جِلایا
بڑھتے ہُوئے دریا کو پرے کہہ کے ہٹایا
رہتا تھا جو یہ ان کا کرم ربِّ عُلا سے
باتیں ہوئیں خورشید سے اور شیرِ خدا سے

۱۰۳

مُوسیٰؑ کے جو اعجاز کی خلقت ہوئی خواہاں
جو ہاتھ میں کوڑا تھا وہی ہو گیا ثعباں
کافر ہوئے اعجازِ تکلّم سے مسلماں
طاعت کے لیے شب ہوئی دن ہو گیا پنہاں
جو سنگ کہ ریزے تھے گُہر کر دیے اکثر
خشکیدہ شجر تازہ و تر کر دیے اکثر

۱۰۴

جب جمع ہو خلقت نے کیا آن کے غوغا
یا شیرِ خدا! قحط پڑا مینہ نہیں برسا
کی شہؑ نے دُعا ابرِ کرم چرخ سے اٹھا
بارش ہوئی ایسی کہ فراواں ہوا غلہ
کس چیز نے مانا نہیں حکمِ شہِ دیں کو
موقوف کیا زلزلہ ٹھکرا کے زمیں کو

۱۰۵

ہر روز جو کچھ خلق میں ہوتا تھا زمیں پر
شب کو وہ بیاں کرتی تھی اور سنتے تھے حیدرؑ
بیمار ہوئے جب مرضِ تپ سے پیمبرؐ
اور ان کی عیادت کو گئے ساقیٔ کوثر
اللہ رے ادب حکمِ شہنشاہِ زمن سے
زائل ہوئی تپ احمدِ مرسل کے بدن سے

۱۰۶

تھی شہرۂ عالم شہِ مرداں کی شجاعت
کس قوم نے اس شیر سے پائی نہ ہزیمت
جنات سے کی جنگ چلی دیو پہ ضربت
کیا زور تھا کیا ضرب تھی کیا جرأت و ہمت
بیٹھے صفتِ شیر یہ جس فوج گراں میں
بے فتح کیے تیغ کو رکھا نہ میاں میں

۱۰۷

مولا کی شجاعت کی یہ شہرت تھی جہانگیر
جس شان سے کرتے تھے وغا کھینچ کے شمشیر
شاہانِ فرنگ و حلب و روم بہ تدبیر
کھنچوا کے منگاتے تھے اسی طرح کی تصویر
تھے معتقد اس نام کے کافر بھی جہاں میں
آداب سے رکھتے تھے پرستش کے مکاں میں

۱۰۸

اور ترک میں تھا رسم کہ تلوار پہ اکثر
کھدواتے تھے سب نامِ علیؑ فخر سمجھ کر
تا جنگ میں اس نام کے باعث ہو مہم سر
مشہور ہے پاتا تھا کوئی فتح نہ ان پر
حُبِّ اسد اللہ تو عزت کا سبب ہے
اس نام سے بعضوں کو عداوت ہے غضب ہے

۱۰۹

جس جنگ پہ محبوبِ خدا گھر سے سدھارے
تھے اور بھی لیکن ہوے حیدرؑ ہی اتارے
کفار کو ٹکڑے کیا تلواروں کے مارے
اڑتے تھے دمِ تیغ سے آتش کے شرارے
عالم کے زبردست رہے تنگ انھیں سے
جب بھڑ یہ پڑے فتح ہوئی جنگ انھیں سے

۱۱۰

خندق میں کیا عمرو سے نامی کو دوپارا
جو منہ پہ چڑھا تیغ سے سر اس کا اتارا
کہتے ہیں ہوئے بدر میں جب معرکہ آرا
نوفل کو ولید و ولد القلب کو مارا
غازی نے تہِ تیغ کیا ایک ہی زد میں
ہشام کو طلعہ کو کنانہ کو اُحد میں

۱۱۱

خیبر میں جو حارث سے زبردست کو مارا
مرحب کو نہ اس وقت رہا ضبط کا یارا
دل سینہ میں تھا قتل برادر سے دوپارا
میداں میں گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارا
آساں نہیں دم مارنا جرّار کے منہ پر
دعویٰ ہے تو آؤ مری تلوار کے منہ پر

۱۱۲

یہ کہتے ہی مرحب نے کیا گھوڑے کو جولاں
شمشیر بکف سامنے آئے شہِ مرداں
تھاما بادب فتح نے یاں زین کا داماں
پکڑا ملک الموت نے مرحب کا گریباں
غصہ اِسے اور غیظ اُدھر سرورِ دیں کو
جنبش ہوئی گھوڑوں کی تکاپوں سے زمیں کو

۱۱۳

مرحب قدِ حیدرؓ سے کئی ہاتھ تھا بالا
گھوڑے سے تن و توش نہ جاتا تھا سنبھالا
جب ہاتھ پئے قتل علیؓ قبضہ پہ ڈالا
دُلدل پہ کھڑے ہو گئے اس دم شہِ والا
جلدی سے رکھا سر پہ پلا تیغ و سپر کو
آمادہ ہوئے جنگ پہ خم دے کے کمر کو

۱۱۴

حملہ کیا کافر نے یداللہ پہ اس دم
اک تختۂ آہن تھی وہ شمشیر شرر دم
محراب در بتکدہ اس تیغ کا تھا خم
ضرب اس کی پڑی جس پہ پھر اس نے لیا دم
مارا اسے مرحب نے یداللہ کے سر پر
پھرتی سے لیا آپ نے وار اس کا سپر پر

۱۱۵

جب ایک وجب ڈھال میں در آئی وہ تلوار
کھینچا بھی پہ چھوڑا نہ سپر نے اسے زنہار
تب ہاتھ کو گردش لگے دینے شہِ ابرار
تلوار پہ کافر کی شکست آ گئی یک بار
پھینکا عقب سر اسدِ حق نے سپر کو
کھینچا بہ غضب میان سے شمشیرِ دو سر کو

۱۱۶

وہ تیغ علم جب ہوئی با صولت و شوکت
جو کی تھی یداللہ کو خالق نے عنایت
للکار کے تب کہنے لگے شاہِ ولایت
اب دیکھ جفا کار میری تیغ کی ضربت
یہ کہتے ہی بجلی سی گری فرقِ لعیں پر
دو کر کے جو ٹھہری تو پرِ روحِ امیں پر

۱۱۷

مارا گیا مرحب تو گریزاں ہوئے مقہور
گھبرا کے کیا سب نے درِ قلعہ کو معمور
حیدرؓ کی ثنا کرتے تھے جنّ و ملک و حور
آ پہنچے تعاقب کیے شاہنشہِ جمہور
جھٹکا دیا اس زور سے حلقے کو پکڑ کر
در آن گرا دستِ یداللہ پہ اکھڑ کر

۱۱۸

سب قلعہ کو جنبش ہوئی اکھڑا جو در اک بار
ہر کنگرہ اس کا ہوا ہل ہل کے نگوں سار
ساکن تھے جو اس میں تہہ و بالا ہوئے کفار
غل تھا کبھی آیا نہیں یوں زلزلہ زنہار
تھا جوشِ شجاعت جو شہنشاہِ عرب کو
آثار قیامت کے نظر آ گئے سب کو

۱۱۹

مولا نے تکان دے کے جو اس در کو اچھالا
چالیس گز اک بار ہوا سر سے دو بالا
گرتے ہوئے پھر دستِ مبارک میں سنبھالا
غل تھا کہ یہ ہے زور خدائی سے نرالا
جو سنتے تھے اعجاز کی باتیں نظر آئیں
وہ انگلیاں پانچوں در آہن میں در آئیں

۱۲۰

تھا ہمت و احسان و شجاعت کا تو یہ طور
اب حوصلۂ صبر کو حضار کریں غور
جب بعدِ رسولِ عربیؐ اور ہوا دور
کیا کیا نہ ہوئے ان پہ جفا و ستم و جور
احمدؐ نہ اگر صبر کو فرماتے علیؑ کو
گردن میں رسن ڈال کے لے جاتے علیؑ کو

۱۲۱

فریادرسِ خلق تو تھے آپ کہاتے
چھنتی ہوئی املاک تھے مالک کو دلاتے
کیا غضب خلافت میں شجاعت نہ دکھاتے
افسوس فدک چھین کے زہراؑ کو ستاتے
بدعت نہیں کرتا کوئی لونڈی پہ کسی کی
وہ سیّدۂ پاک تو بیٹی تھی نبیؐ کی

۱۲۲

طاقت تھی کوئی خانۂ حیدرؑ کو جلاتا
منہ تھا یہ کسی کا کوئی اس گھر میں در آتا
زہراؑ کے شکم پر کوئی دروازہ گراتا
دستِ ستم اس بضعۂ احمدؐ پہ اٹھاتا
دشمن یہ ستم کر گیا اور دم نہیں مارا
محسن سا پسر مر گیا اور دم نہیں مارا

۱۲۳

چلاتی تھی زہراؑ کہ محمدؐ کی دُہائی
جیتا نہ بچا شبّرؑ و شبیرؑ کا بھائی
دنیا کی ہوا بھی نہ مرے لال نے کھائی
پُورے نہ ہوتے دن کہ یکایک اجل آئی
فریاد کو کس پاس یہ لے جاؤں میں لاشہ
بابا ہیں کہاں جن کو یہ دکھلاؤں میں لاشہ

۱۲۴

کس سے کہوں اعدا نے مرے گھر کو جلایا
دروازہ لگد مار کے پہلو پہ گرایا
بابا کی وصیت کا بھی کچھ دھیان نہ آیا
چھینا مرا باغ اور نوشتے کو جلایا
جب محکمۂ حشر میں پاؤں گی نبیؐ کو
بازو کے یہ زخم اپنے دکھاؤں گی نبیؐ کو

۱۲۵

یہ کہتی تھی لاش آگے لیے بنتِ پیمبرؐ
روتے تھے علیؑ زانو پہ نہوڑائے ہوئے سر
بیمار ہوئی صدمے پہ صدمہ جو اٹھا کر
دنیا سے قضا کر گئی وہ بیکس و مضطر
تھا فرقتِ زہراؑ میں یہ غم شاہِ زمن کو
زینبؑ کو سنبھالیں کہ حسینؑ اور حسنؑ کو

۱۲۶

دنیا میں پس از رحلتِ خاتونِ قیامت
اک دن نہ رہے شاہ شہنشاہِ ولایت
انیسویں ماہ رمضاں کی تھی کہ حضرت
مسجد میں دمِ صبح گئے بہر عبادت
فرما کے اذاں غافل و جاہل کو جگایا
سوتا تھا جہاں ڈھونڈھ کے قاتل کو جگایا

۱۲۷

انیسویں تاریخ کی لکھی ہے یہ اخبار
مسجد میں گئے بہرِ عبادت شہِ ابرار
جب سجدۂ اوّل میں گئے حیدرِ کرار
قاتل نے لگائی سرِ پُرنور پہ تلوار
سر ہو گیا دو ٹکڑے محمدؐ کے وصی کا
پھر دوسرے سجدے کو اٹھا سر نہ علیؑ کا

۱۲۸
دریا کی طرح خون ہوا زخموں سے جاری
مسجد میں تڑپنے لگا وہ عاشقِ باری
طاقت نہ سنبھلنے کی رہی غش ہوا طاری
سر پیٹ کے سب کرنے لگے گریہ و زاری
روئے جو ملک ماسبق کُن فیکوں کو
اک زلزلہ تھا منبر و محراب و ستوں کو

۱۲۹
افلاک پہ سر پیٹ کے جبریل پکارا
فریاد ہے ظالم نے ید اللہ کو مارا
سر ہو گیا سجدے میں نمازی کا دو پارا
ہے غرق بخوں بُرجِ امامت کا ستارا
ماتم کا ہوا جوش صفِ جن و ملک میں
فرق آیا ضیائے مہ و خورشید فلک میں

۱۳۰
مارا اسے جو زینتِ افلاک و زمیں تھا
مارا اسے جو خاتمِ قدرت کا نگیں تھا
مارا اسے جو رازِ امامت کا امیں تھا
مارا اسے جو خلق میں شاہنشہِ دیں تھا
پہنچاتا تھا جو روزہ کشائی فقرا کو
ان روزوں میں زخمی کیا مہمانِ خدا کو

۱۳۱
کوفہ میں یکایک یہ خبر جب ہوئی تشہیر
سر پیٹتے مسجد میں گئے شبرؑ و شبیرؑ
روتے تھے جو لوگ ان سے یہ کی دونوں نے تقریر
تھا کون عدو کس نے لگائی انھیں شمشیر
ہم دیکھ لیں مہرِ رُخِ تابانِ علیؑ کو
دو بہرِ خدا راہ یتیمانِ علیؑ کو

۱۳۲
شہزادوں کے منھ دیکھ کے خلقت نے جو دی راہ
ڈوبے ہوئے خوں میں نظر آئے اسد اللہ
عماموں کو سر سے پٹک دونوں نے کی آہ
اور گر کے لگے آنکھوں سے ملنے قدمِ شاہ
چلّاتے تھے بیٹوں کی کمر توڑ چلے آپ
دُکھ سہنے کو دنیا میں ہمیں چھوڑ چلے آپ

۱۳۳
بیٹوں کے جو رونے کی صدا کان میں آئی
تھے غش میں مگر چونک کے آواز سنائی
کیوں روتے ہو کیوں پیٹ کے دیتے ہو دُہائی
ہوتی نہیں کیا باپ کی بیٹوں سے جدائی
تھا تنگ بہت فرقۂ اعدا کے ستم سے
دنیا کے میں اب چھوٹ گیا رنج و الم سے

۱۳۴
غش طاری ہے مسجد سے مجھے لے چلو اب گھر
گھر سے نہ چلی آئے کہیں زینبؑ مضطر
بابا کو اٹھا لائے جو سبطینِ پیمبرؐ
دروازے پہ روتے تھے حرم کھولے ہوئے سر
خوں دیکھا محاسن پہ امامِ مدنی کا
غُل خانۂ زہراؑ میں ہوا سینہ زنی کا

۱۳۵
فرزندوں نے حجرے میں جو بستر پہ لٹایا
زینبؑ کو پدر کا سر زخمی نظر آیا
چلّائی کہ یہ کیا مجھے قسمت نے دکھایا
ماں سے بھی چھٹی باپ کا بھی اٹھتا ہے سایا
کیوں دیدۂ حق بیں کو نہیں کھولتے بابا
کیسا یہ غش آیا کہ نہیں بولتے بابا

۱۳۶

یہ کہتی تھی اور باپ کا غم کھاتی تھی زینبؑ
سم کا اثر اک ایک کو دکھلاتی تھی زینبؑ
سر بھائی جو ٹکراتے تھے گھبراتی تھی زینبؑ
تھے شیرِ خدا غش میں موئی جاتی تھی زینبؑ
چلاتی تھی سر پیٹ کے اے وائے مقدر
میں باپ کے آگے نہ موئی ہائے مقدر

۱۳۷

دو دن کبھی ہشیار تھے حیدر کبھی بے ہوش
قاتل کو بھی بھیجا وہی جو آپ کیا نوش
ہاں حیدریو بزم میں رقت کا ہو اب جوش
شمعِ حرمِ لم یزلی ہوتی ہے خاموش
دعوٰی ہے اگر تم کو مولائے علیؑ کا
مجلس میں ہو غل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا

۱۳۸

چہرے پہ ہویدا ہوئے جب موت کے آثار
سیدھے ہوئے قبلہ کی طرف حیدرِ کرار
لب پر صلواۃ اور کلمہ جاری تھا ہر بار
ہنگامِ قضا ہاتھ اٹھا کر بدلِ زار
فرزند و اقارب میں لگا چھاتی سے سب کو
دنیا سے سفر کر گئے اکیسویں شب کو

۱۳۹

ہاں اہلِ عزا روؤ کہ یہ وقتِ بکا ہے
پیٹو کہ محمدؐ کا وصی قتل ہوا ہے
ہادی جو تمہارا تھا وہ دنیا سے اٹھا ہے
دن آج کا سوچو تو قیامت سے سوا ہے
اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں علیؑ کے
بیٹے لیے جاتے ہیں جنازے کو علیؑ کے

۱۴۰

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
سینہ میں تپاں صورتِ بسمل ہے دلِ زار
خالق سے دعا مانگ کر یا ایزدِ غفار
آباد رہیں خلق میں حیدرؑ کے عزادار
کیا روتے ہیں ماتم میں امامِ ازلی کے
حقا کہ یہ سب عاشقِ صادق ہیں علیؑ کے

★ مرثیہ ۶

اے حُسنِ بیاں آئینۂ حُسن دکھا دے

۱
اے حُسنِ بیاں آئینۂ حُسن دکھا دے
اے طبعِ رسا جادۂ مقصود بتا دے
اے فیضِ سخن باغ مضامیں کا کھلا دے
اے بلبلِ سدرہ سبقِ نظم پڑھا دے
گل رنگ عزا خانہ ہو جنت کے چمن سے
یہ بزم مہک جائے گلِ باغِ حسن سے

۲
وہ کون سمن بر ہے کہ مہمانِ جناں ہے
وہ کون ہے شمشاد جو مرنے کو رواں ہے
وہ غنچہ دہن کون ہے جو تشنہ دہاں ہے
وہ کون گلِ تر ہے کہ پامال خزاں ہے
وہ کون شجر ہے کہ تبر جس پہ چلیں گے
وہ کون ہے سب جس کے لیے ہاتھ ملیں گے

۳ مطلع
جب صبحِ شبِ قتل ہوئی رن میں نمودار
آفت میں گھرا لختِ دلِ حیدرِ کرار
قربان ہوئے دوست تصدق ہوئے غم خوار
قاسمؑ رہے اور اکبرؑ و عباسؑ علمدار
اک دم میں دلیروں کا لہو بہہ گیا رن میں
بس تین جواں رہ گئے ہفتاد و دو تن میں

۴
اس وقت سے رخصت کے نہ ملنے کا جو تھا غم
اِستادہ تھا فرزندِ حسنؑ سر کو کیے خم
آنکھوں کے تلے تیرہ و تاریک تھا عالم
روتا تھا لہو دل پہ چھری چلتی تھی ہر دم
سامان مہیا تھے عدم کے سفری کے
مرنے کی سند پائی تھی بازو پہ جری کے

۵
بس تابِ اس کے دلِ بیتاب کو آئی
تحریرِ وصیت شہِ عالم کو دکھائی
پڑھتے ہی اُسے شاہ کو رقت بہت آئی
آنکھوں سے سند بھائی کی حضرت نے لگائی
حالت ہوئی تغییر شہِ تشنہ دہن کی
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر حسنؑ کی

۶
اک آہ کی اس فخرِ مسیحائے زمن نے
سر رکھ دیا قدموں پہ جگر بندِ حسنؑ نے
لپٹا لیا سینہ سے شہِ تشنہ دہن نے
آغوشِ تمنا میں لیا گل کو چمن نے
قاسمؑ کو لیے سرورِ جن و بشر آئے
روتے ہوئے خیمہ میں شہِ بحر و بر آئے

۷
تعظیم کو استادہ ہوئیں بیبیاں یک بار
منہ تکنے لگی یاس سے زینب جگر افگار
کی عرض یہ کیا حال ہے یا سیدِ ابرار
رُخ زرد ہے اور خون سے پوشاک ہے گلنار
یہ دیکھ کے ماں جائی کو کس طرح کل آئے
نزدیک ہے یہ منہ سے کلیجہ نکل آئے

۸
اب کس کی جدائی کا قلق دل پہ ہے طاری
کس شیر کی جاتی ہے سوئے دشت سواری
کس پیارے کے سر دینے کی اب آئی ہے باری
کیا صدمہ ہے فرمایئے اے عاشقِ باری
ہستی کے چمن کا نہ کہیں رنگ بدل جائے
ایسا نہ ہو دم آپ کا گھبرا کے نکل جائے

۹
ارشاد کیا شاہ نے اے زینبؑ مضطر
جاتا ہے جہاں سے جگرِ حضرتِ شبرؑ
کیونکر نہ گرے کوہِ الم میرے جگر پر
چھٹتا ہے میری گود کا پالا ہوا دلبر
سب مر چکے اب جینے سے تنگ آئے ہیں قاسمؑ
مرنے کی سند پاس مرے لائے ہیں قاسمؑ

۱۰
تقدیر کا لکھا یہ وصیت ہے حسنؑ کی
خط ہے کہ مشیت ہے خداوند زمن کی
نسبت غم و شادی سے ہے اس غنچہ دہن کی
وہ وقت ہے دُولھا بنے اور راہ لی رن کی
پابندِ مقدر دلِ رنجور ہے زینبؑ
بھائی کی وصیت مجھے منظور ہے زینب

۱۱
جنت کے مسافر کا کرو فاطمہؑ سے بیاہ
شادی کا سر انجام کرو زینبِ ذی جاہ
مشتاقِ شہادت کو بناؤ ابھی نوشاہ
خیمہ کو کرو رشک وہ حُجلۂ دل خواہ
مٹ جائے گی تصویر کوئی دم میں حسنؑ کی
حسرت نہ دلِ زار میں رہ جائے دلہن کی

۱۲
جس طرح بھتیجا یہ میرا تشنہ دہن ہے
کبریٰؑ پہ وہی پیاس کا صدمہ ہے محن ہے
یاں جوڑے شہانی کے عوض رختِ کفن ہے
پوشاکِ عزا کے لیے ناشاد دلہن ہے
لاش اس کی تو بے گور بیاباں میں رہے گی
محبوس دُلہن خانۂ زنداں میں رہے گی

۱۳
ماں قاسمِؑ نوشہ کی کدھر ہے ادھر آئے
دُولھا کوئی دم کے لیے قاسمؑ کو بنائے
شادی میں کسی طرح کا وسواس نہ لائے
جو رسم کہ اس گھر کی ہو آ کر وہ بتائے
اس پھول کو پروان چڑھا دیکھ لے بھابی
فرزند کا سہرا تو بھلا دیکھ لے بھابی

۱۴
فرزند کی شادی کا رہے دل میں نہ ارماں
دنیا میں یہ ناشاد کوئی دم کا ہے مہماں
اس وقت میں مشکل ہے خوشی رنج ہے آساں
اک دم میں نہ دُولھا ہے نہ یہ بیاہ کا ساماں
گلزارِ جوانی کا نہ پھل پائیں گے قاسمؑ
نوشاہ بنے پیشِ خدا جائیں گے قاسمؑ

۱۵
جس وقت سنی مادرِ قاسمؑ نے یہ تقریر
بولی کہ زہے لطف نثار شہِ دلگیر
کیا خوب ہے یا شاہ میرے لال کی تقدیر
فرماتے ہیں خود قبلۂ دیں بیاہ کی تدبیر
نادار ہوں قدرت ہے نہ مقدور ہے مجھ کو
جو مرضیِ اقدس وہی منظور ہے مجھ کو

۱۶
ہے شورِ قضا گرم ہے اب موت کا بازار
ہر شخص ہے مرنے پہ کمر باندھ کے تیار
جیتا نہ بچے گا کوئی جُز عابدِ بیمار
یہ عقد کا ہنگام ہے یا سیّدِ ابرار
نوشاہ جو مقتولِ ستم ہوئے گا مولا
یہ دوسرا اندوہ الم ہوئے گا مولا

۱۷
کن ہاتھوں سے رنڈسالہ پہناؤں گی میں اس کو
کن آنکھوں سے یہ حال دکھاؤں گی میں اس کو
کس طرح سے آفت سے بچاؤں گی میں اس کو
زنداں میں کہاں جاکے چھپاؤں گی میں اس کو
کس گوشہ میں بٹھلاؤں گی اس غنچہ دہن کو
لے جاؤں گی کیونکر سرِ دربار دلہن کو

۱۸
شہ نے کہا کیا کہتی ہو اے بانوئے غمخوار
اس امر میں ہے مصلحتِ ایزدِ غفار
مقتول ہو رن میں حسنؑ پاک کا دلدار
بیوہ ہو مری فاطمہ کُبریٰ جگر افگار
غم واسطے شادی کے ہے شادی پئے غم ہے
دنیا میں سدا راحت و اندوہ بہم ہے

۱۹
اس بیاہ میں فرمانِ مشیّت کا اثر ہے
اس شادیِ پُر غم میں قیامت کا اثر ہے
اس عقدۂ لاحل میں مصیبت کا اثر ہے
اس راحتِ یک لحظہ میں آفت کا اثر ہے
در بند ہوتے شادیِ اولادِ علیؑ کے
برسوں کو اٹھا بیاہ گھرانے سے نبیؐ کے

۲۰
القصہ عزا خانے میں یہ بیاہ رچایا
فی الفور دُلہن فاطمہ کُبرا کو بنایا
قاسمؑ کو اُدھر خلعتِ شاہانہ پہنایا
پھولوں سے گلِ باغِ پیمبرؐ کو بسایا
بہنیں سرِ نوشہ پہ آنچل کو اوڑھا کر
مسرور ہوئیں مسندِ زرّیں پہ بٹھا کر

۲۱
سہرے نے کرن مہر کی نظروں سے گرادی
سب بزمِ طرب پھولوں کے ہاروں نے بسادی
صدقے ہوئی کوئی کسی بی بی نے دعا دی
ہر سمت یہ تھا شور مبارک ہو یہ شادی
یہ کوکبِ اقبال چمکتا رہے یا رب !
یہ نو گلِ اجلال مہکتا رہے یا رب !

۲۲
شادی کا جو سامان ہوا سوگ کے گھر میں
تصویرِ اجل پھر گئی قاسمؑ کی نظر میں
ماں سکتے میں تھی اشک بھرے دیدۂ تر میں
اک نیشِ الم تھا کہ کھٹکتا تھا جگر میں
کہتی تھی ہر اک رو کے بتیجے قاسمؑ کی بلا ہو
دھڑکا ہے یہی دیکھیے انجام بھی کیا ہو

۲۳
صیغہ شہِ بیکس نے پڑھا با دلِ مغموم
رانڈوں میں مبارک کی سلامت کی ہوئی دھوم
ہاتف کی ندا آئی کہ ہاں سب کو ہو معلوم
یہ دُولھا دُلہن راحت و عشرت سے ہیں محروم
روتے ہوئے باہر شہِ والا نکل آئے
تھامے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا نکل آئے

۲۴
اس دم تھا عجب خیمۂ شبیرؑ میں عالم
اک سمت کو شادی تھی اور اک سمت کو ماتم
چوگرد وہ اہلِ حرمِ سیدِ اکرم
وہ بیچ میں نوشاہ سرِ پاک کیے خم
کہتی تھی قضا کس لیے یہ شکل بنی ہے
اک دم میں نہ شادی نہ نباہی نہ بنی ہے

۲۵
ماں بولی یہ جشن اے مرے ذی جاہ مبارک
یہ عقد سزاوار ہو یہ بیاہ مبارک
یہ نیک گھڑی اے مرے نوشاہ مبارک
یہ چاند سی بنڑی تجھے اے ماہ مبارک
گردش سے زمانے کی رہو امن و اماں میں
قایم رہے والی کا مرے نام جہاں میں

۲۶
تھا شور کہ بے مثل یہ دولھا یہ دلہن ہے
وہ بنتِ حسینؑ اور یہ فرزندِ حسنؑ ہے
وہ صیدِ اجل ہے یہ گرفتارِ محن ہے
یہ چاند وہ سورج ہے یہ نکہت وہ چمن ہے
وہ بیکس و مغموم ہے دادا کے چلن پر
یہ صابرہ ہے فاطمہ زہراؑ کے چلن پر

۲۷
ناگاہ اٹھا شور مبارز طلبی کا
کیوں جنگ میں ہے دیر یہ گویا ہوئے اعدا
یہ سنتے ہی فق ہو گیا نوشاہ کا چہرا
اک نالۂ پُر غم دلِ پُر درد سے کھینچا
چپکے سے کہا ماں سے کہ اب دیر ستم ہے
اے والدہ صاحب دمِ امداد و کرم ہے

۲۸
سنتی ہیں مبارز طلبی کرتے ہیں کفار
تنہا شہِ والا ہیں نہ یاور ہیں نہ انصار
اب کوئی نہیں سبطِ پیمبرؐ کا مددگار
یا اکبرؑ و عباسؑ ہیں یا ہیں جگر افگار
پردیس میں حضرتؑ پہ مصیبت یہ پڑی ہے
آفت کا ہے ہنگام قیامت کی گھڑی ہے

۲۹
فریاد ہے کس سے کہوں قسمت کی برائی
سب مر گئے میں نے نہ رضا مرنے کی پائی
کس کس نے نہ میداں میں جاں اپنی گنوائی
کیا قہر ہے باری مرے مرنے کی نہ آئی
اب بھی جو اگر اذنِ وغا پاؤں گا اماں
میں آپ گلا کاٹ کے مر جاؤں گا اماں

۳۰
افسوس کہ حُر فوجِ ستم سے ادھر آیا
آتے ہی شہادت کا شرف شاہؑ سے پایا
ہر یاورِ سلطانِ امم خوں میں نہایا
خوش ہو کے عزیزوں نے بھی سر رن میں کٹایا
پہنچے رفقائے شہِ دیں باغِ ارم میں
جانا تھا جہاں رہ گئے ہم رنج و الم میں

۳۱
مسلمؑ کے یتیموں نے رضا مرنے کی پائی
زینبؑ کے بھی فرزند ہوئے شہ کے فدائی
اس وقت میں کی سب کے مقدر نے رسائی
حسرت رہی ہم سے نہ کوئی بات بن آئی
کیا کیا نہیں رہ رہ کے خیال آتے ہیں دل میں
ارمان جو ہیں دل کے رہے جاتے ہیں دل میں

۳۲

حل کیجئے اب آپ میرا عقدۂ مشکل
ہو شہؑ سے کسی طرح رضا مرنے کی حاصل
فدوی کو یہ ہے رنج کہ قابو میں نہیں دل
سینہ میں تڑپتا ہے جگر صورت بسمل
یہ صبر کا موقع ہے تحمل کی یہ جا ہے
اماں یہ رضا احمدؐ و زہراؑ کی رضا ہے

۳۳

ارشاد کیا ماں نے یہ کیا کہتے ہو داری
اب ساس ہیں صدقے گئی مختار تمہاری
وہ سب کی ہیں سردار وہ مالک ہیں ہماری
لو کرتی ہے گھونگھٹ میں دلہن گریہ وزاری
تسکین و دلاسا دو اُس آوارہ وطن کو
پہلے یہ مناسب ہے کہ سمجھاؤ دلہن کو

۳۴

اب تم سے زیادہ مجھے کبراؑ کی ہے الفت
ہے ہے دلِ نازک پہ یہ اندوہ یہ آفت
یہ بیاہ یہ بچپن یہ رنڈاپے کی مصیبت
ہے قہر یہ رخصت یہ جدائی ہے قیامت
سینے میں جگر رنج سے پھٹ جائے گا اس کا
جاؤ گے جو تم تخت الٹ جائے گا اس کا

۳۵

گھونگھٹ میں بنی روتی ہے سمجھا کے سدھارو
کچھ کوئی تسکین کا فرما کے سدھارو
رہنے کا ٹھکانا کہیں فرما کے سدھارو
گوشے میں دلہن کو کہیں بٹھلا کے سدھارو
تم چھوٹتے ہو عالمِ تنہائی ہے اس پر
اس سن میں رنڈاپے کی بلا آئی ہے اس پر

۳۶

یہ سنتے ہی اک ابرِ الم قلب پہ چھایا
سر شرم سے اس کشتۂ حسرت نے جھکایا
کبراؑ کے قریب آکے یہ چپکے سے سنایا
تقدیر سے یہ بیاہ ہمیں راس نہ آیا
میداں میں نہ جنگل میں نہ اب گھر میں ملیں گے
بچھڑے ہوئے اس روز کے محشر میں ملیں گے

۳۷

للہ سرِ پاک کو زانو سے اٹھاؤ
گھونگھٹ کو اٹھا کر مجھے دیدار دکھاؤ
مشتاق کو آواز تو اک بار سناؤ
دل میرا بھر آتا ہے تم آنسو نہ بہاؤ
کچھ دیر میں منہ اشکوں سے دھو لیجیو صاحب
لاشے پہ مرے خوب سا رو لیجیو صاحب

۳۸

تنہا نہ تمھیں چھوڑ کے میدان میں جاتا
ناچار ہوں ناچار ہوں کچھ بن نہیں آتا
حضرت سے زمانہ ہے عزیزوں کو چھڑاتا
آقا میرا دم لینے کی مہلت نہیں پاتا
مرنے کے لیے اکبرؑ و عباسؑ بہم ہیں
اس وقت عجب طرح کی تشویش میں ہم ہیں

۳۹

عباسؑ کے مرنے کا الم دیکھ سکوں گا
اکبرؑ سے جواں مرگ کا غم دیکھ سکوں گا
حضرت کا سرِ پاک قلم دیکھ سکوں گا
ناموسِ پیمبرؐ پہ ستم دیکھ سکوں گا
ہوں خوں میں تو مصلحتِ وقت یہی ہے
ہنگامِ وغا وقت اجازت طلبی ہے

۴۰

کیا خاک رہا جب نہ رہے احمدِ مختار
نالاں گئیں اس بزم سے زہرأ جگر افگار
مسجد میں ہوئے خون میں تر حیدرِ کرارؑ
دنیا سے اُٹھے والدِ ماجد بدلِ زار
اک دم میں چچا جان کا لشکر ہُوا خالی
دیکھا کیے آنکھوں سے بھرا گھر ہوا خالی

۴۱

افسانۂ دنیائے دُنی ہوش ربا ہے
آغاز جو راحت ہے تو انجام بلا ہے
بندہ وہی بندہ ہے جو پابندِ رضا ہے
رخصت کرو ہم کو کہ گلوگیر قضا ہے
حاصل نہیں کچھ اس سے اگر نوحہ گری کی
کھوٹی نہ کرو راہ عدم کے سفری کی

۴۲

کیں یاس کی باتیں جو دل و جان حسنؑ نے
دامانِ قبا تھام لیا رو کے دُلہن نے
چپکے سے یہ کی عرض تب اس غنچہ دہن نے
ہے ہے عجب اندوہ دیے چرخِ کہن نے
جاتے ہو کہاں کس پہ مجھے چھوڑ کے صاحب
منھ موڑتے ہو آس مری توڑ کے صاحب

۴۳

صاحب مرے رہنے کا ٹھکانا تو بتاؤ
والی مجھے صدمے سے اسیری کے بچاؤ
لِلّٰہ مجھے خاک کے پردے میں چھپاؤ
جاؤ پہ مری قبر بناتے ہوئے جاؤ
دم نکلے تو دل کا مرے ارمان نکل جائے
مانگو یہ دُعا تن سے مری جان نکل جائے

۴۴

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے قاسمِ پُر غم
رو کر کہا سمجھاؤ دلِ زار کو اس دم
تقدیر سے کیا زور ہے مجبور ہیں اب ہم
امت کا بھلا اس میں ہے اے صاحبِ ماتم
آخر دلِ بیتاب ٹھہر جائے گا صاحب
کچھ دن کا یہ صدمہ ہے گزر جائے گا صاحب

۴۵

پھر دے کے نشانی قبا یُوں کیا ارشاد
بے نام و نشاں کی یہ نشانی ہے رہے یاد
پھاہا ہے یہ گویا پئے زخمِ دلِ ناشاد
چھینے دمِ غارت جو ردا بانیِ بیداد
تم بلوے میں مُنھ اس سے چھپا لیجیو صاحب
اس پردے میں بس یاد ہمیں کیجیو صاحب

۴۶

یہ کہہ کے اُٹھے روتے ہوئے ٹیک کے تلوار
رخصت کی ہوئی دھوم ہوا حشر نمودار
مایوس ہوئے سب حرمِ احمدِ مختار
بہنوں کی یہ تھی قاسمِؑ نوشاہ سے گفتار
تسلیم دل افگاروں کی لیتے ہوئے جاؤ
حق نیگ کا بھیا ہمیں دیتے ہوئے جاؤ

۴۷

بیتاب تھی اس وقت بہت بانوئے سرور
قاسمؑ کو گلے آکے لگاتی کبھی رو کر
لپٹا کے گلے فاطمہ کبرأ کو وہ مضطر
کہتی تھی کہ ہے ہے مرے بچے کا مقدر
تقدیر میں منھ اشکوں سے دھونا تھا میں واری
اک دم کے لیے بیاہ کا ہونا تھا میں واری

۴۸

ہے ہے مرے بچے تجھے قسمت نے رُلایا
ہے ہے مرے پیارے نے عجب داغ اٹھایا
یہ بیاہ مرے لاڈلے کو راس نہ آیا
نوشاہ تجھے بیاہ کے لے جانے نہ پایا
یہ بیاہ زمانے سے نرالا ہی ہوا ہے
چوتھی ہوئی بنڑے کی نہ چالا ہی ہوا ہے

۴۹

یوں درد سے گریاں تھی ادھر بانوئے مغموم
رخصت ہوئے اک اک سے یہاں قاسمؑ مظلوم
مرنے کو چلا لختِ دلِ سیّدِ معصوم
اس وقت یہ خیمے میں ہوئی چار طرف دھوم
فریاد بڑا داغ دیے جاتے ہیں قاسمؑ
لو فاطمہؑ کو رانڈ کیے جاتے ہیں قاسمؑ

۵۰

ماں کہتی تھی صورت تو دکھاتے ہوئے جاؤ
کب آؤ گے واری یہ بتاتے ہوئے جاؤ
رُوٹھی ہے دلہن اس کو مناتے ہوئے جاؤ
بُو سہرے کی لڑیوں کی سونگھاتے ہوئے جاؤ
کس وقت سواری مری جان آئے گی رن سے
قربان گئی کیا کہے جاتے ہو دلہن سے

۵۱

اے لال تری چاند سی صورت کے میں صدقے
کس یاس سے منہ تکتے ہو غربت کے میں صدقے
کس وقت میں سر دیتے ہو ہمت کے میں صدقے
اے میرے بہادر! تری جرأت کے میں صدقے
فاقوں میں چلے لشکرِ سرہنگ پہ بیٹا!
پروانگی چڑھتے ہی چڑھی جنگ پہ بیٹا!

۵۲

تر خون میں ہو جائے گا جوڑا یہ شہانا
یہ وقت شہادت کا یہ شادی کا زمانا
رہ جائے گا اس بیاہ کا دنیا میں فسانا
صدقے گئی اس پردے میں تھا موت کا آنا
خنجر الم و غم کا مرے دل پہ پھرے گا
سہرا ترے چہرے کا جو کھٹ کٹ کے گرے گا

۵۳ مطلع

پائی جو رضا سروِ ریاضِ حسنیؑ نے
کی آہ جگر تھام کے گھونگھٹ میں بنی نے
ہتھیار سجے تن پہ شجاعت کے دھنی نے
بیتاب کیا ولولۂ تیغ زنی نے
خیمہ سے مہِ بُرجِ تجلّی نکل آیا
نور آنکھ سے سینے سے کلیجا نکل آیا

۵۴

اک بار جو کرسی پہ شہِ عرش نشیں کو
تسلیم کی آداب سے جھک کر شہِؑ دیں کو
خورشید نے پُر نور کیا خانۂ زیں کو
دی حق نے جگہ رحل پہ قرآن مبیں کو
رہوار کی تیزی سے اڑے ہوش پری کے
دل کھل گئے جھونکوں سے نسیمِ سحری کے

۵۵

شمشادِ گلستانِ حسنؑ ہے یہ دلاور
دلبندِ شہِ قلعہ شکن ہے یہ دلاور
ممتازِ دلیرانِ زمن ہے یہ دلاور
آئینۂ صولت ہمہ تن ہے یہ دلاور
نو لاکھ پہ ہے صاحبِ شمشیر کی آمد
چلّاتے ہیں روباہ کہ ہے شیر کی آمد

۵۶ مطلع

میداں میں جس دم گلِ باغِ حسنؑ آیا
تولے ہوئے تلوار کو وہ تیغ زن آیا
جانا یہ سبھوں نے شہِ خیبر شکن آیا
اِک بار یہی سب کی زباں پر سخن آیا
دل تیرِ الم سے نہ ہو افگار کسی کا
سرسبز خدا رکھے یہ گلزار علیؑ کا

۵۷

اس دم یہ رجز پڑھنے لگا قاسمِ ذیجاہ
اے قوم دغا پیشہ واے فرقۂ گمراہ
جو مجھ سے نہ آگاہ ہو اس وقت ہو آگاہ
دادی مری ہے فاطمہؑ بنتِ نبیؐ اللہ
بیگانے ہو تم اور میں یگانہ ہوں نبیؐ کا
بیٹا جو حسنؑ کا ہوں تو پوتا ہوں علیؑ کا

۵۸

دی حق نے مجھے قوتِ بازوئے ید اللہ
ئیں حسنِ خدا داد میں ہوں رشکِ دہِ ماہ
خلق حسنی حصہ میں رکھتا ہوں میں ذی جاہ
مظلومی سے بھی اپنی تمھیں کرتا ہوں آگاہ
یہ بات تو واللہ دو عالم پہ جلی ہے
عمّو میرا مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۵۹

بولا پسرِ سعد کہ ازرق کو بلاؤ
اور خلعتِ زرتار بھی اس کے لیے لاؤ
سب مل کے نشانِ حسنؑ اس دم نہ مٹاؤ
ٹکے سے جو ہو رزم جواں لطف اٹھاؤ
سب بولے کہ زینبؑ کے بھی لڑکے تو تھے لڑکے
مارے گئے پھر کیسے جوانوں سے وہ لڑکے

۶۰

خود خیمۂ ازرق میں یہ سُن کر عمر آیا
اس فتنۂ بیداد کو واں خواب میں پایا
فتنہ نے غرض فتنۂ خفتہ کو جگایا
بیدار ہوا وہ تو عمر نے یہ سنایا
اک شیر کے مانند کھڑا جھوم رہا ہے
قاسمؑ سے تو اس دم ہو مقابل تو بجا ہے

۶۱

ہنس ہنس کے کہا ازرقِ شامی نے یہ سن کر
کیا قہر ہے لے دائے تری عقل کے اوپر
افسوس کہ زندہ نہیں اس عہد میں حیدرؑ
البتہ دکھاتا ئیں انھیں تیغ کے جوہر
ہنستا ترا ہر وقت نہیں بھاتا ہے مجھ کو
لڑکے سے تو لڑتے ہوئے ننگ آتا ہے مجھ کو

۶۲

یُوں ہی تجھے لڑنے کو نہیں بھیجتا حاشا
تو جا کے ذرا دُور سے صورت اسے دکھلا
دیکھو تو وہ ڈر جاتا ہے یا جی ہے کڑاتا
ثابت تو یہ ہوتا ہے کہ تلوار کرے گا
لڑکا ہے ابھی مجھ کو یقیں ہے کہ وہ ڈر جائے
اغلب ہے کہ آمد ہی تری دیکھ کے مر جائے

۶۳

وہ بولا اگر یُوں ہے تو اے صاحبِ لشکر
بیٹے ہیں مرے پیل سیہ مست دلاور
پامال کریں مور صفت ان کو وہ جا کر
لڑکا نہ مگر جانیو تو اس کو برادر
ڈرتے نہیں یہ اس سے جو ہو لاکھ پہ بھاری
اس قوم کا اک طفل ہے نو لاکھ پہ بھاری

۶۴
القصہ چلا اِک پسر ازرق شامی
تھا سب میں بڑا اور سپہِ شام میں نامی
کہتا تھا کہ ہے مجھ پہ شجاعت کی تمامی
زیبا ہے جو رستم کرے دعوائے غلامی
تلوار مری چلتی ہے انبوہ کے اُوپر
دو ٹکڑے نہ ہوں رکھ دوں جو سر کوہ کے اوپر

۶۵
یوں لاف زناں جبکہ وہ ملعون نظر آیا
قاسمؑ نے بھی راہوار کو زانو میں دبایا
نیزے کو نکال کے جو غازی نے اٹھایا
بالکل ہنرِ دستِ حسنؑ سب کو دکھایا
دھیان آگیا اک بار جو زورِ حسنیؑ پر
انسان تو کیا چرخ تھا نیزے کی اَنی پر

۶۶
اتنے میں پکارا پسرِ ازرقِ بدکار
ہشیار خبردار خبردار خبردار
ہاں ابنِ حسنؑ نیزہ کا کرتا ہوں میں اب وار
گر کوہ کے سینہ پہ لگاؤں تو یہ ہو پار
نیزہ نہیں اے ابنِ حسنؑ! دستِ قضا ہے
ہنس کر کہا قاسمؑ نے کہ خطرہ ہمیں کیا ہے

۶۷
یہ سنتے ہی ملعون نے نیزہ کو اٹھایا
چمکا کے اَنی فرق پہ اک مرتبہ لایا
فرزندِ حسنؑ نے بھی ہنر اپنا دکھایا
نیزہ کو لیا نیزہ پہ پھر دھیان جو آیا
ثابت نہ ہوا یہ کہ وہ تھا بھی کہ نہیں تھا
نیزہ کہیں تھا آپ کہیں اسپ کہیں تھا

۶۸
تب دوسرا ازرق کا پسر سامنے آیا
لختِ دلِ شبرؑ کو یہ رو رو کے سنایا
تو وہ ہے کہ بھائی کا مجھے داغ دکھایا
دیکھے گا کہ میں نے بھی ترا خون بہایا
دنیا سے کوئی دم میں مٹا دیتا ہوں تجھ کو
نیزہ پہ اسی طرح اٹھا لیتا ہوں تجھ کو

۶۹
اتنا کہا اور گرزِ گراں اس نے اٹھایا
اور گرز کے سر کو سرِ قاسمؑ پہ جھکایا
قاسمؑ نے ذرا گھوڑے کو تھکرا کے ہٹایا
خالی جو گیا وار تو وہ منھ کے بل آیا
تلوار جو غازی کی پڑی فرقِ لعیں پر
رستہ سے ہی دو ہو کے گرا روئے زمیں پر

۷۰
تب تیسرا بیٹا بھی مقابل ہوا آکر
سب جسمِ لعیں کانپتا تھا غصہ سے تھر تھر
شمشیر بکف اور کمرِ نحس میں خنجر
حملہ کیا آتے ہی دل و جانِ حسنؑ پر
قاسمؑ نے کہا اس کو بھی تلوار دکھا دو
چورنگ کیا گھوڑے کو راکب کو کیا دو

۷۱
جب تین پسر ہو گئے اس ناری کے فی النار
قاسمؑ سے مقابل ہوا چوتھا پسر اِک بار
وہ گرز لیے ہاتھ میں تھا جنگ پہ تیار
پڑ جائے جو کہسار پہ ہو ٹکڑے وہ کہسار
اور چھوٹے گی ہاتھوں سے اگر ارض فلک جائے
اغلب ہے کمر گاوِ زمیں کی بھی لچک جائے

۷۲
اونچا کیا وہ ہاتھ اُسے سر سے اٹھا کر
چاہا کہ لگاوے سرِ قاسمؑ پہ وہ اکفر
فرزندِ حسنؑ نے کیا اپنا ہنر اظہر
وہ گرز لیا ہاتھ میں اُوپر ہی سے اُوپر
کھینچا اُدھر اُس نے تو اِدھر ابنِ حسنؑ نے
تحسین کی قاسمؑ کو شہنشاہِ زمن نے

۷۳
ازرق کے پسر نے کیا جب زور مکرّر
قاسمؑ نے اِدھر چھوڑ دیا گرز کو ہنس کر
چھاتی پہ لگا دستۂ گرز آ کے جو یکسر
تب پشت کی جانب سے گرا وہ زمیں پر
قاسمؑ کا لگا نیزہ دلِ دشمنِ دیں پر
وہ نیزے میں چھد کر رہا اور نیزہ زمیں پر

۷۴
یہ دیکھ کے ازرق نہ رہا ہوش کے اندر
میداں میں چلا دیو کی صورت وہ بد اختر
تھا گرز کئی من کا دھرے دوش کے اوپر
کف مُنھ میں بھرا غصہ سے اور ہاتھ میں خنجر
فرزند کے ماتم میں تھا جینے سے نراسا
کہتا تھا کہ میں خون کے قاسمؑ کا ہوں پیاسا

۷۵
یہ دیکھ کے گھبرا جو گئے حضرتِ شبیرؑ
کی جا کے درِ خیمہ پہ زینبؑ سے یہ تقریر
اب خلق سے قاسمؑ کی مٹی جاتی ہے تصویر
لڑنے کے لیے آتا ہے خود ازرقِ بے پیر
اب حال پہ قاسمؑ کے تو موقع ہے ترس کا
وہ دیوِ زبردست ہے یہ تیرہ۱۳ برس کا

۷۶
اے بنتِ ید اللہ کوئی تدبیر بتاؤ
ہاں دل کو مرے داغ سے قاسمؑ کے بچاؤ
لازم ہے کہ اب صحن میں خیمہ کے تم آؤ
سر کھول کے یہ خالقِ اکبر کو سناؤ
قاسمؑ کو نئے سر سے تو اب زیست عطا کر
بیوہ کے پسر سے تو نہ بیوہ کو جدا کر

۷۷
زینبؑ نے کہا رو کے میں اب کیا کروں بھیا
واللہ کہ اِس وقت میں کچھ بس نہیں چلتا
دو بیٹوں میں میرے نہیں اب ایک بھی جیتا
کر دیتی فدا بھائی کے بیٹے پہ میں دُکھیا
واللہ کہ پیارا نہ کروں ابنِ حسنؑ سے
والی کو مرے کوئی بلا لائے وطن سے

۷۸
کوئی نہیں میں آپ تو موجود ہوں یا شاہ
کر ڈالیے قاسمؑ پہ فدا یا شہِ ذی جاہ
یہ سنتے ہی رونے لگا ابنِ اسد اللہ
گھبرا کے پھرے خیمہ سے میدان کی لی راہ
یاں آ کے جو دیکھا تو وہی حشر بپا ہے
نیزہ لیے ازرق بسرِ جنگ کھڑا ہے

۷۹
کیا دیکھتے ہیں اتنے میں کہ وہ سرورِ دل گیر
قاسمؑ پہ ہوا حملہ کناں ازرقِ بے پیر
قاسمؑ نے بھی نعرہ کیا یا حضرتِ شبیرؑ
اتنا کہا اور میان سے لی برق سی شمشیر
جوہر تھے یہ اس تیغ کے دشمن پہ جو چل جائے
تن ایک طرف سایۂ فلک سایہ سے جل جائے

۸۰

اللہ رے چالاکیِ ابنِ شہِ والا
فرمایا ہوا جاتا ہے کیوں بے صبر تو اتنا
معلوم ہوا تنگ ہے جینے سے تو اس جا
گھوڑے کا کھلا تنگ خبر کچھ نہیں اصلا
ازرق کی ابھی تھی نہ نظر تنگ پہ پہنچی
تلوار یہاں کاٹ کے سر تنگ پہ پہنچی

۸۱

غل صلِ علیٰ کا ہوا ہر سمت سے ناگاہ
عباسؑ نے فرمایا کہ اے ابنِ حسنؑ واہ
شاباش ہے اے لختِ دلِ ابنِ یداللہ
لاشیں شہدا ہو گئیں روشن صفتِ ماہ
اکبرؑ نے بھی قاسمؑ کے لیے حق سے دعا کی
شاہِ شہدا نے کہا رحمت ہے خدا کی

۸۲

جبریلؑ نے بوسہ دیا بازو پہ قضا را
رُوحِ حسنؑ پاک نے بھی آپ کو وارا
کہتے تھے علیؑ کیوں نہ ہو پوتا ہے ہمارا
شبیرؑ نے رو رو کے تجھی کو ہے پکارا
ہے قصد کہ منہ چوم کے گودی میں اٹھا لوں
پاس آ مرے پیارے تو کلیجہ سے لگا لوں

۸۳

روشن کیا کیا نامِ حسنؑ تم نے مری جان
اِن چھوٹے سے ہاتھوں پہ میں قربان ہیں قربان
ہو آؤ درِ خیمہ کی ڈیوڑھی پہ تم اس آن
مادر کو تسلی دو کہ ہے سخت پریشان
اک دم نہ گئے اور تو مر جائے گی بیٹا
سر کھول کے میداں میں چلی آئیگی بیٹا

۸۴

القصہ چلا خیمہ کو شبیرؑ کا وہ پیارا
اِستادہ وہاں خیمہ پہ فضہ تھی قضا را
شبیرؑ نے رو رو کے کیا اس سے اشارا
جا مادرِ قاسمؑ کو خبر کر دے خدا را
کہنا کہ چلو بیبیوں کو ساتھ بُلا لو
لو آتا ہے فرزند کلیجے سے لگا لو

۸۵

فضہ گئی اور جا کے کہا سب یہ مفصل
دروازے پہ خیمہ کے چلی آئی وہ بیکل
بیٹے کو گلے خوب لگایا غرض اول
پھر بولی بلا تم پہ جو آئی تھی گئی ٹل
جیتے ہوئے میدان سے پھر کر کدھر آئے
صدقے گئی ماں سچ کہو کیا صلح کر آئے

۸۶

شبیرؑ سے بس اب تو نہ ہووے گی لڑائی
اب تو نہ ستمگاروں کی ہووے گی چڑھائی
زینبؑ تو نہ اب رووے گی دے دے کے دُہائی
بس اب تو نہ شبیرؑ سے ہووے گی جدائی
اُجڑا ہُوا پھر ہووے گا آباد مدینہ
سیلی تو نہ اب شمر کے کھائے گی سکینہؑ

۸۷

قاسمؑ نے کہا رو کے کہ اے مادرِ ذی شاں
عمو مجھے لے آئے ہیں اک دم کا ہوں مہماں
ہے دل کو یقیں اب جو گئے جانبِ میداں
ہو جائیں گے پامال بزیرِ سُمِ اسپاں
مشہور سخی تم تو بصد شان ہو اماں
اب دُودھ بھی گر بخش دو احسان ہو اماں

۸۸

وہ بولی کہ تم شہؑ پہ فدا ہوتے ہو بیٹا
میں نے بھی تو رخصت کیا ہے عذر مجھے کیا
اب دودھ کے بخشانے کی رکھتے ہو تمنّا
میں نے تجھے بخشا مرے اللہ نے بخشا
اب آتے تو خیر آتے نہ اب آئیو واری
جنّت کو اسی راہ چلے جائیو واری

۸۹

یہ سن کے ہوئے قاسمِؑ نوشاہ برآمد
تھا شور ہوا شیر بصد جاہ برآمد
اقلیمِ شجاعت کا ہوا شاہ برآمد
پردے سے ہوئی قدرت اللہ برآمد
خیمہ سے درِ فتح و ظفر کھول کے نکلے
تلوار کو دادا کی طرح تول کے نکلے

۹۰

اس شان سے گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے
شانِ اسد اللہ دکھاتے ہوئے آئے
رعب اپنا دلیروں پہ بٹھاتے ہوئے آئے
دل فوج کا نعروں سے ہلاتے ہوئے آئے
اللہ ری آمد جگر و جانِ حسنؑ کی
وہشت سے زمیں اڑ کے ہوا ہو گئی رن کی

۹۱

نعرہ کیا تکبیر کا شبّرؑ کے جگر نے
بوسے لیے ان چھوٹے سے ہاتھوں کے ظفر نے
جی چھوڑ دیا خوف سے افواجِ عمر نے
منہ سامنے سے پھیر لیا تیغ و سپر نے
اس جنگ سے حیرت تھی شجاعانِ عرب کو
جرأت اسد اللہ کی یاد آ گئی سب کو

۹۲

یہ سنتے ہی کڑکیت بڑھے فوجِ جفا سے
اشعارِ رجز پڑھنے لگے حُسنِ ادا سے
دل بڑھ گئے اعدا کے نقیبوں کی صدا سے
میدان وغا گونج گیا طبلِ وغا سے
دریا کی طرح فوج میں طوفاں نظر آیا
قرنا جو پھُنکی حشر کا ساماں نظر آیا

۹۳

نوشاہ نے دیکھا بغضب فوجِ جفا کو
گردان کیا آپ نے دامانِ قبا کو
اور کھینچ لیا تیغِ شہِ عقدہ کشا کو
زانو میں دبایا فرسِ رشکِ صبا کو
یاں باگ لی واں مورچے برہم نظر آتے
جو ہمدمِ رستم تھے وہ بے دم نظر آتے

۹۴

تھے وجد کے عالم میں ملک عرشِ علا کے
ہوتے تھے ہر اک ضرب پہ غل صلِّ علیٰ کے
ہلے جوں ہی کرتے تھے یہ گھوڑے کو اٹھا کے
ہل جاتے تھے وہشت سے طبق ارض و سما کے
قربان تھے ملک زور پہ اس تشنہ دہن کے
میدانِ وغا ہاتھ تھا فرزندِ حسنؑ کے

۹۵

پھر اس کے سوا کچھ نہ لعینوں سے بن آئی
ہر چار طرف سے ہوئی فوجوں کی چڑھائی
اس چاند پہ بدلی سیہ ظلم کی چھائی
نرغے میں گھرا سیدِ عالم کا فدائی
تھا شور کہ ناشاد کرو تازہ دُلہن کو
ہاں چھوڑیو زندہ نہ جگر بندِ حسنؑ کو

۹۶

حملہ کیا سب فوج نے نوشاہ پہ مل کر
برسا دیا مینھ تیروں کا اس تشنہ دہن پر
در آئے کئی تیر دلِ پاک کے اندر
سر تا بقدم چُور ہوا دلبرِ شبّرؑ
روتے تھے ملک حال پہ اس تشنہ گلو کے
ہر زخم سے جاری ہوئے فوّارے لہو کے

۹۷

تلوار لگائی کسی بے رحم نے ناگاہ
قربوس پہ تیورا کے جھکے قاسمؑ نوشاہ
شق ہو گیا سر اور لہو بہنے لگا آہ
نیزے کو بڑھا تان کے اک دشمنِ اللہ
ظالم نے عجب ظلم کیا زار و حزیں پر
اس ضرب سے وہ شیر گرا روئے زمیں پر

۹۸

اس ضعف میں یہ صدمۂ جانکاہ دُہائی
وہ ریگ وہ جانِ شہِ ذی جاہ دُہائی
وہ تیغیں وہ دلبندِ یداللہ دہائی
وہ دھوپ کڑی گرم ہوا آہ دہائی
کانٹے ہیں زباں میں عرقِ مرگ جبیں پر
دل تھام کے ہاتھوں سے تڑپتے ہیں زمیں پر

۹۹

اس کرب میں حضرت کو یہ آواز سنائی
ہے اے شہِ کونین دمِ عقدہ کشائی
آفت میں ہوں اے بادشہِ کرب و بلائی
خادم پہ ہے افواجِ ستم گر کی چڑھائی
ہلتی ہے زمیں راہ وہ چلتے ہیں ستمگر
جلد آیئے گھوڑوں سے کچلتے ہیں ستمگر

۱۰۰

اے قبلۂ حاجات! مدد کرنے کو آؤ
لاشے کو مرے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بچاؤ
دم رکتا ہے انبوہ کو اعدا کے ہٹاؤ
مشتاقِ زیارت ہوں رُخِ پاک دکھاؤ
آنکھوں میں ہے دم لب پہ دمِ سرد ہے مولا
دل میں بھی کلیجے میں بھی اب درد ہے مولا

۱۰۱

پہنچی جو صدا کان میں حضرت کی یہ ناگاہ
تھرّا کے گرا خاک پہ فرزندِ یداللہ
رونے لگے دل تھام کے شاہنشہِ ذی جاہ
سر پیٹ کے فرمایا بڑا قہر ہوا آہ
فرزندِ حسنؑ خلق سے پیاسا گیا ہے ہے
بیوہ کی کمائی پہ زوال آ گیا ہے ہے

۱۰۲

روتے ہوئے میداں میں گئے سیدِ ابرارؑ
دیکھا کہ ہیں گھیرے ہوئے لاشے کو ستمگار
اک ظالم بے رحم ہے کھینچے ہوئے تلوار
سر کاٹنے کے واسطے جلّاد ہے تیار
دُولہا پہ عجب ظلم و ستم کرتا ہے ظالم
سر قاسمؑ نوشہ کا قلم کرتا ہے ظالم

۱۰۳

یہ دیکھ کے بیتاب ہوئے سبطِ پیمبرؑ
غصّے سے بڑھے کھینچ کے شمشیرِ دو پیکر
اک ضرب میں ہاتھ اس کا گرا خاک پہ کٹ کر
بے ساختہ میدان سے بھاگا وہ ستمگر
حضرتؑ نے صدا دی کہ کہاں جائے گا ناری
کب ہاتھ سے میرے تو اماں پائے گا ناری

۱۰۴

کافر کے بچانے کے لیے آئے کچھ اسوار
فرزندِ ید اللہ سے چلنے لگی تلوار
ظالم ہوا فی النار گریزاں ہوئے کفار
ہل چل میں ہوا دُولھا پہ وہ صدمہ و آزار
پُرزے سمِ اسپاں سے بدن ہو گیا ہے ہے
پامال دل و جانِ حسنؑ ہو گیا ہے ہے

۱۰۵

لاشے سے لپٹ کر شہِ عالم یہ پکارے
کیا سوتے ہو اٹھو میرے دلبر میرے پیارے
کرتے نہیں اب نرگسی آنکھوں سے اشارے
مُرجھا گئے یہ پھول سے لب پیاس کے مارے
دنیا ہے پُر ارمان سفر کر گئے بیٹا
ہم جیتے رہے تم بھی سفر کر گئے بیٹا

۱۰۶

کیا بن گئی اے ابنِ حسنؑ وائے مصیبت
ٹکڑے ہوا تیغوں سے بدن وائے مصیبت
چپ ہو گئے اے غنچہ دہن وائے مصیبت
کس درجہ ہے رنج و محن وائے مصیبت
دیکھا کئے ہم حشر کا ساماں ہوا بیٹا
پامال ترا پیکرِ بے جاں ہوا بیٹا

۱۰۷

ہے ہے مرے جرّار مرے شیر دلاور
اے میرے بہادر مرے غازی مرے صفدر
اے میرے کلیجے مرے پیارے مرے دلبر
قرباں ترے لاشے کے میں بیکس و مضطر
دُولھا بنے دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
ارمان نہ نکلا کوئی اور مر گئے بیٹا

۱۰۸

یاں لاش پہ روتا تھا یدُ اللہ کا پیارا
پہنچی یہ خبر ظلم کی خیمہ میں قضا را
لو صاحبو! نوشاہ زمانے سے سدھارا
غلطیدہ ہوا خون میں وہ عرش کا تارا
بیوہ جگرِ شاہِ زمن ہو گئی ہے ہے
ناشاد زمانے میں دلہن ہو گئی ہے ہے

۱۰۹

شادی میں غمی ہو گئی مسند کو اٹھاؤ
بنتِ شہِ کونین کو رنڈ سالہ پہناؤ
بنڑی کے رُخِ پاک سے سہرے کو بڑھاؤ
صندل کے عوض مانگ میں اب خاک لگاؤ
لاش آتی ہے میدان سے فرزندِ حسنؑ کی
نتھ چوڑیاں جلدی سے بڑھا ڈالو دلہن کی

۱۱۰

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئی عترتِ اطہار
ماں قاسمؑ نوشہ کی گری خاک پہ اک بار
ناموسِ محمدؐ میں ہوئے حشر کے آثار
بیٹی کے قریں روتی گئی بانوئے ناچار
ساماں نظر آیا یہ اسے رنج و محن کا
دیکھا کہ عجب حال ہے گھونگھٹ میں دُلہن کا

۱۱۱

کُبرا کو کلیجے سے لگا کر یہ پکاری
ٹوٹی گئی ہے ہے مرے دُکھ درد کی ماری
کیا بیٹھی ہو سہرے کو بڑھا ڈالو میں واری
سر کھولنے کی لاش پہ اب آئی ہے باری
میدان میں مارا گیا نوشاہ تمھارا
ہے ہے نہ سزاوار ہوا بیاہ تمھارا

۱۱۲

تھا آلِ محمدؐ میں عجب طرح کا عالم
پچھڑے ہوئے ماں کو کھو کو چلاتی تھی بہم
آنسو نہیں تھمتے تھے یہ تھا بچوں کا عالم
سر پیٹتے تھے ننھے سے ہاتھوں سے بصد غم
بھائی کے قلق میں جو نہ خواہر کو کل آئی
قاسمؑ کی بہن خیمہ سے باہر نکل آئی

۱۱۳

ماں کہتی تھی قربان گئی خیمہ میں آؤ
نامحرموں میں کھولے ہوئے سر کو نہ جاؤ
وہ کہتی تھی اماں مجھے اس دم نہ بلاؤ
بھائی کی طرح مجھ سے بھی اب ہاتھ اٹھاؤ
صدقے تنِ مجروح پہ ہونے کو چلی ہوں
بھائی کے لیے جان کو کھونے کو چلی ہوں

۱۱۴

ناگاہ جو فضہ نے شہِ دیں کو پکارا
لے آئیے نوشہ کو خیمہ میں خدا را
فریاد کسی کو نہیں اب ضبط کا یارا
ڈیوڑھی پہ ہے کنبہ اسد اللہ کا سارا
سر کھولے ہوئے رن میں دلہن آتی ہے مولا
لاشے پہ برادر کے بہن آتی ہے مولا

۱۱۵

بیتاب ہوا سُن کے یداللہ کا جایا
اور گودی میں داماد کے لاشے کو اٹھایا
گھوڑے پہ عجب حال سے میت کو لٹایا
آکر درِ خیمہ پہ رانڈوں کو سُنایا
ملنے کے لیے آیا ہے نوشاہ دلہن سے
قاسمؑ کی برات آئی ہے اے بیبیو! رن سے

۱۱۶

سب بیبیاں ڈیوڑھی کی طرف دوڑیں کھلے سر
گویا ہوئی ہر اک سے یہ نوشاہ کی مادر
اے لوگو! دُلہن والوں سے کہدے کوئی جاکر
کیا بیٹھی ہو قاسمؑ کی برات آئی ہے در پر
میداں سے شہِ عقدہ کشا لائے ہیں ان کو
خود بیاہنے شاہِ دوسرا لائے ہیں ان کو

۱۱۷

رن سے مرے صفدر کی برات آتی ہے لوگو
لو بیکس و مضطر کی برات آتی ہے لوگو
لختِ دلِ شبّرؑ کی برات آتی ہے لوگو
دیکھو مرے دلبر کی برات آتی ہے لوگو
دولھا کو لیے ساتھ بہم چھوٹے بڑے ہیں
پردہ کرو سلطانِ امم در پہ کھڑے ہیں

۱۱۸

لوگو میرے ناشاد کے ارمان نکالو
کس سمت ہیں نوشاہ کی بہنوں کو بلالو
آنچل سرِ نوشہ پہ کہو آن کے ڈالو
مہمانوں کو باہم کرو بنڑی کو سنبھالو
جو بیاہ کی رسمیں ہوں وہ اس آن ہو لوگو
رخصت کا دُلھن دُولھا کے سامان ہو لوگو

۱۱۹

لاشہ لیے دُولھا کا شاہِ بحر و بر آئے
ہمراہ کھُلے سر حرمِ خستہ جگر آئے
اور اکبرؑ مظلوم بھی با دیدۂ تر آئے
یہ غُل جو ہُوا بچے بھی کھولے ہوئے سر آئے
اک حشر ہوا گھیر لیا رانڈوں نے آ کر
شہؑ رونے لگے لاش کو مسند پہ لٹا کر

۱۲۰

حضرتؑ تو گئے خیمہ سے کرتے ہوئے زاری
ماں پیٹ کے نوشاہ کے لاشے پہ پکاری
اے چاند! تری چاند سی صورت پہ میں واری
پوشاکِ عروسی ہوئی تر خون میں ساری
جن ہاتھوں میں مہندی تھی وہ اب خون میں تر ہیں
لڑیاں کہیں سہرے کی اِدھر اور اُدھر ہیں

۱۲۱

کیا بن گئی تجھ پر مرے پیارے بنے قاسم
ہے ہے مرے دکھ درد کے مارے بنے قاسم
ہے ہے مرے پردے کے سہارے بنے قاسم
ارماں بھری دنیا سے سدھارے بنے قاسم
اے نورِ نظر! کس کی نظر کھا گئی تجھ کو
اس بیاہ کا ہونا تھا کہ موت آ گئی تجھ کو

۱۲۲

ہے ہے مری کوئی بھی تو حسرت نہ بر آئی
ہے ہے نہ قضا نے تری اولاد دکھائی
ٹکڑے ہوا کنگنا ہوئی پُرزے یہ کلائی
ہے ہے یہ گھڑی مجھ کو مقدر نے دکھائی
شادی جو ہوئی گھیر لیا رنج و محن نے
ہے ہے ابھی گھونگھٹ بھی نہ اُلٹا تھا دُلھن نے

۱۲۳

یہ کہہ کے ہوا جوشِ غم و رنج جو دل پر
گھبرا کے گئی پاس وہ غم دیدہ و مضطر
لے لے کے بلائیں کہا چھاتی سے لگا کر
لو آگ لگی مانگ میں برباد ہوا گھر
قربان گئی شرم کے پردے کو اٹھا دو
ہاں بین کرو لاش پہ سہرے کو بڑھا دو

۱۲۴

فریاد تھا اس عمر میں بیوہ تجھے ہونا
ہے ہے یہ نیا بیاہ یہ منہ اشکوں سے دھونا
واری گئی اچھا نہیں یوں جان کا کھونا
ہاں چل کے وہاں روؤ جو منظور ہے رونا
ہے دل یہ قلق زیست کا نقشہ نہ بدل جائے
ڈر ہے مجھے گھُٹ گھُٹ کے کہیں دم نہ نکل جائے

۱۲۵

نتھ چوڑیاں اے بی بی بڑھانے کی گھڑی ہے
اب ضبط کہاں خاک اڑانے کی گھڑی ہے
لو راج لٹا اشک بہانے کی گھڑی ہے
بیہوش ہو کیوں اشک بہانے کی گھڑی ہے
ہونا تھا مصیبت زدہ بنڑی تمھیں بن کر
ماتم کرو نوشاہ کا رنڈسالہ پہن کر

۱۲۶

بنڑی کو غرض لاش پہ نوشاہ کی لائے
تھامے کوئی بازو کوئی دامن کو اٹھائے
روتی ہوئی آتی تھی دُلھن سر کو جھکائے
دشمن کو بھی اللہ یہ ساماں نہ دکھائے
روتا تھا ہر اک حال پہ اس رشکِ قمر کے
بے ساختہ ٹکڑے ہوئے جاتے تھے جگر کے

۱۲۷

سر کھولے ہوئے ساتھ تھیں سب بیبیاں باہم
اور بیچ میں اس بھیڑ کے بنتِ شہِ عالم
آنکھوں کو جھکائے ہوئے گردن کو کیے خم
نے سر کی خبر پاؤں کا نہ ہوش تھا اس دم
رُخ زرد تھا صدمہ تھا عجب جانِ حزیں پر
رکھتی تھی کہیں پاؤں تو پڑتا تھا کہیں پر

۱۲۸

لا کر اُسے اس لاش کے پہلو میں بٹھایا
وہ بَین کیے ماں نے کہ منہ کو جگر آیا
یُوں لاشۂ نوشاہ کو رو رو کے سنایا
صدقے گئی سب کنبہ کا رونا تمھیں بھایا
لو بنتِ شہنشاہِ زمن آئی ہے بیٹا!
کیا سوتے ہو رخصت کو دُلھن آئی ہے بیٹا!

۱۲۹

کیا غش میں ہو ہشیار ہو صدقے گئی مادر
اُٹھو کہ دُلھن آئی ہے لاشے پہ کھُلے سر
دیکھو تو رُخِ پاک سے چادر کو اٹھا کر
یہ کون ہے پہلو میں تڑپتا مرے دلبر
کیا حال ہے آواز سناتے نہیں بیٹا!
روتی ہے دُلھن ہوش میں آتے نہیں بیٹا!

۱۳۰

بنڑی کو جو نوشاہ کا لاشہ نظر آیا
کی آہ وُہ پُر درد کہ منہ کو جگر آیا
طاقت نہ رہی ضبط کی دل غم سے بھر آیا
اک نشترِ غم تھا کہ کلیجہ میں در آیا
سر کھول دیا لاشے پہ گھونگھٹ کو اُلٹ کر
غش ہو گئی نوشاہ کے قدموں سے لپٹ کر

۱۳۱

ہوش آیا تو سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری
ہے ہے مرے والی تری غربت کے میں واری
تنہا نہ سفر کیجیے اے عاشقِ باری
منگوائیے مجھ کشتۂ غم کی بھی سواری
منزل کا پتہ تو کہیں دیتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو جہاں مجھ کو بھی لیتے ہوئے جاؤ

۱۳۲

کس سے یہ کہوں آہ مقدر کی برائی
تم مر گئے اور ہائے مری موت نہ آئی
نوشاہ پہ میداں میں گھٹا ظلم کی چھائی
لوٹا ہے مرا راج دُہائی ہے دُہائی
پیغامِ فراق آ کے اجل کہہ گئی صاحب
میں پیٹنے رونے کے لیے رہ گئی صاحب

۱۳۳

پردیس میں مایوس مجھے کر گئے ہے ہے
والی مرے تنہا لبِ کوثر گئے ہے ہے
صاحب مجھے یاں چھوڑ کے کس پر گئے ہے ہے
رخصت دمِ آخر نہ ہوئی مر گئے ہے ہے
زندہ نہ ملے آ کے مجھ آوارہ وطن سے
آئے بھی تو یوں خوں میں نہائے ہوئے رن سے

۱۳۴

اس ذکر سے بیبیوں نے عجب شور مچایا
رنڈ سالہ دلھن کے لیے جو اتنے میں آیا
زینبؑ نے اُسے کانپتے ہاتھوں سے اٹھایا
رو رو کے یہ بانوئے شہِ دیں نے سنایا
بی بی الم و غم میں تمھیں صبر خدا دے
کہہ دو کوئی رنڈ سالہ اسے آ کے پہنا دے

۱۳۵

رو کر یہ پکاری کہ یہ کیا کرتی ہو ارشاد
کب ہوش میں اپنے ہوں میں غمدیدہ و ناشاد
کن آنکھوں سے دیکھوں یہ غم و رنج کی رُوداد
قابو میں مرا دل نہیں فریاد ہے فریاد
صدقے گئی تجویز ہو جو مجھ سے نہ پوچھو
جو بن پڑے تم سے وہ کرو مجھ سے نہ پوچھو

۱۳۶

القصہ کہ رنڈسالہ پہنانے لگی کوئی
پوشاکِ شہانی وہ بڑھانے لگی کوئی
افشاں جبیں پر سے چھڑانے لگی کوئی
اور پھیر کے منہ اشک بہانے لگی کوئی
اک حشر ہوا بیبیوں نے سینہ زنی کی
یہ دیکھ کے حالت ہوئی تغییر بنی کی

۱۳۷

بیوہ ہوئی افسوس وُہ دُکھ درد کی ماری
مُنہ ڈھانپ کے سب کرنے لگے گریہ وزاری
ماں لاشۂ قاسمؑ سے لپٹ کر یہ پکاری
دیکھو تو ذرا کھول کے آنکھوں کو میں واری
صدمہ ہے عجب دخترِ سلطانِ زمن کو
اے لال پہنایا گیا رنڈسالہ دُلھن کو

۱۳۸

خاموش انیسؔ اب کہ عجب حشر بپا ہے
یہ وقتِ مناجات ہے ہنگامِ دعا ہے
کر عرض خدا سے کہ یہ انصاف کی جا ہے
یارب! ترے بندوں پہ عجب جور و جفا ہے
دے اوجِ ترقی غمِ فرزندِ نبیؐ کو
کر شاد محبانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو

★ مرثیہ

دُنیا سے علمدارِ دلاور کا سفر ہے

۱

دنیا سے علمدارِ دلاور کا سفر ہے
شبیرؑ کے غمخوار برادر کا سفر ہے
حمزہؓ کا سفر حضرتِ جعفرؓ کا سفر ہے
عباسؑ نہیں مرتے ہیں حیدرؑ کا سفر ہے
شہ روتے ہیں دنیا کو جری چھوڑ رہا ہے
سقائے حرم نہر پہ دم توڑ رہا ہے

۲

واں شور ہے اعدا میں علمدارؑ کو مارا
دریائے وفا کے دُرِ شہوار کو مارا
صفدر کو جواں مرد کو جرار کو مارا
مظلوم کے یاور کو مددگار کو مارا
بھائی کا دیا داغ شہِ تشنہ جگر کو
بے دست کیا حیدرِ صفدر کے پسر کو

۳

اک ایک سے کہتا ہے کہ اب کچھ نہیں وسواس
یہ شیر چھٹا سبطِ پیمبرؐ ہوئے بے آس
بس ہے نہیں کوئی علی اکبر کے سوا پاس
نقارے بجے فتح کے مارے گئے عباسؑ
کیا کیا یہ جری رن میں ہزاروں سے لڑا ہے
جس شیر کا ڈر تھا وہ ترائی میں پڑا ہے

۴

ان آنکھوں نے دیکھا نہیں اب تک کوئی ایسا
تھا مثلِ علیؑ جرأت و ہمت میں وہ یکتا
لاکھوں سے دمِ جنگ شہ رو کا گیا اصلا
کس شان سے لڑتا ہوا پہنچا لبِ دریا
عباسؑ نے لشکر کے پرے توڑ دیے ہیں
تنہا تھا مگر لاکھوں کے منہ موڑ دیے ہیں

۵

ہر صف میں اُدھر ذکر یہ کرتے تھے ستمگر
عباسؑ کے لاشے پہ اِدھر روتے تھے سرور
تھا زانوئے شہؑ پر سرِ عباسؑ دلاور
روتے تھے کھڑے سر کو جھکائے علی اکبرؑ
رُخ گرد بھرا آنسوؤں سے دھوتے تھے شبیرؑ
منہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

۶

فرماتے تھے غمخوار دلاور مرے بھائی
ہم مر نہ گئے اور تمھاری اجل آئی
تصویرِ یداللہؑ لعینوں نے مٹائی
اُٹھو کہ ہوئی بھائی پہ اعدا کی چڑھائی
گھیرے ہوئے بیکس کو ستمگار کھڑے ہیں
بن آپ کے ہم رنج و مصیبت میں پڑے ہیں

۷

لو کھول دو آنکھوں کو ذرا ہوش میں آؤ
اے شیرِ ژیاں سر مری چھاتی سے لگاؤ
باتیں کرو آواز ہمیں اپنی سناؤ
کیا درد کٹے شانوں میں ہوتا ہے بتاؤ
اک آن ہمیں زیست گوارا نہیں بھائی
بعد آپ کے اب کوئی ہمارا نہیں بھائی

۸

پیاسے تھے کئی روز کے آکر لبِ دریا
ٹھنڈی یہ ہوا بھائی کہ اُٹھتے نہیں اصلا
غازی کوئی اس طرح مسافر نہیں سوتا
لو خاک سے اٹھو کہ جگر بھائی ہے پھٹتا
بس شاد ہمارا دلِ ناکام کرو تم
خیمہ میں چلو چین سے آرام کرو تم

۹

دو جا کے بھتیجی کو دلاسا کہ بہل جائے
پانی اسے لے جا کے پلاؤ کہ سنبھل جائے
پیاسی ہے بہت زیست کا نقشہ نہ بدل جائے
ایسا نہ ہو معصوم کا دم تن سے نکل جائے
مرجھایا ہے دل پیاس سے غنچہ سا کھلے گا
بچ جائے گی پانی جو سکینہؑ کو ملے گا

۱۰

خیمہ میں تمہارے لیے کرتی ہے وہ زاری
ہر مرتبہ چلاتی ہے وہ پیاس کی ماری
اب تک نہ پھری نہر سے عمو کی سواری
پانی نہ ملا اور نہ بجھی پیاس ہماری
دریا سے نہ عباسؑ چچا آئیں گے بابا
افسوس کہ اب پیاسے ہی مر جائیں گے بابا

۱۱

سر کھول کے ہر بار یہ کہتی تھی وہ مضطر
سقے پہ مرے رحم کر اے خالقِ اکبر
لاکھوں میں ہے تنہا پسرِ ساقیِ کوثر
معصوم کی سُن لے یہ دُعا بہرِ پیمبر
عباسؑ کو اعدا پہ ظفر دیجیو یا رب
شرمندہ چچی سے نہ مجھے کیجیو یا رب

۱۲

غش میں جو سُنا نامِ سکینہؑ کئی باری
وا کر دیا آنکھوں کو اور آنسو ہوئے جاری
کی عرض اشارے سے کہ اے عاشقِ باری
بولا نہیں جاتا کہ بہت زخم ہے کاری
ہے بند زباں سینہ میں سانس آکے اڑی ہے
فرصت ہے بہت کم کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۱۳

صد شکر کہ سبطِ شہِ لولاک کو دیکھا
دل میں جو تھی خادم کے وہ بر آئی تمنا
آہستہ سے کچھ کہہ کے پھر آنکھوں کو پھرایا
تھرا کے بدن سرد ہوا ڈھل گیا منکا
اکبرؑ سے کہا شہؑ نے قضا کر گئے عباسؑ
دم توڑ کے گودی میں مری مر گئے عباسؑ

۱۴

تھی مجھ کو یہ امید جو مر جاؤں گا پیارے
سر کھول کے سب روئیں گے لاشے پہ ہمارے
کیا شوقِ شہادت تھا کہ سر پہلے ہی وارے
جیتے رہے ہم اور وہ جنّت کو سدھارے
کیا خوب لڑے تشنہ دہن اہلِ جفا سے
پانی نہ دمِ ذبح ملا مر گئے پیاسے

۱۵

پھر رو کے یہ لاشے سے کہا جاتے ہیں بھائی
آرام کرو تم کو مبارک ہو ترائی
اے شیر میرے سرد ہوا نہر کی بھائی
افسوس کہ تقدیر میں تھی تم سے جدائی
بے حلق کٹائے ہمیں آرام نہ ہوگا
جانبر الم و غم سے یہ ناکام نہ ہوگا

۱۶

بچپن سے زیادہ تھی مجھے تم سے محبت
ہے شاق دلِ زار کو اب آپ سے فرقت
آتے ہیں کوئی آن میں ہم بھی سوئے جنت
ہیں صبح سے واللہ طلب گارِ شہادت
گزرا ہے جو کچھ دل پہ تعب سب وہ کہیں گے
تاحشر نہ اب تم سے جدا ہو کے رہیں گے

۱۷

جب کر چکے یہ لاشۂ عباسؑ سے تقریر
روتے ہوئے ناچار روانہ ہوئے شبیرؑ
گر اٹھتے تھے گہ گرتے تھے یہ حال تھا تغیر
کہتے تھے برادر کی مٹی چاند سی تصویر
دریا پہ مرے شیر کے کاٹے گئے شانے
جنگل میں مجھے لوٹ لیا اہلِ جفا نے

۱۸

پہنچے درِ خیمہ پہ جو سلطانِ دو عالم
اِستادہ تھیں خیمہ کے قریں بیبیاں باہم
رو کر کہا شبیرؑ نے اے زینبِ پُر غم
بھائی نہیں مارا گیا ہم ہو گئے بے دم
رونے کی ہے جا خیمہ میں ہم زندہ کھڑے ہیں
اور نہر پہ بے دست علمدار پڑے ہیں

۱۹

اب زوجۂ عباسؑ کو رنڈسالہ پہناؤ
حیدرؑ کی بہو رانڈ ہوئی پُرسے کو جاؤ
لے جا کے علم خیمہ میں مسند پہ لٹاؤ
شبیر سے ہمشیر بس اب ہاتھ اٹھاؤ
خیمہ میں خجالت سے نہ اب آؤں گا زینبؑ
منہ اپنا کسی کو نہیں دکھلاؤں گا زینبؑ

۲۰

زینبؑ سے یہ رو رو کے بیاں کرتے تھے سرورؑ
اور واں دُہلِ فتح بجاتے تھے ستمگر
بڑھ کر یہ پکارا پسرِ سعد بد اختر
عرصہ ہُوا مارے گئے عباسؑ دلاور
بھیجو اسے باقی جو کوئی اور جواں ہو
ماریں ہم اسے تیروں سے تم اشک فشاں ہو

۲۱

شہؑ نے کہا باقی نہیں اب کوئی رہا ہے
سب مر چکے ہیں خاتمہ لشکر کا ہوا ہے
اس دشت میں گلزار شہیدوں کا ہوا ہے
اب خنجرِ خونخوار ہے اور میرا گلا ہے
گھبراؤ نہ لڑنے کے لیے آتے ہیں ہم بھی
سر بار ہے تن پر اسے کٹواتے ہیں ہم بھی

۲۲

گھبرا گئے سُن کر یہ سخنِ اکبرِ دلگیر
دل ہل گیا جس دم یہ سنی شاہ کی تقریر
منہ سُرخ ہوا غیظ سے حالت ہوئی تغیر
سمجھے نہیں جینے کے کسی طرح سے شبیرؑ
دل سے کہا ہم کو کہیں پہلے اجل آئے
دیکھا رُخِ شبیرؑ اور آنسو نکل آئے

۲۳

کی دستِ ادب جوڑ کے شبیرؑ سے گفتار
حضرت نے سُنا کہتا ہے کیا لشکرِ کفار
خادم کا ارادہ نہیں جینے کا ہے زنہار
بندہ کو رضا دیجئے اب یا شہِ ابرار
رخصت نہ اگر آج کے دن پاؤں گا بابا
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا بابا

۲۴

اس درد سے کی اکبرؑ مہرو نے جو تقریر
دل تھام کے بس رونے لگے سرورِؑ دلگیر
چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیرؑ
کیا زور ہے اے لال جو کچھ خواہشِ تقدیر
ہم جانتے تھے تم ہمیں تربت میں دھرو گے
اس کی نہ خبر تھی کہ جواں ہو کے مرو گے

۲۵ مطلع

رخصت ہے پدر سے پسرِ ماہ لقا کی
اک دھوم ہے خیمہ میں بپا آہ و بکا کی
فرماتے ہیں شہؑ ہم سے مصیبت میں دغا کی
تصویر چلی گھر سے رسولِؐ دوسرا کی
موجود ہوں پہلے مجھے مارو علی اکبرؑ
پھر شوق سے میداں کو سدھارو علی اکبرؑ

۲۶

اس عالمِ غربت میں جدا ہوتے ہو ہم سے
بتلاؤ جئے گا پدر اس رنج و الم سے
ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر سینہ میں غم سے
ہے جان مرے جسم میں پیارے ترے دم سے
یہ داغ نہ اُٹھے گا جو اے ماہ سدھارے
مر جاؤں گا گر تم سوئے جنگاہ سدھارے

۲۷

پیری میں جواں بیٹے کا مرنا ہے قیامت
اس عمر میں دنیا سے گزرنا ہے قیامت
غربت میں سفر خلق سے کرنا ہے قیامت
اے لال ترا خون میں بھرنا ہے قیامت
ہجرِ گلِ تر بلبلِ ناشاد سے پوچھو
اس غم کا مزا صاحبِ اولاد سے پوچھو

۲۸

اکبرؑ نے کہا سچ ہے یہ اے قبلۂ عالم
تنہا ہیں اِدھر آپ اُدھر سیکڑوں اظلم
سر آپ پہ صدقے کروں یہ دھیان ہے ہر دم
باقی کوئی یاور ہے نہ مونس ہے نہ ہمدم
دیکھوں نہ میں آنکھوں سے قلق شاہِ اُمم کا
مشتاق مرا سینہ ہے شمشیرِ دودم کا

۲۹

میں خلق میں زندہ رہوں سر آپ کٹائیں
دیکھا کروں میں آپ کھڑے برچھیاں کھائیں
فرزندِ پیمبرؐ کو عدو تیر لگائیں
غیرت کی ہے جا یہ کہ نہ ہم مرنے کو جائیں
غم کھاتا ہوں جس وقت حرم روتے ہیں بابا
فرزند اسی دن کے لیے ہوتے ہیں بابا

۳۰

اب میری محبت سے کنارا کریں حضرت
سینہ پہ اٹھا لیجئے داغِ غمِ فرقت
ماں بہنوں کی دیکھی نہیں جاتی ہے مصیبت
بندے کو عطا ہو ثمرِ نخلِ شہادت
اس راہ سے سر دے کے گزر جانا ہے اچھا
کچھ لطف نہیں جینے میں مر جانا ہے اچھا

۳۱

تھی باپ میں اور بیٹے میں یہ درد کی تقریر
دل تھامے ہوئے رو رہے تھے حضرتِ شبیرؑ
اِستادہ تھی خیمہ کے قریں بانوئے دلگیر
یہ سنتے ہی بس غم کا کلیجے پہ لگا تیر
رو کر کہا للہ یہاں آیئے حضرت
ساتھ اپنے مرے لال کو بھی لایئے حضرت

۳۲

میداں میں انھیں جانے نہ دُوں گی کسی طور
یہ ہے غمِ فرزند نہیں ہے کوئی غم اور
اٹھارہ برس کی ہے کمائی یہ کرو غور
اس کی نہ جدائی کا سہوں گی ستم و جور
مرجائے گا یہ لال نہ میں زندہ رہوں گی
جاں اپنی میں دُوں گی پہ نہ یہ داغ سہوں گی

۳۳

سبزہ بھی ابھی تک نہیں آغاز ہوا تھا
ہے ہے مجھے اس وقت دکھائی نہیں دیتا
افسوس ہے اس سن میں پیامِ اجل آیا
میں کیا کروں صاحب میرا دل ہے تہ و بالا
دم تن سے نکلتا ہے مجھے کوئی سنبھالے
فضہ ہے کدھر زینبِؑ بے کس کو بلا لے

۳۴

واللہ ابھی تم نہیں اس رنج سے آگاہ
ہے فرقتِ فرزند پدر کو غمِ جانکاہ
جب جانتی اولاد جو دیتا تمھیں اللہ
اور مانگتا وہ رخصتِ میدانِ دغا آہ
میداں میں اسے مرنے کو میں جانے نہ دیتی
پھل برچھی کا سینہ پہ کبھی کھانے نہ دیتی

۳۵

کہنا کہ جدا ہوتے ہیں اکبرؑ ادھر آؤ
اب ہوتا ہے برباد بھرا گھر ادھر آؤ
واں روتی ہو کیا زینبِؑ مضطر ادھر آؤ
اب جاتے ہیں ہمشکلِ پیمبرؐ ادھر آؤ
مشتاق اجل دیر سے یہ ماہ لقا ہے
پالا تھا جسے تم نے وہ مرنے کو چلا ہے

۳۶

دوڑی گئی یہ سنتے ہی فضۂ جگر افگار
داخل ہوئے خیمہ میں ادھر سیدِ ابرار
ہر گام پہ تھرّاتا تھا دل ضعف سے ہر بار
اشک آنکھوں سے بہتے تھے نہ تھی طاقتِ گفتار
نالے تھے کبھی لب پہ کبھی شکرِ خدا تھا
اور پشت پہ ہمشکلِ نبیؐ نعرہ کناں تھا (کذا)

۳۷

فضہ نے ادھر جا کے یہ زینبؑ کو پکارا
اٹھو صفِ ماتم سے ادھر آؤ خدا را
دل پر علی اکبرؑ کا کرو داغ گوارا
مرنے پہ کمر باندھتا ہے آپ کا پیارا
بابا کو سفارش کے لیے لائے ہیں اکبرؑ
مادر سے بھی رخصت کے لیے آئے ہیں اکبرؑ

۳۸

گھبرا گئی یہ سُن کے ید اللہ کی جائی
سر سے تو ردا گر پڑی اور چشم بھر آئی
فضہ سے کہا بانوؑ نے یہ کیا بات سنائی
کیا مرنے کی اکبرؑ نے رضا باپ سے پائی
بھائی سے گلا ہے یہ مجھ آوارہ وطن کو
کیوں بھیجتے ہیں مرنے کو اس غنچہ دہن کو

۳۹

روتی ہوئی یہ کہہ کے چلی زینبِؑ مضطر
لپٹے تھے یہاں ماں کے گلے سے علی اکبرؑ
کہتے تھے کہ دو رن کی رضا بہرِ پیمبرؐ
فرزند کا اب داغ اٹھا لیجیے دل پر
سر ہو یہ مہم سر جو تہِ تیغِ دو دم ہو
میرا بھی کہیں نام شہیدوں میں رقم ہو

۴۰

واللہ عجب صاحبِ اقبال تھا نوشاہ
کیا جلد رضا لے کے گیا خُلد وہ ذی جاہ
ایک ہم ہیں کہ ملتی نہیں ہے رخصتِ جنگاہ
یہ سنتے ہی زینبؑ کو ہوا صدمۂ جانکاہ
چھاتی سے لگا کر کہا کیوں روتے ہو اکبرؑ
صدقے ہو پھوپھی ہم سے جدا ہوتے ہو اکبرؑ

۴۱

رو رو کے عبث لال کیا دیدۂ تر کو
بے آگ جلایا ہے مرے دل کو جگر کو
کیوں باندھا ہے مرنے پہ بس اب کھولو کمر کو
اے لختِ جگر چھوڑو نہ آفت میں پدر کو
آباد رہو تم یہ دعا شام و سحر ہے
ماں باپ کی پیری کا عصا نورِ نظر ہے

۴۲

باقی کوئی یاور نہ رہا سبطِ نبیؐ کا
اس فوج کے نرغے میں ہے وہ یکہ و تنہا
زینت ہو اس اُجڑے ہوئے گھر کی تم ہی بیٹا
ماں باپ کی ہے موت جدا ہونا پسر کا
کس رنج سے پالا ہے تمھیں شاہِ ہُداؑ نے
برباد ہو جس کی یہ کمائی وہی جانے

۴۳

بھائی مرا آفت میں مصیبت میں پھنسا ہے
دو روز سے کیا کیا ستم و جور و جفا ہے
مظلوم کے احوال پہ اب رحم کی جا ہے
سوچو تمھیں سب مر چکے اب کون رہا ہے
داغ اپنی جدائی کا دیے جاتے ہو اکبرؑ
تنہا مرے بھائی کو کیے جاتے ہو اکبرؑ

۴۴

حاشا تمھیں جانے نہیں دوں گی علی اکبرؑ
یہ داغ کلیجہ پہ نہ لوں گی علی اکبرؑ
مر جاؤں گی ہرگز نہ جیوں گی علی اکبرؑ
فرقت کا الم میں نہ سہوں گی علی اکبرؑ
مرنے کو چلے جب شان سے چلنے کے دن آتے
جب بیاہ کے اور پھولنے پھلنے کے دن آتے

۴۵

ہر دم یہی وسواس ہے اے صاحبِ اقبال
یہ گل سا بدن تیروں سے ہو جائے گا غربال
گھوڑوں سے کریں گے ستم آرا تجھے پامال
یہ گل سی قبا خون میں تر آئے گی میرے لال
ناشاد چلے زیست میں ہے ہے خلل آیا
سہرا بھی نہ دیکھا کہ پیامِ اجل آیا

۴۶

اُجڑے تیری ہستی کا چمن اور میں دیکھوں
مجروح ہو تیغوں سے بدن اور میں دیکھوں
بسمل ہو تو اے غنچہ دہن اور میں دیکھوں
لاشا رہے بے گور و کفن اور میں دیکھوں
بس اب یہ دُعا ہے مری کہ پہلے میں مر جاؤں
آباد تمھیں چھوڑ کے دنیا سے گزر جاؤں

۴۷

مادر سے یہ آہستہ سے اکبرؑ نے کہی بات
کچھ بن نہیں آتا مجھے میں کیا کروں ہیہات
جانے پہ ہیں آمادہ اُدھر قبلۂ حاجات
اور مجھ کو اِدھر روکتی ہیں زینبِ خوش ذات
سر پاؤں پہ رکھتا ہوں میں اب تم ہی رضا دو
میداں کی اجازت پھوپھی اماں سے دلا دو

۴۸
سمجھی علی اکبرؑ کے اشارے کو جو مادر
زینبؑ سے یہ رو رو کے لگی کہنے وہ مضطر
لو قہر ہُوا، جاتا ہے سر دینے کو اکبرؑ
لِلّٰہ کسی طور سے روکو انھیں جا کر
اب داغِ پسر دل پہ گوارا کرو زینبؑ
یا اپنے برادر سے کنارا کرو زینبؑ

۴۹
باقی نہیں اب دل کو مِرے ضبط کی طاقت
شبیرؑ کی دیکھی نہیں جاتی ہے مصیبت
ہے صبح سے یہ لال طلب گارِ شہادت
میں نے بھی رضا دی انھیں تم بھی کرو رخصت
صدقے کرو شبیرؑ پہ اس نورِ نظر کو
اعدا میں نہ جانے دو محمدؐ کے جگر کو

۵۰
غربت میں نہیں اب کوئی وارث ہے ہمارا
رانڈوں کو فقط سبطِ نبیؐ کا ہے سہارا
ہمشکلِ پیمبرؐ کا کرو داغ گوارا
جائے نہ کہیں رن میں ید اللہ کا پیارا
دشمن ہیں عدو سبطِ رسولِؐ دوسرا کے
لٹ جائیں نہ اس بن میں حرم شیرِ خدا کے

۵۱
زینبؑ نے سنا مرنے کو جاتے ہیں برادر
گھبرا گئی یہ سنتے ہی وُہ بیکس و مضطر
رو کر کہا چھاتی سے لگو اے مِرے دلبر
لو جاؤ سوئے دشتِ بلا اب علی اکبرؑ
پہلے تو یہ مطلب تھا نہ تم مجھ سے جدا ہو
اب کہتی ہوں تم شوق سے بابا پہ فدا ہو

۵۲
یہ کہہ کے گلے سے جو لگانے لگی زینبؑ
آنسو رُخِ انور پہ بہانے لگی زینبؑ
دلبر کا الَم دل پہ اٹھانے لگی زینبؑ
رو رو کے سخن لب پہ یہ لانے لگی زینبؑ
اٹھارہ برس گود میں میری جو پلا ہے
اے بیبیو! مرنے وُہ پُر ارمان چلا ہے

۵۳
پھر رو کے کہا بانوئے مضطر ادھر آؤ
شانہ کرو زلفوں میں انھیں دُولھا بناؤ
ہمشکلِ نبیؐ کو نئی پوشاک پہناؤ
سُرمہ بھی ذرا نرگسی آنکھوں میں لگاؤ
بچپن سے یہ نازوں کے مرادوں کے پلے ہیں
دُودھ اب انھیں بخشو کہ یہ مرنے کو چلے ہیں

۵۴
یہ سنتے ہی رونے لگی بانو جگر افگار
خیمہ میں گئی اور پھری جلد وہ غمخوار
منھ دیکھ کے بیٹے کا یہ کی یاس کی گفتار
لو پہنو شہانا یہ لباس اے میرے دلدار
کیا جانتی تھی میں کہ جواں ہو کے مروگے
اس عمر میں جنت کا سفر آہ کرو گے

۵۵
یہ کہہ کے پہنانے لگی پوشاک جو مادر
زینبؑ نے کہا ہاتھ میں شانہ کو اٹھا کر
پاس آؤ تو سلجھاؤں میں گیسوئے معنبر
ارمان مرے دل کا نکالو میرے دلبر
سہرا ابھی پھوپھی کو نہ میری جان دکھایا
یہ داغ مقدر نے مَیں قربان دکھایا

۵۶

روتی تھی پھوپھی آنکھوں میں سُرمہ کو لگا کر
ماں رونے لگی بیٹے کو پوشاک پہنا کر
مادر سے سکینہؑ نے کہا اشک بہا کر
دُولھا بنے بھیا مجھے تم نیگ دو لا کر
کیا اس کو خبر تھی کہ یہ مرنے کو چلے ہیں
شاہانی قبا خُون میں بھرنے کو چلے ہیں

۵۷

آراستہ جب ہو چکا وہ یوسفِ ثانی
زینبؑ نے کہا تب یہ بصد اشک فشانی
لو جاؤ خدا حافظ و ناصر میرے جانی
مادر کو میری جان دیا داغِ جوانی
اس دائی کو پاس اپنے ذرا جلد بلانا
یہ بات میری یاد رہے بھُول نہ جانا

۵۸

دیکھا جو یہ اکبرؑ نے پھوپھی دے چکی رخصت
دل سے کہا صد شکر ملی رن کی اجازت
اب ہو جئے گلچینِ گلستانِ شہادت
سرتن سے اتر جاتے تو ہو غم سے فراغت
بانوؑ سے کہا بالی سکینہؑ کو بلا دو
اور ایک نظر اصغرِ ناداں کو دکھا دو

۵۹

کبراؑ سے یہ کہہ دو کہ بہن جاتے ہیں آؤ
یہاں آکے ہمیں آخری دیدار دکھاؤ
سجادِؑ حزیں غش میں ہیں ان کو بھی جگاؤ
ساتھ اپنے ہر اک بیکس و مجبور کو لاؤ
بچنے کی توقع نہیں اس تشنہ جگر کو
مہلت جو اجل دے گی تو پھر آئینگے گھر کو

۶۰

یہ سنتے ہی روتی گئیَ واں بانوئے مضطر
کبراؑ بھی سکینہؑ بھی جہاں بیٹھی تھیں ششدر
بولیں کہ بلاتے ہیں تمھیں اب علی اکبرؑ
ہمشکلِ نبیؐ جاتے ہیں رخصت کرو چل کر
شبیرؑ نے بھی رنجِ پسر دل پہ سہا ہے
مرنے پہ میرا لال کمر باندھ رہا ہے

۶۱

اک آہ کی اور جُھولے سے اصغرؑ کو اٹھایا
آہستہ سے بیمار کے شانے کو ہلایا
عابدؑ کو جو ہوش آیا تو رو کر یہ سُنایا
لو داغ پسر کا بھی مقدر نے دکھایا
فرزند جواں چھٹتا ہے شہؑ غش میں پڑے ہیں
مل آؤ برادر سے وہ جانے کو کھڑے ہیں

۶۲

روتے ہوئے بستر سے اُٹھے عابدؑ بیمار
بیٹے کو سنبھالے چلی بانو جگر افگار
ہلتا تھا فلک روتی تھی یُوں زینبؑ ناچار
ہر بی بی کے لب پر تھی یہی یاس کی گفتار
ہمشکلِ پیمبرؐ کو بچا لیجیو یا رب
ماں باپ کو بیٹے کا نہ غم دیجیو یا رب

۶۳

پہنچے جو قریب اکبرِؑ ذیشاں کے وہ خوش خُو
مل مل کے برادر سے لگا رونے وُہ گُل رُو
غم سے نہ رہا چشمِ گہر بار پہ قابُو
ہر ایک کے بہنے لگے رُخسار پہ آنسو
چھوٹے بڑے حلقہ کیے گرد اُن کے کھڑے تھے
گردن میں جدا ہاتھ سکینہؑ کے پڑے تھے

۶۴
عابدؑ سے کہا آپ مری ماں سے خبردار
بانوؑ سے کہا اصغرِ ناداں سے خبردار
کبراؑ سے کہا دخترِ نالاں سے خبردار
زینبؑ سے کہا سرورِ ذیشاں سے خبردار
الفت ہے بہت آپ سے سلطانِ امم کو
جائیں نہ کہیں چھوڑ کے میداں میں حرم کو

۶۵
رونے لگے یہ سن کے حرم بادلِ تغیر
فرزند کا منہ تکنے لگی مادرِ دلگیر
خیمہ سے برآمد ہوا وہ صاحبِ توقیر
رو رو کے یہ کی عرض کہ یا حضرتِ شبیرؑ
ماں بہنوں سے ہم رن کی رضا لائے ہیں جاکر
دو رن کی رضا اب ہمیں چھاتی سے لگاکر

۶۶
واللہ کوئی دم کی نہیں زیست گوارا
سینہ میں دلِ زار ہے صدمہ سے دوپارا
شہؑ بولے کہ اب کوئی نہیں آہ ہمارا
اے راحتِ جاں تیرے جدا ہونے نے مارا
غربت میں چھٹا ساتھ ہے مرجائے گا شبیرؑ
اس چاند سی صورت کو کہاں پائے گا شبیرؑ

۶۷
ہمصورتِ محبوبِ خدا ہو علی اکبرؑ
مظلوم پدر سے نہ جدا ہو علی اکبرؑ
کس طرح کہوں مجھ پہ فدا ہو علی اکبرؑ
راہی طرفِ ملکِ بقا ہو علی اکبرؑ
للہ نہ اس بیکس و مضطر سے جُدا ہو
پر زیست کی کیا شکل جو دلبر سے جُدا ہو

۶۸
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے دلبرِ زہراؑ
سو مجھ سے غلام آپ کے قربان ہوں بابا
للہ نہ اب رد کیجے اے سیدِ والا
یہ داغ کلیجہ پہ اٹھا لیجئے بابا
مشتاق ہے دل سیرِ گلستانِ ارم کا
دیکھا نہیں جاتا ہے قلق شاہِ امم کا

۶۹
سمجھے شہِؑ دیں اب نہیں رُکنے کا وہ صفدر
کس یاس سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
اچھا یہی مرضی ہے اگر اے مرے دلبر
لو جاؤ خدا حافظ و ناصر علی اکبرؑ
اس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ چلے ہو
بابا کی ضعیفی میں کمر توڑ چلے ہو

۷۰
یہ سنتے ہی سر قدموں پہ سرورؑ کے جھکایا
مجرا کیا اور اسپِ صبا دم کو منگایا
خادم فرس راکبِ ذی قدر کو لایا
گھوڑے پہ ہوا جلوہ نما بانو کا جایا
چلاتے یہ سب حور و ملک عرشِ بریں پر
طالع ہوا خورشید فلک آج زمیں پر

۷۱
میدان میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے
شان اپنے تجمل کی دکھاتے ہوئے آئے
کس شان سے برچھی کو ہلاتے ہوئے آئے
یہ بات لعینوں کو سناتے ہوئے آئے
پانی دو کہ اب پیاس سے جانوں پہ بنی ہے
گزرے ہیں کئی روز کہ تشنہ دہنی ہے

۷۲

اک جام سے ہو جائے گا خالی نہ یہ دریا
پائے گا وہ اجر اس کا جو پانی ہمیں دے گا
اینٹھی ہے زباں پیاس سے پھنکتا ہے کلیجا
کس مذہب و ملت میں ہے پانی کا نہ دینا
گرمی سے ہیں بیتاب حرم شیرِ خُدا کے
مہمانوں کی دعوت یُوں ہی کرتے ہیں بُلا کے

۷۳

ہم قہرِ خدا ہیں نہ ہمیں غیظ میں لاؤ
پچھتاؤ گے دیکھو ہمیں غصہ نہ دلاؤ
دستِ ستم و جور نہ سیّد پہ اٹھاؤ
مہماں کو مسافر کو نہ غربت میں ستاؤ
فریادِ حرم سے بخدا عرش ہلے گا
برباد جو ہم ہوں گے تو کیا تم کو ملے گا

۷۴

سیّد ہوں مسافر ہوں غریب الوطنی ہے
دو روز کے فاقے سے ہوں تشنہ دہنی ہے
گو پیاس سے لب خشک ہیں اور دل پہ بنی ہے
ہاتھوں میں ابھی قوتِ خیبر شکنی ہے
تلوار جو کھینچوں تو صفیں کاٹ کے دم لُوں
لاشوں سے یہ میدانِ وغا پاٹ کے دم لُوں

۷۵

میں اس کا ہوں فرزند جو مختارِ جہاں ہے
عالم پہ حسب اور نسب جس کا عیاں ہے
جو اس کی بزرگی ہے وہ آدم کی کہاں ہے
افسوس کہ وہ پیاس سے ہر سُو نگراں ہے
کیا رحم ہے غصہ میں پر اب تک نہیں آتے
شکوے کے سخن دیکھو تو لب تک نہیں آتے

۷۶

رُکتے نہیں جب کھینچ کے تلوار بڑھے ہم
کر دیتے ہیں لشکر کی صفیں درہم و برہم
مجبور نہ سمجھو ہمیں اے فرقۂ اظلم
ان ہاتھوں میں طاقت اسدِ حق سے نہیں کم
ہم کوہ کو ہیں وقتِ وغا کاہ سمجھتے
جو شیر ہیں وہ تم کو ہیں روباہ سمجھتے

۷۷

کیا تم نہیں آگاہ گھرانے سے ہمارے
مشکل میں فرشتے بھی ہمیں کو ہیں پکارے
بجلی کے میری تیغ میں انداز ہیں سارے
مر جاؤ گے بن جنگ کیے خوف کے مارے
مثلِ شجرِ خشک نہ پُھولو گے نہ پھلو گے
اس تیغ کا سایہ جو پڑے گا تو جلو گے

۷۸

دادا ہے مرا دستِ خدا شافعِ محشر
گہوارے میں دو انگلیوں سے چیرا ہے اژدر
مشہور ہے آفاق میں افسانۂ خیبر
خالق نے عطا کی جسے شمشیرِ دو پیکر
کونین کا مختار شہنشاہِ نجف ہے
خورشید سے روشن شہِ مرداں کا شرف ہے

۷۹

بابا ہے میرا سبطِ نبیؐ دلبرِ زہراؑ
جبرِیل امیںؑ نے جسے جُھولے میں جُھلایا
رتبہ میری دادی کا ہے عالم پہ ہویدا
جس کے لیے اللہ نے کی خلق یہ دنیا
شرم آتی نہیں کچھ تمھیں زہراؑ و نبیؐ سے
کیا پاؤ گے تم قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ سے

۸۰

تم کیسے مسلماں ہو ذرا دل میں کرو غور
نانا کا پڑھو کلمہ نواسے پہ کرو جور
اک حال پہ رہتا نہیں دنیا کا کبھی دور
آج اور ہے حاکم یہاں کل ہوگا کوئی اور
دولت کے لیے کھوتا ہے ایماں کو حیا کو
کیا حشر میں دکھلاؤ گے منہ جا کے خدا کو

۸۱

یہ سن کے پکارا پسرِ سعد بد اختر
کیا سحر بیاں سحر بیاں ہے یہ گلِ تر
ہاں آئیں، کہاں ہیں وہ جوانانِ دلاور
لے لے کے بڑھیں تیر و کماں نیزہ و خنجر
اس کا بھی مٹے نام و نشاں باغِ جہاں سے
زندہ اسے جانے دو نہ خیمہ میں یہاں سے

۸۲

یوسف سے حسیں حسن میں یہ رشکِ قمر ہے
گلزارِ رسولِ عربیؐ کا گلِ تر ہے
آرامِ دلِ بانوئے بیکس یہ پسر ہے
شبیرؑ کی پیری کا عصا نورِ نظر ہے
دو اس کا بھی مرنے کا قلق شاہِ زمن کو
پامال کرو گھوڑوں سے اس رشکِ چمن کو

۸۳

جو صاحبِ اولاد تھے بولے وہ جفا کار
ہمشکلِ نبیؐ ہے شہِ مظلوم کا دلدار
اس پر نہیں ہاتھ اُٹھنے کا اپنا کبھی زنہار
غصے سے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
کیوں ڈرتے ہو تنہا شہِ بیکس کا پسر ہے
کچھ شام کے حاکم کا نہیں تم کو خطر ہے

۸۴

لے لے کے بڑھے نیزہ و شمشیر جفا جو
شمشیرِ علم کر کے بڑھے اکبرِ مہرو
ہلتے تھے ہوا سے رُخِ پُر نور پہ گیسو
مہکی ہوئی تھی چار طرف زلف کی خوشبو
مُنہ سُرخ ہُوا غیظ سے ابرو پہ بل آیا
چلّائی اجل زیست میں سب کے خلل آیا

۸۵

ہر قصرِ بدن تیغ شرر بار نے توڑا
سر شامیوں کا صاعقہ کردار نے توڑا
سینوں کو لعینوں کے جو رہوار نے توڑا
تھا شور کہ گھر کفر کا دیندار نے توڑا
ابرو پہ ہے بل غیظ سے اور چیں بہ جبیں ہے
اس تیغ سے صورت کوئی بچنے کی نہیں ہے

۸۶

چلتی تھی وہ تلوار کبھی تیغ زنوں پر
بڑھ بڑھ کے کبھی جاتی تھی ناوک فگنوں پر
چلتی تھی نئی چال سے اعدا کے تنوں پر
جاتی تھی ہر اک بات میں اک اک کے سرں پر (کذا)
عشوے تھے قیامت کے کرشمے تھے بلا کے
جاں لیتی تھی سو طرح کے انداز دکھا کے

۸۷

معشوق وہ بس ایک تھی عاشق تھا زمانا
ہار اس کے گلے کا بنی طالب جسے جانا
دشوار تھا اک ایک کو جاں اپنی بچانا
اک کھیل تھا اعدا کا لہو رن میں بہانا
رُکتی تھی نہ گردن پر نہ سینے پہ نہ زیں پر
جب خود پہ گرتی تھی ٹھہرتی تھی زمیں پر

۸۸
مغفر پہ جو آئی سر و گردن کو نہ چھوڑا
چار آئینہ کو دو کیا جوشن کو نہ چھوڑا
ٹکڑے کیا سینۂ دلِ دشمن کو نہ چھوڑا
اتری جو کمر کے تلے توسن کو نہ چھوڑا
پہنچا تھا کلائی سے جدا شانہ جدا تھا
سر تن سے جدا ہاتھ سے دستانہ جدا تھا

۸۹
مثلِ مہِ نو شام کے بادل میں جو چمکی
اعدا پہ گھٹا چھا گئی اندوہ و الم کی
ہر روح نے میدان سے لی راہ عدم کی
بولی یہ اجل اب نہ بچے فوج ستم کی
پیاسے ہیں یہ سب خونِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے
اے تیغ نہ باقی رہے سر تن پہ کسی کے

۹۰
ہے کوہِ گراں کاہ سے کمتر ترے آگے
تھم سکتا نہیں دیو بھی آکر ترے آگے
کیا مال ہے دو لاکھ کا لشکر ترے آگے
دو ہاتھ میں پسپا ہیں یہ خودسر ترے آگے
تو ثانیِ صمصامِ شہِؑ عقدہ کشا ہے
رتبہ ترا آفاق میں بجلی سے سوا ہے

۹۱
مشتاق ہوں میں اپنی صفائی مجھے دکھلا
صحرا میں بہا چار طرف خون کا دریا
باقی نہ رہے نام و نشاں فوجِ عدو کا
لے خونِ علمدار کا کفاروں سے بدلا
تو جائے گی جس جا میں تیرے ساتھ چلوں گی
سر کاٹے گی تو، روح کو میں جسم سے لوں گی

۹۲
سُن سُن کے اجل سے یہ کہا تیغ دو دم نے
تجھ پر نہیں ظاہر ہوئے جوہر ابھی میرے
اعدا کو مٹا دینے پہ میں آج ہوں درپے
کھل جائیں گے اب تجھ پہ ہنر جو کیے میں نے
باقی نہیں رہنے کا نشاں فوجِ عدو کا
طوفاں کوئی دم میں اب آتا ہے لہو کا

۹۳
بجلی کی طرح کوند کے جس غول پر آئی
گرتی ہوئی برقِ غضبِ حق نظر آئی
جب سَن سے چمک کر سوئے اہلِ سقر آئی
چو رنگ ہر اک شامی و کوفی کو کر آئی
سر خاک میں تن خون میں غلطاں ہوئے لاکھوں
شمشیرِ شرر ریز سے بے جاں ہوئے لاکھوں

۹۴
تھا خوف سے اک تہلکہ بیدادگروں میں
صف میں جو تلاطم تھا تو ہلچل تھی پروں میں
منہ اپنا چھپاتے تھے ستمگر سپروں میں
خنجر کے عوض رکھتے تھے ترکش کمروں میں
دہشت سے کوئی تیغ کے خاموش پڑا تھا
انگشت بدنداں کوئی حیرت سے کھڑا تھا

۹۵
ناگاہ بڑھا ایک جواں کھینچ کے تلوار
مکار نے کاندھے پہ لیا گرزِ گراں بار
ہیبت سے ستمگار کے تھرا گئے کفار
بیہودہ یہ کی یوسفِ شبیرؑ سے گفتار
دل شق ہے بہادر کا مری تیغ زنی سے
تھراتا ہے رستم مرے نیزے کی انی سے

۹۶
اکثر میں ہزاروں سے لڑا رن میں اکیلا
گر دیو بھی آئے مرے آگے نہیں ٹھہرا
مشہور ہے جرأت مری ملکوں میں ہر اک جا
چین و ختن و مصر و حلب شام و بخارا
ان شہروں میں جاتا ہوں میں شاہوں کی مدد کو
روباہ سمجھتا ہوں بیاباں میں اسد کو

۹۷
سُن سُن کے یہ فرمانے لگے اکبرِ ذی جاہ
کیوں لاف زنی کرتا ہے او کافرِ گمراہ
کیا میرے گھرانے سے ابھی تُو نہیں آگاہ
جرأت میں شجاعت میں ہمیں فرد ہیں واللہ
صفین کا خیبر کا نہیں حال سُنا ہے
تلوار کی کاٹ اپنی زمانے پہ عیاں ہے (کذا)

۹۸
رُکتا نہیں نیزہ مرا لاکھوں سے دمِ جنگ
گھس جاتا ہے جا کر دلِ فولاد ہو یا سنگ
دس بیس سے لڑنے کو سمجھتا ہوں سدا ننگ
اک وار میں راکب و مرکب تیرا چو رنگ
رستم نے مرے ڈر سے کفن پر نہ کیا ہے
آخر بتوں نے خط لکھ کے غلامی کا دیا ہے (کذا)

۹۹
دیکھے ہیں بہت ہم نے دریدہ دہن ایسے
کب سنتے ہیں ہم جنگ میں مہمل سخن ایسے
اکثر تہِ شمشیر ہوئے پیلتن ایسے
ککڑی کی طرح کٹتے ہیں فربہ بدن ایسے
صف رولتے ہیں ہم بھی جو اس گُر سے لڑے ہیں
وہ خاک پہ ٹکڑے تنِ ارزق کے پڑے ہیں

۱۰۰
آگاہ ہو میں ہوں پسرِ دلبرِ حیدرؑ
دادا نے اکھاڑا ہے ہمارے درِ خیبر
جس بیر الم میں تھے تہِ ارض جو اکفر
اس فرقۂ اکفر کو فنا کر دیا یکسر
رہ جائیں گے دل ہی کے ترے دل میں ارادے
تلوار اسی کے لیے ہے جس کو خدا دے

۱۰۱
کہتا ہے جو کچھ اس کو جو دکھلائے تو جانیں
اپنے ہُنر نیزہ کو بتلائے تو جانیں
تلوار لیے سامنے گر آئے تو جانیں
کھا کر کوئی زخم اپنا جو بچ جائے تو جانیں
کیا دیر ہے اب شیروں سے مردانہ وغا کر
گرجا ہے بہت کچھ تو برس برق دکھا کر

۱۰۲
یہ سُن کے وہ مردودِ ازل غیظ میں آیا
نیزہ بغضب گوشِ ولاور سے اٹھایا
اور متصل سینۂ انور اسے لایا
اکبرؑ نے اُسے تھام لیا اور یہ سنایا
حربہ کوئی اب اور لے بیکار ہے نیزہ
موذی ہے جو تیرے لیے بار ہے نیزہ

۱۰۳
جھٹکا دیا فرما کے یہ اس شیر جری نے
کھنچ آیا وہ گردن پہ یہ جنبش کی شقی نے
دکھلا دیا پستی کو جنابِ احدی نے
یہ حال ستمگر کا کیا بے ازلی نے
نیزہ جو چھٹا ہوش اڑے بانیِ شر کے
ہنسنے لگے سب خورد و کلاں فوجِ عمر کے

۱۰۴
پھر جوش میں آ گُرز کو ہاتھوں میں اٹھایا
اور تان کے شہزادے کے سر پر اُسے لایا
یاں میاں سے شمشیر نے جلوہ جو دکھایا
بس گرزِ ستمگر کا دو پارا نظر آیا
بالائے زمیں پھینک دیا گرزِ گراں کو
کاندھے سے لیا پھر ستم آرا نے کماں کو

۱۰۵
ترکش سے ابھی تیر نہ کھینچا تھا شقی نے
[1] . . . . . . فرسِ سبطِ نبیؐ نے
جو واہ کا نعرہ کیا ہر جن و پری نے
اور چھین لی کجرو سے کماں شیرِ جری نے
غل پڑ گیا کیا زور چلے پیر و جواں کا
فرزند ہے یہ خسروِ قوسین و مکاں کا

۱۰۶
کٹ کٹ گیا جھپ جھپ گیا غیرت سے وہ ناری
بس کھینچ لی شمشیرِ دو دم بھر کے کراری
چیخا کہ صدر و سینہ ہے بازی کا ھماری
فرمایا کہ ضربیں تیری رد ہوئیں گی ساری
یہ شیر ہے میدانِ وغا چھینے گا ظالم
ہر ضرب میں ہارا ہے تو کیا جیتے گا ظالم

۱۰۷
تو کھینچ لے اب تیغوں کی اور جنگ کی تصویر
شہزادہ کی اور اس یلِ سرہنگ کی تصویر
کاٹھی سے کھنچے برقِ شرر رنگ کی تصویر
دہشت سے شقی بن گیا خود سنگ کی تصویر
رُکنے کا نہیں وارِ شجاعِ ازلی کا
وہ ثانیِ مرحب ہے یہ پوتا ہے علیؑ کا

۱۰۸
اک جا وہ دبا تیغِ شرر دم کے جو ڈر سے
سر جسم سے اور جسم جُدا ہو گیا سر سے
بازو ہوئے شانوں سے الگ سینہ کمر سے
وہ مر گیا چار آئینہ لپٹا رہا بر سے
پُرخوں سرِ زمیں پر تن و سر بہہ گیا اس کا
تابوت میں لوہے کے فقط سینہ تھا اس کا

۱۰۹
اسفل کا یہ احوال جو دیکھا سرِ زیں پر
پٹکا وہیں گھوڑے سے الف ہو کے زمیں پر
اکبرؑ نے جو کی پھر کے نظر فوجِ لعیں پر
فرمایا کہ لو برق گری دشمنِ دیں پہ
ضربت کا نیا رنگ نہ دیکھا ہو تو دیکھو
ہاں قبل کا چو رنگ نہ دیکھا ہو تو دیکھو

۱۱۰
اب حال شہادت کا مفصل ہے یہ تحریر
اس دھوپ میں ٹھہری جو مدد روک لی شمشیر
پیاس اور فزوں ہو گئی حالت ہوئی تغیر
افسوس کہ گرد آ گئی سب فوج چلے تیر
اب جنگ ہو کیا اس قمرِ برجِ شرف سے
فوارۂ خوں بہنے لگا چار طرف سے

۱۱۱
اس حال پہ اک ثانیِ شیطاں یہ پکارا
سب لوگ کریں چشمۂ سرورؑ کا نظارا
اُلفت نے ہی اس شخص کی سب کنبہ کو مارا
اک بی بی وہ آتی ہے گریباں کیے پارا
یہ سنتے ہی اکبرؑ کا پھرا منہ اجل آئی
نیزہ کی اَنی پشت سے باہر نکل آئی

[1] کرم خوردہ

۱۱۲
چلّائے کہ یا ابنِ امیرِ عرب آؤ
مارا مجھے ظالم نے شہِ تشنہ لب آؤ
ناری نے دغا کی شہِ عالی نسب آؤ
دم تن سے نکلنے پہ ہے للہ اب آؤ
ہے زخم کلیجہ میں جو دیر آؤ گے بابا
زندہ مجھے تم آکے نہ پھر پاؤ گے بابا

۱۱۳
یہ سنتے ہی دل تھام کے کہنے لگے سرور
ہم آئے نہ گھبرائیو بیٹا علی اکبرؑ
یہ کہتے ہُوئے خیمہ سے دوڑے شہِ مضطر
آنکھوں سے نہیں سوجھتا ڈھونڈوں تمھیں کیونکر
ریتی پہ تڑپتے ہو کہ مقتل میں پڑے ہو
اے شیر مرے کون سے جنگل میں پڑے ہو

۱۱۴
دل ہاتھوں سے پکڑے ہوئے فرماتے تھے ہر دم
مرجائے جواں تم سا پسر اور جئیں ہم
اللہ نہ دے باپ کو بیٹے کا کبھی غم
اے جان نکل تو بھی کہ اب غیر ہے عالم
رفتار کی طاقت نہیں اندوہ والم سے
بارِ غمِ فرزند نہیں اٹھنے کا ہم سے

۱۱۵
بیتاب ہوں آواز سناؤ علی اکبرؑ
کس جا ہو پڑے خوں میں نہائے ہوئے دلبر
اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے صفدر
اے راحتِ جاں قوّتِ دل اے مہِ انور
جیتے ہو کہ دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
اے شیر ڑیاں غش میں ہو یا مرگئے بیٹا

۱۱۶
آواز نہ جب آئی تو پھر رو کے پکارے
اے دشت بتا دے تو ہی ضیغم کو ہمارے
زندہ ہے وُہ یا مرگیا ہے پیاس کے مارے
پہنچے ہیں اس اندوہ سے ہم گور کنارے
شبیرؑ کدھر ڈھونڈنے کو لاش پہ جائے
جینے کا مزہ کچھ نہیں جب نورِ نظر جائے

۱۱۷
پھر رو کے لعینوں سے یہ بولے شہِؑ دلگیر
اندھیر ہے آنکھوں میں جہاں حال ہے تغیر
بتلاؤ تم ہی گم ہوا ہے یُوسفِ شبیرؑ
ہے دھوپ میں یا سایہ میں وہ صاحبِ توقیر
اس وقت نہیں مجھ کو خبر اپنے پسر کی
دکھلا دو مجھے شکل میرے نورِ نظر کی

۱۱۸
ہر سمت کو ڈھونڈا مگر اکبرؑ کو نہ پایا
پُوچھا بہت اعدا سے کسی نے نہ بتایا
بے دینوں نے مظلوم کو سیّد کو ستایا
مہماں پہ کیے ظلم و ستم رحم نہ آیا
بیتاب ہوئے جب نہ ملا لاشۂ اکبرؑ
سمجھے کہیں پامال ہوا لاشۂ اکبرؑ

۱۱۹
ہمشکلِ پیمبرؐ کی صدا آئی یہ اک بار
ریتی پہ تڑپتا ہُوں اِدھر یا شہِؑ ابرار
جلد آکے خبر لیجئے اے گُل کے مددگار
اب سر کو میرے کاٹنے آتے ہیں ستمگار
محروم رہا آپ کو ایک بار نہ دیکھا
حسرت ہے کہ ماں بہنوں کا دیدار نہ دیکھا

۱۲۰

اٹکا ہے مرے سینہ میں دم یا شہؑ صفدر
پیاسا ہے چلا آپ کا خادم سوئے کوثر
سنتے ہی صدا دوڑے ادھر سبطِ پیمبرؐ
پہنچے جو قریں لاش کے با حالتِ مضطر
دیکھا کہ ستمگار تو چو گرد کھڑے ہیں
اور بیچ میں ہمشکل نبیؐ غش میں پڑے ہیں

۱۲۱

فرزند کے لاشے کو لیا گود میں شہؑ نے
بھر آیا جو دل اشک لگے چہرے پہ بہنے
منہ منہ سے ملا اور لگے بیٹے سے کہنے
دنیا میں اجل نے نہ دیا آپ کو رہنے
پھولا نہ پھلا ہائے ترا باغِ جوانی
بابا کو ضعیفی میں دیا داغِ جوانی

۱۲۲

اے لال تری چاند سی صورت کے میں صدقے
اے گیسوؤں والے تری شوکت کے میں صدقے
اے نازوں کے پالے تری ہمت کے میں صدقے
اس زخم کے اس پیاس کی شدت کے میں صدقے
اعدا کو ترس تجھ پہ نہ آیا میرے پیارے
نیزہ ترے سینہ پہ لگایا میرے پیارے

۱۲۳

بھیگیں نہ مسیں سال نہ یہ خیر سے گزرا
شادی بھی نہ کی اور ترا سہرا بھی نہ دیکھا
ناشاد گئے گلشنِ فردوس کو تنہا
پھولا نہ پھلا ہائے میرا نخلِ تمنا
کیا کہہ کے تمھیں روؤں بتاؤ علی اکبرؑ
حسرت ہے پھر آواز سناؤ علی اکبرؑ

۱۲۴

ہے ہے میرے یوسف میرے عاشق میرے دلبر
ہے ہے میرے خورشید میرے ماہِ منور
ہے ہے میرے پیارے میرے ہمشکلِ پیمبرؐ
ہے ہے تیری اس شکل کے قربان ہو مادر
لاش آئی مرے لال نہ جیتی تری رن سے
جاری ہے لہو زخموں کا اب تک سر و تن سے

۱۲۵

فرما کے یہ گھوڑے پہ اسے شاہ نے ڈالا
اور واں سے چلا فاطمہؑ کی گود کا پالا
پہنچے جو قریں خیمہ کے روتے شہِؑ والا
دم توڑ کے بس مر گیا وہ نازوں کا پالا
شہؑ نے کہا دنیا سے سفر کر گئے اکبرؑ
اے بیبیو! ہم جیتے رہے مر گئے اکبرؑ

۱۲۶

یہ سنتے ہی دوڑے حرمِ سبطِ پیمبرؐ
اور آن کے استادہ ہوئے خیمہ کے در پر
شبیرؑ کی گودی سے لیا لاشۂ اکبرؑ
مسند پہ لٹایا اسے پھر خیمہ کے اندر
بانوؑ نے کہا ہائے یہ کیا کر گئے اکبرؑ
میدان سے جیتے نہ پھرے مر گئے اکبرؑ

۱۲۷

اے لال ذرا ہاتھ تو سینہ سے اٹھاؤ
صدقے ہو یہ ماں زخمِ کلیجہ کا دکھاؤ
بہتا ہے لہو قلب کا احوال سناؤ
دل پہ جو گزرتی ہے کہو اب نہ چھپاؤ
یہ پھول سا رخ پیاس سے کملا گیا ہے ہے
کاری یہ لگا زخم کہ غش آ گیا ہے ہے

۱۲۸
کہتی تھی سکینہ میرے بھیا علی اکبرؑ
کیوں ہاتھ ہو چھاتی پہ دھرے صدقے ہو خواہر
آواز سناؤ میرے ماں جائے برادر
یہ گل سی قبا خون میں کس طرح ہوئی تر
کیوں گیسوؤں میں گرد بیاباں کی بھری ہے
ڈھلکی ہوئی گردن تری یکسو نہ دھری ہے

۱۲۹
بھیا میں کسے کہہ کے پکاروں گی بتاؤ
بھیا مجھے بُو گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
بھیا مجھے آفت سے غریبی کی بچاؤ
بھیا ہمیں جنگل میں نہ یُوں چھوڑ کے جاؤ
فرقت میں تمھاری ہمیں آرام نہیں ہے
رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے

۱۳۰
اے شیرِ اولوالعزم دلاور ترے صدقے
اے گلشنِ حیدرؑ کے گلِ تر ترے صدقے
اے صف شکن اللہ کے غضنفر ترے صدقے
اے میرے جواں مرگ برادر ترے صدقے
پیاسے ہی جہاں سے لبِ کوثر گئے پیارے
اب کون دلاسا ہمیں دے مر گئے پیارے

۱۳۱
کُرتے سے لہو بھائی کے چہرے سے چھڑا کر
منہ رکھتی تھی رخساروں پہ اشکوں کو بہا کر
کہتی تھی تم آئے ہو یہ کیا شکل بنا کر
للہ ہمیں لے چلو گودی میں اٹھا کر
پردیس میں ماں جائی سے منہ موڑ چلے ہو
بابا کی ضعیفی میں کمر توڑ چلے ہو

۱۳۲
بھیا تری اس خوں بھری صورت کے تصدق
بھیا ترے سینہ کی جراحت کے تصدق
ہمشکلِ نبیؐ تیری محبت کے تصدق
اس حلم کے اس خُلق و مروت کے تصدق
یہ چاند سی صورت تری جب یاد کروں گی
بلبل کی طرح نالہ و فریاد کروں گی

۱۳۳
اس بَین سے اک حشر ہوا خیمہ میں برپا
سجادؑ کو ہوش آیا جو غش سے تو یہ پوچھا
کیوں صاحبو رونے کا سبب کچھ نہیں کھلتا
کیا داغِ غمِ بے پدری دے گئے بابا
ماں رو کے پکاری مرے دلبر نے قضا کی
لو دیکھ لو بیٹا علی اکبرؑ نے قضا کی

۱۳۴
یہ سنتے ہی صدمہ ہوا منہ کو جگر آیا
تھا ضعف مگر آپ کو بستر سے اٹھایا
بیمار عصا تھامے ہوئے لاش پہ آیا
یُوں روتے کہ افلاک کو بھی ساتھ رُلایا
کانپے جو قدم بیٹھ گئے خاک کے اُوپر
منہ رکھ دیا جھک کر تنِ صد چاک کے اُوپر

مرثیہ

خورشید نے کھولا جو بیاضِ سحری کو

۱
خورشید نے کھولا جو بیاضِ سحری کو
ضو نور نے بخشی فلکِ نیلوفری کو
دو روز کی تھی پیاس عدم کے سفری کو
پانی نہ ملا مالکِ خشکی و تری کو
غل تھا کہ ہوا ظلم کی اس بن میں چلی ہے
یہ صبح شبِ قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۲
ہاں روزِ قیامت سے نہیں کم یہ سحر ہے
آئینۂ روئے الم و غم یہ سحر ہے
ماتم کے لیے باعثِ ماتم یہ سحر ہے
بے نور رُخِ محفلِ عالم یہ سحر ہے
یہ دفترِ عالم کے اُلٹ جانے کا دن ہے
یہ بحرِ امامت پہ زوال آنے کا دن ہے

۳
وہ صبحِ غم انگیز جو تھی چاک گریباں
مغموم تھی سب انجمنِ عالمِ امکاں
گردوں پہ بھی ماتم کا نظر آتا تھا ساماں
تھرّاتا تھا سر کھولے ہوئے نیّرِ تاباں
بے چین تھے دل فاطمہ زہراؑ کی بُکا سے
ہے ہے کی صدا آتی تھی جنگل کی ہوا سے

۴
ہر مرغِ چمن باغ میں سرگرمِ فغاں تھا
سرو لبِ جو شکلِ ماتم کا نشاں تھا
پژمُردہ و افسردہ تھا جو پھُولِ جہاں تھا
ہر برگ بہ رنگِ دلِ مسموم تپاں تھا
سر کھولا تھا خاتونِ جناں نے جو سحر سے
آہوں کا دُھواں اٹھتا تھا سنبل کے جگر سے

۵
پھُولوں نے گریبانوں کو پھاڑا تھا جو غم سے
گلشن میں اداسی تھی جو اعدا کے ستم سے
سب ڈالیاں جھک جھک گئی تھیں بارِ الم سے
نرگس تھی بہ حسرت نگراں دیدۂ نم سے
ہر مرتبہ سرگرمِ فغاں ہوتی تھی بلبل
غنچوں کے جگر پھٹتے تھے یوں روتی تھی بلبل

۶
نہریں ہمہ تن اشک تھیں گلشن ہمہ تن درد
پھُولوں کے سروں پر جو اڑاتی تھی صبا گرد
رہ رہ کے ہوا صبح کی بھرتی تھی دمِ سرد
خوبانِ چمن تھے صفتِ کاہ رُبا زرد
لالے میں تراوت نہ تبسم گلِ تر میں
کانٹا غمِ سرور کا کھٹکتا تھا جگر میں

۷
بلبل نے تو پھولوں کے بھی تھے ہوش اڑائے
اس شاخ پہ نالہ کیا واں اشک بہائے
ہر بار فغاں تھی کہ دن اب قہر کے آئے
ان باغیوں کو خاک میں اللہ ملائے
پیاسے کو اماں ظلم کے بانی نہیں دیتے
زہراؑ کے گل اندام کو پانی نہیں دیتے

۸

گلزارِ جہاں میں تو قیامت یہ بپا تھی
بُستانِ محمدؐ میں ادھر آہ و بُکا تھی
اک حشر تھا خیمہ میں یہ رونے کی صدا تھی
سر کھولے ہوئے بنتِ شہِ عقدہ کشا تھی
جنگل میں ادھر اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہراؑ
گردوں پہ ملک روتے تھے یوں روتی تھی زہراؑ

۹

نوحہ تھا کہ چلتی ہے چھری میرے جگر پر
پردیس میں آتی ہے تباہی مرے گھر پر
فریاد کہ میں خاک ہوں ڈالے ہوئے سر پر
ٹوٹا ہے مصیبت کا فلک میرے پسر پر
یا شیرِ خدا دشت میں پیاسے کی خبر لو
یا ختمِ رسلؐ اپنے نواسے کی خبر لو

۱۰

کس سے کہوں یہ حال دُہائی ہے دُہائی
گل ہوں کہیں پامال دہائی ہے دُہائی
بکھراتی ہوں میں بال دہائی ہے دُہائی
پیاسا ہے مرا لال دہائی ہے دُہائی
نازوں کا پلا ذبح کی تکلیف سہے گا
اب عصر کو بھی خون نمازی کا بہے گا

۱۱

حضرت نے صلوٰۃِ سحری جبکہ ادا کی
خالق سے مناجات بصد عجز و بکا کی
تسبیح پڑھی بنتِ رسولؐ دوسرا کی
امت کے لیے بعد فریضہ کے دعا کی
فرمایا کہ یہ آخری طاعت ہے ہماری
اے صبح بس اب تجھ سے بھی رخصت ہے ہماری

۱۲

نوروز اس طرح سے آئیں گے جہاں میں
روزوں کو نمازوں کو جگائیں گے جہاں میں
سب کو رُخِ پُرنور دکھائیں گے جہاں میں
پر ہم کو کسی روز نہ پائیں گے جہاں میں
ہے کون جو غم میں مرے مغموم نہ ہوگا
اس شام کو اے صبح یہ معصوم نہ ہوگا

۱۳

فرزندِ یداللہ کی رحلت کا یہ دن ہے
ناموسِ محمدؐ پہ مصیبت کا یہ دن ہے
عاشورِ محرم ہے قیامت کا یہ دن ہے
اے صبح ہماری تری فرقت کا یہ دن ہے
ہو جائے گی بس آج جدائی تن و جاں میں
ہم تین پہر اور ہیں مہمان جہاں میں

۱۴

یہ کہہ کے گئے خیمہ میں سلطانِ حجازی
سجنے لگے ہتھیار ادھر صفدر و غازی
فردوس کے جویا تھے وہ ابرار نمازی
تھی شاہ کی جس پر نظرِ بندہ نوازی
یوں چاند فلک پر کبھی تاروں میں نہ نکلے
اک اُن سا جری لاکھ سواروں میں نہ نکلے

۱۵

وہ چاند سی پیشانیاں وہ نورِ عبادت
گھیرے تھی انھیں روشنیِ طورِ عبادت
سب اُن سے عیاں ہوتے تھے دستورِ عبادت
مشتاقِ اجل شیفتۂ حورِ عبادت
فاقوں میں لڑے لاکھوں سے غازی ہوں تو ایسے
سجدے کیے تیغوں میں نمازی ہوں تو ایسے

۱۶
عجلت تھی ہر اک کو کہ شریکِ شہدا ہوں
سر دے کے حقوقِ شہِ ذیشاں سے ادا ہوں
تلواروں سے تن چُور ہوں سر تن سے جدا ہوں
بے تاب کہ جلدی کہیں آقا پہ فدا ہوں
سمجھے ہوئے تھے بارِ گراں دوش پہ سر کو
اک آن میں طے کر گئے جنّت کے سفر کو

۱۷
ہتھیار لگا کر درِ دولت پہ سب آئے
شیدائے جگر بندِ امیرِ عرب آئے
گویا کہ ملائک طرفِ عرشِ رب آئے
پڑھتے ہوئے نصرت کی دعا تشنہ لب آئے
روشن تھی زمینِ دشت کی چہروں کی چمک سے
غل تھا کہ ستارے اُتر آئے ہیں فلک سے

۱۸
اِستادہ ادب سے ہوئے ڈیوڑھی پہ وہ صفدر
ستے میں ہر اک بُوذرؓ و سلمانؓ کے برابر
غل تھا کبھی دیکھا نہیں اس شان کا لشکر
مقدادؓ کوئی ان میں کوئی مالکِ اشترؓ
آقائے دو عالم کی اطاعت پہ نظر تھی
اک صف درِ دولت کے اِدھر ایک اُدھر تھی

۱۹
وہ ولولۂ جنگ وہ چہروں کی بشاشت
وہ اوج وہ اجلال وہ ہمت وہ شجاعت
وہ رُعب وہ اقبال وہ شوکت وہ شہامت
وہ حُسن وہ صولت وہ تہوّر وہ جلالت
ہنگامِ وغا لاکھوں کے منہ موڑ کے دم لیں
لوہے کی صفیں ہوں تو انھیں توڑ کے دم لیں

۲۰
تھے ایک طرف جمع یگانے شہِ دیں کے
افلاک کے سردار تو مختار زمیں کے
سرتاج نبیؐ جس کے قدم عرشِ بریں کے
لاریب کہ سُورے تھے وہ قرآنِ مبیں کے
حقا کہ زمانہ میں وہی جانبِ حق تھے
کیونکر نہ ہو سب مصحفِ ناطق کے ورق تھے

۲۱
خورشیدِ کرم عرشِ ہدایت کے ستارے
کرتے تھے ملک عرش سے اُن سب کے نظارے
زہراؑ و نبیؐ و اسدُاللہ کے پیارے
حیدرؑ کے ہر اک شیر میں انداز تھے سارے
کس حُسن سے داران کے ہزاروں پہ چلے تھے
سب بیشۂ ضرغامِ الٰہی میں پلے تھے

۲۲
وہ وقتِ سحر اور وہ ان پھولوں کی خوشبو
جاتی تھی چمک جن کے تنِ پاک کی ہر سُو
گلبرگ سے لب سروِ رواں قامتِ دلجُو
عنبر کو بھی نسبت نہیں کچھ جن سے وہ گیسو
گلدستہ تھا کوئی ان میں کوئی غنچہ دہن تھا
جن پھولوں کے عاشق تھے محمدؐ وہ چمن تھا

۲۳
وہ قلب کہ رستم کی شجاعت کو نہ سمجھیں
وہ زور کہ ضیغم کی بھی طاقت کو نہ سمجھیں
وہ اوج کہ افلاک کی رفعت کو نہ سمجھیں
وہ شیر کہ لاکھوں کی حقیقت کو نہ سمجھیں
گردوں کے الٹ دینے میں وسواس نہ ہوتا
پھر دیکھتے اُمت کا اگر پاس نہ ہوتا

۲۴

وہ نورِ نبی چہروں پہ وہ حُسنِ خداداد
وہ قد کہ نہ قمری ہو کبھی مائلِ شمشاد
وہ حُسن کہ جس حسن سے گھر حسن کا آباد
وہ رُخ کہ جہاں شمس و قمر بندۂ آزاد
حُسنِ یدِ بیضا تھا ہتھیلی کی صفا میں
منہ دیکھ لو آئینۂ نقشِ کفِ پا میں

۲۵

مہرو کوئی گلرو کوئی، کوئی سمن اندام
گل پیرہن و خوش قد و خوش رو و خوش انجام
غنچہ دہن و گلبدن و مہوش گلفام
وہ گیسو و رُخ دیکھتے جن کو سحر و شام
اقبالِ سپاہِ شہِ والا تھا انھیں سے
دنیا میں اگر تھا تو اجالا تھا انھیں سے

۲۶

وہ حُسنِ دل افروز جنابِ علی اکبرؑ
وہ دبدبۂ حضرتِ عباسؑ دلاور
جس کے رُخِ روشن سے عیاں حُسنِ پیمبرؐ
گویا کہ دعا کے لیے آمادہ تھے حیدرؑ
غازی کے قدم پر سرِ اقبال و حشم تھا
اس دوش پہ تیغ اُس پہ محمدؐ کا علم تھا

۲۷

وہ دبدبۂ نورِ رُخِ قاسمؑ ذی شاں
جس پھول کی خوشبو سے مہکتا تھا بیاباں
سب رعبِ حسنؑ دیدۂ حق بیں سے نمایاں
وہ دستِ حنائی کہ خجل پنجۂ مرجاں
دو سمت سرے دوش پہ شملے کے پڑے تھے
گویا حسنؑ سبز قبا رن میں کھڑے تھے

۲۸

تھے ایک طرف مسلمؑ مظلوم کے فرزند
چہروں کی ضیا آئینۂ مہر سے دہ چند
اکبرؑ کے پس پشت تھے زینبؑ کے جگر بند
تھراتے تھے جن سے جوانانِ تنومند
ہلتی تھی زمیں ابروؤں میں بل جو پڑے تھے
دو شیر کے بچے عقبِ شیر کھڑے تھے

۲۹

یہ عزم کہ اکبرؑ ہمیں رخصت جو دلا دیں
آئینۂ شمشیرِ شجاعت کو جلا دیں
یہ فوج تو کیا چیز ہے ابرو جو ہلا دیں
گردوں کے طبق خاک کے طبقوں سے ملا دیں
سب دبتے ہیں جن سے وہ شجاعِ ازلی ہیں
جعفرؑ ہیں جلالت میں شجاعت میں علیؑ ہیں

۳۰

ڈیوڑھی پہ مسلح تھے ادھر شہؑ کے موالی
تھا بیچ میں ناموس کے وہ خلق کا والی
غل تھا کہ محمدؐ کا گھر اب ہوتا ہے خالی
چھاتی سے لگائے تھے بہن کو شہِ عالی
رقت کا یہ تھا جوش کہ جی کھوتے تھے شبیرؑ
منہ دوش پہ زینبؑ کے دھرے روتے تھے شبیرؑ

۳۱

سمجھاتے تھے رو کر کہ بہن بھائی ہے مجبور
میں کیا کروں زینبؑ یہی خالق کو ہے منظور
گہ غم کبھی شادی یہی دنیا کا ہے دستور
گہ پاس عزیزوں کے ہے انساں تو کبھی دور
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ آوارہ وطن ہو
ہم ذبح ہوں اور آپ کی گردن میں رسن ہو

۳۲
فرماتے یہ خیمہ سے برآمد ہوئے سرورؑ
یا برج شرف سے نکل آیا مہِ انور
پردے سے ہوئی صاف عیاں قدرتِ داور
مشرق سے نمودار ہوا نیرِ اکبر
خنداں ہوئے گل، غنچۂ امید کو دیکھا
جاں آگئی ذروں میں جو خورشید کو دیکھا

۳۳
مجرے کو جھکے قبلۂ دارین کے انصار
کونین کا سرتاج ہوا گھوڑے پہ اسوار
آگے ہوئے عباسؑ علم کھول کے اک بار
غل تھا کہ خوشا بخت و زہے رتبۂ سردار
یوں مرنے پہ کمریں کوئی لشکر نہ کسے گا
جنت کا چمن بھی انھیں پھولوں سے بسے گا

۳۴
ہاں دیکھ لے اے بادِ بہاری یہ سواری
دکھلاتی ہے اک قدرتِ باری یہ سواری
اللہ کے پیاروں کی ہے پیاری یہ سواری
پیدل ہیں بنی ہے وہ سواری یہ سواری
انجم میں نہ یہ نور نہ خورشید کی ضو میں
گھوڑے تھے کہ پریاں تھیں سلیماںؑ کے جلو میں

۳۵
جنگاہ کا رستہ روشِ خلدِ بریں ہے
خورشید کو بھی طاقتِ نظارہ نہیں ہے
ذرے ہیں ستارے یہ فلک ہے کہ زمیں ہے
سردار عجب شان سے زینتِ دہ زیں ہے
اعلیٰ ہے بزرگی میں یہ سب تاج وروں سے
یاں حضرتِ جبریل مگس راں ہیں پروں سے

۳۶
پڑھتی ہے درود ان پہ زمیں دشتِ بلا کی
چلاتے ہیں قدسی کہ یہ قدرت ہے خدا کی
کوسوں ہے مہک باغِ رسولِؐ دوسرا کی
ہاں کر لو زیارت پسرِ عقدہ کشا کی
مشتاق ملائک ہیں ہر اک غنچہ دہن کے
فردوس میں گل جاتے ہیں زہراؑ کے چمن کے

۳۷
مقتل کو کیا لشکرِ دیں نے جو سرافراز
کس شان سے استادہ ہوئے رن میں وہ جانباز
خود اپنی بزرگی پہ زمیں کرنے لگی ناز
چہروں کی تجلی سے جہاں ہو گیا ممتاز
غل تھا شب مہتاب میں یہ روپ نہیں ہے
سونے کی زمیں بن گئی ہے دھوپ نہیں ہے

۳۸
ہونے بھی نہ پائی تھیں صفیں یاں کی مرتب
تیر آنے لگے فوجِ مخالف سے ادھر جب
جو طبل بجا رن سے بڑھے اہلِ ستم سب
آقا سے حبیبؓ ابنِ مظاہر نے کہا تب
اب مستعدِ قتل ادھر اہلِ جفا ہیں
کیا حکم ہے سب منتظرِ اذنِ وغا ہیں

۳۹
فرزندِ یداللہ کا پایا جو اشارا
اک ایک اولی العزم ہوا معرکہ آرا
پسپا کیا سرداروں کو روداروں کو مارا
دو لاکھ کا لشکر متفرق ہوا سارا
آجر اُن کو شہادت کا ملا راہِ خدا میں
دم نکلے تو آغوشِ امامِ دوسرا میں

۴۰

جس وقت گلستانِ علیؑ ہو چکا پامال
رخصت ہوئے پھر شہؑ کے عزیزانِ خوش اقبال
مارے گئے جب مسلمِؑ ذی جاہ کے دو لال
تھا غم سے جگر بندِ پیمبرؐ کا عجب حال
یوں روتے تھے لاشوں پہ ہر اک خستہ جگر کے
جس طرح سے ماں روتی ہے ماتم میں پسر کے

۴۱

جب شاہ پھرے ان کو شہیدوں میں لٹا کر
پھر بہرِ وغا رن سے بڑھی فوجِ ستمگر
بے تاب ہوئے زینبؑ ذیجاہ کے دلبر
بل کھانے لگے غیظ سے گیسوئے معنبر
غصے میں نکلنے لگیں تیغیں جو کمر سے
دیکھا سپہِ شام کو شیروں کی نظر سے

۴۲

پاسِ ادبِ شاہ سے سر اپنے جھکائے
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو قریں ماموں کے آئے
کچھ سوچ کے اشک آنکھوں سے حضرت نے بہائے
سر رکھ کے قدم پر یہ سخن لب پہ وہ لاتے
ہم اس درِ دولت کے نمک خوار ہیں آقا
بس اب تو شہادت کے طلب گار ہیں آقا

۴۳

کرتے ہیں مبارز طلبی رن میں ستمگر
غیرت سے موئے جاتے ہیں ہم یا شہِؑ صفدر
معلوم ہے سب کو کہ یہ جعفرؑ کے ہیں دلبر
ہم بھی تو بزرگوں کے دکھائیں انھیں جوہر
کوثر کی ہے خواہش ہوسِ خلد بریں ہے
بے سر دیے اب چین غلاموں کو نہیں ہے

۴۴

چھاتی سے لگا کر انھیں کہنے لگے سرورؑ
پیارو تمھیں مرنے کے لیے بھیجوں میں کیونکر
چھوٹے نے یہ کی عرض کہ یا سبطِ پیمبرؐ
مارے نہ گئے گر تو نہ منہ دیکھیں گی مادر
حسرت ہے کہ آقائے دو عالم پہ فدا ہوں
ڈرتے ہیں کہ اماں نہ کہیں ہم سے خفا ہوں

۴۵

یاں ذکر یہ تھا اور وہاں زینبِؑ بے پر
تھی صحن میں خیمہ کے سراسیمہ و مضطر
اشک آنکھوں میں اور دوش پہ ڈھلکی ہوئی چادر
یہ سوچ کہ مارے گئے مسلمؑ کے بھی دلبر
بِن باپ کے بچے تو سفر کر گئے پہلے
ہے ہے مرے فرزند نہ کیوں مر گئے پہلے

۴۶

سمجھاتے ہیں دونوں کے کٹی ہے مجھے یہ شب
کیا پیچ پڑا ان کے نہ مرجانے کا یارب
جو میں نے کہا تھا وہ فراموش کیا سب
ہے ہے مجھے بیٹوں نے کہیں کا نہ رکھا اب
راحت الم و غم سے کوئی آن نہیں ہے
گھر لٹتا ہے جانے کا انھیں دھیان نہیں ہے

۴۷

دعوئے غلامی تو امام دوسرا سے
جعفرؑ کے تو پوتے اسدِ حق کے نواسے
اور قتل نہ رن میں ہوئے دو روز کے پیاسے
ایسے تو جری اور نہ لڑیں اہلِ جفا سے
یہ معرکے ان کے لیے ہر چند نئے ہیں
پھر نیمچے کیوں باندھ کے خیمہ سے گئے ہیں

۴۸

آگے تو یہ آپس میں کہا کرتے تھے ہر آن
ہو جائیں گے ہم قبلۂ کونین پہ قربان
جب آیا وہ دن اور ہوا جنگ کا سامان
نہ زخم ہی کھائے نہ ہوئے خوں میں غلطان
شرمندہ کیا مجھ کو شہنشاہِ زمن سے
مرنا تھا نہ منظور تو کیوں آتے وطن سے

۴۹

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ امامِ زمن آئے
ہمراہِ پدر اکبرِ شیریں سخن آئے
جب صحن میں شبیرؑ غریب الوطن آئے
دوڑے ہوئے زینبؑ کے بھی گل پیرہن آئے
اشکوں سے رُخِ پاک کو دھونے لگی زینبؑ
شبیرؑ کا منہ دیکھ کے رونے لگی زینبؑ

۵۰

پہلے تو پھری گردِ برادر وہ دل افگار
پھر لے کے بلائیں علی اکبرؑ کو کیا پیار
بیٹوں پہ جو زینبؑ کی نظر جا پڑی اک بار
دیکھا کہ جھکاتے ہیں سروں کو وہ خوش اطوار
رُخ زرد ہیں دل خوف سے سینوں میں تپاں ہیں
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو ہیں اور اشک رواں ہیں

۵۱

پُرسے کو جو رانڈوں کے بڑھے سیّدِ ذیجاہ
بیٹوں سے یہ کہنے لگی بنتِ اسد اللہ
تم دونوں نے کیا خوب مجھے شاد کیا واہ
میں نے تمھیں پالا تھا اسی دن کے لیے آہ
سرسبز کے تم دونوں گل اندام نہ آئے
کس کام کے ماموں کے اگر کام نہ آئے

۵۲

کیا کرتے تھے کن باتوں میں تھے محو سحر سے
کیوں لی نہ رضا رن کی شہِ جن و بشر سے
یہ غم ہے کہ اٹھتا ہے دھواں مرے جگر سے
کیا جان بچانے کے لیے آئے تھے گھر سے
نہ ہاتھوں کو جوڑا نہ رضا لینے میں کد کی
سب مر چکے اور تم نے نہ ماموں کی مدد کی

۵۳

تب لطف تھا جب رن میں گلے پہلے کٹاتے
نقشہ اسدِ حق کی لڑائی کا دکھاتے
تن تن کے انھیں چھاتیوں پہ خوں بہاتے
میداں سے ادھر خوں میں ڈوبے ہوئے آتے
سب کہتے کہ ان بچوں پہ رحمت ہو خدا کی
گو عمر میں چھوٹے تھے مگر خوب وغا کی

۵۴

غصے میں جو زینبؑ نے یہ کی بیٹوں سے تقریر
بس کانپ کے رونے لگے وہ صاحبِ توقیر
زینبؑ سے یہ تب کہنے لگے اکبرِ دلگیر
واللہ پھوپھی جان کچھ ان کی نہیں تقصیر
مرنے پہ بڑی دیر سے تیار ہیں دونوں
رخصت نہ ملی شاہ سے ناچار ہیں دونوں

۵۵

تب دونوں نے کی عرض بصد گریہ و زاری
اے والدہ اب بخشیے تقصیر ہماری
آقا سے تو مانگی تھی اجازت کئی باری
جب عذر کیا دل پہ لگیں برچھیاں کاری
لڑنے کو نہ جائیے یہ گوارا ہمیں کب تھا
چپکے جو رہے ہم یہ فقط پاسِ ادب تھا

۵۶
ہیں آپ تو واقف کہ ہم ان سے نہیں واللہ
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ قدم شاہ
مرنے کے لیے آئے ہیں شبیرؑ کے ہمراہ
دلوا دیں رضا آپ یہیں ہیں شہِ ذی جاہ
ہم واسطہ دیتے ہیں شہنشاہِ عرب کا
آپ اس کی ہیں بیٹی جو مددگار ہے سب کا

۵۷
زینبؑ نے کہا خیر بس آنسو نہ بہاؤ
لو ساتھ میرے ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آؤ
تسلیم کرو سر قدمِ شہؑ پہ جھکاؤ
مجھ کو تو یقیں ہے کہ رضا جنگ کی پاؤ
لونڈی ہوں میں آقا مجھے مسرور کریں گے
وہ ہدیۂ نادار کو منظور کریں گے

۵۸
یہ کہہ کے گئی شہؑ کے قریں زینبؑ ناچار
تھے عونؑ و محمدؑ عقبِ مادرِ غمخوار
بھائی سے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ابرار
یہ چھوٹے غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
لاکھوں سے وغا کر کے شریکِ شہدا ہوں
ان کو بھی تمنا ہے کہ آقا پہ فدا ہوں

۵۹
سن کر یہ سخن کہنے لگے سیدِ ذی جاہ
اے دخترِ زہراؑ یہ مری جان ہیں واللہ
کیا کہتی ہو بھیجوں انھیں مرنے کے لیے آہ
اُٹھے گا نہ شبیرؑ سے یہ صدمۂ جانکاہ
ہیں یہ گل تر حیدرؑ و جعفرؓ کے چمن کے
کھویا ہے کسی بھائی نے بیٹوں کو بہن کے

۶۰
زینبؑ نے اشارہ کیا دونوں کو کہ آؤ
منت کرو نعلین کو آنکھوں سے لگاؤ
جلدی قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکاؤ
جب تک نہ ملے رن کی رضا سر نہ اٹھاؤ
ہو جائے گا رخصت کا سرانجام اسی میں
عزت انھی باتوں میں ہے، اور نام اسی میں

۶۱
قدموں پہ گرے دوڑ کے وہ دونوں برادر
لپٹا لیا سینہ سے انھیں شاہ نے جھک کر
ہمشیر کا منہ دیکھ کے بولے شہِ صفدر
لو جاؤ رضا دی تمھیں ویران کرو گھر
زینبؑ کی خوشی جس میں بس اب کچھ نہ کہیں گے
حاضر ہے جگر اور یہ دو داغ سہیں گے

۶۲
خوش ہو کے جھکے شاہ کے مجرے کو وہ گلرو
نزدیک تھا غش آئے یہ روتے شہِ خوشخو
جس وقت چلے وہ نہ رہا . . . . . بازو[1]
مادر کی بھی آنکھوں سے نکلنے لگے آنسو
چلائی کہ قربان میں ہو جاؤں تو سدھارو
چھاتی سے لگا کر تمھیں لوں تو سدھارو

۶۳
ماموں پہ فدا ہونے کو جاتے ہو میں واری
آؤ مرے پیارو میں بلائیں لوں تمھاری
اس پیاس میں تم دونوں نے کی جان نثاری
لو دودھ بحل کرتی ہے ماں درد کی ماری
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب آؤ گے پیارو
پھر چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ گے پیارو

---

[1] کرم خوردہ

۶۴

یہ سن کے وہ سر اپنے جھکاتے ہوئے آتے
زینبؑ نے سر ان دونوں کے چھاتی سے لگائے
اشک آنکھوں سے جب مادرِ پُرغم نے بہاتے
تب دونوں وہ دلدار سخن لب پہ یہ لاتے
اب بیٹوں کی اُلفت کو بُھلا دیجیے اماں
ہم جلد ہوں صدقے یہ دعا دیجیے اماں

۶۵

یہ کہہ کے چلے خیمہ سے وہ آئینہ رخسار
در تک گئی سمجھاتی ہوئی زینبِؑ ناچار
نکلے وہ جری تن پہ سجے جنگ کے ہتھیار
حیدرؑ کی طرح دونوں ہوئے گھوڑے پہ اسوار
ماں بولی کہ پیارو تمھیں اللہ کو سونپا
لو جاؤ سدھارو تمھیں اللہ کو سونپا

۶۶

ماں صدقے ہزاروں سے لڑائی کا ہے سامان
بلوہ ہو تو اک بھائی کا بھائی کو رہے دھیان
کم سن ہو میں پھر تم سے کہے دیتی ہوں اس آن
دریا پہ گئے گر تو خفا ہوں گی مری جان
اپنے پہ ستمگاروں کو تم گھیر کے لڑنا
قربان گئی نہر سے منہ پھیر کے لڑنا

۶۷

تلواروں میں سینوں کو سپر کیجیو شیرو
اعدا کی صفیں زیر و زبر کیجیو شیرو
ہاں سامنے نیزوں کے جگر کیجیو شیرو
حیدرؑ کی طرح جنگ کو سر کیجیو شیرو
لشکر کو جپ و راس سے تم رول کے لڑنا
گر پیچے باندھے ہوں تو دل کھول کے لڑنا

۶۸

ٹھنڈا مرا دل ہو گا جو تم خوں میں نہائے
سر جائے مگر بات شجاعت پہ نہ آئے
دیکھو تو کہ اوروں نے ہیں کیا مرتبے پائے
پیارو کہیں دن آج کا ہاتھوں سے نہ جائے
غازی ہے جو نا سیدِ امام آج کرے گا
پیارو وہی نامی ہے جو نام آج کرے گا

۶۹

کی عرض نہ گھبرائیے اے مادرِ ذی جاہ
فرماتی ہیں جو آپ وہی ہووے گا واللہ
خواہانِ شہادت ہیں غلامانِ شہنشاہ
مرجائیں گے پیاسے ہمیں پانی کی نہیں چاہ
لشکر کے پرے زیر و زبر کر کے پھریں گے
جیتے ہیں تو میدان سے اب مر کے پھریں گے

۷۰

یہ کہہ کے جو دونوں نے سمندوں کو اڑایا
خورشید فلک کو نہ دکھائی دیا سایا
صرصر نے کہیں گردِ قدم کو بھی نہ پایا
پرواز میں طاؤسِ نظر تھک کے پھر آیا
جنگل میں چھلاوہ سے نظر آتے تھے گھوڑے
پتلی کی طرح آنکھوں میں پھر جاتے تھے گھوڑے

۷۱

پہونچے وہ جری رن میں تو روشن ہوا صحرا
گھر نور کا اور حسن کا مسکن ہوا صحرا
پھیلی جو ضیا وادیِ ایمن ہوا صحرا
اک باغ کے دو پھولوں سے گلشن ہوا صحرا
خوشبو سے بسا دشت تو بن آئی ہوا کی
جنگل سے صدا آنے لگی صلِّ علیٰ کی

۷۲

کاٹے پہ سمندوں کو لگانے لگے دونوں
گردش میں ستارے نظر آنے لگے دونوں
بڑھ بڑھ کے جو اس فوج پہ جانے لگے دونوں
داد اکے ہنر رن میں دکھانے لگے دونوں
دو مار سیہ صاف نظر آتے تھے نیزے
جو گاڑتے نیزے کو . . . . . لہ

۷۳

نعرے تھے کہ ہم رستم و سہراب . . . لہ
ٹہ . . . . . . اسد کے پسر ہیں
دل شیروں کے رکھتے ہیں کہ شیروں کے جگر ہیں
دریائے امامت سے جو نکلے وہ گہر ہیں
ہو قلعۂ آہن تو اسے حرب سے توڑیں
گر سدِ سکندر ہو تو اک ضرب سے توڑیں

۷۴

. . . . ٹہ
. . . . شہ
سردارِ شجاعانِ جہاں جعفر طیارؓ
جرار ہزبر اسدِ صفدرِ کرارؓ
روشن ہے کہ ہم ہاشمی و مطلبی ہیں
ماموں وہ ہیں جو سبطِ رسولِ عربیؐ ہیں

۷۵

ہم خلق میں کس چیز پہ قبضا نہیں رکھتے
جو فیض کچھ ہم میں ہے وہ دریا نہیں رکھتے
ہیں دل کے غنی جان کی پروا نہیں رکھتے
لیکن کبھی مہمان کو پیاسا نہیں رکھتے
ممکن ہو تو جاں بیچ کے لا دیتے ہیں پانی
کافر بھی جو مانگے تو پلا دیتے ہیں پانی

۷۶

اس حُسن سے رن میں جو رجز خواں ہوئے صفدر
چلائے بن کاہل و خولی ستم گر
کیا قصد ہے دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
لرزہ ہے پہاڑوں کو تزلزل میں زمیں ہے
کیا تم کو اس انبوہ کا کچھ خوف نہیں ہے

۷۷

سُن کر یہ صدا آ گئے غصے میں وُہ جانباز
دی حلقِ علیؑ بڑھ کے محمدؐ نے یہ آواز
کیا تم سے لڑے گی سپہِ شعبدہ پرداز
تم مور سے کم ہم ہیں سلیمانِ سرافراز
لاکھوں سے وغا میں کبھی غازی نہیں ڈرتے
شیطان کے لشکر سے نمازی نہیں ڈرتے

۷۸

دنیا بھی ہو یکسو تو حقیقت نہیں زنہار
رکھتے کہیں ہیں لختِ دلِ حیدرِ کرارؓ
کچھ خوفِ تلاطم نہیں جب کھینچ لی تلوار
دو ہاتھ میں اس پار سے جائینگے ہم اُس پار
ساونت زمیں پر تہہِ افلاک ہم ہی ہیں
یہ فوج جو دریا ہے تو پیراک ہم ہی ہیں

۷۹

یہ ذکر تھا جو فوج بڑھی اہلِ جفا کی
آواز ہر اک صف میں ہوئی طبلِ وغا کی
کوس و دف و طنبور نے پُر ہَول صدا کی
قرنا سے زمین ہلنے لگی دشتِ وغا کی
کہنے کو وہ چھوٹے تھے پہ جرار بڑے تھے
تلواروں کو تولے ہوئے بشاش کھڑے تھے

لہ ٹہ ٹہ ٹہ شہ کرم خوردہ

۸۰

تھے منتظرِ سبقتِ اعدا جو وہ جرّار
تیر آتے ہی بس کھینچ لی ان دونوں نے تلوار
چمکی وہ مہِ نو صفتِ برقِ شرر بار
جوں شیرِ غضب ناک چلے فوج پہ رہوار
وہ صف نظر آتی نہ وہ دستے نظر آتے
سر خاک پہ رستے میں برستے نظر آتے

۸۱

دو بجلیاں گرنے لگیں ہر بار برابر
دو سمت صفیں ہو گئیں مسمار برابر
کٹ کٹ کے گرے خاک پہ اسوار برابر
ہر مرتبہ چل جاتے تھے دو وار برابر
خود زیست ستمگاروں سے منہ پھیرے ہٹے تھی
دو نیمچے کیا ان کو اجل گھیرے ہوئے تھی

۸۲

آفت تھی اُدھر چل گئے شیروں کے جدھر وار
اللہ رے بُرِش رک نہ سکتی تھی سپر دار
دونوں شمشیر پہ تاباں تھے قمر وار
بڑھتا ہی چلا جاتا تھا ہر وار پہ ہر وار
گہ پانچ کو مارا کبھی بے جاں کیا دس کو
اسوار کو چھوڑا نہ زرہ کو نہ فرس کو

۸۳

ہاتھ اس کا قلم اس کا سرِ نحس دو پارا
یارانِ عمر کو بھی نہ تھا جنگ کا یارا
مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا جسے مارا
زد کا وہاں زور نہ تھا چار کا چارا
اک شیرِ غضب ناک دمِ تیغ زنی تھے
چو رنگ نہ کیوں فوج ہو یہ پنجتنی تھے

۸۴

جب اُن کے چلے وار قدم ان کے نہ ٹھہرے
نہ گھاٹ پہ وہ چوکیاں باقی تھے نہ پہرے
کیا ڈر تھا کہ باقی تھے ستمگاروں کے اتھرے
نہ چوب نہ بیرق نہ علم وہ نہ پھریرے
انداز شکستوں کے سرِ دست عیاں تھے
ہاتھوں میں علمداروں کے زخموں کے نشاں تھے

۸۵

میدانِ بلا لاشوں سے مملو تھا دو رستہ
چار آئینہ و خود وہ ششدر یہ شکستہ
روح و تنِ سفاک وہ پُر درد یہ خستہ
لشکر میں تباہی نہ رسالہ نہ وہ دستہ
ہر غول ندارد تو ہر ایک صف نظری تھی
خالی تھی زمیں جتنی وہ لاشوں سے بھری تھی

۸۶

برباد ہوا سب حشمِ فوجِ بد افعال
وہ زور نہ وہ کس کوئی پسپا کوئی پامال
وہ اوج نہ وہ دَور یہ معزول وہ بے حال
اقبال کا ادبار تھا ادبار کا اقبال
پیاسے جو نہ ہوتے تو مہم جنگ کی سر تھی
جتنے تھے پرے ان کی شکست ان کی ظفر تھی

۸۷

کیا منہ یہ کسی کا تھا کہ اک وار کو روکے
سر چار کے کٹتے تھے کبھی اور کبھی دو کے
دریا سے ہٹے جان سے سب ہاتھوں کو دھو کے
زہرہ تھا یہ کس کا کہ جوان شیروں کو روکے
جو دُور تھا کام اس کا نہ بگڑا نہ بنا تھا
جس شخص نے آنکھ ان سے ملائی وہ فنا تھا

۸۸

فوجیں تھیں جو دریا پہ لبِ گور ہوئی تھیں
جرّار صفیں خوں میں شرابور ہوئی تھیں
دہشت سے کمانیں بھی جو کمزور ہوئی تھیں
آنکھیں زرہِ تنگ کی بھی کور ہوئی تھیں
رن سے نہ فقط پھر گئے تھے منہ تبروں کے
چار آئینہ بھی تنگ تھے بیدادگروں کے

۸۹

دو تیغوں سے تھی چار طرف شعلہ فشاں آگ
منقل کرۂ نار زمیں آگ زماں آگ
تن آگ جگر آگ عیاں آگ نہاں آگ
غل تھا کدھر اب جائیں یہاں آگ وہاں آگ
تا حشر یہ شعلوں کا لپکنا نہ رُکے گا
اس آگ میں اب صورِ سرافیل پھُنکے گا

۹۰

تلوار سے کہتی تھی سپر یوں دمِ پیکار
گرتی تھی سپر کٹ کے تو کہتی تھی یہ تلوار
کیوں دَم کو چراتے ہے چمکتی نہیں اکبار
تجھ سے کوئی ان ہاتھوں کا روکا نہ گیا وار
چھپتی تھی پسِ پشت طلبگارِ اماں ہے
حیران ہے کیوں آج ترا زور کہاں ہے

۹۱

گھوڑوں کو اٹھا کر وہ دباتے تھے جدھر باگ
تلواریں چمکتی تھیں کہ لہراتے تھے دو ناگ
تن جلتے تھے بھڑکی ہوئی تھی چار طرف آگ
اک ایک سے کہتا تھا ارے بھاگ ارے بھاگ
اس دم ملک الموت کا مقتل میں عمل ہے
تیغیں نہیں تلوار کے پردہ میں اجل ہے

۹۲

وہ نیمچے تھے موت کے تھے باکہ تھپیڑے
کیا منہ تھا کہ مرکب کو کوئی جنگ میں چھیڑے
تھے چار طرف مینھ کی طرح خوں کے دھڑیڑے
کہتی تھی اجل پار ہیں اب شیعوں کے بیڑے
ڈوبے گا تلاطم میں یہ سب لشکرِ کیں ہے
جو کشتیِ حیدرؑ میں ہے خوف اس کو نہیں ہے

۹۳

یاں جنگ میں سرگرم تھے وہ صفدرِ جرّار
بیتاب تھی ڈیوڑھی پہ ادھر زینبؑ ناچار
فضّہؑ سے کہتے تھے یہ عباسؑ علمدار
کس حسن سے کرتے ہیں وغا آپ کے دلدار
واللہ یہ جنگ اور یہ جُرأت نہیں دیکھی
بچّوں کے یہ حملے یہ شجاعت نہیں دیکھی

۹۴

عباسؑ علمدار جو کرتے تھے یہ تقریر
روتے تھے کبھی اور کبھی خوش ہوتے تھے شبیرؑ
کہتے تھے قریں پردہ کے جا کر شہِؑ دلگیر
کیوں بیٹوں سے تم اب تو رضامند ہو ہمشیر
تیغوں میں مرے عشق کا دم بھرتے ہیں دونوں
دو روز کے فاقوں میں وغا کرتے ہیں دونوں

۹۵

گو پیاسے ہیں چو بیسؑ پہر سے وہ گل اندام
پر واہ ری جرأت کہ تھی مضطر سپہ شام
میدان سے بلوا انھیں اے زینبؑ ناکام
اس طرح کے ملتے ہیں کسے خلق میں گلفام
معلوم نہ تھا یہ کہ یہاں آ کے مٹیں گے
مر جاؤں گا یہ شیر اگر مجھ سے چھٹیں گے

۹۶

کہتی تھی یہ تب حیدرِ کرّار کی جائی
آپ ان سے ہیں خورسند تو میں شاد ہوں بھائی
واللہ گوارا ہے مجھے ان کی جُدائی
زہراؑ کی کمائی پہ فدا میری کمائی
کام آئیں جو رن میں تو شجاعت کا مزا ہے
ان قدموں پہ دم نکلے تو جرأت کا مزا ہے

۹۷

اس ذکر پہ روتے تھے اِدھر حضرتِ شبیرؑ
دونوں پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ بے پیر
ہر سمت سے بچوں پہ برسنے جو لگے تیر
سرتا بقدم چھن گئے وُہ بیکس و دلگیر
حربوں سے کوئی دم نہ اماں پاتے تھے دونوں
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے دونوں

۹۸

وہ طفل کہاں اور کہاں لاکھ جفا جُو
زخمی ہوتے سر کٹ گئے الماس سے بازو
ان دونوں کے پہلو تھے بس اور تیر سے پہلو
خُونخواروں کی وہ برچھیاں اور ہائے وہ گگرو
اس پر بھی نہ ہٹتے تھے نہ گھبراتے تھے دونوں
کیا دل تھے کہ تیغوں میں دھنسے جاتے تھے دونوں

۹۹

سینوں سے لہو بہتا تھا زخمی تھے تن زار
شیروں کی طرح جھوم رہے تھے وہ دل افگار
چلاتا تھا پیہم عُمرِ سعد جفا کار
دم لینے کی مہلت انھیں دیجو نہ خبردار
تلواروں سے دونوں کے پیاسوں کو گرا دو
ہاں گھوڑوں سے حیدرؓ کے نواسوں کو گرا دو

۱۰۰

یہ سُن کے بڑھے نوفل و خولیِ ستم گار
حجاج نے برچھی کا محمدؐ پہ کیا وار
نوک اس کی جو ننھے سے کلیجہ کے ہوئی پار
گھوڑے سے گرا خاک پہ وہ صفدرِ جرّار
دی اس نے تکاں پہ بھی نہ تیور پہ بل آیا
نیزے میں جگر پشت کے باہر نکل آیا

۱۰۱

چلا کے بڑے نے یہ کہا ہائے برادر
صدقے تری مظلومی کے میں اے مرے صفدر
کیا حال ہے ریتی سے اٹھاؤ تو ذرا سر
گھبراؤ نہ گودی میں اٹھاتا ہوں میں آکر
کیا قہر ہوا پہلے نہ ہم مر گئے بھائی
جیتے ہو کہ دنیا سے سفر کر گئے بھائی

۱۰۲

فرما کے یہ گھوڑے سے اترتا تھا وہ پیارا
جو خولیِ سرکش نے تبر فرق پہ مارا
تا لوحِ جبیں ہو گیا سر اس کا دو پارا
تیورا کے گرا گھوڑے سے وہ عرش کا تارا
لاشہ پہ برادر کے نظر کی جو پلٹ کے
غش ہو گیا چھوٹے سے بڑا بھائی لپٹ کے

۱۰۳

فوجِ ستم آرا میں بجا طبلِ ظفر جب
عباسؑ نے بڑھ کر شہِ دیں سے یہ کہا تب
مارے گئے لختِ جگرِ حضرتِ زینبؑ
برباد ہوا حیدرؓ و جعفرؓ کا چمن اب
لاشوں کی طرف رن سے جفا کار پھرے ہیں
دونوں وہ بہادر ابھی گھوڑوں سے گرے ہیں

۱۰۴
بھائی سے یہ سنتے ہی تڑپنے لگے شبیرؑ
فرمایا کہ ٹوٹی گئی پردیس میں ہمشیر
فضہ نے سُنی در پہ جو یہ رونے کی تقریر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ دلگیر
دنیا سے کئی روز کے پیاسے گئے دونوں
لو خلد میں زہراؑ کے نواسے گئے دونوں

۱۰۵
میداں کو چلے روتے ہوئے سبطِ پیمبرؐ
تھے تیغ بکف اکبرؑ و عباسؑ برابر
پہنچے جو قریں لاشوں کے غصہ میں وہ صفدر
جرّاروں کی دہشت سے ہٹی فوجِ ستمگر
دم توڑتے زینبؑ کے دل و جاں نظر آئے
دنیا میں کوئی آن کے مہماں نظر آئے

۱۰۶
زخمی تھا بدن عالمِ غش میں تھے وُہ پیارے
سُوکھے تھے وہ گلِ برگ سے لب پیاس کے مارے
دونوں سے لپٹ کر شہِ بیکس یہ پکارے
لو اُٹھو کہ ہم آتے ہیں لینے کو تمھارے
عباسؑ دلاور کی مدارات تو کر لو
پیارو علی اکبرؑ سے ملاقات تو کر لو

۱۰۷
یہ سُن کے وہ مشتاقِ اجل ہوش میں آئے
بولا نہ گیا مُنہ سے مگر اشک بہائے
سر خاک سے قدموں پہ جھکانے کو اٹھائے
نعلین پہ منہ مل کے سخن لب پہ یہ لائے
اُٹھ سکتے نہیں زخموں سے تن چور ہیں آقا
کس طرح پھریں گرد کہ مجبور ہیں آقا

۱۰۸
شبیرؑ نے ان دونوں کے زانو پہ دھرے سر
لینے لگے بوسہ لبِ خشکیدہ کے جُھک کر
چھوٹے نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ
سو ہم سے ہوں خادم تو نثارِ شہِ صفدر
حضرت کی بدولت جو شرف پائے ہیں آقا
دنیا میں یہ رتبے کسے ہاتھ آتے ہیں آقا

۱۰۹
بس اتنے میں اک موت کی ہچکی اسے آئی
دنیا سے سفر کر گیا وہ شہؑ کا فدائی
گھبرا کے کہا عونؑ نے کیا مر گئے بھائی
یہ کہتے ہی آنکھ اس نے بھی دنیا سے پھرائی
پھر کچھ نہ صدا آئی سفر کر گیا وُہ بھی
رکھ کر قدمِ شاہ پہ سر مر گیا وُہ بھی

۱۱۰
لاشوں کو لیے خیمہ میں آتے شہِ ذیجاہ
ماتم ہُوا رانڈوں میں کہ العظمت للّٰہ
زینبؑ کی جو لاشوں پہ نظر جا پڑی ناگاہ
سینہ میں جگر پھٹ گیا پر منہ سے نہ کی آہ
شہؑ بولے کہ مارے گئے فرزند تمہارے
لو دُولھا بنے آتے ہیں دلبند تمہارے

۱۱۱
آغوش میں لو بیٹوں کو اے زینبِ دلگیر
جی بھر کے بس اب دیکھ لو ان دونوں کی تصویر
چلتی ہے جگر پر الم و درد کی شمشیر
مر جانے سے ان دونوں کے ہم مر گئے ہمشیر
طاقت گئی اب جسم کی فرزند نبیؐ کے
رو لو کہ یہ عاشق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۱۲
یہ سُن کے لگے پیٹنے ناموسِ پیمبر
حضرت نے بٹھایا انھیں مسند پہ برابر
زینبؑ کو بھی لے آئیں وہیں بیبیاں مل کر
تھا شور کہ ٹوٹی گئی شبیرؑ کی خواہر
وہ کہتی تھی کس واسطے یہ نالہ کشی ہے
لوگو! مجھے بیٹوں کی تو مرنے کی خوشی ہے

۱۱۳
تب روتی مَیں جب ماموں پہ ہوتے نہ یہ قرباں
اب خوش ہُوں کہ بیٹوں نے نکالے مرے ارماں
بے جا ہے غلاموں کے لیے رونے کا ساماں
دنیا میں سلامت رہیں برسوں شہِ ذیشاں
ماتم نہ کرو صاحبو وسواس کی جا ہے
بیٹا مرا ہمشکلِ رسولِ دوسرا ہے

۱۱۴
شہؑ بولے مرے سر کی قسم ان کو کرو پیار
پھر حشر تک ان دونوں کا دیکھو گی نہ دیدار
یہ سُن کے قریں لاش کے آئی وہ دل افگار
مُنہ چُوم کے دونوں کا پکاری بہ دلِ زار
سینوں ہیں کہاں زخم ہیں دکھلاؤ میں صدقے
لو اُٹھ کے مری چھاتی سے لگ جاؤ میں صدقے

۱۱۵
شہؑ بیٹھے ہیں سرپاتے مبارک پہ جُھکا دو
اماں سے کہو رن کی رضا ہم کو دلا دو
قربان گئی اپنی صدا مجھ کو سُنا دو
لو قبلۂ کونین کو جینے کی دعا دو
میدان میں جانے کے لیے کد نہیں کرتے
صدقے گئی ماموں کی خوشامد نہیں کرتے

۱۱۶
دیکھو تو مَیں اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنواروں
یہ خون میں ڈوبی ہوئی پوشاک اتاروں
کیوں ہاتھ نہ اس غم میں سر و سینہ پہ ماروں
اب عونؑ و محمدؑ میں کسے کہہ کے پکاروں
مادر کی طرف چشمِ گہر بار سے دیکھو
صدقے گئی پھر مجھ کو اسی پیار سے دیکھو

۱۱۷
اے تشنہ لبو ماں کو یہ کیا شکل دکھائی
شادی کے دن آئے تو اجل لینے کو آئی
اس غم سے بچے گی نہ یداللہ کی جائی
ماں بیٹوں سے تا حشر ہوئی آہ جدائی
ہے ہے مرے جینے کا مزا کھو گئے دونوں
کس وقت میں اماں سے جدا ہو گئے دونوں

۱۱۸
اب یاں سے کہاں جاؤ گے اے غنچہ دہانو
واں مجھ کو کہاں پاؤ گے اے غنچہ دہانو
اس دائی کو تڑپاؤ گے اے غنچہ دہانو
پھر بھی مرے پاس آؤ گے اے غنچہ دہانو
دو روز کی بے آبی سے خشکیدہ گلے تھے
ماں صدقے ہو کیا قبر میں سونے کو ملے تھے

۱۱۹
چونکو، نہیں سونے کا یہ ہنگام میں صدقے
گھبراتی ہے یہ مادرِ ناکام میں صدقے
بے چین ہیں آقائے خوش انجام میں صدقے
اُٹھو تمھیں لازم نہیں آرام میں صدقے
اس غل میں بھی بیدار نہیں ہوتے ہو واری
کیا رات کے جاگے ہو جو یوں سوتے ہو واری

۱۲۰

یہاں سے طرفِ خُلد سدھارے ہو میں قرباں
وہاں بھی تمھیں لازم ہے خیالِ شہِ ذیشاں
لب تشنہ کئی دن سے ہیں ابنِ شہِ مرداں
کوثر پہ بھی پانی ابھی پینا نہ مری جاں
دم بھرتے ہو گر عشقِ امامِ ازلی کا
مر کر بھی رہے پاس حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۲۱

یہ بین ابھی کرتی تھی شبیرؑ کی خواہر
جو نیچے ان دونوں کے لیے لاتے علی اکبرؑ
ان نیچوں کو پہلو میں لاشوں کے وُہ رکھ کر
چلّائی کہ کاندھوں پہ دھرو ان کو برابر
عشقِ شہِ ذی جاہ کا دم بھرتے تھے دونوں
ہے ہے ابھی ان تینوں سے تم لڑتے تھے دونوں

۱۲۲

زینبؑ نے جو چھوٹی سی تلواروں کو دیکھا
تلوار چلی دل پہ ہوا ٹکڑے کلیجا
چلّانے لگی پیٹ کے سر دختر زہراؑ
اس عمر میں تم مر گئے وا حسرت و دردا
آلودۂ خوں پھول سے رخساروں کے صدقے
ان ہاتھوں کے ان چھوٹی سی تلواروں کے صدقے

۱۲۳

یہ کہہ کے جو غش ہو گئی شبیرؑ کی خواہر
عباس علیؑ لے چلے لاشوں کو اٹھا کر
ہوش آیا تو چلّائی یہ وہ بے کس و مضطر
لاشوں کی بلائیں نہیں لیں میں نے برادر
بوسے لبِ نازک کے ذرا لینے دو بھائی
ٹھہرو مجھے گرد ان کے تو پھر لینے دو بھائی

۱۲۴

صدقے مرے بھائی یہ ہوتے ہیں مرے دلدار
چھاتی سے لگا لے انھیں یہ بیکس و ناچار
فرما کے یہ سر پیٹتی دوڑی وہ دل افگار
مُونہہ چُوم کے لاشوں کا پھری گِرد کئی بار
کہتی تھی کہ ماں کو نہیں سمجھاتے ہو پیارو
بند آنکھیں کیے چپکے چلے جاتے ہو پیارو

۱۲۵

بس آگے نہیں تاب انیسؔ جگر افگار
مجلس میں بکا کرتے ہیں سب شاہ کے غم خوار
خالق سے دُعا مانگ یہ با دیدۂ خونبار
دکھلائے مجھے روضۂ آقائے خوش اطوار
شاہوں کے شہنشاہ کی سرکار کو دیکھوں
فرزندِ ید اللہ کے دربار کو دیکھوں

★ مرثیہ ۹

رخصت ہے پدر سے علی اکبرؑ سے جواں کی

۱

رخصت ہے پدر سے علی اکبرؑ سے جواں کی
اب مٹتی ہے تصویر رسولِؐ دوجہاں کی
آمد ہے گلستانِ جوانی پہ خزاں کی
رخصت چمنِ دہر سے ہے سروِ رواں کی
اٹھارواں ہے سال نہ پھولے نہ پھلے ہیں
شادی کے دن آتے ہیں تو مرنے کو چلے ہیں

۲

اب شاہ ہیں اور صدمۂ جانکاہ پسر ہے
اب بلبلِ نالاں سے فراق گلِ تر ہے
مرتا ہے جگر بند، پدر خاک بسر ہے
اکبرؑ کا اُدھر کُوچ اِدھر شاہؑ کا سفر ہے
صدمہ ہے بڑا بیکس و تنہا نہ جیئے گا
مرجائے گا فرزند تو بابا نہ جیئے گا

۳

کس دُکھ میں چھڑاتا ہے جواں کو فلک پیر
کس وقت میں اکبرؑ کو جدا کرتی ہے تقدیر
اک عمر میں پایا جسے مٹتی ہے وہ تصویر
گھر لٹتا ہے بے آس ہوئے جاتے ہیں شبیرؑ
سب سچ ہے جو کچھ حال ہو مظلوم پدر کا
یہ اور مصیبت نہیں مرنا ہے پسر کا

۴

عسرت کا جو ہو درد تو زر اس کی دوا ہے
مہلک بھی ہو آزار تو امیدِ شفا ہے
جس دُکھ کا مداوا نہیں دنیا میں وہ کیا ہے
اندوہ و فراقِ پسرِ ماہ لقا ہے
یہ غم پدرِ بے کس و بے یار سے پُوچھو
اس درد کو زخمی کے دلِ زار سے پوچھو

۵

یہ آگ نہ دشمن کے کلیجے کو جلائے
شعلہ یہ وہی ہے جسے دریا نہ بجھائے
اللہ یہ اجڑی ہوئی بستی کو بسائے
آفت ہے اگر سَو میں پسر ایک بھی جائے
بابا کو یہ غم ہے کہ اسی لال سے گھر تھا
ماں کہتی ہے میرا تو وہی ایک پسر تھا

۶

طائر کے بھی بچّے کو پکڑتا ہے جو صیاد
پیچھے وہ چلا جاتا ہے کرتا ہُوا فریاد
ہوتا ہی نہیں کوئی بھی اس درد سے آزاد
ناسور کلیجے کے لیے ہے غمِ اولاد
آواز ہے پتّوں کی نشاں نوحہ گری کا
ہوتا ہے درختوں کو بھی غم بے ثمری کا

۷

جاتی ہے سوئے خلد عجب گُل کی سواری
گلزارِ محمدؐ سے چلی باغِ بہاری
فرماتے ہیں شبیرؑ بصد گریہ و زاری
تو صبر عطا کر مجھے اے ایزدِ باری
دنیا میں بس اب دولتِ شبیرؑ یہی ہے
یا رب ترے محبوب کی تصویر یہی ہے

۸

اکبرؑ کو ادھر تھی طلبِ رخصتِ میداں
رو تے تھے جھکائے ہوئے گردن شہِ ذیشاں
واں موت کے پنجے میں ہے اکبرؑ کا گریباں
ڈوبا ہے ادھر آنسوؤں سے گوشۂ داماں
پٹکا ابھی باندھا نہیں محبوب پسر نے
خم کر دیا ہے شاہ کو یاں دردِ کمر نے

۹

ہے سرخ شجاعت سے رُخِ اکبرِ گلرو
کیسر کی طرح زرد ہے رنگِ شہِ خوش خو
آنکھوں کے جو ساغر ہیں وہ اشکوں سے ہیں مملو
ملِ جاتا ہے دل جب تو چھلک پڑتے ہیں آنسو
کٹتا ہے جگر خنجرِ غم تیز ہوا ہے
اب عمر کا پیمانہ بھی لبریز ہوا ہے

۱۰

اندھیر ہے دنیا شہِ والا کی نظر میں
بجھتی نہیں جو آگ وہ بھڑکی ہے جگر میں
دل پالنے والی کا سنبھلتا نہیں بر میں
بکھرائے ہوئے بالوں کو ماں پھرتی ہے گھر میں
آفت ہے جو اکبر سفرِ خلد کریں گے
سب کا یہ ارادہ ہے کہ ہم ساتھ مریں گے

۱۱

ہے اکبر مہرو کو عجب طرح کی مشکل
غش ہے کوئی، زخمی کوئی ہے اور کوئی بسمل
کس سے کہیں اس وقت میں حالِ جگر و دل
ماں جاں بلب اور گور کنارے شہِ عادل
صدمہ ہے دلِ زار پہ ہمشکل نبیؐ کے
برچھی سی کلیجے میں کھٹکتی ہے پھوپھی کے

۱۲

جب کہتی ہے ماں گود مری ہوتی ہے خالی
اڑ جاتی ہے اندوہ سے رخساروں کی لالی
فرماتے ہیں فرزند سے رو کر شہِ عالی
کیا پاؤ گے تم مر جائے اگر پالنے والی
دیکھو علی اکبر نہ غریبوں سے جدا ہو
زینبؑ ابھی خیمے سے نکل آئے تو کیا ہو

۱۳

اکبرؑ کی یہ ہے عرض کہ یا سیدِ ذی جاہ
تدبیر رہائی کی مری کیجیے بلّٰہ
مرنے کو اگر اب بھی نہ میں جاؤں گا یا شاہ
عزت میری ہمچشموں میں رہنے کی نہیں آہ
دادی کی ملاقات کو میں جاؤں گا کیونکر
منہ حیدرِ کرارؑ کو دکھلاؤں گا کیونکر

۱۴

کہتے ہیں سنا کر ہمیں آپس میں جفاکار
تنہا ہوا لختِ جگرِ احمدِ مختارؐ
اب کوئی نہیں سبطِ پیمبرؐ کا مددگار
ہاں بیکس و تنہا پہ کرو تیروں کی بوچھار
سب قتل ہوئے اب کوئی ہمدم نہیں باقی
بے جا یہ لعیں کہتے ہیں کیا ہم نہیں باقی

۱۵

ہے صبح سے واللہ جہاں آنکھوں میں اندھیر
مجبور ہیں رخصت میں اگر آپ کریں دیر
روباہ کے انبوہ سے ڈرتے ہیں کہیں شیر
بچپن سے اسی دن کے لیے باندھی ہے شمشیر
کیا سینہ سپر ہونے کو ہم پاس نہیں ہیں
اکبرؑ تو ہیں گر حضرتِ عباسؑ نہیں ہیں

۱۶
شاید ہمیں کم سمجھے ہیں جرأت میں یہ بے پیر
کُھل جائے گا دکھلائیں گے جب جوہرِ شمشیر
بگڑیں گے تو کچھ ان کو نہ بن آئے گی تدبیر
یہ سینہ ہے مشتاقِ سنان و تبر و تیر
اب آپ کی شفقت سے جو ہم جائیں گے رن میں
انبار تن و سر کے نظر آئیں گے رن میں

۱۷
فرزند نے کی باپ سے جب رو کے یہ تقریر
سمجھے شہِ دیں زیست سے عاری ہے یہ دلگیر
فرمایا کہ اے راحتِ رُوحِ پدرِ پیر
تم جاؤ گے مرنے تو نہیں جینے کا شبیرؑ
دل باپ کا بیتاب ہے کیا کہتے ہو کیا دُوں
سینہ سے کلیجہ کو نکالوں تو رضا دُوں

۱۸
کیا جانیے کیا سمجھے ہیں دل میں ستم آرا
بس اب نہیں ان کے سخنِ سخت کا یارا
جنگاہ میں چلنے جو لگے وار ہمارا
ہو لشکرِ اظلم تہ و بالا ابھی سارا
مر جائے جسے دیکھ لیں ہم چشمِ غضب سے
روکا ہے جو ہاتھوں کو تو حضرت کے ادب سے

۱۹
عباسؑ کا غم کم نہیں میرے لیے جانی
تم تو نہ رلاؤ ہمیں اے یوسفِ ثانی
رخصت کے لیے بس نہ کرو اشک فشانی
ملنے کی نہیں پھر مجھے نانا کی نشانی
جلدی تمھیں لڑنے کی ہے کیوں فوجِ ستم سے
کیا ہم نہ کٹائیں گے گلا تیغِ دو دم سے

۲۰
انصاف سے دو اس کا جواب اپنے پدر کو
رکھتا ہے کوئی سامنے برچھی کے جگر کو
اولاد بچے گر تو لٹا دیتے ہیں گھر کو
بھیجا ہے کسی باپ نے تیغوں میں پسر کو
آنکھوں سے بصارت کو گنوایا ہے کسی نے
ہاتھوں سے چراغ اپنا بجھایا ہے کسی نے

۲۱
چاہے گا یہ کوئی کہ اُجڑ جائے گھر آباد
قمری بھی کہے گی کہ تہِ تیغ ہو شمشاد
بلبل کی دُعا ہے کہ کبھی گل نہ ہو برباد
ہے والد و مادر کا چمن گلشنِ اولاد
پیٹیں گے سروں کو کفِ افسوس ملیں گے
جب شمع پہ آنچ آئے گی پروانے جلیں گے

۲۲
رخصت نہ ملے گی تمھیں خوش ہو کہ خفا ہو
پیارا ہے پسر سب کو غنی ہو کہ گدا ہو
چاہیں گے نہ ماں باپ کہ فرزند جدا ہو
کھوتی اسے کھوتا ہے جو پیری کا عصا ہو
اکبرؑ کا سفر خلق سے شبیرؑ کے آگے
آفت ہے جو مر جائے جواں پیر کے آگے

۲۳
ہم مرتے ہیں اور تم کو اجازت کی طلب ہے
ہے کوچ مرا اور تمھیں رخصت کی طلب ہے
کوثر کے خریدار ہو جنت کی طلب ہے
مر لینے دو ہم کو جو شہادت کی طلب ہے
جانا سوئے فردوس بریں برچھیاں کھا کر
پھر تم کو نہ روکے گا کوئی قبر سے آ کر

۲۴
بس داغ نہ اے اکبرِ گل فام دکھاؤ
یہ چہرہ و گیسوئے سحر و شام دکھاؤ
ہم کو کوئی فرزندِ گل اندام دکھاؤ
آغازِ خطِ سبز کا انجام دکھاؤ
خوش ہو کوئی صاحب کا پسر دیکھ کے جائیں
اس نخلِ تمنا کا ثمر دیکھ کے جائیں

۲۵
برسوں سے پھوپھی کرتی ہے راتوں کو دعائیں
وہ دن ہو کہ بوٹا سی دلہن بیاہ کے لائیں
ماں کہتی ہے کس چاہ سے سمدھی کے بلائیں
انیسواں ہو سال تو نوشاہ بنائیں
رخصت کا سخن سنتے ہی پیٹیں گی سروں کو
بے آس کیے جاتے ہیں ارمان بھروں کو

۲۶
یہ چاند سا چہرہ یہ جوانی یہ سن و سال
مر جاتا ہے فرزند تو ٹوٹ جاتا ہے اقبال
تم آنچ سے اولاد کی واقف نہیں اے لال
جس شخص کے فرزند ہو سمجھے وہ مرا حال
جو درد سے واقف نہیں وہ آپ کا دل ہے
پتھر نہیں فولاد نہیں باپ کا دل ہے

۲۷
جانے دو بس اب سبطِ پیمبرؑ پہ کرو رحم
مظلوم پہ مغموم پہ بے پر پہ کرو رحم
بن بیٹوں کی ہے زینبِ مضطر پہ کرو رحم
حق دودھ کا کچھ کم نہیں مادر پہ کرو رحم
ہم لڑ کے جب اس فوج سے کام آئیں تو جانا
دو تین یہ دم خلق سے اٹھ جائیں تو جانا

۲۸
یہ کہتے تھے سرورؑ کہ پکاری سپہِ شام
اب جنگ میں کیا دیر ہے اے اکبرؑ گلفام
جس وقت سے بے جان ہوئے عباسؑ خوش انجام
آیا نہیں مقتل میں کوئی تول کے صمصام
میدانِ وغا میں شہِ دلگیر کو بھیجو
گر تم نہیں آتے ہو تو شبیرؑ کو بھیجو

۲۹
عرصہ سے مبارز طلبی کا ہے ادھر غُل
آنے میں شجاعوں کے یہ وقفہ یہ تامل
تھا حضرتِ عباسؑ کے دم تک یہ تحمل
معلوم ہوا خاتمۂ فوج ہے بالکل
یکساں ہے تم آؤ کہ امامِ اُمم آئیں
لڑنے کو جو کوئی نہیں آتا تو ہم آئیں

۳۰
یہ سنتے ہی برہم ہوا شاہزادۂ عالم
غیظ آ گیا بل کھانے لگے گیسوئے پُر خم
مُنھ لال ہوا سُرخ ہوئے دیدۂ پُر نم
اعدا کی طرف بڑھ کے رُکے صورتِ ضیغم
حیدرؑ کی طرح لشکرِ بے پیر کو دیکھا
شمشیر کو دیکھا رُخِ شبیرؑ کو دیکھا

۳۱
نیلے ہوئے یہ سُوکھے ہوئے ہونٹ چباتے
تن کر کبھی اعدا کو صدا دی کہ ہم آتے
بڑھ کر کبھی حضرت کو لبِ خشک دکھاتے
جوڑے کبھی ہاتھ اور کبھی اشک بہاتے
مانع تھا ادب جا نہ سکے فوجِ ستم پر
تلوار لیے گر پڑے حضرت کے قدم پر

۳۲
سمجھے شہِ دیں اب نہیں رُکنے کا یہ پیارا
فرمایا کہ خیر اب نہیں کچھ زور ہمارا
مجبور ہیں قسمت سے کسی کا نہیں چارا
جاتے ہوئے مادر سے بھی مل آؤ دوبارا
یہ چاند سی صورت اسے دکھلا کے سدھارو
ہاں پالنے والی کو بھی سمجھا کے سدھارو

۳۳
ناگاہ یہ فضہ درِ خیمہ سے پکاری
بے تاب ہے یاں شاہِ ید اللہ کی پیاری
سر پیٹ کے بانوئے حزیں کرتی ہے زاری
اب خیمہ میں بھیجو علی اکبرؑ کو میں واری
اکبرؑ جو نہیں گھر میں تو غم کھاتی ہے زینبؑ
روتی ہوئی ڈیوڑھی پہ چلی آتی ہے زینبؑ

۳۴
یہ سُن کے گئے خیمہ میں ہمشکلِ پیمبرؐ
جان آگئی زینبؑ نے جو دیکھا رُخِ اکبرؑ
اک ایک نے چہرے کی بلائیں لیں مکرّر
سنبھلا جو نہ دل گرد پھری دوڑ کے مادر
یُوں آیا وُہ گلرو حرمِ شاہِ زمن میں
گویا کہ بہار آگئی پژمردہ چمن میں

۳۵
مادر نے کہا اے مرے ذی شان کہاں تھے
اے لال تمھیں میں تھا مرا دھیان کہاں تھے
پوچھا یہ پھوپھی نے کہ میں قربان کہاں تھے
میں کب سے تڑپتی ہوں مری جان کہاں تھے
صدمہ ہے بہت بیوۂ عباس علیؑ کو
صدقے گئی پرسا بھی نہ دیا تم نے چچی کو

۳۶
ماتم ہے یہاں صبح سے اور گریہ و زاری
دکھ درد میں گھر کی بھی خبر رکھتے ہیں واری
تشویش سے غش بانو کو آیا کئی باری
کچھ تم کو نہیں دھیان محبت کا ہماری
سمجھے نہ کہ دنیا سے گزر جائے گی زینبؑ
دم بھر جو نہ دیکھے گی تو مر جائے گی زینبؑ

۳۷
رو کر کہا اکبرؑ نے کہ اے بنتِ یداللہؑ
تھے لاشۂ عباسؑ پہ تنہا شہِ ذی جاہ
تولے ہوئے نیزوں کو بڑھے آتے تھے گمراہ
تھا میرے سوا کوئی نہ ہمدم نہ ہوا خواہ
بابا سے ہمیں رن کی اجازت نہ ملی تھی
یہ دیر کا باعث تھا کہ رخصت نہ ملی تھی

۳۸
مرنے کی اجازت ہوئی حاصل تو ہم آئے
راضی ہوئے جب سرورِ عادل تو ہم آئے
خالق کی عنایت ہوئی شامل تو ہم آئے
حل ہو گیا یہ عقدۂ مشکل تو ہم آئے
انساں کو عبث دل کا لگانا ہے جہاں سے
جو آیا ہے اک دن اسے جانا ہے جہاں سے

۳۹
یہ سنتے ہی غش کھا کے گری بانوئے ذیشاں
گھبرا کے یہ کہنے لگی بنتِ شہِ مرداں
ہے ہے تمھیں کیا بھائی نے دی رخصتِ میداں
گردن کو جھکا کر علی اکبرؑ نے کہا ہاں
ہم نزع میں تھے سیدِ والا نے جلایا
مرنے کی رضا دے کے مسیحا نے جلایا

۴۰

بابا نے تو بخشی ہمیں کونین کی دولت
باقی ہے بس اب آپ کی اور ماں کی اجازت
زینبؑ نے کہا مجھ سے نہ دی جائے گی رخصت
بانوؑ نے کہا ختم انہی پہ ہے سخاوت
حضرت کو تو رشتہ ہے رسولِ دو جہاں سے
بِھرائی ہوں میں ایسا جگر لاؤں کہاں سے

۴۱

میں کون بھلا ہوں وہی مالک وہی مختار
رخصت تو ملی مجھ سے پھر اب کیا ہے سروکار
زینبؑ نے کہا مجھ کو تو باور نہیں زنہار
کیا کہتی ہو رخصت انھیں دیں گے شہِ ابرار
ہے زیست اسی لال کے دم سے شہِ دیںؑ کی
میں جانتی ہوں ساری یہ باتیں ہیں انھیں کی

۴۲

راضی نہ ہوتے ہوں گے رضا دینے پہ شبیرؑ
کس طرح گوارا ہو کہ مٹ جاتے یہ تصویر
معلوم ہے مجھ کو انھیں سوجھی ہے یہ تدبیر
دانائی سے مطلب کی بنا لاتے ہیں تقریر
یہ خوش ہوں کہ ناخوش ہوں اجازت نہ ملے گی
میں صاف کہے دیتی ہوں رخصت نہ ملے گی

۴۳

دیکھو جو قدم تم نے رکھا خیمہ سے باہر
میں بھی چلی آؤں گی وہیں کھولے ہوئے سر
ہر بار نہ لو مرنے کا نام اے مرے دلبر
منہ سے نکل آئے گا کلیجہ مرا پھٹ کر
ماں باپ سے منہ موڑ کے مرنے کو چلے ہو
کیا خوب ہمیں چھوڑ کے مرنے کو چلے ہو

۴۴

یہ ذکر تھا جو خیمہ میں داخل ہوئے شبیرؑ
بیٹے کی طرف دیکھ کے دیکھا رُخِ ہمشیر
پاس آن کے کہنے لگی بانوئے دلگیر
صاحب علی اکبرؑ نہیں رُکتے کسی تدبیر
صدقے گئی اس نخلِ ریاضت کو بچا لو
نادار کی لٹتی ہوئی دولت کو بچا لو

۴۵

حضرتؑ نے کہا مالکِ کونین بچائے
اکبرؑ کے عوض کاش ہماری اجل آئے
زینبؑ نے کہا اے اسد اللہ کے جائے
کہیے تو یہ کس طرح رضا آپ سے لائے
شہؑ نے کہا گلشن پہ خزاں آتی ہے بھینا!
ہم کیا کریں موت ان کو لیے جاتی ہے بھینا!

۴۶

مجبور ہے یہ بےکس و نالاں و پریشاں
موت اِن کی طلبگار ہے یہ موت کے خواہاں
کیا کرتا نہ دیتا انھیں گر رخصتِ میداں
قدموں سے اٹھاتے تھے نہ سر کو کسی عنواں
تم سے بھی تو آمادۂ رخصت طلبی ہے
پاس آ گیا مجھ کو کہ یہ ہمشکلِ نبیؐ ہے

۴۷

کرتے تھے ادھر لاف زنی اہلِ شقاوت
یہ جوڑے ہوئے ہاتھ ادھر کرتے تھے منت
کیا عذر میں کرتا جو نہ دیتا انھیں رخصت
خیر ان کو بھی رو لیویں تو ہو جائے فراغت
بعد اُن کے گلا رکھیں گے ہم تیغِ دودم پر
پھر تو کوئی رو کے گا نہ گر گر کے قدم پر

۴۸

تیغوں سے بچائیں ہمیں ان کو ہے یہ منظور
سب سہل ہے اچھا یہی تلواروں سے ہوں چُور
ہر طرح سے راضی پدرِ بیکس و مجبور
تھوڑا ہے پس و پیش ہے منزل بھی نہیں دُور
سہہ لیں گے جو کچھ ظلم و ستم ہوں گے جہاں میں
تا عصر نہ یہ ہوں گے نہ ہم ہوں گے جہاں میں

۴۹

سُن کر یہ سخن بیبیاں رونے لگیں ساری
رو کر کہا مادر نے کہ لو جاؤ میں واری
ہاتھوں سے جگر تھام کے زینبؑ یہ پکاری
صدقے گئی کیوں روتے ہو منگواؤ سواری
دل ٹکڑے ہے غربت پہ شہِ جن و بشر کی
امداد کرو بے کس و مظلوم پدر کی

۵۰

یہ سُن کے جُھکے آخری تسلیم کو اکبرؑ
اک ایک سے رُخصت ہوئے ہمشکلِ پیمبرؐ
اصغر کو لیے بیٹھ گئی خاک پہ مادر
ساتھ آئی پھوپھی خیمہ کے پردے کے برابر
وہ شیر برآمد ہوا اس جاہ و حشم سے
جس طرح محمدؐ نکل آتے تھے حرم سے

۵۱

گھوڑے پہ چڑھا جب پسرِ فاطمہؑ کا لال
سُرعت تھی فرس میں کہ صبا بھول گئی چال
ہر گام پہ طاؤس کا دل ہوتا تھا پامال
غل تھا کہ زہے شان زہے حشمت و اقبال
وہ دیکھ لے فرزندِ امامِ مدنی کو
جس شخص نے دلدل پہ نہ دیکھا ہو علیؑ کو

۵۲

بخشی ہے خدا نے اسے توقیرِ محمدؐ
گیسو ہیں کہ ہے زلفِ گرہ گیرِ محمدؐ
چہرہ ہے کہ آئینۂ تصویرِ محمدؐ
باتوں میں ہے رنگینیِ تقریرِ محمدؐ
شوکت وہی پوشاک کا دستور وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نور وہی ہے

۵۳

شوکت سے نمودار ہے اندازِ پیمبرؐ
آواز سے کیا ملتی ہے آوازِ پیمبرؐ
گویا لبِ نازک میں ہے اعجازِ پیمبرؐ
قامت ہے کہ ہے سروِ سرافرازِ پیمبرؐ
منہ لائیں کہاں سے جو کریں مدح دہن کی
رستا چمنِ خلد ہے جو پھول سے تن کی

۵۴

گیسوئے دل آویز ہیں یہ سنبلِ جنّت
یہ روئے دل افروز ہے یا صبحِ صباحت
رخسار ہیں یا جلوۂ آئینۂ قدرت
آنکھیں ہیں وہ چشمۂ اعجاز و کرامت
طالب نہیں پانے کی صبا مہر دہن ہے
یہ چشم میں پتلی نہیں گھونگھٹ میں دلہن ہے

۵۵

یاقوتِ لبِ لعل ہیں جاں بخش مسیحا
دم بھر میں کریں مردۂ صد سالہ کو زندا
دنداں ہیں کہ ہیں اخترِ افلاک تجلّی
کھلتا نہیں کچھ حال دہن کو میں کہوں کیا
لازم ہے خموشی یہیں اربابِ ہُنر کو
اللہ کے اسرار میں کیا دخل بشر کو

۵۶

اللہ رے اس گردنِ پُر نُور کا جلوہ
ہوئے گا نہ یہ شمعِ سرِ طُور کا جلوہ
شرمندہ ہے آئینۂ بلّور کا جلوہ
گردن کو جھکاتا ہے یہاں حُور کا جلوہ
باہر ہے کلی گل کی نزاکت کے چمن سے
یا شمع کی لَو نکلی ہے فانوسِ بدن سے

۵۷

نظارہ میں ہیں محو ادھر دشمنِ ایماں
ہے ششدر و مضطر کوئی ظالم کوئی حیراں
ہے چیں بہ جبیں دلبرِ ابنِ شہِ مرداں
ابرو ہیں کشیدہ صفتِ تیغِ صفاہاں
جلتی تھی تمازت سے زرہ دھوپ کڑی تھی
دو لاکھ سے لڑنے کے لیے آنکھ لڑی تھی

۵۸

اک ہاتھ میں شمشیر تھی ایک ہاتھ میں بھالا
جن دونوں کی دہشت سے تھے عالم تہ و بالا
رہوار سبکسار کو کاوے پہ جو ڈالا
سب کو نظر آیا کبھی چاند اور کبھی ہالا
لاکھوں ہیں مگر مُنہ پہ کوئی چڑھ نہیں سکتا
بپھرا ہے جو ضیغم تو کوئی بڑھ نہیں سکتا

۵۹

نعرہ ہے کہ ہم دلبرِ ضرغامِ خُدا ہیں
دادا کا یہ رتبہ ہے کہ ہم نامِ خدا ہیں
دنیا میں ہم ہی وارثِ صمصامِ خدا ہیں
ہم وہ ہیں جو اجرا کیے احکامِ خدا ہیں
کی حق نے عطاؤں کی ثنا ہے اسی گھر میں
آتی ہے صدا وحیِ الٰہی اسی گھر میں

۶۰

واللہ گُہرِ قلزمِ عرفاں ہیں تو ہم ہیں
کونین میں گر سابق الایماں ہیں تو ہم ہیں
محسن ہیں تو ہم صاحبِ الایماں ہیں تو ہم ہیں
بھیجا ہے جسے خالق نے وہ قرآں ہیں تو ہم ہیں
گھر علم خدا کا ہے مدینہ میں ہمارے
تفسیر میں کب ہے جو ہے سینہ میں ہمارے

۶۱

دو لاکھ کے انبوہ کو کب مانتے ہیں ہم
پشہ سے بھی کم زور تمھیں جانتے ہیں ہم
ہلتے ہیں جبل نیزوں کو جب تانتے ہیں ہم
ان نیزوں سے لوہے کا جگر چھانتے ہیں ہم
رُکتی ہے نہیں ضربِ گراں بار ہماری
کھا جاتی ہے فولاد کو تلوار ہماری

۶۲

آگاہ زمانہ ہے جلالت سے ہماری
طُوبیٰ کا بھی سر جھکتا ہے رفعت سے ہماری
درویش غنی ہو گئے دولت سے ہماری
اکسیرِ طلا کرتی ہے صحبت سے ہماری
دولت کوئی رکھتے نہیں اللہ سے لے کر
فاقہ بھی جو توڑا ہے تو محتاج کو دے کر

۶۳

شاداب ہے گلزار عنایت سے ہماری
ہر دل ہے غنی بخشش و ہمت سے ہماری
سرسبز ہے دنیا بھی محبت سے ہماری
دانہ بھی جو اگتا ہے تو الفت سے ہماری
بار آور و سرسبز جو عالم کے شجر ہیں
یہ آلِ محمدؐ کی غلامی کے ثمر ہیں

سے ن۔ محبت

۶۴

ہر قوم کو ہیں وردِ زباں نام ہمارے
حل کرتے ہیں عقدوں کو یہ ہیں کام ہمارے
حافظ ہیں ملائک سحر و شام ہمارے
اللہ کے سب حکم ہیں احکام ہمارے
رتبے جو ہمارے ہیں وہ تنزیل میں دیکھو
عیسیٰؑ کا ہمیں فخر ہے انجیل میں دیکھو

۶۵

جنگِ جمل ان ہاتھوں سے سر کر کے پھرے ہیں
خندق کو بھی لاشوں سے ہمیں بھر کے پھرے ہیں
بے فتح ملازم نہیں اس گھر کے پھرے ہیں
یا لاتے ہیں سر کاٹ کے یا مر کے پھرے ہیں
فوجوں کو بھگاتے ہیں نکوکار[۱] ہمارے
تھے مالکِ اشتر بھی نمک خوار ہمارے

۶۶

ہاں سامنے آئے جسے دعوائے وغا ہے
قبضے میں یہ شمشیر نہیں دستِ خدا[۲] ہے
ہم شیر ہیں دو لاکھ کا لشکر ہے تو کیا ہے
جب کھینچ لی تلوار تو ایک ایک فنا ہے
فاقوں کی نہ پروا ہے نہ کچھ تشنہ لبی کی
ہاتھ اس لیے روکا ہے کرامت ہو نبیؐ کی

۶۷

لو اب بھی امامِ دوجہاں کو نہ ستاؤ
تُربت میں نہ محبوبِ الٰہی کو رُلاؤ
کیوں موت کے پنجے میں چلے آتے ہو جاؤ
کب تک یہ ستم رحم نبی زادے پہ کھاؤ
فاقوں سے ہیں غش سیدِ ذی جاہ کے پیارے
بے آب ہیں دو دن سے ید اللہ کے پیارے

۶۸

مقتل سے بڑھا جب یہ رجز پڑھ کے وہ ضیغم
تھا رُعبِ حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں برہم
سر اپنے خجالت سے فصیحوں نے کیے خم
غُل تھا کہ زہے قدرتِ خلاقِ دو عالم
یہ سحر بیانی یہ طلاقت نہیں دیکھی
پیاسوں کی زباں میں یہ فصاحت نہیں دیکھی

۶۹

آخر صفِ اوّل سے بڑھا شمرِ ستمگار
چلایا کہ ہیں آپ تو ہوں خلق کے سردار
ہم دیں گے نہ پانی نہ اماں آپ کو زنہار
ہے زر سے غرض دین سے کیا ہم کو سروکار
کچھ پاس نہیں ہم کو امامِ ازلی کا
سر کاٹیں گے خنجر سے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۷۰

بس غیظ میں آیا اسد بیشۂ حیدرؑ
ثابت ہوا بدلے اسد اللہؑ نے تیور
اک بار ادھر چوب لگی طبلِ وغا پر
کاٹھی سے اُگلنے لگی شمشیر دلاور
اعدا نے جو دیکھی چمک اس تیغ کے پھل کی
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر اجل کی

۷۱ مطلع

اے تیغِ زباں معرکۂ جنگ دکھا دے
ہاں جلوۂ آئینۂ بے رنگ دکھا دے
ہاں باغِ شہادت کا نیا رنگ دکھا دے
ہاں جرأتِ اکبرؑ کا ذرا ڈھنگ دکھا دے
اب جنگ ہے مصرع کوئی خنجر سے نہ کم ہو
وہ تیغ ہو مضموں کہ خجل تیغِ دو دم ہو

---

[۱] ن ۔ مددگار [۲] ن ۔ قضا

۷۲

لو معرکہ آرائے وغا ہوتے ہیں اکبرؑ
لو اسپِ سبکبار اُڑا صورتِ صرصر
لو رن پہ چڑھا لختِ دلِ حیدرؑ صفدر
لو درہم و برہم ہوا سب مجمعِ لشکر
لو فوجِ بدانجام کے سر پہ اجل آئی
لو میاں سے تلوار بھی باہر نکل آئی

۷۳

قدموں پہ گرے سر علی اکبرؑ جدھر آتے
ہر ضرب میں آثارِ قیامت نظر آتے
اس دبدبہ و شان سے ہر صف میں در آتے
جس طرح غزالوں میں کبھی شیرِ نر آتے
حلقے سے کوئی بھاگ نہ سکتا تھا نکل کے
سب صف کی صف آجاتی تھی پنجہ میں اجل کے

۷۴

غل تھا کہ یہ تلوار نہیں قہرِ صمد ہے
یہ معرکہ صفین کا ہے جنگِ اُحد ہے
خیبر میں لڑا جو وہ اسی شیر کا جد ہے
یہ بیشۂ ضرغامِ الٰہی کا اسد ہے
دبتے ہیں نہ ہٹتے ہیں نہ جھکتے ہیں کسی سے
جب رن میں چڑھے پھر نہیں رکتے ہیں کسی سے

۷۵

یہ تیغ وہ ہے سیلِ فنا کہتے ہیں جس کو
یہ برق وہ ہے قہرِ خدا کہتے ہیں جس کو
باڑھ اس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو
منہ اس کا وہ منہ ہے کہ قضا کہتے ہیں جس کو
جاتی نہیں بے کاٹے سر جب آتی ہے سر پہ
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کب آتی ہے سر پہ

۷۶

بجلی وہیں گرتی ہے نکلتی ہے یہ جس جا
اک حشر بپا ہوتا ہے چلتی ہے یہ جس جا
بہتا ہے لہو رنگ بدلتی ہے یہ جس جا
مر جاتے ہیں سب زہر اگلتی ہے یہ جس جا
زخم اس کا نہ ٹانکے سے بھرا ہے نہ دوا سے
اژدر بھی چڑھا لیتے ہیں دم اس کی ہوا سے

۷۷

اس تیغ سے اعدا کو نہ جانوں کی خبر تھی
عَلموں کی نہ لشکر کے نشانوں کی خبر تھی
نے فکرِ سپر کی نہ سنانوں کی خبر تھی
تیروں کی خبر تھی نہ کمانوں کی خبر تھی
بھائی کہیں فرزند کہیں باپ کہیں تھے
ہتھیار کہیں ہاتھ کہیں آپ کہیں تھے

۷۸

جو رحم کا کوچہ ہے وہ رستہ ہے اسی کا
جو روح کا قابض ہے وہ قبضہ ہے اسی کا
نظارۂ مقتول تماشا ہے اسی کا
کہتے ہیں جسے حشر وہ جلوا ہے اسی کا
عالم میں تہِ چرخِ بریں دھاک ہے اس کی
مقتل جسے کہتے ہیں وہ املاک ہے اس کی

۷۹

اس تیغ نے چلنے میں عجب ناز دکھائے
کٹ کٹ گئی بجلی بھی وہ انداز دکھائے
کیا منہ تھا کہ جرأت کوئی جانباز دکھائے
شمشیرِ ید اللّٰہؑ کے اعجاز دکھائے
مارا جسے دو ٹکڑے وہ مردودِ خدا تھا
حصہ ہے برابر کوئی کم تھا نہ سوا تھا

۸۰
گھوڑے کو جو لشکر سے کسی نے نہ نکالا
تب اکبرؑ غازی نے لیا ہاتھ میں بھالا
پسپا ہوا ڈر ڈر کے سواروں کا رسالا
غل تھا کہ ہوتے ارض و سما اب تہ و بالا
جو اس میں ہے افعی میں بھی وہ زہر نہیں ہے
اس ناگ کے کاٹے کی کہیں لہر نہیں ہے

۸۱
یاں نیزۂ خطی کو ہلانے لگے اکبرؑ
شانِ اسداللہ دکھانے لگے اکبرؑ
بڑھ بڑھ کے ہر اک غول پہ جانے لگے اکبرؑ
انیاں طرفِ فوج جھکانے لگے اکبرؑ
تھی نوک کلیجہ پہ ہر اک دشمنِ جاں کے
گویا ملک الموت تھا ہمراہ سناں کے

۸۲
چھیدا کبھی دل کو کبھی دشمن کے جگر کو
توڑا کبھی بازو کبھی زخمی کیا سر کو
باہر نکل آتی تھی انی توڑ کے سر کو
غربال بنا دیتی تھی لوہے کی سپر کو
جانبر نہ ہوا چھد گیا دل جس کا انی سے
نوک اس کی کہیں تیز تھی ہیرے کی کنی سے

۸۳
غل چار طرف تھا کہ ستم کی یہ سناں ہے
نیزے کی نہیں نوک یہ افعی کی زباں ہے
طعن اس کی غضب کی ہے قیامت کی نکال ہے
اک چشم زدن میں کبھی یاں ہے کبھی واں ہے
بے جان ہوں نہ کیونکر رگ جاں اس کا محل ہے
نوک اس کی نہیں نشترِ فصادِ اجل ہے

۸۴
ناگاہ بڑھا بہرِ دغا اک ستم ایجاد
استاد تھا نیزے کے ہلانے میں وہ کیاد
زور آور و مکار و جفا پیشہ و جلاد
رستم کی طرح تھے کئی سو بند اسے یاد
ممتاز تھا لشکر میں نمودار تھا سب میں
ویسا کوئی شہ زور نہ تھا فوجِ عرب میں

۸۵
بھالے کو ہلا کر یہ پکارا وہ ستم گار
برچھیت نہیں مجھ سا جہاں میں کوئی زنہار
پیغامِ اجل ہے مرے نیزے کا ہر اک وار
جانبر نہیں ہوتا کوئی مجھ سے دمِ پیکار
بڑھتا ہوں کمر باندھ کے جب صف شکنی پر
سو سو کو اٹھا لیتا ہوں نیزے کی انی پر

۸۶
عاجز ہے تہمتن سا دلاور مرے آگے
طاقت میں نریماں بھی ہے کمتر مرے آگے
ہے کاہ سے کم کوہ کا لشکر مرے آگے
کیا تاب اٹھائے جو کوئی سر مرے آگے
پھٹتے ہیں جگر رن میں جو چنگھاڑتا ہوں میں
ہلتی ہے زمیں نیزے کو جب گاڑتا ہوں میں

۸۷
لایا سخنِ لاف زباں پر جو وہ جاہل
بس غیظ میں آیا پسرِ سرورِ عادل
فرمایا کہ بے جا ہے ترا دعوئ باطل
کھل جائے گا جب ہوگا شجاعوں سے مقابل
یاں تجھ سے بہت خاک کے پیوند ہوتے ہیں
حیدرؑ کے جگر بند کہیں بند ہوتے ہیں

۸۸

یہ سن کے بڑھا صورتِ مرحب وہ جفاکار
شہزادۂ عالم نے بھی جولاں کیا رہوار
نیزے کی تکانوں پہ تکانیں ہوئیں ایک بار
رو کر دیا جرار نے جو اس نے کیا وار
تھے عقدہ کشا ہاتھ شجاعِ ازلی کے
ہر بند کو وا کر دیا پوتے نے علیؑ کے

۸۹

جب اکبرؑ غازی سے وہ سرکش نہ بر آیا
تب آپ نے بھی زورِ یداللہ دکھایا
وقفہ ستم ایجاد نے بچنے کا نہ پایا
نیزے کو بھی نیزے سے دلاور نے اڑایا
مغرور بہت زور پہ وہ دشمنِ دیں تھا
دیکھا تو سناں تھی کہیں اور ڈانڈ کہیں تھا

۹۰

تھرا گیا سفاک یہ وحشت ہوئی طاری
گھبرا کے ہٹانے لگا رہوار کو ناری
اکبرؑ نے سناں ایک وہیں نحس پہ ماری
اللہ رے زور خون قفا سے ہوا جاری
اس ضرب سے ہونٹوں پہ ستمگار کی جاں تھی
نیزہ دہنِ نحس میں نیزے میں زباں تھی

۹۱

گھوڑے سے اٹھا کر جو دیا اک اسے جھٹکا
نیزہ میں وہ مچھلی سا تڑپتا ہوا لٹکا
دم آ کے گلے میں ستم ایجاد کے اٹکا
جب ٹے چکے چکر تو زمیں پر اسے پٹکا
نکلا نہ اٹھانے بھی کوئی فوجِ ستم سے
گرتے ہوئے دو کر دیا شمشیرِ دودم سے

۹۲

اس موذی و سرکش کو دلاور نے جو مارا
لاکھوں میں کسی کو نہ رہا جنگ کا یارا
نیزے کو دکھا کر علی اکبرؑ نے پکارا
کیوں پیل تن دیکھ لیا زور ہمارا
شیروں سے قوی ہیں اسداللہؑ کے پوتے
یوں پیاس میں لڑتے ہیں یداللہ کے پوتے

۹۳

یہ کہتے ہی اس فوج میں ڈوبا وہ دلاور
پھر نیزے سے بے جان کیے کتنے ہی ستمگر
پر حیف کہ تھا پیاس سے بے تاب وہ صفدر
گھیرے ہوئے تھے ایک کو دو لاکھ بد اختر
ہر نے پہ کبھی غش ہوئے چونکے کبھی غش سے
سینے میں پھنکا جاتا تھا دل فرطِ عطش سے

۹۴

گرمی میں جو لشکر سے لڑے اکبرِ مہرو
تن غرق پسینے میں ہوا تھک گیا بازو
انبوہ میں دم لینے کو ٹھہرا جو وہ خوشخو
ہر سمت سے برسانے لگے تیر جفا جو
ہر ناوکِ بیداد تھا پیغام قضا کا
تن چھن گیا ہمشکلِ رسولِ دوسرا کا

۹۵

بے تاب تھا گھوڑے پہ وہ شبیرؑ کا پیارا
جو سینہ پہ نیزہ کسی جلاد نے مارا
چھدنے سے جگر کے نہ رہا بات کا یارا
تھرا کے گرا خاک پہ وہ عرش کا تارا
اللہ ری جرأت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
نیزے کو جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

۹۶
زہراؑ نے صدا دی کہ دُہائی ہے دُہائی
ہے ہے علی اکبرؑ نے سناں سینے پہ کھائی
جس دم شہِ مظلوم نے آواز یہ پائی
زینبؑ سے کہا ٹوٹ گئی بانوؑ کی کمائی
پردیس میں ہاتھوں سے ہمارے گئے اکبرؑ
خاتونِ جناں روتی ہیں مارے گئے اکبرؑ

۹۷
سُن کر یہ سخن گھر تہ و بالا ہوا سارا
ماں پیٹ کے چلائی کہ ہے ہے مرا پیارا
ناگاہ یہ رن سے علی اکبرؑ نے پکارا
جلد آئیے دنیا سے ہے اب کُوچ ہمارا
جلتی ہوئی ریتی پہ سناں کھائے پڑے ہیں
سر کاٹنے کی فکر میں جلاد کھڑے ہیں

۹۸
یہ سنتے ہی بسمل سے تڑپنے لگے حضرت
فرمایا کمر ٹوٹ گئی واے مصیبت
فرزند جواں قتل ہوا لُٹ گئی دولت
قوت نہ رہی تن میں نہ آنکھوں میں بصارت
کوہِ غمِ اکبرؑ جو گرا جانِ حزیں پر
اٹھ اٹھ کے کئی بار گرے شاہؑ زمیں پر

۹۹
مقتل کو چلے خاک اڑاتے ہوئے سرورؑ
نہ پاؤں میں نعلین نہ عمامہ تھا سر پر
تھا چاک گریباں تو رُخ آنسوؤں سے تر
چلاتے تھے ہے ہے علی اکبرؑ علی اکبرؑ
افسوس کوئی مونسِ تنہائی نہیں ہے
ڈھونڈوں کدھر آنکھوں میں تو بینائی نہیں ہے

۱۰۰
جب ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے شہِ خوشخو
دیکھا بسرِ خاک تڑپتا ہے وہ گل رُو
پھل برچھی کا سینہ میں ہے مجروح ہیں بازو
اور حلق میں پیوست ہیں دو تیر سہ پہلو
منہ زرد ہے ہستی کا چمن چھوڑ رہے ہیں
چھاتی سے لہو بہتا ہے دم توڑ رہے ہیں

۱۰۱
دکھلائے نہ یوں لاشِ پسر باپ کو اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
دم تن سے نکلنے لگا ہر آہ کے ہمراہ
پہلو میں گرے لاشِ پسر کے شہِ ذیجاہ
آپہنچا قریں منہ کے کلیجہ جو الٹ کے
غش ہو گئے لاشِ علی اکبرؑ سے لپٹ کے

۱۰۲
ہوش آیا تو رو کر یہ بصد درد پکارے
صدقے ترے اے غنچہ لب اے پیاس کے مارے
اکھڑا ہے دم اور موت کے آثار ہیں سارے
تم تو کوئی ساعت کے ہو مہمان مرے پیارے
دیدار بھی زینبؑ کو نہ دکھلاؤ گے بیٹا
بے ماں سے ملے خلد میں کیا جاؤ گے بیٹا

۱۰۳
اے نورِ نظر چشم ذرا بار تو کھولو
ہم آئے ہیں لے جانِ پدر منہ سے تو بولو
جاتے ہو تو بابا سے بغل گیر تو ہو لو
ہم روئیں تمہیں تم ہمیں دل کھول کے رو لو
پیری میں عجب داغ دیے جاتے ہو بیٹا
شبیرؑ کو بے آس کیے جاتے ہو بیٹا

۱۰۴

بیٹے نے سُنی باپ کی آواز جو اک بار
ایک آہ بھری کھول دیے دیدۂ خونبار
کی عرض کہ اے لختِ دلِ حیدرِ کرّار
نیزہ سے جگر زخمی ہے مرنے کے ہیں آثار
اینٹھی ہے زباں پیاس سے غش آتے ہیں بابا
ہم اب سوئے فردوسِ بریں جاتے ہیں بابا

۱۰۵

لینے ہمیں آتے ہیں ملکِ خلد سے باہم
مرنے کی تو شادی ہے پہ دو باتوں کا ہے غم
اک یہ ہے کہ تنہا ہیں بس اب قبلۂ عالم
اک جان تو حضرت کی ہے اور سیکڑوں اظلم
ہے دُوسرا یہ رنج کہ اماں کو نہ دیکھا
مرتے ہوئے بنتِ شہؑ مرداں کو نہ دیکھا

۱۰۶

یہ کہہ کے پھرانے لگے آنکھیں علی اکبرؑ
لیں ہچکیاں حضرت کو زباں خشک دکھا کر
دو مرتبہ دیکھا طرفِ خیمۂ اطہر
یعنی کہیں نکلی نہیں اماں تو کھلے سر
بس گلشنِ جنت کے مسافر ہوئے اکبرؑ
منہ دیکھ کے شبیرؑ کا آخر ہوئے اکبرؑ

۱۰۷

جس وقت کہ دنیا سے سفر کر گیا وہ ماہ
منہ پیٹ کے سرِ خاک پہ ٹکرانے لگے شاہ
چلاّئے کہ چھوڑا ہمیں اے اکبرِؑ ذی جاہ
کیوں جانِ پدر ہم کو نہ لیتے گئے ہمراہ
تھامے گا نہ پیری میں کوئی ہاتھ ہمارا
دم بھر کے لیے چھوڑ دیا ساتھ ہمارا

۱۰۸

یہ کہہ کے تڑپتے تھے شہِ بیکس و بے یار
ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا گنبدِ دوّار
اس رونے میں کیا دیکھتے ہیں سیّدِ ابرارؑ
سر ننگے چلی آتی ہے زینبؑ جگر افگار
ٹکڑے ہیں گریبان کے منہ اشکوں سے تر ہے
نہ پاؤں کا ہے ہوش نہ کچھ سر کی خبر ہے

۱۰۹

اک ایک قدم پیٹتی ہے سینہ و سر کو
رو کر کبھی چلاتی ہے اس رشکِ قمر کو
گر گر کے کہیں ڈھونڈتی ہے لاشِ پسر کو
اٹھتی ہے کہیں تھام کے ہاتھوں سے جگر کو
کہتی ہے کہ مجھ پر یہ قیامت کی گھڑی ہے
لوگو مرے اکبرؑ کی کدھر لاش پڑی ہے

۱۱۰

تھے جس پہ فدا سیّدِؑ والا وہ کہاں ہے
مشہور ہے جو گیسوؤں والا وہ کہاں ہے
جس لال کو اس دائی نے پالا وہ کہاں ہے
جو چاند ہے اور گھر کا اُجالا وہ کہاں ہے
ماں بیٹے سے اٹھارہ برس بعد چھٹی ہے
کس دشت میں دولت مرے بھائی کی لٹی ہے

۱۱۱

گھبرا کے بہن کو یہ پکارے شہِؑ صفدر
نامحرموں میں خیمہ سے کیوں نکلیں کھلے سر
زینبؑ نے صدا دی کہ میں قربان برادر
بتلایئے جیتے ہیں کہ بے جاں ہوئے اکبرؑ
ٹکڑے ہے جگر، تاب نہیں بنتِ علیؑ کو
للہ دکھا دو مجھے ہمشکلِ نبیؐ کو

۱۱۲

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے
زینبؑ علی اکبرؑ تو سناں کھا کے سدھارے
کس کی متلاشی ہو میں قربان تمہارے
وہ پاس محمدؐ کے ہیں کوثر کے کنارے
ہٹ جاؤ کہ ہمشکلِ پیمبرؐ نہ ملیں گے
لاشہ تو ملے گا علی اکبرؑ نہ ملیں گے

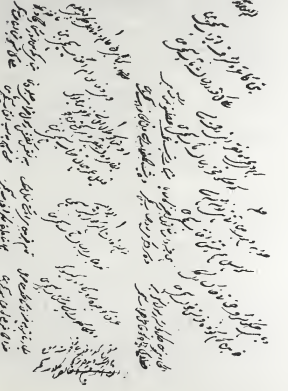
۱۱۳

دوڑی یہ خبر سُن کے ید اللہ کی جائی
اٹھارہ برس والے کی میّت نظر آئی
لاشہ پہ گری جبکہ وہ گردوں کی ستائی
شبیرؑ نے بیٹے کو یہ آواز سنائی
اٹھو علی اکبرؑ یہ قیامت کی گھڑی ہے
مقتل میں پھوپھی کھولے ہوئے بال کھڑی ہے

۱۱۴

خاموش انیسؔ اب بپا رونے کا ہے غل
پژمردہ ہُوا صرصرِ آفت سے عجب گل
ہے صدمۂ جانکاہ فراقِ گُل و بلبل
اس غم میں کسی دل کو نہیں تاب و تحمّل
اس طرح سے برباد کوئی باغ نہ ہووے
پیری میں کسی باپ کو یہ داغ نہ ہووے

عکس تحریر میرانیس



مرثیہ ۱۰

جب کٹ گیا تیغوں سے گلستانِ محمدؐ

۱

جب کٹ گیا تیغوں سے گلستانِ محمدؐ
اور رہ گیا تنہا جگر و جانِ محمدؐ
اعدا میں گھرا یوسفِ کنعانِ محمدؐ
ماتم میں ہوا چاک گریبانِ محمدؐ
اُمت نے نہ کی قدر امامِ دو جہاں کی
تنہا پہ چڑھائی ہوئی دو لاکھ جواں کی

۲

تھا شور کہ ہاں رُکنِ امامت کو گرا دو
اب دین کی بنیاد ہی دنیا سے مٹا دو
شمعِ لحدِ احمدِ مرسل کو بجھا دو
شبیرؑ کا سر کاٹ کے خیمہ کو جلا دو
عباسؑ سا بھائی ہے نہ اکبرؑ سا پسر ہے
وہ شیر تو مارے گئے اب کیا تمھیں ڈر ہے

۳

ہر چند بہادر ہیں نہایت شہِ خوش خو
پر جنگ کے قابل نہیں ہیں ٹوٹا ہے بازو
وہ خاک پہ سوتے ہیں جو تھے زینتِ پہلو
قابو نہ تو دل پر ہے نہ شمشیر پہ قابو
اب شیر سے لشکر پہ آ آ کے گریں گے
دو حملوں میں رہوار سے غش کھا کے گریں گے

۴

بعضے تو یہ کہتے تھے ہوئی فتح لڑائی
بعضوں کا یہ تھا قول کہ سب کی اجل آئی
سرور نے شجاعت شہِ مرداں کی ہے پائی
وہ ایک طرف ایک طرف ساری خدائی
اس شیر کا بازو جو شکستہ ہے تو کیا ہے
رک جائے گا وہ جس کا پدر دستِ خدا ہے

۵

اس امر میں کیا جانیے کیا ہے اسے منظور
جو اس میں ہے قدرت وہ کسی میں نہیں مقدور
پیاسا ہے وہ عاجز ہے وہ ہے بیکس و مجبور
انساں ہے یہ ہیں حکم میں جن و ملک و حور
حق اس کا ہے طالب وہ طلبگارِ خدا ہے
ایذا وہ اٹھاتا ہے یہ اسرارِ خدا ہے

۶

ہم قتل کریں اس کو یہ طاقت نہیں ہم میں
وہ چاہے تو کر دیوے فنا فوج کو دم میں
قدموں کا علیؑ کی ہے ثبات اس کے قدم میں
پر زیست سے بیزار ہے فرزند کے غم میں
اس بھوک میں اس پیاس میں غم کھانے کو دیکھو
اکبرؑ سے جواں بیٹے کے مر جانے کو دیکھو

۷

آتا نہیں گھر سے جو ید اللہ کا پیارا
گھیرے ہوئے عورات کا ہے قافلہ سارا
اور بالی سکینہؑ کی محبت نے ہے مارا
بابا کی جدائی نہیں بیٹی کو گوارا
دلچسپ بہت ہوتی ہیں دلدار کی باتیں
رو دیتی ہیں جب کرتی ہیں وہ پیار کی باتیں

۸
یہ کہتے تھے اور مستعدِ قتل تھے ظلم
برپا تھا ادھر خیمۂ شبیرؑ میں ماتم
سمجھاتے تھے سیدانیوں کو قبلۂ عالم
گھبرا کے بہن قدموں پہ گر پڑتی تھی ہر دم
ہٹتی ہے نہ زینبؑ نہ جدا ہوتے ہیں شبیرؑ
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے روتے ہیں شبیرؑ

۹
کہتے تھے بہن ہوتی ہے اب تم سے جدائی
تقدیر سے کچھ بس نہیں مجبور ہے بھائی
راحت تو کسی طرح کی یاں آ کے نہ پائی
کھو بیٹھیں مرے واسطے اپنی بھی کمائی
بچپن کا برادر کے سہارا نہیں کوئی
افسوس یہی ہے کہ تمھارا نہیں کوئی

۱۰ ★
فرزند بھی ہوتے تو اسیری سے بچاتے
جلتا جو یہ خیمہ کہیں لے جا کے بٹھاتے
جب بعد مرے اہلِ ستم لوٹنے آتے
وہ صاحبِ غیرت تمھیں گوشے میں چھپاتے
بھائی تو تہِ تیغِ ستم ہوئے گا بھینا
چادر جو چھنے گی تمھیں غم ہوئے گا بھینا

۱۱
بابا نے مرے سیکڑوں بندے کیے آزاد
بے جرم تمھیں قید کریں گے ستم ایجاد
رسی سے جوان بازوؤں کو باندھیں گے جلاد
واللہ بہن ہوگی میری روح پہ بیداد
کچھ کہہ نہ سکے گا اسد اللہ سے شبیرؑ
جنت میں خجل ہوگا ید اللہ سے شبیرؑ

۱۲
کہتی تھی یہ زینب کہ بہن ہو گئی واری
اپنا نہیں غم میرے لیے کرتے ہو زاری
راضی ہوں مجھے قید کرے فرقۂ ناری
بازو مرے باندھیں پہ بچے جان تمہاری
لے جائیں ردا سر سے گلا باندھیں رسن سے
پردیس میں بھائی کو چھڑائیں نہ بہن سے

۱۳
دن رات ہے اماں کی وصیت کا مجھے دھیان
بیماری میں مجھ سے یہی فرماتی تھیں ہر آن
بیٹوں سے خبردار مرے میں ترے قربان
اللہ نگہبان ہے یا تو ہے نگہبان
داغ اس کی جدائی کا لیے جاتی ہوں بیٹی
دولت تجھے اپنی میں دیے جاتی ہوں بیٹی

۱۴
کچھ مجھ سے حفاظت نہ ہوئی ہائے مقدر
میں جیتی رہی زہر سے بیجاں ہوئے شبرؑ
اس غم میں نہ زانو سے اٹھایا تھا ابھی سر
اب اور یہ شرمندگی ہوتی ہے برادر
کس طرح بھلا ان سے میں چار آنکھیں کروں گی
آویں گی نہ تربت میں بھی اماں جو مروں گی

۱۵
ہے ہے یہ مصیبت مجھے قسمت نے دکھائی
شرمندگی اماں سے برادر سے جدائی
سب لوگ کہیں گے کہ اسے موت نہ آئی
جیتی ہے بہن مر گئے دو شیر سے بھائی
قسمت میں یہ ہے روؤں میں ہفتاد و دو تن کو
سچ ہے ابھی کس طرح سے موت آئے بہن کو

۱۶ ★

میں مرتی تو یہ داغ بھلا کون اٹھاتا
لاشہ کسے ہمشکلِ نبیؐ کا نظر آتا
بھائی کو مصیبت میں بھلا کس سے چھڑاتا
سر ننگے کسے لشکرِ کفار پھراتا
گھر ہو گیا تاراج رسولِؐ مدنی کا
عہدہ مری تقدیر میں ہے سینہ زنی کا

۱۷

بچپن میں تو سر پر سے اٹھا باپ کا سایا
پھر ماں کا جنازہ مجھے قسمت نے دکھایا
بابا جو موئے داغ یتیمی کا اٹھایا
برسوں مجھے شبّرؑ کی جدائی نے رُلایا
ان سب کی تو فرقت کی جفا میں نے سہی ہے
اب آخری وقت آپ کے رونے کو رہی ہے

۱۸

دیکھو تو مقدر کو مرے اے شہِ عالی
کیا مجھ پہ مصیبت مری تقدیر نے ڈالی
آگے مرے اماں کا بھرا گھر ہُوا خالی
سب مر گئے اور رہ گئی میں پیٹنے والی
میں مر کے تو جنازے پہ بھی ہووے گا نہ کوئی
سب کو تو میں روئی مجھے رووے گا نہ کوئی

۱۹ ★

پہلے وہ سفر کر گئے جو تھے ہمیں پیارے
کاندھا نہ کوئی دے گا جنازے کو ہمارے
اکبرؑ بھی ہمیں چھوڑ کے دنیا سے سدھارے
اتنا نہ رہا کوئی جو تربت میں اتارے
قسمت نے کہیں کا نہ رکھا بنتِ علیؑ کو
ایسا بھی نہ بیکس کرے اللہ کسی کو

۲۰ ★

بیکس ہوں خدا رحم مرے حال پہ فرمائے
گر اب بھی اجل آئے تو عزت مری رہ جائے
حضرت کی شہادت مجھے اللہ نہ دکھلائے
نادار بہن آپ کے ہاتھوں سے کفن پائے
بھینا کے لیے اشک بہاتے ہوئے جاؤ
خیمہ میں مری قبر بناتے ہوئے جاؤ

۲۱

رو کر کہا حضرتؑ نے یہ کیا کہتی ہو خواہر
اللہ رکھے تم کو مرے بچوں کے سر پر
تم جیتی ہو تو جیتی ہے زہراؑ مری مادر
الفت ہے سکینہؑ سے تمھیں میرے برادر
مظلوم برادر کی عزادار تمھیں ہو
بن باپ کے بچوں کے پرستار تمھیں ہو

۲۲

بانوؑ کو ابھی ہے تمھیں رنڈسالہ پہنانا
مقتل سے ابھی شام میں سر ننگے ہے جانا
زنداں میں ہے تابوت سکینہؑ کا اٹھانا
باقی ہے ابھی قبرِ برادر کا بنانا
مر کر بھی نہ آرام بہن ہم کو ملے گا
تم آؤ گی جب یاں تو کفن ہم کو ملے گا

۲۳

سر پیٹ کے تب کہنے لگی وہ جگر افگار
ہاں بھائی بہن ہے اسی خدمت کی سزاوار
دنیا سے اٹھیں پنجتن اور میں ہوں عزادار
ہاتھوں سے بہن قبر کرے بھائی کی تیار
ہے ہے صفِ ماتم کی بچھانے کو رہی تھی
بانو کے میں رنڈسالہ پہنانے کو رہی تھی

۲۴

رنڈسالے کا زینبؑ نے جو بانوؑ کے لیا نام
سر پیٹتی رانڈوں سے بپا ہو گیا کہرام
شہ نے کہا روتی ہیں کہاں بانوئے ناکام
مل لیویں کہ نزدیک ہے اب ہجر کا ہنگام
یہ سچ ہے کہ ہوش ان کو کہاں فرطِ الم سے
کیا ان کے رخصت بھی نہیں ہوئیں گے ہم سے

۲۵

رو کر کہا فضہ نے کہ یا شاہِ خوش اقبال
کیا ہوش ہو جس بی بی کے مارے گئے دو لال
اللہ نہ دکھلائے جو بانوؑ کا ہے احوال
ماتھے سے لہو بہتا ہے بکھرے ہوئے ہیں بال
کچھ بیبیاں حلقہ کیے گرد ان کے کھڑی ہیں
اکبرؑ کی جہاں لاش ہے واں غش میں پڑی ہیں

۲۶

روتے ہوئے بانوؑ کے سرہانے گئے سرور
زانو پہ لیا اپنے سرِ بانوئے مضطر
ہوش آیا تو کہنے لگی حضرت سے یہ رو کر
مادر سے ابھی کرتے تھے باتیں علی اکبرؑ
کہتے تھے کہ مر کر بھی گرفتارِ محن ہیں
دو فاتحہ پانی پہ کہ ہم تشنہ دہن ہیں

۲۷ ★

سمجھاتے تھے مجھ کو بہت آنسو نہ بہاؤ
رو رو کے نہ ہر دم مرے بابا کو رلاؤ
سجادؑ کو دیکھو مرا غم اتنا نہ کھاؤ
اصغرؑ نہیں چھاتی سے سکینہؑ کو لگاؤ
تڑپے گی مری روح جو چلاؤ گی اماں
روؤ گی جو برسوں نہیں پاؤ گی اماں

۲۸ ★

میں نے کہا تم سے یہ توقع نہ تھی واری
ایسے گئے پھر تم نے خبر لی نہ ہماری
گزری ہے بڑی دیر کہ کرتی ہوں میں زاری
اشک آنکھوں سے جاری ہیں لہو ماتھے سے جاری
جانا تھا تو پھر ساتھ ہی کیوں لے گئے ہم کو
اٹھارہ برس بعد دغا دے گئے ہم کو

۲۹ ★

شرما گیا آنکھوں کو جھکا کر مرا دلبر
پھر مجھ سے کہا گھاؤ کلیجے کا دکھا کر
اس زخم کے لگ جانے نے مارا ہمیں مادر
ورنہ ابھی تم سے نہ بچھڑتا علی اکبرؑ
رنج آپ کا بہنوں کا قلق بھائی کا غم ہے
اور سب کے سوا باپ کی تنہائی کا غم ہے

۳۰ ★

پوچھا جو کہ اصغرؑ کی خبر ہے تمہیں واری
خالی ہوئی اس بن میں بھری گود ہماری
بھائی کے لیے پہلے تو آنسو ہوئے جاری
پھر بولے کہ ہاں تیر لگا حلق پہ کاری
بے چین ہے بن دودھ یہاں شام سے اصغرؑ
اب گود میں دادی کے ہیں آرام سے اصغرؑ

۳۱

میں نے کہا ماں صدقے ہوا اے یوسفِ ثانی
کوثر پہ گئے اور نہ بجھی تشنہ دہانی
رو کر کہا پیاسا ہے یداللہ کا جانی
شرم آتی ہے اماں ابھی کیونکہ پئیں پانی
سمجھا کے مجھے ہوش مرے کھو گئے اکبرؑ
میں چونکی تو آنکھوں سے نہاں ہو گئے اکبرؑ

۳۲

روکر کہا حضرت نے محبت میں اثر ہے
جو تم پہ گزرتی ہے سب اکبرؑ کو خبر ہے
بیٹے سے ملیں آپ بھی منظورِ نظر ہے
دنیا سے کوئی دم میں ہمارا ابھی سفر ہے
تنہائی میں اب زیست سے گھبراتے ہیں بانوؑ
اکبرؑ ہیں جہاں ہم بھی وہیں جاتے ہیں بانوؑ

۳۳

گھبرا کے کہا بانوؑ نے اے سرورِ عالم
سمجھانے کو آئے تھے مجھے اور دیا غم
کچھ مرگ سے پیغام رنڈاپے کا نہیں کم
کیا دل پہ چھری ماری کہ لونڈی ہوئی بیدم
اب آپ کو میں روؤں کہ ہم شکلِ نبیؐ کو
یوں بیٹے کا پرسا کوئی دیتا ہے کسی کو

۳۴ ★

اکبرؑ نے تو چھوڑا تھا جو حضرت بھی سدھارے
میرا نہ رہا کوئی جیوں کس کے سہارے
قربان گئی میں تو ہوں خود گور کنارے
ٹھہرو کہ یہ دکھیاری ہے جان آپ پہ وارے
تابوت بھی بانوؑ کا نہ اٹھوائیو آقا
مرلیوے یہ لونڈی تو چلے جائیو آقا

۳۵ ★

صدقے گئی جاتے ہو مجھے چھوڑ کے کس پر
رہتے تھے جہاں پہلے سو لوٹا گیا وہ گھر
جیتے ہیں نہ ماں باپ نہ ہے کوئی برادر
میرے تمہیں آقا مرے مالک مرے سرور
حضرت کو رنڈاپے میں کہاں روئے گی بانوؑ
بعد آپ کے محتاج ردا ہووے گی بانوؑ

۳۶

شہؑ نے کہا راضی ہوں میں جو اسکی رضا ہے
رانڈوں کا غریبوں کا مددگار خدا ہے
صاحب کوئی دنیا میں ہمیشہ بھی جیا ہے
ساتھی مرے کیا ہو گئے غیرت کی یہ جا ہے
تنہا اسد اللہ کا آغوش نشیں ہے
سب صبح تلک پاس تھے اب کوئی نہیں ہے

۳۷

بانوؑ کو یہ سمجھا رہے تھے سیدِ خوش خو
دیکھا کہ چلے آتے ہیں یوں عابدِ مہرو
رعشہ ہے تنِ زار میں اور بہتے ہیں آنسو
دو بیبیاں ہمراہ ہیں تھامے ہوئے بازو
کہتے ہیں مصیبت کا فلک گرتا ہے ہم پر
لے جا کے گرا دو ہمیں بابا کے قدم پر

۳۸ ★

سب قتل ہوئے شاہ کے میں کام نہ آیا
تقدیر نے مجھ کو علی اکبرؑ سے چھڑایا
رتبہ علی اصغرؑ کے برابر بھی نہ پایا
بابا کے عوض میں نے کوئی تیر نہ کھایا
تپ سے تو یہ بیمار ہلاکت کے قریں ہے
تلوار سے مرنا مری قسمت میں نہیں ہے

۳۹

گھبرا کے یہ سجادؑ کو شبیرؑ پکارے
کیوں آئے ہمیں آنے کو تھے پاس تمہارے
نورانی بدن کانپتا ہے ضعف کے مارے
اللہ ہی طاقت تجھے دے اے مرے پیارے
آجائے گا غش طوقِ گلوگیر پہن کر
کیونکر یہ قدم اٹھیں گے زنجیر پہن کر

۴۰

دم چڑھ گیا بستر سے چلے اُٹھ کے جو دو گام
کس طرح چلا جائے گا پیدل کہو تا شام
بستر پہ تو راحت نہیں اے میرے گل اندام
زنداں میں بھلا خاک پہ کب آئے گا آرام
یاں بیٹھتی ہے ماں کبھی ہمشیر سرہانے
واں ہو گا فقط طوقِ گلوگیر سرہانے

۴۱

عابدؑ نے کہا شاہ کے قدموں سے لپٹ کر
کیا قید مرے حق میں شہادت سے ہے بہتر
فرمایا کہ پیارے ہے یہی مرضیِ داور
شکر اس کا کرو تم کہ ملے ورثۂ حیدرؑ
رسّی ہو گلے میں تو نہ گھبرائیو بیٹا
دادا کی طرح چپکے چلے جائیو بیٹا

۴۲ ★

عابدؑ کو یہ سمجھا کے چلے خیمہ سے سرورؑ
سب بیبیاں ہمراہ ہوئیں کھولے ہوئے سر
جب صحن میں پہنچے تو یہ کہنے لگے رو کر
اے صاحبو کس جا ہے سکینہؑ مری دختر
اب شکل بجز حشر دکھانے کے نہیں ہم
چھاتی سے لگا لیں کہ پھر آنے کے نہیں ہم

۴۳ ★

بانوؑ نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے
گھر آپ میں وہ ہوتی تو پاس آتی تمہارے
جس وقت سے عباسؑ سوئے خلد سدھارے
خیمے میں چھپی روتی ہے وہ شرم کے مارے
لب خشک ہیں رُخ زرد ہے اور زانو پہ سر ہے
ہوش اس کو نہ میرا ہے نہ حضرت کی خبر ہے

۴۴ ★

جو جاتا ہے کہتی ہے مرے پاس نہ آؤ
اے بیبیو گُرتا نہ مرے منہ سے چھڑاؤ
جینے کی نہیں مجھ سے بھی اب ہاتھ اٹھاؤ
بابا بھی جو پوچھیں تو نہ تم مجھ کو بتاؤ
ہاتھوں سے میں کھو بیٹھی ہوں عباس علیؑ کو
بابا کو نہ دکھلاؤں گی صورت نہ چچی کو

۴۵ ★

پچھتاتی ہوں میں نہر سے کیوں پانی منگایا
عمّو نے مرے واسطے ہاتھوں کو کٹایا
قسمت نے مرے باپ سے بھائی کو چھڑایا
ہے ہے مرے بابا نے بڑا داغ اٹھایا
ہاں قتل ہی کرنے کی سزاوار ہوں لوگو
میں سبطِ پیمبرؐ کی گنہگار ہوں لوگو

۴۶ ★

روتے ہوئے پاس اس کے گئے سرورِ دلگیر
گودی میں لیا اور یہ کی درد کی تقریر
اے لاڈلی، قرباں تری پیاس کے شبیرؑ
کیا صدمہ ہے کیا رنگ ہے کیا حال ہے تغیّر
سر ننگے ہو کُرتے کا گریبان پھٹا ہے
کیوں ہاتھوں سے تم منہ کو چھپاتی ہو یہ کیا ہے

۴۷ ★

سمجھا ہیں جو کچھ شرم سے آنسو نہ بہاؤ
صدقے پدر اس شرم کے گردن تو اٹھاؤ
آزردہ میں تم سے نہیں لو منہ نہ چھپاؤ
سُوکھے ہُوئے یہ لب مجھے اک بار دکھاؤ
درپیش ہے بابا سے جدائی کوئی دم کو
عباسؑ کو تو رو چکیں اب روئیو ہم کو

۴۸ ★

بیٹی سے یہ فرماتے تھے اور بھرتے تھے آہیں
بیتاب تھی گردن میں وہ ڈالے ہوئے باہیں
کہتے تھے کہ کس طرح سے موت اپنی نہ چاہیں
اے جانِ پدر بند ہوئیں امن کی راہیں
فرزندِ نبیؐ لاکھ سواروں میں گھرا ہے
ان روزوں زمانہ ترے بابا سے پھرا ہے

۴۹ ★

یہ ذکر تھا جو آئی وہاں زوجۂ عباسؑ
بھاوج سے یہ کہنے لگے شبیرؑ بصد یاس
شرمندہ بہت تم سے ہے یہ بیکس و بے آس
وہ بولی کہ قربان گئی آؤ مرے پاس
تم کو تو رنڈاپے کا مرے رنج و الم ہے
تم پانی سے محروم رہیں مجھ کو یہ غم ہے

۵۰ ★

روپوش ہے کیوں شرم کی کیا بات ہے واری
تم کیا کرو نتھ ناک سے قسمت نے اتاری
آقا سے نہ جاں اور نہ اولاد ہے پیاری
عباسؑ تو خادم تھے میں لونڈی ہوں تمہاری
ان تلووں کو آنکھوں سے لگاؤں گی سکینہؑ
شب کو تمھیں چھاتی پہ سلاؤں گی سکینہؑ

۵۱ ★

تم سہم کے گھبراؤ نہ میں ہو گئی قرباں
منہ ڈھانپ کے میں اب نہیں رونے کی مری جاں
اب دھیان تمہارا ہے رنڈاپے کا نہیں دھیاں
کر دے گا خدا صبر میں مشکل میری آساں
کیا رنج کا شوہر کی مجھے پاس نہیں ہے
لونڈی تو ہے خدمت کو جو عباسؑ نہیں ہے

۵۲ ★

مجھ سے دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار
فرزندوں کا اپنے مجھے کچھ غم نہیں زنہار
واللہ سکینہؑ سے جُدا ہونا ہے دشوار
صاحب مری پیاری سے خبردار خبردار
جب غل ہو کہ دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
منہ پر کوئی اس کے نہ کہے مر گئے عباسؑ

۵۳

بھاوج سے سنی شاہؑ نے جس وقت یہ تقریر
آنکھوں کے تلے پھر گئی عباسؑ کی تصویر
صدمہ یہ ہوا دل پہ کہ حالت ہوئی تغییر
روتے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوئے شبیرؑ
خویش و رفقا میں کوئی چھوٹا نہ بڑا تھا
یا آپ تھے یا فاقے سے رہوار کھڑا تھا

۵۴

دیکھا نگہِ حسرت و اندوہ سے ہر سُو
تھا کون پکڑتا جو رکاب شہِ خوش خُو
تنہائی پہ آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو
گھوڑے سے کہا فاقے سے دو روز کے ہے تو
رہواروں میں تجھ سے کوئی پیارا نہیں مجھ کو
تکلیف تجھے دوں یہ گوارا نہیں مجھ کو

۵۵

پیدل مرے جانے کا غم اس وقت نہ کھانا
ڈیوڑھی سے خبردار کہیں اور نہ جانا
پر قتل میں جب ہوں تو مری لاش پہ آنا
پامالی سے اسوار کے لاشے کو بچانا
اکبرؑ نہیں عباسِ علمدار نہیں ہے
اب تیرے سوا کوئی مددگار نہیں ہے

۵۶
گھوڑے نے سنی شہ کی جو تقریر یہ ساری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
آقا سے یہ کی عرض کہ اے عاشقِ باری
بچپن سے تو دی آج تلک میں نے سواری
سر رشتۂ الفت سے رہا کرتے ہیں مجھ کو
اب آخری وقت آپ جدا کرتے ہیں مجھ کو

۵۷
اس وقت سے ہوں آپ کی خدمت میں میں سرور
جب پاؤں نہ آتے تھے رکابوں کے برابر
رہوار تو تھے اور بھی اصطبل میں اکثر
چڑھتے تھے مری پُشت پہ یا دوشِ نبیؐ پر
یا باگ کی جا زلفِ رسولِؐ دوجہاں تھی
یا چھوٹے سے ہاتھوں میں کبھی میری عناں تھی

۵۸ ★
فرماتے تھے پاس آ کے مرے احمدِ مختارؐ
میں تجھ پہ فدا اے مرے شبیرؑ کے رہوار
جس روز ہو فرزند مرا بے کس و بے یار
وہ وقت رفاقت کا ہے اے اسپِ وفادار
نیزے جو چلیں دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
تو گرنے نہ دینا مرے پیارے کو زمیں پر

۵۹ ★
بھولا نہیں محبوبِ الٰہی کا وہ فرماں
کس طرح سے چھوڑوں میں تمہیں اے شہِ ذیشاں
حضرت کو یہ غم ہے کہ ہے فاقے سے یہ حیواں
میں آپ کی اس پرورش و لطف کے قرباں
حیواں تو ہوں یا شاہ مگر اہلِ وفا ہوں
آقا یہ بھی دو دن سے ہے فاقہ تو میں کیا ہوں

۶۰ ★
بھوکا ہوں تو حضرتؑ نے ہے کیا کھانے کو کھایا
پیاسا ہوں تو مولا نے بھی پانی نہیں پایا
ساتھ آپ کے راحت ہے اگر رنج اٹھایا
کس کام کا اس وقت اگر کام نہ آیا
چھوڑو گے تو دنیا سے گزر جاؤں گا حضرت
سر اپنا پٹک کر یہیں مر جاؤں گا حضرت

۶۱ ★
زہراؑ کے مرے حال پہ الطاف تھے کیا کیا
فاقوں میں بھی مجھ کو کبھی بھوکا نہیں رکھا
آج آخری حضرت کی سواری ہے یہ مولا
اس وقت جدا ہوں یہ کبھی مجھ سے نہ ہوگا
ساتھ آپ کے شمشیر و سناں کھا کے مروں گا
منزل تلک آقا کو میں پہنچا کے مروں گا

۶۲
سُن کر یہ سخن باگ پہ ہاتھ آپ نے ڈالا
پھر تھا نہ رکاب آ کے کوئی تھامنے والا
بیتابی میں منہ پردے سے زینبؑ نے نکالا
چلّائی کہ حاضر ہے بہن اے شہِ والا
زہراؑ کی صدا آئی کہ مادر بھی قریں ہے
خدمت کے لیے میں تو ہوں گر کوئی نہیں ہے

۶۳
آوازِ علیؑ آئی کہ اے صابر و شاکر
ہے آخری خدمت کے لیے باپ بھی حاضر
احمدؐ نے صدا دی مرے مظلوم مسافر
سر ننگے میں نکلا ہوں لحد سے تری خاطر
میں بیٹھتا ہوں گھوڑے کے نزدیک زمیں پر
کاندھے پہ قدم رکھ کے چڑھو خانۂ زیں پر

۶۴ ★
یہ پاؤں تو رہتے تھے مرے دوش کے اُوپر
مسجد میں پھرا ہوں تمھیں کاندھے پہ چڑھا کر
پیارے تری تنہائی کے قربان پیمبرؐ
میں تھامنے آیا ہوں رکاب اے مرے دلبر
ہو خاک بسر صاحبِ معراج جلو میں
بچپن کا یہ مرکب ہے چلے آج جلو میں

۶۵
اس دم یہ ہوا حکمِ خدا روحِ امیں کو
تھراتے ہیں افلاک تزلزل ہے زمیں کو
ہاں تھام لے تو جا کے رکابِ شہِ دیں کو
گھوڑے پہ چڑھا دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
تنہائی کا ہے وقت نواسے پہ نبیؐ کے
اب کوئی نہیں پاس حسینؑ ابن علیؑ کے

۶۶
تو خادمِ دیرینہ ہے وہ ہے ترا مخدوم
گزرے ہیں کئی روز کہ ہے پانی سے محروم
کہیو مری جانب سے کہ اے عاشقِ قیوم
تجھ سا نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا مظلوم
چرچے تری تنہائی کے عالم میں رہیں گے
جو خاص ہیں بندے ترے ماتم میں رہیں گے

۶۷
جبریل نے تھامی جو رکاب آن کے اک بار
جب فاطمہؑ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
کس منہ سے کہوں شان و شکوہِ شہِ ابرار
حوریں تھیں جلو دار ملک غاشیہ بردار
سر ننگے چپ و راست رسولوں کے پرے تھے
محبوبِ خدا ہاتھ کلیجے پہ دھرے تھے

۶۸
چلاتی تھی یہ فاطمہؑ با گریہ و زاری
جاتی ہے جہاں سے مرے پیارے کی سواری
تنہائی کے صدقے گئے مظلومی کے واری
ہے ہے ہوئی بن بھائی کے زینبؑ میری پیاری
شب آج کی کس طرح گزارے گی سکینہؑ
بابا کسے اب کہہ کے پکارے گی سکینہؑ

۶۹
اعدا میں یہ تھا شور کہ ہشیار جوانو!
حیدرؑ کا پسر آتا ہے اب برچھیاں تانو
گر لاکھ سخن تم سے کہے ایک نہ مانو
تیروں سے بدن فاطمہؑ کے لال کا چھانو
عباسؑ کو بے جاں کیا کس شیر کے آگے
کاٹو سرِ شہ زینبِ دل گیر کے آگے

۷۰
ناگاہ نمودار ہوئے شاہِ اولوا العزم
اُٹھا عمرِ سعد پراگندہ ہوئی بزم
میداں میں جمانے لگے کفار صفِ رزم
قتلِ پسرِ فاطمہؑ کا عزم تھا بالجزم
پر رعب تھا ایسا پسرِ شیرِ خدا کا
سینہ میں جگر کانپ گیا اہلِ جفا کا

۷۱
ہر چند جماتا تھا صفیں شمرِ جفا جُو
ڈر ڈر کے ستمگار تہی کرتے تھے پہلو
کہتے تھے کہ ہیں گرچہ اکیلے شہِ خوش خو
ہیبت ہے پر ایسی کہ دلوں پر نہیں قابو
ہر بار کلیجے کو ہلا دیتا ہے کوئی
بڑھتے ہیں قدم جب تو ہٹا دیتا ہے کوئی

۷۲

تھے یکہ و تنہا پہ زہے حشمت و اجلال
نصرت کبھی ہوتی تھی تصدق کبھی اقبال
گلبرگ سے لب خشک تھے یہ پیاس کا تھا حال
رُخ دھوپ میں تھا مہرِ منوّر کی طرح لال
قطرے تھے پسینے کے جو نورانی جبیں پر
اختر کی طرح ٹوٹ کے گرتے تھے زمیں پر

★ ۷۳

بل کھائے ہوئے چاند سے رخساروں پہ گیسو
دابا تھا شبِ تار نے خورشید کا پہلو
گیسوئے محمدؐ سے نہ تھا فرق سرِ مُو
کوسوں تلک اس بن سے چلی جاتی تھی خوشبُو
رخسار نہ زلفِ لطافت نسے بھرے تھے
یا طرّۂ سنبل سبدِ گل پہ دھرے تھے

★ ۷۴

پیشانی ہے لوحِ دلِ عارف سے کشادہ
سجدہ کا نشاں بدر سے روشن ہے زیادہ
لکھنے کا جو تھا مطلعِ ابرو کے ارادہ
کاتب نے سرِ صفحہ رکھا اُس لیے سادہ
اس آئینہ سے صاف عیاں قدرتِ حق ہے
پہلا تو یہی حسن کے دیواں کا ورق ہے

★ ۷۵

ہیں رشکِ ہلالِ فلک، ابروئے خمیدہ
کم ہوگی کمانوں میں بھی یہ وضع کشیدہ
ہیں گوشہ گزیں جن سے غزالان رمیدہ
قربان ہے زہرا کا دلِ درد رسیدہ
رُخ پھیریں ہزاروں سے یہ نقص ان میں نہیں ہے
مژگاں ہیں وہ ناوک کہ خطا جن میں نہیں ہے

★ ۷۶

مست مئے عرفان ہیں وہ چشمانِ سیہ فام
ہے پیشِ نظر نورِ الٰہی سحر و شام
نرگس ہے نثار ان پہ تصدق گل بادام
وہ آنسوؤں سے تر ہیں یہ ہے گردشِ ایام
بالا ہے جو دستِ مژہ یہ رمزِ دگر ہے
آنکھوں کو بھی اُمّت کی دعائے نظر ہے

★ ۷۷

ہے ریشِ سیہ گرد رُخِ خسروِ جمہور
وہ سورۂ والیل ہے یہ آئینۂ نُور
گویا کہ سرِ شام ہوئی روشنیِ طور
آغوش میں لپٹی ہے قمر کو شبِ دیجور
اس خط سے عیاں نور ہے اس مظہرِ حق کا
یہ حاشیہ ہے مصحفِ ناطق کے ورق کا

★ ۷۸

کیا ہو سکے توصیفِ لبِ لعل زباں سے
یہ رنگ عقیقِ یمنی لائے کہاں سے
عالم ہے یہ محروم جو ہیں آبِ رواں سے
برگِ گلِ تر خشک ہو جس طرح خزاں سے
غافل کوئی دم یادِ الٰہی سے یہ کب ہیں
رہتی تھی زباں جس میں نبیؐ کی یہ وہ لب ہیں

★ ۷۹

ہے گوہرِ دنداں کی زہے آب زہے تاب
انجم میں یہ رونق ہے نہ گوہر میں ہے یہ آب
ہے حلقۂ یاقوت میں سلکِ دُرِ نایاب
یا قطرۂ شبنم ہیں میانِ گلِ شاداب
دیکھی نہیں اب تک یہ چمک دُرِ نجف میں
پوشیدہ ہیں بتیس گہر ایک صدف میں

★ ۸۰

وہ گردن روشن ہے کہ ہے نور کی مشعل
حلقہ ہے گریباں کا ہلالِ شبِ اوّل
تھا جس پہ نبیؐ کو نہ گوارا خطِ ہیکل
سو شمر کی تیغ اور وہ گلا اور وہ مقتل
جو فاطمہؑ کے دُودھ کی دھاروں سے پلا تھا
شمشیر سے کٹنے کے لیے اس کا گلا تھا

★ ۸۱

مہتاب سے وہ ابنِ یداللہ کے شانے
جن کو یدِ قدرت سے بنایا تھا خدا نے
بوسے دیے تھے جس پہ شہِ عقدہ کشا نے
ہیہات وُہ شانے ہوئے تیروں کے نشانے
وہ بارِ شفاعت کے اٹھانے کے لیے تھے
یا خنجر و شمشیر لگانے کے لیے تھے

★ ۸۲

الماس سے شانے ہیں تو بلور سی ساعد
اکثر جنھیں آنکھوں سے لگاتے تھے محمدؐ
اور ہاتھ میں اسبابِ سخاوت ہیں سر آمد
جن سے نہ ہوا دستِ سوالِ فقرا رد
ہے شورِ سخاوت کا شہنشاہِ اُمم کی
دس انگلیاں دس نہریں ہیں دریائے کرم کی

★ ۸۳

وہ سینہ کہ جس سینہ پہ تھی فاطمہؑ قرباں
گنجینہ ہر اک علم کا تھا صورتِ قرآں
انصاف کا گھر علم کا ور مخزنِ احساں
سو لگتی تھی اس پہ کبھی برچھی کبھی پیکاں
زخمی تھا جگر تیروں سے سینہ بھی چھنا تھا
ملبوسِ تنِ پاک زرہ جامہ بنا تھا

★

۸۴

سو جاں سے نثار کمرِ سرورِ عالمؑ
اُمت کی شفاعت پہ جسے باندھا ہے محکم
تولے ہوئے شمشیر یہ فرماتے ہیں ہر دم
گھر لٹنے کی پروا ہے نہ سر کٹنے کا ہے غم
خنجر سے خوشی ہو کے کٹا دیویں گے سر کو
کھولیں گے تو جنت ہی میں کھولیں گے کمر کو

★ ۸۵

سر کرتی ہے اب طبعِ ثنائے قدمِ پاک
مشتاق رہے جس کی قدمبوسی کے افلاک
حُوروں کے لیے سُرمہ انھیں پاؤں کی ہے خاک
آنکھوں سے لگاتے تھے جنھیں صاحبِ لولاک
تلواروں سے گر جسم کے سب بند کٹیں گے
لیکن یہ قدم کھیت سے پیچھے نہ ہٹیں گے

★ ۸۶

جب تیغِ ستم چل گئی لشکر پہ خدا کے
مارے گئے دلبند امامِ دوسرا کے
اصغرؑ بھی نشانہ ہوئے جب تیرِ قضا کے
کوئی نہ رہا پاس غریب الغربا کے
جو زینتِ پہلو تھے وہ مقتل میں پڑے تھے
لاکھوں میں اکیلے شہِ مظلوم کھڑے تھے

۸۷

وہ وقتِ زوال اور وہ میدان وہ جرأت
فاقہ وہ کئی روز کا اور پیاس کی شدّت
تنہائی اُدھر اور اِدھر فوج کی کثرت
چھائے ہوئے تھے چاروں طرف اہلِ شقاوت
بیٹا بھی بھتیجا بھی برادر بھی جدا ہے
رہوار ہے یا آپ ہیں یا سر پہ خدا ہے

۸۸

پھر پھر کے نظر کرتے ہیں حسرت سے چپ و راس
پہلو میں نہ قاسمؑ نظر آتے ہیں نہ عباسؑ
فرماتے ہیں کیا ہو گئے اکبرؑ تھے ابھی پاس
بیکس ہوئے ایسے کہ نہیں کوئی بجز یاس
اب کون ہے دیکھے جو یہ تنہائی ہماری
جب مر گئے اکبرؑ تو اجل آئی ہماری

۸۹

ایسا ہے گنہگار یداللہ کا جانی
دو دن سے ہمیں پیاسے ہیں سب پیتے ہیں پانی
کیا بھولے ہیں اللہ کو یہ ظلم کے بانی
دانستہ مٹاتے ہیں محمدؐ کی نشانی
عباسؑ تلک رونے کو جانے نہیں دیتے
لاشہ علی اکبرؑ کا اٹھانے نہیں دیتے

۹۰

کہتا تھا ابھی یہ پسرِ صاحبِ معراج
جو اس تنِ تنہا پہ ہوا نرغۂ افواج
ہاتف کی ندا آئی کہ اے دین کے سرتاج
بے دینوں کو ہاں زورِ امامت بھی دکھا آج
ان کو تو نہیں پاس رسولِ مدنیؐ کا
لے ہم نے دیا تجھ کو حکم تیغ زنی کا

۹۱ ★

مظلومی بھی دیکھی تری تنہائی بھی دیکھی
اور لشکرِ اعدا کی صف آرائی بھی دیکھی
ہمت بھی سخاوت بھی شکیبائی بھی دیکھی
فاقوں میں ترے دل کی توانائی بھی دیکھی
اس معرکہ میں ہاتھ کی طاقت بھی دکھاؤ
اب جوہرِ شمشیرِ شجاعت بھی دکھاؤ

۹۲

سُن کر یہ ندا تیغ علم کی شہِ دیں نے
العظمت للہ کہا روحِ امیں نے
لیں چہروں پہ ڈھالیں سپرِ لشکرِ کیں نے
سمٹا لیا تھرا کے بدن گاوِ زمیں نے
ثابت تھا یہی تیغِ دو پیکر کی چمک سے
اب گرتی ہے کٹ کر سپرِ مہر فلک سے

۹۳

اس دم یہ فرشتوں کو ندا غیب سے آئی
درپیش ہے فرزندِ محمدؐ کو لڑائی
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
ہمراہ نہ بیٹا ہے نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
جوہر اسد اللہ کی شمشیر کا دیکھو
زور آج کے دن فاطمہؑ کے شیر کا دیکھو

۹۴ ★

کہہ دو یہ رسولوں سے کریں جا کے نظارا
سرگرمِ وغا ہوتا ہے شبیرؑ ہمارا
پیارا ہے ہمیں بھی کہ محمدؐ کا ہے پیارا
مارے گئے فرزند مگر دم نہیں مارا
جب تک نہ کہا ہم نے کہ اعدا سے وغا کر
دیکھا بھی نہ قبضے کی طرف آنکھ اٹھا کر

۹۵ ★

کھلوا انھیں در ملّے فلک جتنے ہیں معمور
رضواں کرے آرائشِ فردوس بدستور
ہاں جلد مکلّل بجواہر ہو ہر اک حور
مہمانیِ فرزندِ نبیؐ ہے ہمیں منظور
بالوں کو ملک فرش کریں خلد کے در میں
عاشق کا ورود آج ہے معشوق کے گھر میں

۹۶ ★

پہنچا جو خداوندِ دو عالم کا یہ فرماں
معروف ہوا زینتِ فردوس میں رضواں
غرفوں سے لگیں دیکھنے حوریں سُوئے میداں
اور نکلے رسولوں کے پرے چاک گریباں
دیکھا رُخِ روشن جو حسینؑ ابنِ علیؑ کا
اک شور ہُوا صلِّ علیٰ آلِ نبیؐ کا

۹۷

یاں نادِ علیؑ پڑھ کے چلے فوج پہ شبیرؑ
دل ہل گئے جس وقت کیا نعرۂ تکبیر
بجلی کی طرح کوند کے گرنے لگی شمشیر
دہشت سے ہوا زیرو زبر لشکرِ بے پیر
رُخ زرد تھا لرزہ تھا شجاعوں کے بدن کو
ہر ضرب میں سر بھاگتے تھے چھوڑ کے تن کو

۹۸

شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
اک ہاتھ مع سر نہ دیا تن پہ دکھائی
سیدھی جو پڑی سر پہ تو اللہ رے صفائی
بس ہوگئی دشمن کے سر و پا میں جدائی
کھینچا اُسے دو کر کے جو شمشیرِ دو سر کو
دو ٹکڑے اُدھر کو گرے دو ٹکڑے اِدھر کو

۹۹

چار آئینے والوں کی صفیں ہوگئیں جو رنگ
ضربِ شہِ والا سے زرہ پوش ہوئے تنگ
تلوار سے پرنے ہوئے ڈھالوں کے دم جنگ
خُود ان کے کٹے کٹ کے جو تھے فوج سرہنگ
منہ تیغوں کے اس شعلۂ آتش سے بھرے تھے
دستانے بھی یکدست قلم ہو کے گرے تھے

۱۰۰

تھے بادۂ نخوت سے کماندار جو بدمست
وہ تیغ بلندی پہ جو آئی تو ہوئی پست
بے سر نظر آتا تھا کوئی اور کوئی بیدست
کٹ جاتے تھے چلے بھی انگوٹھے بھی مع دست
کچھ سہمے ہوئے دُور جو دس بیس قدم تھے
ہر گوشے میں مانندِ کماں خوف سے خم تھے

۱۰۱

تھا برچھیوں والوں پہ یہ رعب اس گھڑی چھایا
چلاتے تھے بجلی کی ہے شمشیر کا سایا
قتلِ علی اکبرؑ کا مزا خوب اٹھایا
برچھی جو اسے ماری تو پھل ہم نے یہ پایا
شمشیر سے ہر بند جدا ہو تو بجا ہے
سیدؑ کے جواں بیٹے کے خوں کی یہ سزا ہے

۱۰۲

گھبرا گئے سن کر عمر و شمر یہ تقریر
سمجھاتے تھے ہر صف کے قریں آ کے وہ بے پیر
کچھ فوج تو ہمراہ نہیں لائے ہیں شبیرؑ
اک تشنہ دہن آپ ہیں اور ایک ہے شمشیر
مظلوم سے لڑنے کو نکلتا نہیں کوئی
ہاں سیکڑوں جرار ہیں چلتا نہیں کوئی

۱۰۳

سب کہتے تھے اے شمر ترا دھیان کدھر ہے
یہ سیدِ لب تشنہ محمدؐ کا پسر ہے
اور فاطمہؑ کے دُودھ کا رگ رگ میں اثر ہے
قبضے میں ید اللہ کی شمشیرِ دو سر ہے
یہ وہ ہے کہ لاکھوں ہوں تو میداں سے ہٹا دے
سر آپ خوشی سے جو کٹا دے تو کٹا دے

۱۰۴
یہ کہتے تھے اور بھاگتے تھے ظلم کے بانی
یاں دھوپ سے ہوتی ہے فزوں تشنہ دہانی
دم لے کے کیا شاہؑ نے پھر حملۂ ثانی
دہشت سے ستمگاروں کا زہرہ ہوا پانی
غل آب دمِ تیغ سے تھا فوج عدو میں
پانی پہ جو لڑتے تھے وہ ڈوبے تھے لہو میں

۱۰۵
دیکھی شہِ والاؑ نے جو دریا کی ترائی
سردار کو بُو خونِ علمدارؑ کی آئی
عباسؑ کے لاشے کو یہ آواز سنائی
اُٹھو کہ ہم آتے ہیں ملاقات کو بھائی
اب خلق میں بن باپ کے ہوتی ہے سکینہؑ
تم سوتے ہو اور خیمے میں روتی ہے سکینہؑ

۱۰۶
تم نے تو برادر کی لڑائی بھی نہ دیکھی
اس پیاسے پہ لشکر کی چڑھائی بھی نہ دیکھی
ان کانپتے ہاتھوں کی صفائی بھی نہ دیکھی
ہمشکلِ پیمبرؐ کی جدائی بھی نہ دیکھی
خنجر مری گردن پہ نہ چلتے ہوئے دیکھا
خیمے سے نہ زینبؑ کو نکلتے ہوئے دیکھا

۱۰۷
فرما کے یہ دریا میں در آتے شہِ ابرار
جس وقت گیا چھاتی تلک پانی میں رہوار
دیکھا رُخِ شبیرؑ کو پھر پھر کے کئی بار
شہؑ نے کہا کیا قصد ہے اے اسپِ وفادار
گھوڑے نے کہا پیاس سے بیتاب ہوں میں بھی
گر آپ پئیں پانی تو سیراب ہوں میں بھی

۱۰۸
سمجھے شہِ والا کہ نہایت ہے یہ پیاسا
لے چلّو میں پانی رُخِ رہوار پہ چھڑکا
گھوڑے نے کہا صدقے میں اس لطف کے آقا
خود پیاسے ہو دو روز سے اور دھیان ہے میرا
پھر پھر کے نہ خیمے کو نظر کیجیے حضرت
منہ دھو کے لبِ خشک کو تر کیجیے حضرت

۱۰۹
شہؑ نے کہا اس پانی کو کیا منہ سے لگاؤں
جی چاہتا ہے پہلے سکینہؑ کو پلاؤں
اکبرؑ کو اور اصغرؑ کو کہاں ڈھونڈنے جاؤں
پانی تو مِلا پر اُنھیں کس طرح سے پاؤں
جینے کی ہوس اب دلِ مضطر میں نہیں ہے
پانی ترے راکب کے مقدر میں نہیں ہے

۱۱۰
فرما کے یہ اس پانی کو چُلّو میں اٹھایا
شمرِ ستم ایجاد نے تب شور مچایا
لو پیتا ہے پانی اسد اللہ کا جایا
اک دم میں بس اب قتل ہوئے سب غضب آیا
اس وقت جو ہمت کو نہ ہارو تو بچو گے
دریا ہی میں شبیرؑ کو مارو تو بچو گے

۱۱۱
اس طرح جو لشکر کو وہ جلاد پکارا
بڑھ بڑھ کے ہوئی گھاٹ پہ سب فوج صف آرا
نیزوں سے نیستاں ہوا دریا کا کنارا
ملعونوں نے شانوں سے کمانوں کو اتارا
سب فوجِ ستم جنگ پہ بھرائی ہوئی تھی
دریا کے کنارے پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

۱۱۲
اتنے میں لیے تیر و کماں حرملہ آیا
اور شمرِ جفا کیش کو اس طرح سنایا
اصغرؑ کے تو کچھ خوں کا صلہ میں نے نہ پایا
پچھتاتا ہوں بچے کو عبث تیر لگایا
جب خاک پہ لاشہ شہِ بیکس نے دھرا تھا
پی آیا تھا جو دودھ وہ باچھوں میں بھرا تھا

۱۱۳
کہتے ہیں جسے پیکِ اجل ہے وہ مرا تیر
کیا دے گا جو محروم رہیں پانی سے شبیرؑ
اس نے کہا جو مانگ تو بولا یہ وہ بے پیر
سرداری موصل ہو مرے نام پہ تحریر
لکھوا کے سیہ رُو نے سند سامنے دھر دی
مُہر اس پہ خوشی سے پسرِ سعد نے کر دی

۱۱۴
سرداری کا مژدہ جو ستمگار نے پایا
نامرد نے سوفار سے چلّے کو ملایا
وہ ہاتھ کا پانی ابھی لب تک تھا نہ آیا
جو تیر شقی نے لبِ اطہر پہ لگایا
مجروح ہوتے ہونٹ شہِ تشنہ گلو کے
دو گوہرِ دنداں بھی گرے ساتھ لہو کے

۱۱۵
ہر چند کئی روز سے تھی تشنہ دہانی
کیا پیتے کہ چُلّو میں لہو ہو گیا پانی
ساحل پہ یہ غل کرنے لگے ظلم کے بانی
زخمی ہوا دریا پہ ید اللہ کا جانی
فرصت نہ ملی سبطِ پیمبر کو وضو کی
پانی کے عوض کُلّیاں کرتے تھے لہو کی

۱۱۶
اعدا تو خوشی کرتے تھے حضرت کا یہ تھا حال
رکھتے تھے کبھی ہونٹوں پہ ہاتھ اور کبھی رُمال
تر ہو گئے تھے ریش مبارک کے جو سب بال
تھا تا بہ کمر خوں سے گریبانِ قبا لال
فرماتے تھے کیا ایسا گنہ میں نے کیا تھا
پانی بھی تو چُلّو میں اٹھا کر نہ پیا تھا

۱۱۷ ★
منہ کر کے مدینہ کی طرف پھر کیا ارشاد
نانا مجھے زخمی کیا فریاد ہے فریاد
یہ لب وُہ ہیں تم چوم کے ہوتے تھے انھیں شاد
احمد کی صدا آئی کہ خالق کو کرو یاد
میرے بھی تو ہیں دانت اسی رنگ سے ٹوٹے
یہ تیر سے زخمی ہوئے وہ سنگ سے ٹوٹے

۱۱۸
اک شامی نے اتنے میں کنارے سے پکارا
گھر لُٹتا ہے یا حضرت شبیرؑ تمھارا
کیونکر تمھیں دریا میں ٹھہرنا ہے گوارا
اک لڑکے کا غل ہے کہ طمانچہ مجھے مارا
لوٹا مری چادر کو یہ چلّاتی ہے زینبؑ
بکھرائے ہوئے بال چلی آتی ہے زینبؑ

۱۱۹
گھبرا گیا یہ سُنتے ہی وہ صاحبِ غیرت
خُوں ہو گئیں آنکھیں یہ ہوا جوشِ شجاعت
نہ زخم کا تھا درد نہ تھی پیاس کی شدّت
گھوڑے کی اٹھا باگ چلے نہر سے حضرت
اعدا کو ہٹاتے ہوئے شمشیر سے نکلے
رد کے تھے جدھر راہ ادھر شیر سے نکلے

۱۲۰

خیمہ کی طرف جلد چلے چھیڑ کے رہوار
ناگاہ لگی سر پہ کسی شامی کی تلوار
مانندِ علیؑ فرق دوپارہ ہوا اک بار
سر تھام کے چلّائے کہ یا حیدرِ کرّارؑ
غش ہوگئے پھر نکلی نہ کچھ شاہ کی آواز
پھر سب نے سنی فاطمہؑ کی آہ کی آواز

۱۲۱

خاموش انیسؔ آ گے نہیں طاقتِ تحریر
ریتی پہ لہو ہو کے بہا فاطمہؑ کا شیر
خالق سے دُعا مانگ کہ اے مالک تقدیر
دکھلا دے ان آنکھوں سے مجھے روضۂ شبیرؑ
دل کو ہوس قربِ مزارِ شہِ دیں ہے
جنّت یہی اور یہی خلدِ بریں ہے

★ مرثیہ ۱۱

آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی

۱
آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی
تجویز کر رہے ہیں ملک خیمہ گاہ کی
سُن کر خبر درودِ شہِ کم سپاہ کی
ذروں نے مُسکرا کے فلک پر نگاہ کی
جنگل میں دن کو روشنی طور ہو گئی
کوسوں زمین حسن سے مَعمور ہو گئی

۲
اے ارضِ کربلائے معلّٰی خوشا نصیب
کس نے جہاں میں پائے ہیں ایسے رسا نصیب
کعبہ کو رشک ہے کہ ملے تجھ کو کیا نصیب
آتا ہے بادشاہِ اُمم حبذا نصیب
خوش ہو ہوائے فصلِ بہاری قریب ہے
فرزندِ فاطمہ کی سواری قریب ہے

۳
اترے گا اس زمیں پہ وہ مختارِ کائنات
ذی جاہ و ذی کرامت و خوش خلق و خوش صفات
سر دفترِ نجات ہے سرمایۂ حیات
قرآں میں جس کا وصف کرے ربِ پاکذات
مالک ترا حبیبِ خدا کا حبیب ہے
آمد لگی ہوئی ہے سواری قریب ہے

۴
دریا میں شور ہے کہ مِلا گوہرِ غریب
زہراؑ کے لال کے ہیں فدا ہوں خوشا نصیب
یہ دھوپ دشت و کوہ کی یہ موسمِ عجیب
ابرِ کرم نہیں تو نہ ہو میں تو ہوں قریب
گل بھی کِھلے ہیں دشت میں بادِ صبا بھی ہے
سبزہ بھی ہے فضا بھی ہے ٹھنڈی ہوا بھی ہے

۵
ہے ارضِ کربلائے معلّٰی کا یہ کلام
عرش احتشام ہو گئی میں اے فلک مقام
ادنٰی پہ یہ کرم یہ توجہ یہ فیضِ عام
اب ہو گا اس زمیں پہ ملائک کا اہتمام
مجھ پر قدم ہوں راکبِ دوشِ رسولؐ کے
غنچے یہاں کھلیں گے ریاضِ بتول کے

۶
آتا ہے لشکرِ شہِ دیں کرّ و فر کے ساتھ
اقبال بھی جلو میں ہے فتح و ظفر کے ساتھ
گو ہے قلیل فوج شہِ بحر و بر کے ساتھ
رستم کے ہوش اُڑتے ہیں لیکن نظر کے ساتھ
اشترِ جلو میں آئے ہیں تازی بھی ساتھ ہیں
جرّار بھی جری بھی نمازی بھی ساتھ ہیں

۷
پہنچے جو کربلا میں امامِ فلک مقام
دیکھا فلک کو یاس ہے اور روک لی لگام
رُخ پھیر کر یہ پھر سوئے لشکر کیا کلام
شکرِ خدا کرو کہ سفر ہو گیا تمام
اُترو مسافرو کہ اُترنے کی جا یہ ہے
خُلدِ بریں وہ سامنے ہے کربلا یہ ہے

۸
بچپن سے جستجو مجھے اِس سرزمیں کی تھی
خاک اس زمینِ پاک کی اربابِ دیں کی تھی
بالفرض گو کہ اپنی ولادت کہیں کی تھی
پر اب ہوا ثبوت کہ مٹی یہیں کی تھی
کیا کیا شرف نہ ہوں گے عیاں یاں کی خاک سے
سمرن بنے گی نور کی اس خاکِ پاک سے

۹
فرما کے یہ فرس سے جو اُترے شہِ اُمم
کس فخر سے زمیں نے بڑھ کے لیے قدم
ذرّوں نے دی صدا یہ چمک کر زہے قدم
مہرِ فلک سے رتبہ میں بالا ہیں آج ہم
کیا کیا طلوعِ نیّرِ دیں سے شرف ملے
اللہ رے آبرو کہ یہ دُرِّ نجف ملے

۱۰
اُترے جو یال تھام کے سلطانِ بحر و بر
روشن ہوئے جمالِ مبارک سے دشت و در
فرمایا یہ پسر سے سوئے نہر دیکھ کر
دیکھو تو پیارے حضرتِ عباسؑ ہیں کدھر
کی عرض اس جری سے یہ اک ذی شعور نے
چلیے کہ جلد یاد کیا ہے حضورؐ نے

۱۱
آیا قریب نیّرِ دیں جب وہ رشکِ ماہ
بولے یہ مسکرا کے شہِ عرش بارگاہ
ہم دیر سے کھڑے ہوئے یاں دیکھتے ہیں راہ
بھیّا ابھی سے چھوڑ دیا ساتھ واہ واہ
خیمے بپا ہوں حکمِ جنابِ امیرؑ سے
وعدہ یہیں ہے مرنے کا ربِّ قدیر سے

۱۲
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے حیدرؑ کا لالہ فام
منظور ہے حضور کو کب تک یہاں مقام
کیا اس زمیں کو کہتے ہیں یا سیّدِ انام
شاید ہے کربلائے معلّٰی اسی کا نام
گر ہے وہی جگہ تو اترنا نہ چاہیے
سہواً بھی اس زمیں پہ ٹھہرنا نہ چاہیے

۱۳
آتی ہے آبِ نہر سے مولا لہو کی بُو
دریا کو دیکھیے تو کہ پانی ہے یا لہو
دیکھا نہ تھا غلام نے یہ رنگِ آبِ جو
وحشت برس رہی ہے عجب ہے مقامِ ہُو
فریاد دِیں حباب کے دل سے نکلتی ہیں
نہریں نہیں ہیں نہر پہ تلواریں چلتی ہیں

۱۴
ساحل پہ سر پٹکتی ہیں موجیں بچشمِ نم
اک اک حباب پھوٹ کے روتا ہے دمبدم
نعرہ کناں ہیں مردمِ آبی بدرد و غم
شاید کسی ولی پہ ہوئے ہیں یہاں ستم
ہر شے ہے صرفِ نالہ و فریاد و آہ میں
پیاسا یہاں مرے گا کوئی حق کی راہ میں

۱۵
دریا میں شور کیسا ہے اے شاہِ بحر و بر
ساحل پہ خاک اڑتی ہے اللہ کس قدر
بے وجہ بیقرار نہیں مچھلیاں مگر
طوفاں اُٹھے گا نوحؑ کا نہرِ فرات پر
بدعت مسافروں پہ اگر ہو عجب نہیں
میں سچ کہوں حضورؐ یہ غم بے سبب نہیں

۱۶
گزرے سفر میں پانچ مہینے امامؑ پر
تکلیف وہ اٹھائی کہ اب زندگی ہے زہر
صد شکر اس مقام پہ آئے بہ جبر و قہر
جن کے بلائے آتے ہیں کس جا ہے ان کا شہر
خیمہ وہیں کریں جو یہاں سے قریب ہو
مدت کے بعد آج تو راحت نصیب ہو

۱۷
وہ لوگ کس دیار کے ہیں یا شہِ انام
کوفہ کے سب رئیس ہیں یا ساکنانِ شام
کیا اپنے گھر میں کرتے ہیں دعوت کا اہتمام
اب تک تو کچھ ظہور میں آیا نہ اے امام
حالِ سفر عیاں ہوا ساری خدائی کو
آیا حضور کی نہ کوئی پیشوائی کو

۱۸
بھائی کے رُخ کو دیکھ کے بولے امامِ دیں
اس جا سے اب قدم نہ اٹھائیں گے ہم کہیں
کھل جائے گا یہ حال سب اے میرے مہ جبیں
مہماں ہوئے ہیں جن کے سب آئیں گے وہیں
آئیں گے جب وہ لوگ تو دعوت بھی ہوئے گی
ایذا اٹھا چکیں گے تو راحت بھی ہوئے گی

۱۹
خیمہ بپا تو کیجے نہ مخفی رہے گا حال
کثرت سے ظالموں کی گزر ہوگا یاں محال
کوسوں نہ جائے گی نظرِ طائرِ خیال
آئے گا آفتابِ امامت پہ یاں زوال
اوّل فساد آپ سے ہوگا ترائی پر
نرغہ تمام فوج کا پھر ہوگا بھائی پر

۲۰
خیمہ اتار دو اونٹوں سے اے میرے لالہ فام
دریا پہ مصلحت ہو تو برپا کرو خیام
پیچھے ادب سے ہٹ کے غضنفر نے چند گام
آئینِ خسروی سے مودب کیا سلام
اور عرض کی خدا و پیمبرؐ کفیل ہوں
حضرت کے دوست شاد ہوں دشمن ذلیل ہوں

۲۱
کرسی نشینِ عرش ہوا واں پہ جلوہ گر
دریا پہ آئے حضرت عباسؑ نامور
فراش دست بستہ کھڑے تھے جھکائے سر
فرمایا جلد لاؤ قناتیں اتار کر
کوسوں یہاں سے سب خس و خاشاک دور ہو
استادہ بارگاہِ امامِ غیور ہو

۲۲
مصروف اہتمام ہوئے سب جوان و پیر
خود مستعد ہوا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
کھولی جو بارگاہ خدیوِ فلک سریر
شمسہ کو دیکھنے لگا جھک کر مہِ منیر
دیکھا جو مہر و مہ کو فلک پر تو ماند تھے
واں دو تھے بارگہ میں یہاں پانچ چاند تھے

۲۳
تھے صرف انتظام ادھر ناصرانِ دیں
جو آئے کھیلتے ہوئے زینبؑ کے نازنیں
مسلمؑ کے دونوں لال تھے شبیرؑ کا مہ جبیں
آپس میں درخشاں تھے یہ وہ گوہرِ ثمیں
رتبہ میں یہ زمین فلک سے بلند ہے
بھیا ہمیں مقام یہ دل سے پسند ہے

۲۴
قدرت کا کبریا کے تماشا تو دیکھیے
یہ گل یہ سبزہ زار یہ صحرا تو دیکھیے
میدانِ کربلا تے معلّیٰ تو دیکھیے
سب یک طرف روانیِ دریا تو دیکھیے
پانی پئیں گے نہر سے منہ ہاتھ دھوئیں گے
جا گے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

۲۵
اکبرؑ ٹہل رہے تھے کسی جا بہ کرّ و فر
تلوار ڈاب میں تھی پڑی پشت پر سپر
مصروفِ سیرِ دشت تھے مسلمؑ کے بھی پسر
جوں گل شگفتہ پھرتے تھے قاسم ادھر اُدھر
جنگل میں دے رہا تھا ہوا کوئی سکینہؑ کو
دامن سے کوئی پونچھ رہا تھا پسینہ کو

۲۶
چورنگ کاٹتا تھا کوئی تیغ کا دھنی
دِکھلا رہا تھا اِک ہنرِ ناوک افگنی
کرتا تھا پہلواں کوئی زورِ تہمتنی
چمکا رہا تھا کوئی جواں نیزہ کی انی
میداں میں پھیرتا تھا کوئی رہوار کو
آہو کی فکر تھی کسی ضیغم شکار کو

۲۷
سبزہ سے لہلہا رہا تھا وادیِ نبرد
گل جا بجا کھلے ہوئے تھے سرخ و سبز و زرد
چہرے تھے گلرخوں کے شگفتہ برنگِ ورد
گھوڑے بھی ہنہناتے تھے کھا کر ہوائے سرد
وہ کلغیاں لگی تھیں سروں پر کہ تاج تھے
صرصر سے تیز و تند تھے نازک مزاج تھے

۲۸
برپا نہ ہو چکے تھے خیامِ فلک سریر
حاضر ہوا جو سامنے پیکِ صبا نظیر
قدموں کو چوم کر کہا اے گل کے دستگیر
آتا ہے اس نواح میں اک لشکرِ کثیر
اِک اِک جواں محیطِ وغا کا نہنگ ہے
آمد سے یہ عیاں ہے کہ سامانِ جنگ ہے

۲۹
اک شور ہے کہ جلد بڑھائے قدم چلو
پیکِ صبا کی طرح سے ہاں تیز دم چلو
ہاتھوں میں تولتے ہوئے تیغِ دودم چلو
باندھے ہوئے صفوں سے صفوں کو بہم چلو
جبّار کو جری کو بہادر کو ٹوک لو
شیروں سے گھاٹ چھین لو دریا کو روک لو

۳۰
یہ ذکر تھا کہ دشت میں پیدا ہوا غبار
راہی ہوئے خبر کے لیے یاں سے دو سوار
تکنے لگے اُدھر کو جوانانِ ذی وقار
اور ہوشیار باش کی کرنے لگے پکار
پیدل سنبھل سنبھل کے کمر باندھنے لگے
اسوار اُٹھ کے تیغ و سپر باندھنے لگے

۳۱
سب مل کے ایک جا ہوئے حیدرؑ کے شیرِ نر
گھوڑے اڑا اڑا کے سواروں نے دی خبر
ہشیار گھاٹ سے کہ ہے لشکر کا رُخ ادھر
یہ سُن کے لڑ گئی ادھر اک ایک کی نظر
سب مسندِ جہاد پہ چھوٹے بڑے ہوئے
بیٹھے جو تھے تھکے ہوئے سب اٹھ کھڑے ہوئے

۳۲
جب ہر طرف ہوا سے ہُوا دشت کا غبار
مور و ملخ کی طرح سے پیدا ہوئے سوار
پہنچے قریب نہر جو آکر جفا شعار
بس جم گئے پرے سے پرے باندھ کر قطار
آتے ہی سرکشی پہ جفا کار تُل گئے
ابرِ سیاہ میں علمِ فوج کُھل گئے

۳۳
سردار نے یہ فوج سے بڑھ کر کیا کلام
تم کون ہو جو نہر پہ اُترے بتاؤ نام
دریا سے کیا غرض ہے ترائی سے کیا ہے کام
بس خیر ہے اسی میں کہ جلدی اٹھیں خیام
خیمہ اٹھاؤ جاؤ نکلنے کی راہ دی
دو چار روز قتل سے تم کو پناہ دی

۳۴
کس نے کہا تھا نہر پہ خیمہ بپا کرو
سر کو تلاشِ دشت میں رہنے کی جا کرو
منظورِ شر نہیں ہے تو بستر جدا کرو
احمدؐ کے رشتہ دار اگر ہو ہُوا کرو
غیر از یزید اور کو ہم جانتے نہیں
بندہ ہیں پر خدا کو بھی پہچانتے نہیں

۳۵
یہ انحراف حکم سے حاکم کے یہ غرور
اُترے قریبِ نہر جو سمجھے تھے ہم کو دُور
دریا سے چاہیے ہے کنارا کرو ضرور
حاکم کی سلطنت میں تمھیں سے تو ہے فتور
گر دیر کی تو تیغوں سے رکھ دیں گے کاٹ کے
ہم دس ہزار لوگ نگہباں ہیں گھاٹ کے

۳۶
تھرا گئے یہ سنتے ہی عباسؑ نامدار
فرمایا بس زبان کو روک او، زبوں شعار
کس کی مجال ہے جو کرے ہم سے کارزار
لاکھوں کی اصل کچھ نہیں ہو تم تو دس ہزار
بگڑیں گے ہم تو پاؤں جمیں گے نہ کھیت میں
سر لوٹتے پھریں گے ترائی کی ریت میں

۳۷
دریا سے تم ہٹاؤ گے ہم کو خدا کی شان
کیا دل ہے کیا مجال ہے کیا منہ ہے کیا زبان
مانندِ کوہ گڑ کے اکھڑتے نہیں نشان
جاتی نہیں ہے مر کے بھی شیروں کی آن بان
افواجِ کیں سے ہم سے کہاں رن پڑے نہیں
کس جا نشانِ فتح ہمارے گڑے نہیں

۳۸
اترے لبِ فرات جو آکر بجا کیا
اچھا کیا جو نہر پہ خیمہ بپا کیا
مختار بر و بحر تھے جو کچھ کہا کیا
بے جا بھی تھا تو یُونہی سہی اب بجا کیا
دیتے ہیں جان شیر جب آتے ہیں بات پر
بس گڑ چکا نشان ہمارا فرات پر

۳۹
کُل دس ہزار پر یہ تکبّر ہے یہ غرور
ہم سے وغا طلب ہوئے آکر زہے شعور
کیوں ہم سے بندوبست میں حاکم کے ہے فتور
بس خیر ہے اسی میں کہ ہو سامنے سے دُور
بڑھتے ہیں پاؤں سر ابھی رکھ دیں گے کاٹ کے
تو تیغ میاں سے جو نگہباں ہو گھاٹ کے

۴۰

گونجا یہ کہہ کے شیرِ نیستانِ حیدری
ہیبت سے کانپنے لگا خورشید خاوری
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے جو آگے بڑھا جری
دکھلا دیا سبھوں کو جلالِ غضنفری
اللہ رے رعب تیغ ابھی تھی میان میں
دیکھا جو ڈر سے جان نہ تھی ان کی جان میں

۴۱

نعرہ کیا کہ کانپ گیا وادیِ نبرد
دہشت سے تھرتھرانے لگا چرخِ لاجورد
گر گر پڑے فرس ہوئے اسوار گرد برد
فرمایا دیکھیں سامنے آ دے تو کوئی مرد
تم اور ہمارے منہ پہ لڑائی کا نام لو
ہاں اب تو پھر زبان سے ترائی کا نام لو

۴۲

کثرت پہ فوج کی یہ تکبر ہے یہ غرور
شیروں کے آگے دعویِ جرأت زہے شعور
اچھا قدم بڑھاؤ تو اے صاحبانِ زور
ہم سے نہ دُور تم ہو نہ کچھ ہم ہیں تم سے دُور
سرسبز دیکھیں کون میانِ جدل رہے
کھل جائے گا فرات پہ کس کا عمل رہے

۴۳

پانی پہ ابنِ ساقیِ کوثر سے یہ فساد
اب کیا ہوا وہ شوقِ ہدایت وہ اعتقاد
بھولے ذرا نہیں ہے وصیتِ نبیؐ کی یاد
اللہ اہلِ بیتِ پیمبر سے یہ عناد
خالق سے پھر کے ہو گئے بندے یزید کے
قائل نہیں ہو مصحفِ ربِ مجید کے

۴۴

تھوڑی سی فوج جان کے کرتے ہو یہ کلام
آئیں جو ہم ہوا پہ تو گل ہو چراغِ شام
روشن ہوا جہاں میں شجاعت کا ہم سے نام
سرکارِ کبریا کا کیا ہم نے انصرام
ہم سے یہ کائنات کا سب بند و بست ہے
وہ خاکسار ہیں کہ فلک ہم سے پست ہے

۴۵

زر کی ہوس میں کعبۂ ایماں سے انحراف
گستاخیاں یہ قبلۂ عالم سے صاف صاف
ہم سے خدا کی شان ہے یہ لاف یہ گزاف
ہو اُمتِ نبیؐ میں خطا اِس سے کی معاف
ٹالا ہے کس غضب کو ترحم بھی دیکھ لو
آگاہ انس و جن ہیں مگر تم بھی دیکھ لو

۴۶

بولے یہ کانپ کانپ کے ڈر ڈر کے روسیاہ
یہ سب بجا ہے اُترے گی لیکن یہیں سپاہ
حاکم کی فوج سب ہے نمک خوار خیر خواہ
دریا کی بند ہووے گی چاروں طرف سے راہ
قبضہ میں آپ کے یہ ترائی نہ ہووے گی
بیعت کیے بغیر صفائی نہ ہووے گی

۴۷

یہ سنتے ہی جلال میں بس آ گیا جری
خورشید کی طرح سے پڑی تن میں تھرتھری
آگے بڑھا بھیڑ کے ضرغامِ حیدری
دہشت سے تھرتھرانے لگا چرخِ چنبری
مجمع ہوا جو گھاٹ پہ برناؤ پیر کا
آیا غضب میں شیر جنابِ امیرؑ کا

۴۸

آمادۂ وغا ہوئی جب دو طرف سپاہ
آگے بڑھے علم لیے لشکر کے روسیاہ
دریا میں تھا یہ شور کہ اللہ کی پناہ
کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت بعز وجاہ
تیغیں جو سر بلند ہوئیں رزم گاہ میں
اک غل ہُوا بزن کا حسینی سپاہ میں

۴۹

محمل سے جھانک کر یہ سکینہؑ نے دی صدا
کیوں غیظ آگیا تمھیں عمو یہ کیا کیا
ہے ہے وغا طلب ہوئے کیوں بانیِ جفا
اترے نہ کربلا میں کہ نازل ہوئی بلا
بدلے میں نیکیوں کے برائی ٹھہر گئی
دعوت یہی ہوئی کہ لڑائی ٹھہر گئی

۵۰

مطلب یہی تھا گھر سے طلب تھی اسی لیے
کیا خوب اہلِ شام نے وعدے وفا کیے
دریا سے اٹھو آتے ہی پیغام یہ دیے
پانی کیا جو بند تو ہم کس طرح جیے
روکیں غضب کو اپنی جوانی کے واسطے
یا آج جان دیویں گے پانی کے واسطے

۵۱

چلائی رو کے دخترِ خاتونِ روزگار
اے شیرِ بیشۂ اسدِ حق وفا شعار
تلوار میان سے نہ نکالو بہن نثار
غربت میں ساتھ آئے ہیں اطفالِ شیر خوار
غیظ و غضب ہر آن میں بھیا نہ چاہیے
خاروں سے جنگلوں کے الجھنا نہ چاہیے

۵۲

محمل سے اب نکلتی ہوں میں اے مرے غیور
تم کو کسی سے حجت و تکرار کیا ضرور
ڈر جس کا تھا اسی کا ہوا آخرش ظہور
بھیا وہ بات ہو کہ یہ قصہ ہو جس میں دور
ہو خیر جان کی مرے بھائی کے واسطے
کیوں اُلٹی آستین لڑائی کے واسطے

۵۳

دریافت تو کرو یہ مسلماں ہیں یا نہیں
سب عارفِ پیمبرِ ذیشاں ہیں یا نہیں
آیا یہ لوگ قائلِ قرآں ہیں یا نہیں
حسب الطلب ہم آئے ہیں مہماں ہیں یا نہیں
پوچھو اسی گروہ سے ہیں یا یہ اور ہیں
اہل عرب ہیں کیا یہی دعوت کے طور ہیں

۵۴

واں گفتگو یہ ہوتی تھی رو تے تھے یاں حرم
تلواریں کھنچ گئی تھیں اِدھر اور اُدھر بہم
عباسؑ آکے غصہ میں کہتے تھے دم بدم
دعوائے جنگ ہے تو بڑھاؤ ادھر قدم
کچھ ہو تو فرق ہو گا کبھی آن بان میں
سبقت نہیں درست یہاں خاندان میں

۵۵

حجت یہ تھی ابھی کہ امامِ غیور آئے
لینے قدم رفیق بڑھے ذی شعور آئے
نزدیک ناریوں کے جو مانندِ نور آئے
عباسؑ کو حبیب پکارے حضور آئے
دیکھا جری نے مڑ کے جو رو ٹھے امام کو
کی عرض سرفراز کیا اس غلام کو

۵۶

کس پیار سے گلے سے لگا کر جری کا سر
بولے یہ مسکرا کے شہنشاہِ بحر و بر
کیا جلد غیظ آ گیا اللہ اس قدر
ہم بھی تو کچھ سنیں کہ یہ کس بات پر ہے شر
پانی پہ کچھ فساد نہ تکرار چاہیے
ان کی خوشی نہیں ہے تو انکار چاہیے

۵۷

وہ امر خاطراً تھا دیا تھا جو اذنِ عام
ہم واقفِ امور ہیں سمجھو ہمیں امام
اب جس طرح ہماری خوشی ہو کرو وہ کام
ہے عین مصلحت کہ نہ ہوں نہر پر خیام
بھیّا سفر میں ساتھ ہر اک پردہ دار ہے
بولا جری حضور کو سب اختیار ہے

۵۸

لیکن نہیں ہیں رحم کے قابل یہ اہلِ کیں
آگے جو کچھ رضائے خدا یا امامِ دیں
جز نہر اور امن کا گوشہ نہیں کہیں
آقا یہ سنگدل ہیں جفا کیش ہیں لعیں
یُونہی سہی یہ اپنی برائی کو چھوڑ دیں
ہم بھی کنارہ کش ہوں ترائی کو چھوڑ دیں

۵۹

دریا یہ ہم سے چھینیں گے یا شاہِ خوش خصال
فرمایا مسکرا کے یہ حضرت نے کیا مجال
سب خوب جانتے ہیں کہ تم ہو علیؑ کے لال
شیروں سے گھاٹ چھین لے کوئی یہ ہے محال
کیا پہلے معرکہ لبِ ساحل ہوا نہیں
شیرِ خدا سے کوئی مقابل ہوا نہیں

۶۰

آؤ ہمارے ساتھ چلو ہو چکا فساد
بیکار جاہلوں سے الجھتے نہیں زیاد
الفت نہیں ہے گو کہ انھیں ہے دلی عناد
ہوتی ہے خوب گوشۂ عزلت میں حق کی یاد
وہ بات چاہیے کہ جو راضی خدا رہے
اچھا ہے گر فقیر کا مسکن جدا رہے

۶۱

تکیہ خدا پہ چاہیے انساں کو ہر گھڑی
صد شکر اب تلک کوئی آفت نہیں پڑی
یہ دھوپ روزِ حشر سے چنداں نہیں کڑی
ہے جھیلنا ابھی تو مصیبت بڑی بڑی
آؤ بھی غیظ دُور کرو مانو بات کو
یہ کیا ہیں تم تو لاکھوں سے لو گے فرات کو

۶۲

یہ نہر کوئی چیز ہے کوثر کے سامنے
قطرے کی آبرو نہیں گوہر کے سامنے
پھر ان سے گھاٹ چھیننا لشکر کے سامنے
دشوار کچھ نہیں ہے غضنفر کے سامنے
لازم ابھی نہیں ہے کہ بھائی کو چھوڑ دو
لو ہم عزیز ہیں تو ترائی کو چھوڑ دو

۶۳

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نیک نام
حکمِ حضور سر سے بجا لائے گا غلام
سائل سے ہے غرض نہ ترائی سے مجھ کو کام
واجب ہر ایک امر میں ہے طاعتِ امام
بُھولا نہیں حضور کا ارشاد یاد ہے
اب کچھ نہیں غلام کو ان سے عناد ہے

۶۴

بھائی کو ساتھ لے کے شہِ بحر و بر چلے
خورشید کے جلو میں بہتّر قمر چلے
انصار سر جھکا کے اِدھر اور اُدھر چلے
اک شور تھا ترائی سے لو شیرِ نر چلے
تھے سب ملول حکمِ شہِ کائنات میں
سر پیٹتے تھے مردمِ آبی فرات میں

۶۵

دریا سے ہٹ کے ریتی پہ برپا ہوئے خیام
پردہ ہوا اُتر گئیں شہزادیاں تمام
کرسی پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک مقام
کمروں کو کھولنے لگے انصارِ نیک نام
لشکر کا اس طرف کے اُتارا ابھی ہو گیا
یاں نہرِ علقمہ سے کنارا ابھی ہو گیا

۶۶

صحرا میں جب خیام شہِ انس و جاں ہوئے
رتبہ میں اس کے اوج سے پست آسماں ہوئے
سامانِ قتل سرورِ تشنہ دہاں ہوئے
بیعت طلب حسینؑ سے وہ بدگماں ہوئے
بے وجہ سب نبیؐ کے نواسے سے پھر گئے
شبیرؑ کربلائے معلّیٰ میں گھر گئے

۶۷

بیعت کی گفتگو رہی ہفتم تلک اِدھر
لاحول بھیجتے رہے سلطانِ بحر و بر
کہتا تھا ہنس کے یوں پسرِ سعدِ خیرہ سر
گر یہ نہیں تو لوٹ لو آلِ نبیؐ کا گھر
نرغہ ہو ہر طرف سے شہِ خوش خصال پر
پانی ہو بند ساقیِ کوثر کے لال پر

۶۸

آفت میں تین روز جو گزرے بصد ملال
آئی شبِ شہادتِ شبیرؑ خوش خصال
راوی سُنے ہے لکھا شبِ عاشور کا یہ حال
حضرت کو اضطراب تھا اس رات کو کمال
شبنم کا دھیان ذکرِ الٰہی کی فکر تھی
ناموسِ مصطفیٰؐ کو تباہی کی فکر تھی

۶۹

واں بندوبست گھاٹ کا کرتے تھے اہلِ شام
اور افسرانِ فوج تھے مصروفِ اہتمام
پانی کے بدلے آگ یہاں تھی پسِ خیام
محوِ عبادتِ صمدی تھے شہِ انام
ہمراہ سب امام کے صرفِ سجود تھے
لب پر دعا تھی ذکرِ قیام و قعود تھے

۷۰

خالق سے عرض کرتے تھے سلطانِ کائنات
اس بندۂ حقیر کی ہے شرم تیرے ہات
رکھ لینا آبرو مری اے ربِّ پاک ذات
اس معرکہ میں دے مرے قدموں کو تو ثبات
وعدہ وفا ہو جلد ادا سر سے دَین ہو
نانا سے شرمسار نہ تیرا حسینؑ ہو

۷۱

یارب ہو رحمت مجھے توفیقِ شکر و صبر
خوش ہو کے اختیار کروں دل پہ ظلم و جبر
مر جائیں سب تڑپ کے نہ روؤں میں مثلِ ابر
غربت میں اپنے ہاتھ سے کھودوں ہر اک کی قبر
قربان تیری راہ میں جو ارجمند ہو
ناچیز کا یہ ہدیۂ کمتر بلند ہو

۷۲

مشغول تھے دعا میں یہاں شاہِ بحر و بر
برپا تھا حشر خیمۂ ناموس میں اُدھر
پھرتی تھی اضطراب میں زینبؑ اِدھر اُدھر
کلثومؑ بے حواس تھی بانوؑ تھی ننگے سر
آفت میں مبتلا جو شہِ حق شناس تھے
بچے بھی بھوک پیاس میں سب بے حواس تھے

۷۳

وہ تیرہ شب میں بولنا جنگل کا سائیں سائیں
رستم کے گوش زد ہوں صدائیں تو ہوش جائیں
آفت میں گھر گئے ہیں مسافر کسے بلائیں
بچوں کو اہلِ بیتِ پیمبرؐ کدھر چھپائیں
ڈر ڈر کے گودیوں میں جو بچے دبکتے تھے
مجبور ہو کے سب کفِ افسوس ملتے تھے

۷۴

سب سے زیادہ زینبؑ مضطر کو تھا ہراس
تسبیح ہاتھ میں تھی زباں پر کلامِ یاس
فضہؑ سے رو کے چپکے سے بولی وہ حق شناس
جا کر بلا تو عونؑ و محمدؑ کو میرے پاس
بھولے سفر میں ماں کو عجب کا مقام ہے
کہہ دے کہ جلد آئیں ضرورت کا کام ہے

۷۵

بُرجِ شرف میں آئے جو وہ غیرتِ قمر
فضہؑ نے بڑھ کے حضرتِ زینبؑ کو دی خبر
حسب الطلب حضور کے حاضر ہوئے پسر
ارشاد پھر ہوا کہ بلا لے اِنھیں اِدھر
دم بھر نہ چھوڑیں اب شہِ عالی مقام کو
سُن لیں مگر کلامِ نصیحت نظام کو

۷۶

آئے قریب تر جو وہ رشکِ مہِ منیر
دونوں ورق تھے مصحفِ ناطق کے بے نظیر
تھے نیچے کمر میں حمائل وہ دلپذیر
کٹتا تھا جن کے خوف سے جلّادِ چرخِ پیر
بوٹا سے قد تھے پھرتیاں ہر عضوِ تن میں تھیں
سر پر عمامہ چست قبائیں بدن میں تھیں

۷۷

تسلیم کو جُھکے جو برابر وہ نونہال
دے کر دعا بلائیں لیں با شفقتِ کمال
پھر پوچھا خیریت سے تو ہے واں علیؑ کا لال
کچھ مختصر کہو کہ رفیقوں کا کیا ہے حال
اب کس کو فکر آبروئے نام و ننگ ہے
سنتی ہوں میں کہ صبح کو درپیش جنگ ہے

۷۸

دونوں نے ہاتھ جوڑ کے کی عرض ایک بار
جی ہاں حضور خیر سے ہیں شاہِ نامدار
سب نقدِ جاں لیے ہوئے حاضر ہیں جاں نثار
اک اک کے دل میں شوقِ شہادت ہے بے شمار
عاشق ہیں تشنہ کام ہیں اور سرفروش ہیں
گردوں بھی سرنگوں ہے وہ جوش و خروش ہیں

۷۹

تھوڑے تو ہیں حضور مگر سب دلیر ہیں
جرّار ہیں جری ہیں بہادر ہیں شیر ہیں
سب آن سے فوج کیں کے زبردست زیر ہیں
ہے ولولہ جہاد کا جینے سے سیر ہیں
کھیلے ہوئے ہیں جانوں پہ اس آن بان سے
فوجِ عدو کو تکتے ہیں شیروں کی شان سے

۸۰
گھبرا رہے ہیں بس کہ کہیں جلد ہو سحر
مشغول ہیں طلایہ میں عباسؑ نامور
سب مستعد ہیں جنگ پہ باندھے ہوئے کمر
گردِ خیام پھرتے ہیں ثابت قدم ادھر
انصار کو نہ خوف ہے کچھ نہ ہراس ہے
اقبالِ شاہِ دیں سے ہر اک باحواس ہے

۸۱
بیٹوں سے سُن چکیں جو مفصّل یہ ماجرا
بولیں جزائے خیر انھیں دے مرے خدا
فرمایا اب بیان کرو اپنا مدّعا
میدانِ کارزار میں کل تم کرو گے کیا
واں بندوبستِ جنگ ہے سامانِ رزم ہے
لو مجھ سے کہہ دو واری تمھارا ابھی عزم ہے

۸۲
ہم حشم اور بھی تو کئی طفل ہیں صغیر
مسلمؑ کے دونوں لال ہیں رشکِ مہِ منیر
ہمت میں بے عدیل شجاعت میں بے نظیر
تیروں کے سامنے سے نہ ہوں گے وہ گوشہ گیر
آتے ہیں کم سِنی میں اگر آن بان پہ
بچے بھی کھیل جاتے ہیں شیروں سے جان پہ

۸۳
نانا کا سِن یہی تھا ہوئی تھی جو کارزار
جنگِ اُحد میں مارے تھے ناری کئی ہزار
دو تھا بس ایک ہاتھ میں مرحب سا نامدار
باگوں کو پھیر پھیر کے بھاگے تھے شہسوار
راہیں اماں کی تیغ کی ناوک سے بند تھیں
ہر سو سے آفریں کی صدائیں بلند تھیں

۸۴
تم بھی اسی طریقہ سے کل کیجیو جہاد
رہ جائے سب کو معرکہ بدر و اُحد کا یاد
مارے جو شمر کو تو بر آئے دلی مراد
مثلِ رسولؐ قبلۂ عالم ہوں تم سے شاد
کرّار صف شکن ہیں جری ہیں دلیر ہیں
وہ بھی تو جانیں کچھ کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

۸۵
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے دونوں وہ رشکِ ماہ
اقبال سے حضور کے کیا ہیں یہ رُوسیاہ
جچتی نہیں غلاموں کی نظروں میں یہ سپاہ
اذنِ جہاد دیں تو شہنشاہِ دیں پناہ
سن لیں ابھی جو حکم شہِ خاص و عام کو
ہم صبح ہوتے ہوتے اُلٹ دیں گے شام کو

۸۶
باتیں ابھی یہ کرتے تھے ماں سے وہ خوش خصال
آیا حرم میں جیسے ہی شبّرؑ کا نونہال
ماں گردِ پھر کے پیار سے بولی بصد ملال
میں منتظر تھی دیر سے اے مجتبیٰ کے لال
کیا مشورہ ہے سنتے ہو کس کس کا ذکر ہے
بیٹا ضعیف ماں کی بھی کچھ تم کو فکر ہے

۸۷
کل صبح ہوگی معرکہ آرائیِ جہاد
بچپن میں تم بھی دیجیو مردانگی کی داد
صدقے چچا پہ ہو تو بر آئے دلی مراد
جنت میں رُوحِ حسنؑ مجتبیٰ کی شاد
ماں صدقے کم سِنی میں جو کچھ تم سے کام ہو
آفاق میں بلند بزرگوں کا نام ہو

۸۸

مارے ہیں جد نے مرحب و عنتر سے پہلوان
سرمہ کیے ہیں دیو کے چٹکی سے استخوان
نام آورانِ کفر کے اب ہیں کہیں نشان
شیرِ خدا کی جنگ میں اللہ رے آن بان
تکبیر کی صدا کے جو ہر دم خروش تھے
کعبہ میں بُت بھی خوف سے حلقہ بگوش تھے

۸۹

مشہور ہے جہان میں شیرِ خدا کی جنگ
لاکھوں سے بھی وغا میں نہ کی آپ نے درنگ
چلتے تھے چار سمت سے گو نیزہ و خدنگ
پر تھے وہی حواس وہی رنگ، ڈھنگ ڈھنگ
للکارا گر کسی نے جو وار اس کا روک کے
حربہ کیا ہزار میں دشمن کو ٹوک کے

۹۰

کیا سر اٹھانے پاتے تھے گردن کشانِ کفر
گردن سے کھینچ لی تھی بتوں کی زبانِ کفر
ہردم علیؑ کے ڈر سے نکلتی تھی جانِ کفر
کعبے سے کس ولی نے مٹایا نشانِ کفر
جو سرکشانِ دہر تھے وہ آج پست ہیں
اب کچھ پتا بھی ہے کہ کہاں بُت پرست ہیں

۹۱

مدت کے بعد آیا ہے ہنگامِ کارزار
قربان جاؤں کیجیو بڑھ بڑھ کے اپنے وار
روحِ حسنؑ سے ہو زنِ بیوہ نہ شرمسار
میداں سے کل بھگائیو فوجِ جفا شعار
ماں صدقے مستعد رہو ہر وقت جنگ پر
تم بھی جہاد کیجیو دادا کے ڈھنگ پر

۹۲

نامی ادھر جو فوجِ مخالف میں ہوں بڑے
لاکھوں میں چاہیے ہے انہی سے نظر لڑے
حملے دمِ نبرد وہ کیجو کڑے کڑے
جا کر نشانِ مرتضوی شام میں گڑے
ایسے لڑو کہ روم سے غل تا بہ شام ہو
مردوں میں آبرو ہو شجاعت میں نام ہو

۹۳

ماں کے کلام سن کے یہ بولا وہ ذی شعور
اللہ آپ ہم کو سمجھتی نہیں غیور
کچھ اس قدر تو صبحِ شہادت نہیں ہے دور
گر سر نہ دیں تو منہ کو نہ دکھلائیں گے حضور
عمو سے ہم عزیز کریں گے نہ جان کو
کیا کھوئیں گے گھرانے کی اِس آن بان کو

۹۴

ہم تو ہیں سر کٹانے کو حاضر خدا کی شان
پالا ہے جس نے آج انھیں کو نہیں ہے دھیان
ہوئے گا رزم گاہ میں کل سب کا امتحان
بارہ برس کا سن ہوا بس ہو چکے جوان
فضلِ خدا سے جوشن و برنا و پیر ہیں
عاقل ہمیں کہے گا کوئی یہ صغیر ہیں

۹۵

بچپن کے سن وہ اور ہی ہوتے ہیں اے جناب
موسم یہی بہار کا ہے آمدِ شباب
طاقت میں آج فرد ہیں جرأت میں انتخاب
کیا ہمسری کرے گا کوئی خانماں خراب
پھٹ کر گرے فلک جو زمیں پر سنبھال لیں
برجِ اسد میں شیر کی آنکھیں نکال لیں

۹۶
باتیں یہ تھیں کہ اکبرِ عالی جناب آئے
سب اٹھ کھڑے ہوئے کہ رسالتمآب آئے
باہر سے کچھ خموش جو گھر میں شتاب آئے
ماں بولی کیوں کدھر کو بصد اضطراب آئے
بیٹا یہ حشر کیسا ہے کیا واردات ہے
کچھ آج کی یہ شب تو قیامت کی رات ہے

۹۷
کیوں فیصلہ ہوا کہ نہیں فوجِ شام سے
تم نے بھی کچھ سنا رفقائے امام سے
دھڑکوں میں اب تلک ہیں گزرتی ہے شام سے
بچے دہل رہے ہیں لڑائی کے نام سے
آتی ہے بُو لہو کی ہوا کے مشام میں
اکبرؑ یہ تیر آئے ہیں کیسے خیام میں

۹۸
ہیں گودیوں میں ماؤں کے بچے یہ جاں بلب
ممکن نہیں جو صحن میں بیٹھیں نکل کے سب
پانی کا قحط پیاس میں گرمی کا یہ تعب
نازوں کے پالے پڑ گئے آفت میں ہے غضب
مجرم وہ ہیں جو صاحبِ عقل و شعور ہیں
اچھا یہ شیر خوار تو سب بے قصور ہیں

۹۹
ہے بارشِ خدنگ یہ گرمی ہے الاماں
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں یہاں
ابرو کمان سہم کے ہوتے ہیں نیم جاں
چلّا کے ڈر سے رو نہیں سکتی ہیں بیبیاں
ہے ہے مصالحت نہ ہوئی جنگ ٹھن گئی
جنگل میں کیسی بچوں کی جانوں پہ بن گئی

۱۰۰
آئے خدا نخواستہ گر شہؑ پہ وقتِ بد
قربان جاؤں کیجیو تم باپ کی مدد
واری اسی کی چاہیے ہر وقت جد و کد
بچ جائے صبح کو پسرِ ضیغمِ صمد
تدبیر وہ کرو کہ یہ رنج و بلا ٹلے
سر پر سے آفتِ پسرِ مصطفےٰؐ ٹلے

۱۰۱
روتا ہے کون دشتِ مصیبت میں زار زار
کرتا ہے کون ہائے کے نوحے یہ بار بار
کس کی صدا یہ ہے میرے سیّد تمرے نثار
شاید جنابِ فاطمہ زہراؑ ہیں بے قرار
ایسا نہ ہو ہوائے زمانہ بُری چلے
وہ کیوں نہ روئے جس کے گلے پر چُھری چلے

۱۰۲
بیٹا ضرور کچھ نہ کچھ آفت سحر کو ہے
روشن یہ دل پہ ہے کہ مصیبت سحر کو ہے
خود شب گواہ ہے کہ قیامت سحر کو ہے
فرزندِ فاطمہؑ کی شہادت سحر کو ہے
بیٹا تباہی آئی ہے احمدؐ کی آل پر
صدقے ہو جا کے فاطمہ زہراؑ کے لال پر

۱۰۳
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے نو بادۂ امام
خود شام سے اسی کے تردد میں ہے غلام
واں مستعد ہے جنگ پہ افواجِ میرِ شام
یاں کم ہیں ناصرانِ امام فلک مقام
تھی آرزو یہی جو اجازت ہو آپ کی
تیغوں میں جاں نثار پسر ہو وے باپ کی

۱۰۴
شکرِ خدا کہ آپ کا ایما بھی ہے یہی
خادم کی ہم سنوں میں بڑی آبرو بڑھی
ہاں کر لے امتحانِ شجاعت کوئی ابھی
تنہا جو فوجِ کیں کو بھگا دوں میں تو سہی
دو دن سے اہلِ شام تلے ہیں فساد پر
اب ہم سبھوں سے جائیں گے پہلے جہاد پر

۱۰۵
سالاری میرے نام پہ لشکر کی ہے حضور
ہم سِن بڑے غیور ہیں کیا ہم نہیں غیور
جو دل میں ہے زباں سے کہنا وہ کیا ضرور
اماں سحر کو آپ ہی ہو جائے گا ظہور
اذنِ جہاد لے کے جو میداں میں جائیں گے
سب عہد کر چکے ہیں کہ زندہ نہ آئیں گے

۱۰۶
باتیں یہ تھیں کہ صبح کا تارا عیاں ہوا
مغرب کی سمت لشکرِ انجم رواں ہوا
وہ چند اور حُسنِ رُخِ کہکشاں ہوا
تا چرخ سر بلند جو شورِ اذاں ہوا
دنیا تمام نور سے معمور ہو گئی
وہ رات صبح ہوتے ہی کافور ہو گئی

۱۰۷
وہ پھولنا شفق کا وہ صحرا وہ سبزہ زار
خود رو وہ گل کھلے ہوئے وہ موسمِ بہار
صحرا کے طائروں کا چہکنا وہ بار بار
گلزارِ کربلا میں پپیہے کی وہ پکار
جھونکے نسیمِ صبح کے لہریں فرات کی
تڑکا وُہ نورِ صبح کا خنکی وہ رات کی

۱۰۸
چلنا صبا کا دشت میں نازاں وہ دمبدم
پھیلی ہوئی وُہ چار طرف نکہتِ ارم
وہ بلبلوں کی زمزمہ پردازیاں بہم
پنجہ کی وہ لچک وہ سرافرازیِ علم
باہم مقابلہ میں وہ لشکر کھڑے ہوئے
دونوں طرف نشانوں کے جھنڈے گڑے ہوئے

۱۰۹
گلہائے ارغواں کا مہکنا وہ بار بار
بلبل کا عشقِ گل میں چہکنا وہ بار بار
بیخود صبا کا ہو کے بہکنا وہ بار بار
سبزے کا بیخودی میں لہکنا وہ بار بار
شبنم سے تھا بھرا جو کٹورہ گلاب کا
دھویا نسیمِ صبح نے منہ آفتاب کا

۱۱۰
دیکھے سحر کے طور تو اُٹھے شہِ امم
اور کی ادا نمازِ جماعت بچشمِ نم
عصمت سرا میں آئے جو مولائے باکرم
شہزادیاں گریں قدمِ پاک پر بہم
کبرا گلے سے شاہ کے آ کر چمٹ گئی
روتی ہوئی کمر سے سکینہ لپٹ گئی

۱۱۱
بولی یہ رو کے دخترِ خاتونِ روزگار
اب قصد کیا ہے آپ کا بھیا بہن نثار
فرمایا شاہِ دیں نے جو مرضیِ کردگار
جز صبر اور کچھ نہیں بندہ کا اختیار
زہرا کا لال پیشِ خدا سُرخرو رہے
زینب دُعا کرو کہ مری آبرو رہے

۱۱۲

غربت میں گھر کے لٹنے کا ہرگز نہیں خیال
دکھتا نہیں ہوں کچھ میں جہاں کا متاع و مال
جنگل میں سب چمن مرا ہو جائے پائمال
بے پردہ میرے آگے نہ ہو مصطفیٰؐ کی آل
پردیس میں نہ عترتِ اطہار قید ہو
بچہ کوئی نہ شیرِ الٰہی کا صید ہو

۱۱۳

ہے عہد کبریا سے نہ سر دیں تو کیا کریں
جی چاہتا ہے آج ہمہ اگھر فدا کریں
ہم شکر کرد گار کریں وہ جفا کریں
کیوں کر امام ہو کے نہ وعدہ وفا کریں
محشر میں انبیا سے بھی رتبہ بلند ہو
وہ بات کیجئے کہ خدا کو پسند ہو

۱۱۴

محضر یہ ہو چکی ہے رسولؐ زمن کی مہر
زہراؑ کی مہر ہے شہِ خیبر شکن کی مہر
بعد اس کے میری مہر ہے بھائی حسنؑ کی مہر
بس خاتمہ ہوا جو ہوئی پنجتن کی مہر
حق نے سند یہ لی ہے گواہی کے واسطے
تم آج رو رہی ہو تباہی کے واسطے

۱۱۵

بولی یہ بنتِ فاطمہ زہراؑ بدرد و آہ
بہتر وہی ہے جس میں کہ راضی رہے الٰہ
لوٹیں گے بعد آپ کے ہم کو یہ روسیاہ
سیدانیوں کا قافلہ ہو جائے گا تباہ
فوجِ عدو میں اہلِ حرم ننگے سر پھریں
بھیا یہی خوشی ہے کہ ہم در بدر پھریں

۱۱۶

بھولی ہوئی تھی سب الم و صدمہ و محن
جب دیکھتی تھی آپ کی صورت یہ خستہ تن
کہتی تھی میں جہاں میں سلامت ہیں پنجتن
کیوں بھائی کس کی آس پہ بیٹھے گی اب بہن
میں عرض صاف کرتی ہوں ہاتھوں کو جوڑ کر
جاتے ہیں آپ کس پہ بھرے گھر کو چھوڑ کر

۱۱۷

مجھ سے یہ صبر ہو گا نہ بھیا بہن نثار
دل ذکر سن کے ہوتا ہے سینہ میں بیقرار
رخصت دوں آپ کو یہ نہ ہووے گا زینہار
باہر قدم دھرا تو جئے گی نہ سوگوار
یہ غم نہ اب امامِ زمن دے کے جائیے
مر لوں تو مجھ کو غسل و کفن دے کے جائیے

۱۱۸

شہ نے بہن کے رُخ پہ بحسرت نگاہ کی
دیکھا فلک کو یاس سے اور دل سے آہ کی
فرمایا کیوں یہ کیا ہے جو حالت تباہ کی
روکو نہ راہِ دلبرِ شیرِ اللہ کی
لاشے ابھی تو لے کے کئی بار آئیں گے
رو لیجو وقتِ عصر جو مرنے کو جائیں گے

۱۱۹

پیٹو نہ سر کو بہرِ رسولؐ زمن بہن
عاشق بہن غریب بہن کم سخن بہن
غربت زدہ بہن مری تشنہ دہن بہن
صدقے میں تیرے حالِ رنج و محن بہن
کھوئی کرو نہ روگ کے منزل فقیر کی
زینبؑ تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی

۱۲۰

بس اے انیسؔ دیکھ لیا ہم نے رنگِ نظم
مضموں بندھے نہ باندھ کہ ہے اس میں ننگِ نظم
گو شوق اب نہیں ہے وہ اور نہ ترنگِ نظم
پر خوب سلسلہ ہے عجب ہے یہ ڈھنگِ نظم
اس کے صلے ملیں گے تجھے جانبین سے
تحسین سامعین سے جنت حسینؑ سے

(غلطی سے میر مونس کے کلیات میں ہے)

مرثیہ ۱۲

تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتا کی مدح

۱

تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتا کی مدح
حُسنِ رُخِ کلام ہے مشکل کشا کی مدح
لفظوں کا نور ہے اسدِ کبریا کی مدح
خلعت ہے حرف حرف کا دستِ خدا کی مدح
جب تک زباں رہے صفتِ مرتضیٰؑ کرے
بلبل وہ خوشنوا ہے جو گل کی ثنا کرے

۲

ہے جادۂ بہشتِ بریں مرتضیٰؑ کی مدح
شمعِ رہِ نجات ہے شیرِ خدا کی مدح
مفتاحِ بابِ خلد ہے خیبر کشا کی مدح
کافی ہے مغفرت کو شہِ قل کفا کی مدح
اہلِ ولا ہے گر تو ثنائے ولی کرے
اعلیٰ وہی زباں ہے جو ذکرِ علیؑ کرے

۳

حیراں ہے عقل و فہم کہوں گر تو کیا کہوں
تشبیہ مبتذل ہے جو شمس الضحیٰ کہوں
داخل نصیریوں میں کریں گر خدا کہوں
لیکن مجال کیا جو خدا سے جدا کہوں
توصیف ذاتِ پاک مجالِ بشر نہیں
وہ کیا ثنا کرے جسے اپنی خبر نہیں

۴

رُوحی فداکَ اے قمرِ لافتا لقب
قلبی لدیک اے اسدِ ہاشمی نسب
قسامِ رزقِ عالمیاں بحرِ فیضِ رب
دستِ خدا وصیِ نبی سرورِ عرب
اسرار کون سا ہے کہ تو جانتا نہیں
غیر از خدا کوئی تجھے پہچانتا نہیں

۵

تو ملک ذوالجلال کا ناظم ہے یا علیؑ
جبرئیل سا ملک ترا خادم ہے یا علیؑ
میکائیل تیرے در کا ملازم ہے یا علیؑ
سجدہ تری جناب میں لازم ہے یا علیؑ
وہ بحر تو ہے جس سے کوئی آشنا نہیں
سب قدرتیں خدا کی ہیں اور پھر خدا نہیں

۶

شیرِ خدا شجاعِ عرب شاہِ نامدار
نورِ مُبیں چراغِ ہدایت فلک وقار
فیاضِ خلق صاحبِ صمصام ذوالفقار
آدم کا فخر حضرتِ عیسیٰؑ کا افتخار
مولد ہوئے تو خالقِ اکبر کا گھر ملا
کعبہ صدف بنا تو علیؑ سا گہر ملا

۷

بھائی محمدِ عربی فخرِ کائنات
جس کے قدم سے عالمِ امکاں کو ثبات
زوجِ جنابِ فاطمہ زہراؑ سی خوش صفات
بیٹے وہ جن کے ہاتھ میں ہے دفترِ نجات
دوزخ ہے اس کا گھر جسے ان سے ولا نہیں
رتبہ ہے کون سا جو علیؑ کو ملا نہیں

۸

لیتا ہوں نامِ پاک علیؑ و ولی کا جب
ہونٹوں کو چاٹتی ہے زباں اور زباں کو لب
آلام و درد و رنج و غم و صدمہ و تعب
اک دم میں سامنے سے ہوا ہو گئے یہ سب
دل نے خفی کہا تو زباں نے جلی کہا
عقدے ہزار کُھل گئے جب یا علیؑ کہا

۹

ھـ درد کی دوا ہے مسمّیِ خدا کا نام
پڑھتا ہے ہر بشر یہی تسبیح صبح و شام
عالم میں اسمِ پاک علیؑ سے ہے فیض عام
شیریں زباںؑ وہ ہے جسے اس نام سے ہے کام
کہتا ہے ذوالفقار کہ نثار اُس کی شان پر
سو نعمتیں بہشت کی آتیں زبان پر

۱۰

غم کی دوا مرض کی شفا درد کا علاج
تفریحِ قلب وصحتِ ناسازیِ مزاج
کس باثر دوا کو خدا نے دیا رواج
حاجت طبیب کی نہ مسیحا کی احتیاج
پیروں کا ہے عصا یہی تیغِ جواں یہی
ہیکل یہی سپر ہے یہی حرزِ جاں یہی

۱۱

ہے چشمِ حورِ عین میں عینِ علیؑ سے نور
علم و عطا و عدل و عنایت کا ہے ظہور
اس لام کی ہے جا دل اسلام میں ضرور
یے سے یقین یہ ہے کہ ید اللہ ہیں حضور
قرآں کی جان کہیے جنھیں وہ ورق ہیں یہ
نقطے ہیں دو گواہ کہ ہم نام حق ہیں یہ

۱۲

نامِ خدا یہ اسم ہے بے مثل و بے عدیل
کیوں کر نہ زیب عرش کرے خالق جلیل
یوشع کا حرز حضرتِ ذوالکفل کا کفیل
کرسی کا نور زیور بازوئے جبرئیل
قربان نام نامی شاہِ انام کے
ساتوں فلک ہیں زیرِ نگیں ایک نام کے

۱۳

حُسنِ قبولِ توبۂ آدم یہی تو ہے
آخر میں سب کے نام مقدم یہی تو ہے
فیضِ علوم و زینتِ عالم یہی تو ہے
جو یا ہو کس کے اسمِ معظّم یہی تو ہے
اس کے اثر خفی و جلی کہہ کے دیکھ لو
مشکل میں یا علیؑ و ولی کہہ کے دیکھ لو

۱۴

آیا زباں پہ جب تو طے ذائقے عجیب
گو دُور تھے پر اپنے خدا سے ہوئے قریب
ہر شخص کی دوا ہیں یہی اور یہی طبیب
انساں کے جاگ اٹھے ہیں سوتے ہوئے نصیب
رونق ہے مسجدوں کی مصلّوں کی شان ہے
زینت اذاں کی ہے تو اقامت کی جان ہے

۱۵

اک شب کو آسمانِ رسالت کا آفتاب
تھا اُمِّ مومنین کے گھر زیبِ فرشِ خواب
حاضر ملک تھے بہر نگہبانیِ جناب
چونکی جو خواب سے تو ہوا سخت اضطراب
بالائے فرش زینتِ عرشِ خدا نہ تھا
برجِ شرف میں جلوۂ شمس الضحٰی نہ تھا

---

۱ سخن

۱۶
نکلیں جو ڈھونڈنے کو نبیؐ کے وہ ناگہاں
دیکھا کہ سقفِ بام پہ ہیں قبلۂ زماں
عریاں سر ہے دوش سے ڈھلکی ہے طیلساں
اُٹھے ہوئے ہیں دستِ دُعا سوئے آسماں
کہتے ہیں دل کا حال سمیع و علیم سے
آنسو رواں ہیں چشمِ رسولِ کریمؐ سے

۱۷
مضمونِ فقرہ ہائے دعا تھے کہ اے کریم
حادث ہیں سب جہان ہیں تری ذات ہے قدیم
تجھ کو قسم ہے اس کی جو کوثر کا ہے قسیم
رکھیو صراط پہ میری امت کو مستقیم
آئے جب آفتابِ قیامت زوال پر
صدقہ علیؑ کا رحم کر سب ان کے حال پر

۱۸
دیکھا یہ حال جب تو ہوا ان کو اضطراب
کہنے لگی رسولِ خدا سے بصد شتاب
ہیں اور بھی مقربِ حق غیرِ بُوترابؑ
حق کو علیؑ کا واسطہ دیتے ہیں کیوں جناب
سب میں اُنھیں کا نام خدا کو پسند ہے
کیا انبیا سے بھی شرف ان کا دوچند ہے

۱۹
فرمایا مصطفیٰؐ نے کہ کر اس کا اعتقاد
ہاں قربِ حق علیؑ کو رسولوں سے ہے زیاد
گر واسطہ علیؑ کا دعا میں نہ دیں عباد
درگاہِ حق سے پھر کبھی حاصل نہ ہو مراد
ہمنام کبریا کے سوا کس کا نام لُوں
عالی علیؑ سے کون ہے جس کا نام لُوں

۲۰
یعقوبؑ و عیسیٰؑ و خضرؑ و آدمؑ و خلیلؑ
داؤدؑ و دانیالؑ و سلیمانؑ بے عدیل
نوحؑ نجی کلیمِ خدا یُوسفؑ جلیل
غلمان و حور و فطرس و میکال و جبرئیل
مقبولِ حق ہے خویشِ پیمبر کا واسطہ
یہ سب خدا کو دیتے ہیں حیدرؑ کا واسطہ

۲۱
فرماتے تھے نبیؐ کہ شجر سب قلم ہوں گر
دریا تمام بن کے سیاہی بہم ہوں گر
پتّے ہر اک شجر کے ورق یک قلم ہوں گر
سب جن و انس خلق کے حرف رقم ہوں گر
دریا بھی اور قلم بھی سراسر تمام ہوں
لیکن نہ وصفِ حیدرؑ صفدر تمام ہوں

۲۲
لکھا ہے یہ کہ بیٹھے تھے مسجد میں مصطفاؐ
بڑھ کر انسؓ نے احمدِ مرسلؐ سے یہ کہا
اے نورِ حق منیبِ عُلا نائبِ خدا
ہیں شمس و زہرہ و قمر و فرقدین کیا
ارشاد آپ کیجیے کہ دل کو سرور ہو
سینے میں روشنی ہو تو آنکھوں میں نور ہو

۲۳
فرمایا مصطفےٰؐ نے کہ ہیں آفتاب ہم
جس کی ضیا نہ ہو گی کبھی تا بہ حشر کم
ہیں ماہتاب شیرِ خدا سرورِ امم
زہرہ ہے شانِ حسنؑ سے زہرائے باکرم
دونوں جہاں کا نور مرے نور عین ہیں
سن اے انس حسینؑ و حسنؑ فرقدین ہیں

۲۴
یاد اس کو رکھو غروب ہو جس وقت آفتاب
امت تمام ہو متمسک بہ آفتاب
حیدرؑ ہیں میرے بعد امامِ فلک جناب
میرا محب ہے جو ہے محبِ ابو ترابؑ
روزہ قبول ہے نہ عبادت قبول ہے
اس کا عدو عدوئے خدا و رسولؐ ہے

۲۵
عمارؓ سے یہ کہتے تھے محبوبِ کردگار
عالم میں غدر ہو گا مرے بعد آشکار
امت کرے گی راہِ ضلالت کو اختیار
حبل المتیں کو ہاتھ سے چھوڑیں گے نابکار
جانا نہ تو ادھر کو جدھر کو یہ صف چلے
تو چلیو اس طرف کہ علیؑ جس طرف چلے

۲۶
کشتی یہی ہے اور یہی اُمت کا نوح ہے
درِ علم کا یہی یہی بابِ فتوح ہے
مصحف کو دیکھ لے شرف اس کا وضوح ہے
ایماں کے تن کی جان ہے قرآں کی رُوح ہے
جتنا ہے میرا علم وہ سینے میں اس کے ہے
ناجی ہے وہ بشر جو سفینے میں اس کے ہے

۲۷
میرے لیے ہیں یُوں اسد اللہ نامور
ہوتا ہے جس طرح سے تنِ آدمی پہ سر
جب تن جدا ہو سر سے تو بیکار ہے بشر
راس الرئیس خلق ہے یہ شاہِ بحر و بر
بازو رسولؐ کا ہے تو خالق کا ہاتھ ہے
حق ہے علیؑ کے ساتھ علیؑ حق کے ساتھ ہے

۲۸
معراج سے ہوا تھا میں جس روز بہرہ ور
ابنِ عمِ رسولؐ تھا اس روز اپنے گھر
لیکن ہر اک مقام پہ تھا نور جلوہ گر
گویا علیؑ پہنچ گئے مجھ سے بھی پیش تر
باطن میں تھے قریب تو ظاہر میں دُور تھے
میں آسماں پہ تھا وہ خدا کے حضور تھے

۲۹
پست و بلند و بحر و بر و انجم و سحاب
افلاک و نور و ظلمت و مہتاب و آفتاب
طوبیٰ و کوثر و ارم و حور و قصر و باب
کرسی و عرش و لوح و قلم موقف و حجاب
کس کس جگہ ظہور خدا کے ولی کا تھا
دیکھا تو ہر مقام پہ جلوہ علیؑ کا تھا

۳۰
واں مجھ پہ جس مقربِ حق نے کیا سلام
پوچھی خبر علیؑ کی بصد شوق و احترام
میں نے کہا کہ جپتے ہو تم بھی علیؑ کا نام
بولا ہر اک ملک کہ وہ ہم سب کے ہیں امام
تم کو نبیؐ تو ان کو وصیؑ جانتے ہیں ہم
استادِ جبرئیلؑ کو پہچانتے ہیں ہم

۳۱
پہنچا میں جا کے پردۂ قدرت کے پاس جب
دل کانپتا تھا خوف سے لرزاں بدن تھا سب
گردن تھی خم زمیں پہ نظر تھی بصد ادب
تنہا ادھر تھا میں تو ادھر ذاتِ پاکِ رب
خاطر جو تھی خدا کو رسالت مآب کی
پردے سے صاف آئی صدا بُوتراب کی

۳۲
پہلوئے عرش میں نظر کی جو ناگہاں
دیکھا کہ تختِ نور پہ بیٹھا ہے اک جواں
بولا امینِ وحیِ خداوند انس و جاں
اس پر سلام کیجئے اے قبلۂ زماں
تھا اور کون سرورِ گردوں سریر تھے
دیکھا جو غور سے تو جنابِ امیر تھے

۳۳
روح الامینؑ سے احمدِ مرسلؐ نے تب کہا
کیا یاں علیؑ کا مجھ سے بھی پہلے گزر ہوا
کی عرض جبرئیلؑ نے اے فخرِ انبیا
سارے ملک تھے طالبِ دیدارِ مرتضٰی
روحانیوں کی عرض خدا نے قبول کی
تصویر ہے یہ عرش پہ زوجِ بتول کی

۳۴
ناقے رسولِ حقؐ کو نظر آئے ایک بار
صندوق چوبِ خلد تھے دو دو ہر اک پہ بار
جاتے تھے غرب سے طرفِ مشرق وہ قطار
گنئے ازل سے گر تو ابد تک نہ ہو شمار
اُس کی خبر ملک کو بھی غیر از خدا نہ تھی
مثلِ نجوم حصر نہ تھا انتہا نہ تھی

۳۵
جبرئیل سے یہ کہنے لگے شاہِ بحر و بر
ناقے یہ کیسے آتے ہیں اور جائیں گے کدھر
بار اُن پہ کیا ہے لعل و زبرجد ہیں یا گہر
جبریلؑ نے کہا کہ مجھے بھی نہیں خبر
دی حق نے جب سے روح مرے جسمِ زار کو
اس دن سے دیکھتا ہوں یونہی اس قطار کو

۳۶
بولے نبیؐ یہ حال ہو کس طرح آشکار
کی عرض اس نے دیکھیے یا شاہِ نامدار
بٹھلا دیے فرشتوں نے ناقے بصد وقار
دیکھا رسولؐ نے تو کتابیں تھیں بے شمار
صندوق تھے جو ناقوں کے اوپر دھرے ہوئے
تھے سب میں مرتضٰیؑ کے فضائل بھرے ہوئے

۳۷
اک دن نبیؐ نے مجمعِ احباب میں کہا
کچھ لوگ ایسے حشر میں ہوویں گے باوفا
دے گا کریم جن کو رسولوں کا مرتبا
اِستادہ ہوں گے واں شہدا کی جہاں ہے جا
مقبولِ کبریا ہیں ازل سے سعید ہیں
حالاں کہ وہ رسول ہیں نہ وہ شہید ہیں

۳۸
لعل و گہر سے ہوں گے مکلل جو تاجِ فرق
معلوم ہو گا نور کے دریا میں سب ہیں غرق
لمعان جن کا غرب سے جائے گا تا بہ شرق
اک آن میں صراط سے گزریں گے مثلِ برق
پائیں گے جام بھر کے شرابِ طہور کے
حلّے ہر اک کے جسم میں ہوئیں گے نور کے

۳۹
سُن کر یہ دو منافقوں نے آپ سے کہا
ہم بھی ہیں اس گروہ میں اے فخرِ انبیا
کھا کر قسم رسولِ خدا نے کہا کہ "لا"
ان کا مقام اور تمہاری ہے اور جا
وہ لوگ بے مثال ہیں اور بے عدیل ہیں
گھر ان کے زیرِ عرشِ خدائے جلیل ہیں

۴۰

سب نے کہا وہ کون ہیں یا شاہِ کائنات
تب ہاتھ رکھ کے سر پہ علیؑ کے کہی یہ بات
یہ رُکنِ دینِ حق ہے یہ ہے منہجِ نجات
یہ راحتِ ممات ہے یہ لذتِ حیات
یہ ذکر میں نے جن کا کیا منتخب ہیں وہ
خالق گواہ ہے کہ علیؑ کے محب ہیں وہ

۴۱

یہ فیض یہ سخا و عطا جلّ شانہٗ
یہ جلوہ اور یہ نور و ضیا جلّ شانہٗ
یہ اقتدار و مجد و علا جلّ شانہٗ
بندے میں شانِ ذاتِ خدا جلّ شانہٗ
اعلیٰ عجم سے ہے تو عرب سے بزرگ ہے
حقا کہ حق کے بعد وہ سب سے بزرگ ہے

۴۲

مشہور ہے سخاوتِ شہِ آسماں سریر
بخشا زر اس قدر کہ غنی ہو گئے فقیر
غم خوار بیکسوں کے غریبوں کے دستگیر
کیا ذکر تھا کہ رات کو بھوکے رہیں اسیر
اوقات خدمتِ فقرا میں بسر ہوئی
اس ہاتھ سے دیا تو نہ اس کو خبر ہوئی

۴۳

دریائے معجزاتِ علیؑ بے کنار ہے
ہر شے پہ مثلِ حکمِ خدا اختیار ہے
جھکتا ہے آسماں کا بھی سر وہ وقار ہے
جو معجزہ ہے قدرتِ پروردگار ہے
حیراں ہو عقلِ نوح جو ہاتھوں سے کام لیں
چاہیں تو ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لیں

۴۴ مطلع ثانی

لکھا ہے ملکِ چین میں تھا ایک بادشاہ
والا گہر خجستہ سیر مملکت پناہ
بے حد و حصر قبضۂ قدرت میں تھی سپاہ
دربانِ بارگاہ تھے اقبال و عز و جاہ
عادل تھا فیض بخش تھا کشورستان تھا
گویا کہ اپنے وقت کا نوشیروان تھا

۴۵

بخشا تھا اس کو خالقِ اکبر نے اک پسر
گردوں وقار مہر لقا غیرتِ قمر
مادر کی زیست تقویتِ پیریٔ پدر
آرام روح راحتِ جاں پارۂ جگر
دیکھے سے اس کے غنچۂ دل باغ باغ تھا
آنکھوں کا تھا جو نور تو گھر کا چراغ تھا

۴۶

تھا ہر بشر کو چین میں اس مہ لقا کا عشق
لیکن اُسے تھا دخترِ شاہِ خطا کا عشق
آفت ہے قہر ہے کسی لیلیٰ ادا کا عشق
بس ہو گیا جنون یہ بڑھا دلربا کا عشق
مشکل ہوئی روایت سودائیٔ شوق کی
نزدیک تھا کہ فکر ہو زنجیر و طوق کی

۴۷

آرام و صبر و طاقت و دین و دل و قرار
یہ سب وداع ہو گئے اس گل سے ایک بار
آمادۂ سفر ہوا آخر بحالِ زار
رُخ اس طرف کیا کہ جدھر تھا دیارِ یار
باندھی کمر پدر کے رلانے کے واسطے
تیار کشتیاں ہوئیں جانے کے واسطے

۴۸
جب باپ نے سُنی خبرِ ہجرِ نوجواں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
ماں کا ہوا یہ حال کہ پہنچی لبوں پہ جاں
لیکن چلا نہ زور کسی کا بجز فغاں
بے تاب ہو کے روح چلی سیم بر کے ساتھ
آیا پدر بھی تا لبِ دریا پسر کے ساتھ

۴۹
تسلیم کر کے داخلِ کشتی ہوا پسر
بیٹھے مصاحبانِ اولوالعزم ہمد گر
سب پانچ کشتیاں تھیں برابر ادھر ادھر
لنگر اُٹھے تو بیٹھ گیا خاک پہ پدر
آنسو بھر آئے زیست سے دل سیر ہو گیا
سارا جہان آنکھوں میں اندھیر ہو گیا

۵۰
روتا ہوا ادھر کو پھرا بادشاہِ چیں
راہی ہوا خطا کی طرف کو وہ مہ جبیں
دریا غضب کا تھا نہ اتھاہ اس کی تھی کہیں
زہرے تھے آب آب یہ موجیں تھیں سہم گئیں
ماہی اُبھر نہ سکتی تھی موجوں کے زور سے
مرغابیاں تھیں چرخ میں پانی کے شور سے

۵۱
دس بیس دن تو خوف و رجا میں کٹی وہ راہ
طوفان میں ایک روز ہوئیں کشتیاں تباہ
آساں نہیں جہاں میں کسی مہر وش کی چاہ
تاروں سمیت ڈوب گیا شاہِ چیں کا ماہ
ہر شخص کو طمانچۂ بحرِ فنا لگا
ان پانچ کشتیوں کا مطلق پتا لگا

۵۲
اک سال پھر ملی جو نہ بیٹے کی کچھ خبر
مستغرقِ محیطِ الم ہو گیا پدر
غم سے بدن ضعیف ہوا جھک گئی کمر
پھر آئے ہر دیار میں جا جا کے نامہ بر
واقف کیا کسی نے نہ اُس گُل کے حال سے
آخر کو نا اُمید ہوا اپنے لال سے

۵۳
سب جانتے ہیں داغِ غمِ نوجواں ہے سخت
صدمے سے ہو گیا دلِ مجروح لخت لخت
شاہی لباس پھینک کے پہنا سیاہ رخت
غم میں پسر کے ترک کیا اس نے تاج و تخت
مطلب نہ فوج سے نہ سواری سے کام تھا
دن رات اس کو گریہ و زاری سے کام تھا

۵۴
تھا اک وزیرِ خاص جو دانائے روزگار
اک روز اس نے عرض یہ کی پیشِ شہریار
سُنتا ہوں میں کہ کوئی ہے مکے میں تاجدار
جس کو خدا نے عرش سے بھیجی ہے ذوالفقار
معجز نما ہے خسروِ برنا و پیر ہے
حلّالِ مشکلاتِ امیر و فقیر ہے

۵۵
حق نے کیا ہے اس کو دو عالم کا بادشاہ
سب اس کے زیرِ حکم ہے ماہی سے تا بہ ماہ
مُردوں کو زندہ کرتا ہے دم میں وہ دیں پناہ
مختارِ مرگ و زیست ہے اللہ رے عز و جاہ
سیّد ہے پیشوائے جہاں ہے امام ہے
ہم نامِ حق ہے وہ کہ علیؑ اس کا نام ہے

۵۶

سلماں کو اس نے شیر کے منہ سے چھڑا دیا
طوفانِ غم سے نوحؑ کا بیڑا بچا دیا
یعقوبؑ سے اسی نے پسر کو ملا دیا
بہرِ خلیلؑ آگ کو گلشن بنا دیا
حق نے کیا ہے خلق کا مشکل کشا اُسے
دنیا میں جانتے ہیں نصیری خدا اُسے

۵۷

خدمت سے اس کی ہوں گے مشرف اگر حضور
بچھڑے ہوئے پسر سے ملا دے گا وہ ضرور
یہ سُن کے شاہِ چین کو نہایت ہوا سرور
نامِ علیؑ سے آگیا آنکھوں میں اس کے نور
الفت جگر میں دل میں محبت سما گئی
اک جانِ تازہ قالبِ بے جاں میں آگئی

۵۸

جلدی ہوا جو عازمِ بطحا وہ شہریار
سازِ سفر درست لگے کرنے اہلِ کار
زر بٹ گیا خزانۂ شاہی سے بے شمار
آگے بڑھے جما کے پرے سب رسالہ دار
مجمع تھا شب سے قلعہ کے باہر سپاہ کا
اک شور تھا کہ کوچ ہے کل بادشاہ کا

۵۹

نکلا جو پیشِ خیمۂ شاہی بہ کرّ و فر
اعیانِ مملکت ہوئے آمادۂ سفر
فوجوں کی اک بھیڑ چلی سوئے دشت و در
یکساں ہے منعموں کو سفر ہوئے یا حضر
سلطانِ چیں سوار شد و رو براہ ساخت
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

۶۰

وافر تھے راحلے متعدد ہر ایک شے
دس دن کی راہ ہوتی تھی اک ایک دن میں طے
تھے خضرِ دشت راہ روانِ خجستہ پے
آساں تھی دُوریِ حلب و شام و روم و رے
مکّے کے اشتیاق میں سب حق پرست تھے
شورِ حُدی سے راہ میں اشتر بھی مست تھے

۶۱

چند ے میں پہنچا منزلِ مقصد پہ جب وہ ماہ
خود پُوچھی آفتابِ رسالت کے گھر کی راہ
دیکھی جو بارگاہِ شہِ آسماں پناہ
دوڑا پیادہ پا سوئے دولت سرائے شاہ
صدقے ہوا مکانِ معلّیٰ کی شان پر
سر رکھ دیا گدا کی طرح آستان پر

۶۲

پیکِ نگاہ جب طرف بام و در گیا
اک نور تھا کہ چشم کے شیشوں میں بھر گیا
حیرت سے چھت کو تک گئیں آنکھیں ٹھہر گیا
دل سے نگارخانۂ چینی اُتر گیا
ششدر تھا صنعتِ قلمِ ذوالجلال سے
مانی کا نقش مٹ گیا لوحِ خیال سے

۶۳

قنبر سے لے کے اذن ہوا جب وہ باریاب
دیکھا کہ ایک بُرج میں ہیں ماہ و آفتاب
چہروں کی روشنی سے نظر کو نہیں تھی تاب
انجم کی انجمن ہے کہ ہے محفلِ جناب
مسند پہ تاجدارِ سلیماں سریر ہے
سمجھا یہ بادشاہ ہے اور وہ وزیر ہے

۶۴

بوسے دیے زمینِ ادب پر بہ احترام
آدابِ قاعدہ سے کیے جُھک کے دو سلام
بولے جواب دے کے رسولِ فلک مقام
مجھ سے ہے کچھ غرض تجھے یا ہے علیؑ سے کام
ہر دردِ لا دوا کی جہاں میں دوا یہ ہیں
مشکل کوئی ہے تجھ پہ تو مشکل کشا یہ ہیں

۶۵

کہنے لگے علیؑ ولی شاہِ خوش صفات
دنیا میں بحرِ فیض ہے محبوبِ حق کی ذات
سلطانِ خلق باعثِ ایجادِ کائنات
چاہے تو کر دیں رات کو دن اور دن کو رات
گو ہے خدا کے بعد تو رتبہ جناب کا
ذرہ ہوں میں بھی ایک اسی آفتاب کا

۶۶

قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ تاجدار
اے دستگیرِ شاہ و گدا میں ترے نثار
اک مرثیہ ہے خادمِ تازہ کا حالِ زار
ہوں نوجواں کے سوگ میں نالان و بیقرار
یوں ہے سیاہ خانۂ دنیا نگاہ میں
یعقوبؑ کا جو حال تھا یوسفؑ کی چاہ میں

۶۷

دریا میں غرق ہو گیا فرزندِ خوش نہاد
ڈھونڈا کہاں کہاں یہ نہ پایا دُرِ مراد
جس کا پسر جدا ہو وہ کیا ہو جہاں میں شاد
لایا ہے یاں تلک مجھے حضرت کا اعتقاد
پیری میں نوجواں کے بچھڑنے کا داغ ہے
اے آفتابِ دیں میرا گھر بے چراغ ہے

۶۸

ہر چند اپنے ملک کا میں بادشاہ ہوں
پر اب غلامِ قبلۂ عالم پناہ ہوں
گمراہ آگے تھا مگر اب رو براہ ہوں
اے ناخدائے کشتیِ اُمت تباہ ہوں
دروازۂ کریم پہ آیا ہوں دُور سے
اپنے دُرِ مراد کو لوں گا حضور سے

۶۹

ماتم میں اس غلام کو گزرے ہیں پانچ سال
میں کیا کہوں حضور جو ہے اس کی ماں کا حال
حضرت سے عرض کی ہے کیا شاہِ خوشخصال
لونڈی سمجھ کے مجھ سے ملا دیجے میرا لال
مالک ہیں آپ خانۂ پروردگار کے
دے ڈالیے نواسوں پہ صدقے اتار کے

۷۰

اس سوگوار نے جو کیے درد سے کلام
اللہ رے رحم رونے لگے سیدِ انام
فرمایا مرتضیٰؑ سے کہ یا شاہِ خاص و عام
مشکل میں رنج میں تم ہی آتے ہو سب کے کام
تم خلق کے مسیح ہو جلدی مدد کرو
اس کے جواں پسر کی جدائی میں کد کرو

۷۱

سنتے ہی یہ سوار ہوئے شاہِ ذوالفقار
چھوٹے بڑے جلو میں چلے باصد افتخار
فرمایا بند کر لیں سب آنکھوں کو ایک بار
اعجازِ طیِ ارض ہوا دم میں آشکار
یا تھی تمام فوج عرب کی زمین پر
یا سب نے پایا آپ کو دریائے چین پر

۷۲

بولا وہ تاجدار قدم پر جھکا کے سر
مولا اسی میں غرق ہوا ہے مرا پسر
قنبر سے تب یہ کہنے لگے شاہِ بحر و بر
دریا سے مچھلیوں کو بُلا لے پکار کر
جو چیز زیرِ آب نہاں ہو عیاں کریں
ماہیت اس کے لال کی جلدی بیاں کریں

۷۳

قنبر نے بڑھ کے دی یہ صدا مچھلیوں کو تب
اے ماہیانِ بحر نکل آؤ سب کی سب
کرتا ہے میرِ چشمۂ کوثر تمہیں طلب
دریائے رحمت صمدِ بحرِ فیضِ رب
نامِ شہِ نجف جو سنا تھرتھرا گئیں
سب مچھلیاں ابھر کے کنارے پہ آ گئیں

۷۴

ہرچند مچھلیوں کی طلب تھی فقط مگر
نکلے وہ ذی حیات تھے پانی میں جس قدر
آپس میں شور کرتے تھے دریا کے جانور
چل کر کرو زیارتِ سلطانِ بحر و بر
کعبہ ہمارا خویشِ رسالت مآب ہے
رُخ پر نگاہ کرنے میں حج کا ثواب ہے

۷۵

موجیں بڑھیں حبابوں کے ساغر لیے ہوئے
مرغابیاں نثار کو تھیں زر لیے ہوئے
تھے گاوِ بحر نذر کو عنبر لیے ہوئے
دوڑی صدف ہتھیلی پہ گوہر لیے ہوئے
اونچے ہوئے پہاڑ کہ دیکھیں امامؑ کو
دریا سے نکلا پنجۂ مرجاں سلام کو

۷۶

جوں جوں امام آتے تھے اس بحر کے قریب
الیاسؑ و خضرؑ کہتے تھے باہم زہے نصیب
تھیں بے زباں تو مچھلیوں کا حال تھا عجیب
یعنی علیؑ حبیبِ الٰہی کا ہے حبیب
اسرار کون سا ہے جو اُس پر عیاں نہیں
ہم کیا کہیں کہ منہ میں ہماری زباں نہیں

۷۷

ان سب کی اک رئیس جو تھی ماہیِ کلاں
کہنے لگے یہ اُس سے شہنشاہِ انس و جاں
ڈوبا ہے شاہِ چین کا جو فرزندِ نوجواں
ماہیت اُس کی مجھ سے مفصل کرو بیاں
مادر کو جستجو ہے پدر کو تلاش ہے
ہاں جلد جا کے ڈھونڈو کہاں اس کی لاش ہے

۷۸

یہ سن کے مچھلیاں گئیں ساری میانِ آب
پھر آئیں جلد اور یہ علیؑ سے کیا خطاب
دریا کو چھان آئی کہ تھی دہشتِ جناب
اس کی تو خاک تک نہ ملی یا ابو ترابؑ
اب کیا پتا ملے گا بھلا اس کے لال کا
یہ ماجرا ہے یا شہِ دیں پانچ سال کا

۷۹

اس کی تلاش میں نہ گئے ہم کہاں کہاں
باقی رہا نہیں کوئی مسکن کوئی مکاں
واں تک نہ پھر آئے ہم نہ گئے تھے کبھی جہاں
ناخن نہ ہاتھ آیا ہمیں اور نہ استخواں
مولا معاف ہو ہمیں کیا اختیار ہے
حضرتؑ پہ قطرے قطرے کا حال آشکار ہے

۸۰

بولے یہ مسکرا کے امامِ فلک وقار
سب حالِ بحر مجھ پہ تمامی ہے آشکار
ہے ایک سنگِ سُرخ تہہِ آبِ خوشگوار
اس کے تلے ہے پارۂ انگشت گلعذار
تم آشنائے بحر ہو اور ذی شعور ہو
لاؤ اسے کہ قدرتِ حق کا ظہور ہو

۸۱

سن کر پتا علیؑ سے وہ ماہی ہوئی رواں
لے آئی منہ میں پارۂ انگشت نوجواں
اترا فرس سے شیرِ خداوندِ انس و جاں
آئے وہاں وہ پارۂ انگشت تھا جہاں
دیکھا بغور اس کو کرم کی نگاہ سے
ڈھانپا اسے ردائے رسالت پناہ سے

۸۲

مُنہ کر کے سوئے قبلہ جو کی زیرِ لب دُعا
آمیں کی بر و بحر سے آنے لگی صدا
ناگہ نفس کی آمد و شد سے ہلی رِدا
چادر تلے عیاں ہوئے انساں کے دست و پا
ہے خواب میں کوئی یہ گماں اس جواں پہ تھا
کھولا جو مُنہ تو کلمۂ طیب زباں پہ تھا

۸۳

اٹھا غریو اڑ گئے سب خلق کے حواس
قرباں ہوا کوئی تو پھرا کوئی آس پاس
اُٹھ کر گِرا علیؑ کے قدم پر وہ حق شناس
سر پہ وہی کلاہ تھی بر میں وہی لباس
غل تھا کہ دیکھو فیض شہِ کائنات کا
بخشا رِدا کے پردے میں خلعت حیات کا

۸۴

سلطان چیں سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
کیوں دیکھ تو بغور یہی ہے ترا پسر
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ نوحہ گر
میں تجھ پہ صدقے اور میرے مادر و پدر
تو شاہِ انبیا کا وصی لا کلام ہے
مُردے کو بخشے جان یہ تیرا ہی کام ہے

۸۵

کلمہ پڑھائیے مجھے یا شاہِ خاص و عام
مولا ہیں میرے آپ میں قنبر کا ہوں غلام
قربان اے سمیِ خدائے ذوالاحترام
نامِ خدا عجب تجھے حق نے دیا ہے نام
یہ معجزہ جو آنکھوں سے دیکھیں تو کیا کہیں
پھر کس طرح نہ تجھ کو نُصیری خدا کہیں

۸۶

ہنس کر کہا علیؑ نے پسر سے تو جا کے مِل
ہم کو بھی تھی خوشی کہ ہوا شاد تیرا دِل
یہ سُن کے آیا باپ جو بیٹے کے متصل
تھا ابر ان کے گریۂ شادی سے منفعل
دونوں کے بیچ میں جو بشر تھا وہ ہٹ گیا
بیٹا پدر سے باپ پسر سے لپٹ گیا

۸۷

جاں آگئی کہ باپ سے بچھڑا پسر مِلا
دل نے کہا کہ مرہمِ زخمِ جگر مِلا
ملنے کی جس کی آس نہ تھی وہ قمر مِلا
بحرِ فنا میں غرق جو تھا وہ گہر مِلا
محتاج پر عنایتِ ربِ غنی ہوئی
مدت کے بعد آنکھوں میں پھر روشنی ہوئی

۸۸
آئی بہارِ باغِ عزل پھر خزاں ہوا
روشن پھر اس چراغ سے اجڑا مکاں ہوا
پھر جسم میں اعادۂ تاب و تواں ہوا
جو پیر ہو گیا تھا وہ دل پھر جواں ہوا
جلوہ رُخِ پسر کا نظر میں سما گیا
پتلی کا نور جا کے پھر آنکھوں میں آ گیا

۸۹
کیوں عاشقانِ سبطِ رسولؐ فلک وقار
اس دن کہاں تھے شیرِ خدا شاہِ ذوالفقار
اکبرؑ کے دل سے نوکِ سناں جب ہوئی تھی پار
اور بحرِ خوں میں ڈوب گیا تھا وہ گلعذار
دوڑے گئے تھے شاہ پسر کی تلاش کو
پکڑے کلیجہ ڈھونڈتے پھرتے تھے لاش کو

۹۰
ملتا نہ تھا جو لاشۂ فرزندِ خوش خصال
تھا بے قرار حضرت خیر النساؑ کا لال
رو کر پکارتے تھے علیؑ کو بصد ملال
اکبرؑ ہے کس کچھار میں یا شیرِ ذوالجلال
صدمہ سے جاں بلب ہوں ملا دو حسینؑ کو
بچھڑے ہوئے پسر سے ملا دو حسینؑ کو

۹۱
بیٹے کے غم سے آنکھوں میں تاریک تھا جہاں
نالے تھے دمبدم کہ ہے مہرو مرا کہاں
ریتی پہ گر کے یاں کبھی تڑپے کبھی وہاں
پایا پسر کو نزع کے عالم میں ناگہاں
برچھی جگر پہ خنجرِ غم دل پہ چل گیا
لپٹے ادھر حسینؑ ادھر دم نکل گیا

۹۲
آغوش میں تڑپ کے جو بے جاں ہوا پسر
میت لٹا کے رونے لگے شاہِ بحر و بر
پٹکا عمامہ پیٹ کے ہاتھوں سے اپنا سر
نالے کئے کہ آ گئے جنبش میں دشت و در
فرحت نہ جیتے جی ہوئی رنج و ملال سے
جب ذبح ہو گئے تو ملے اپنے لال سے

۹۳
القصہ مل چکا جو پدر سے وہ گلعذار
کی عرض شاہِ دیں سے یہ با چشمِ اشکبار
مولا بچھڑ گئے ہیں مرے سب رفیق و یار
تنہا وطن میں اب نہیں جانے کا جاں نثار
پھر کوئی معجزہ مرے مولا دکھا دیجیے
زندہ کیا مجھے تو انھیں بھی جلا دیجیے

۹۴
تھیں پانچ کشتیاں مرے ہمراہ یا امام
ایک ایک نوجوان تھا گل اندام و لالہ فام
ماں باپ ان کے ہیں وہیں اور اقربا تمام
جا کر وطن میں منہ کسے دکھلائے گا غلام
جو آشنا تھے پاس نہ وہ نیک خُو رہے
پھر غرقِ بحر ہوں تو میری آبرو رہے

۹۵
یہ دردِ دل پسر نے کہا جب با شک و آہ
گھبرا کے باپ نے رُخِ حضرت پہ کی نگاہ
بولا وصیِ حضرتِ پیغمبرِ الٰہ
اے مرحبا یہی ہے مروّت کی رسم و راہ
غمگیں نہ ہو کہ عقدہ کشا حق کی ذات ہے
دستِ خدا کے سامنے یہ کتنی بات ہے

۹۶
میں وُہ ہوں جس کے حکم میں ہے لشکرِ ملک
میرا عمل جہاں میں سما سے ہے تا سمک
میرے ہے اختیار میں سب گردشِ فلک
مختار خشک و تر ہوں کچھ اس میں نہیں ہے شک
مجھ سے تھما ہوا ہے سفینہ نجات کا
جاری ہے میرے فیض سے چشمہ حیات کا

۹۷
ہے میرے ہاتھ دفترِ عالم کا بند و بست
میں نے کیا ہے ارض و سما کو بلند و پست
میں نے بتوں کو خانۂ کعبہ میں دی شکست
میں نے کیا ہے کفر پرستوں کو دیں پرست
رازق نے دی ہے خلق کی شاہی فقیر کو
میں رزق بانٹتا ہوں صغیر و کبیر کو

۹۸
میں ہوں وصیِ حضرتِ محبوبِ ذوالجلال
آساں ہے تیرے سامنے ہر عقدۂ محال
مشکل کشا ہوں رد نہیں کرتا کبھی سوال
سایہ کروں تو ہر شجرِ خشک ہو نہال
چاہوں تو ایک قطرے سے طوفاں ابھی اٹھے
گر قُم کہوں تو مردۂ صد سالہ جی اٹھے

۹۹
یہ کہہ کے آتے بحر کے نزدیک شاہِ دیں
الٹی خدا کے دوست نے مُرفق تک آستیں
لے کر ادھر سے کشتیاں اونچی ہوئی زمیں
پہنچا ادھر سے دستِ شہنشاہِ مومنیں
روشن تھی شمعِ نورِ خدا اِھر حباب میں
لہرا رہا تھا پنجۂ خورشید آب میں

۱۰۰
نکلا جو قعرِ بحر سے دستِ شہِ زماں
تھیں پانچوں انگلیوں میں وہی پانچوں کشتیاں
اعجازِ فخرِ نوحؑ نے بخشی سبھوں کو جاں
تھے زندہ و صحیح و سلامت وہ سب جواں
مدت کے بعد باغِ جہاں کی ہوا لگی
کشتی ہر اک اُبھر کے کنارے پہ آ لگی

۱۰۱
ہمجولیوں سے اپنے ملا جب وہ خوش نہاد
بولے علیؑ کہ اب تو بر آئی تری مراد
اس نے کہا نثار عنایت پہ خانہ زاد
محبوب بھی ملے تو میرا دل ہو شاد شاد
شہرِ خطا کی لہر ہے سودائے عشق میں
ڈوبا ہوا ہوں میں ابھی دریائے عشق میں

۱۰۲
کشتی پہ سب کو لے کے چڑھے ضیغمِ الٰہ
طے کی ہوا کے زور سے ان کشتیوں نے راہ
پہنچا شہِ خطا کو جو فرمانِ پادشاہ
بیٹی سے اپنی کر دیا اس نوجواں کا بیاہ
اللہ کیا اثر تھا کلامِ جناب میں
اہلِ خطا بھی آ گئے راہِ صواب میں

۱۰۳
دُولھا دُلہن کو لے کے روانہ ہوا پدر
کعبہ میں آئے شیرِ خدا شاہِ بحر و بر
دیکھا رُخِ علیؑ تو اُٹھے سیّدِ بشر
زیرِ قدم بچھا دیے رُوح الامیں نے پر
پیار آ گیا گلے سے لگایا بڑھا کے ہاتھ
آنکھوں پہ اپنے رکھ لیے دستِ خدا کے ہاتھ

۱۰۴
آ پہنچا جب زمانِ شہادت قریب تر
دیتے تھے اپنی مرگ کی اک ایک کو خبر
افطار کر کے صوم کو روتے تھے اس قدر
ہوتی تھی آنسوؤں سے محاسن[1] تمام تر
روزوں سے رخصت شہِ عالی مقام تھی
اٹھارھویں کی شام قیامت کی شام تھی

۱۰۵
فارغ ہوتے فریضۂ مغرب سے جب امامؑ
زینبؑ نے آگے لا کے رکھا مجمعِ طعام
دو روٹیاں تھیں جَو کی تو پانی کا ایک جام
تھی یہ غذائے خاص شہنشاہِ خاص و عام
واقف نہ لذتوں سے جہاں کا امیر تھا
اس دن نمک تھا اور پیالے میں شیر تھا

۱۰۶
بیٹی سے تب یہ کہنے لگے شاہِ قلعہ گیر
دو نانِ خورش سے خلق میں واقف نہیں فقیر
بڑھ کر نمک اٹھانے لگی دخترِ امیر
فرمایا اس کو رکھ دو اٹھا لو یہ ظرفِ شیر
کافی نمک ہے شیر پہ رغبت نہیں مجھے
بیٹی حساب دینے کی طاقت نہیں مجھے

۱۰۷
کی عرض بیٹیوں نے یہ رو کر کہ باباجاں
روزوں سے ہو گئے ہیں بہت آپ ناتواں
چہرے کا رنگ زرد ہے مانندِ زعفراں
کہنے لگے یہ رو کے شہنشاہِ انس و جاں
ہے خوفِ مرگ کیوں نہ بدن ناتوان ہو
کیوں کر وہ سیر ہو جسے بھوکوں کا دھیان ہو

۱۰۸
کچھ اعتبارِ زیست نہیں سر پہ ہے اجل
گزرے اگر یہ شب تو خدا جانے کیا ہو کل
انساں کو چاہیے کہ نہ غافل ہو ایک پل
دل جس سے ہو قوی کوئی ایسا نہیں عمل
کیا دیکھیے مآل ہو عبدِ ذلیل کا
درپیش سامنا ہے خدائے جلیل کا

۱۰۹
وہ شب تڑپ تڑپ کے علیؑ نے جو کی بسر
آیا غضب کا روز نمایاں ہوئی سحر
پڑھ کر دعا کسی اسد اللہ نے کمر
گھر چھوڑ کر چلے شہِ والا خدا کے گھر
شبیرؑ اٹھا کے تیغ ہوئے ساتھ باپ کے
مرغابیاں لپٹ گئیں دامن سے آپ کے

۱۱۰
ہر چند انھیں ہٹاتے تھے سلطانِ بحر و بر
چونچوں سے چھوڑتے تھے نہ دامن وہ جانور
فرمایا بیٹیوں سے یہ میری ہیں نوحہ گر
تم ان کے دانہ پانی کی رکھیو ذرا خبر
پہلے یہ سیر ہو لیں تو کھانے کو کھائیو
ماتم میں باپ کے نہ انھیں بھول جائیو

۱۱۱
یہ کہہ کے کھولنے جو لگے در کو مرتضےٰ
زنجیرِ در جگہ سے نہ ہلتی تھی مطلقا
لکھا ہے زورِ فاتحِ خیبر نے یہ کیا
زیبِ کمر جو تھا وہ کمر بند کھل گیا
الٹا جو آستیں کو تو زنجیر ہٹ گئی
لیکن کمر سے شیرِ خدا کے لپٹ گئی

---

[1] ڈاڑھی

۱۱۲
زنجیر کو چھڑا کے چلے شاہِ بحر و بر
دیکھا کہ پیچھے پیچھے حسنؑ تھے برہنہ سر
فرمایا تم کدھر چلے اے پارۂ جگر
گھر میں نماز آج پڑھو صدقہ ہو پدر
تنہا ہیں دونوں بیٹیاں شیرِ الٰہ کی
جاؤ تمھیں قسم ہے رسالت پناہ کی

۱۱۳
ناچار پھر کے آئے حسنؑ شاہِ نیک خُو
بہنوں کو صحنِ خانہ میں دیکھا کشادہ مُو
پانی امام زادے نے مانگا پئے وضو
مسجد میں واں نمازی کا بہنے لگا لہو
آوازِ جبرئیل کی آئی غضب ہُوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہُوا

۱۱۴
مسجد سے آئے گھر میں سسکتے شہِ اُمم
دو ٹکڑے تا جبین تھا سرِ پاک ہے ستم
اکیسویں کی شب کو غش آتے تھے دمبدم
ساقط تھی نبض پچھلے سے اکھڑا ہوا تھا دم
تڑکا تھا نور کا کہ سفر کر گئے علیؑ
سب شیعہ بے امام ہوئے مر گئے علیؑ

۱۱۵
اجڑا رسولِ پاک کا گھر وا مصیبتا
نظروں سے چھپ گیا وہ قمر وا مصیبتا
بیکس ہوئے غریب پسر وا مصیبتا
سر سے اٹھا علیؑ سا پدر وا مصیبتا
ماتم کرو رسولِ خدا کے وزیر کا
پیٹو کہ سوم ہے آج جنابِ امیرؑ کا

۱۱۶
خاموش بس انیسؔ کہ وقتِ بکا ہے یہ
خویشِ رسولِؐ پاک کی بزمِ عزا ہے یہ
یہ مرثیہ نجف میں پڑھوں التجا ہے یہ
حقا کہ سب عطائے شہِ لافتا ہے یہ
لینے ہیں دو صلے تجھے سرکارِ شاہ سے
اک شیرِ حق سے ایک رسالت پناہ سے

مرثیہ ۱۳

عباسؑ علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے

۱
عباسؑ علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے
تابندہ، دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
آئینۂ رُخِ مہِ کنعانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضرِ بیابانِ نجف ہے
وصف اس کا ہے ممکن نہ قلم سے نہ زباں سے
تحریر سے افزوں ہے، زیادہ ہے بیاں سے

۲ ★
ثانی ہے وہ اس کا، کوئی جس کا نہیں ثانی
شبیرؑ کا پیارا، اسد اللہ کا جانی
وہ شان وہ شوکت وہ شجاعت وہ جوانی
ہو جاتا تھا شیروں کا جگر رعب سے پانی
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہے گا
عالم میں علمدارؑ کا مذکور رہے گا

۳ ★
اس شیر میں تھی شوکت و شانِ اسد اللہ
مشہورِ جہاں تھا وہ نشانِ اسد اللہ
یکتا تھا شجاعت میں لسانِ اسد اللہ
سب کہتے تھے اس کو دل و جانِ اسد اللہ
ممتاز رہا نسلِ علیؑ فوجِ خدا میں
ہمسر نہ شجاعت میں کوئی تھا نہ وفا میں

۴
کیا دبدبہ کیا شان تھی، کیا صولت و شوکت
کیا حسن تھا، کیا خلق تھا، کیا چشمِ مروت
کیا حلم تھا، کیا عدل تھا، کیا قوت و قدرت
کیا رعب تھا کیا رحم تھا کیا بخشش و ہمت
تلواروں میں ہر دم سپرِ سبطِ نبیؐ تھا
اس بازو سے بازوئے شہِ والا کا قوی تھا

۵ ★
ہر چند کہ شبیر کے تھے اور بھی بھائی
مشہور یہ تھے سبطِ پیمبرؐ کے فدائی
اک جان دو قالب انھیں کہتی تھی خدائی
دونوں کو گوارا تھی نہ اک دم کی جدائی
طفلی سے اُسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اس پہ فدا تھے وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

۶
اللہ رے نسب واہ رے توقیر زہے جاہ
دادا تو ابو طالبؑ غازیِ شہنشاہ
عم جعفرِ طیارؑ، ہژبرِ صفِ جنگاہ
اور والدِ ماجد کو جو پُوچھو اسد اللہ
فخر اس کو غلامی کا حسینؑ ابنِ علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

۷ ★
اللہُ اکبر کہ عجب جاہ و حشم ہے
عالم کے علمداروں میں نام اس کا رقم ہے
بے دست ہے، اور بازوئے سلطانِ اُمم ہے
کیونکر نہ بہشتی ہو کہ سقائے حرم ہے
ہے پاس علم تعزیۂ شاہِ جہاں ہے
اب تک علم و مشک سے پیاس اس کی عیاں ہے

۸ ★

پنجہ ہے علم کا کٹے ہاتھوں کی نشانی
مشکیزہ سے ظاہر ہے کہ پایا نہیں پانی
کیوں مردم دیدہ نہ کریں اشک فشانی
یاد آتی ہے عباسؑ دلاور کی جوانی
قمری کی یہی گلشنِ عالم میں صدا ہے
کیا سروِ رواں خاک کے پردے میں چھپا ہے

۹

ہر چند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ گلرو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن سے جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گلِ زہراؑ ہی کی خوشبو
خلق اس میں جواں مردیِ شاہ نجف اس میں
تھا علمِ امامت کے سوا سب شرف اس میں

۱۰

پیدائشِ عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر
جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہ رہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباسؑ کی تقدیر
ہم بسترِ حیدر ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

۱۱

دعویٰ کنیزی تھا اُسے بنتِ نبیؐ سے
تھا انس بہت آلِ رسولِ عربیؐ سے
مطلب تھا نہ اپنی اسے راحت طلبی سے
آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضہؑ سے بھی خدمت میں سوا تھی
تن و جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

۱۲ ★

تھی مدِ نظر راحتِ زینبؑ صبح و شام
منظور تھا ہو شبرؑ و شبیرؑ کو آرام
مادر کے لیے راتوں کو روتے جو وہ گلفام
بہلاتی تھی لے لے کے بلائیں بہ صد اکرام
مادر کی محبت کی جو بُو پاتے تھے دونوں
آرام سے آغوش میں سو جاتے تھے دونوں

۱۳ ★

مُنہ چوم کے شبرؑ کے تصدق کیے جاتے
آنکھیں کبھیں شبیرؑ کے قدموں سے لگاتے
کھانا جو وہ کھاتے تو یہ رومال ہلاتے
پھر پھر کے کبھیں گرد سخن لب پہ یہ لاتے
کس طرح سے شہزادوں پہ لونڈی یہ فدا ہو
صدقے گئی میں خاک ہوں تم نورِ خدا ہو

۱۴ ★

فخر اس کا ہے البتہ کہ ہوں زوجۂ حیدرؑ
لیکن نہیں زہراؑ کی کنیزوں کے برابر
مخدومۂ کونین ہے وہ بنتِ پیمبرؐ
مریم کا شرف نورِ خدا طاھرہ و اطہر
زہراؑ کے دل و جاں ہو محمدؐ کے پسر ہو
تم بھی اسی دریائے شرافت کے گہر ہو

۱۵

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی یا شہِ صفدر
دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتحِ خیبر
الفت ہے نواسوں سے محمدؐ کو برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولؐ دو سرا ہیں
صدقے تھے کبھی اس پہ کبھی ان پہ فدا ہیں

۱۶ ★

ہر چند تھے شیدائے حسنؑ سیدِ ابرار
یہ چھوٹا تھا شبیرؑ تو کرتے تھے بہت پیار
طاعت میں اگر بیٹھ پہ چڑھتا تھا یہ دلدار
سجدے سے اٹھاتے تھے نہ سر احمدِ مختار
محفوظ کیا داغ سے زہراؑ کے جگر کو
شبیرؑ پہ قربان کیا اپنے پسر کو

۱۷

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر
کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر
میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں ہو گلفام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

۱۸

شبیرؑ کا تھا نام مناجات میں داخل
کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اس کو ثمر نخلِ دُعا کا ہوا حاصل
اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رسا نے
عباس علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

۱۹

شبیرؑ کو عباسؑ کی مادر نے بلایا
اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو، واری وفادار غلام آپ کا آیا
نعلین اٹھا وے گا تمھاری مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے
مالک ہو تمھیں اور تمھیں مختار ہو اس کے

۲۰

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوشخو
یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بُو
کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گلرو
یہ شیر مددگاریِ شبیرؑ کرے گا
اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

۲۱ ★

اس دن سے ہوئے بھائیؑ کے شیدا شہِ ابرار
دم بھر بھی تھی برادر کی جدائی انھیں دشوار
طفلی سے یہ تھی عادتِ عباسؑ خوش اطوار
سر بھائیؑ کے قدموں پہ جھکا دیتے تھے ہر بار
جھولے سے ٹپکتے تھے جو پاس آتے تھے شبیرؑ
پھرتی تھی نظر ساتھ جدھر جاتے تھے شبیرؑ

۲۲

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا
ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی نذر اور تھا اسی واسطے پالا
اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا
حق الفتِ زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا
جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

۲۳

خوش ہو کے یہ کی حضرتِ عباسؑ نے تقریر
یہ عینِ تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیرؑ
حاضر ہوں کروں جلد فدا ہونے کی تدبیر
لازم نہیں اماں عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمھارا
پر خلق میں ہو وے گا بڑا نام تمھارا

۲۴
مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی
لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پہنائی
پکڑے ہوئے ہاتھ آ گئے ید اللہ کے آئی
کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پہ
اب اس کو فدا کیجئے زہراؑ کے پسر پہ

۲۵
کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا
شبیرؑ یہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباسؑ بتا دے مجھے مرضی ہے تری کیا
وہ اہلِ وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا
میں عاشقِ فرزندِ رسولِؐ دوسرا ہوں
سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

۲۶
رو کر اسد اللہ نے دیکھا سوئے شبیرؑ
جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آ گیا حالت ہوئی تغئیر
یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر
طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمے سے غش آ جاتے علیؑ کو

۲۷
شبیرؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار
چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار
صدقے ترے اے دلبندِ زہرا کے مددگار
شہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا
ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا

۲۸ ★
عباسؑ کی مادر سے کہا پھر بصد اکرام
مقبول ہوئی نذر، بڑا تم نے کیا کام
لائی ہو فدا کرنے کو اپنا یہ گل اندام
ہونے دو جواں اس کو کہ ہے دور وہ ہنگام
قربانیِ عباسؑ کا دن آج نہیں ہے
شبیرؑ ابھی پانی کا محتاج نہیں ہے

۲۹ ★
عباسؑ نے کی عرض پدر سے بصد آداب
کیا پانی بھی ہو وے گا کسی عہد میں نایاب
یہ سن کے محمدؐ کا وصی ہو گیا بے تاب
دل ٹکڑے ہوا سینہ میں آنکھیں ہوئیں پر آب
فرمایا کہ سیراب دد و دام رہیں گے
پر آلِ نبیؐ پانی سے ناکام رہیں گے

۳۰
مجمل جو کہے مخبرِ صادق نے یہ اخبار
کچھ پوچھ سکے آگے نہ عباسِؑ علمدار
گردش پہ جب آیا فلکِ شعبدہ کردار
مہمان ہوئے کوفیوں کے سیدِ ابرار
پانی جو ہوا بند دل و جانِ نبیؐ پر
اس روز کھلا حال وہ عباسِ علیؑ پر

۳۱ ★
ہر سمت سے ہونے لگی فوجوں کی چڑھائی
میدان میں پیاسوں پہ گھٹا شام کی چھائی
دو روز تلک بوند نہ اک پانی کی پائی
اصغرؑ کی زباں پیاس سے باہر نکل آئی
شہ روتے تھے جس وقت بلکتی تھی سکینہؑ
دریا کو عجب یاس سے تکتی تھی سکینہؑ

۳۲ ★

رُخ زرد تھا لب خشک تھے جینے کی نہ تھی آس
گودی میں بھتیجی کو لیے پھرتے تھے عباسؑ
شہؑ کہتے تھے اے جانِ پدر آؤ مرے پاس
مجبور ہوں اللہ بجھا دے گا تری پیاس
عمو کو نہ ایذا دو کہ سَو رنج و محن ہیں
دو روز کے فاقے سے ہیں اور تشنہ دہن ہیں

۳۳ ★

عباسؑ یہ کہتے تھے کہ اے قبلۂ عالم
گو بندے کو ایذا نہیں کیجے نہ مرا غم
چھاتی سے اِسے اور لگا دیں گے کوئی دم
پر شکل سکینہؑ کی کہاں اور کہاں ہم
افسانۂ غم خلق میں مشہور رہے گا
محشر تلک اس پیاس کا مذکور رہے گا

۳۴ مطلع

صبح شبِ عاشور ہوئی جبکہ نمودار
سر دینے لگے جنسِ شہادت کے طلبگار
روتے تھے جو ہر لاش پہ جا کر شہِ ابرار
غم کی دل عباسؑ پہ چل جاتی تھی تلوار
کہتے تھے کہ رخصت کا بہانا نہیں ملتا
سب جاتے ہیں مرنے ہمیں جانا نہیں ملتا

۳۵

جب قتل ہوا سیّدِ مسموم کا دلبر
لکھا ہے نکل آئے حرم، خیمے کے باہر
شبیرؑ چلے لاش کے ٹکڑوں کو جو لے کر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
تھا سوچ کہ بے جاں ہوا فرزند حسنؑ کا
سر پیٹنا دیکھا نہیں جائے گا دُلہن کا

۳۶ ★

گر کر قدمِ شہؑ پہ کہا اے شہِ ذی جاہ!
لے جائیے گھر میں نہ ابھی لاشۂ نوشاہ
بھائی سے نہایت ہے خجالت مجھے واللہ
اس لاش کو لے جانا مِری لاش کے ہمراہ
دولھا کا الم اور مرا غم ہو برابر
ناموس میں ہم دونوں کا ماتم ہو برابر

۳۷ ★

سمجھے شہِ والا کہ ہے رخصت کا اشارا
جینا نہیں اس صاحبِ ہمت کا گوارا
زخمی تو کلیجہ تھا ہوا دل بھی دو پارا
فرمایا کہ عباس! جگر دیکھو ہمارا
گھبراتے نہیں درد و غم و رنج و محن سے
کیا مجھ کو خجالت نہیں کچھ بھائی حسنؑ سے

۳۸ ★

جانا ہے جہاں جائیو، خیمے میں تو آؤ
رخصت کے لیے آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
بھابی کو دلاسے کے سخن چل کے سناؤ
بیوہ ہوئی چھاتی سے بھتیجی کو لگاؤ
بے سب سے ملے مرنے کو تیار ہو بھائی
کیا پیاسی سکینہؑ سے بھی بیزار ہو بھائی

۳۹

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں رہا دیر تلک ماتمِ نوشاہ
لاشوں میں سُلا آئے اُسے جب شہِ ذیجاہ
سب نے کہا اب بھائی کا پرسا دو مجھے آہ
لو صاحبو! تشریف لیے جاتے ہیں عباسؑ
بے تیغ ہمیں ذبح کیے جاتے ہیں عباسؑ

۴۰ ★

زینبؑ! کرو بھائی کی عزاداری کا ساماں
بھاوج سے کہو بال کریں سر کے پریشاں
اور پھاڑ دو کُرتے کا سکینہؑ کے گریباں
عباسؑ بھی مہماں ہیں اور ہم بھی ہیں مہماں
بس خاتمہ ہے اب ہمیں رونا انھیں رو کر
شبیرؑ بھی جینے کا نہیں بھائی کو کھو کر

۴۱

کہہ کے یہ سخن روئے جو شاہنشہِ عالم
نوشاہ کے ماتم میں ہوا اور یہ ماتم
گھبرا کے لگی پیٹنے سر زینبِ پُرغم
نزدیک یہ تھا زوجۂ عباسؑ ہو بے دم
دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے
گھبرا کے اٹھی جو تو رِدا گر گئی سر سے

۴۲

عباسؑ سے کچھ کہنے کا موقع جو نہ پایا
روتی گئی اور غش سے سکینہؑ کو جگایا
کہنے لگی صدقے گئی اٹھو غضب آیا
اٹھتا ہے مرے سر سے علمدار کا سایا
برباد میں ہوتی ہوں سنبھالو مجھے بی بی
لِلّٰہ رنڈاپے سے بچا لو مجھے بی بی

۴۳ ★

کرتے ہیں چچا جان تمھارے مجھے بے آس
فرقت کا بھی صدمہ ہے رنڈاپے کا بھی وسواس
اب گھر میں ٹھہرتے نظر آتے نہیں عباسؑ
قربان گئی اٹھ کے ذرا جاؤ چچا پاس
جس طرح ہو مجھ تک انھیں لے آئیو پیاری
جانے لگیں جو رن میں مچل جائیو پیاری

۴۴ ★

گھبرا کے گئی پاس چچا کے وہ دل افگار
دامن سے لپٹ کر کہا کیوں باندھے ہو ہتھیار
روتی ہیں چچی تم کو خبر کچھ نہیں زنہار
سمجھاؤ تو چل کے کہ وہ جینے سے ہیں بیزار
کہتی ہیں کہ دنیا سے گزر جاؤں گی میں بھی
عباسؑ گئے مرنے تو مر جاؤں گی میں بھی

۴۵ ★

بہلا کے سکینہؑ کو چلا وہ شہِ صفدر
ہمراہ ہوئیں بیبیاں سب کھولے ہوئے سر
چلّاتی تھیں زینبؑ کہ چلا ہائے برادر
صدقے تری شوکت کے میں اے رستمِ لشکر
دریا سے سلامت تجھے آتے ہوئے دیکھوں
اور پانی سکینہؑ کو پلاتے ہوئے دیکھوں

۴۶

تھے صحن میں خیمے کے تو یہ حشر کے آثار
ڈیوڑھی پہ کھڑے رو رہے تھے سیدِ ابرار
سر کھولے ہوئے زوجۂ عباسؑ علمدار
عباسؑ کے قدموں پہ گری آن کے اکبار
چلّاتی تھی منہ لونڈی سے موڑا مرے صاحب!
ان قدموں کے صدقے مجھے چھوڑا مرے صاحب!

۴۷

ہے ہے مرے والی، مرے وارث، مرے آقا
ہے ہے مرے ہمدم، مرے مونس، مرے شیدا
بچّے مرے کم سن ہیں میں ہوں بے کس و تنہا
صاحب! میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا
شمشیر گلے پہ مرے دھرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو ہو جو، مجھے لیتے ہوئے جاؤ

۴۸
عباسؑ نے جھک کر اُسے قدموں سے اٹھایا
اور پونچھ کے رومال سے آنسو یہ سنایا
جیتا ہوں ابھی سے ہے یہ کیا حال بنایا
بندے کے لیے کافی ہے اللہ کا سایا
کرتا ہوں ادا حق میں شہِ تشنہ گلو کا
دو ساتھ تم اس وقت میں زہراؑ کی بہو کا

۴۹
وہ قید اگر ہوئیں تو تم قید میں جانا
شہزادی کی خدمت سے کبھی منہ نہ پھرانا
رکھیں وہ جہاں پاؤں، وہاں آنکھیں بچھانا
حیدرؑ کی بہو ہوں یہ کبھی دھیان نہ لانا
گو سمجھیں وہ شفقت سے عزیزوں کے برابر
تم جانیو قدر اپنی کنیزوں کے برابر

۵۰
جب جانا وطن دیجیو اماں کو یہ پیغام
جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
کاندھے پہ اٹھایا علمِ لشکرِ اسلام
سقائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام
مشہور ہیں غمخوارِ شہنشاہِ زمن ہوں
پر دودھ تو بخشو کہ ابھی تشنہ دہن ہوں

۵۱
یہ کہہ کے گئے خیمے سے با دیدۂ خونبار
مانگی جو سواری، تو پکارے شہِ ابرار
اے قوتِ دل، راحتِ جاں یارِ وفادار
بھائی کے کلیجے سے لپٹ جاؤ پھر اک بار
قسمت تمھیں ہاتھوں سے مرے کھوتی ہے بھائی
تم جاتے نہیں، رُوح جدا ہوتی ہے بھائی

۵۲ ★
ہاتھ اپنا نہ اب گھوڑے کی تم باگ پہ ڈالو
عباسؑ غش آیا ہے ہمیں آکے سنبھالو
بیتاب ہوں چھاتی سے مری چھاتی کو لگا لو
جی بھر کے ذرا شکل تو بھائی کی دکھا لو
میداں سے سوئے خلدِ بریں جاؤ گے بھائی!
اب یہ نہیں امید کہ پھر آؤ گے بھائی!

۵۳
دی فوجِ عدو کو یہ خبر پیک نے جا کر
ہاں لشکریو! آتے ہیں عباسِؑ دلاور
سرتا بہ قدم غرق ہے آہن میں وہ صفدر
بے طور نظر آتے ہیں اس شیر کے تیور
حیدرؑ کی طرح ہاتھ میں شمشیر دودم ہے
نیزے پہ تو مشکیزہ ہے کاندھے پہ علم ہے

۵۴
تب شمر نے پوچھا کہ ہے کیا آنے میں تاخیر
وہ بولا کہ اس حال کو میں کیا کروں تقریر
ہیں عاشقِ عباسِ علیؑ حضرتِ شبیرؑ
سو بار ہوئے رو رو کے بھائی سے بغلگیر
کہتے تھے ابھی میری تشفی نہیں ہوتی
پھر چھاتی سے لگ جاؤ کہ سیری نہیں ہوتی

۵۵ ★
شانوں کو کبھی چومتے ہیں اور کبھی بازو
عباسؑ کے سینے کی کبھی سونگھتے ہیں بو
صدمے سے دوتا ہے کمرِ سیدِ خوش خو
اور دیدۂ پُرنم سے گرے پڑتے ہیں آنسو
عباسؑ کا فرزند بھی سر ننگے کھڑا ہے
اور بیبیوں میں ڈیوڑھی پہ کہرام پڑا ہے

۵۶

جب آخری تسلیم کو جھکتا ہے علمدار
گرتے ہیں کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
جس وقت سنبھلتے ہیں تو کرتے ہیں یہ گفتار
ناچار ہوں قابو نہیں دل پر مرا زنہار
رقت کا ہے یہ جوش کہ تھراتے ہیں عباسؑ
ہر مرتبہ قدموں سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

۵۷

چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یہ اک دخترِ ناداں
عباسؑ چچا پھر کے چلے آؤ میں قرباں
غش ہو گئی ہیں صحن میں خیمے کے چچی جاں
پانی کے لیے اب نہ سدھارو سوئے میداں
جو ہے مری قسمت میں مصیبت وہ سہوں گی
بابا کو رلاؤ نہ میں پیاسی ہی رہوں گی

۵۸

یہ حال سنا جب پسرِ سعد نے سارا
گھبرا کے کہا جلد ہو سب فوج صف آرا
آتا ہے سوئے نہر یداللہ کا پیارا
ہاں غازیو! روک کے رہو دریا کا کنارا
گر قتل کیا بازوئے فرزندِ نبیؐ کو
جیتا ہی پکڑ لیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۵۹

یہ سنتے ہی صف بستہ ہوا لشکرِ اظلم
ہر صف میں نشانوں کے چمکنے لگے پرچم
تھا تیغوں کی تابندگی میں برق کا عالم
پیغامِ قضا تیر لیے جاتے تھے پیہم
دریا پہ عجب معرکہ آرائی ہوئی تھی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی تھی

۶۰

دیتے تھے جو نیزوں کو ستمگار تکانیں
جوں برق ہر اک صف میں چمکتی تھیں سنانیں
گویا کہ نکالے ہوئے تھے مار زبانیں
کھینچے تھے جو چلے تو کڑکتی تھیں کمانیں
ترکش کے جو منہ تیر فگن کھولے ہوئے ہیں
اژدر تھے کہ ڈسنے کو دہن کھولے ہوئے ہیں

۶۱

اک سمت زرہ پوش سواروں کے رسالے
تحت الحنکیں باندھے، لیے ہاتھوں میں بھالے
تولے کوئی شمشیر کوئی گرز سنبھالے
اور تیس ہزار ایک طرف برچھیوں والے
کوسوں سے وفورِ سپہ شام ہوا تھا
اک پیاسے کی خاطر یہ سر انجام ہوا تھا

۶۲ ★

ناگاہ نمودار ہوئی گرد سواری
آمد میں تھی شانِ اسدِ ایزدِ باری
دہشت یہ ہر اک تیرہ دلوں پہ ہوئی طاری
پیدا وہ ہوا نور کہ حیراں ہوئے ناری
اعدا کے فرس بھاگتے پھرتے تگ و دو میں
رعبِ اسداللہ تھا غازی کے جلو میں

۶۳ ★

گھوڑا تھا تہِ راں رشکِ صبا، غیرتِ صرصر
تھا ہرنے پہ مشکیزہ بھی ترکش کے برابر
اڑتا تھا پھریرا علمِ شاہؑ کا سر پر
تھا سایۂ طوبیٰ میں علمدارِ دلاور
گردوں پہ ستارا سا نظر آتا تھا خورشید
پنجہ جو چمکتا تھا تو چھپ جاتا تھا خورشید

۶۴

زیبِ چمن حسن تھا وہ سروِ قبا پوش
عمامہ جو سر پر تھا تو شملہ بہ سرِ دوش
حسن ایسا کہ نظارے سے یوسفؑ بھی اڑیں ہوش
موسیٰؑ اُسے دیکھے تو تجلّی ہو فراموش
خود آن کے منہ حسن نے قدموں سے ملا تھا
ہر عضوِ بدن نور کے سانچے میں ڈھلا تھا

۶۵

تھی غیرتِ آئینہ وہ پیشانیِ انور
ہو ماہِ دو ہفتہ بھی جسے دیکھ کے ششدر
رتبے میں سرِ لوح سے قرآں کی وہ ہمسر
اور جلوہ گری میں کفِ موسیٰؑ کے برابر
بچپن سے جو سرگرمِ عبادت وہ جواں تھا
سجدے کا نشاں صاف ستارا سا عیاں تھا

۶۶

ابرو کی کمانوں میں عجب طرح کا خم تھا
پیوستہ تھی یہ رابطہ گوشوں میں بہم تھا
آنکھ ایسی کہ حیرت زدہ آہوئے حرم تھا
ہر موئے مژہ ناوکِ دل کش سے نہ کم تھا
دل سہم گیا سینے میں ہر دشمنِ جاں کا
تحریر نہ تھی سُرمے کی چلّہ تھا کماں کا

۶۷ ★

ہر چشم تھی سرچشمۂ انوارِ الٰہی
جز جلوۂ حق اس پہ کوئی بات نہ چاہی
اِس دیدۂ حق بیں کی سفیدی و سیاہی
دیتی تھی زمانے کی وہ گردش پہ گواہی
ہر حال میں آنکھیں سوئے شاہِ شہدا تھیں
خاصانِ خدا کے لیے وہ قبلہ نما تھیں

۶۸ ★

بینی میں شمیمِ چمنِ خلد بھری تھی
خود بینی سے بینی صفتِ چشم بری تھی
یہ شمع کے شعلے میں کہاں جلوہ گری تھی
تھی نور کی اک لوح کہ چہرے پہ دھری تھی
رُخ گل ہے تو وہ غنچۂ گلزارِ جہاں ہے
اور بیچ میں منہ کے الفِ ماہ عیاں ہے

۶۹ ★

نورانی وہ رُخ اور خطِ رُخسار کا ہالا
خورشید نے منہ پردۂ شب سے تھا نکالا
لب برگِ گُلِ تر سے نزاکت میں دوبالا
دیکھے دُرِ دنداں کو اگر دیکھنے والا
بجلی سے چمک جاتے تھے ہر ایک سخن میں
کیا کیا دُرِ شہوار تھے اس دُرجِ دہن میں

۷۰ ★

گردن تھی کہ تھی جلوہ نما شمعِ سرِ طُور
اور ہاتھوں میں تھا زورِ یداللہ بدستور
ہم پنجہ ہوا سے یہ نہ تھا شیر کا مقدور
سینے کی صباحت تھی عجب اور عجب نور
حق نے یہ صفا بخشی تھی آئینۂ تن میں
عکسِ رُخِ روشن نظر آتا تھا بدن میں

۷۱ ★

کھانے سے شکم خالی تھا اور زیست سے دل سیر
ذقت سے سکینہؑ کی جہاں آنکھوں میں اندھیر
کِس شان سے مرنے پہ کمر باندھے تھا وہ شیر
کاندھے پہ سپر بر میں زرہ ہاتھ میں شمشیر
تنہا تھا وہ غازی پہ نہ ہمت میں کمی تھی
قدموں میں یداللہ کی ثابت قدمی تھی

۷۲ ★

تابندہ تھا جوں شمس و قمر خودِ سرِ پاک
پرتو سے نظر آتا تھا آئینۂ افلاک
کڑیوں کو زرہ کی کسی حربے کا نہ تھا باک
تھا جسم میں چار آئینۂ سیدِ لولاک
دستانہ تھا جعفر کے چڑھے دستِ جری میں
اور انگلیاں تھیں قبضۂ شمشیرِ علیؑ میں

۷۳ ★

وُہ تیغ کہ بجلی ہو خجل جس کی چمک سے
ہو پشتِ ظفر کیوں نہ قوی اس کی کمک سے
بیٹھے جو سما میں تو گزر جائے سمک سے
اس پر کھنچے مریخ گزر جائے فلک سے
آجائے خیال اس کا اگر خوابِ عدو میں
بستر پہ وہ پائے تن و سر غرق لہو میں

۷۴ ★

تھی قرصِ سپر مردمِ چشمِ مَلک و حُور
وہ پہلو تے خورشید ہوئی جوں شبِ دیجور
لیں منہ پہ سپر شیروں کا ہرگز نہیں دستور
پر اس سے حفاظت تھی فقط مشک کی منظور
جائے گی خوشی سے سپر و تیر کے آگے
سینہ ہی سپر ہوئیں گے شبیرؑ کے آگے

۷۵ ★

بجلی کو خجل کرتا تھا شبدیزِ سبک تاز
تھے دامنِ زیں دونوں طرف بازِ شُتر پرواز
اڑجاتا تھا مانند نظر بے پر و پرواز
سرعت تھی غزالوں کی یہ تھا جست کا انداز
کھیے غترہ اس کو تو ہو وہ دیر سخن میں
چھپ جاتا تھا نظروں سے وہ اک چشم زدن میں

۷۶ ★

آنکھیں وہ کہ ہو نرگسِ آہو بھی نگوں سر
چھوٹا سا دہن نافۂ آہو کے برابر
جوں سبزۂ شبنم تھا پسینہ سے بدن تر
آتش کبھی اور آگ کبھی اور کبھی صرصر
طاؤس کے بھی ہوش اُسے دیکھ کے گُم تھے
رشکِ مہ تو نعل تھے اور بدر سے سُم تھے

۷۷ ★

تھا کاکُلِ مشکیں سے خجل طرۂ سنبل
ہر ٹاپ میں مقتل کی زمیں کو تھا تزلزل
تھا ناز یہ اس کو سرِ میدانِ تجمل
اسوار ہے میرا اسپِ صاحبِ دُلدل
ماروں گا تمھیں روند کے گو تشنہ دہاں ہوں
تم ابر سے چھائے ہو تو میں برقِ جہاں ہوں

۷۸ ★

دو دن سے ہے پیاسا اسداللہؑ کا پیارا
شبیرؑ ہے کیا ایسا گنہ گار تمھارا
دریا پہ تم اترے اُسے ریتی پہ اتارا
باطل کے لیے تم نے کیا حق سے کنارا
پانی کو تمھیں پیارا ہے محمدؐ کے چمن سے
بچوں کی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

۷۹ ★

اس طرح کے آقا پہ یہ ظلم و ستم و جور
مہمانی کا ہوتا ہے زمانے میں یہی طور
انصاف کی جاگہ ہے ذرا دل میں کرو غور
دنیا میں محمدؐ کا نواسا ہے کوئی اور!
لازم ہے تمھیں قدر حسینؑ ابن علیؑ کی
حیران ہوں میں تم تو ہو اُمت میں نبیؐ کی

۸۰ ★

اے فوج! یہ کیا ظلم ہے کیا جور ہے کیا قہر
نفریں کرے گی خلق تمھیں تا ابد و دہر
سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
کیا فاطمہؑ کے مہر میں داخل نہیں ہے نہر
باطل نہ کرو سیدِ ابرار کے حق کو
کیوں چھینتے ہو ظلم سے حقدار کے حق کو

۸۱ ★

کہتا تھا جو یہ اپنی زباں میں وہ سُبک خو
بہتے تھے ستمگاروں کے گھوڑوں کے بھی آنسو
لیکن نہ پگھلتا تھا دلِ قومِ جفا جُو
وہ ڈھونڈتے تھے قتلِ علمدار کا پہلو
تولے ہُوئے شمشیر رجز پڑھتے تھے عباسؑ
ہٹتے تھے پرے فوج کے جب بڑھتے تھے عباسؑ

۸۲ ★

کہتے تھے کہ بابا ہیں مرے فاتحِ خیبر
اک ضرب میں کاٹے سرِ عمرو سرِ عنتر
لاکھوں سے اکیلا جو لڑا ساقیِ کوثر
کشتوں سے کیا قلعہ کے خندق کو برابر
اس روز تھے پیدل جو سواروں کو بھگایا
صفّین میں تنہا تھے ہزاروں کو بھگایا

۸۳

نعرہ تھا کہ ہاں اے سپہِ شام، خبردار
عباسِؑ دلاور ہے مرا نام، خبردار
ہے قہرِ الٰہی مری صمصام، خبردار
نیزہ ہے مرا موت کا پیغام، خبردار
میں لختِ جگرِ صاحبِ شمشیرِ دوسر ہوں
ہوشیار کہ میں شیرِ الٰہی کا پسر ہوں

۸۴ ★

واں جنگ میں حیدرؑ کے محمدؐ تھے مددگار
اور یاں ہے مری پشت پہ شبیرؑ سا سردار
شمشیرِ خدا حجتِ حق زاہد و ابرار
مختارِ جہاں، قبلۂ دیں، مظہرِ انوار
سمجھے وُہ غلام اپنا تو شاہوں کا شرف ہے
حق اُس کا طرفدار ہے وہ حق کی طرف ہے

۸۵

فرما کے یہ لی تیغ، بہادر نے میاں سے
گھوڑے کو جو چھیڑا نہ رُکا لاکھ جواں سے
ہر وار میں سر گرنے لگے برگِ خزاں سے
چلنے میں زیادہ تھی رواں آبِ رواں سے
جس پر پڑی نازل ہوا قہر اس پہ رضا کا
تھی تیغ کی ضربت کہ طمانچہ تھا قضا کا

۸۶ ★

ہر ضرب میں اک حشر بپا کرتی تھی شمشیر
جو باقی تھے ان کو بھی فنا کرتی تھی شمشیر
سر تن سے ہزاروں کے جدا کرتی تھی شمشیر
افعی کی طرح خون میں شنا کرتی تھی شمشیر
جو چُور ہوا اُس سے وہ دو ہو کے گرا تھا
منہ سب کے پھرے تھے پہ نہ منہ اس کا پھرا تھا

۸۷

ہر ضرب میں نعرہ تھا کہ یا حیدرِؑ صفدر
مقتل کی زمیں ہو گئی تھی عرصۂ محشر
جب چمکی وُہ بجلی تو جدا ہو گئے یکسر
گردن سے سر اور جسم سے جاں، روح سے پیکر
وہ قابضِ روحِ جسدِ اہلِ جفا تھی
عباسؑ کی شمشیر کے قبضے میں قضا تھی

۸۸ ★

ہنگامِ وغا بند تھی رہ امن واماں کی
جاں چھوڑتی تھی نہ وہ کسی پیر و جواں کی
ہمدم تھی ید اللہ کی تیغِ دو زباں کی
تھی قطعِ امید اس سے ہر اک دشمنِ جاں کی
ہر فرد کو اس تیغ کا جوہر نظر آیا
سایہ بھی پڑا جس پہ وہ بے سر نظر آیا

۸۹ ★

ٹھہرے نہ قدم ان کے جو تھے فوج میں سرکش
کہتے تھے یہ ہے تیغ وہ یا شعلۂ آتش
تھے خوف سے جانوں کے کماندار مشوش
ہاتھوں سے جفاکیشوں کے گر پڑتے تھے ترکش
جسم ان کے نظر آتے تھے شمشیر کی صورت
پلٹے پہ عدو بھاگتے تھے تیر کی صورت

۹۰

لڑتا ہوا پہنچا سرِ ساحل جو وہ ذی ہوش
تھی تیغِ علم ہاتھ میں اور مشک سرِ دوش
دریا جو نظر آیا تو رقت کا ہوا جوش
یاد آئی سکینہؑ کی ہوئی جنگ فراموش
تھی خشک زباں پیاس کی گرمی سے دہن میں
آئی جو ہوا سرد تو جاں آ گئی تن میں

۹۱

چمکار کے رہوار کو اس نہر میں ڈالا
لہرایا جو پانی تو ہوا دل تہ و بالا
پیاسے تھے جو دو روز سے گھر میں شہِ والا
مشکیزہ کو بھر کر سرِ دوش سنبھالا
اسوار جو بے پیاس بجھائے ہوئے نکلا
منہ پانی سے گھوڑا بھی اٹھائے ہوئے نکلا

۹۲

رہوار سے فرمایا کہ یہ سخت گھڑی ہے
رستے میں پرا باندھے ہوئے فوج کھڑی ہے
مشکیزے سے اک ایک کی اب آنکھ لڑی ہے
پانی نہ تلف ہو، یہ مجھے فکر بڑی ہے
دل سینے میں بیتاب ہے پیاسوں کے الم سے
مشکیزہ سنبھالیں کہ لڑیں فوجِ ستم سے

۹۳

گھوڑے نے کہا، ہے ابھی درپیش لڑائی
خیمے تلک اس فوج سے مشکل ہے رہائی
حضرتؑ نے تو یاں پیاس بھی آ کر نہ بجھائی
اور اس پہ بھری مشک ہے کاندھے پہ اٹھائی
بے پانی پئے ضعف سوا ہوئے گا آقا
طاقت ہی نہ ہوئے گی تو کیا ہوئے گا آقا

۹۴ ★

ہر چند کہ کہنا یہ سخن ترکِ ادب ہے
وہ آپ سے سرور ہوں یہ طاقت انھیں کب ہے
گو آپ نہ فرمائیں مگر حال عجب ہے
گر پیاس سے لڑنے میں غش آیا تو غضب ہے
دم لینے کی فرصت بھی ستمگار نہ دیں گے
سرور بھی نہیں پاس جو آغوش میں لیں گے

۹۵

عباسؑ نے فرمایا کہ اے اسپِ وفادار
سیراب علمدار ہو پیاسا رہے سردار
مر جاتا تو ہے سہل پہ یہ امر ہے دشوار
فرزند میں اس کا ہوں جو کوثر کا ہے مختار
تو پی لے اگر شدتِ تشنہ دہنی ہے
اب ہم ہیں یہ انبوہ ہے اور تیغ زنی ہے

۹۶
گھوڑے نے کہا اے اسد اللہ کے جانی
ہر چند ہے دو دن سے مجھے تشنہ دہانی
پر جب نہ پئیں آپ تو کیوں کر پیوں پانی
ہرگز مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی
تا خیمہ گیا بچ کے اگر فوجِ ستم سے
چار آنکھیں نہ ہوں گی فرسِ شاہِ امم سے

۹۷
عباسؑ چلے کہہ کے توکلتُ علی اللہ
تنہا پہ پرے ٹوٹ پڑے فوج کے ناگاہ
دن کی ہوئی جب شام تو بدلی میں گھرا ماہ
انبوہ میں پیاسے کو نہ خیمے کی ملی راہ
جوں شیر ادھر اور ادھر جاتے تھے عباسؑ
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے عباسؑ

۹۸ ★
افشاں تھا لہو سے علمِ سیدِ والا
لگتی تھی کبھی جسم پہ برچھی کبھی بھالا
سَو تیر لگے تن پہ اگر ایک نکالا
غش سے کبھی سنبھلے کبھی مشکیزہ سنبھالا
اس پر کہیں جاتے تھے جو گھوڑے کو ڈپٹ کر
گر پڑتے تھے گھوڑے مع اسوار الٹ کر

۹۹ ★
غازی میں ید اللہ کی تھا جنگ کا عالم
اس صف میں در آئے تو وہ صف ہو گئی برہم
عباسؑ کی شمشیر چمکتی تھی جو ہر دم
کشتوں کا تو کیا ذکر ہے زندوں میں نہ تھا دم
یارا انھیں اس شیر سے لڑنے کا کہاں تھا
پر حیف وہ سیراب تھے یہ تشنہ دہاں تھا

۱۰۰
امڈا ہوا تھا فوج کا دریا لبِ ساحل
گھیرے ہوئے غازی کو چلے آتے تھے قاتل
رہوار بھی مجروح تھا اور آپ بھی گھایل
تا خیمہ پہنچنا تھا علمدار کا مشکل
تلوار تو اس کی صفِ اعدا کی طرف تھی
اور آنکھ خیامِ شہِؑ والا کی طرف تھی

۱۰۱
تھا رُخ سے ٹپکتا کبھی جوں اشک پسینہ
غم تھا کہیں لب تشنہ نہ رہ جائے سکینہؑ
لڑنے میں یہ تھا مشک بچانے کا قرینہ
سینے پہ کبھی مشک کبھی مشک پہ سینہ
سب صورتِ غربال بدن چھن گیا اس کا
چار آئینہ تیروں سے زرہ بن گیا اس کا

۱۰۲
اللہ نے دی تھی جو اُسے ہمتِ عالی
دیتا تھا کبھی وار کو تلوار کے خالی
یُوں آفتِ تیرِ ستم اس غازی نے ٹالی
سینے کو سپر کر دیا اور مشک بچالی
ہر حملے میں لشکر کو بھگا دیتے تھے عباسؑ
پانی کے لیے جان لڑا دیتے تھے عباسؑ

۱۰۳
اتنے میں سناں ابنِ انس بڑھ کے پکارا
لو غازیو! یاور ہوا اقبال تمہارا
تھا فوج کے نرغے میں ید اللہ کا پیارا
تلوار چلی واں علی اکبرؑ گیا مارا
بھائی کو مدد کے لیے چلّاتے ہیں شبیّرؑ
لاشہ علی اکبرؑ کا لیے آتے ہیں شبیرؑ

۱۰۴

سب بی بیاں خیمے سے نکل آئیں کھُلے سر
وہ روتی ہے کلثومؑ وہ زینبؑ ہے کھُلے سر
چلاتی ہے عباسؑ کو اک چھوٹی سی دُختر
لب خشک ہیں ہلتے ہیں پڑے کان کے گوہر
کہتی ہے کمک کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے بابا کو بچاتا نہیں کوئی

۱۰۵

یہ سُنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ علمدار
اور رو کے کہا ہائے مرے بھائی کے غمخوار
خیمے کی طرف جلد چلے پھیر کے رہوار
واحسرت و دردا کہ لگی شانے پہ تلوار
مُڑ کر طرفِ راست، نظر کی کہ یہ کیا تھا
تلوار سے یاں دُوسرا بازو بھی جدا تھا

۱۰۶

دونوں جو کٹے ہاتھ لگا مشک پہ اک تیر
رو رو کے کہا ہائے سکینہؑ تری تقدیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ جس وقت وہ دلگیر
آ پہنچے گریبان کو پھاڑے ہوئے شبیرؑ
منہ پاؤں پہ مَل مَل کے فدا ہوتے تھے عباسؑ
شہؑ رو کے لپٹ جاتے تھے جب رکتے تھے عباسؑ

۱۰۷

ہنگامِ نزع بھائی سے عباسؑ نے پوچھا
اکبرؑ کی تو ہے خیمہ یہ فرمائیے آقا
شہؑ بولے حفاظت کو ہے گھر کی اُسے چھوڑا
یہ سُن کے سُوئے قبلہ کیا شکر کا سجدا
سجدے ہی میں دُنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
مشکیزہ لیے چھاتی تلے مر گئے عباسؑ

۱۰۸

خامہ کو بس اب روک انیسِ جگر افگار
ہر بیت ہے اس مرثیے کی مطلعِ انوار
برگشتہ زمانہ ہے تو کچھ غم نہیں زِنہار
حامی ہیں ترے حضرتِ عباسؑ علمدار
فیاضِ دو عالم ہیں انیسِ عنہ با ہیں
سب مشکلیں آسان ہیں وہ عقدہ کشا ہیں

★ # مرثیہ ۱۴

میداں میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

۱

میداں میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے
حضرت سے رخصتِ پسرِ گلعذار ہے
عازم نبرد گاہِ شجاعت شعار ہے
جو لال رونقِ چمن روزگار ہے
ماتم بپا ہے خانۂ شیرِ الٰہ میں
باہر حسینؑ روتے ہیں ماں خیمہ گاہ میں

۲

ہے جوڑے دونوں ہاتھوں کو فرزندِ نوجواں
آنکھیں مگر چراتے ہیں شاہنشہِ زماں
مظلوم پر ضعیف پہ گرتا ہے آسماں
آآ کے دیکھ جاتی ہے پردے کے پاس ماں
ہے یہ دُعا رضا نہ ملے نونہال کو
یارب! بچالے بانوئے بیکس کے لال کو

۳

کہتی تھی بنتِ فاطمہؑ تھامے ہُوئے جگر
کیوں بیبیو! کہو علی اکبرؑ کی کچھ خبر
رخصت میں کیا ہے مرضیِ سلطانِ بحر و بر
ہے ہے بچے گا یا نہ بچے گا مرا پسر
حضرت نے کیا کہا پسرِ تشنہ کام سے
کیا گفتگو ہے اب شہِ عالی مقام سے

۴

اکبرؑ کی خبر کیجیو اے میرے کردگار
میرا تو دل ابھی سے ہے سینہ میں بیقرار
نزدیک ہے کہ تن سے نکل جائے جانِ زار
کیا ہے کہ مجھ تک آتے نہ سلطانِ نامدار
کہہ دو وہ جو کلام شہِ نیک خُو سُنے
جا کر کوئی وہاں کی ذرا گفتگو سُنے

۵

وہ عمر بھر کی میری کمائی ہے بیبیو!
لٹتی ہوں کربلا میں دہائی ہے بیبیو!
دولت بڑے دُکھوں سے یہ پائی ہے بیبیو!
بے تاب اب بتول کی جائی ہے بیبیو!
رعشہ ہے سارے جسم میں ہاتھوں کو ملتی ہوں
اب ننگے پاؤں خیمہ سے باہر نکلتی ہوں

۶

اے صاحبو! پسر ہے مرا فخرِ خانداں
خوش رو سعید صاحبِ توقیر و عزّ و شاں
دیکھا ہے کس نے خلق میں اس طرح کا جواں
گر ہے تو وہ ہے ثانیِ پیغمبرِ زماں
برجِ شرف یہ گھر ہے تو وہ آفتاب ہے
سب میں مرا سعید پسر انتخاب ہے

۷

بیٹوں کو میں نے صدقہ فقط اس لیے کیا
تا رد ہو میرے لال کی آتی ہوئی بلا
ہے سارے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ مہ لقا
وہ کون سا بشر ہے جو اس پر نہیں فدا
پھوپھیوں کی، ماں کی، سبطِ پیمبرؐ کی جان ہے،
اک مجھ پہ کیا وہ لال تو سب گھر کی جان ہے

۸
یاں کا تو یہ ہے ذکر سنو واں کا ماجرا
کہتے ہیں باپ سے علی اکبرؑ بہ التجا
اے قبلۂ زمین و زماں شاہِ کربلا
کچھ عرض ہے غلام کی سن لیجئے ذرا
حضرت کے جاں نثار پہ غم کا وفور ہے
دم بھر مری طرف بھی توجہ ضرور ہے

۹
آنسو بہا کے آنکھوں سے فرماتے ہیں یہ شاہ
کہنا ہو جو تمھیں کہو اے میرے رشکِ ماہ
لیکن ہمارے حال پہ بھی چاہیے نگاہ
تم ہو چراغ خانۂ پیغمبرِ الٰہ
کس باپ کا یہ دل ہے جو بیٹے کو کھو سکے
وہ شے نہ مانگیے گا جو ہم سے نہ ہو سکے

۱۰
سو سو طرح کے رنج ہیں اور ایک جانِ زار
اب فرق ہے حواس میں اے میرے گلعذار
آنکھیں ہیں بے نظر دلِ غمگیں ہے بیقرار
کیا سوجھے اس کو جس کا کوئی ہو نہ غمگسار
عباسِؑ نامور کی جوانی کا رنج ہے
پیارے! تمھاری تشنہ دہانی کا رنج ہے

۱۱
بولا پسر کہ اس کا طلبگار ہے غلام
جس شے سے فیض یاب ہوئے آج خاص و عام
سب سرخرو ہوں اے خلفِ سیدالانام
محروم اک رہے پسرِ شاہِ تشنہ کام
افسوس پاؤں رن سے ہمارا اٹھا رہے
جس کا بڑا ہو پیارا وہ سب سے گنہگار ہے

۱۲
خادم نواز آپ ہیں یا سیدِ اُمم!
قبضہ میں سب ہے آپ کے کوثر ہو یا ارم
پہنچا ہے حُر کہاں سے کہاں اے نہے حشم
افسوس ہے کہ اس کے برابر بھی ہوں نہ ہم
جنت میں سلسبیل پہ سب کا مقام ہو
جس کے پدر ہوں آپ وہی تشنہ کام ہو

۱۳
صابر ہیں آپ خون میں تر ہم کو دیکھیے
تیغوں میں آج سینہ سپر ہم کو دیکھیے
مجروحِ تیغ و تیر و تبر ہم کو دیکھیے
ابرِ ستم میں شکلِ قمر ہم کو دیکھیے
سب بھائی بند آپ کے تیغوں سے چھٹ رہیں
دیجیے رضا کہ خیر کے مالک حضور ہیں

۱۴
کٹوا کے سر حبیب پیمبرؐ کے پاس ہوں
گلہائے زخم شہ کے نہ دلبر کے پاس ہوں
لشکر کے لوگ ساقیِ کوثر کے پاس ہوں
حسرت ہے ہم نہ مالکِ دفتر کے پاس ہوں
سب کو نصیب بادۂ کوثر کا جام ہو
سالارِ فوج جو ہو وہی تشنہ کام ہو

۱۵
ہر اک جری کو موت کی لذت نصیب ہو
پر اک ہمیں کو یاں نہ شہادت نصیب ہو
سب کو نبیؐ کے قرب کی دولت نصیب ہو
اکبرؑ کو مصطفےٰؐ سے ندامت نصیب ہو
سب لیں سعادتِ ابدی بہرہ یاب ہوں
اور ہم خجل حضورِ رسالت مآبؐ ہوں

۱۶
حسرت ہے اس غلام کو یا سرورِ حجاز
انصار سب ہوں خلعتِ رحمت سے سرفراز
سب کو بلاتے خلد میں رضواں بصد نیاز
اکبرؑ کے واسطے ہو بہشتِ بریں نہ باز
بستر اٹھا کے سب لبِ تسنیم جا رہیں
ہم تشنگی کے رنج میں یوں مبتلا رہیں

۱۷
فرمایا شاہِ دیں نے کہ اے میرے نونہال
پوچھو کسی سے کیا ہے ہمارے جگر کا حال
آساں نہیں یہ مرحلۂ موت میرے لال
پہلے پھوپھی و ماں سے تو لو رخصتِ جدال
ماں کی پھوپھی کی جان تمھیں پر نثار ہے
رخصت تمھیں وہ دیں کہ نہ دیں اختیار ہے

۱۸
سب ساتھیوں نے آنکھوں کے آگے کیا سفر
مانع نہیں تمھارے بھی جانے کا یہ پدر
سہہ لیں گے غم تمھارا بھی اے غیرتِ قمر
میں طالبِ رضائے الٰہی ہوں اے پسر!
ہم سب بنے ہیں برچھیاں کھانے کے واسطے
میرا تو دل ہے داغ اٹھانے کے واسطے

۱۹
ہر دم نہ ہاتھ جوڑ کے آنسو بہائیے
تقریر سے نہ برچھیاں دل پر لگائیے
اے میری جان! جائیے خیمہ میں جائیے
ماں سے پھوپھی سے اپنی رضا رن کی لائیے
مجبور جس میں ہم ہوں طلب کیوں وہ شے کرو
جو مرحلہ پڑا ہے اُسے بھی تو طے کرو

۲۰
یہ سُن کے شاد ہو گیا شہزادۂ امام
اشکوں کو پونچھتے ہوئے آئے سوئے خیام
ہاتھوں سے دل کو تھام کے رونے لگے امام
اس وقت پہنچا خیمہ کے اندر وہ نیک نام
ماتم بپا تھا بی بیوں میں بَین ہوتے تھے
عباسِؑ نامدار کو سب مل کے روتے تھے

۲۱
تھا صحن میں کھڑا علمِ سیدِ بشر
اور تھا تمام سبز پھریرا لہو میں تر
روتا تھا دیکھ دیکھ کے عباسؑ کا پسر
چلّا رہی تھی زوجۂ عباسِؑ نامور
بچے ہوئے یتیم مجھے رانڈ کر گئے
اب کس کا آسرا رہا صاحب تو مر گئے

۲۲
بیتاب دل ہے چاند سی صورت دکھائیے
دامن میں خاک کے تو نہ منھ کو چھپائیے
کاندھے پہ پھر علم لیے خیمہ میں آئیے
اللہ! اپنے پاس مجھے بھی بلائیے
اس غم میں کس طرح دلِ مضطر کو صبر ہو
اب پائنتی حضور کے لونڈی کی قبر ہو

۲۳
آئے جھکائے سر علی اکبرؑ پھوپھی کے پاس
لے کر بلائیں بولی یہ زینبؑ فلک اساس
کیوں خیر تو ہے آئے ہو تم کیوں اداس اداس
صدقہ گئی بتاؤ کہ مجھ میں نہیں حواس
کیا کچھ امامِ پاک کا پیغام لائے ہو
بابا کا ساتھ چھوڑ کے کیوں گھر میں آئے ہو

۲۴

کیوں برگِ گل سے ہونٹ چباتے ہو مری جاں
کیا اینٹھتی ہے پیاس سے سوکھی ہوئی زباں
ابرو پہ بل ہے کس لیے اے میرے نوجواں!
آثارِ فکر چہرۂ اقدس سے ہے عیاں
گردا سپر کا تیغ ہلالی کے ساتھ ہے
اے میری جان! کس لیے قبضہ پہ ہاتھ ہے

۲۵

رُکتے ہو کیوں کہو تو میں صدقہ کہ کیا ہوا
اکبرؑ نے کی یہ عرض کہ محشر بپا ہوا
تیروں کا رُخ سوئے شہِ گلگوں قبا ہوا
ابنِ علیؑ پہ زغنۂ اہلِ جفا ہوا
اب ہم اگر نہ تیر و سناں کھانے جاویں گے
بابا کے بعد تیغے گلے کو کٹاویں گے

۲۶

اب کیجیے ہم شہید ہوں یا قبلۂ انام
فرمایئے حسینؑ ہیں پیارے کہ یہ غلام
بیٹا جہاں میں کیا نہیں آتا پدر کے کام
سب کیا کہیں گے قتل ہوئے رن میں گر امام
اب جبر کیجیے نہ کہ بے اختیار ہیں
رخصت کے اب حضور سے امیدوار ہیں

۲۷

اماں کا کیا وہ آپ کہیں گی کہ جلد جاؤ
وارث پہ آنچ آتی ہے بیٹا! گلا کٹاؤ
دادی یہ کر رہی ہیں اشارے کہ جلد آؤ
فرماویں اب تو آپ بھی ہاں خون میں نہاؤ
غل ہو کہ حین آیا نہ بھائی کی چاہ میں
یوسفؑ کو آپ نے بھیج دیا قتل گاہ میں

۲۸

بانوؑ پکاری سنتے ہو کیوں اے فلک جناب
کرتے ہیں کس سے رمز و کنایہ کے یہ خطاب
بیٹا نہیں ہے آپ کے کیا دوں تمھیں جواب
مجھ دل جلی کے دل کو یہ کرتے ہو کیوں کباب
کیا صاف صاف کہتے ہیں اور کچھ خجل نہیں
آگاہ اس قلق سے ابھی ان کا دل نہیں

۲۹

پرسا چچا کا دینے بھی کو تو یہ نہ آئے
آئے اگر تو غم کی یہ باتیں سنانے آئے
فرزند ہیں گلا کروں کیا ان کا ہائے ہائے
میری طرح کسی کا مقدر الٹ نہ جائے
یہ میرا نام لے کے مجھے کیوں رلاتے ہیں
روکا ہے کس نے جائیں اگر رن کو جاتے ہیں

۳۰

زینبؑ نے تب گلے سے لگا کر کے کی یہ بات
مر جائے گی فراق میں بانوئے خوش صفات
اے جانِ جاں! تمھیں تو ہو اس گھر کی کائنات
جب تم نہ ہو تو خاک ہے پھر لذتِ حیات
عزت تو ساری گھر کی امامِ امم سے ہے
پر سب کی زندگی کا مزا تیرے دم سے ہے

۳۱

منصف ہو ماں کہاں سے بھلا لائے یہ جگر
جانے وہ دل کہ جس سے جدا ہو جواں پسر
جانے دو اب یہ ذکر کہ ماں پیٹتی ہے سر
جانے نہیں دیں گے ہمیں جانوں کا ہے ضرر
تیغِ خزاں کا درد و الم گل سے پوچھیے
گل کے فراق کو دلِ بلبل سے پوچھیے

۳۲

سمجھاتی تھیں بھتیجے کو زینبؑ بصد بکا
اتنے میں آئی خیمہ کے پیچھے سے یہ صدا
میں فاطمہؑ ہوں مادرِ سلطانِ کربلا
نرغے میں فوجِ شام کے ہے میرا دلربا
فریاد ہے خدا کی دُہائی رسولؐ کی
لٹتی ہے کوئی آن میں دولت بتول کی

۳۳

زینبؑ! مجھے تو اپنی کمائی کا دھیان ہے
شبیرؑ کوئی دم کا یہاں میہمان ہے
اب پیاس سے حسینؑ کے ہونٹوں پہ جان ہے
بھائی بہن کے پیار کا آج امتحان ہے
بھیجیں گی یا نہ بھیجیں گی اُس نورِ عین کو
دیکھیں پسر کو چاہتی ہیں یا حسینؑ کو

۳۴

زینبؑ نے دی صدا کہ اِس آواز کے نثار
بیٹے فدا حسینؑ پہ سب گھر کا گھر نثار
بانو نے دی ندا دل و جان و جگر نثار
بی بی کے لال پر مرے دونوں پسر نثار
لونڈی ہوں مجھ کو آپ کا دلبر عزیز ہے
عابدؑ ہے نہ عزیز نہ اکبر عزیز ہے

۳۵

دونوں نے ساتھ اکبرِؑ مہرو سے یہ کہا
واری سدھارو مرنے کی اب میں نے دی رضا
تسلیم کر کے ماں کو پھوپھی کو وہ مہ لقا
باہر چلا تو گھر میں قیامت ہوئی بپا
صدمہ سے بی بیوں کے کلیجے اُلٹ گئے
بستر سے اٹھ کے بھائی سے عابدؑ لپٹ گئے

۳۶

چلائے رو کے اے علی اکبرؑ! کہاں چلے
بھائی کو چھوڑ کر میرے صفدر! کہاں چلے
ہتھیار سج کے اے مہِ انور! کہاں چلے
بولو شبیہِ خاصِ پیمبرؐ! کہاں چلے
بابا کے پاس تھا نہیں ہوئے ہاتھ لے چلو
مرنے چلے تو بھائی کو بھی ساتھ لے چلو

۳۷

اکبرؑ قدم پہ جھک کے یہ بولے بچشمِ تر
کی تپ میں کیوں جناب نے تکلیف اس قدر
میں رن میں تھا نثار شہنشاہِ بحر و بر
عہدہ یہ آپ کا ہے کہ اب تھا نئے گا گھر
رانڈوں کے بیکسوں کے مددگار آپ ہیں
اب سارے گھر کے مالک و مختار آپ ہیں

۳۸

یہ عرض کر کے خیمہ سے نکلا وہ نوجواں
آیا وہاں جہاں تھے پیش شہنشاہِ دو جہاں
کی عرض ہاتھ جوڑ کے یا سرورِ زماں
ماں سے پھوپھی سے ہو چکا رخصت یہ خستہ جاں
دیجے رضائے جنگ بہت بیقرار ہے
فرمایا شاہِ دیں نے کہ اب اختیار ہے

۳۹

یہ کہہ کے رہ ئے بیٹے سے مل کر امامِ دیں
کی ایسی ایک آہ کہ تھرا گئی زمیں
بس جُھک گیا پدر کے قدم پر وہ مہ جبیں
بولے حسینؑ اب میں تمھیں روکتا نہیں
اچھا سدھارو دل تو نہیں اختیار میں
سونپا تمھیں حمایتِ پروردگار میں

۴۰
خوش ہو گیا یہ سن کے پدر سے وہ خوش خصال
آیا دلہن بنا ہوا اسپِ خجستہ حال
رکھ کر قدم رکاب میں غازی بصد جلال
گھوڑے پہ جب چڑھا تو فرس ہو گیا نہال
تھا شور کیا شکوہِ نشستِ حضور ہے
تابندہ کوہِ طور پہ یہ برقِ طور ہے

۴۱
بیٹھا جو جم کے اسپِ ہمایوں پہ وہ جناب
صورت بنا کے صاف پری بن گیا عقاب
اک شور تھا کہ دونوں جہاں میں ہے انتخاب
مرکب ہے بے عدیل تو راکب ہے لاجواب
دم میں ہوا ہے باگ ہلانے کی دیر ہے
آہو پکارتے تھے کہ جنگل کا شیر ہے

۴۲
ظاہر ہوا جو اک تُتقِ نورِ کبریا
بڑھ بڑھ کے پیک فوج کے دینے لگے صدا
ہاں امتحاں کا وقت ہے مردانگی کی جا
آتا ہے رزم گاہ میں ہمشکلِ مصطفےٰ
غفلت کا یہ محل نہیں ہوشیار غافلو!
آمد دلیر کی ہے خبردار غافلو!

۴۳
بجلی سا کوندتا ہے سمندِ صبا خیال
بکھرے ہوئے ہیں دوش پہ سب گیسوؤں کے بال
پیدا ہے شیر سے اسد اللہ کا جلال
کاندھے پہ تیغ بر میں زرہ دوش پر ہے ڈھال
گرتی تھی برق چہرۂ انور کے نور سے
چہرہ چمک رہا ہے ستارہ سا دُور سے

۴۴
پہنچا جو رن میں وہ اسدِ نیستانِ رزم
کھلنے لگے سپاہِ عدو میں نشانِ رزم
رستم جو تھے وہ بھول گئے داستانِ رزم
اک شور تھا کہ آج ہے بس امتحانِ رزم
شوکت ہے ختم اکبرِ عالی نژاد پر
گویا چڑھے ہیں احمدِ مرسل جہاد پر

۴۵
چہرہ پہ یہ لٹکتی ہیں زلفیں اِدھر اُدھر
یا ایک جا ہے سورۂ والّیل والقمر
ہے روئے پاک ہالۂ گیسو میں جلوہ گر
چھائی ہے اک سیاہ گھٹا آفتاب پر
دیکھو سوادِ زلف میں ماہِ تمام کو
مسکن ملا ہے صبح کے پہلو میں شام کو

۴۶
پیدا جبیں سے شانِ نشانِ سجوُد ہے
اس سن میں کیا عبادتِ ربِ ودود ہے
طاعت سے ان کا چاند سا ماتھا کبود ہے
صلِّ علیٰ کہو یہ مقامِ درود ہے
سب چیزیں سر سے پاؤں تک بےمثال ہیں
ماتھا ہے رشکِ بدر تو ابرو ہلال ہیں

۴۷
ڈورے ہیں خونِ دل جو یہ چشمانِ خونچکاں
پنجہ مژہ کا پنجۂ مرجاں ہے بے گماں
آنکھوں کی اُس جناب کی کیا مدح ہو بیاں
تلووں سے ان کے آنکھیں ملے نرگسِ جہاں
پتلی نہیں سیاہیِ چشمِ حضور میں
کعبہ ہوا ہے عکس فگن بحرِ نور میں

۴۸

گلہائے نخلِ گلشنِ قدرت ہیں ان کے کان
گویا کہ کانِ حسن و لطافت ہیں ان کے کان
حق تو یہ ہے کہ سامعِ وحدت ہیں ان کے کان
قرآں کے مکانِ حفاظت ہیں ان کے کان
جوشے ہے جسمِ پاک میں وہ جا ہے نور کی
پرتو پہ لَو ہے شمعِ تجلیِ طور کی

۴۹

مصحف پہ رُخ کے صاف یہ ملتی ہے عیاں
یعنی ہیں تو مصحفِ ناطق کی ہیں زباں
رخسار مہر و ماہ ہیں بے وہم بے گماں
دندان و لعلِ لب کی ہے وہ آب و تاب و شاں
دُر اُن پہ اُن پہ لعلِ بدخشاں نثار ہیں
گل ان پہ اُن پہ اخترِ تاباں نثار ہیں

۵۰

حیران ہے عقل مدحِ دہن میں وہ کیا کہے
غنچہ کہوں تو خلقِ خدا سب بُرا کہے
کانِ کلام گوھرِ لطف و سخا کہے
لازم ہے گر کہے بھی تو سرِّ خدا کہے
اس میں تو شک نہیں کہ دہن لاکلام ہے
اپنے لیے سکوت کا لیکن مقام ہے

۵۱

آغازِ رُخ پہ ہے جو زمرد نگار خط
بیشک ہے باغِ خلدِ بریں کی بہار خط
محرابِ رُخ کا صاف ہے آئینہ دار خط
ہے اک عجیب حسن سے زینت عذار خط
کیوں کر پڑے نہ عکس نمو کا مقام ہے
سیبِ ذقن ہے سُرخ مگر سبز فام ہے

۵۲

گردن نہیں ہے شمعِ تجلّیِ طور ہے
سینہ نہیں ہے آئینۂ دیں کا نور ہے
بازو میں زورِ دستِ امامِ غیور ہے
ساعد سے حُسنِ ختمِ رسل کا ظہور ہے
میزانِ زور میں ہیں یہ پنجے تُلے ہوئے
جرأت کے ناخنوں میں ہیں عقدے کھلے ہوئے

۵۳

بڑھ کر پکارا اتنے میں وہ آسماں وقار
نکلے کدھر ہے شمرِ سیہ کار و نابکار
پوشیدہ ہے کہاں عمرِ سعد بد شعار
دیکھے نکل کے صفِ جوانوں کے کارزار
دعوٰی ہے ان لعینوں کو فوجِ کثیر پر
حملہ کریں تو ابنِ شہِ قلعہ گیر پر

۵۴

میں آج رن میں خون کے دریا بہاؤں گا
میں ایک دم میں جرأتِ حیدرؑ دکھاؤں گا
یہ تیغ تیز تول کے جس صف پہ جاؤں گا
ناری ہو برقِ تیغ سے تم کو جلاؤں گا
کیا تم جلالِ آلِ نبیؐ جانتے نہیں
جانِ علیؑ ہوں کیا مجھے پہچانتے نہیں

۵۵

عمّو نے میرے خشک شجر بار ور کیا
جدِّ بزرگوار نے شقّ القمر کیا
دادا نے جنگِ خندق و خیبر کو سر کیا
خالی بُتوں سے خانۂ اکبر کا گھر کیا
کافر بھگائے دورِ حرم کے رواق سے
اصنام کو گرا دیا کعبہ کے طاق سے

۵۶

عالم میں ہم نے دینِ نبیؐ کو دیا رواج
بخشا ہے ہم نے خسروِ زریں کلہ کو تاج
شاہانِ بحر و بر نے دیا ہے ہمیں خراج
ہے اس میں مصلحت جو ہیں محتاجِ آب آج
کیا دُکھ نہیں ہے کون سی ہم پر جفا نہیں
چہرے کو دیکھ لو کہ ہراس اک ذرا نہیں

۵۷

کعبہ میں روشنی ہے ہمارے ہی نور سے
پنہاں ہوا ہے کفر ہمارے ظہور سے
ہے قربِ باطنی ہمیں ربِ غفور سے
اعلیٰ ہے اپنا اوج کہ آتے ہیں دُور سے
پیغمبروں کی صف کے ہمیں پیشوا ہُوئے
ہے انتہا کہ مالکِ روزِ جزا ہوئے

۵۸

مقبول ہم ہیں حضرتِ ربِ قدیر کے
مختار ہم جہاں کے ہیں تاج و سریر کے
حافظ ہمیں ہیں خلق میں برنا و پیر کے
وارث ہیں ذوالفقارِ جنابِ امیر کے
لاتے ہیں گمرہوں کو ہم اک دم میں راہ پر
قبضہ ہے فتح و نصرت و اقبال و جاہ پر

۵۹

عالم میں بیکسوں کا سہارا حسینؑ ہے
حیدرؑ کی دونوں آنکھوں کا تارا حسینؑ ہے
احمدؐ کا دل بتولؑ کا پیارا حسینؑ ہے
گرمی میں مہمان تمھارا حسینؑ ہے
جو بادشاہِ مالکِ روزِ حساب ہو
قدرت خدا کی ہے کہ وہ محتاجِ آب ہو

۶۰

اب بھی ہے خیر اس میں کہ تم شر سے باز آؤ
فاسق ہے تم یزید کے اقرار پر نہ جاؤ
اک بیکس و غریب مسافر کو کیوں ستاؤ
پیاسا ہے تین روز کا پانی اُسے پلاؤ
پچھتاؤ گے جو باز نہ آؤ گے ظالمو !
اس طرح کا امام نہ پاؤ گے ظالمو !

۶۱

اس وقت بڑھ کے شمرِ لعیں نے دیا جواب
مٹ جائے دین خانۂ ایماں ہو یا خراب
باتیں ہیں یہ عبث نہیں دینے کے تم کو آب
بیعت میں کیوں ہے آپ کے والد کو اجتناب
دم بھر نبیؐ کے لال کو مہلت محال ہے
بیعت بغیر زیست کی صورت محال ہے

۶۲

مالک ہیں گو بہشت کے شاہِ فلک مقام
کوثر سے پھر منگائیں نہ پانی کا کوئی جام
کیا کام تین روز سے گو ہیں وہ تشنہ کام
ہم چاہتے ہیں دہر سے مٹ جائے ان کا نام
پیاسے گلے پہ شاہ کے خنجر پھرائیں گے
بلوہ ہیں اہلِ بیت کو در در پھرائیں گے

۶۳

سُن کر یہ بات غیظ میں آیا وہ نامدار
بڑھ کر پکارا دور ہو بس او زبوں شعار!
بیعت کرے گا فاطمہ زہراؑ کا یادگار
فاسق ہے دوزخی ہے یزیدِ سیاہ کار
تابع ہو گر وہ آ کے تو اس کی نجات ہے
بیعت کرے امامِ زماں اُلٹی یہ بات ہے

۶۴
جھپٹا یہ کہہ کے شیر کی صورت وہ نوجواں
کوندی نکل کے میاں سے تیغ شرر فشاں
کانپی زمین آگیا جنبش میں آسماں
لشکر سے کافروں کے اٹھا شور الاماں
جانیں تنوں سے ناریوں کے چھوٹنے لگیں
پہلا ہی وار تھا کہ صفیں ٹوٹنے لگیں

۶۵
کھاتے کسی نے زخم کوئی خوں میں تر گیا
جس کو ہوا لگی سر اسی کا اتر گیا
زخمی کوئی تڑپ کے جہاں سے گزر گیا
اُٹھ کر گرا کوئی تو کوئی گر کے مر گیا
دم سرکشوں کے تیغ کی دہشت سے بند تھے
دم بھر میں پست ہوگئے جو سربلند تھے

۶۶
تیغ جری نے پھینک دیے سر تراش کے
آئی زرہ پہ فرق سے مغفر تراش کے
پہنچی جگر میں دستِ ستم گر تراش کے
نکلی فرس سے جوشن و بکتر تراش کے
گو جنگ میں اُدھر سے بھی کوشش بڑی رہی
ثابت مگر نہ ایک زرہ کی کڑی رہی

۶۷
میداں میں جلوہ گر جو وہ رشکِ پری ہوئی
خشکی میں سیلِ خونِ عدو سے تری ہوئی
کشتِ مرادِ اکبرِ غازی ہری ہوئی
انبار سے سروں کے زمیں سے بھری ہوئی
جرأت غضب کی تھی کہ زبردست زیر تھے
دونوں طرف لعینوں کی لاشوں کے ڈھیر تھے

۶۸
سر پر پڑی تو کاٹ کے گردن نکل گئی
سینہ پہ آئی کاٹ کے جوشن نکل گئی
اک دم میں چیر کر درِ دشمن نکل گئی
بجلی سی کوند کر تہِ دامن نکل گئی
حیراں تھی فوجِ شام دلاور کی شان پر
بوسہ زمیں کو دے کے چلی آسمان پر

۶۹
آتش کسی جگہ کہیں پانی کہیں ہوا
وہ آب وہ خمیر وہ رنگ اور وہ صفا
غازی کی تیغ تیز تھی یا قدرتِ خدا
ہوتی تھی تن سے وہ رگِ جاں کاٹ کر جدا
کافر کے خون سے بھی اُسے اجتناب تھا
اس تیغ کی خبر نہیں کوثر کا آب تھا

۷۰
قبضہ تھا دستِ اکبرِ عالی مقام میں
بجلی سی اک تڑپ رہی تھی فوجِ شام میں
جوہر تھی یا چمکتی تھی نازِ حسام میں
ہر مُرغِ دل اسیر تھا جوہر کے دام میں
گردوں پہ جب زمین سے یہ اڑ کے جاتے تھے
جبرئیل ہٹ کے اپنے پروں کو بچاتے تھے

۷۱
خوں دشمنوں کا چاٹ رہی تھی وہ سیم تن
پھولا ہوا تھا خون سے جوہر کا سب چمن
پڑتی تھی ضربِ تیغ تو ہلتا تھا سارا رَن
غل تھا کہ گر پڑے نہ کہیں گنبدِ کہن
یارا نہ تھا کسی ستم آرا کو حرب کا
سکہ پڑا تھا اکبرِ غازی کی ضرب کا

۷۲
لشکر میں لیس جنگ پہ تھے جو ستم شعار
تیر و کماں کو چھوڑ کے بھاگے وہ ہرزہ کار
چلاتے تھے یہ قہرِ خدا ہے کہ کارزار
ہر دم زیادہ تھی برشِ تیغِ آب دار
دہشت سے کانپتے تھے کماں کش لیے ہوئے
رن میں پڑے تھے تیروں کے تودے کیے ہوئے

۷۳
میدانِ کربلا ہوا سارا لہو سے لال
کشتوں سے بھر گیا تھا وہ سب عرصۂ قتال
شمشیر کو یہ دیکھ کے کہتے تھے بدخصال
روزِ دہم کو آج نمایاں ہوا ہلال
سر بر نہ ہوں گے لاکھ تبر سے لڑے کوئی
کیونکر علیؑ کے لختِ جگر سے لڑے کوئی

۷۴
چلایا تب یہ شمر اے ساکنانِ شام
لاکھوں ادھر ادھر ہے اکیلا وہ تشنہ کام
ہے روم و شام میں اسی جرأت کی دھوم دھام
اتنے نہیں ہو تم کہ لڑائی کرو تمام
جس وقت شمع خانۂ سرور بجھاؤ گے
تب جا کے میرِ شام سے انعام پاؤ گے

۷۵
دوڑا یہ سن کے برچھیوں والوں کا سب پرا
اُن سب سے دیر تک پسرِ شاہِ دیں لڑا
دیکھا جو دُور سے شہِ دیں نے یہ ماجرا
چلاتے سر کو پیٹ کے تب وا مصیبتا
اے ذوالجلال! اکبرِ مہرو کی خیر ہو
نرغہ میں فوج کے مرے خوش خو کی خیر ہو

۷۶
جب بیبیوں نے گریۂ شہ کی سنی صدا
خیمہ میں اہلِ بیت کے محشر ہوا بپا
چلائی رو کے زینبِ مضطر بصد بکا
بھیا! ہمارے گیسوؤں والے کو کیا کیا
نالے حضور کے تو مرے ہوش کھوتے ہیں
اب گھر سے میں نکلتی ہوں کیوں آپ روتے ہیں

۷۷
فرمایا شاہِ دیں نے کہ ہے خوف کا مقام
لڑتا ہے فوجِ کیں سے ابھی تک وہ تشنہ کام
حضرت کا یہ نہ ختم ہوا تھا ابھی کلام
رن میں ہوئی جو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
آنے نہ پائیں شہ یہ منادی ہے فوج میں
اکبرؑ کے زخم کھانے کی شادی ہے فوج میں

۷۸
چلایا بڑھ کے شمر کہ یا سبطِ مصطفٰےؐ
مارا گیا حضور کا فرزندِ مہ لقا
تنہا رہے بس اب نہ رہا کوئی آپ کا
چلائے شاہ پیٹ کے ہے ہے یہ کیا ہوا
ڈھونڈوں کدھر میں اس کو کہاں وہ غیور ہے
طاقت نہ اب ہے دل میں نہ آنکھوں میں نور ہے

۷۹
دوڑے یہ کہہ کے جب تو قدم شہ کے تھرتھرائے
گرنے لگے تو رو کے سخن یہ زباں پہ لائے
برچھی لگی تجھے مرے کڑیل جوان! ہائے
بیٹا! یہ باپ تجھ کو کہاں ڈھونڈنے کو جائے
سینہ میں تیغِ غم سے جگر چاک چاک ہے
جب تم نہ ہو جہاں میں تو جینے پہ خاک ہے

۸۰
اے میرے شیر! کیوں نہ ہو بابا کو اضطراب
یُوں مٹ گیا جہان سے اکبرؑ ترا شباب
یہ کہہ کے کچھ بڑھا تھا ابھی وہ فلک جناب
آیا نظر لہو میں جو ڈوبا ہوا عقاب
باگیں کٹی تھیں زخموں سے تن لالہ زار تھا
ڈھلکا تھا زین تیروں سے ماتھا فگار تھا

۸۱
تیغوں سے سب کٹے ہوئے تھے مشکبو ایال
جاری تھے اشک آنکھوں سے منہ تھا لہو سے لال
روتا تھا ڈاڑھیں مار کے یوں وہ بصد ملال
جیسے پسر کو روتی ہے مادر شکستہ حال
پھر پھر کے شہسوار کو گہ تکتا آتا تھا
سر پر ابھی وہ خاک سموں سے اڑاتا تھا

۸۲
دیکھا جو یُوں امام نے اس خوش خرام کو
غش آ گیا حسینِ علیہ السلام کو
آیا جو غش سے ہوش امامِ انام کو
جا کر قریب ہاتھ سے تھا نبا لگام کو
کہتے تھے راہِ حق کے فدائیؑ کو کیا کیا
کیوں اے عقاب میری کمائی کو کیا کیا

۸۳
دیکھا عقاب نے جو یہ حضرت کا حالِ زار
منزل کے پاتے شاہ سے رویا وہ سوگوار
آگے چلا شبیہِ پیمبرؐ کا راہوار
اور پیچھے اس کے روتے چلے شاہِ نامدار
آنکھیں قدم پہ ملتا تھا وہ اس جناب کے
رو رو کے بوسے لیتے تھے حضرتؑ رکاب کے

۸۴
ناگاہ شہ کو آئی یہ آوازِ نورِ عین
جلد آئیے غلام مسافر ہے یا حسینؑ
سینہ میں اب نہیں ہے دلِ مضطرب کو چین
جنگل میں بے قرار ہوں یا شاہِ مشرقین
نوکِ سناں کلیجے میں ہر دم کھٹکتی ہے
پانی بغیر رُوح بدن میں بھٹکتی ہے

۸۵
پہنچی جو گوشِ سیدِ والا میں یہ ندا
چلائے اے پسر تری آواز کے فدا
قربان اس صدا کے میں اے میرے مہ لقا
آنکھوں سے سُوجھتا نہیں کچھ مجھ کو مطلقا
طاقت نہیں جگر میں قدم تھرتھراتے ہیں
تم مضطرب نہ ہو علی اکبرؑ ہم آتے ہیں

۸۶
یہ کہہ کے کچھ بڑھے تھے شہنشاہِ بحر و بر
آیا نظر درخت تلے لاشۂ پسر
نیزہ لگا ہے دل میں تو سینہ ہے خوں سے تر
دردِ جگر سے کروٹیں لیتا ہے خاک پر
بیٹے کے پاس شاہِ اُمم آ کے گر پڑے
کانپے یہ ہاتھ پاؤں کہ غش کھا کے گر پڑے

۸۷
چھاتی پہ رکھ کے منہ پہ پکارے امامِ دیں
آنکھیں تو کھول اے مرے فرزندِ مہ جبیں
کہنے لگے یہ شہ سے علی اکبرؑ حسیں
کیسے پھوپھی تو خیمہ سے نکلی نہیں کہیں
اماں کے پاس بیٹے کو یا شاہ لے چلو
گھوڑے پہ ڈال کر ہمیں للہ لے چلو

۸۸

گھوڑے پہ رکھ کے لاش شہِ بحر و بر چلے
تھامے ہوئے لگامِ عقابِ پسر چلے
سر سے عمامہ پھینک دیا ننگے سر چلے
کہتے تھے کس جشم سے تم اے لال گھر چلے
یہ حال دیکھ کے ہی گزر جائے گی پھوپھی
غش آئے گا جو ماں کو تو مر جائے گی پھوپھی

۸۹

طے کی تھی خضرِ راہِ ہدایت نے تھوڑی راہ
جو جا پڑی پسر کے رُخِ پاک پر نگاہ
کیا دیکھتا ہے دونوں جہاں کا وہ بادشاہ
ہچکی لگی ہے لب پہ ہے اکبرؑ کی جان آہ
لوٹا اجل نے فصلِ بہاری میں کشت کو
ڈیوڑھی کے پاس آ کے سدھارے بہشت کو

۹۰

چلائے شہ کہ خنجرِ بیداد چل گیا
بیٹا پدر کی زیست کا نقشہ بدل گیا
سب جسم سرد ہو گیا منکا بھی ڈھل گیا
اے نورِ عین! ہائے میرا دم نکل گیا
پیاسے بہت تھے جانبِ کوثر چلے گئے
دادی کے پاس اے علی اکبرؑ چلے گئے

۹۱

ڈیوڑھی سے دیکھتی تھی جو فضہ یہ ماجرا
چلائی گر کے خاک پہ وہ غم کی مبتلا
شہزادہ رن سے آتا ہے دولھا بنا ہوا
شاید جہاں سے اکبرِ مہرو گزر گیا
کیا ہو گیا حسینؑ جو کرتے ہیں یوں بکا
فریاد ہے جواں پسرِ شاہ مر گیا

۹۲

زینبؑ نے اور بانوؑ نے جب یہ سُنی ندا
ڈیوڑھی پہ آئیں پیٹتی اور غم میں مبتلا
دیکھا جو کچھ دکھائے کسی کو نہ یہ خدا
ماں کو پھوپھی کو بیٹے کا لاشہ نظر پڑا
خیمہ کو شاہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں راہ میں
رُکتا ہے جب عقاب تو گرتے ہیں راہ میں

۹۳

دیکھا یہ شہ کا حال تو چلائیں بیبیاں
خیمہ تو یہ ہے آپ کہاں سے گئے کہاں
فرمایا شاہ نے کدھر آؤں میں خستہ جاں
سیدانیو! نگاہ میں اندھیر ہے جہاں
اکبرؑ نہیں ہے تھام کے جو ہاتھ لے چلے
اب کون ہے جو آئے مجھے ساتھ لے چلے

۹۴

بانوؑ پکاری اے خلفِ شیرِ کردگار
آقا کا ہاتھ تھامنے آئی یہ جاں نثار
زینبؑ کا دل جو ہو گیا سنتے ہی بیقرار
پردہ اٹھا کے خیمہ کا نکلی وہ دل فگار
کہتی تھی ساتھ سبطِ پیمبر کو لاتی ہوں
لوگوں میں اپنے بھائی کے لینے کو جاتی ہوں

۹۵

شہؑ نے سُنا یہ جب کہ نکلتی ہیں بیبیاں
گھبرا کے یوں ہر اک کو پکارے شہِ زماں
پھر جائے جلد خیمہ میں ہر ایک خستہ جاں
زینبؑ نہ نکلو تم ابھی گھر سے بصد فغاں
روتا تھا نزع میں جو مرا نوجوان تھا
دم تھا گلے میں اور انھیں پردے کا دھیان تھا

۹۶

چلاّئی سر کو پیٹ کے زینبؑ جگر کباب
آنے دو لاش تک مجھے یا ابنِ بو ترابؑ
یا شاہ اس کنیز کے ہے دل کو اضطراب
فریادیوں کی شکل سے نکلوں گی بے نقاب
جینے کا لطف آپ کے دلبر کے ساتھ تھا
پردہ ہمارا بس علی اکبرؑ کے ساتھ تھا

۹۷

شبیرؑ نے جو رُوح کی بیٹے کی دی قسم
رستے سے تب پھری وہ اسیرِ غم و الم
ڈیوڑھی پہ جب عقاب کو لائے شہِ امم
گھوڑے سے تب لپٹ کے لگے پیٹنے حرم
جب اہل بیت لے گئے لاشا اتار کے
روئے امامِ کون و مکاں ڈاڑھیں مار کے

۹۸

لاشا لٹا کے خاک پہ چلاّئیں بیبیاں
لاش آئی تیری ہائے علی اکبرِؑ جواں
سر پیٹ کر پکاری یہ زینب بصد فغاں
میں کربلا میں لٹ گئی اے سرورِ زماں
بے جاں ہوا حسینؑ کا پیارا دہائی ہے
جنگل میں میرے شیر کو مارا دہائی ہے

۹۹

ہے ہے یہ میرے گیسوؤں والے کی لاش ہے
ہے ہے یہ میری گود کے پالے کی لاش ہے
ہے ہے یہ میرے گھر کے اجالے کی لاش ہے
ہے ہے یہ میرے نازوں کے پالے کی لاش ہے
سینہ سے آہ خون کا دریا اُبل گیا
برچھی جگر کے پار ہوئی دم نکل گیا

۱۰۰

سہرا نہ ان کو ہائے دکھانا ہوا نصیب
ہے ہے دلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
اس گھر میں سمدھنوں کو نہ آنا ہوا نصیب
ہے ہے تجھے نہ بیاہ رچانا ہوا نصیب
ساری قبا ہے سُرخ لہو میں نہاتے ہیں
مہندی کے بدلے ہاتھ میں خوں مل کے آئے ہیں

۱۰۱

ہے ہے مجھے ضعیفی میں داغِ پسر ملا
پالا تھا جس کو برسوں میں اس کا یہ پھل ملا
ڈوبا ہوا لہو میں یہ لختِ جگر ملا
کیوں چرخ خاک میں میرا رشکِ قمر ملا
ہے ہے نہ تھی جہان میں دلہن ان کے واسطے
اکبرؑ جواں ہوئے تھے اسی دن کے واسطے

۱۰۲

کیسی فضائے گلشنِ فردوس بھا گئی
کیا آگ تھی کہ میرے جگر کو جلا گئی
اٹھارھویں برس میں انھیں موت آ گئی
کس کی نظر ارے ترے بچّہ کو کھا گئی
کوسا تھا کس نے ہائے ضعیفی کے لال کو
یہ کس کی سوس لگ گئی اس نونہال کو

۱۰۳

شانہ ہلا کے لاش کا بانوؑ نے یہ کہا
زینبؑ کے لال تجھ پہ یہ دائی ہوتی فدا
منہ سے تو بولو کس لیے چپ ہو یہ کیا ہوا
سوتے ہو یا کہ مر گئے اے میرے مہ لقا
دو بھر نہیں ہو آج جو منہ کھولتے نہیں
زینبؑ تمھیں پکارتی ہے بولتے نہیں

۱۰۴

میداں کو جاؤ اے میرے صفدر! اٹھو اٹھو
ماں صدقے خوب سو چکے اکبرؑ اٹھو اٹھو
بس نیند پڑ گئی میرے دلبر اٹھو اٹھو
لِلّٰہ اے شبیہِ پیمبرؐ اٹھو اٹھو
بیٹا! تمھارے غم میں وہ جاں اپنی کھوتے ہیں
دیکھو تو اُٹھ کے سیدِ ذی جاہ روتے ہیں

۱۰۵

تحت الحنک جو بیٹے کی باندھی بصد بکا
ادھر سے بی بیوں کی قیامت ہوئی بپا
چادر سفید اڑھا کے یہ لاشہ کو دی صدا
لو پیٹو بی بیو! کہ مرا شیر مر گیا
اٹھ کر جو سر کو شہ کی بہن پیٹنے لگی
بھائی سے تب لپٹ کے بہن پیٹنے لگی

۱۰۶

حلقہ جو کر کے لاش پہ سب روئیں بی بیاں
تھا خیمہ گاہ میں یہ تلاطم کہ الاماں
آئی صدا تے فاطمہ زہرؑا بصد فغاں
جنت سے میں بھی آتی ہوں پرسہ کو اب یہاں
بانوؑ! ترے شہید کو حیدرؑ بھی روتے ہیں
شبیرؑ بھی شبرؑ بھی پیمبرؐ بھی روتے ہیں

۱۰۷

اب آ گئے، شہؑ کی لاش اٹھانا کہوں میں کیا
جانکاہ ہے حسینؑ کے جانی کا ماجرا
خالق سے ہاتھ اٹھا کے انیسؔ اب یہ کر دعا
دکھلا دے اب مزارِ شہنشاہِ کربلا
مرقد بھی آستانۂ شہؑ کے قریب ہو
جانا نصیب ہو تو نہ آنا نصیب ہو

★ مرثیہ ۱۵

اے شمعِ زباں انجمن افروزِ بیاں ہو

۱

اے شمعِ زباں انجمن افروز بیاں ہو
اے زلفِ سخن طور کے شعلے کا دھواں ہو
اے برقِ شرر ریز قلم نور فشاں ہو
اے مصرعِ موزوں، علمِ کاہ کشاں ہو
ہر حرف پہ مہتاب کا اک ہالہ بنا دے
ہر دائرہ اک شعلۂ جوالہ بنا دے

۲

اے طوطیِ نطق آج شکر ریز ثنا ہو
اے بلبلِ بستانِ سخن نغمہ سرا ہو
اے لوحِ چراغِ یدِ بیضا کی ضیا ہو
اے سطر تو اعجاز سے موسیٰؑ کا عصا ہو
مشتاق ہیں سب اُن کو رُخِ ماہ دکھا دے
تصویرِ جمالِ اسد اللہ دکھا دے

۳

کس شیر کی آمد ہے کہیں دل نہ دہل جائیں
ہر صاحبِ دل نادِ علیؑ پڑھ کے سنبھل جائیں
ہاں بھیڑ میں مشتاقِ زیارت نہ کچل جائیں
بینائی سے بھی مردمِ چشم آگے نہ نکل جائیں
سب بزم کو ہے قدرتِ باری کا تماشا
دکھلائے بہادر کی سواری کا تماشا

۴

تازی تہِ راں برچھیاں پھر آتا ہے دیکھو
سایہ بھی پری بن کے اڑا جاتا ہے دیکھو
پنجۂ وہ چمک برق کی دکھلاتا ہے دیکھو
غازی کی سواری کا جلوس آتا ہے دیکھو
کیوں ہو نہ یہ شوکت یہ علمدار ہے کس کا
کیوں رعب نہ چھائے کہ یہ دلدار ہے کس کا

۵

کیا صولت و شوکت ہے نہ ہے دبدبہ و جاہ
خامے کی زباں ہے کہ کھنچا ہے الفِ آہ
مُوئے تنِ ضیغم کا قلم صورتِ روباہ
تحریر میں دیتا ہے صدا یا اسد اللہ
شنگرف سے غازی کا جو نام اس نے لکھا ہے
خامہ بھی مرا منہ سے لہو ڈال رہا ہے

۶

وہ زور کہ خیبر سا جو در ہو تو اٹھا لیں
وہ عدل کہ شاہیں سے کبوتر کو چھڑا لیں
وہ رحم کہ کشتی کو تباہی سے بچا لیں
وہ حلم کہ مارے کوئی تلواریں تو کھا لیں
وہ حسن کہ خورشید کا منہ زرد ہے جس سے
گرمی وہ ہے کافورِ قمر سرد ہے جس سے

۷

رخسارۂ رنگیں کی زہے قدر زہے شاں
دکھلاتا ہے آئینۂ شبنم گلِ خنداں
ہالہ خطِ زیبا ہے تو عارض مہِ تاباں
یا خضرؑ ہیں ہاتھوں پہ اٹھائے ہوئے قرآں
زنگی ہیں کہ دورِ مہِ تاباں کو لیے ہیں
پریاں ہیں کہ حلقے میں سلیماں کو لیے ہیں

۸

تھا ذہن میں تعریفِ دہن کیجیے مرقوم
جو ہو گیا خامہ صفتِ نقطۂ موہوم
توصیفِ کمر کی کہ دکاوش ہوئی منظوم
عنقا کی طرح لفظ تو ہیں پر نہیں مفہوم
مژگاں کی صفت نیش زنِ عرقِ سخن ہے
آنکھوں کا جو ڈورا ہے وہ مضمونِ ہرن ہے

۹

ہے چشم کا سینہ کی صفائی پہ نظارہ
آہوئے شبِ مہتاب میں بھرتا ہے طرارہ
تِل ہے رُخِ روشن پہ کہ ہے چاند پہ تارہ
یا آتشِ خورشید سے اٹھا ہے شرارہ
میزانِ تفکر میں یہ شے تُل نہیں سکتی
خورشید سے شبنم کی گرہ کھل نہیں سکتی

۱۰

اک قد کی صفت ہو نہ دو عالم کی زباں سے
ہاں عالمِ بالا کی خبر آئے کہاں سے
اک مصرعِ موزوں نہ ہوا سروِ رواں سے
اک سطر بھی لکھی نہ گئی کاہکشاں سے
شمشاد میں صد عیب بیانی نظر آیا
طُوبیٰ میں نہ یہ لطفِ روانی نظر آیا

۱۱

ہے ماہیِ دریائے فنا تیغِ دلاور
گھاٹ اس کا ہے موجِ غضبِ خالقِ اکبر
کیا میاں میں رہتی ہے یہ شمشیرِ دو پیکر
بیضہ میں ہے شہبازِ اجل کھولے ہوئے پر
آیا ہے یہ مضمون سماعت میں کسی کی
دو انگلیاں ہیں کلّۂ اژدر میں علیؑ کی

۱۲

سرعت میں یہ شبدیزِ سبک تاز ہے یکتا
گرد و نے نشاں پاؤں کا تا دشت نہ پایا
گلزار میں گر جائے جو کف اس کے دہن کا
سبزے کے عوض خاک سے طاؤس ہوں پیدا
دریا سے جو دکھلا کے تگ و پو نکل آئے
مچھلی کے عوض بحر سے آہو نکل آئے

۱۳

اڑ کر جو کرے کوہ کے دامن پہ گزارا
ہو کبک کی رفتار میں آہو کا طرارا
سرعت وہ کرے جست جو گلشن میں قضارا
ہر بیضۂ بلبل سے نکل آتے چکارا
سرپٹ میں اگر عرض سے تا چرخ گزر ہو
یہ جلد پھرے لعل سے باہر نہ شرر ہو

۱۴

کیا دبدبہ کیا رعب ہے کیا جرأت و ہمت
دریائے وفا موجِ کرم ابرِ مروت
مشہور ہے جو ہے انہیں شبیرؑ سے الفت
حضرت کو بھی ہے سب سے سوا ان سے محبت
ہر جا یہی چرچے یہی شہرے یہی غُل تھے
وہ سرو یہ قمری تھے وہ بلبل تھے یہ گل تھے

۱۵

خدمت سے علاقہ تھا اطاعت سے سروکار
دن رات کیا کرتے تھے شبیرؑ کا دربار
جاتے تھے کہیں گھر سے جو باہر شہِ ابرارؑ
ہوتے تھے جلو میں یہ لگائے ہوئے تلوار
آقا کی طرف منہ تو نظر دامنِ زیں پر
اک تیغ پہ ہاتھ اک رکابِ شہِ دیں پر

۱۶
گھوڑے کو جدھر پھیر کے شاہِ امم آئے
لپٹے ہوئے رہوار سے یہ بھی بہم آئے
سایہ کی طرح ساتھ ہی کھولے علم آئے
پیچھے پہ سواری کے بھی دو دو قدم آئے
آقا کے لیے خلق کے سب چین کو چھوڑا
تنہا نہ کبھی قبلۂ کونین کو چھوڑا

۱۷
بھائی کی طرف دیکھ کے فرماتے تھے سرور
کیوں مجھ کو خجل کرتے ہو عباسؑ دلاور
خدمت کی اطاعت کی بھی کچھ حد ہے برادر
بس تھک گئے گھوڑے پہ چڑھو بہرِ پیمبر
ان تلووں میں کانٹے کہیں گڑ جائیں گے بھائی
پیدل نہ چلو آبلے پڑ جائیں گے بھائی

۱۸
یوں دستِ ادب باندھ کے کہتا تھا وہ ضیغم
خادم کی یہ طاقت نہیں اے قبلۂ عالم
فدوی کے لیے آپ کے اشفاق ہیں کیا کم
ہے بے ادبی گھوڑے پہ کس طرح چڑھیں ہم
خدمت ہے یہ کیا کون سا یہ کار ہے آقا
کس دن کے لیے پھر یہ نمک خوار ہے آقا

۱۹
آقا کی اطاعت میں تکلّف نہیں کرتے
ہم راحتِ دُنیا پہ کبھی تف نہیں کرتے
جانباز تو مرنے پہ توقف نہیں کرتے
سر پہ چلیں آرے تو کبھی اُف نہیں کرتے
حضرت! مجھے کیا کم ہیں شہِ قلعہ شکن سے
شہ کہتے تھے تم مجھ کو زیادہ ہو حسنؑ سے

۲۰
غازی سے کوئی شخص جو کرتا تھا یہ گفتار
ہم سنتے ہیں بھائی ہیں تمھارے شہِ ابرار
یہ کام یہ خدمت تمھیں زیبا نہیں زنہار
فرماتے تھے پھر یہ نہ کبھی کہنا خبردار
کفش ان کی اٹھاتا ہوں یہی کام ہے میرا
جانبازِ حسینؑ ابنِ علیؑ نام ہے میرا

۲۱
جوان کا ہے رتبہ میری عزت تو نہیں ہے
جو شان ہے ان کی میری شوکت تو نہیں ہے
گر ہے تو قرابت ہے امامت تو نہیں ہے
پشتی پہ میری مہرِ نبوت تو نہیں ہے
حرمت بھی تو آقا کے تعشق سے ملی ہے
عزت انھی قدموں کے تصدق سے ملی ہے

۲۲
ماں ہے مری ہم مرتبہ فاطمہؑ زہرا
عباسؑ کا ہے احمدِ مختار سا نانا
گو بھائی ہیں لیکن مجھے کہنا نہیں زیبا
میں ان کا غلام اور مرے شبیرؑ ہیں آقا
ماں نے اسی سرکار گرامی میں دیا ہے
کچھ تو ہے جو بابا نے غلامی میں دیا ہے

۲۳
جانبازیِ عباسؑ وفادار کہوں کیا
پروانہ بھی یُوں شمع کا ہوتا نہیں شیدا
گردش میں جو سرگرم ہوا گنبدِ خضرا
کُوفے سے گئے گھر کے شہِ یثرب و بطحا
پانی جو ہوا بند شہنشاہِ اُمم پر
اک ابرِ الم چھا گیا سقائے حرم پر

۲۴

جس دم ہوئی صبحِ شبِ عاشور نمودار
آقا پہ فدا ہونے لگے یاور و انصار
حضرت کے یگانے ہوئے مرنے پہ جو تیار
تصویرِ الم بن گئے عباسِ علمدار
مانگی نہ رضا صاحبِ غیرت تو بڑے تھے
تلوار کو ٹیکے ہوئے خاموش کھڑے تھے

۲۵

جنّت کو گئے مسلمؑ مظلوم کے دلبند
ٹکڑے ہوئے تلواروں سے زینبؑ کے جگر بند
جب قاسمِ نوشاہ زمیں کے ہوئے پیوند
صدمہ یہ ہوا سب سے علمدارؑ کو دہ چند
رخصت جو نہ ملتی تھی تو گھبراتے تھے عباسؑ
تیغِ دو زباں تول کے رہ جاتے تھے عباسؑ

۲۶

یہ دیکھ کے بس اور بھی حضرت کو ہوئی یاس
دل تھامے ہوئے ہاتھوں سے زینبؑ کے گئے پاس
رو کر کہا بھائی سے تو ہم ہو چکے بے آس
رو کو بہن! اب ہم سے تو رکتے نہیں عباسؑ
ہتھیار تو باندھے ہیں علم کھولے ہوئے ہیں
مرنے کی ہے دھن تیغِ دو دم تولے ہوئے ہیں

۲۷

خواہر! تمھیں انصاف کرو بہرِ پیمبرؐ
کیوں کر میں کہوں مرنے کو تم جاؤ برادر
سمجھاؤ انھیں کچھ تمھیں اے دخترِ حیدرؑ
مجھ سے تو وہ روٹھے ہیں میں روکوں انھیں کیونکر
غصہ ہے بہت شیرِ الٰہی کے خلف کو
ایسا نہ کہیں ہو چلے جائیں نجف کو

۲۸

بھائی سے یہ کہہ دو نہ رضا دیجیو زنہار
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ عمو سے خبردار
گر تم سے کریں پیاس بجھانے کا وہ اقرار
تم کہنا کہ حضرت! مجھے پانی نہیں درکار
باتوں میں چچا کی نہ بہل جائیو بیٹی!
گودی سے اتاریں تو مچل جائیو بیٹی!

۲۹

یہ سنتے ہی زینبؑ پہ ہوا صدمۂ جانکاہ
فضہ سے کہا جلد ابھی جا سوئے جنگاہ
کہنا میری جانب سے کہ اے ابنِ یداللہ
آپ آئے نہیں عرصے سے ہم دیکھتے ہیں راہ
دیکھی نہیں جو صبح سے تصویر تمھاری
واری گئی بے تاب ہیں ہمشیر تمھاری

۳۰

فضہ نے وہاں جا کے جو کلمے یہ سنائے
عباسؑ چلے خیمہ کو سر اپنا جھکائے
زینبؑ کو جو عباسِؑ دلاور نظر آئے
چلّائی کہ لوگو! کوئی مسند کو بچھائے
تعظیم کو زینبؑ جو بڑھیں رُک گئے عباسؑ
مجرا کیا قدموں کی طرف جھک گئے عباسؑ

۳۱

ہمشیر نے سر بھائی کا چھاتی سے لگایا
لے جا کے انھیں دوسرے خیمے میں بٹھایا
کس پیار سے لے لے کے بلائیں یہ سنایا
بھیّا! تمھیں کچھ کہنے کو میں نے ہے بلایا
مقبول نہ ہو عرض تو خاموش رہوں میں
اے بھائی! جو کہنا میرا مانو تو کہوں میں

۳۲
اللہ رکھے تم کو سلامت میرے سر پر
میں جانتی ہوں زندہ ہیں آفاق میں حیدرؑ
زہراؑ ہیں علیؑ ہیں نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ
شبیرؑ کی اک جان ہے یا تم ہو برادر
اب فاتحِ خیبر کی کمائی ہو تو تم ہو
بابا ہو تو تم ہو میرے بھائی ہو تو تم ہو

۳۳
عباسؑ نے کی باندھ کے ہاتھوں کو یہ گفتار
مخدومۂ عالم مجھے کہیے نہ گنہ گار
بھائی وہ تمھارے ہیں جو عالم کے ہیں مختار
فدوی تو غلاموں کے برابر نہیں زنہار
کس کام کا پھر ہے جو نہ کام آئے گا عباسؑ
حکم آپ کا آنکھوں سے بجا لائے گا عباسؑ

۳۴
زینبؑ نے کہا اے خلفِ ضیغمِ یزداں
کیوں روٹھے ہو تم سبطِ پیمبرؐ سے میں قرباں
کیا تم نے کہا روتے ہیں کیوں سرورِ ذیشاں
فرماتے ہیں اب بھائی کی رخصت کا ہے ساماں
گر تم سے بچھڑنے کی خبر پائیں گے بھائی
واللہ تڑپ کر ابھی مرجائیں گے بھائی

۳۵
روتے ہیں عجب درد سے شاہنشہِ خوشخو
بھائی کو رلاؤ یہ مناسب نہیں تم کو
مرجائیں گے ایذائے جدائی نہ انھیں دو
لو آگے وہی تم کو منائیں جو خفا ہو
شبیرؑ کو بھی عشق مِری جاں ہے تمھارا
بھائی کو نہ چھوڑو گے تو احساں ہے تمھارا

۳۶
اللہ نہ اب موت کسی کی ہمیں دکھلائے
تم دونوں سلامت رہو زینبؑ کی اجل آئے
دو بھائیوں کے ہاتھ سے ہمشیر کفن پائے
زندہ تمھیں دنیا میں بہن چھوڑ کے جائے
جب یاد کرو زینبِؑ دلگیر کو رو دو
میں روؤں نہ تم کو تم ہی ہمشیر کو رو دو

۳۷
یہ سنتے ہی عباسؑ کا چہرہ ہوا تغیّر
کی عرض کہ ہے زہر میرے حق میں یہ تقریر
میں سمجھا تھا رخصت مجھے دلوائیں گی ہمشیر
اس کی نہ خبر تھی کہ الٹ جائے گی تقدیر
اب کون ملائے ہمیں جانبازوں کی صف میں
اماں ہیں مدینے میں تو بابا ہیں نجف میں

۳۸
کوئی نہیں منظور ہو جس کو میری خاطر
بابا تو ہوئے گلشنِ جنت کے مسافر
مادر بھی نہیں یاں کہ وہ ہوں درد سے ماہر
زہراؑ کی صدا آئی کہ یہ ماں تو ہے حاضر
میں تو ہوں اگر کوئی ترا یاں نہیں بیٹا!
عباس علیؑ کیا میں تری ماں نہیں بیٹا!

۳۹
زہراؑ تو مددگار ہے پھر کیوں ہو ہراساں
مجھ سے تو کہا ہوتا میں رخصت کا ہوں خواہاں
بس اتنی ہی سی بات پہ روٹھے ہو مری جاں
لو ہم نے اجازت دی سدھارو سوئے میداں
جانباز ہو یا بازوئے شہنشاہِ اُمم ہو
شبیرؑ زیادہ ہیں نہ کچھ تم مجھے کم ہو

۴۰

زینبؑ! انھیں شبیرؑ کے قدموں پہ گرا دو
لے جا کے برادر سے برادر کو ملا دو
روٹھے ہیں گلے سبطِ پیمبرؐ کے لگا دو
کہنا مری جانب سے کہ بھائی کو رضا دو
تم روتے ہو یہ مستعدِ جنگ ہیں بیٹا
اب ان کو نہ روکو یہ بہت تنگ ہیں بیٹا

۴۱

یہ سنتے ہی آداب بجا لایا وہ جانباز
کی عرض کیا آپ نے خادم کو سرافراز
دنیا میں پسر ہوتا ہے ماں باپ سے ممتاز
پر آپ کے فدوی کا تو ہے آپ ہی سے ناز
بتلا دے کوئی کیا ہمیں ماں باپ نے بخشا
آقا نے علم اذنِ وغا آپ نے بخشا

۴۲

اقبالِ سکندر بھی دیا شاہیِ جم بھی
اجلال بھی بخشا ہمیں شوکت بھی حشم بھی
ہمت بھی عنایت بھی سخاوت بھی کرم بھی
سقائی کا رتبہ بھی شہادت بھی علم بھی
سب آپ کی سرکارِ گرامی کا ہے صدقہ
فرزندِ پیمبرؐ کی غلامی کا ہے صدقہ

۴۳

غازی کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار
ناگاہ اٹھا شور کہ آتے ہیں شہِ ابرار
زینبؑ نے کہا کان میں اے خواہرِ غم خوار
کیوں مرنے پہ راضی ہوتے عباسؑ علمدار
جلا دوں میں تنہا نہ ہمیں چھوڑیں گے بھائی
کیوں اب تو نہ بھائی کی کمر توڑیں گے بھائی

۴۴

زینبؑ نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی عنوان
خود ان کی سفارش کے لیے آئی ہیں اماں
فرماتی ہیں شبیرؑ سے کہہ دو کہ میں قرباں
تم کیوں مرے پیارے کو رلاتے ہو مری جاں
بتیس برس دامنِ دولت میں پلے ہیں
ناز ان کے اٹھا لو کہ یہ مرنے کو چلے ہیں

۴۵

یہ سنتے ہی اک غم کا لگا تیر جگر پر
کچھ بس نہ چلا رونے لگے سبطِ پیمبرؐ
چومے کبھی شانے کبھی پیشانیِ انور
فرمایا ہمیں چھوڑ چلے ہائے برادر
داغ اپنی جوانی کا دیے جاتے ہو بھائی
قوت مری بازو کی لیے جاتے ہو بھائی

۴۶

عباسِ علیؑ! تم ہو مرے گھر کا اُجالا
بیٹوں کی طرح ہے تمھیں شبیرؑ نے پالا
ہر بار لگاتا ہے کوئی قلب پہ بھالا
رخصت کروں کیونکر کہ جگر ہے تہ و بالا
کس منہ سے کہوں سر تہِ شمشیر دھرو تم
کیا تھی یہ تمنا کہ جواں مرگ مرو تم

۴۷

ہر طرح ہے منظور ہمیں آپ کے خاطر
کیوں روتے ہو لو جاؤ خدا حافظ و ناصر
اک دم کا پس و پیش ہے ہم بھی ہیں مسافر
جا پہنچا کوئی دو قدم اوّل کوئی آخر
اس قافلے کے ساتھ چلے آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سرِ شام پہنچ جائیں گے ہم بھی

۴۸

یہ کہہ کے سکینہؑ کو پکارے شہِ ذی شاں
کچھ تم نے سنا مرنے کو جاتے ہیں چچا جاں
لو چاک کرو ننھے سے کُرتے کا گریباں
جو کہنا ہو کہہ لو یہ کوئی دم کے ہیں مہماں
ننھی سی زباں خشک دکھا دو انھیں بیٹی!
کیوں مشک چھپا رکھی ہے لا دو انھیں بیٹی!

۴۹

وہ بولی کہ جاتے ہو تو جلد آئیو عمّو
پیاسی ہوں مری مشک بھی بھر لائیو عمّو
دیکھو مرے بابا کو نہ رلوائیو عمّو
دریا سے نہ کوثر پہ چلے جائیو عمّو
دیجو نہ دغا اے مرے غم خوار چچا جان
لو مشک یہ حاضر ہے خبردار چچا جان

۵۰

چھاتی سے لگا کر اُسے غازی نے کیا پیار
کاندھے پہ رکھی مشک سجے جسم پہ ہتھیار
اک دوش پہ رکھ کر علمِ احمدِ مختار
زینبؑ کو صدا دی کہ برادر سے خبردار
روتے تھے حرم خیمہ میں اک حشر بپا تھا
عباسؑ کی بیٹی کا گریبان پھٹا تھا

۵۱ مطلع

دریا کی ترائی میں غضنفر کی ہے آمد
جرّار ہیں کرّار کے حیدر کی ہے آمد
خیبر شکن و غازی و صفدر کی ہے آمد
اک شور ہے عباسؑ دلاور کی ہے آمد
برہم ہیں صفیں تہلکہ لشکر میں پڑا ہے
کنڈہ کیے تازی درِ دولت پہ کھڑا ہے

۵۲

خیمہ سے علم لے کے جو نکلا وہ دلاور
ہالہ سے قمر ابر سے چمکا شہِ خاور
طے کر گئے ظلمات کے چشمہ کو سکندر
قرآن ہوا نور کے جزدان سے باہر
بالائے زمیں عیسیِٰ گردوں محل آئے
ماہی کا شکم چیر کے یونسؑ نکل آئے

۵۳

آنکھوں پہ رکابوں نے جو رکھے قدمِ پاک
اقبال نے لی اسپِ فلک سیر کی فتراک
تڑپا صفتِ برقِ تپاں توسنِ چالاک
گرد اُڑ کے ہوئی صیقلِ آئینۂ افلاک
مہتاب کا جلوہ رُخِ زیبا نے دکھایا
آئینۂ خورشید مسیحا نے دکھایا

۵۴

پنجہ جو علم کا سرِ پُر نور پہ چمکا
افلاک پہ خورشیدِ قمر طوُر پہ چمکا
اک صاعقہ آئینۂ بلور پہ چمکا
تھا تاج مکلل کہ سرِ حُور پہ چمکا
بجلی سی چمک جاتی تھی پنجہ کی ضیا سے
جنّت کی ہوا آتی پھریرے کی ہوا سے

۵۵

کیا عدل ہے کیا رعب ہے کیا صولت و اجلال
ادبار ہے ظالم کا تو مظلوم کا اقبال
خرمن پہ کرے میل جو بجلی تو ہو پامال
شریاں پہ چلے تیغ تو ہو جائے زباں لال
شیروں کا جگر خوف کے پنجہ میں کھنچا ہے
ہر جزوِ بدن غم کے شکنجہ میں کھنچا ہے

۵۶

رانوں میں وہ بجلی سا تڑپتا ہوا شبدیز
اڑنا وہ پھریرے کا وہ میدانِ بلاخیز
پرچم وہ سنہرا صفتِ برقِ شرر ریز
جھونکوں سے وہ پنجہ کا لچکنا وہ ہوا تیز
رُخ پر جو پھریرے سے غبار آتا تھا چھن کے
آئینۂ خورشید میں جوہر ہیں کرن کے

۵۷

ہر آہ کی سوزن میں پڑے تارِ نفس کے
پر رکھ دیئے بلبل نے دریچوں پہ قفس کے
خرمن سے جو منہ پھیر لیا برق نے خس کے
شعلے نے بھی دامن میں مَلا عطر کو خس کے
حیران تھے اسد آہوئے دشتی کی طرح سے
لنگر کے قدم اُٹھ گئے کشتی کی طرح سے

۵۸

اللہ رے رعبِ خلفِ حیدرؑ و صفدر
نعرہ جو کیا کانپ گئی فوجِ ستمگر
اس طرح رجز خواں ہوئے گھوڑے کو بڑھا کر
اے قوم! میں ہوں لختِ دلِ فاتحِ خیبر
جو فدیۂ خالق ہے فدائی ہوں میں اس کا
جو بیکس و مظلوم ہے بھائی ہوں میں اس کا

۵۹

نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
کُلتے ہیں جبیں شیرِ ژیاں در سے ہمارے
مریخ کا تن کانپتا ہے ڈر سے ہمارے
کشتیِ فلک رُک گئی لنگر سے ہمارے
اسلام کے ارکان سنبھالے ہیں ہمیں نے
بُت خانۂ کعبہ سے نکالے ہیں ہمیں نے

۶۰

طوفاں سے جو ایمن ہے سفینہ ہے ہمارا
گھر عرش ہے جس کا وہ نگینہ ہے ہمارا
مشہور جو ہے عطرِ پسینہ ہے ہمارا
قرآں جسے کہتے ہیں وہ سینہ ہے ہمارا
دشمن کی بھلائی کو بھی چاہا ہے ہمیں نے
جو منہ سے کہا ہے وہ نباہا ہے ہمیں نے

۶۱

جن کے ملکؑ جن پہ ہیں احساں وہ ہمیں ہیں
مشہور جو ہیں دین کے سلطاں وہ ہمیں ہیں
جو مور کو دیں تختِ سلیماں وہ ہمیں ہیں
نیزے پہ کریں ختمِ جو قرآں وہ ہمیں ہیں
پیاسے ہیں غمِ تشنہ دہانی نہیں رکھتے
صابر بھی ہم ایسے ہیں کہ ثانی نہیں رکھتے

۶۲

خوں شہؑ کے پسینہ پہ گرائیں وہ ہمیں ہیں
پھل برچھیوں کے بھوک میں کھائیں وہ ہمیں ہیں
تلوار سے شانوں کو کٹائیں وہ ہمیں ہیں
پانی کے لیے خوں میں نہائیں وہ ہمیں ہیں
ہرگز عوضِ خوں نہیں لیتے ہیں عدو سے
محراب کو رنگ دیتے ہیں ہم اپنے لہو سے

۶۳

دو روز سے پانی ہے میسر ہے نہ دانا
پر شاہ ہیں اعجازِ امامت سے توانا
سمجھایا بہت جبکہ سکینہؑ نے نہ مانا
تنگ آ کے سوئے نہر کیا مجھ کو روانا
مرجھایا ہوا فاطمہ زہراؑ کا چمن ہے
سقا ہوں میں جس کا وہ بہت تشنہ دہن ہے

۶۴

بن پانی صغیروں کے تڑپنے پہ کرو رحم
دم ننھے سے سینوں میں اٹکنے پہ کرو رحم
گہوارے میں اصغر کے بلکنے پہ کرو رحم
بِلّلہ سکینہؑ کے بلکنے پہ کرو رحم
پیاس اب بھی بجھے گی تو ٹھہر جائیں گے بچے
پانی نہ ملا آج تو مر جائیں گے بچے

۶۵

زہراؑ ہی کا ہے آب و نمک خلق میں سارا
بتلاؤ یہ دریا ہے ہمارا کہ تمھارا
آقا کے سبب آج تلک دم نہیں مارا
ہے شرط ابھی چھین لیں دریا کا کنارا
کیا جان تمھاری کہ ہمیں آب نہ دو تم
شہ سا نہ ہو مظلوم نہ یہ ظلم کرو تم

۶۶

غازی کا سخن سُن کے پکارے وُہ جفاکار
ان باتوں سے پانی تو نہ دیں گے تمھیں زنہار
بیعت جو ہے منظور تو پھر کچھ نہیں تکرار
لڑنا ہے تو کیا دیر ہے پھر کھینچیے تلوار
پھٹ جائے گا سر شیرِ الٰہی کی طرح سے
تڑپو گے پڑے نہر پہ ماہی کی طرح سے

۶۷

یہ سنتے ہی اُس شیر کے تیور پہ بل آیا
طالع میں سیہ رویوں کے دَورِ زحل آیا
ہاتھوں کو بڑھائے ہوئے پیکِ اجل آیا
کاٹھی سے سرِ تیغِ دو پیکر نکل آیا
یُوں یاں سے اُس کا رُخِ تاباں نظر آیا
کاکل جو ہٹے ابروئے جاناں نظر آیا

۶۸

تیغ و سپر و مغفر و گردن پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ و بکتر و جوشن پہ نہ ٹھہری
زین و کمر و سینۂ توسن پہ نہ ٹھہری
کیا تھے تنِ خاکی کہ وہ آہن پہ نہ ٹھہری
ڈھالوں سے دمِ تیغ عجب رنگ سے نکلا
آئینہ چھپا رنگ میں اور زنگ سے نکلا

۶۹

بجلی ہوئی اور ابرِ سپر سے نکل آئی
مردم ہوئی اور چشم کے در سے نکل آئی
تھی مغز کہ ہر گرز کے سر سے نکل آئی
طاقت تھی کہ نیزوں کی کمر سے نکل آئی
پھل تھے شجرِ نیزۂ بے پیر سے نکلے
دم تن گئے جب سینۂ شمشیر سے نکلے

۷۰

دو کرتی ہوئی دم میں سوار و فرس آئی
بالائے سر و زیرِ کمر پیش و پس آئی
تھی طائرِ جاں توڑ کے تن کا قفس آئی
آب اُس کی تھی بدلی کہ سروں پر برس آئی
ڈھالوں کی گھٹا تیغ سے سب ہو گئی آخر
طالع جو ہوئی صبح تو شب ہو گئی آخر

۷۱

لپٹائے دو انگشت میں تارِ نفس لائی
کالے کی طرح قلبِ سیہ رُو کو ڈس آئی
تلواروں کو زنجیر کے جوہر میں کس آئی
بجلی کی طرح ابر پہ ڈھالوں کو لبس آئی
کھاتی ہوئی لہریں جو اُس انبوہ سے نکلی
اک شور اٹھا سیلِ فنا کوہ سے نکلی

۷۲

ناگن کی طرح فوج کو ڈستی ہوئی آئی
بدلی تھی کہ لشکر پہ برستی ہوئی آئی
گلشن میں گلِ زخم پہ ہنستی ہوئی آئی
پھولوں کی قبا پہن کے لبستی ہوئی آئی
سینے کی سپر کاٹ کے رُکتی ہوئی نکلی
در تھا جو بہت تنگ جھجکتی ہوئی نکلی

۷۳

اس تیغ سے چھاتی جو ہر اک ڈھال کی دھڑکی
مچھلی بھی نشانوں میں دہن کھول کے پھڑکی
چمکی کبھی شعلے سے کبھی آگ سے بھڑکی
بجلی کبھی کوندی کبھی تڑپی کبھی کڑکی
تھا شور یہ ہے تیغ کہ سانچہ ہے اجل کا
ہاں منہ کو بچانا یہ طمانچہ ہے اجل کا

۷۴

تن سرد تھے اس شعلۂ آتش کی جھڑپ سے
دل پھٹ گئے اس برقِ جہندہ کی تڑپ سے
سر جس نے اٹھایا وہ گری فرق پہ ٹپ سے
بس ہاتھ کا کھنچنا تھا کہ دو ہو گیا چپ سے
ناری جو فراری ہوئے غولوں کی طرح سے
کٹ کٹ کے سر اڑتے تھے بگولوں کی طرح سے

۷۵

گھر کر سپہِ بغض و حسد سے نکل آئی
تیروں کی بھی نیزوں کی بھی زد سے نکل آئی
دو لاکھ کماں داروں کی حد سے نکل آئی
ضرغامِ الٰہی کی مدد سے نکل آئی
ہاں ہاں کا رہا غل سپہِ قہر کے اندر
گھوڑے کی جو لی باگ تو تھے نہر کے اندر

۷۶

یا شیرِ خدا کہہ کے دھنسا نہر میں ضیغم
پڑھ کر دہنِ زخم پہ کی نادِ علیؑ دم
موجوں کے اٹھے ہاتھ سلامی کو جو پیہم
سر کو پئے تسلیم حبابوں نے کیا خم
تر جسم تھے گرداب کے خشکی تھی دہن پر
پنبہ کفِ دریا نے رکھا زخمِ بدن پر

۷۷

لہرایا جو دریا تو کلیجہ پہ لگا تیر
آنکھوں کے تلے پھرنے لگی بھائیؑ کی تصویر
پانی کی طرف دیکھ کے کی دل سے یہ تقریر
واحسرت و دردا نہ ہوئے حضرتِ شبیرؑ
وہ ہوتے تو پھر جیسے گزرنے کا مزا تھا
کیا پیاس میں اس نہر پہ مرنے کا مزا تھا

۷۸

اس پیاس میں پانی کو کبھی منہ نہ لگاتے
خود پیاسے ہی رہتے مگر آقا کو پلاتے
ہنستے ہوئے تلواروں کے منہ پر چلے جاتے
تیغ آتی تو ابرو پہ کبھی بل بھی نہ لاتے
میزانِ عنایت میں ابھی تل گئے ہوتے
سب جوہرِ شمشیرِ وفا کھل گئے ہوتے

۷۹

پھر کہہ کے توکلتُ علی اللہ تعالیٰ
پیاسے رہے اور اسپ کو دریا سے نکالا
مشکیزۂ پُر آب کو کاندھے پہ سنبھالا
رستے پہ جما آ کے سواروں کا رسالا
تھا ابر میں خورشید کہ رستے میں جری تھا
پروانے کے جھرمٹ میں چراغِ سحری تھا

۸۰
گھوڑے کو کمانداروں کی صف سے جو نکالا
گرد آکے زرہ پوشوں نے نیزوں کو سنبھالا
لڑ بھڑ کے جو اس آفتِ جانکاہ کو ٹالا
پھر چھا گیا جو گرد سواروں کا رسالا
زخموں سے نہ طاقت تھی جو حیدرؑ کے خلف میں
اس صف سے جو نکلے تو گھرے دوسری صف میں

۸۱
دریا سے چلے آتے تھے اُمڈے ہوئے سفار
لشکر میں گھرے جاتے تھے عباسِؑ علمدار
ہر سُو تھی کمانوں کی کڑاک تیغوں کی جھنکار
تلواروں کا واں مینہ تھا ادھر تیروں کی بوچھار
چھینٹیں تھیں لہو کی علمِ سرورِ دیں پر
خوں بہکے پھریرے سے ٹپکتا تھا زمیں پر

۸۲
واں حال یہ تھا غش تھے ادھر سبطِ پیمبرؐ
سر سجدے میں تھا ہاتھوں پہ عمامۂ اطہر
فرماتے تھے بیکس ہُوں مَیں اسے خالقِ اکبر
کر رحم بچھڑتا ہے برادر سے برادر
مجھ پر نہیں تو اپنی کریمی پہ نظر کر
عباسؑ کے بچّوں کی یتیمی پہ نظر کر

۸۳
واں دُھوپ میں مشغولِ دُعا تھے شہِ ذی جاہ
یاں شق سرِ عباسؑ ہوا گرز سے ناگاہ
گھوڑے پہ نہ سنبھلا تھا ابھی ابنِ یداللہ
جو شانے پہ اک پڑ گئی شمشیرِ ستم آہ
دیکھا طرفِ راست جو غازی نے پلٹ کر
یاں دُوسرا شانہ بھی گرا خاک پہ کٹ کر

۸۴
تیورا گئے تھرا گئے عباسِؑ علمدار
ٹھنڈا ہوا گرکر علمِ احمدِ مختار
دانتوں میں لیے مشک کو غش میں تھا وُہ جرار
اک تیرِ ستم دیدۂ حق بیں کے ہُوا پار
خوں بہنے لگا آنکھ سے جی ہوگیا سن سے
لی سینے پہ چھُٹ کر جو گری مشک دہن سے

۸۵
غش آنے لگا تھا کہ برادر کو پکارا
جلد آیئے اسے قبلۂ کونین خدارا
کام آیا یہ خادم یہ نمک خوار تمھارا
پانی کے لیے آپ کا سقّہ گیا مارا
جلد آؤ گے تو غول یہ ہٹ جائے گا آقا!
گر دیر ہوئی سر مرا کٹ جائے گا آقا!

۸۶
یہ سُنتے ہی عباسؑ کے لاشے پہ گئے شاہ
بھائی کو نہ پہچانا یہ تھا ضعفِ بصر آہ
اکبرؑ سے کہا جانِ پدر بھُولے ہیں ہم راہ
تم لاشِ برادر کی دکھا دو ہمیں للّٰہ
ان کا تو نہیں یہ تنِ صد پاش ہے بیٹا!
یہ تو کوئی بن بازوؤں کی لاش ہے بیٹا!

۸۷
رو کر کہا اکبرؑ نے یا سیّدِ خوشخو
کاٹے ہیں لعینوں نے چچا جان کے بازو
دیکھو یہ ہیں منہ مشک پہ رکھے ہوئے عمّو
اک آنکھ سے بہتا ہے لہو ایک سے آنسو
سینہ پہ علم دم کے کشاکش میں پڑے ہیں
شانوں کو کٹائے ہوئے بیہوش پڑے ہیں

۸۸
شہؑ بولے کہ آواز سُناتے نہیں بھائی
تسلیم کو اب ہاتھ اُٹھاتے نہیں بھائی
ہے دل میں کہاں درد بتاتے نہیں بھائی
کیا حال ہے پہچانے بھی جاتے نہیں بھائی
چھاتی سے لپٹتے نہیں کیوں ہم سے جُدا ہو
آنے میں ہُوئی دیر ہمیں اتنے خفا ہو

۸۹
یہ سُنتے ہی بس ہوش میں آیا جو وُہ جرّار
شہ بولے چلو خیمہ میں عباسؑ علمدار
رو کر کہا غازی نے کہ یا سیّدِ ابرار
لاشہ مِرا لے جائیے گا گھر میں نہ زنہار
جانباز نہیں خیمے میں اب جانے کے قابل
واللہ مِرا مُنہ نہیں دکھلانے کے قابل

۹۰
مولا میرے ہے مجھ کو سکینہؑ سے ندامت
پانی نہ مِلا ہو گئی مٹّی میری محنت
مشکیزہ نہ چھِدتا تو نکلتی میری حسرت
شہؑ نے کہا تم کیا کرو یہ پیاسوں کی قسمت
کیوں منہ کو چھپائے ہوئے ہو ریت سے بھائی
اچھا نہ اٹھائیں گے تمھیں کھیت سے بھائی

۹۱
کھنچتی ہیں رگیں تن کی عرق سے ہے جبیں تر
سچ سچ کہو کیا حال ہے عباسؑ دلاور
غازی نے کہا کوچ ہمارا ہے برادر
لہریں ہمیں دکھلا رہا ہے چشمۂ کوثر
کیا رُوح کو جنّت کی ہوا بھاتی ہے آقا
کچھ سیب کی خوشبو سی چلی آتی ہے آقا

۹۲
اب چند نفس اور ہے مہماں یہ مسافر
آئے ہیں علیؑ ہیں ملک الموت بھی حاضر
ہم جاتے ہیں لو بھائی خدا حافظ و ناصر
یہ کہتے ہی کلمہ پڑھا اور ہو گئے آخر
جو حق غلامی تھا ادا کر گئے عبّاسؑ
ٹُوٹی کمرِ سبطِ نبیؐ مر گئے عبّاسؑ

۹۳
لاشے سے لپٹ کر شہِ مظلوم پکارے
عباسؑ ہمیں چھوڑ کے دریا سے سدھارے
بیکس کی نہ غربت پہ نظر کی مِرے پیارے
اب کون اٹھا لائے گا لاشے کو ہمارے
پردیس میں برباد ہمیں کر گئے بھائی
ہم جیتے رہے خلق میں تم مر گئے بھائی

۹۴
یہ کہہ کے اُٹھے لاش سے شاہنشہِ خوشخُو
کاندھے پہ علم رکھ کے چلے اکبرؑ مہرو
تا خیمہ جو پہنچے تو اٹھا شور یہ ہر سُو
میدان سے حضرت کا پھرا قوتِ بازو
سناٹے میں پھریرے کے شہنشاہِ اُمم ہے
عباسؑ وہ آتے ہیں وہ کاندھے پہ عَلم ہے

۹۵
ناگہ علمِ سیّدِ اکرم نظر آیا
مثلِ قمرِ سبطِ نبیؐ خم نظر آیا
آلودۂ خوں پنجہ و پرچم نظر آیا
اک بیکسی و یاس کا عالَم نظر آیا
خونبار پھریرہ تھا علمدار کے غم میں
تیروں سے چھدی مشک لٹکتی تھی علم میں

۹۶
چلاتی سکینہؑ کہ مجھے آتا ہے وسواس
ہے ہے علم آیا مگر آتے نہیں عباسؑ
مشکیزہ بھی خالی ہے ہوتی پانی سے اب یاس
کھو بیٹھی چچا جان کو میں اور نہ بجھی پیاس
پانی سے بھری مشک ہماری نہیں آئی
یہ کیا کہ جلوس آیا سواری نہیں آئی

۹۷
رن سے جو علم لاتے ہیں بھیا علی اکبرؑ
دریا پہ چچا جان کہاں چھپ رہے جا کر
کیوں تیروں سے چھلنی ہے مری مشک سراسر
خم ہو گئی ہے کیوں کمرِ سبطِ پیمبرؐ
دریا پہ وُہ کیا قتل ہوتے تیغِ جفا سے
بُو آتی ہے عمّو کی پھریرے کی ہوا سے

۹۸
یہ کہہ کے گری خاک پہ وہ بیکس و مضطر
صف باندھ کے سب بیبیوں نے کھول دیے سر
تھی زیرِ علم زوجۂ عباسِؑ دلاور
حلقہ کیے جو گرد تھے ناموسِ پیمبرؐ
ماؤں کے منہ تو گردِ مصیبت سے اَٹے تھے
بچوں کے بھی کُرتوں کے گریبان پھٹے تھے

۹۹
کہتی تھی یہ زینبؑ مرے بھائی ترے قرباں
چلاتے تھے ہمشکلِ نبیؐ ہائے چچا جاں
عباسؑ کا فرزند کیے چاک گریباں
کہتا تھا کہ چادر تو ذرا اوڑھ لو اماں
ستائے سکینہؑ یہ خبر پائیں تو کیا ہو
سر ننگے ہو بابا ابھی جائیں تو کیا ہو

۱۰۰
لو اچھا ہمیں کیا ہے نہ آپ اوڑھیے چادر
ہم نہر سے بابا کو بلا لاتے ہیں جا کر
کس کا ہے یہ ماتم ہمیں بتلاؤ تو مادر
کیا رن سے خبر لائے ہیں بھیا علی اکبرؑ
اس شہر سے کیا جانبِ کوثر گئے بابا
سر کھولا ہے کیوں آپ نے کیا مر گئے بابا

۱۰۱
رو رو کے یہ عباسؑ کی زوجہ نے پکارا
جس کے لیے پردہ تھا وہ دنیا سے سدھارا
سر کھولوں نہ کیونکر مِرا وارث گیا مارا
ماں رانڈ ہوئی قتل ہوا باپ تمہارا
بے گھر ہوئی بے در ہوئی محتاج ہوئے تم
مارے گئے عباسؑ یتیم آج ہوئے تم

۱۰۲
پھر منہ طرفِ نہر کیا اور یہ سنایا
والی! مِری غربت پہ تمہیں رحم نہ آیا
ویراں مرا گھر کر گئے جنگل کو بسایا
کٹنے کا رنڈاپے کے ٹھکانہ نہ بتایا
صاحب غمِ فرقت نہ مجھے دے گئے ہوتے
لونڈی کو بھی خدمت کے لیے لے گئے ہوتے

۱۰۳
میں ساتھ تھی حضرت پہ بڑا بار یہی تھا
پردیس میں چھوڑا مجھے بس پیار یہی تھا
خدمت کا صِلا اے مرے غمخوار یہی تھا
لونڈی سے حضور آپ کا اقرار یہی تھا
فرماتے تھے منہ تم سے نہ موڑیں گے کبھی ہم
کس کا تھا سخن ساتھ نہ چھوڑیں گے کبھی ہم

۱۰۴

محتاج ہوں میں اور بھی کم سن ہیں مرے لال
کس طرح رنڈاپے میں نبھے گی مرے اطفال
دیکھو تو سہی اپنے یتیموں کا ذرا حال
روتے ہیں کھڑے آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
محروم وصیت سے بھی یہ رہ گئے آقا
بھائی سے نہ کچھ ان کے لیے کہہ گئے آقا

۱۰۵

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
کر عرض کہ یا حضرتِ عباسِؑ علمدار
آقا یہ غلام آپ کا دنیا سے ہے بیزار
مشتاق ہوں مولا مجھے دکھا دو دیدار
ہدیہ مرا دربارِ حسینؑی میں پہنچ جائے
یہ مرثیہ سرکارِ حسینؑی میں پہنچ جائے

★ مرثیہ ۱۶

زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی

۱

زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی
رہنے کو اہلِ بیت کے ظلمت سرا ملی
دن کو بھی تیرگی انھیں شب سے سوا ملی
ماتم کو قیدیوں کے یہ کالی ردا ملی
کیوں اے فلک رسولؐ کے پیارے زمین پر
قدرت خدا کی عرش کے تارے زمین پر

۲

جس دم اسیرِ خانۂ زنداں حرم ہوئے
آفت میں مبتلا وہ اسیرِ الم ہوئے
ناموسِ مصطفیٰؐ کو عجب رنج و غم ہوئے
دُکھ پر جو دُکھ ہوئے تو ستم پر ستم ہوئے
دم گھٹ گئے تھے جان نہ تھی ان کی جان میں
بارہ گلے بندھے ہوئے تھے ریسمان میں

۳

مضطر تھے قید سے حرمِ شاہِ حق شناس
چہروں پہ خاک لب پہ فغاں اور دل اداس
رعشہ تنوں میں غم سے پریشان و بے حواس
دل پہ ہجومِ رنج و الم زندگی سے یاس
پرُساں نہ کوئی دُکھ میں بجز کردگار تھا
مونس نہ تھا کوئی نہ کوئی غمگسار تھا

۴

اس خانۂ شکستہ کا لکھوں میں حال کیا
ثابت تھا کہنگی سے کوئی دم میں اب گرا
چاروں طرف سے بند نہ روزن نہ وا ان ہوا
تھے اس میں اہلِ بیتِ نبیؐ وا مصیبتا
آرام تھا کسی کو نہ غم میں امام کے
روتے تھے تا بہ صبح خرابے میں شام کے

۵

وہ تیرگی وہ قید وہ ٹوٹا ہوا مکاں
آتی تھیں وہ مہیب صدائیں کہ الاماں
تھوڑی سی جا نہ سقف درست اور نہ سائباں
مطلق نظر نہ آتا تھا آنکھوں سے آسماں
کہتی تھیں بی بیاں کہ عجب واردات ہے
معلوم کچھ نہیں کہ یہ دن ہے کہ رات ہے

۶

بیٹھے ہیں فرشِ خاک پہ سجادِ خستہ جاں
گردن میں طوقِ ظلم ہے پاؤں میں بیڑیاں
گہ لب پہ آہ ہے کبھی نالہ کبھی فغاں
لب خشک رنگ زرد بدن زار و ناتواں
غم میں پدر کے سینہ میں دل بے قرار ہے
ظاہر یہ کرب ہے کہ دم کا شمار ہے

۷

تھرا رہا ہے خوف سے حضرت کا سب بدن
عمامہ ہے نہ سر پہ نہ ثابت ہے پیرہن
ہے دل میں داغ ماتمِ شاہنشہِ زمن
نیزوں کے زخم شانوں پہ ہاتھوں میں ہے رسن
غش میں پڑے ہیں ہاتھ تہِ سر دھرے ہوئے
ہیں خاک سے عذارِ مبارک بھرے ہوئے

۸

بیٹھے ہیں در پہ قفل لگا کر نگاہباں
ہیں غم سے جاں بلب حرمِ سرورِ زماں
آنسو بہا کے آنکھوں سے کہتی ہیں بی بیاں
افسوس ہم پہ ٹوٹ پڑا غم کا آسماں
زنداں میں کس طرح نہ بپا شور و شین ہو
اس زندگی سے موت گر آئے تو چین ہو

۹

چلاتی تھی یہ پیٹ کے سر کوئی سوگوار
اکبرؑ! تمھاری چاند سی صورت کے میں نثار
جنگل میں کیا گزر گئی اے میرے گلعذار
کیوں کر نہ سر کو پیٹ کے روئیں بحالِ زار
سایہ تلک نہیں ہے تنِ پاش پاش پر
ہوئے گی دھوپ دشتِ مصیبت کی لاش پر

۱۰

ہے ہے میرے شبیہ پیمبرؐ ترے نثار
اے روح جسمِ مادرِ مضطر ترے نثار
دکھلا دے پھر وہ زلفِ معنبر ترے نثار
افسوس اے میرے علی اکبرؑ ترے نثار
لگتے ہیں تیرِ غم دلِ پُر اضطراب میں
موت آ کے لے گئی تمھیں عینِ شباب میں

۱۱

ہے ہے نہ تیرا بیاہ رچانا ہوا نصیب
گھر میں دُلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
سہرا تمھیں نہ ہاتے دکھانا ہوا نصیب
رن سے نہ جا کے پھر ادھر آنا ہوا نصیب
تسکیں ہو کس طرح دلِ پُر اضطراب میں
موت آ کے لے گئی تمھیں عینِ شباب میں

۱۲

واری خدا کے واسطے صورت مجھے دکھاؤ
قیدِ ستم سے مادرِ ناشاد کو چھڑاؤ
اکبرؑ! پھوپھی کا حال ذرا آ کے دیکھ جاؤ
لِلّٰہ میرے حالِ شکستہ پہ رحم کھاؤ
سوتے تھے تم تو اے میری جان! فرشِ نرم پہ
کیوں کر قرار آئے گا اس ریگِ گرم پہ

۱۳

کہتی تھی کوئی ہائے شہنشاہِ بے وطن
اب تک پڑے ہیں دھوپ میں بے گور بے کفن
کیسے کہیں گزرتے ہیں جو صدمہ و محن
بارہ گلے اسیروں کے اور ایک ہی رسن
مرنے سے تیرے زیست کا نقشہ بگڑ گیا
اہلِ حرم اسیر ہوئے گھر اُجڑ گیا

۱۴

اعدا کو ہم پہ رحم نہ آیا ہزار حیف
سر ننگے ظالموں نے پھرایا ہزار حیف
خیمہ کو ناریوں نے جلایا ہزار حیف
عابدؑ کو طوقِ ظلم پہنایا ہزار حیف
کیا کیا نہ ظلم راہ میں ہم نے اٹھائے ہیں
شمرِ لعیں نے پشت پہ دُرّے لگائے ہیں

۱۵

کہتی تھی کوئی اے میرے فرزندِ مہ لقا
مادر تمھاری ننھی سی میت پہ ہو فدا
دنیا سے نامراد تمھیں لے گئی قضا
پیکانِ ظلم کھا کے ہوئے راہیِ بقا
صدقے گئی چلے گئے تم منہ کو موڑ کے
جنگل بسایا پہلوئے مادر کو چھوڑ کے

۱۶
اصغرؑ! بتاؤ چھاتی پہ کس کو سلاؤں میں
جھولے میں لوریاں کسے دے کر جھلاؤں میں
راتوں کو اٹھ کے دودھ کسے اب پلاؤں میں
ہے ہے کہاں وہ چاند سی تصویر پاؤں میں
کیونکر رہیں نہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
اماں پہنائے کس کو یہ کپڑے دھرے ہوئے

۱۷
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگے سر حرم تمام
گھبرا گئی یہ دیکھ کے بنتِ شہِ انام
بانوؑ سے رو کے کہنے لگی تب وہ تشنہ کام
ہے ہے کدھر گئے ہیں شہنشاہِ خاص و عام
مر جاؤں گی اگر شہِ والا نہ آئیں گے
کیوں اماں جاں! کیا مرے بابا نہ آئیں گے

۱۸
یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیرِ غم
چلا کے پھر پدر کو پکاری بچشمِ نم
جلد آئیے خدا کے لیے اے شہِ امم
بے آپ کے قرار نہیں مجھ کو ایک دم
یوں جا کے بیٹھے رشتۂ الفت کو توڑ کے
بابا کدھر چلے گئے بیٹی کو چھوڑ کے

۱۹
دوری سے آپ کی مجھے اک دم نہیں قرار
راحت اسی میں ہے کہ نکل جائے جانِ زار
زنداں میں جب میں روتی ہوں باچشمِ اشکبار
دیتے ہیں گھڑکیاں مجھے ہر دم ستم شعار
اٹھتا نہیں غم آپ کا اس خستہ جان سے
اب کوئی دم میں کوچ ہے میرا جہان سے

۲۰
بابا نہیں ہے تم کو مرے حال کی خبر
شمرِ لعیں نے چھین لئے کان کے گہر
مارے طمانچے روئی جو میں سوختہ جگر
سیلی کا اب تلک ہے نشاں رخ پہ سربسر
روتی نہیں یہ شمر کا ڈر ہے لگا ہوا
اب تک لہو سے ہے مرا کرتا بھرا ہوا

۲۱
دل میں یہ ہے پتا جو تمہارا کہیں سے پاؤں
لے کر بلائیں چہرۂ انور کے صدقے جاؤں
جو جو ستم ہوئے ہیں وہ سب آپ کو سناؤں
کرتا بھرا ہوا یہ لہو کا تمھیں دکھاؤں
فرقت میں آپ کی مجھے لالے ہیں جان کے
جلدی چھڑاؤ قید سے بیٹی کو آن کے

۲۲
بہرِ خدا اب آئیے یا ابنِ بوترابؑ!
ہوتا ہے چین دن کو نہ آتا ہے شب کو خواب
گر جانتی کہ آپ نہ آئیں گے یاں شتاب
ہرگز نہ جانے دیتی تمھیں میں جگر کباب
پھر چاند سی وہ شکل نہ دکھلا گئے مجھے
اب سمجھی بابا جان کہ بہلا گئے مجھے

۲۳
مجھ کو نہیں ہے زیست کا کچھ اپنی اعتبار
حسرت رہی کہ پھر تمھیں دیکھا نہ ایک بار
زنداں کے در میں قفل ہے یا شاہِ نامدار
کس طرح تم کو ڈھونڈنے جائے یہ سوگوار
ہے غیر حال غم سے شہِ کربلا مرا
کٹتا ہے ریسمانِ ستم سے گلا مرا

۲۴

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سر وہ ناتواں
رونے یہ اہلِ بیت کہ محشر ہوا عیاں
لے کر بلائیں بولی یہ بانوئے خستہ جاں
واری نہ روؤ آتے ہیں اب سرورِ زماں
ایسے نہیں ہیں وہ کہ تمھیں بھول جائیں گے
کھاتی ہوں میں قسم کہ شہِ دیں اب آئیں گے

۲۵

بی بی اُٹھو نہ آئیں گے جلدی امامِ پاک
واری تمھارے رونے سے ہوتی ہوں میں ہلاک
صدمہ ہے تم کو دل ہے میرا غم سے چاک چاک
راحت نہ تم کو جب ہو تو اس زندگی پہ خاک
رو رو کے از برائے خدا اپنی جاں نہ دے
اماں نثار شمر کہیں گھڑکیاں نہ دے

۲۶

قرباں جاؤں بس نہ کرو گریہ و بکا
پھر شمر کس نہ دے کہیں ننھا سا یہ گلا
زنداں ہے بندۂ شاہ کا پائیں کہاں پتا
روداد اپنی کیسے کہیں اب بجز خدا
سبطِ نبیؐ کے ہجر سے دل دردمند ہیں
پر کیا کریں کہ شام کے زنداں میں بند ہیں

۲۷

کُڑھ کُڑھ کے اس قدر نہ کرو نالہ و فغاں
آتی ہے اب سواریِ سلطانِ انس و جاں
بھولے نہ ہوں گے تم کو پدر صدقے جائے ماں
کیا جانیں کس بلا میں ہیں سلطانِ دو جہاں
سمجھو نہ دور بادشہِ دیں پناہ کو
الفت تمھاری سب سے زیادہ ہے شاہ کو

۲۸

تم چپ رہو اب آئیں تو شبیرؑ نامدار
میں خود کہوں گی اے خلفِ شیرِ کردگار
قربان اس وفا کی اس الفت کے میں نثار
حضرت بغیر اس کو نہ تھا ایک دم قرار
اس دُکھ میں تم نے اے شہِ صفدر خبر نہ لی
زنداں میں میرے بچے کی آکر خبر نہ لی

۲۹

انصاف کا مقام ہے یا شاہِ بحر و بر
بیزار کوئی بیٹی سے ہوتا ہے اس قدر
نیند اس کو تم بغیر نہ آتی تھی رات بھر
کرتی تھی صبح روتے ہی روتے یہ نوحہ کر
کس طرح رہتا غنچۂ خاطر کھلا ہوا
سچ ہے نہ چھوٹے باپ سے بچہ ملا ہوا

۳۰

واری جب آئیں پاس تمھارے شہِ امم
سب حال اپنا باپ سے کہنا بچشمِ نم
اعدا کے ظلم قید کے دُکھ شمر کے ستم
میں بھی کہوں گی بی بی پہ گزرے ہیں جو الم
سچ ہے پھرے نہ جب سے شہِ بحر و بر گئے
کیا کیا نہ میری بچی پہ صدمے گزر گئے

۳۱

دیکھو اب آتے ہوئیں گے بی بی کے باباجاں
ہوویں گے گرد و پیش رفیقِ شہِ زماں
پہلو میں ہوں گے اکبرؑ و قاسمؑ بہ عزّ و شاں
کاندھے پہ ہوگا حضرتِ عباسؑ کا نشاں
کیا کیا نہ چیزیں لائیں گے بی بی کے واسطے
سوغاتیں لیتے آئیں گے بی بی کے واسطے

۳۲

یہ سن کے لپٹی گود میں ماں کی وہ دلربا
اس دم اشارہ بانوؑ نے رانڈوں سے یہ کیا
لوگو! خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا
للہ اب کوئی نہ کرے گریہ و بکا
بچی کے میری تیغِ الم دل پہ چل نہ جائے
ڈر ہے کہ گھٹ کے دم کہیں اس کا نکل نہ جائے

۳۳

کہنے لگی یہ سُن کے سکینہ بچشمِ تر
اماں! مَیں کیا کروں کہ سنبھلتا نہیں جگر
ہے دل میں یہ خیال شہنشاہِ بحر و بر
بھیا کو کب سے لے کے سدھارے ہیں نہر پر
اکبرؑ پھرے نہ اصغرِ تشنہ دہاں پھرے
کیا ہے کہ اب تلک نہ امامِ زماں پھرے

۳۴

یہ سُن کے پیٹنے لگیں رانڈیں جگر فگار
پہنچی صدا جو ہند کو رونے کی ایک بار
بستر سے جلد اُٹھ کے پکاری وہ ذی وقار
آتی ہے کس کے نالوں کی آواز بار بار
لُوٹا ہے کس نے ان کو جو راتوں کو روتے ہیں
کیا آہ میں اثر ہے کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں

۳۵

باشندے ہیں کہاں کے یہ قیدی اسیرِ غم
ہے ہے یہ کس حسینؑ کو روتے ہیں دمبدم
نہ قید کا گِلا ہے نہ ہے شکوۂ ستم
شکرِ خدا لبوں پہ ہے گو ہے بہت الم
نامِ حسینؑ سُن کے نہ کیوں حال غیر ہو
اے کردگار! دلبرِ زہراؑ کی خیر ہو

۳۶

کچھ کل سے ہے میرے دلِ مضطر کا غیر حال
ڈر ہے کہیں ہُوئی ہو نہ شبیرؑ سے جدال
حضرت سے منحرف ہے یزیدِ زبوں خصال
یارب! خوشی رہے پسرِ شیرِ ذوالجلال
ایذا کبھی نہ ہووے شہِ مشرقین کو
قایم خدا رکھے مرے آقا حسینؑ کو

۳۷

جی چاہتا ہے روؤں گریباں کو پھاڑ کر
لوگو! یہ بے سبب نہیں بیتابیِ جگر
کیا جانیے کہاں ہے ید اللہ کا پسر
معلوم کس سے ہو خبرِ شاہِ بحر و بر
ہیں غیر یا عزیز شہِ انس و جاں کے ہیں
کھلتا نہیں ہے کچھ کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں

۳۸

بستر پہ آج شب کو جو سوتی مَیں دلفگار
کیا دیکھتی ہُوں آتی ہیں زہراؑ بحالِ زار
فرماتی ہیں یہ مجھ سے کہ اے ہند نامدار
پامال ہو گیا چمنِ شیر کردگار
لاشِ امامِ دیں پہ کوئی نوحہ گر نہیں
اہلِ حرم اسیر ہیں تجھ کو خبر نہیں

۳۹

بولی یہ ایک خادمۂ ہند خوش سِیَر
بی بی! مجھے بھی نیند نہیں آئی رات بھر
فریاد سُن کے میں جو چڑھی شب کو بام پر
زنداں میں غل تھا ہائے شہنشاہِ بحر و بر
دنیا میں یہ کسی پہ مصیبت پڑی نہیں
ہے ہے تمہاری لاش بھی اب تک گڑی نہیں

۴۰
ان قیدیوں میں ایک ہے لڑکی نحیف و زار
اشکوں کا اس کے آنکھوں سے تھمتا نہیں ہے تار
مادر سے رو کے کہتی ہے زنداں میں بار بار
اماں! کہاں سدھارے ہیں شبیرؑ نامدار
قیدِ غم و الم میں مجھے مبتلا کیا
جلدی کہو ارے مرے بابا کو کیا کیا

۴۱
ہے ہے بتاؤ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے
عمو کہاں ہیں قاسمؑ بے پر کدھر گئے
بھینا کو چھوڑ کر علی اکبرؑ کدھر گئے
اماں! تمہاری گود سے اصغرؑ کدھر گئے
کیونکر نہ دل کو دردِ فراقِ حسینؑ ہو
بابا سے مجھ کو جلد ملا دو تو چین ہو

۴۲
یہ بات سن کے رونے لگی ہند نامور
دل پر لگی وہ چوٹ کہ پھٹنے لگا جگر
بولی مصاحبوں سے پھر اُٹھ کر وہ خوش سیر
میں بھی چلوں گی دیکھنے ان کو بچشمِ تر
بے وجہ میرے دل کو یہ رنج و الم نہیں
دیکھوں کہیں حسینؑ کے تو یہ حرم نہیں

۴۳
یہ کہہ کے بس چلے سوئے زنداں وہ باوفا
پیچھے مصاحبیں بھی چلیں سب برہنہ پا
دربانوں سے یہ آ کے خبردار نے کہا
ہاں قیدیوں سے کہہ دو نہ کوئی کرے بکا
مصروف ہوں نہ ماتمِ شاہِ انام میں
آمد ہے آج ہند کی زندانِ شام میں

۴۴
ہاں اب کرے نہ بین کوئی سوختہ جگر
مجرے کو سب ادب سے کھڑے ہوں جھکا کے سر
چلا کے کوئی روئے نہ مظلوم و نوحہ گر
سنتے ہیں رحم آیا ہے رانڈوں کے حال پر
مانگو دعا کہ فضل و کرم کبریا کرے
کیا دور ہے جو قیدِ ستم سے رہا کرے

۴۵
یہ سن کے بے حواس ہوئی زینبؑ حزیں
بولی تڑپ کے موت بس آئے مجھے کہیں
لوگو! بتاؤ اس کی سواری تو ہے قریں
ہے ہے کہاں چھپوں کوئی گوشہ بھی یاں نہیں
بیکس ہوں خستہ حال ہوں اور دلفگار ہوں
اے موت! جلد آ کہ تجھیں شرمسار ہوں

۴۶
دیکھا تھا اس نے شہرِ مدینہ میں وہ حشم
بے اذن رکھ نہ سکتا تھا در پہ کوئی قدم
ذیشاں محل وہ اور وہ اوجِ شہِ امم
قدرت خدا کی بیٹھے ہیں آج اس مکاں میں ہم
بکھرے ہیں بال چہروں پہ دل دردمند ہیں
بچوں سمیت شام کے زنداں میں بند ہیں

۴۷
چلاتی ہاتھ اٹھا کے یہ پھر سوئے کربلا
بھیا کدھر کو جائے یہ اب غم کی مبتلا
ملنے کو ہند آتی ہے ہے ہے کروں میں کیا
بھینا کے منہ چھپانے کو مقنع ہے نہ ردا
اس غم سے ہائے جان نہیں میری جان میں
سب کے گلے بندھے ہوئے ہیں ریسمان میں

۴۸
زینبؑ ابھی یہ کہتی تھی رو رو کے زار زار
ناگہ ہوا یہ غُل درِ زنداں پہ ایک بار
لو آن پہنچی زوجۂ حاکم بصد وقار
بولی یہ شور سُن کے سکینہؑ جگر فگار
طاقت نہ تھی فراقِ شہِ مشرقین کی
امّاں! چلو کہ آئی سواری حسینؑ کی

۴۹ مطلع
آمد ہے آج ہند کی زندانِ شام میں
شورِ بکا ہے عترتِ خیرالانام میں
دم لب پہ ہیں فراقِ شہِ خاصؑ عام میں
طاقت نہیں ہے غم سے کسی تشنہ کام میں
دم گھٹ گئے ہیں جان نہیں ان کی جان میں
بارہ گلے بندھے ہُوتے ہیں ریسمان میں

۵۰
کھلوایا جبکہ ہند نے زنداں کا قفلِ در
اور داخل خرابہ ہوئی وہ نکو سیر
دیکھا کہ ایک مریض ہے بیتاب و نوحہ گر
چہرے پہ ضعف اور نقاہت ہے سر بسر
ہے سب اٹا ہوا تنِ انور غبار سے
ہونٹوں پہ دم ہے طوق و سلاسل کے بار سے

۵۱
بولی یہ حال دیکھ کے تب ہند نامدار
ہے ہے نہ اس کا کوئی ہے مونس غمگسار
شدّت یہ تپ کی ہے کہ دکھتا ہے جسم زار
جاری ہے شکرِ خالقِ اکبر کا بار بار
صدمہ کمال اس کے دلِ ناتواں کو ہے
پوچھو تو کون سا مرض اس نوجواں کو ہے

۵۲
یہ طوقِ ظلم اور یہ نقاہت ہزار حیف
اس ناتواں پر یہ مصیبت ہزار حیف
دنیا میں کیوں نہ آئے قیامت ہزار حیف
دیتا نہیں اسے کوئی راحت ہزار حیف
بیمار پر یہ ظلم بھی ہوتے ہیں خلق میں
پانی چواؤ بہرِ خدا اس کے حلق میں

۵۳
زنداں کہاں کہاں یہ جواں وامصیبتا
رگہائے جسم سب ہیں عیاں وامصیبتا
نازک گلے میں طوقِ گراں وامصیبتا
رسّی کے بازوؤں پہ نشاں وامصیبتا
ہے ہے ستم شعاروں کو خوفِ خدا نہیں
مہلک مرض یہ اور میسّر دوا نہیں

۵۴
بازو ہلا کے کہنے لگی ہندِ باوفا
واللہ تیری آہ سے ٹکڑے ہے دل مرا
کچھ اپنی سرگزشت تو کہہ بہرِ کبریا
کس نے تجھے اسیر کیا ہے مجھے بتا
ماں بہنیں قید کیوں ہُوئیں اور کیوں جفا ہوئی
اے شخص ایسی کون سی تجھ سے جفا ہوئی

۵۵
بولے یہ رو کے ہند سے سجادِ خوشخصال
اے ہند! کیا بتاؤں بھلا تجھ کو اپنا حال
آگاہ اپنے حال سے ہے ربِ ذوالجلال
دشتِ بلا میں ہو گیا سب باغ پائمال
طاقت نہیں ہے غم سے کسی تشنہ کام میں
بے جُرم ہم اسیر ہیں زندانِ شام میں

۵۶

گھبرا کے پھر یہ ہند نے پوچھا بچشمِ تر
اے شخص یہ بتا کہ وطن ہے ترا کدھر
فرمایا رو کے خانۂ زنداں ہے اپنا گھر
زنجیر و طوق مونس و غمخوار نوحہ گر
آفت میں مبتلا ہوں میں اور تشنہ کام ہوں
سب مر گئے ہیں قیدیِ زندانِ شام ہوں

۵۷

کچھ قبر کا گلا نہیں اے ہند نامدار
راحت ہے راہِ حق میں جو صدقے ہو جانِ زار
دنیا میں ہوں اگرچہ بشر کو الم ہزار
جاری مگر زباں پہ رہے شکرِ کردگار
گو چھوٹ جائیں مونس و غمخوار ساتھ سے
جانے نہ پائے سلسلۂ صبر ہاتھ سے

۵۸

کچھ غم نہیں اگر ہمیں ممکن نہیں دوا
بندے کو اپنے دیتا ہے اک دم میں وہ شفا
خاصانِ حق کو رہتے ہیں رنج و الم سدا
خوش ہیں اگرچہ اس سے سوا ہم پہ ہو جفا
مشکل میں ہر بشر کا وہی کارساز ہے
مالک ہے وہ رحیم ہے بندہ نواز ہے

۵۹

واللہ کچھ نہیں ہے اسیری کا ہم کو غم
چھٹ جائیں گے کرے گا خدا جس گھڑی کرم
یوسف پہ ہے، جہاں میں نہ کیا کیا ہوئے ستم
لیکن سوائے شکر نہ مارا انھوں نے دم
پہلے تو قیدِ ظلم میں وہ مبتلا ہوئے
زنداں سے چھٹ کے مصر کے پھر بادشاہ ہوئے

۶۰

یہ سن کے بے قرار ہوئی ہندِ خوش خصال
بولی یہ ہے نبی کے گھرانے کی بول چال
آتا ہے ہر گھڑی یہی دل کو میرے خیال
کھیتی نہیں ہوئی ہو نہ زہراؑ کی پائمال
کھلتا نہیں ہے حال شہِ نیک نام کا
ہے ہے ہوا ہو قید نہ کنبہ امام کا

۶۱

یہ کہہ کے پاس رانڈوں کے آئی وہ نوحہ گر
چہروں پہ قیدیوں کے جو کی غور سے نظر
بے ساختہ یہ کہنے لگی ہندِ خوش سیر
واللہ شانِ قدرتِ باری ہے جلوہ گر
ہے یہ فروغِ حسن کہ خورشید ماند ہے
بالوں میں رشتے پاک کہ ہالے میں چاند ہے

۶۲

آکر قریب کہنے لگی ہندِ خوش خصال
اے بی بیو! ہٹاؤ ذرا اپنے رخ سے بال
مجھ سے تو کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال
کھیتی تمھاری ہو گئی کس بن میں پائمال
کیوں لے گئے عدو تمہیں بلوائے عام میں
کس جرم میں اسیر ہوئے ملکِ شام میں

۶۳

سنتی ہوں میں مدینہ میں ہے آپ کا وطن
للہ کچھ کہو خبرِ سرورِ زمن
ہیں خیریت سے حضرتِ شبیرؑ کی بہن
زندہ رکھے جہاں میں انھیں ربِ ذوالمنن
وہ بی بی جان بنتِ رسالت پناہ ہے
عصمت پہ اس کی خالقِ اکبر گواہ ہے

۶۴
کیوں بی بیو! بتاؤ خدا کے لیے ذرا
ہے خیر سے مدینے میں فرزندِ مرتضیٰؑ
سنتی ہوں اب جوان ہے ہمشکلِ مصطفےٰؐ
سرسبز رکھے باغِ جہاں میں اُسے خدا
شہرت ہے ابنِ فاطمہ زہراؑ کے ماہ کی
باتیں تو آئی ہوئیں گی اکبرؑ کے بیاہ کی

۶۵
لاتا جو ہوگا بیاہ کا ان کے کوئی پیام
پھولے سماتے ہوں گی نہ بانوئے نیک نام
زینبؑ تو عاشق ان کی ہیں اس میں ہے کیا کلام
ہے سارے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ لالہ فام
باغِ جہاں میں نخلِ تمنا ہرا رہے
یارب! چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

۶۶
حق سے یہی ہے شام و سحر اب میری دُعا
آقا مرے جہاں میں سلامت رہیں سدا
اکبرؑ کا سہرا بانوؑ کو دکھلائے اب خدا
گھر میں بہو کو لائے جگربندِ مصطفےٰؐ
ارمان نکلے بادشہِ مشرقین کا
آباد گھر ہو فاطمہؑ کے نورِ عین کا

۶۷
واللہ ہے چراغِ جہاں شاہِ نامدار
فیضِ قدم سے ان کے یہ دنیا ہے برقرار
زہراؑ کی جان ہے وہ امامِ فلک وقار
اب پنجتن میں ہے وہی مقبولِ کردگار
ہے یادِ حق سے کام شہِ مشرقین کو
رکھے سروں پہ بچوں کے قائم حسینؑ کو

۶۸
جس دم یہ قیدیوں سے کیا ہند نے کلام
بانوؑ کے پاس آ کے یہ بولی وہ نیک نام
صدقے گئی بتائیے کیا آپ کا ہے نام
للہ کچھ کہو میں ہوئی جاتی ہوں تمام
زنداں میں سب اسیروں کے سردار آپ ہیں
ان قیدیوں میں قافلہ سالار آپ ہیں

۶۹
بانوؑ نے تب یہ اس سے کہا تھام کے جگر
ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
زینبؑ کو پھر بتا کے یہ بولی بچشمِ تر
یہ بی بی جو کہ روتی ہے نہوڑائے اپنا سر
تو دل میں جانتی ہے کہ ان کی عزیز ہوں
مختار ہیں یہ میری میں ان کی کنیز ہوں

۷۰
وہ بولی گئے ہیں آپ کے فرزندِ خوش سیر
فرمایا رو کے لٹ گیا بی بی ہمارا گھر
تیر و سناں سے قتل ہوئے رن میں دو پسر
زنداں میں اک اسیر ہے مظلوم و نوحہ گر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں
جو گود میں پلے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں

۷۱
یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
پھر مُڑ کے روئے حضرتِ زینبؑ پہ کی نگاہ
رُخ سے ہٹائے بال جو باحالتِ تباہ
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ اللہ
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمھیں ہو خالقِ اکبر گواہ ہے

۷۲

بولی قدم پہ گر کے یہ ہندِ وفا شعار
اے میری بی بی! میں تیری غربت پہ ہوں نثار
قربان جاؤں گرد تو پھرنے دو سات بار
ہے ہے کہاں ہیں حضرتِ شبیرؑ نامدار
جلدی بتاؤ بادشہِ مشرقین کو
چھوڑ آئیں کس جگہ مرے آقا حسینؑ کو

۷۳

کہنے لگی یہ ہند سے زینبؑ جگر فگار
کیوں فالِ بد نکالتی ہے منہ سے بار بار
اے ہند! ان کا نام نہ لے بہرِ کردگار
اس تذکرے سے چلتی ہے دل پر چھری کی دھار
اعدا تو مجھ کو لے گئے بلوائے عام میں
دشمن نہ ان کے قید ہوں زندانِ شام میں

۷۴

دل میں ذرا خیال کر اے ہندِ خوش بیاں!
لایق بھلا یہ زینبِ ذی شاں کے تھا مکاں
زندان کہاں یہ اور وہ بی بی بھلا کہاں
نسبت نہ ان سے دے کہ وہ ہے فاطمہؑ کی جاں
گو حیدر و بتولؑ نہیں اور حسنؑ نہیں
کیا سر پہ ان کے سبطِ رسولِ زمن نہیں

۷۵

وہ شاد کام اور میں بیکس جگر فگار
آباد وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
بلوے میں لے گئے مجھے اعدا بحالِ زار
باہر کنیز ان کی نہیں نکلی زینہار
وہ بی بی پردہ دار ہے اور خوشحال ہے
زینبؑ نہیں ہوں میں یہ ترا بیجا خیال ہے

۷۶

اک روز بیٹھی پڑھتی تھی قرآں وہ باوفا
ناگہ سرک گئی سرِ پُر نور سے ردا
اللہ رے پردہ پوشیِ زینبؑ کا مرتبا
مطلق نہ آفتاب فلک پر عیاں ہوا
شُہرہ ہو جس کی عقدہ کشائی کا شام میں
بیٹی اسیر ہو گی بھلا اس کی شام میں

۷۷

یہ سُن کے بیقرار ہوئی ہند خوشخصال
دیکھا بغور رُخ تو یہ بولی بصد ملال
اے میری شاہزادی! چھپاؤ نہ مجھ سے حال
زینبؑ تمھیں ہو خواہرِ شبیرؑ باکمال
تم کو قسم ہے فرقِ شہِ مشرقین کی
جلدی کہو خبر مرے آقا حسینؑ کی

۷۸

یہ کہہ کے پیٹنے لگی چھاتی وہ دل فگار
فرطِ قلق سے دل ہوا زینبؑ کا بے قرار
چلائی سر کو پیٹ کے با چشم اشکبار
اے ہند! کٹ گیا سرِ شبیرؑ نامدار
پانی دیا نہ سبطِ رسالت پناہ کو
ظالم نے بیگناہ کیا قتل شاہ کو

۷۹

اے ہند! کیا کہوں خبرِ شاہِ تشنہ لب
ہنگامِ عصر کٹ گیا زہراؑ کا باغ سب
مطلق ڈرے نہ خالقِ اکبرؑ سے بے ادب
چوبِ یزید اور سرِ شبیرؑ ہے غضب
رونے نہ پائی ماتمِ شاہِ شہید میں
سر ننگے لے گئے ہیں بزمِ یزید میں

۸۰

اے ہند! کیا کہوں خبرِ شاہِ بحر و بر
فرقِ حسینؑ تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
باندھا درخت میں کبھی خولی نے آن کر
لٹکا دیِ یزید پہ سبطِ نبیؐ کا سر
یاں تک تھی دشمنی سپہِ بدخصال کو
پتھر لگاتے راہ میں زہراؑ کے لال کو

۸۱

اے ہند! رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید
عباسؑ قتل ہو گئے اصغرؑ ہوئے شہید
رن بیاہے دشت میں علی اکبرؑ ہوئے شہید
دونوں یتیم مُسلِم بے پر ہوئے شہید
مرجھا کے فاطمہؑ کی نہ کھیتی ہری ہوئی
بچّوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی

۸۲

بلوے میں لے گئے مجھے اعدا برہنہ سر
ہے ہے پھرایا اونٹوں پہ ہم سب کو ننگے سر
نیزے پہ سامنے تھا سرِ شاہِ بحر و بر
تاکیدِ شمر تھی کہ نہ روئیں یہ نوحہ گر
ملنے دیا نہ لاشِ شہِ انس و جان سے
بازو بندھے ہوئے تھے مرے ریسمان سے

۸۳

اے ہند! مجھ کو دیتی ہے جس سر کی تو قسم
ہے ہے وہ سر تو نیزۂ خولی پہ تھا علم
کس منہ سے میں کہوں وہ مصیبت وہ درد و غم
جس ظلم سے شہید ہوئے سرورِ اُمم
اے ہند! کچھ نہ شمر نے خوفِ خدا کیا
ہے ہے سرِ حسینؑ قفا سے جُدا کیا

۸۴

میداں میں بے کفن ہے ابھی لاشِ شہِ پاک
ہے ہے وہ اوس اور وہ میدان ہولناک
واحسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرشِ خاک
کس طرح دل نہ ہو مرے سینے میں چاک چاک
چہلم تلک ہوا نہ شہِ مشرقین کا
اب تک پڑا ہے دھوپ میں لاشہ حسینؑ کا

۸۵

زنداں میں حشر ہو گیا اس بین سے بپا
فرطِ قلق سے ہو گئی غش ہندِ باوفا
ہوش آیا جب تو رو رو کے بانوؑ نے یہ کہا
منگوا دے اک ذرا سرِ سلطانِ کربلا
زہراؑ کے نورِ عین کا دیدار دیکھ لیں
جی بھر کے شکلِ سیدِ ابرار دیکھ لیں

۸۶

منگوایا ہند نے جو سرِ شاہِ بحر و بر
مجرے کو اُٹھ کھڑے ہوئے قیدی بچشمِ تر
جب سر پہ شاہِ دیں کے سکینہؑ نے کی نظر
چلّائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
دنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسینؑ
لو مجھ پہ اب یہ راز کھلا مر گئے حسینؑ

۸۷

یہ کہہ کے سر کو پیٹتی دوڑی وہ سوگوار
دامن میں لے لیا سرِ شبیرؑ نامدار
منہ رکھ کے منہ پہ شہ کے جو روئی وہ دلفگار
صدمہ ہوا نکلنے لگی تن سے جانِ زار
دنیا سے اس کی زیست کا نقشہ بدل گیا
جنبش ہوئی لبوں کو بس اور دم نکل گیا

۸۸

بانوؑ نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں
بس مِل چکیں حسینؑ سے قربان جائے ماں
اے نورِ عین! بس نہ کرو نالہ و فغاں
ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
بچھڑے ہیں کب سے بادشہِ مشرقین سے
ہم بھی تو مل لیں فاطمہؑ کے نورِ عین سے

۸۹

اُٹھی یہ کہہ کے بانوئے بیکس برہنہ سر
دیکھا پڑی ہے خاک پہ بے جاں وہ نوحہ گر
زینبؑ کو پھر دکھا کے یہ بولی بچشمِ تر
بچے کو میرے لے گئے سلطانِ بحر و بر
زنداں کے تھے وہ ظلم کہ عاجز تھیں جان سے
افسوس چل بسیں مری پیاری جہان سے

۹۰

یہ سن کے پیٹنے لگیں رانڈیں بشور و شین
غل پڑ گیا کہ ہائے شہِ دیں کی نورِ عین
بانوؑ تڑپ کے کرنے لگی جانگزا یہ بین
واری بس اب اٹھو کہ نہیں میرے دل کو چین
کس جُرم پر خفا ہو تم ماں سے موڑ کے
جنت میں تم گئیں ہمیں زنداں میں چھوڑ کے

۹۱

ہر وقت رو کے کرتی تھیں زنداں میں یہ کلام
جلدی چھڑاؤ قید سے یا شاہِ نیک نام
افسوس اپنے پاس تمہیں لے گئے امام
پانی ملا نہ اُٹھ گئیں دنیا سے تشنہ کام
مجھ بیکس و غریب کو بے آس کر گئیں
زنداں سے چھوٹنے بھی نہ پائی کہ مر گئیں

۹۲

بی بی! تمہاری ننھی سی میت کے میں نثار
منہ سے اُٹھاؤ کُرتے کا دامن پھر ایک بار
جی بھر کے تم کو دیکھ لے مادر جگر فگار
اماں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار
فرصت کبھی نہ ہو گی ہمیں شور و شین سے
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤ گی چین سے

۹۳

واری یہاں ہے بیکس و محتاج و بے وطن
کس طرح تیری ننھی سی میت کو دے کفن
کیا کیا اٹھائے قید میں رنج و غم و محن
باندھی گلے میں شمرِ ستمگار نے رسن
کرتی تھیں یاد بادشہِ انس و جان کو
بی بی پکارتی نہیں اب بابا جان کو

۹۴

کیا کیا نہ تم نے ظلم اٹھایا ہزار حیف
مادر کو اپنا داغ دکھایا ہزار حیف
غربت پہ میری رحم نہ آیا ہزار حیف
زنداں میں تم نے چین نہ پایا ہزار حیف
یہ غم رہا کہ ساتھ نہ تم لے گئیں مجھے
قربان جاؤں خوب دغا دے گئیں مجھے

۹۵

ہے ہے اٹھائے قید میں کیا کیا نہ رنج و غم
باندھا گلے کو شمر نے رسی سے ہے ستم
بابا کو یاد کر کے جو روتی تھیں دم بدم
دیتے تھے گھڑکیاں تمہیں یہ بانیِ ستم
زخمی بھی کان پھول سے عارض کبود ہیں
اب تک نشاں طمانچوں کے رُخ پر نمود ہیں

۹۶
روتی تھی جب میں پچھلے پہر منہ کو ڈھانپ کر
ہمراہ تم بھی کرتی تھیں زاری جھکا کے سر
پلہ چھڑا کے کہتی تھیں مجھ سے بچشمِ تر
اماں! نہ رو و سینے میں پھٹتا ہے اب جگر
تم تو گئیں جہاں سے شہِ انس و جاں کے ساتھ
اب کون واری روئے گا راتوں کو ماں کے ساتھ

۹۷
واری مجھے خیال یہ آتا ہے بار بار
گزرے گی کیسے قبر کے اندر یہ ماں نثار
ہووے گا کوئی پاس نہ یاور نہ غمگسار
وہ جائے ہولناک وہ تاریکیِ مزار
کیا کیا نہ صدمے گزریں گے اس جانِ زار پر
دو پھول بھی دھرے گا نہ کوئی مزار پر

۹۸
بی بی! خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال
چادر تلک نہیں کہ چھپاؤں جو سر کے بال
کس طرح دوں کفن تجھے اے میرے خورد سال
نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور نہ مال
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

۹۹
واری سلوک خوب کیا ماں سے واہ واہ
سچ ہے زیادہ باپ سے مادر کی تھی نہ چاہ
کیونکر اٹھاؤں دھوم سے میت بہ اشک و آہ
ممکن نہیں ہے غسل و کفن بھی خدا گواہ
اظہار حال سب میرا بابا سے کیجیو
بی بی گلا نہ سیدِ والا سے کیجیو

۱۰۰
ہوتا جو واری پاس مرے کچھ بھی مال و زر
تربت بناتی چھوٹی سی میں سوختہ جگر
لاشے پہ ایک باندھتی سہرا بچشمِ تر
جو پوچھتا تو بس یہی کہتی میں نوحہ گر
میت یہی ہے بنتِ شہِ مشرقین کی
دنیا سے آج اُٹھ گئی عاشق حسینؑ کی

۱۰۱
بس اے انیسؔ بزم میں ہے گریہ و بکا
وقتِ دعا ہے خالقِ اکبر سے کر دعا
یارب! بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبٰیؑ
دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو
بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

۱۰۲
بس اے انیسؔ بزم میں برپا ہے شور و شین
تا حشر کم نہ ہوگا کبھی ماتمِ حسینؑ
آقا سے کر یہ عرض کہ یا شاہِ مشرقین
دوری سے اب نہیں ہے ذرا میرے دل کو چین
آنکھوں سے قبرِ پاک دکھاؤ غلام کو
روضہ پہ اپنے جلد بلاؤ غلام کو

★ ## مرثیہ ۱۷

پہنچا جو کربلا میں غریب الوطن حسینؑ

۱

پہنچا جو کربلا میں غریب الوطن حسینؑ
بے خانماں حسینؑ اسیرِ محن حسینؑ
روحِ بتولؑ و جانِ رسولؐ زمن حسینؑ
یوں بنتِ فاطمہؑ سے ہوئے ہم سخن حسینؑ
پانی جو فوجِ حُر کو دیا کیا بجا کیا
اس کے عوض خدا نے یہ دریا عطا کیا

۲

لازم تھا فوج کے لیے پانی کا آسرا
اس کا فقط کرم ہے کہ ہم کو ملی یہ جا
دیکھو تو کیا نواح ہے کیا نہر کیا فضا
لشکر ہے گو قلیل کرے گا مدد خدا
یاں گوہرِ مراد کی یاں جستجو کرو
طاہر کرو لباس نہاؤ وضو کرو

۳

اس سرزمیں کو موت میں ہے لذتِ حیات
کرتے ہیں لطف شیرِ الٰہی دمِ وفات
ہے بہرِ غسل آبِ بقا چشمۂ حیات
جس وقت لا کے قبر میں رکھا ہوئی نجات
اللہ رے فیض طبقۂ عنبر سرشت کا
تربت جو بند کی تو کھلا در بہشت کا

۴

اور یاں سے دُور ہو گا جو شیعوں کا انتقال
جائے گا ان کی قبر میں خود فاطمہؑ کا لال
ہو گا گناہ گار اگر ان کا بال بال
واں بھی یہ خاک ہووے گی ان کی کفیلِ حال
حرہ کھلا کفن میں گنہ خاک ہو گئے
سینہ پہ خاکِ پاک رکھی پاک ہو گئے

۵

زینبؑ نے جو سُنا شہِ والا سے یہ بیاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
بولی سکینہؑ پیاس کی ایذا نہ ہو گی یاں
اب یہ جگہ نہ چھوڑیو زنہار بابا جاں
مالک ہیں ان کے آپ جو دریا ہیں دہر میں
یہ بھی تو نہر ہے مری دادی کے مہر میں

۶

فرمایا شہ نے دیکھیے جو حکمِ ایزدی
ایذائے اہلِ بیت کے درپے ہیں سب اشقی
سر پر بتولِؑ پاک کے موجود تھے علیؑ
باغِ فدک کو چھین لیا ان کے جیتے جی
مجھ سے نہ ہو گا یہ کہ انھیں بد دعا کروں
مجھ کو بے مانگے ملک دیویں تو کیا کروں

۷

کرتا تھا یہ کلام محمدؐ کا یادگار
کہنے لگے یہ آن کے عباسؑ باوقار
بے حکم راہواروں سے اترے نہیں سوار
ارشاد ہو تو ہوئیں فرو کش رفیق و یار
کس شخص کے سپرد درِ بارگاہ ہو
اردو کدھر ہو کونسی جانب سپاہ ہو

۸
فرمایا شاہِ دیں نے کہ ہے تم کو اختیار
سب ہے تمہارے ہاتھ مِرے گھر کا کاروبار
بائیں طرف پیادے ہوں دہنی طرف سوار
ایذا نہ ساتھ آ کے سہیں میرے جاں نثار
راحت ملے انھیں جو ہمارے حبیب ہوں
مجھ سے مِرے عزیزوں کے خیمے قریب ہوں

۹
عباسؑ نامدار سے فرماتے تھے یہ شاہ
دن تھا اخیر جانبِ صحرا گئی نگاہ
بادل کی طرح آئی نظر شام کی سپاہ
کثرت سے روسیاہوں کی جنگل ہوا سیاہ
باجوں کا شور عالمِ بالا پہ چھا گیا
ہلنے لگی زمین فلک تھرتھرا گیا

۱۰
تھی کثرتِ سپاہ کہ دریا تھا موجزن
روئیں تنوں سے بھر گیا سب کربلا کا بن
گھوڑوں پہ آ گئے آگے جوانانِ صف شکن
تلواریں تول تول کے کرتے تھے یہ سخن
ہاں غازیو! اُستادِ محمدؐ کی آل کو
رہنے نہ دو فرات پہ زہراؑ کے لال کو

۱۱
یہ شور سُن کے حضرت عباسؑ مہ جبیں
آئے مثالِ شیرِ غضبناک چشمگیں
گھوڑے بڑھا بڑھا کے یہ کہنے لگے لعیں
لو دو کنارِ نہر نہ اتریں امامِ دیں
بے ہم سے پوچھے وجہ یہاں خیمہ کرنے کی
اُتریں گے ہم یہ جا ہے ہمارے اترنے کی

۱۲
سردارِ شام و کوفہ کے آ پہنچے ہیں قریب
اٹھی وُہ گرد بولتے آتے ہیں وہ نقیب
جی بھر کے فوج کو نہیں پانی ہوا نصیب
تم نہر پہ ڈٹے ہو یہ ہے ماجرا عجیب
دیکھی وُہ فوج جس نے حواس اُس کے کھو گئے
جس جا ہوا مقام کنُوئیں خشک ہو گئے

۱۳
کس نے کہا تھا اترے یہاں لشکرِ امام
سنتے نہ تھے کہ آتی ہے فوجِ امیرِ شام
تھوڑی سی فوج پر یہ تردّد یہ اہتمام
صحرا ابھی ہے وسیع کریں جا کے واں مقام
پھر بات بن نہ آئے گی ہم سے بگاڑ کر
دریا میں پھینک دیویں گے خیمہ اکھاڑ کر

۱۴
یہ بات سُن کے آ گیا عباسؑ کو جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے پکارے کہ کیا مجال
کر دُوں گا مارے تیغوں کے میداں لہو سے لال
میں ہوں غلام ہے مرا آقا علیؑ کا لال
کیا میری ضربِ تیغ کی تم کو خبر نہیں
آگے قدم دھرا تو کسی تن پہ سر نہیں

۱۵
کعبہ سے کم نہیں شرفِ قبلۂ انام
آگے مرے یہ بے ادبی اور یہ کلام
دیکھیں تو آ گے نہر پہ اترے تو فوجِ شام
واقف نہیں ترائی میں شیروں کا ہے مقام
دم میں نشان فوجِ ضلالت کو کاٹ دیں
بگڑیں تو نہر کو ابھی لاشوں سے پاٹ دیں

۱۶
واللہ شیر بیشۂ شیرِ خدا ہیں ہم
صفدر ہیں سرفروش ہیں اہلِ وفا ہیں ہم
دنیا میں وارثِ شہِ خیبر کشا ہیں ہم
کیا جانتے نہیں خلفِ مرتضیٰ ہیں ہم
غازی ہیں غازیوں کے تو شیروں کے شیر ہیں
سرکش ہیں جتنے خلق کے سب ہم سے زیر ہیں

۱۷
کس کی مجال ہے جو ہمیں نہر سے اٹھائے
جنبش نہ ہو قدم کو اگر زلزلہ بھی آئے
نعرہ اگر کریں تو اسد ڈر کے بھاگ جائے
سب خلق اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
الیاس و خضر بادیہ پیما گواہ ہیں
عالم میں بحر و بر کے ہمیں بادشاہ ہیں

۱۸
بڑھنے لگے یہ سن کے جو آگے وہ اہلِ شر
آ پہنچے سب رفیقِ شہنشاہِ بحر و بر
کہتے تھے ظالموں سے بڑھے آتے ہو کدھر
یہ کس کی بارگاہ ہے تم کو نہیں خبر
بڑھنا نہیں کھڑے رہو پیچھے ہٹے ہوئے
یاں لوٹنے لگیں گے ابھی سر کٹے ہوئے

۱۹
اعدا پکارے ہے ہمیں حکمِ امیرِ شام
شبیرؑ اتریں واں جہاں پانی کا ہو نہ نام
تھرا گئے یہ سن کے رفیقِ شہِ انام
نزدیک تھا کہ چلنے لگے نیزہ و حسام
تیغیں کھنچی ہوئی تھیں علم بھی کھلے ہوئے
لشکر تھے دونوں جنگ و جدل پر تلے ہوئے

۲۰
شاہ نے سنا جو خیمہ میں غوغائے اہلِ کیں
عباسؑ کو پکارتے نکلے امامِ دیں
چھوٹے سے نیچہ لیے زینبؑ کے نازنیں
اک شاہ کے یسار تھا اک جانبِ یمیں
قاسمؑ بھی غیظ میں قدم آگے بڑھاتے تھے
تن تن کے آستیں علی اکبرؑ چڑھاتے تھے

۲۱
عباسؑ کے برادرِ عینی جھپٹ کے آئے
قبضوں پہ ہاتھ ڈالے ہوئے تیوریاں چڑھائے
کہتے تھے چلیے جلد کہ تلوار چل نہ جائے
فرماتے تھے حسینؑ کہ جو کچھ خدا دکھائے
آیا ہے غیظ شیرِ الٰہی کے شیر کو
روکو خدا کے واسطے بڑھ کر دلیر کو

۲۲
آقا کو آتے دیکھ کے عباسؑ نے کہا
حضرت نے خیمہ گہ سے قدم رنجہ کیوں کیا
نہ فکر کی جگہ ہے نہ تشویش کی ہے جا
دے گا غلام بے ادبی کی انھیں سزا
ہم پر سنان و شمر و عمر فوج لائے ہیں
خیمہ اکھاڑنے کو ہمارا یہ آتے ہیں

۲۳
کہنے لگے بگڑ کے یہ ہمشکلِ مصطفےٰ
کیا بات ہے بڑھے تو کوئی فوج سے بھلا
پھولے ہیں اپنی فوج پہ یہ بانیِ جفا
ان کو پڑا نہیں کبھی شیروں سے سامنا
تیغیں ادھر کی نکلیں گی جس دم نیام سے
جیتا نہ بچ کے جائے گا اک فوجِ شام سے

۲۴
قاسمؑ پکارے کس نے کہی تھی یہ منہ سے بات
دیکھوں بھلا میں پھر تو کہیں یہ زبوں صفات
قہرِ خدا ہے غیظِ شہنشاہِ کائنات
لاشوں سے پاٹ دیں گے ابھی چشمۂ فرات
سربر ہوا ہے کون محمدؐ کی آل سے
واقف نہیں یہ لوگ ہماری جدال سے

۲۵
اہلِ ستم سے ہوتی تھی ردّ و بدل جو واں
لپٹی ہوئی قناتوں سے روتی تھیں بی بیاں
ماں سے سکینہؑ کہتی تھی رو رو کے ہر زباں
کیا جانیے یاں سے جا کے اب اتریں گے ہم کہاں
لشکر قلیل ہے شہِ کون و مکان کا
کیا کچھ نہ بس چلے گا میرے بابا جان کا

۲۶
تھی بے حواس زوجۂ عباسؑ صف شکن
گھبراتی پھرتی تھی شہِ مظلوم کی بہن
کہتی تھی اپنا زور دکھاتے ہیں تیغ زن
جیتے ہوئے نہ آج کے دن حیدرؑ و حسنؑ
یہ ظلم اہلِ شام کے کس کو دکھاؤں میں
ہے ہے کہاں سے شیرِ الٰہی کو لاؤں میں

۲۷
کہتی تھی بانوؑ صاحبو اور یا سے ہاتھ اٹھاؤ
اکبرؑ کو پھیر لاؤ علمدار کو بلاؤ
قاسمؑ سے کہہ دے کوئی کہ آگے بڑھے نہ جاؤ
زینبؑ کے لاڈلوں کو صدا دو کہ گھر میں آؤ
یہ جا ہے ملکِ غیر تو رہنا روا نہیں
پانی بھی نہر کا ابھی ہم نے پیا نہیں

۲۸
سونچے امام پاک کہ بپھرے ہوئے ہیں شیر
اعدا کے سامنے سے ہٹیں گے نہ یہ دلیر
غیرت کی ہے جو بات تو جینے سے سب ہیں سیر
تلوار گر چلے گی تو لاشوں کے ہوں گے ڈھیر
صحرا بہت ہے دلبرِ زہراؑ کے واسطے
ان مرتبوں کو کھوتوں میں دریا کے واسطے

۲۹
بھائی کے پاس آن کے بولے کہ بھائی جان!
کرتے ہو کس سے بحث کدھر ہے تمہارا دھیان
تم تو بھگا دو جمع ہو سارا اگر جہان
خالق ہمارے صبر کا کرتا ہے امتحان
اعدا کہیں گے جو وہ گوارا کریں گے ہم
دریا انھیں کا ہے تو کنارا کریں گے ہم

۳۰
عباسؑ بولے آپ یہ کرتے ہیں کیا غضب
قابو نہ دشمنوں سے تامل کا کیا سبب
اک دم میں ناری جاتے ہیں یہ لوگ سب کے سب
اعدا کو چھوڑ دینے کا موقع نہیں ہے اب
آئیں ہمارے سامنے گر کچھ دلیر ہوں
کیجے نہ اتنا رحم کہ روباہ شیر ہوں

۳۱
گردن میں ہاتھ ڈال کے بھائی کی بولے شاہ
بھائی! مری غریبی پہ اب تم کرو نگاہ
راضی رضا پہ ہوں مرا گھر گو کہ ہو تباہ
شبیرؑ ہے رسولؐ کی امت کا خیر خواہ
اپنی یہ جا رہیں گے یہ گھر چھوڑ دیں گے ہم
دریا انھی کا ہے تو کنویں کھود لیں گے ہم

۳۲
جس دم کیا امام نے پُر درد یہ کلام
قدموں پہ شہ کے گر پڑے عباسؑ نیک نام
کی عرض حکمِ شاہ سے مجبور ہے غلام
کہہ دیجے سامنے سے سرک جائے فوجِ شام
ہرچند ان کی بے ادبی سے ملال ہے
مانع ہیں جب حضور تو پھر کیا مجال ہے

۳۳
یہ بات سن کے ہٹ گئی اعدا کی سب سپاہ
دریا سے دُور اُترے شہِ عرشِ بارگاہ
خیمہ میں اہلِ بیت گئے سب بہ اشک و آہ
عباسؑ سرنگوں رہے نیچے کیے نگاہ
غصہ یہ تھا کہ ہونٹوں کو ہردم چباتے تھے
زینبؑ کے آگے شرم کے مارے نہ جاتے تھے

۳۴
خیمہ کے گرد فوج کو حضرت اُتار کر
آئے تو حالِ حضرتِ زینبؑ پہ کی نظر
دیکھا کہ رو رہی ہیں بصد غم جھکائے سر
اک آہ کی کہ سینہ میں ٹکڑے ہوا جگر
آنسو بہا کے پاس بہن کو بلا لیا
پھیلا کے دونوں ہاتھ گلے سے لگا لیا

۳۵
رو کر کہا کہ روتی ہو کس واسطے بہن!
راحت ہیں مرے واسطے یہ رنج اور محن
کیا غم ہے آ کے نہر یہ اترے جو تیغ زن
وہ دشت بھی ہے باغِ جہاں ہو مرا چمن
کوثر اُنھیں کا ہے جو ہمارے حبیب ہیں
دریا ہے دُور گو یہ خدا سے قریب ہیں

۳۶
استادگی میں نہر پہ جانوں کا تھا خطر
عباسؑ مارے جاتے مِری ٹوٹتی کمر
اکبرؑ کو اس ضعیفی میں، مَیں ڈھونڈتا کدھر
قاسمؑ نہ رہتے میرے لیے بے کٹاتے سر
چتون تمہارے بیٹوں کی پہچانتا تھا میں
مانگا تھا اذنِ جنگ پہ کیا مانتا تھا میں

۳۷
گھبرا کے شہؑ سے کہنے لگی بنتِ مرتضٰیؑ
مجھ سے تو کھل کے کہیے ارادہ ہے ان کا کیا
پھر جائیں ہم وطن کو یہ ہے ان کا مدعا
حضرت کو کیا سمجھ کے سبھوں نے بلایا تھا
کیوں پھر گئے جنھوں نے لکھے تھے طلب کے خط
موجود ہیں ابھی تو مرے پاس سب کے خط

۳۸
اب کیا ہوئے وہ لوگ، جماعت ہوئی وہ کیا
لینے بھی کوئی آپ کو آیا نہ پیشوا
فرمایا کچھ نہ پُوچھو بہن یاں کا ماجرا
سارا جہان ہم سے تو بے وجہ پھر گیا
تب تک ہے رنج فاطمہؑ کے نورِ عین پر
جب تک چُھری چلے گی نہ حلقِ حسینؑ پر

۳۹
سبطِ رسولؐ نے جو بہن سے کہی یہ بات
کاٹی تڑپ کے بنتِ علیؑ نے تمام رات
ماتھا تھا اور ستون تھا چھاتی تھی اور ہات
ہفتم محرم کے لکھتے ہیں راوی یہ واردات
کھودے کنویں بھی پانی بھی آیا فرات سے
ٹھہری دہم کو جنگ شہِ کائنات سے

۴۰ مطلع

جس دم شبِ اخیر ستارے نہاں ہوتے
آثارِ روزِ قتل فلک پر عیاں ہوتے
فارغ نماز سے جو شہِ انس و جاں ہوتے
سیدانیوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے
بانوؑ کے منہ پر طور رنڈاپے کا چھا گیا
پوشاک مانگتے ہی بہن کو غش آ گیا

۴۱

آئے قریب زینبؑ بیکس شہِ زمن
رو کر کہا کہ ہوش میں آؤ ذرا بہن
مل لو کہ تم سے ہوتا ہے رخصت یہ بے وطن
بدلے لباس لو یہ پہنا دو ہمیں کفن
اٹھو کہ ہے قریب شہادت حسینؑ کی
دنیا میں آخری ہے یہ خدمت حسینؑ کی

۴۲

آواز شاہ سنتے ہی چونکیں بچشمِ نم
رو کر بلائیں بھائی کی لیں سر سے تا قدم
کی عرض خلق میں رہے لاکھوں برس یہ دم
کیا حکم مجھ کو ہوتا ہے اے سرورِ اُمم
ڈیوڑھی پہ ذوالجناح کو آنے نہ دوں گی میں
جاں اپنی دوں گی پر تمہیں جانے نہ دوں گی میں

۴۳

بہرِ خدا بہن پہ کرو رحم یا امام
مر جاؤں گی تڑپ کے جو رخصت کا لو گے نام
حضرت سدھارے گھر سے تو زینبؑ ہوئی تمام
میں ہوں کنیز آپ کی اور بھانجے ہیں غلام
یوں عشق سب امامِ دو عالم سے رکھتے ہیں
یہ تین دم علاقہ اسی دم سے رکھتے ہیں

۴۴

بے مادر و پدر ہوں کریں آپ دل میں غور
حضرت سوا بزرگ نہیں سر پہ کوئی اور
دیکھوں نہ اپنی آنکھوں سے میں ظالموں کا دَور
مجھ سے سہے نہ جائیں گے اعدا کے ظلم و جور
مانگو بہن کے حق میں دعا تم امام ہو
مرنے سے پہلے آپ کی زینب تمام ہو

۴۵

زینبؑ نے کیں یہ درد کی باتیں جو ایک بار
روئے گلے لگا کے بہن کو بحالِ زار
فرمایا کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
ہے تم پہ حال قتل کے محضر کا آشکار
حکمِ خدا میں حجت و تکرار کیا کروں
خود مہر کر چکا ہوں اب انکار کیا کروں

۴۶

رونا ہو جتنا رو لو گلے مل کے بھائی کے
اب سہہ لو صبر و شکر سے صدمے جدائی کے
کچھ جو بُروں کے ساتھ طریقے بھلائی کے
یہ سُن کے ہوش اُڑ گئے زہراؑ کی جائی کے
تھی بے کسی جو فاطمہؑ کے نورِ عین پہ
پھر پھر کے گرد گر پڑی پائے حسینؑ پہ

۴۷

قدموں سے شہ نے رو کے اٹھایا بہن کا سر
پوشاک لائی بھائی کے آگے وہ نوحہ گر
کشتی جو بھاری کپڑوں کی دکھلائی کھول کر
گردن ہلا کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
پوشاک ان کو چاہیے یہ جو امیر ہیں
لا کر کفن پہناؤ بہن ہم فقیر ہیں

۴۸
یہ قیمتی لباس کہاں اور ہم کہاں
خنجر ہمارے حلق پہ ہووے گا آب رواں
خوں میں نہا کے خاک پہ ہوگا بدن تپاں
غارت گروں سے ہم کو نہیں ملنے کی اماں
ہوں گے نشاں سُموں کے تنِ پاش پاش پر
بھینا! رِدا بھی دھوپ میں ہوگی نہ لاش پر

۴۹
یہ حال سُن کے اور بھی پیٹے حرم تمام
زیرِ قبا کفن کو پہن کر چلے امام
بھائی بھتیجے ساتھ ہوتے باصد احترام
جُھک جُھک کے ماں پھوپھی کو ہر اک نے کیا سلام
سب کچھ وداع بی بیاں فرماتی جاتی تھیں
اور زینبؑ اپنے بیٹوں کو سمجھاتی جاتی تھیں

۵۰
ماں صدقے جائے پہلے پہل رن میں جاتے ہو
دیکھوں تو کیسی آج شجاعت دکھاتے ہو
کس شان سے سرِ پسرِ سعد لاتے ہو
کس طرح فتح کر کے لڑائی کو آتے ہو
بچپن میں تم تو سوتے ہو ماموں کے سینہ پر
اپنا لہو گرائیو ان کے پسینہ پر

۵۱
شوہر سے بولی زوجۂ عباسؑ خوش نہاد
صاحب کو اپنی ماں کی وصیت تو ہوگی یاد
دکھلائیو وہ حرب کہ زہراؑ ہو شاد شاد
آقا پہ آنچ آنے نہ دیجو دمِ جہاد
چُومیں قدم کو لوگ وہ ہاتھوں سے کام ہو
عقبےٰ میں آبرو رہے دنیا میں نام ہو

۵۲
قاسمؑ کی ماں یہ کہتی تھی قاسمؑ سے بار بار
اے مجتبیٰؑ کے لال پہ مادر تری نثار
پہلے کسی کے جانے کا کیجو نہ انتظار
ہو جائیو چچا پہ فدا وقتِ کارزار
میداں میں مر کے نامِ حسنؑ زندہ کیجیو
زہراؑ کے مُنہ سے مجھ کو نہ شرمندہ کیجیو

۵۳
ہمشکلِ مصطفیٰؐ سے یہ بانوؑ کا تھا کلام
صدقے ترے شکوہ کے اے دلبرِ امام
بیٹا وُہ ہے جو باپ کی مشکل میں آئے کام
ہونا سپر پدر کی جو کھینچے کوئی حسام
جینے کا لطف کیا ہے جو سر پہ نہ باپ ہو
سمجھاؤں آگے کیا تمھیں فہیدہ آپ ہو

۵۴
ناگاہ نکلے خیمہ سے سلطانِ بحر و بر
کی عرض پیک نے صف آرا ہیں اہلِ شر
بولے امام کثرتِ اعدا ہے کس قدر
اس نے کہا کہ لاکھ جواں جمع ہیں ادھر
نیزے علم ہیں ہاتھوں میں سب نیزہ داروں کے
وہ سامنے جمے ہیں رسالے سواروں کے

۵۵
وہ صف کماں کشوں کی ہے چلوں میں جوڑے تیر
اور پیچھے ان سبھوں کے ہیں سردارِ گوشہ گیر
دہنی کو ہیں وہ برچھیاں تانے ہوئے شریر
کہتا ہے تیغ تول کے ہر اک جوان و پیر
گر مرد ہیں تو تیغ و سپر کھولتے نہیں
بے قتلِ شاہ آج کمر کھولتے نہیں

۵۶

حضرت سے جب کہی یہ خبردار نے خبر
منہ سب کا دیکھنے لگے سلطانِ بحر و بر
تھرّائے مارے غیظ کے عباسِ نامور
آنسو بہائے ہونٹ چباتے جھکا کے سر
بولے نہ کچھ یہ غم سے عجب حال ہو گیا
کھایا یہ خُون جوش کہ منہ لال ہو گیا

۵۷

مُڑ کر سپاہِ شام کو دیکھا مثالِ شیر
شہ سے کہا کہ جنگ میں اب کس لیے ہے دیر
سب صف شکن ہیں آپ کے لشکر کے سب دلیر
ہر جنگ میں رہے ہیں زبردست ان سے زیر
معذور ہیں وہ ڈر انھیں اللہ کا نہیں
شیروں کو خوف لشکرِ روباہ کا نہیں

۵۸

مانگی سواری شاہ نے سنتے ہی یہ کلام
غل پڑ گیا کہ جانبِ میداں چلے امام
مرکب پہ جلوہ گر ہوئے جب شاہِ خاص و عام
ڈیوڑھی پہ خاک اڑانے لگیں بی بیاں تمام
حلقہ تھا گرد فوجِ ملائک مآب کا
گھوڑا تھا بیچ میں خلفِ بُوتراب کا

۵۹

دامانِ زیں کو تھامے تھا اکبرؑ سا خوش صفات
قاسمؑ تھے ذوالجناح کے پٹھے پہ رکھے ہات
بائیں طرف تو مسلمؑ و جعفرؑ کی ذرّیات
اور دستِ راست حضرتِ عباسؑ نیک ذات
سو جاں سے تھے فدا خلفِ بُوترابؑ پر
اک ہاتھ تھا عَلم پہ تو اک تھا رکاب پر

۶۰

فرماتے تھے امام کہ گھوڑے پہ ہو سوار
یہ کہتے تھے جلو میں چلے گا یہ جاں نثار
توقیر کم نہ ہو گی بڑھے گا مرا وقار
زہراؑ کی روح ساتھ تھی نالاں و بے قرار
کیونکر سوار ہو کہ ادب کا مقام ہے
آقا ہیں آپ اور یہ خادم غلام ہے

۶۱

ناگاہ آئی شیرِ الٰہی کی یہ صدا
بابا ترے نثار ہو عباسؑ مرحبا
بھائی کے ساتھ ساتھ ہے جو تو پیادہ پا
دیتی ہے ہاتھ اٹھا کے تجھے فاطمہؑ دعا
سمجھے ہو جو کہ تم پہ خدا یونہی چاہیے
اے سرگروہِ اہلِ وفا یونہی چاہیے

۶۲

پہنچا جو قتل گاہ میں ابنِ شہِ نجف
دیکھا کہ فوجِ ظلم صف آرا ہے اس طرف
کہنے لگا یہ احمدِ مختار کا خلف
عباسؑ اپنی فوج کی تم بھی جماؤ صف
لاکھوں پہ وُہ ہیں گو مرے انصار تھوڑے ہیں
چلّے میں واں تو اہلِ خطا تیر جوڑے ہیں

۶۳

یہ کہتے تھے کہ بجنے لگا رن میں طبلِ جنگ
تیغیں کھنچیں نیاموں سے چلنے لگے خدنگ
اک ایک یاں بھی بحرِ شجاعت کا تھا نہنگ
ایسے لڑے کہ اُڑ گیا فوجِ ستم کا رنگ
کیونکر نثار کرتے ملایک پکار کر
ایک ایک شیر مر گیا سَو سَو کو مار کر

۶۴
جس وقت قتل ہو گئے انصارِ بایقیں
اک اک کی لاش پر گئے روتے امامِ دیں
بعد ان کے اقربا پہ لگی چلنے تیغِ کیں
تا ظہر قتل ہو گیا اصغرؑ سا مہ جبیں
روتے تھے پاس لاشوں کے حضرت کھڑے ہوئے
تھے خاک پہ کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

۶۵
اعدا میں غل ہوا کہ اکیلے ہوئے امام
ہاں غازیوں پہ جان لڑانے کا ہے مقام
دھڑکا تھا جن کا ہم کو وہ غازی ہوئے تمام
فرزندِ فاطمہؑ کا مٹا دو جہاں سے نام
پھر کچھ بھی دغدغا نہیں میدان صاف ہے
حضرتؑ کے گھر کی لوٹ بھی تم کو معاف ہے

۶۶
سن سن کے یہ کلام مباہاتِ اہلِ شر
گھوڑا بڑھا کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اے شمر و شیث و حرملہ اے خولی و عمر
کافر ہوئے ہیں سب نہیں تم کو خدا کا ڈر
کرتے ہو گھر تباہ علیؑ و بتولؑ کا
آیا پسر نہیں میں جنابِ رسولؐ کا

۶۷
تم کو قسم خدا کی ہے اے قومِ بے حیا
سر پر مرے نہیں یہ عمامہ رسولؐ کا
یہ اسپِ خاص کس کا ہے جس پر ہوں میں چڑھا
کس کی ردائے پاک ہے کس کی ہے یہ عبا
کس شاہِ بحر و بر کی قبا میرے بر میں ہے
یہ تیغ کون سی ہے جو میری کمر میں ہے

۶۸
شیرِ خدا امیرِ عرب ہے مرا پدر
کہتے ہیں جس کو فاطمہؑ اس کا ہوں میں پسر
بیٹی تھیں جو تمہارے پیمبرؐ کی وہ مگر
کس جرم کس گنہ پر مرا کاٹتے ہو سر
حق سے ڈرو اماں مجھے اب بھی شتاب دو
کہتا ہوں میں دروغ تو اس کا جواب دو

۶۹
دادا میرا ہے روشنیِ خانۂ خدا
پایا انھیں کے فیض سے کرسی کو یہ ملا
میرے پدر نے عرش کو آراستہ کیا
بخشی مرے پدر نے مہ و مہر کو ضیا
ہموار کی زمین بسایا جہان کو
کس حسن سے بلند کیا آسمان کو

۷۰
دونوں جہاں کی ہے مجھے شاہی ستمگرو
ہے غیظ میرا قہرِ الٰہی ستمگرو
دوزخ کو ہوتے تم ابھی راہی ستمگرو
میں نے مگر یہ بات نہ چاہی ستمگرو
بے ضربِ ذوالفقار یہ لشکر ہلاک ہو
گر منہ سے اُف کروں تو ابھی جل کے خاک ہو

۷۱
آفاق میں ہمیں ہیں شہنشاہِ بحر و بر
ہم نے کیا جہاں کے درختوں کو بارور
آبِ وضو سے ہم نے کیے نخلِ خشک تر
باور نہ ہو تو آئیں گواہی کو سب شجر
ٹھہرا جہاز پانی پہ کیونکر زمین کا
ہم نے کیا پہاڑوں کو لنگر زمین کا

۷۲

ہم پر جہاں میں کون سے لشکر نے پائی فتح
عالم میں کی نہ کون سی ہم نے لڑائی فتح
ہم سے دم وغا نہیں رکھتی جدائی فتح
کھینچی کمر سے تیغ کہ مجرے کو آئی فتح
ہمت کسی سے پست ہماری نہیں ہوئی
بھاگے ہیں سب شکست ہماری نہیں ہوئی

۷۳

تلوار کی ہے غیظ میں جس فوج پر علم
واں سرکشوں کے خوف سے ٹھہرے نہیں قدم
تنہا تو ہوں پہ روحِ علیؑ کی مجھے قسم
تم بھاگ کے پھرو گے نہ پیچھے ہٹیں گے ہم
اپنے بزرگ فخرِ عرب ہوتے آئے ہیں
اشجاع ہماری قوم کے سب ہوتے آئے ہیں

۷۴

جس فوج پہ نہ لیتا تھا جانے کا کوئی نام
اس پر ہمیں کو بھیجتے تھے سیدِ انام
کانپا کیا ہے خوف سے شیروں کے روم و شام
چمکی ہماری تیغ کہ قصہ ہوا تمام
نہ سنگ سے رکی کبھی ضربت نہ کوہ سے
بیر العلم میں کود پڑے کس شکوہ سے

۷۵

شیروں نے ہم سے آنکھ ملائی نہیں کبھی
نصرت جنوں کی فوج نے پائی نہیں کبھی
دیووں کی فوج دھیان میں آئی نہیں کبھی
مرنے سے ہم نے جان چھڑائی نہیں کبھی
پیچھے نہ ہم ہٹے علم فوج گاڑ کر
خندق پہ پل کیا درِ خیبر اکھاڑ کر

۷۶

فرما کے یہ بڑھے صفِ کفار پر امام
بجلی سی فوجِ شام پہ گرنے لگی حسام
اڑنے لگے تنوں سے سرِ نجس فوجِ شام
دامانِ دشتِ کیں شفقی ہو گیا تمام
ان میں علیؑ کا لال جو گرمِ نبرد تھا
گردوں پہ رنگ نیرِ اعظم کا زرد تھا

۷۷

مغفر پہ جس لعین کی پڑی کر دیا دو نیم
احوال چار آئینہ والوں کا تھا سقیم
جوشن پہ جس کے آ گیا وہ سوئے جحیم
تھی ضرب تیغِ شاہ کی اک آفتِ عظیم
اکثر لڑا جو کرتے تھے دشمن کو ٹوک کر
دو ہو گئے وہ ایک ہی ضربت کو روک کر

۷۸

سر پر کماں کشوں کی جو آئی وہ تیغِ تیز
اڑ کر ہوا پہ تیر دنبے چلوں سے کی گریز
دم تھا جو اس کا صورتِ اژدر شرار ریز
گوشوں میں چھپ کے ایک نہ نکلا پے ستیز
کیا منہ تھا تیر مارتے جو تاک تاک کے
ترکش چھپا چھپا دیے توشے میں خاک کے

۷۹

اکثر نکل نکل کے لڑے شہ سے کینہ ور
مارے گئے کسی نے نہ پائی مگر ظفر
بپھرا ہوا جو شیرِ الٰہی کا تھا پسر
کاٹے کسی کے ہاتھ تو کاٹا کسی کا سر
موت ان ستمگروں کی کفن قطع کرتی تھی
مقراضِ تیغ جامہ تن قطع کرتی تھی

۸۰

اعدا پہ ذوالفقار کا گرنا کہوں میں کیا
شہباز اس طرح نہ کبھی صید پہ گرا
صد چاک تھے تنوں کے قفس سر سے تا بہ پا
پرواز کر کے طائرِ جاں دیتے تھے صدا
ہاں باخبر رہو کہ رہائی محال ہے
اس تیغ میں بچھا ہوا جوہر کا جال ہے

۸۱

سیلِ فنا سے ہے یہ روانی میں تیز تر
کٹ کر حباب دار ہے بحرِ خوں میں سر
کشتیِ تن کو کیوں نہ تباہی کا ہو خطر
ہے موجِ آبِ تیغ کہ دریا ہے باڑھ پر
کاٹ اس کا کم نہیں ہے سمندر کی کاٹ سے
رہیو کنارے تیغِ دو پیکر کے گھاٹ سے

۸۲

بازوئے شاہبازِ اجل ہے یہ ذوالفقار
اس کو طمانچہ موت کا کہتے ہیں ہوشیار
ہر ہاتھ میں چمک ہے کلیجے کے وار پار
دھارا ہے بحرِ قہرِ الٰہی کا اس کی دھار
بھاگو شتاب قصد اگر ہے گریز کا
قبضہ ہے ملکِ فتح پہ اس تیغِ تیز کا

۸۳

تیغِ اجل میں اور کچھ اس میں نہیں ہے فرق
سر پر پڑے یہ جس کے ہوا وہ لہو میں غرق
طوفاں جو بحر میں ہے تو صحرا میں ہے یہ برق
ہے غرب میں کبھی تو کبھی ہے میانِ فرق
جل جانے کے سوا کہیں جائے مفر نہیں
بھاگے کہاں یہ آگ کا شعلہ کدھر نہیں

۸۴

دہنے سے فاطمہؑ نے صدا دی یہ ایک بار
اے دو شبانہ روز کے پیاسے ترے نثار
تو ایک اور جان کے دشمن کئی ہزار
تھم تھم کے ظالموں سے لڑ اے میرے گلعذار
طاقت گئی تو گھوڑے پہ سنبھلا نہ جائیگا
فاقے میں یوں لڑو گے تو واری غش آئیگا

۸۵

دم چڑھ گیا ہے ماں ترے لڑنے کے صدقے جائے
ٹھہرو ذرا ابھرے ہوئے شانوں کو ماں دبائے
اس حال میں رفیق نہیں کوئی ہائے ہائے
گھوڑے کی باگ روک تو مادر قریب آئے
پگڑی کے پیچ سر پہ لپیٹے کٹے ہوئے
جھاڑے بتولؑ خاک سے گیسو اٹے ہوئے

۸۶

سن کر صدائے فاطمہ زہراؑ پکارے شاہ
اے والدہ حسینؑ کا گھر ہو گیا تباہ
کس طرح اپنی جان کا صرفہ کروں میں آہ
بے جاں پڑا ہے خاک پہ اکبرؑ سا رشکِ ماہ
مجھ کو لپیٹ لپٹ کے نہ مادر سنبھالیے
زینبؑ تڑپتی ہے اسے جا کر سنبھالیے

۸۷

یہ حال تھا کہ ٹوٹ پڑی شام کی سپاہ
ہالے میں دشمنوں کے گھرا فاطمہؑ کا ماہ
تنہا کو مارنے لگے نیزے وہ رُوسیاہ
چلنے لگی یہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
تیروں کا مینہ برسنے لگا زور و شور سے
آئی صدائے آہ محمدؐ کی گور سے

۸۸
سنتے ہی اس صدا کو فلک تھرتھرا گئے
ٹکرائے کوہ بحرِ تلاطم میں آ گئے
بادل غموں کے عرصۂ عالم میں چھا گئے
پائے ثباتِ گاوِ زمیں لڑکھڑا گئے
اک شور تھا کہ خیمۂ گردوں اکھڑ نہ جائے
دنیا کے بندوبست کا نقشہ بگڑ نہ جائے

۸۹
غل تھا یہ بیبیوں میں جو شیرِ الٰہ کی
یہ کیا غضب ہوا کہ محمدؐ نے آہ کی
فضہ یہ جا کے رن سے خبر لائی شاہ کی
کٹتی ہے بوسہ گاہ رسالت پناہ کی
چڑھتا ہے شمر تیغ لیے شہ کے سینہ پر
گرتا ہے کوہ درِ نجف کے نگینہ پر

۹۰
سنتے ہی بی بیوں میں قیامت ہوئی بپا
سر پہ سے اپنے پھینک دی اک ایک نے ردا
رو رو کے سب سے حضرتِ زینبؑ نے یہ کہا
لو صاحبو! سکینہؑ کو تھامے رہو ذرا
سر ننگے پیٹتے ہوئے میداں میں جاؤں گی
بھائی کے ساتھ میں بھی گلے کو کٹاؤں گی

۹۱
یہ بات کہہ کے آگے بڑھی خواہرِ امام
نکلیں دہائی دیتی ہوئی بی بیاں تمام
سُن کر صدائے اہلِ حرم شاہِ تشنہ کام
اک آہ کر کے شمر سے کرنے لگے کلام
حسرت نہیں ہے اور کچھ اس بھوکے پیاسے کو
مہلت دے ایک دم تو نبیؐ کے نواسے کو

۹۲
اس نے کہا کہ کیوں تو یہ بولے شہِ زمن
ملنے کو مجھ سے آتی ہے زینبؑ مری بہن
عالم میں اس کا بھائی تھا اک میں اور اک حسنؑ
چھٹتی ہے مجھ سے اب وہ اسیرِ غم و محن
زینبؑ کو ابنِ حیدرِ کرارؑ دیکھ لے
زینبؑ ہمارا آخری دیدار دیکھ لے

۹۳
شبیرؑ سے یہ کہنے لگا وہ ستم شعار
زینبؑ کے واسطے ہیں عبث آپ بیقرار
اٹھے گی اب نہ حلق سے تیغِ ستم کی دھار
ہاں بعدِ قتل اے پسرِ شاہِ نامدار
نیزے پہ سر چڑھا کے جو غارت کو جاؤں گا
زینبؑ کو پہلے آپ کی صورت دکھاؤں گا

۹۴
شہؑ نے کہا سکینہؑ بھی آتی ہے ننگے سر
یہ ہے اسی کا شور کہ ہے ہے مرے پدر
دل بیقرار ہے مری چھاتی سے جلد اتر
بیٹی کو میں گلے سے لگا لوں تو ذبح کر
اس کا ہے مجھ میں دھیان مرا اس میں دھیان ہے
میں جان ہوں سکینہؑ کی وہ میری جان ہے

۹۵
فرماتے تھے یہ شاہ کہ زینبؑ نے دی صدا
تنہا نثار اے خلف الصدقِ مرتضےٰؑ
قاتل سے کہہ دو کاٹ لے پہلے مرا گلا
پھیلا کے ننھے ہاتھ سکینہؑ نے یہ کہا
بابا! بدن سے جان مری نکلی جاتی ہے
بیٹی بھی اپنا حلق کٹانے کو آتی ہے

۹۶

سر پیٹتی تھی کہہ کے یہ بانوؑ بہ اشک و آہ
کرتے ہو ذبح کیوں مرے وارث کو بے گناہ
لوگو! بتولِؑ پاک کا گھر ہوتا ہے تباہ
کس طرح جاؤں پاس کہ لشکر ہے سدِ راہ
پھیرو نہ تیغ حلق پہ اس تشنہ کام کے
ہم سب کے سر اتار لو بدلے امام کے

۹۷

زینبؑ پچھاڑیں کھاتی تھی کہہ کہہ کے ہائے ہائے
بھیّا! بہن تمہاری غریبی کسے دکھائے
جا کر بلائیں کون لے اور کون صدقے جائے
اعدا کا حکم ہے کہ بہن بھائی تک نہ آئے
مظلوم تم سا خلق میں کوئی بشر نہیں
مرنے کے وقت ماں نہیں سر پر پدر نہیں

۹۸

آئی صدائے فاطمہؑ اے زینبِؑ حزیں!
زہراؑ تو دیر سے ترے بھائی کے ہے قریں
ہے ہے چڑھا ہے سینہ پہ مظلوم کے لعیں
زانو پہ میرے سر ہے گلا زیرِ تیغِ کیں
بیٹی! سمجھیو دُور نہ مجھ دل فگار کو
ہاتھوں سے اپنے روکے ہوں خنجر کی دھار کو

۹۹

یہ کہتی تھیں کہ خنجرِ بیداد چل گیا
چلّا کے فاطمہؑ نے یہ زینبؑ کو دی صدا
میداں سے جلد لے کے سکینہؑ کو گھر میں جا
بے جرم کٹ گیا ترے ماں جائے کا گلا
مارا بظلم شمر نے پیاسے کو جان سے
میں لٹ گئی حسینؑ سدھارے جہان سے

★ مرثیہ ۱۸

تھے حسن میں یوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ

۱

تھے حُسن میں یوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ
مشہور تھے، ہمشکلِ پیمبرؐ علی اکبرؑ
شوکت میں تھے ہم مرتبۂ حیدرؑ علی اکبرؑ
اور خلق میں تھے ثانیِ شبّرؑ علی اکبرؑ
اس طرح کا خوش رو کوئی عالم میں کہاں تھا
وہ جانِ حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ جہاں تھا

۲

ہے صانعِ قدرت نے عجب شکل بنائی
حیرت میں جسے دیکھ کے تھی ساری خدائی
جو حسن کی دولت مہِ کنعاں نے نہ پائی
سو یوسفِ شبیرؑ کے حصّہ میں وہ آئی
تھی جلوہ گری حسنِ رسولِؐ دوسرا کی
چہرا تھا کہ تصویر تھی اک نورِ خدا کی

۳

مہرِ فلکِ حُسن تھا وہ گیسوؤں والا
تھا سروِ گلستاں سے دوبالا قد بالا
شمعِ رخ روشن تھی اندھیرے کا اجالا
گیسو تھے کہ گرد آگیا تھا ماہ کے ہالا
صدقے کروں لطفِ نظر و طرزِ سخن پر
نرگس کو جو آنکھوں پہ تو غنچہ کو دہن پر

۴

تھی جسمِ محمدؐ کی تنِ پاک میں خوشبو
ویسی ہی جبیں چاند سی اور ویسے ہی ابرو
آنکھیں بھی بعینہٖ وہی لمبے وہی گیسو
گوری وہی گردن وہی الماس سے بازو
آفاق میں وہ ثانیِ سلطانِ عرب تھا
اک مہرِ نبوت ہی نہ تھی اور تو سب تھا

۵

مژگاں تھی قلم نون تھی وہ ابروئے خمدار
تھا ترجمہ سورۂ نون والقلم اظہار
وہ نرگسی آنکھیں کہ فدا ہوں اولی الابصار
دیکھے سے شفا پائے جنھیں مردم بیمار
گردش کبھی اس چشم کی آنکھوں میں جو پھر جائے
خوش چشمیِ آہوئے ختن آنکھوں سے گر جائے

۶

رشکِ گلِ خورشید ہے رخسارۂ گلگوں
دیکھے وہ لبِ سُرخ تو ہو لعل کا دل خوں
دنداں وہ قرباں ہوں جن پر درِ مکنوں
شمشاد کو پامال کرے قامتِ موزوں
یوسفؑ سے بھی حسن اس کا دوبالا نظر آیا
تاریکی میں بیٹھا تو اجالا نظر آیا

۷

ابرو دو ہلالِ فلکِ حشمت و اعزاز
مژگانِ کج و تیر و سیہ ناخنِ شہباز[1]
صدقے گلِ بادام ہو آنکھوں کا وہ انداز
مُردے کو جلائے لبِ جاں بخش کا اعجاز
ظاہر تھا یہ سلکِ دُرِ دنداں کی چمک سے
اک برق گری شہرِ بدخشاں میں فلک سے

لہ مطبع جعفری ص ۱۷، بند ۱۸

۸
گردن کو بھی بخشا تھا عجب نور خدا نے
مہتاب کو شرمندہ کیا جس کی صفا نے
ہمدوش تھے شانوں سے محمدؐ کے وُہ شانے
کیا دستِ قوی پائے تھے اس ماہ لقا نے
صاف ایسا کوئی سینۂ بے کینہ نہ دیکھا
دیکھا اُسے جس نے کبھی آئینہ نہ دیکھا

۹
اس سینۂ انور کی زہے آب زہے تاب
تھا حسن لطافت سے شکم چشمۂ مہتاب
سو اس میں کٹی روزے سے پیاہی نہ تھا آب
بے آبی یہ تھی پر چمنِ حُسن تھا شاداب
فاقوں سے شکم پشت سے ہرگز نہ لگا تھا
تھا کھانے سے خالی پہ قناعت سے بھرا تھا

۱۰
کیا حال ثباتِ قدمِ پاک بیاں ہو
کاغذ پہ جو لکھوں تو سیاہی نہ رواں ہو
قدموں کا زمیں پر کسی جاگہ جو نشاں ہو
مٹتا نہیں گر زیرو زبر کون و مکاں ہو
پیچھے نہ ہٹے اُس کے قدم راہ رضا سے
ثابت قدمی ملتی تھی آنکھیں کفِ پا سے

۱۱
دادا شہِ خیبر شکن و اشرفِ آدمؑ
دادی شرفِ آسیہ و ثانیِ مریمؑ
ماں بانوئے آفاق پھوپھی زینبؑ پُر غم
باپ ایسا جسے آج تلک روتا ہے عالم
ذی رتبہ کوئی خلق میں ہوتا ہے کب ایسا
شان ایسی رُخ ایسا حسب ایسا نسب ایسا

۱۲
جس طرح محمدؐ کو تھی شبیرؑ سے اُلفت
شبیرؑ کو تھی ویسی ہی اکبرؑ کی محبت
بانوؑ سے خوشی ہو کے یہ فرماتے تھے حضرت
ہے یہ تو سراپا مرے نانا ہی کی صورت
جنت سے شفیعِ امم آئے مرے گھر میں
محبوبِ خدا کے قدم آئے مرے گھر میں

۱۳
شبیرؑ کی عاشق تھی زبس زینبؑ مضطر
بیٹوں سے زیادہ تھی اُسے اُلفتِ اکبرؑ
آنکھوں سے نہ اکبرؑ کو جُدا کرتی تھی دم بھر
اکبرؑ بھی کہا کرتے تھے زینبؑ ہی کو مادر
وہ کہتی تھی حضرت سے یہ دلبند ہے میرا
سب بیٹے تمہارے ہیں یہ فرزند ہے میرا

۱۴
بانوؑ کا بھی تھا الفتِ اکبرؑ میں یہ عالم
مکھڑے کی بلائیں ہی لیا کرتی تھی ہر دم
ویرانے میں باہر سے جو ہوتی تو وہ پُر غم
دروازے تلک جاتی تھی اور آتی تھی پیہم
کیوں ہوتی نہ اُس گیسوؤں والے کی محبت
ہوتی ہے بڑی گود کے پالے کی محبت

۱۵
حضرت سے یہ ہنس ہنس کے کہا کرتی تھی اکثر
سب حسرتیں نکلیں مری یا سبطِ پیمبرؐ
بیٹا علی اکبرؑ سا ملا آپ سا شوہر
ارمان مگر ایک ہے باقی مرے سرور
دیکھا تو جوان نام خدا نورِ نظر کو
دُولہا میں بنا دیکھ لوں حضرت کے پسر کو

۱۶

کچھ زیست کا دنیا میں بھروسا نہیں یا شاہ
ٹھہرائیے جلدی مِرے اکبرؑ کا کہیں بیاہ
دُولھا جو بنے گا یہ مِرا چودھویں کا ماہ
دل میں کوئی ارمان نہیں رہنے کا واللہ
آنے سے بہو کے مرا دل شاد رہے گا
مرجاؤں گی تو گھر مرا آباد رہے گا

۱۷

سُن کر یہ بیاں بانوؑ کا رو دیتے تھے شبیرؑ
فرماتے تھے وہ ہو گا جو ہے مرضیِ تقدیر
گھبرا کے یہ تب شاہ سے کہتی تھی وہ دلگیر
صدقے گئی کچھ مجھ پہ یہ کھلتی نہیں تقریر
اس ذکر پہ آنسو کوئی بھر لاتا ہے صاحب
کیوں روتے ہو وسواس مجھے آتا ہے صاحب

۱۸

تم واقفِ اسرار ہو اے سیدِ والا
یہ تو کہو کیا ہے مِری تقدیر کا لکھا
قسمت مجھے اکبرؑ کا نہ دکھلائے گی سہرا
مرجاؤں گی تب بیاہ مِرے لال کا ہو گا
جلدی کہو اب حال مرا غیر ہے صاحب
لونڈی کے جواں بیٹے کی تو خیر ہے صاحب

۱۹

تب اس کی تسلی کو یہ کہتے شہِ خوشخوُ
بانوؑ مِرے اس رونے کا وسواس نہ کر تُو
پروان چڑھے گا تیرے آگے ترا مہ رُو
افراطِ خوشی میں بھی نکل آتے ہیں آنسو
منظور ہمیں بیاہ کی تیاری ہے بانوؑ
اٹھارھواں سال ان پہ بہت بھاری ہے بانوؑ

۲۰

گھبرا کے وہ کہتی تھی تصدق کہو کیا دوں
کم ہے اگر اس لال پہ گھر بار لٹا دوں
کام آئے اگر ان کے تو جان اپنی گنوا دوں
یہ سال جو بھاری ہو تو ٹل اس کو ہٹا دوں
دل میرا دھڑکتا ہے خدا جانے کہ کیا ہو
صدقے مجھے کر ڈالو کہ رد ان کی بلا ہو

۲۱

جس باپ کا ایسا پسرِ ماہ لقا ہو
ماں کیوں نہ تصدق ہو پدر کیوں نہ فدا ہو
جو گھر کا اجالا ہو اور آنکھوں کی ضیا ہو
ہے سخت الم گر وہ کلیجہ سے جدا ہو
اس درد کو پُوچھے شہِ بیکس کے جگر سے
اکبرؑ سا پسر چھٹتا ہے زہراؑ کے پسر سے

۲۲

اٹھارہ برس کا ہے پسر قوتِ بازو
شیریں لب و مہ طلعت و خوش قامت و خوشخو
بابا کا یہ عالم ہے کہ دل پہ نہیں قابُو
صابر ہیں پہ آنکھوں میں بھرے آتے ہیں آنسو
لالے علی اکبرؑ کی جوانی کو پڑے ہیں
رخ زرد ہے ہاتھوں سے جگر پکڑے کھڑے ہیں

۲۳

دل سینے میں بیتاب ہے تھراتے ہیں اعضا
اور صورتِ سیماب تڑپتا ہے کلیجا
فرماتے ہیں اے خالقِ اکبر میں کروں کیا
میں نے تو کبھی داغ پسر کا نہیں دیکھا
فرزند کی فرقت کا نہ صدمہ ہو کسی پر
یہ تازہ مصیبت ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

۲۴

تو نے ہی عطا کی ہے مجھے الفتِ اکبرؑ
اب اس کی محبت کے عوض صبر عطا کر
اٹھارہ برس میں کبھی بچھڑا نہیں دم بھر
اب مجھ سے جدا ہوتی ہے تصویرِ پیمبرؐ
تجھ پہ تو ہے روشن مجھے جس طرح کا غم ہے
نانا کی بھی فرقت ہے پسر کا بھی الم ہے

۲۵

اے کاش نہ دی ہوتی مجھے اس کی محبت
مرنا تھا تو بچپن میں ہی کر جاتا یہ رحلت
اب تک تو مجھے یاد ہی رہتی نہ یہ صورت
اٹھارہ برس بعد بچھڑنا ہے قیامت
جب پال چکا میں انھیں چھاتی پہ لٹا کر
تب موت لیے جاتی ہے بابا سے چھڑا کر

۲۶

اب ہاتھ ذرا دل پہ رکھیں صاحبِ اولاد
انصاف سے حضرت کی مصیبت کو کریں یاد
دولت پسرِ فاطمہؑ کی ہوتی ہے برباد
حضرت کو تو ہے ضبط پہ دل کرتا ہے فریاد
ہے یُوں جگرِ حضرتِ شبیرؑ تڑپتا
جس طرح ہے بسمل تہِ شمشیر تڑپتا

۲۷

فرماتے ہیں اے دل! غمِ اولاد اٹھا لے
اکبرؑ کو اب خالقِ اکبر کے حوالے
دل کہتا ہے یا شاہ! مِرے زخم ہیں آلے
یہ دُکھ کسی دشمن پہ بھی اللہ نہ ڈالے
اکبرؑ کی جُدائی میں تو اندیشۂ جاں ہے
اس آگ میں جلنے کی مجھے تاب کہاں ہے

۲۸

فرزند کا ہو بیاہ یہ ہے باپ کو ارماں
ہے ماں کو تمنا میرا بیٹا چڑھے پروان
یہاں کوچ کی طیاری ہے اور موت کا ساماں
چُپ ہیں شہِ مظلوم پہ قالب ہیں نہیں جاں
نہ بیاہ ہوا ہے نہ ابھی پھُولے پھلے ہیں
ارمان بھرے مرنے کو میداں میں چلے ہیں

۲۹

حضرت کا یہ نقشہ ہے پسر کہتا ہے ہر دم
اب اذنِ وغا دیجئے اے قبلۂ عالم
فرماتے ہیں شبیرؑ یہ با دیدۂ پُر نم
کیا مانگتے ہو دُور کھڑے دیں تمہیں کیا ہم
پاس آؤ کہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا
کیا کہتے ہو کچھ ہم کو سنائی نہیں دیتا

۳۰

ہتھیاروں کی خواہش ہو تو موجود ہیں تیار
گھوڑا جو پسند آیا ہو حاضر ہے وہ رہوار
ملبوس کے طالب ہو تو پوشاک ہے تیار
پیاسے ہو تو اس امر میں شبیرؑ ہے ناچار
جو میرا ہے وہ اے علی اکبرؑ ہے تمہارا
بابا تو مسافر ہے یہ سب گھر ہے تمہارا

۳۱

اکبرؑ نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو بہ منت
سب کچھ ہے میسّر مجھے حضرت کی بدولت
واللہ کسی چیز کی دل میں نہیں حسرت
ہے بس یہ تمنا کہ ملے مرنے کی رخصت
لڑنے کو صف آرا ہیں لعیں فوجِ ستم میں
اب صبر کریں آپ جواں بیٹے کے غم میں

۳۲

روکر کہا شہؑ نے کہ یہ کیا کہتے ہو دلبر
دم مارا نہ جب مر گئے سب خویش و برادر
ناچار ہے الفت سے تری سبطِ پیمبرؐ
کس طرح تجھے صبر کروں اے علی اکبرؑ
کچھ تم کو مرے دل کی خبر آہ نہیں ہے
تو الفتِ اولاد سے آگاہ نہیں ہے

۳۳

بتلاؤ تو کس طرح کہوں مرنے کو جاؤ
میں آنکھوں سے دیکھا کروں تم برچھیاں کھاؤ
اے لال! رضا مرنے کی مادر سے تو لاؤ
زینبؑ کو تو راضی کرو آنسو نہ بہاؤ
پوچھا بھی ہے دونوں سے جو مرنے کو چلے ہو
رخصت تمھیں دے کون کہ نازوں کے پلے ہو

۳۴

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے قبلۂ عالم
شرم آتی ہے ماں پاس تو جانے کے نہیں ہم
حضرت ہی رضا چل کے دلادیں ہمیں اس دم
میں جاؤں تو رو دیں گی مجھے مادرِ پُرغم
رخصت پہ تو راضی نہ کبھی ہوئیں گی اماں
کیا کہہ کے میں سمجھاؤں گا جب روئیں گی اماں

۳۵

شہؑ نے کہا ماں روئیں گی اس کا تمھیں ڈر ہے
اور دل کی ہماری نہیں کچھ آہ خبر ہے
گر ماں کا ہے دل تو تو ہمارا بھی جگر ہے
کیا میری تباہی تمہیں منظورِ نظر ہے
جو چاہو کہو جائے شکایت نہیں بیٹا!
ہاں ماں کے برابر ہمیں الفت نہیں بیٹا!

۳۶

فرما کے یہ فرزند سے رونے لگے شبیرؑ
فضہ سے لگی پوچھنے تب بانوئے دلگیر
کیا باپ میں اور بیٹے میں ہوتی ہے یہ تقریر
وہ بولی کہ بے آس تمہیں کرتی ہے تقدیر
اکبرؑ سا پسر باپ سے چھٹتا ہے غضب ہے
بی بی! ترے فرزند کو رخصت کی طلب ہے

۳۷

یہ سنتے ہی رنگ اڑ گیا تھرانے لگا دل
کہنے لگی پھر کیا انھیں رخصت ہوئی حاصل
فضہ نے کہا ہیں متردد شہِ عادل
روکیں تو ہے مشکل جو نہ روکیں تو ہے مشکل
پر ہے یہی ظاہر کہ جدا ہوتے ہیں شبیرؑ
فرزند سے مل مل کے گلے روتے ہیں شبیرؑ

۳۸

بانوؑ نے کہا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
اس پالنے والی کا بھی کچھ ذکر ہوا تھا
اس نے کہا کہتا تھا پسر شہؑ سے تمہارا
ماں سے بھی رضا رَن کی دلا دو ہمیں بابا!
شہؑ کہتے تھے اس غم میں اسے صبر خدا دے
مشکل ہے کہ ماں بیٹے کو مرنے کی رضا دے

۳۹

یہ سنتے ہی اصغرؑ کو لٹا جھولے میں اک بار
فضہ کو بٹھا پاس اٹھی وہ جگر افگار
حضرت سے کہا آن کے یا سیدِ ابرار
لونڈی سے تو اس رونے کا باعث کرو اظہار
فرزند سے کیا حرف و حکایات ہے صاحب
میں بھی تو سنوں کونسی وہ بات ہے صاحب

۴۰

تم روتے ہو آنکھیں ہیں مرے لال کی بھی لال
قربان گئی آنکھوں سے سرکاؤ تو رومال
شہؑ نے کہا کچھ کہنے کے قابل نہیں احوال
اب پھولا پھلا باغ مرا ہوتا ہے پامال
روکے سے ہمارے تو نہیں رُکتے ہیں اکبرؑ
تم ماں ہو تمہیں پُوچھو یہ کیا کہتے ہیں اکبرؑ

۴۱

اکبرؑ سے کہا بانوؑ نے باگریہ و زاری
اس رنج میں رلواتے ہو تم باپ کو واری
قایم رکھے دنیا میں تمھیں ایزدِ باری
اے لال! کرو رحم ضعیفی پہ ہماری
ساتھ ان کا نہ چھوڑو کہ خدا جانیے کیا ہو
تم نامِ خدا باپ کی پیری کے عصا ہو

۴۲

بابا نے اسی دن کے لیے ہے تمھیں پالا
اندھیر ہے پھر جب نہ ہو آنکھوں کا اُجالا
تقدیر نے آج ان پہ بُرا وقت ہے ڈالا
جب تم نہ ہو کون ان کا ہے پھر روکنے والا
حضرت کو نہ داغ اپنا دکھاؤ علی اکبرؑ
مادر کو رنڈاپے سے بچاؤ علی اکبرؑ

۴۳

جیتے رہیں تم بن یہ مری جان نہ جانو
تکرار مناسب نہیں جو کہتی ہیں مانو
اس چاند سی تصویر کے صدقے گئی بانو
جس بات پہ شہ رکتے ہیں یہ جی میں نہ ٹھانو
آگے ہی شکستہ دل نالاں و حزیں ہیں
عباسؑ کی دُوری سے ہلاکت کے قریں ہیں

۴۴

غم دیدہ جو ہو اس کو رلاتے نہیں واری
دل دردرسیدہ کا دکھاتے نہیں واری
مظلوم کو بیکس کو کڑھاتے نہیں واری
تنہا کو کبھی چھوڑ کے جاتے نہیں واری
کام آتے ہیں غیر اس کے برادر نہ ہو جس کا
رحم اس پہ ہے لازم کوئی یاور نہ ہو جس کا

۴۵

تم نامِ خدا باپ کے بازو ہو مری جان
وہ دل سے فدا تم پہ ہیں تم ان پہ ہو قربان
گو کچھ تمھیں اس پالنے والی کا نہیں دھیان
پر باپ کے عاشق ہو تم اے اکبرِ ذیشان
ساتھ ایسا زمانے میں میسر نہیں آتا
تم ان سے جدا ہو مجھے باور نہیں آتا

۴۶

ان باتوں سے ماں کی علی اکبرؑ ہوئے محجوب
جوں گل عرق شرم میں اک بار گئے ڈوب
گھبرا کے یہ بانوؑ نے کہا اے مرے محبوب
کیا شرم ہے صدقے گئی کیا ہے تمھیں مطلوب
اشکوں سے رُخ پاک کو دھونے لگے اکبرؑ
رخصت تو نہ مانگی گئی رونے لگے اکبرؑ

۴۷

فرزند کو مادر نے جو روتے ہوئے دیکھا
اک چوٹ لگی دل پہ ہوا ٹکڑے کلیجا
لے لے کے بلائیں کہا ماں صدقے ہو بیٹا!
کیوں روتے ہو اس پالنے والی نے کیا کیا
قسمت میں جو لکھی ہے مصیبت میں سہوں گی
تقصیر ہوئی مجھ سے میں اب کچھ نہ کہوں گی

۴۸

جو چاہو کرو شوق سے مختار ہو واری
دل کڑھتا ہے آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
ناچار ہوں اے لال! محبت سے تمہاری
رونے کی مرے جا ہے تو تم کرتے ہو زاری
لازم نہیں غمگیں ابھی ہونا علی اکبرؑ
مرجاؤں گی تب لاش پہ رونا علی اکبرؑ

۴۹

فرمانے لگے بانوؑ سے تب حضرتِ شبیرؑ
کچھ شرم سے کر سکتے نہیں تجھ سے یہ تقریر
میں روکتا ہوں پر نہیں رکتے کسی تدبیر
مرنے کی رضا مانگتے ہیں اکبرِ دلگیر
تم کو انھیں نوشاہ بنانے کی ہوس ہے
میداں میں انھیں برچھیاں کھانے کی ہوس ہے

۵۰

منت کبھی کرتے ہیں کبھی کرتے ہیں زاری
اب ان کو محبت ہے تمھاری نہ ہماری
ہم نے تو کیا صبر جو کچھ مرضیِ باری
تم بھی انھیں دو اِذن کہ منگوائیں سواری
اُمت پہ نبیؐ کی انھیں قربان کرو بانو!
فرزندِ ید اللہ پہ احساں کرو بانو!

۵۱

یہ سنتے ہی فق ہو گئی بانوؑ تے دل افگار
دل ہل گیا برچھی سی کلیجے کے ہوئی پار
پاسِ ادبِ شہؑ سے نہ کچھ کر سکی گفتار
تھمنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر بدلِ زار
ماں ہوں مجھے سو طرح کی یا شاہ ہوس ہے
کرتے ہیں یہ بے آس تو پھر کیا مرا بس ہے

۵۲

ہر چند یہ ظاہر ہے کہ میں ہوتی ہوں برباد
کھوتا نہیں ہاتھوں سے کوئی دولتِ اولادؑ[1]
پھٹتا ہے جگر سینہ میں دل کرتا ہے فریاد
پر بولنے کی جا نہیں جو آپ کا ارشاد
سر کو رہِ معبود میں واریں علی اکبرؑ
اللہ نگہبان سدھاریں علی اکبرؑ

۵۳

جس دم یہ کہا بانوؑ نے با صد غم و حسرت
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا یہ فرزند سے پھر تھام کے رقت
تسلیم کرو مرنے کی دی ماں نے اجازت
روتی تھی جو رومال دھرے دیدۂ نم پر
ہمشکلِ نبیؐ گر پڑے مادر کے قدم پر

۵۴

بانوؑ نے کہا رو کے یہ کیا کرتے ہو پیارے
قربان ہو ماں پاؤں پہ گرنے کے تمھارے
کس طرح سے اس سر پہ یہ ماں جان کو وارے
رحم آیا تمھیں سمجھے مرے درد کو بارے
چلتے ہوئے کیا پاؤں پہ گرنے کا سبب ہے
رخصت تو ملی اب کہو کس شے کی طلب ہے

۵۵

اکبرؑ نے کہا آپ نے سب کچھ کیا امداد
کیا بندہ نوازی ہے کہ رخصت سے کیا شاد
جیتے رہیں بابا رہے گھر آپ کا آباد
کچھ دل کی تمنا کہوں گر کیجئے ارشاد
بے عرض کیے دل بھی سنبھلتا نہیں اماں
لیکن وہ سخن منہ سے نکلتا نہیں اماں

---

[1] مطبع جعفری بند ۱۵ ص ۵،

۵۶
گھبرا کے لگی پوچھنے بانوؑئے دل افگار
وہ کونسی شے ایسی ہے جس کے ہو طلب گار
قربان گئی تم پہ فدا ہے میرا گھر بار
سب کچھ تھا مقدر نے مگر کر دیا ناچار
بیکس ہوں گرفتارِ ستم آج ہوں بیٹا!
تم پیاسے ہو میں پانی کو محتاج ہوں بیٹا!

۵۷
رو کر کہا اکبرؑ نے کہ پانی نہیں منظور
قسمت میں نہ ہو پانی تو ہیں آپ بھی مجبور
پیمانہ مری عمر کا اب ہو چکا معمور
نزدیک ہے مجھ چشمۂ کوثر بھی نہیں دور
مرنے کو چلے ہیں نہ رکھو آس ہماری
دُودھ اب ہمیں بخشو کہ بجھے پیاس ہماری

۵۸
جوں نام سنا دودھ کا دل ہو گیا مضطر
چلاتی یہ ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر
بسمل کیا تم نے مجھے ہے ہے علی اکبرؑ
فرصت نہ تڑپنے کی ملی مر چکی مادر
پانی کو ترستے ہوئے جاتے ہو جہاں سے
حق دُودھ کا ماں نے تمھیں بخشا دل و جاں سے

۵۹
یہ کہتے ہی غش ہو گئی بانوئے دل افگار
کہرام مچا بی بیوں میں رونے کا اک بار
روتا ہوا خیمہ سے چلا شاہ کا دلدار
دل تھامے ہوئے پیچھے چلے سیّدِ ابرار
جب روتے ہوئے ماں کے گئے پاس سے اکبرؑ
خیمہ کی طرف تکتے تھے کس یاس سے اکبرؑ

۶۰
صف باندھے نظر آئی جو فوجِ ستم آرا
شہؑ سے کہا پھر جائیے خیمہ کو خدا را
کچھ کہہ نہ سکا احمدِ مختار کا پیارا
مرنے کو پسر سامنے آنکھوں کے سدھارا
گو ہاتھ دھرے تھے دلِ غمناک پہ شبیرؑ
یہ درد اٹھا بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ

۶۱
شہؑ روتے رہے بانوؑ بھی کرتی رہی زاری
میدان میں پہنچی علی اکبرؑ کی سواری
مقتل کی زمیں حسنؑ سے روشن ہوئی ساری
اک نور جو چمکا متحیر ہوئے ناری
ثابت ہوا سب کو رُخِ روشن کی چمک سے
خورشید زمیں پر اُتر آیا ہے فلک سے

۶۲
بولا کوئی کہیے مَلک اس کو تو بجا ہے
پیشانی ہے یا آئینۂ نورِ خدا ہے
گر ماہ کہیں ماہ کو یاں مرتبہ کیا ہے
میدان میں اِک قدرتِ حق جلوہ نما ہے
یہ گیسو و رخ دیکھ کے حیرت ہے نظر کو
دو راتوں نے کس حسن سے گھیرا ہے قمر کو

۶۳
وہ چاند سا چہرا وہ شبابِ علی اکبرؑ
تصویرِ محمدؐ تھے جنابِ علی اکبرؑ
تھامے ہوئے تھی فتح رکابِ علی اکبرؑ
پے کرتا تھا بجلی کو عقابِ علی اکبرؑ
سیماب کی صورت نہ قرار اس کو کہیں تھا
کرتے تھے اشارا جدھر اکبرؑ یہ وہیں تھا

۶۴

راکب اُسے گر غرب سے دوڑائے سوئے مشرق
کچھ آنے کا اور جانے کا معلوم ہو نہ فرق
جاوے جو تری میں تو نہ پانی میں ہوں سُم غرق
دریا پہ جو ہے موج تو بالائے ہوا برق
گرمی میں جو صرصر ہے تو نرمی میں صبا ہے
پھر دیکھو تو گھوڑا ہے نہ بجلی نہ ہوا ہے

۶۵

غازی نے رجز پڑھ کے جو نیزے کو سنبھالا
دہشت سے ہوا لشکرِ اعدا تہ و بالا
کاٹی سی بھپٹی گھوڑے کو جس غول میں ڈالا
تازی سے گرا خاک پہ مارا جسے بھالا
وہ سینے تلک پہنچے کہ بس جان ہوا تھی
نیزے کی سناں بھی سرِ انگشت قضا تھی

۶۶

تلوار جو کھینچی تو گرا لاشے پہ لاشا
نیزوں کو قلم کر دیا تیروں کو تراشا
تھا خاک پہ کشتوں کے تڑپنے کا تماشا
غل تھا کہ ہم ان سے نہیں بر آئیں گے حاشا
اس شیر میں بھی زور ہے خالق کے ولی کا
جانوں کو بچاؤ کہ یہ پوتا ہے علیؑ کا

۶۷

تنہا سے، ہزاروں کو نہ تھا جنگ کا یارا
جو منہ پہ چڑھا تیغ سے سر اس کا اتارا
حاجت تھی نہ تلوار لگانے کی دوبارا
پانی بھی نہ مانگا جسے اس پیاسے نے مارا
آہن میں نہاں سامنے جو دشمنِ دیں تھا
سر اس کا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

۶۸

افتادہ تھے ہر سُو سرِ بے تن تنِ بے سر
اک برق گری جس پہ پڑی ضربتِ اکبرؑ
گر کوئی زرہ پوش مقابل ہوا آکر
اک ضرب میں دو حصہ نظر آیا برابر
دو کرتی تھی پھرتی سے عجب وار کیا تھا
گرتے ہُوئے ٹکڑوں کے تئیں چار کیا تھا

۶۹

کیا ہاتھ تھا کیا ضرب تھی کیا تیغ تھی کیا دل
تھا ایک جواں لاکھ جوانوں کے مقابل
حربے علی اکبرؑ پہ ادھر کرتے تھے قاتل
شبیرؑ تڑپتے تھے ادھر صورتِ بسمل
بیتابی تھی بہنوں کو پھوپھی غش میں پڑی تھی
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے ڈیوڑھی پہ کھڑی تھی

۷۰

چلاتی تھی مجھ سے تو کہو یا شہِ ابرار
کیا گھر گیا جلادوں میں ہے ہے مرا دلدار
کانوں میں چلی آتی ہے تلواروں کی جھنکار
بچہ میرا تنہا ہے ہزاروں ہیں ستمگار
بے حکم قدم گھر سے نکالا نہیں جاتا
اب مجھ سے کلیجہ کو سنبھالا نہیں جاتا

۷۱

گر کہیے تو فضہ کی ردا اوڑھ کے جاؤں
بیٹے کے عوض چھاتی پہ میں برچھیاں کھاؤں
خود زخمی ہوں تلواروں سے اکبرؑ کو بچاؤں
اک بار پھر اس لال کو چھاتی سے لگاؤں
سمجھے گا بھو کوئی نہ زہراؑ و علیؑ کی
کہہ دوں گی میں لونڈی ہوں ہم شکل نبیؐ کی

۷۲

یہ سن کے کہا چاہتے تھے بانوؑ سے یہ سرور
جیتا ہے پسر گھر سے نہ نکلو ابھی باہر
اتنے میں ہوا شور پکارے یہ ستمگر
لو فتح مبارک ہو کہ مارے گئے اکبرؑ
اٹھارھویں سال ان کو پیامِ اجل آیا
برچھی لگی ایسی کہ کلیجہ نکل آیا

۷۳

گوشِ شہِ مظلوم میں پہنچی جو یہ آواز
معلوم ہوا طائرِ جاں کر گیا پرواز
دل کا ہوا یہ حال جو بسمل کا ہو انداز
اٹھ اٹھ کے کئی بار چلے شاہ سرفراز
گھبرا کے چلے گاہ اِدھر گاہ اُدھر کو
دکھلائی نہ دیتا تھا شہِ جن و بشر کو

۷۴

بیتابی میں دل سے جو قدم جلد اٹھاتے
خیمہ کی طرف ٹھوکریں کھاتے ہوئے آتے
چلّاتے کہ لاشا کوئی اکبرؑ کا دکھاتے
مظلوم پدر بیٹے کو چھاتی سے لگاتے
دُوں گا مَیں دُعا پیاسے کو پیاسے سے ملا دو
اکبرؑ کو محمدؐ کے نواسے سے ملا دو

۷۵

ہو صاحبِ اولاد تو پہچانو مرا حال
اے ظالمو! اٹھارہ برس کا ہے مرا لال
قاسمؑ کی طرح لاش بھی کیا ہو گئی پامال
چھاتی پہ لگے تیر کہ نیزوں کے لگے بھال
کیا ہے کہ نہ بابا کو پکارے علی اکبرؑ
جیتے ہیں کہ دنیا سے سدھارے علی اکبرؑ

۷۶

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے شاہ زمیں پر
ہاتھوں سے لگے ڈھونڈھنے لاشِ علی اکبرؑ
چلّائی درِ خیمہ سے تب بانوئے مضطر
کیا کھویا کسے ڈھونڈھتے ہو اے مرے سرور
اکبرؑ کا پتا کوئی بتاتا نہیں تم کو
آنکھوں سے بھی ہے ہے نظر آتا نہیں تم کو

۷۷

فرماؤ تو میں خیمہ سے باہر نکل آؤں
تھامے ہوئے حضرت کو بستر تک لیے جاؤں
چلّا کے میں رن سے علی اکبرؑ کو بلاؤں
حال آپ کا ہم شکلِ پیمبرؐ کو سناؤں
بیتاب ہوا ایسے جو دھرے ہاتھ جگر پر
کیا برچھیاں چلتی ہیں مرے نورِ نظر پر

۷۸

پھر کر کدھر آتے ہو یہ میداں کی نہیں راہ
یہ خیمہ تو حضرت ہی کا ہے اے شہِ ذی جاہ
پہچان کے بانو کی صدا کہنے لگے شاہ
اس وقت جہاں آنکھوں میں اندھیر ہے واللہ
آیا ہوں کدھر کچھ مجھے معلوم نہیں ہے
میداں ہے کہ خیمہ ہے فلک ہے کہ زمیں ہے

۷۹

بانو ترے بیٹے کے الم نے مجھے مارا
بیتاب ہوں اب صبر کا مطلق نہیں یارا
پوشیدہ ہے جو نظروں سے وہ آنکھوں کا تارا
رستہ نہ رہا یاد یہ ہے رنگ ہمارا
اُمت کے لیے ہاتھ سے دلبر کو بھی کھویا
بینائی بھی کھوئی علی اکبرؑ کو بھی کھویا

۸۰
یہ کہہ کے چلے رن میں عجب حال سے شبیرؑ
اک ہاتھ کلیجے پہ تو اک ہاتھ میں شمشیر
آخر اسی جاگہ پہ انھیں لے گئی تقدیر
بسمل سے تڑپتے تھے جہاں اکبرِ دلگیر
دم توڑتے دیکھا جو ہیں اس رشکِ قمر کو
گودی میں لیا دوڑ کے مجروح پسر کو

۸۱
لب خشک تھے منہ زرد تھا بیہوشی تھی طاری
کپڑوں پہ لہو چھاتی کے تھا زخم سے جاری
دل میں تھا یہی سوچ کر اے ایزدِ باری
کیا وجہ جو حضرت نے خبر لی نہ ہماری
آتے ہوئے اعدا میں کہیں گھر گئے بابا
یا آنے کا رستہ نہ ملا پھر گئے بابا

۸۲
سر کاٹ کے لے جائے گا اب کوئی ستمگار
بابا کا میسر نہ ہوا آخری دیدار
کون ایسا ہے یاں جس سے کروں دردِ دل اظہار
مرتے ہوئے مل لیتے تو ماں باپ سے اک بار
آنکھیں نہ کھلیں پائے شہِ کون و مکاں سے
دل میں یہی حسرت لیے جائیں گے جہاں سے

۸۳
فرزند کا منہ چوم کے شبیرؑ پکارے
بابا ہی تو گودی میں لیے ہے تمہیں پیارے
طاقت نہیں گر بولنے کی پیاس کے مارے
آنکھوں کو ذرا کھولو میں قربان تمہارے
آخر تو جدائی ہے کوئی دم تمہیں دیکھیں
تم ایک نظر دیکھو ہمیں، ہم تمہیں دیکھیں

۸۴
ماں پاس چلو باپ کے آغوش میں آؤ
مادر کو بھی حال اپنا مری جان دکھاؤ
صدقے ہو پدر خاک سے گردن تو اٹھاؤ
تن سرد ہے چھاتی مری چھاتی سے لگاؤ
رخ زرد ہے سرتابقدم خوں میں بھرے ہو
مجھ سے تو کہو چھاتی پہ کیوں ہاتھ دھرے ہو

۸۵
آوازِ پدر سن کے پسر ہوش میں آیا
بولا نہ گیا زخم کلیجہ کا دکھایا
دل میں یہ ہوا درد کہ کچھ کہنے نہ پایا
بابا کی طرف دیکھ کے آنکھوں کو پھرایا
اس منزلِ فانی سے مسافر ہوئے اکبرؑ
بس دیکھتے ہی دیکھتے آخر ہوئے اکبرؑ

۸۶
چلا کے کہا شاہ نے ہے ہے علی اکبرؑ
اک بار نہ پھر ماں سے ملے اے علی اکبرؑ
تھی مرگِ جوانی ترے در پے علی اکبرؑ
کیا زیست کے دن جلد کٹے تھے علی اکبرؑ
چلتے ہوئے بابا سے نہ کچھ کہہ گئے بیٹا!
تم خلد میں داخل ہوئے ہم رہ گئے بیٹا!

۸۷
اس درد سے روتے تھے پسر کو شہِ والا
افلاک کو جنبش تھی زمیں تھی تہ و بالا
لکھا ہے کہ جب مر گیا وہ گیسوؤں والا
تقدیر نے اک بی بی کو خیمہ سے نکالا
تھا نور سے چہرے کے گماں بنتِ نبیؐ کا
رفتار میں انداز تھا رفتارِ علیؑ کا

۸۸

تھے بال تو بکھرے ہوئے اور جسم میں رعشا
اشک آنکھوں میں اور صدمے سے فق چاند سا چہرا
چلاتی تھی پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا
مارا گیا اٹھارہ برس کا مرا بچا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے ماہ لقا کی
میں لُٹ گئی اس بن میں دُہائی ہے خدا کی

۸۹

ہے ہے مرے پیارے مرے جانی علی اکبرؑ
ہے ہے مرے نانا کی نشانی علی اکبرؑ
ہے ہے نہ میسر ہُوا پانی علی اکبرؑ
برباد ہوئی تیری جوانی علی اکبرؑ
بن بیاہے تم اس دارِ فنا سے گئے واری
پانی نہ ملا خلق سے پیاسے گئے واری

۹۰

کس سمت ہے تو ہائے مرے نازوں کے پالے
لگ جا میری چھاتی سے تو اے گیسوؤں والے
تقدیر نے کچھ دل کے نہ ارمان نکالے
ہے ہے تری چھاتی پہ لگے ظلم کے بھالے
دنیا سے پُر ارمان سفر کر گئے بیٹا!
جب بیاہ کے قابل ہوئے تب مر گئے بیٹا!

۹۱

اُس بی بی کو سُن سُن کے یہ کہنے لگے اعدا
لو روتی ہیں مقتل میں کھڑی فاطمہ زہراؑ
اک شخص انھی میں سے تب اس طرح سے بولا
دیکھو نہ اُدھر تم کہ بڑا اس کا ہے رُتبا
جل جاؤ گے تم سب جو نگہ اس کی طرف کی
زینبؑ یہی بیٹی ہے شہنشاہِ نجف کی

۹۲

اکبرؑ کے لیے خیمہ سے نکلی ہے یہ باہر
احمدؐ کی نواسی ہے یہ زہراؑ کی ہے دختر
یہ سنتے ہی گھبرا کے لگے دیکھنے سرور
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی خواہر
چلاتی کہ گردن تو اٹھاؤ علی اکبرؑ
بلوے میں پھوپھی نکلی ہے آؤ علی اکبرؑ

۹۳

خاموش انیسؔ اب کہ غم و رنج ہے طاری
کس منہ سے کہوں حضرتِ شبیرؑ کی زاری
یہ غم کسی دشمن کو نہ دے ایزدِ باری
ہوتا ہے اسی داغ میں خوں آنکھوں سے جاری
جب تک کہ نشاں عالمِ فانی کا رہے گا
ماتم علی اکبرؑ کی جوانی کا رہے گا

مرثیہ ۱۹

اے مومنو! کیا شور ہے ماتم کا جہاں میں

۱

اے مومنو! کیا شور ہے ماتم کا جہاں میں
رو لو کہ بھرو سا نہیں اک دم کا جہاں میں
چرچا ہے غمِ شاہِ دو عالم کا جہاں میں
ساماں نظر آتا ہے محرم کا جہاں میں
اسبابِ خوشی دل سے فراموش ہوئے ہیں
مردم صفتِ کعبہ سیہ پوش ہوئے ہیں

۲

عالم ہے عزادارِ شہنشاہِ زمانہ
ہے درِ نجف رُتبے میں ہر اشک کا دانہ
سینہ میں جگر تیرِ الم کا ہے نشانہ
ہر شیعہ کا گھر بن گیا ہے تعزیہ خانہ
دل شمع صفت جلتے ہیں منہ اشکوں سے نم ہیں
داغوں کی تو قندیلیں ہیں آہوں کے علم ہیں

۳

سر پیٹیں نہ کیوں خلق کے سردار کا غم ہے
عالم میں دو عالم کے مددگار کا غم ہے
مختار تھے سرکار کے سرکار کا غم ہے
رو لو یہ غمِ حیدرِؑ کرّار کا غم ہے
سایہ انھیں روزوں میں اٹھا حق کے ولی کا
ہر گھر میں ہے غل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا

۴

خود نفسك نفسی جسے فرمائیں محمدؐ
گھر خالقِ اکبرؐ کا ہو جس شیر کا مولد
بے فصل جو ہو بعدِ نبیؐ صاحبِ مسند
اس پر یہ ستم خلق میں ہوں جس کی نہیں حد
جو بت شکن و کفر شکن قلعہ شکن ہو
اس شیرِ الٰہی کا گلا اور رسن ہو

۵

اس ماہِ مبارک میں عبادت کا ہے احکام
جس کی سحر عید سے بہتر ہے ہر اک شام
اللہ تو بندوں پہ کرے بخشش و انعام
صائم کو نمازی کو کریں قتل بدانجام
جب تیغِ ستمگر سرِ حیدرؑ پہ علم ہو
محراب بھی اس صدمہ سے کیوں پشت نہ خم ہو

۶

صائم ہیں سب اس مبدِ فیاض کے مہماں
ہر ایک کو کرتا ہے عطا نعمتِ عظماں
خالق نے اسی ماہ میں نازل کیا قرآں
توفیقِ تلاوت سے شرف پائیں مسلماں
تھا رحم نہ مطلق دلِ ناپاک عدو میں
آلودہ کیا مصحفِ ناطق کو لہو میں

۷

پیدا ہوئے کعبہ میں شرف پہلے یہ پایا
یہ مرتبہ حصے میں کسی کے نہیں آیا
آغوشِ مبارک میں محمدؐ نے لٹایا
معراج ملی عرش سے برتر ہوا پایا
توقیرِ ولادت بھی ملی گھر میں خدا کے
مولا کو شہادت بھی ملی گھر میں خدا کے

۸
اصحاب سے فرماتے تھے یہ احمدِ مختار
بالفرض قلم ہوئیں جو سب خلق کے اشجار
اور بن کے مرکب ہوں رواں چشمۂ انہار
تحریر کو جن و ملک و انس ہوں تیار
پھر دیکھو تو باقی نہ سیاہی نہ قلم ہو
شمّہ بھی نہ حیدرؑ کے فضائل کا رقم ہو

۹
دیکھے کوئی آدمؑ کے ذرا علم کا رُتبا
ایوبؑ کا صبر و الم اور نوحؑ کا تقویٰ
یحییٰؑ کی بزرگی شرفِ ہیبتِ موسیٰؑ
حشمت تو سلیمانؑ وہ اور طلعتِ عیسیٰؑ
یوسفؑ کے جمال و ادب و جاہ کو دیکھے
وہ ایک نظر رُوئے ید اللہ کو دیکھے

۱۰
مجلس میں کوئی اس کی فضیلت کہے پڑھ کر
عصیانِ زباں محو کرے خالقِ اکبر
آنکھوں سے جو دیکھے تو ملے چشمۂ کوثر
جامع ہو تو کانوں کے گنہ دُور ہوں یکسر
لکھے تو خوشی پنجتنِ پاکؑ کے دل ہوں
ہاتھوں کے بھی سب جرم سرِ دست بحل ہوں

۱۱
کیونکر نہ کہوں لحمک لحمی اسے اکثر
اک نور سے مخلوق ہیں ہم دونوں برادر
ہے خلق میں یوں میرے لیے حیدرؑ صفدر
جس طرح سے یہ میرے بدن پر ہے مرا سر
پھاڑوں میں گریباں جو وہ دامن سے جدا ہو
پھر جسم ہے بیکار جو سر تن سے جدا ہو

۱۲
وُہ سابق الاسلام ہے اے قوم مسلماں
شک اس میں جسے ہو وہ نہیں قائلِ قرآں
گر ارض و سما ہوئیں بیک پلۂ میزاں
اور ایک طرف حیدرِؑ کرار کا ایماں
غالب نہ ہو ایماں جو شہِ عرش نشیں پر
پلّہ وہ فلک پر ہو یہ پلّہ ہو زمیں پر

۱۳
آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ
جو اس سے بغی ہے اسے بخشے گا نہ اللہ
ہادی ہے علیؑ ابن ابی طالبِ ذی جاہ
مجھ تک وہ نہ پہنچے گا جسے اس سے نہیں راہ
وہ اہلِ جہاں ہے جسے آداب ہے اس کا
میں علم کا ہوں شہر علیؑ باب ہے اس کا

۱۴
ڈر ہے نہ ضلالت میں پڑیں بندۂ اللہ
جس طور سے عصیاں میں نصاریٰ ہوئے گمراہ
ورنہ وُہ کہوں فضل و کمالِ اسد اللہ
سر پاؤں سے حیدرؑ کے اٹھائیں نہ ہوا خواہ
باقی نہ رہے فخر عرب اور عجم کو
لے جائیں تبرک کی طرح خاکِ قدم کو

۱۵
دانائی میں حیدرؑ پہ کسی کو نہیں تقدیم
گردوں پہ ملائک کو کیا آپ نے تعلیم
دس جزو کی حکمت سے یہ مرقوم ہے تفہیم
اک جُزو تو کُل خلق کو حق نے کیا تقسیم
اور محرمِ اسرار کیا شیرِ خدا کو
نو جزو کا مختار کیا شیرِ خدا کو

۱۶
منبر جو کجاوے کا پیمبرؐ نے بنایا
نہ پایۂ گردوں نے یہ پایا نہیں پایا
جب دستِ علیؑ تھام کے منبر پہ چڑھایا
تب آیۂ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنُکُمْ آیا
ہاتھ اٹھتے تھے بیعت کو امیرِ دوجہاں کے
بَخٍ بَخٍ لَكَ بَخٍ کوئی کہتا تھا زباں سے

۱۷
مولا کی سخاوت سے بھی سب خلق ہے آگاہ
اسبابِ زر و مال تھا صرفِ رہِ اللہ
اندھوں کا ضعیفوں کا غریبوں کا ہوا خواہ
پہنچاتا تھا کھانا فقرا کو وہ شہنشاہ
جاری ہی رہا فیض سدا گھر سے علیؑ کے
سائل کوئی خالی نہ پھرا گھر سے علیؑ کے

۱۸
رانڈوں کے خبرگیر یتیموں کے پرستار
تھا رات کو جا جا کے کھلانے سے سروکار
سائل نے سفر میں یہ کہا آن کے اک بار
روٹی مجھے اک دیجیے یا حیدرِ کرار
ادنیٰ سی سخاوت تھی یہ اس عقدہ کشا کی
اونٹوں کی قطار آپ نے سائل کو عطا کی

۱۹
سائل ہوا اک شخص کسی جنگ میں آکر
یہ تیغ مجھے دیجیے یا فاتحِ خیبر
دے دی وہیں تلوار سخی کے ہیں یہ جوہر
حیرت ہوئی اس کو تو یہ بولے شہِ صفدر
دشمن کی برائی میں بھی ہم کد نہیں کرتے
جو مانگے سوال اس کا سخی رد نہیں کرتے

۲۰
عابد کوئی ایسا نہ ہوا خلق میں زنہار
کرتے تھے وضو جب تو لرزتا تھا تنِ زار
اس خوف سے کرتے تھے ادا سجدۂ غفار
ہوتا تھا گماں فاطمہؑ کو مرگ کا ہر بار
راتوں کو نہ راحت سے کبھی سوتے تھے مولا
رو رو کے مناجات میں غش ہوتے تھے مولا

۲۱
اک جنگ میں تھا پاؤں میں مولا کے لگا تیر
پیکاں وہ نہ نکلا کسی صورت کسی تدبیر
مصروفِ نماز آپ ہوئے کہہ کے جو تکبیر
حداد نے کھینچا اسے سنسی سے بہ تاخیر
یہ محوِ عبادت وہ شہِ عقدہ کشا تھا
مولا کو خبر بھی نہ ہوئی کچھ کہ یہ کیا تھا

۲۲
جز نانِ جویں اور غذاؤں سے نہ تھا کام
فاقوں میں بھی تھا شکرِ خدائے ذوی الاکرام
باغات میں جب صبح سے پانی دیا تا شام
تب رات کو گھر میں ہوا کھانے کا سرانجام
فاقے سے کبھی بوریے پہ سو رہے آکر
کھایا بھی کچھ اس میں سے تو سائل کو کھلا کر

۲۳
اک شخص گیا بہرِ قدم بوسیِ حیدرؑ
دیکھا کہ ہیں مصروفِ غذا فاتحِ خیبر
رکھے ہیں کئی پارۂ نانِ خشک سراسر
قوت سے انھیں توڑتے ہیں زانو پہ رکھ کر
انداز جو ہیں فقر کے چھوڑے نہیں جاتے
سخت ایسے وہ ٹکڑے ہیں کہ توڑے نہیں جاتے

۲۴
رو کر یہ کہا اس نے کہ اے شیعوں کے سرتاج
ہیں غیرِ خدا آپ کے سب خلق میں محتاج
کیا ہو گئی وہ قوتِ خیبر شکنی آج
فرمانے لگے جان و دلِ صاحبِ معراج
ٹوٹی ہے کمر جب سے چھٹا ساتھ نبیؐ کا
خالق کا وہ تھا زور یہ ہے زور علیؑ کا

۲۵
تھے قاسمِ روزیِ جہاں سرورِ ذی شاں
ہے جن کے غلاموں کے لیے نعمتِ عظماں
کیا زہد تھا کیا فقر تھا اس فقر کے قرباں
اپنی کبھی راحت کا نہ حاصل کیا ساماں
سب نعمتیں جن کے لیے اتری تھیں فلک سے
وہ نانِ جویں بھوک میں کھاتے تھے نمک سے

۲۶
مسکینوں سے الفت بھی غریبوں سے محبت
بن باپ کے بچوں پہ بہت کرتے تھے شفقت
تھے اپنے محبوں کے لیے آیۂ رحمت
دشمن کو بھی مولا نے کبھی دی نہ اذیت
بھوکوں کو طعام اپنا کھلا دیتے تھے حضرت
محتاجوں کو پہلو میں بٹھا لیتے تھے حضرت

۲۷
اعلیٰ سے سوا کرتے تھے ادنیٰ کی مدارات
جوں گل وہ شگفتہ ہوا جس شخص سے کی بات
مہماں کوئی ہوتا تو زہے لطف و عنایات
آپ اُٹھتے تھے اس وقت دُھلانے کے لیے ہات
فرماتے تھے مہماں کی مدارات روا ہے
شرمندہ نہ ہو تو کہ علیؑ عبدِ خدا ہے

۲۸
وہ رختِ کہن رہتا تھا زیبِ تنِ اطہر
پیوند پہ پیوند ہی تھے جس میں سراسر
اور فاطمہ زہراؑ کی تھی اس طرح کی چادر
گر ڈھانپ لیے پاؤں تو عریاں رہا سر
عشرت میں میسر نہ انہیں چادرِ نَو تھی
وہ بھی کبھی سر پہ تھی کسی روز گرَو تھی

۲۹ مطلع دوم
اے مومنو! یہ فصلِ غمِ شیرِ خدا ہے
ماتم کے ہیں دن موسمِ فریاد و بکا ہے
رونے کا کہیں غل کہیں ماتم کی صدا ہے
مولا کے عزاداروں میں اک حشر بپا ہے
سر پیٹ کے داماد کا پُرسا دو نبیؐ کو
مارا ہے انھیں روزوں میں ظالم نے علیؑ کو

۳۰
وہ شاہ کہ یہ جس کے فضائل ہوں یہ توقیر
افسوس اُسے قتل کرے ظالمِ بے پیر
تھا سجدۂ معبود میں وہ تابعِ تقدیر
ماری سرِ پُر نور پہ جلاد نے شمشیر
کانپی جو زمیں زلزلے میں آگئی مسجد
محراب کو لرزہ ہُوا تھرا گئی مسجد

۳۱
اک بار جماعت کی صفیں ہو گئیں برہم
مسجد کے ہوئے بوریے سارے صفِ ماتم
قندیل جو روشن تھی وہ گُل ہو گئی اس دم
تھا حوض میں اک دیدۂ پُر آب کا عالم
زخمی جو وصیِ شہِ لولاک ہوا تھا
اس صدمے سے منبر کا جگر چاک ہوا تھا

۳۲

اس زور سے ضربت سرِ اقدس پہ لگائی
وہ ظلم کی شمشیر جبیں تک اُتر آئی
ملعون نے تھی زہر میں شمشیر بجھائی
غل پڑ گیا شمشیر ید اللہ نے کھائی
زخمی کیا بازو کو رسولؐ دوسرا کے
بہتا ہے نمازی کا لہو گھر میں خدا کے

۳۳

فریاد ہے شیعوں کے مددگار کو مارا
دنیائے دُنی کے لیے دیندار کو مارا
رانڈوں کے یتیموں کے پرستار کو مارا
ماہِ رمضاں میں شہِ ابرار کو مارا
تربت میں رسولِ عربیؐ روتے ہیں ہے ہے
بن باپ کے سبطینِ نبیؐ ہوتے ہیں ہے ہے

۳۴

کہتے تھے نبیؐ سر کو جھکا کے جسے ہر دم
زخمی ہوا سجدے میں وہ سردارِ دو عالم
یہ دیں کی بِنا تیغ سے جو کی ہوئی محکم
سر اس کا کہاں اور کہاں ضربتِ اظلم
سر پیٹو کہ زخمی ہوا سرتاج ہمارا
اٹھتا ہے زمانے سے امام آج ہمارا

۳۵

سجدے سے جو سر حیدرِ صفدرؑ نے اٹھایا
عمامہ کو سب خون سے ڈوبا ہُوا پایا
سر تھام کے ہاتھوں سے کہا شکرِ خدا یا
پھر جھک گئے سجدے میں مصلے پہ غش آیا
اک حشر تھا مُنہ اشکوں سے دھوتے تھے نمازی
حضرت کو سنبھالے ہوئے روتے تھے نمازی

۳۶

زینبؑ کو کسی نے یہ خبر جا کے سنائی
کیا بیٹھی ہو تلوار ید اللہ نے کھائی
سر پیٹتی ڈیوڑھی سے وہ باہر نکل آئی
کلثوم لگی دینے محمدؐ کی دُہائی
فرزندوں نے دے پٹکا عماموں کو سروں سے
گھبرا کے زن و مرد نکل آتے گھروں سے

۳۷

زہراؑ کے پسر گھر سے چلے با دلِ مضطر
شبیرؑ کے ہمراہ تھے عباسِ دلاور
مسجد میں جو روتے ہوئے داخل ہوئے شبّرؑ
دیکھا کہ تڑپتے ہیں پڑے خون میں حیدرؑ
رونے لگے بیٹے شہِ والا سے لپٹ کر
شبیرؑ تو غش ہو گئے بابا سے لپٹ کر

۳۸

ہوش آیا تو چلائے کہ فریاد خدایا
بن ماں کے تو تھے باپ کا بھی اٹھتا ہے سایا
اعدا نے ہمیں عید کے نزدیک رُلایا
کس شخص نے بابا! یہ تمھیں خُوں میں ڈبایا
بیٹوں سے سخن صبر کے فرماتے تھے حیدرؑ
قاتل کا مگر نام نہ بتلاتے تھے حیدرؑ

۳۹

کہتے تھے حسنؑ کو کبھی چھاتی سے لگا کر
تو بعد مرے میرا وصی ہے مرے دلبر
شبیرؑ بلکتے تھے جو قدموں پہ دھرے سر
مُنہ چوم کے ہر بار یہ فرماتے تھے حیدرؑ
جو گزرے گی تجھ پر مجھے معلوم ہے بیٹا!
تو مجھ سے سوا بیکس و مظلوم ہے بیٹا!

۴۰

قاتل نے لگایا ہے مرے سر پہ تو اک وار
تم کھاؤ گے اُس دشت میں تلوار پہ تلوار
چھن جائے گا تیر و ں سے سراپا یہ تنِ زار
صدقے تری مظلومی کے اے بیکس و بے زار
کٹوا کے گلا تیغ سے مقتل میں مرے گا
میں شہر میں تو ظلم کے جنگل میں مرے گا

۴۱

سب پاس مرے ہوں گے جو نکلے گا مرا دم
ہوگا نہ ترے پاس کوئی مونس و ہمدم
پائیں گے ترے ہاتھوں سے یاں غسل و کفن ہم
گاڑو گے تمھیں قبر میں با دیدۂ پُر نم
سایہ بھی نہ تیرے تنِ صد چاک پہ ہوگا
لاشہ ترا بے غسل و کفن خاک پہ ہوگا

۴۲

تربت میں پس از مرگ ملے گا نہیں آرام
دوڑائیں گے گھوڑے ترے لاشے پہ بد انجام
روئیں گی مجھے بیبیاں میری سحر و شام
ناموس ترے قید سے جائیں گے سوئے شام
راحت سے تجھے قبر میں سونا نہ ملے گا
بہنوں کو تری لاش پہ رونا نہ ملے گا

۴۳

فرما کے یہ اور رونے لگے سیدِ مظلوم
فریاد کی اک مسجدِ کوفہ میں ہوئی دھوم
حضرت نے کہا بیٹوں سے باخاطرِ مغموم
ڈر ہے نکل آئیں نہ کہیں زینبؑ و کلثومؑ
رو لیویں سر ان دونوں کے چھاتی سے لگا کر
اب گھر میں ہمیں لے چلو کاندھے پہ اٹھا کر

۴۴

جب لے چلے بابا کو پسر بادلِ بے تاب
سر پیٹ کے رونے لگے سب یاور و احباب
حیدرؑ یہ بیاں کرتے تھے بادیدۂ پُر آب
رخصت ہے ید اللہ کی اے منبر و محراب
جز قبر کہیں اب نہ ٹھکانا تھا ہمارا
یہ بہرِ نماز آخری آنا تھا ہمارا

۴۵

روتے ہوئے گھر میں جو پسر باپ کو لائے
سب اہلِ حرم صحن میں سر پیٹتے آئے
زینبؑ نے کہا ہائے پدر خوں میں نہائے
فریاد ہے بیٹی کسے یہ شکل دکھائے
دو ٹکڑے ہے سر سیدِ والا نہ جئیں گے
میں لُٹ گئی ہے ہے مرے بابا نہ جئیں گے

۴۶

دو روز تلک غش میں رہے سیدِ عالم
اور خون نہ تھما زخمِ سرِ پاک سے اک دم
بستم کو ہوا جسم پہ ظاہر اثرِ سم
اکیسویں شب آئی تو برپا ہوا ماتم
دُنیا سے اُسی شب کو سفر کر گئے مولا
شیعوں کی کمر ٹوٹ گئی مر گئے مولا

۴۷

ہر گھر میں غمِ سیدِ ذی جاہ کا غُل تھا
نالوں کا کہیں شور کہیں آہ کا غل تھا
بالائے زمیں مرگِ شہنشاہ کا غل تھا
افلاک پہ ہے ہے اسد اللہ کا غل تھا
سر پیٹتا تھا رُوحِ امیں عرشِ بریں پر
زہراؑ تھے جگر بند تڑپتے تھے زمیں پر

۴۸

چلّاتی تھیں یہ بیبیاں باگریہ وزاری
یا شیرِ خدا خاک میں مل جاتیں یہ ناری
اماں گی تو پہلے گئی جنت میں سواری
اب کون خبر لیوے گا فاقوں میں ہماری
دشمن ہیں نہ منہ ظلم سے موڑیں گے ستمگر
دو بھائی ہیں ان کو بھی نہ چھوڑیں گے ستمگر

۴۹

جس وقت عیاں ہونے لگے صبح کے آثار
بیٹوں نے دیا غسل و کفن باپ کو اک بار
جب لے چلے تابوت کو گھر سے بہ دلِ زار
ازواج میں غل تھا کہ چلے حیدرِ کرار
کلثومؑ بلکتی تھی مُوئی جاتی تھی زینبؑ
روتی پسِ تابُوت چلی جاتی تھی زینبؑ

۵۰

تابُوت کو لاتے جو نجف میں وہ دل افگار
تیار ملی واں لحدِ حیدرِ کرار
رکھنے جو لگے قبر میں بابا کو وہ دلدار
تربت سے محمدؐ کے ہوئے ہاتھ نمودار
فرماتے تھے لپٹاؤں گا چھاتی سے وصی کو
پیارو! مری آغوش میں دو لاشِ علیؑ کو

۵۱

پائینِ مزارِ شہِ ابرار جو دیکھا
سر کھولے ہوتے بیٹھی ہے فاطمہ زہراؑ
آغوش میں ہے محسنِ مظلوم کا لاشا
تھامے ہوئی ہیں آسیہؑ و مریمؑ و حواؑ
چلّاتی تھیں اب آئی تباہی مرے گھر پہ
ہے ہے نہ رہا کوئی مرے بچوں کے سر پہ

۵۲

چلّاتے یہ فرزند کہ فریاد ہے نانا!
ہم بیکس و مظلوم ہیں دشمن ہے زمانا
کیا قہر ہوا آپ کا اس خلق سے جانا
بس اب کہیں دنیا میں نہیں اپنا ٹھکانا
بیزار ہیں جینے سے بلا لیجیے ہم کو
چھاتی سے اسی طرح لگا لیجیے ہم کو

۵۳

رو رو کے محبوں نے جو تربت میں کیا بند
غل تھا کہ ہوئے شیرِ خدا خاک کے پیوند
لپٹے ہوئے تربت سے یہ چلّاتے تھے فرزند
اب آپ کو پائیں گے کہاں آپ کے دلبند
اندوہ و غم و درد سے تم چھٹ گئے بابا!
فریاد ہے پردیس میں ہم لُٹ گئے بابا!

۵۴

شبّرؑ جو اُٹھے قبر سے با حالتِ تغیر
جا بیٹھے مزارِ اسد اللہ پہ شبیرؑ
جس دم وہ اٹھاتے تھے تو کرتے تھے یہ تقریر
ہم قبرِ پدر سے نہ اُٹھیں گے کسی تدبیر
اب کون ہے کس کے لیے گھر جائیں گے بھائی!
رہنے دو ہمیں ہم یہیں مر جائیں گے بھائی!

۵۵

بیکس ہوئے نانا ہیں نہ اماں ہیں نہ بابا
روئیں گے اسی قبر پہ گھر جا کے کریں کیا
کہتے تھے حسنؑ رو کے یہ کیا کہتے ہو بھیا
روؤ گے جو برسوں نہ ملیں گے شہِ والا
بہنوں سے بھی اس وقت میں مُنہ موڑو گے بھائی
پردیس میں تنہا ہمیں کیا چھوڑو گے بھائی

۵۶

بابا سے جُدا ہونے کا کیا ہم کو نہیں غم
ماتم سے محمدؐ کے یہ کچھ کم نہیں ماتم
مجبور ہیں جو مرضیِ خلّاقِ دو عالم
بہتر ہے بس اب زیست کے دس دن ہوں جو باہم
پاؤ گے نہ تم جان اگر کھوؤ گے بھائی
اک روز اسی طرح ہمیں روؤ گے بھائی

۵۷

ناگاہ صدا تربتِ حیدرؑ سے یہ آئی
بابا سے تو اب تا بہ قیامت ہے جُدائی
مانو اُسے اے لال! جو کچھ کہتا ہے بھائی
عاشق ہے تمہاری اسد اللہ کی جائی
اے لال! جو گھر میں نہ تمہیں پائے گی زینبؑ
روتی مری تربت پہ چلی آئے گی زینبؑ

۵۸

ناچار چلے چھوڑ کے قبرِ اسد اللہ
جس وقت کہ طے دشتِ نجف کی ہوئی کچھ راہ
اک عاجزِ بے کس کا سُنا نالۂ جانکاہ
روتے گئے اس سمت کو شہزادۂ ذیجاہ
واں خستہ دل و پیرِ جگر ریش کو دیکھا
نالان و طپاں خاک پہ درویش کو دیکھا

۵۹

بالش کے عوض خشت ہے بستر کے عوض خاک
ہے گردِ بیاباں سے اَٹی جسم کی پوشاک
اشکوں سے بدن پر ہے وُہ پوشاک بھی صد چاک
سایہ نہیں کچھ سر پہ بجز سایۂ افلاک
سب جزوِ بدن ضعف سے بیتاب و تواں ہیں
مسطر کی طرح تن کے رگیں صاف عیاں ہیں

۶۰

معذورِ بصارت ہے وہ صاحبِ آزار
نہ ہاتھ ہیں قابو میں نہ ہے طاقتِ رفتار
اک ضعف کی تصویر سراپا ہے تنِ زار
اور درد سے فالج کے ہر اک عضو ہے بیکار
ہاتھوں سے نوالا بھی اٹھایا نہیں جاتا
جب تک نہ کھلائے کوئی کھایا نہیں جاتا

۶۱

فاقے سے کئی دن کے اور اس طرح کا رنجور
روتا تھا عجب یاس سے وہ بیکس و مجبور
تھے زخم بدن پر کسی جا گہ کہیں ناسور
عسرت میں گزرتی تھی نہ تھا کچھ اسے مقدور
اندھا تھا پہ تھی اس کی نظر عرشِ علا پر
توشہ تھا توکل پہ، قناعت تھی خدا پر

۶۲

اس شخص سے یوں کہنے لگے شبّرؑ و شبیرؑ
کی دل پہ ہمارے تری فریاد نے تاثیر
درویش جگر ریش نے کی رو کے یہ تقریر
مسکین ہوں محتاج ہوں اور عاجز و دلگیر
عریاں بدن و خستہ جگر خاک نشیں ہوں
اک سال کے عرصے سے میں اس بن میں مکیں ہوں

۶۳

اندھا ہوں اپاہج ہوں میں اور بیکس و مضطر
رکھتا ہوں کوئی دوست نہ ہمدرد نہ یاور
سر پہ نہ پدر سا ہے شفیق اور نہ مادر
فرزند ہے کوئی نہ بھتیجا نہ برادر
میت پہ نہ میری کوئی روئے گا جہاں میں
محتاج نہ مجھ سا کوئی ہوئے گا جہاں میں

۶۴

یاں میرا پرستار تھا اک مردِ خوش انجام
کھانا وہ کھلا دیتا تھا مجھ کو سحر و شام
منظورِ نظر تھا اُسے ہر دم مرا آرام
شفقت سے محبت سے وہ کرتا تھا مرا کام
اس دکھ میں خبر گیر مرا آٹھ پہر تھا
معلوم نہیں یہ وہ ملک تھا کہ بشر تھا

۶۵

جب مجھ کو کھلاتا تھا وہ کھانا بہ محبت
یاد آتی تھی واللہ مجھے باپ کی شفقت
بھائی کو بھی بھائی سے یہ ہوتی نہیں اُلفت
خادم کی طرح کرتا تھا دن بھر مری خدمت
ہر شام بچھونے کو بچھا دیتا تھا میرے
کھا چکتا میں جب منہ کو دُھلا دیتا تھا میرے

۶۶

جب وقتِ زوال اس مجھے ویرانے میں آتا
سرکا کے مجھے دُھوپ سے سایہ میں لٹاتا
رومال سے مٹی مرے زخموں کی چھڑاتا
سر زانو پہ رکھ کر مرے شانوں کو دباتا
چین اپنا مرے واسطے کھو دیتا تھا وُہ بھی
جب آہ میں کرتا تھا تو رو دیتا تھا وُہ بھی

۶۷

تھا آیۂ رحمت مجھے اس شخص کا سایا
کس سے کہوں جو اس کے سبب چین اٹھایا
یہ تیسرا دن ہے کہ وُہ مجھ تک نہیں آیا
دو روز سے کھانے کو بھی میں نے نہیں کھایا
کیا جانے وہ کس دُکھ میں گرفتار ہوا ہے
معلوم یہ ہوتا ہے کہ بیمار ہوا ہے

۶۸

بیمار بھی گر ہوتا تو آتا وہ مرے پاس
کچھ پیچ پڑا اس پہ یہی ہے مجھے وسواس
اس ماہ میں کرتا تھا وہ اکثر سخنِ یاس
جاتے ہوئے کہتا تھا اب آنے کے نہیں پاس
اک روز مکیں گور کے باشندوں میں ہوں گے
کیا جانیے کل زندوں میں یا مُردوں میں ہوں گے

۶۹

اس اپنے مصاحب کو میں کس طرح سے پاؤں
اندھا ہوں اپاہج ہوں کہاں ڈھونڈنے جاؤں
بیتاب ہوں کس طرح سے آنسو نہ بہاؤں
وہ آئے تو میں آنکھوں سے تلووں کو لگاؤں
جاتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے ہے ہے
گھر کا بھی پتا مجھ کو نہ بتلا گئے ہے ہے

۷۰

شہزادوں نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
وہ کون تھا اس کا تجھے معلوم نہیں نام
اس نے کہا جب پُوچھتا تھا نام میں ناکام
فرماتا وہ نام سے میرے تجھے کیا کام
بیکس ہوں مسافر ہوں غریب الغربا ہوں
گمنام ہوں محتاج ہوں عاجز ہوں گدا ہوں

۷۱

بولے یہ حسنؑ شکل و شمائل تو کر اظہار
اس نے کہا اندھا ہوں پہ دیکھا نہیں دیدار
شبیرؑ نے فرمایا کہ اے مردِ خوش اطوار
کس طرح کی تقریر تھی کس طرح کی گفتار
اس نے کہا واللہ فصیح الفصحا تھا
کچھ ذکر زباں پہ نہ بجز یادِ خدا تھا

۷۲

بہتر تھی خوشِ الحانیِ داؤد سے تقریر
ہر لفظ میں اعجاز تھا ہر بات میں تاثیر
تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
کرتا تھا وہ فقرہ آن کے ہر لفظ کی تفسیر
جس وقت ثنا کرتا تھا محبوب خدا کی
افلاک سے آتی تھی صدا صلِّ علیٰ کی

۷۳

جب آتا تھا اس دشت میں وہ صاحبِ اعجاز
ہو جاتا تھا اس دم درِ فردوس بریں باز
باتوں میں تمھاری انھی باتوں کا ہے انداز
تقریر اسی طرح کی ہے اور وہی آواز
پاس آؤ کہ راحت مری جان پاتی ہے تم سے
واللہ مرے دوست کی بُو آتی ہے تم سے

۷۴

درویش نے جس وقت یہ کی رو رو کے تقریر
منہ بھائی کا رو رو کے لگے دیکھنے شبیرؑ
سر پیٹ کے دونوں نے یہ فرمایا کہ اے پیر
بیٹے ترے خادم کے ہیں ہم بیکس و دلگیر
سب خلق کے مختار تھے اور عقدہ کشا تھے
خدمت جو تری کرتے تھے وہ شیرِ خدا تھے

۷۵

مسجد میں انھیں ایک ستم گار نے مارا
شمشیر سے سر ہو گیا سجدے میں دو پارا
وہ تیرا خبر گیر زمانے سے سدھارا
دنیا میں رہا اب کوئی تیرا نہ ہمارا
پھاڑے ہیں گریبان بکا کر کے پھرے ہیں
بابا کو ابھی قبر میں ہم دھر کے پھرے ہیں

۷۶

درویش پہ جب کُھل گیا یہ سانحہ اک بار
صدمے سے لہو ہو گیا سینہ میں دلِ زار
بسمل کی طرح خاک پہ تڑپا وہ دل افگار
چلّایا میں صدقے ترے یا حیدرِؑ کرار!
نام اپنا بتایا نہ مجھے مر گئے آقا
اس عاجز و بیکس سے یہ کیا کر گئے آقا

۷۷

یہ کور نہ تھا آپ کے احوال سے آگاہ
آقا میں گنہ گار ہوں بخشو مجھے للہ
خدمت مری کرتے تھے تم اے سیدِ ذیجاہ
آہستہ اٹھاتے تھے لٹاتے تھے مجھے آہ
اب کون مرا زانو پہ سر لیوے گا مولا!
اب کون اپاہج کی خبر لیوے گا مولا!

۷۸

شفقت سے کھلائے گا مجھے کون نوالے
میں تجھ پہ فدا ہائے مرے چاہنے والے
کیوں سر پہ یہ آوارہ وطن خاک نہ ڈالے
یا شیرِ خدا! مجھ کو کیا کس کے حوالے
اس پیر کو اب زیست گوارا نہیں آقا
میرا تو کوئی اور سہارا نہیں آقا

۷۹

یہ کہہ کے وہ درویش پٹکنے جو لگا سر
پاس آ کے یہ سب کہنے لگے دونوں برادر
بس صبر کر اب صبر کر اے عاشقِ حیدرؑ
اب ہم تری ہر روز خبر لیویں گے آ کر
تو یہ نہ سمجھ دل میں کہ منہ موڑ گئے ہیں
خادم تری خدمت کو وہ دو چھوڑ گئے ہیں

۸۰

ویرانہ میں گر ہے غمِ تنہائی سے مضطر
گر اپنے تجھے لے چلیں ہم یاں سے اٹھا کر
دالان میں لے جا کے بچھا دیں ترا بستر
تو کھا بیو پہلے ہمیں جو کچھ ہو میسّر
بابا کا جو عاشق ہے تجھے معلوم کریں گی
غمخواری تری زینبؑ و کلثومؑ کریں گی

۸۱

وہ کہتا تھا میں کونسی شفقت کو کروں یاد
محنت کو کروں یاد کہ خدمت کو کروں یاد
آرام کو روؤں کہ محبت کو کروں یاد
یا اس شہِ عادل کی عنایت کو کروں یاد
احسان نہ بھولیں گے محمدؐ کے وصیؑ کے
جینے کا مرے لطف گیا ساتھ علیؑ کے

۸۲

کچھ دن ابھی گزرے ہیں کہ میں ہو گیا بیمار
غش رہتا تھا اور تپ سے دہکتا تھا تنِ زار
پچھلے کو جو ہوش آیا مجھے ضعف سے اک بار
تلوے مرے سہلاتا تھا آقائے خوش اطوار
پڑھتا تھا فصاحت سے دعا تھام کے سر کو
گہ داب تھا پاؤں کو اور گاہ کمر کو

۸۳

میں نے کہا اس وقت کہاں اے مرے غمخوار
یہ دشتِ خطرناک یہ جنگل یہ شبِ تار
آرام کر اک لحظہ مرے یارِ وفادار
فرمایا کہ اکثر میں رہا کرتا ہوں بیدار
راحت سے جہاں کی مجھے کچھ کام نہیں ہے
بے چین ہے، تو مجھ کو بھی آرام نہیں ہے

۸۴

کھانا لیے اک رات کے بعد ایک دن آئے
بیٹھا رہا میں دیر تلک منہ کو پھرائے
شفقت سے لپٹ کر یہ سخن مجھ کو سنائے
لے عفو کر اب تو تو علیؑ کھانا کھلائے
اے بھائی! اگزرجاتی ہے عشرت بھی بشر پہ
دو روز سے تھا فاقہ پہ فاقہ مرے گھر پر

۸۵

مزدوری بھی کی میں نے مگر کچھ نہیں پایا
بچوں نے بھی میرے نہیں کچھ کھانے کو کھایا
میں پاس ترے شرم کے مارے نہیں آیا
آج آیا میسّر تو میں پہلے یہیں لایا
کرتے ہیں خوشی اہلِ ولا اہلِ ولا کی
کھالے مری خاطر سے قسم تجھ کو خدا کی

۸۶

یہ کہہ کے لگا پیٹنے وہ عاجز و دلگیر
یہ روئے کہ غش ہونے لگے شبّرؑ و شبیرؑ
درویش نے کی پاؤں پہ سر رکھ کے یہ تقریر
پہنچا دو مجھے قبرِ علیؑ پر کسی تدبیر
مولا مرا دنیا سے سفر کر گیا ہے ہے
میں جس کے سبب جیتا تھا وہ مر گیا ہے ہے

۸۷

یاں میرا ٹھکانا نہیں اے میرے خوزادو
لے جا کے مجھے قبر پہ آقا کے بٹھا دو
پوشیدہ کدھر مہرِ امامت ہے بتا دو
کس خاک میں سوتے ہیں مجھے اب تو دکھا دو
رہنا مجھے اب خلق میں منظور نہیں ہے
سنتا ہوں کہ صحرائے نجف دور نہیں ہے

۸۸

کچھ عذر نہ احمدؐ کے نواسوں کو بن آیا
رو رو کے اسے خاک سے دونوں نے اٹھایا
تربت پہ یداللہ کے لے جا کے سنایا
ہے خاک میں ہم نے یہیں بابا کو چھپایا
لے فاتحہ پڑھ قبرِ یداللہ یہی ہے
مل لے کہ مزارِ اسداللہ یہی ہے

۸۹

یہ سنتے ہی تربت پہ گرا وُہ جگر افگار
اس خاک کے بوسے لیے رو رو کے کئی بار
منہ سُوئے فلک کر کے پکارا بدلِ زار
دنیا سے اٹھا لے مجھے یا ایزدِ غفّار
مقبول ہوئی عرض سفر کر گیا درویش
تعویذ پہ منہ رکھ دیا اور مر گیا درویش

۹۰

رونے لگے اس کے لیے شہزادۂ عالم
آئی یہ صدا قبرِ یداللہ سے اس دم
بیٹا! اس اپاہج کو بہت چاہتے تھے ہم
تم اس کو یہیں دفن کرو با دلِ پُر غم
یاں اس کا مددگار یداللہ رہے گا
اب حشر تلک یہ مرے ہمراہ رہے گا

۹۱

کر حق سے انیسؔ اب یہ دُعا با دلِ پُر غم
یا قادرُ یا حافظُ یا خالقِ عالم
نواب مبارک محل و ثانیِ مریمؑ
فیّاضِ زماں فخرِ خواتینِ معظّم
ہر لحظہ فزوں عزّت و اقبال و حشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

★ مرثیہ ۲۰

اے بختِ رسا روضۂ شبیرؑ دکھا دے

۱
اے بخت رسا روضۂ شبیرؑ دکھا دے
جو خانۂ رحمت ہے وہ تعمیر دکھا دے
دربارِ شہِ بیکس و دلگیر دکھا دے
اس ارضِ فلک قدر کی توقیر دکھا دے
جنّت کو نہ دیکھوں نہ رُخِ حُور کو دیکھوں
حسرت ہے کہ دیکھوں تو اسی نور کو دیکھوں

۲
مقتل وہ دکھا جس کی زمیں خاک شفا ہے
وہ خاک کہ جو ہر مرضِ غم کی دوا ہے
طینت میں اسی ارضِ مقدس کے ولا ہے
جس خاک سے میت کی خطاؤں میں عطا ہے
واں کون سی مولا کی نوازش نہیں ہوتی
تربت میں بھی اعمال کی پرسش نہیں ہوتی

۳
حقا وہ زمیں روضۂ رضواں سے ہے بہتر
ذرّوں کی چمک مہرِ درخشاں سے ہے بہتر
جو سنگ ہے لعل و دُر و مرجاں سے ہے بہتر
بازار ہر ایک ملکِ سلیماں سے ہے بہتر
نکہت سی نہ کیوں گرد ہو بُو مشکِ ختن کی
کُوچوں میں ہوا آتی ہے جنّت کے چمن کی

۴
وہ صحنِ مقدس وہ ضریحِ شہِ بے سر
ہے جس کی ضیا رشک دہِ عرشِ منوّر
واں آکے ملک فخر سے کیونکر نہ رکھیں سر
جس جا پہ مکیں ہو پسرِ ساقیِ کوثر
سَو جان سے ہوا خواہِ امامِ مدنی ہیں
سُلطان بھی اُسی در کی گدائی سے غنی ہیں

۵
زوّار زیارت سے شرف پاتے ہیں کیا کیا
بگڑے ہُوئے سب کام سنور جاتے ہیں کیا کیا
حضرت بھی نظر رحم کی فرماتے ہیں کیا کیا
ایک ایک قدم مرتبے ہاتھ آتے ہیں کیا کیا
عصیاں کی نہ وہشت نہ مقدر کی بدی ہے
اس خاک پہ مرنا بھی حیاتِ ابدی ہے

۶
جاتے ہیں جو زوّار سوئے روضۂ سرور
کرتے ہیں دعا ان کے لیے حیدرؑ و صفدر
ایذا انھیں رستے میں جو دیتے ہیں ستمگر
خود سبطِ نبیؐ ان کی مدد کرتے ہیں آکر
ہے کون سا وہ درد کہ چارہ نہیں کرتے
تکلیف بھی زائر کی گوارہ نہیں کرتے

۷
کیا رحم ہے شبیرؑ کا اس رحم کے قربان
کیا کیا نظرِ لطف و عنایت ہے ہر اک آن
اب مرتبہ زائر کا سنیں صاحبِ ایمان
کرتا ہُوں رقم معجزۂ سرورِ ذیشان
بندش کے مرقع میں وہ صورت نظر آئی
ہر چشم کو مولا کی زیارت نظر آئی

۸
لکھا ہے کہ تھی ایک ضعیفہ جگر افگار
پاکیزہ دل و صاحبِ ایماں خوش اطوار
گو اپنے قبیلے میں وہ تھی بیکس و نادار
تھی دل سے مگر شیفتۂ سیدِ ابرارؐ
بیوہ تھی عزادارِ امام دوسرا تھی
وہ نام پہ اولادِ پیمبرؐ کے فدا تھی

۹
تھی اس کو نہ دولت کی نہ حشمت کی تمنّا
آرام کی جویا تھی نہ راحت کی تمنّا
نہ عیش سے مطلب تھا نہ عشرت کی تمنّا
ہر وقت تھی مولا کی زیارت کی تمنّا
کہتی تھی کہ دوری کا ہے غم جانِ حزیں پر
یارب! مجھے پہنچا دے مزارِ شہِ دیں پر

۱۰
مخفی نہیں سب تجھ پہ ہے روشن میری وداد
ہے صبح و مسا روضۂ اقدس کی مجھے یاد
یارب! پئے خونِ شہدا کشتۂ بیداد
اس دولتِ عقبا سے نہ رکھیو مجھے ناشاد
آنکھوں سے ضریحِ تشنۂ دلگیر کو دیکھوں
بے تاب ہُوں میں روضۂ شبیرؑ کو دیکھوں

۱۱
محتاج ہوں نادار ہوں حشمت نہیں رکھتی
فاقوں میں بسر کرتی ہوں دولت نہیں رکھتی
وارث بھی یہ پابندِ مصیبت نہیں رکھتی
حسرت کوئی جز شوقِ زیارت نہیں رکھتی
میں عاشقِ فرزندِ رسولؐ مدنی ہوں
ہاتھ آئے جو عسرت میں یہ دولت تو غنی ہوں

۱۲
کہتی تھی کبھی سُوئے نجف ہاتھ اٹھا کر
امداد کا ہنگام ہے یا حیدرؑ صفدر
بیتاب ہوں مولا مجھے راحت نہیں دم بھر
مشتاقِ زیارت ہے یہ غم دیدۂ مضطر
مشکل میں نظر رحم کی فرماتے ہیں مولا
بیکس کی صدا آپ سے کام آتے ہیں مولا

۱۳
اے بیواؤں کے وارث میری امداد کو آؤ
مضطر ہوں میں قیدِ غمِ فرقت سے چھڑاؤ
لونڈی ہوں تمھاری مجھے دل سے نہ بھلاؤ
صدقے گئی جلدی مجھے روضہ پہ بلاؤ
دولت کی نہ خواہش ہے نہ حشمت کی ہوس ہے
گر ہے تو فقط مجھ کو زیارت کی ہوس ہے

۱۴
حسرت ہے کہ اس روضۂ انور کو جو پاؤں
کس شوق سے مَیں دوڑ کے آنکھوں سے لگاؤں
ہر صبح و مسا گرد پھروں اشک بہاؤں
پھر تختِ طلا بھی جو کوئی دے تو نہ آؤں
ہر وقت زیارت کو مزارِ شہِ دیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو مدفن بھی وہیں ہو

۱۵
یا سرورِ ذیشاں علی اکبرؑ کا تصدق
دو روز کے پیاسے علی اصغرؑ کا تصدق
مولا پسرِ حضرتِ شبّرؑ کا تصدق
بے پردگیِ زینبؑ مضطر کا تصدق
بے تاب ہُوں میں دیر نہ فرمائیے مولا
عباسؑ کا صدقہ مجھے بلوائیے مولا

۱۶

رہتی تھی اسی فکر میں وہ بیکس و مضطر
مشتاقِ زیارت کو نہ نیند آتی تھی شب بھر
اک دن کسی عورت نے خبر دی اسے جا کر
اک قافلہ جاتا ہے سوئے روضۂ سرور
سادات ہیں ابرار ہیں مقبولِ خدا ہیں
سب زائرِ فرزندِ رسولِؐ دوسرا ہیں

۱۷

اترے ہیں وہ سب آن کے بستی میں ہماری
ناقوں پہ ہر ایک جا نظر آتی ہے عماری
ہر شخص ہے مقبولِ خدا عاشقِ باری
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکرگزاری
ایک ایک گھڑی طاعتِ ربِ دوسرا ہے
قرآں کی تلاوت ہے نمازوں کی صدا ہے

۱۸

سنتے ہیں کہ اس قافلے میں ہے کوئی سردار
ہر شخص سے بستی میں یہ کرتا ہے وہ گفتار
سنتے ہیں کہ یاں ہے کوئی بیوہ جگر افگار
مضطر ہے بہت شوقِ زیارت میں وہ نادار
محتاج اگر وہ ہے تو ہم لے کے چلیں گے
سب ہم سفر آنکھوں پہ قدم لے کے چلیں گے

۱۹

جس وقت سنی اس نے مفصل یہ حقیقت
سمجھی کہ ہوئی اب طلبِ شاہِ ولایت
فرزند سے کہنے لگی وہ صاحبِ عصمت
خالق نے مری کر دیا سامانِ زیارت
دن پھر گئے یاور مری قسمت ہوئی بیٹا!
کس یاس میں مولا کی عنایت ہوئی بیٹا!

۲۰

جا جلد کہ اب دیر مناسب نہیں دم بھر
سنتی ہوں کہ کل کوچ ہے ان سب کا مقرر
بیٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر
لے لیجیے اب اپنے لیے موزہ و چادر
توشہ ہے توکل یہ نظر حق کی طرف ہے
رُوپوشی سے زہراؑ کی کنیزوں کو شرف ہے

۲۱

اک سرد نفس کھینچ کے بولی وُہ دل افگار
بیٹا! مجھے کچھ موزہ و چادر نہیں درکار
میں بیکس و بے پر ہوں مصیبت میں گرفتار
زینبؑ سے تو بہتر میرا پردہ نہیں زنہار
آلِ نبویؐ نرغۂ اعدا میں گھری ہے
شہزادی میری شام میں سر ننگے پھری ہے

۲۲

یاد آتی ہے مجھ کو حرمِ شہ کی مصیبت
وہ نرغۂ کفار وہ رسّی کی اذیت
وہ ظلم ستمگاروں کے وہ عالمِ غربت
تازہ وہ غریبوں کے جُدا ہونے کی آفت
نیزوں پہ سر ان کے تھے جو نازوں کے پلے تھے
رانڈوں کے بھی بچوں کے بھی رسّی میں گلے تھے

۲۳

درکار ہے بیوہ کو نہ ہودج نہ عماری
پیدل میں سوا دے گا ثوابِ ایزدِ باری
عابدؑ کی مصیبت مجھے یاد آتی ہے داری
کانٹوں پہ لیے جاتے تھے کھینچے ہُوئے ناری
مُہلت تھی نہ دم لینے کی اس رنج و محن میں
تھیں بیڑیاں پاؤں میں گلا طوق و رسن میں

۲۴

اٹھی یہ سخن کہہ کے بہ عجلت وہ نکوکار
فرزند بھی ہمراہ ہوا چلنے کو تیار
پہنچی جو قریں زائرۂ سیدِ ابرار
توقیر سے لائے اسے سب شاہ کے زوّار
واجب تھی جو اس بے سر و سامان کی خدمت
کی دل سے ہر اک شخص نے مہمان کی خدمت

۲۵

شب بھر اسی بستی میں رہے مومن و دیندار
اور وقتِ سحر واں سے روانہ ہوئے اک بار
ہر روز اسی طرح چلے جاتے تھے زوّار
صحرا کہیں دیکھا کہیں بستی کہیں کہسار
آرام کے جویا تھے نہ راحت پہ نظر تھی
شب تھی کسی دِہ میں کسی قریہ میں سحر تھی

۲۶

زوّاروں کے وہ غول وہ ناقوں کی صدائیں
باہم وُہ نمازیں وہ وظائف وہ دُعائیں
ان لوگوں کو کیوں عزّ و شرف ہاتھ نہ آئیں
جن کے ملک آ کر قدم آنکھوں سے لگائیں
ہر غنچۂ دل شوقِ زیارت سے کھُلا تھا
جنّت کا سپاہی اُسے رستے سے ملا تھا

۲۷

راحت سے چلی جاتی تھی وہ زائرۂ شاہ
وارد ہوا اِک دشت میں وہ قافلہ ناگاہ
واں تھے کئی سَو دشمنِ فرزندِ ید اللہ
سادات کے قاتل تھے لعینوں کے ہوا خواہ
مطلق نہ ذرا خوفِ خدا کرتے تھے ظالم
زوّاروں پہ رستے میں جفا کرتے تھے ظالم

۲۸

پہنچے جو سرِ شام سب اُس دشت میں آکر
غارت کی خبر سُن کے ہر اک قلب بنا مضطر
تب قافلہ باشی نے کہا سب سے مکرّر
اس راہ میں ہیں دشمنِ اولادِ پیمبرؐ
اس راہ سے ناقوں کا گزرنا نہیں اچھا
یاں قافلہ والوں کا ٹھہرنا نہیں اچھا

۲۹

مشہور ہے شہروں میں یہ صحرائے پُر آفت
ایک ایک ستمگار تھے یاں برسرِ بدعت
زوّاروں کو جب آب و غذا سے ہو فراغت
بہتر ہے کہ پھر بار ہوں اُونٹوں پہ بہ عجلت
شبخُوں کا تردّد ہے ضرر پانے کا ڈر ہے
اس وادیِ پُر ہَول میں لُٹ جانے کا ڈر ہے

۳۰

یہ بات جو اس قافلہ باشی نے سُنائی
بس واں سے چلے جلد وہ مولا کے فدائی
پھرنے کے سبب چلنے کی طاقت جو نہ پائی
یہ چھٹ گئی زوّاروں سے گردُوں کی ستائی
ناقوں کی صدائیں تھیں نہ وہ شور ذرا تھا
فرزند تھا یا آپ تھی یا سر پہ خدا تھا

۳۱

جب اس نے پتا قافلہ والوں کا نہ پایا
یہ روئی کہ خونِ جگر آنکھوں سے بہایا
فرزند کو پاس اپنے بلا کر یہ سُنایا
کس وقت میں زوّاروں سے قسمت نے چھڑایا
نہ راحلہ نہ زادِ سفر پاس ہے بیٹا!
ہر طرح زیارت سے مجھے یاس ہے بیٹا!

۳۲

نہ قتل کی دہشت تھی نہ لُٹنے کا مجھے ڈر
غم ہے کہ نہ جانا ہوا روضہ پہ میسر
اس جا کوئی مونس نظر آتا ہے نہ یاور
لکھی تھی اسی بن میں قضا واتے مقدر
حسرت بھی نہ نکلی کوئی مغموم رہی میں
افسوس زیارت سے بھی محروم رہی میں

۳۳

بیٹے سے یہ کہتی تھی وہ پابندِ مصیبت
جو دشمنِ دیں دشت میں آتے پئے غارت
دیکھے نہ وہ ناقے نہ وہ اسبابِ تجارت
اس عاشقِ سرور سے یہ بولے بہ شقاوت
زوّاروں کو بتلا دے کہ مہلت کوئی دم ہے
ورنہ ترا سر اور یہ شمشیرِ دو دم ہے

۳۴

بولا پسرِ زائرہ بے کس و مغموم
باز آؤ جفاؤں سے پئے سیّدِ مظلوم
آگاہ ہے اس امر سے وہ خالقِ قیّوم
کس سمت گئے وہ مجھے اصلا نہیں معلوم
دُکھ کون سا یہ دردِ جُدائی نہیں دیتا
نقش اُن کی کفِ پا کا دکھائی نہیں دیتا

۳۵

نامِ شہِ دیں سنتے ہی بس آنکھ بھرائی
اِک تیغِ ستم فرق پہ زائر کے لگائی
بے سر جو ہُوا وہ شہِ والا کا فدائی
چلّائی ضعیفہ کہ دُہائی ہے دُہائی
یا سرورِ ذیشاں! مری فریاد کو پہنچو
فرزند کو مارا ہے مری داد کو پہنچو

۳۶

بے آپ کے کس سے ہو مرے داد کا چارا
بس ایک یہی تھا میری پیری کا سہارا
بے جُرم جفاکاروں نے اس لال کو مارا
جس لال کو میں جانتی تھی آنکھوں کا تارا
جاری تھا دمِ نزع بھی نام آپ کا آقا
مارا گیا غربت میں غلام آپ کا آقا

۳۷

ہر وقت دُعا تھی یہ مری بہ دلِ مضطر
زندہ رہے یا رب! یہ غلامِ علی اکبرؑ
اٹھارھواں جب سال گزر جائے گا اس پر
مولا کی زیارت کو چلوں گی اسے لے کر
بچ جائے جو صدقہ میں ولی ابنِ ولی کے
لے جاؤں گی روضہ پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۳۸

فریاد کرے کس سے یہ گردوں کی ستائی
آقا کوئی لونڈی کی تمنّا نہ بر آئی
میں روضۂ انور پہ پہنچنے بھی نہ پائی
تقدیر نے غربت میں مصیبت یہ دکھائی
بیٹا نہیں ہمدم نہیں پیارا نہیں آقا
اب رانڈ کا دُنیا میں سہارا نہیں آقا

۳۹

سنتی ہُوں کہ آپ آتے ہیں مشکل میں سدا کام
کر دیتے ہیں زوّاروں کی راحت کا سرانجام
نام آپ کا میرا ہے وظیفہ سحر و شام
بیتاب ہوں مولا مجھے دم بھر نہیں آرام
بیٹے کا نہ صدمہ ہے نہ لُٹنے کا قلق ہے
اس روضۂ پُر نور سے چھٹنے کا قلق ہے

۴۰

چلاتی تھی اس طرح کبھی وُہ جگر افگار
جلد آئیے یا حضرت عباسؑ علمدار
زواروں کے آپ آن کے ہوتے ہیں مددگار
لونڈی ہے تمہاری یہ مصیبت میں گرفتار
دیر اب نہ کرو شاہِ مدینہ کا تصدق
کام آؤ مصیبت میں سکینہؑ کا تصدق

۴۱

اس درد سے روئی جو وہ غمگین و دل آزار
ایک گرد ہوئی دامنِ صحرا سے نمودار
پرتو سی ہوئی جب وہ زمیں مطلعِ انوار
دیکھا یہ ضعیفہ نے کہ دو آتے ہیں اسوار
روشن ہیں نقابوں سے کہ فخرِ دو جہاں ہیں
دو چاند سے رُخ ابر کے دامن میں نہاں ہیں

۴۲

گھوڑے وُہ کہ تھے تنگ جنھیں وسعتِ میداں
ہاتھوں میں وہ نیزے کہ دلِ کوہ ہو لرزاں
شمشیر ہر اک غیرتِ برقِ شرر افشاں
چہروں پہ چمک وہ کہ خجل نیّرِ تاباں
پُرنور جو وہ دشت کا دامن نظر آیا
میدانِ بلا وادیِ ایمن نظر آیا

۴۳

افلاک سے آتی تھی یہ آواز برابر
دیکھو شرفِ زائرۂ سبطِ پیمبر
فریاد جو پہنچی ہے سوئے روضۂ انور
نکلے ہیں امامِ دو جہاں قبر سے باہر
عیسیٰؑ نفس اعجاز دکھانے کو چلے ہیں
بیٹے کو ضعیفہ کے جلانے کو چلے ہیں

۴۴

جس وقت ضعیفہ کے قریب آئے وہ اسوار
سمجھی کہ وہی لوگ ہیں پھر درپئے آزار
تب رو کے یہ کہنے لگی وہ بیکس و ناچار
اب کیا ہے مرے پاس نہ درہم ہے نہ دینار
جو عہد کیا تھا وہ وفا کر دیا میں نے
فرزند بھی آقا پہ فدا کر دیا میں نے

۴۵

اس وقت میں کس سے ہو مرے درد کا درماں
یہ عالمِ غربت یہ کڑی کوس یہ میداں
مضطر ہو نہ کیونکر یہ کنیزِ شہِ ذیشاں
کوئی مرے بچے کے نہیں دفن کا ساماں
منہ اپنے جگر بند سے موڑا نہیں جاتا
بے دفن و کفن لاش کو چھوڑا نہیں جاتا

۴۶

رو رو کے ضعیفہ نے سخن جب یہ سنائے
صدمے سے ان اسواروں کے آنسو نکل آئے
فرمایا کہ ہاں سچ ہے بڑے رنج اٹھائے
اب یہ نہیں طاقت جو کوئی تجھ کو ستائے
سُن کر تیری فریاد کو دل غم سے بھرے ہیں
اب تیری حفاظت کو ملایک کے پرے ہیں

۴۷

کیا غم ہے اگر پاس نہیں درہم و دینار
اب زادِ سفر کی تجھے حاجت نہیں زنہار
روضہ پہ پہونچنا تو کچھ ایسا نہیں دشوار
بند آنکھ کرے گی تو کھلیں گے تجھے اسرار
دیکھ اپنا شرف الفتِ شاہِ مدنی میں
پل بھر میں کھڑی ہوگی رواقِ شہ دیں میں

۴۸

کس طرح نہ دل ٹکڑے ہوا سے بیکس و پُرغم
سچ ہے کہ قیامت ہے جواں بیٹے کا ماتم
دشمن کو بھی یہ درد نہ دے خالقِ عالم
پیری میں یہ صدمۂ اجل آنے سے نہیں کم
وہ جانے گا اس داغ کو گھر جس کا لُٹا ہے
میرا بھی جواں لال ضعیفی میں چُھٹا ہے

۴۹

مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بے مونس و یاور
سب قتل ہوئے جس کے پسر اور برادر
اس طرح لٹا عالمِ غربت میں بھرا گھر
سر پر کسی بیکس کے نہ تھا مقنع و چادر
بدعت ہے وہی ظلم کا سب طور وہی ہے
زوّاروں پہ اب تک ستم و جور یہی ہے

۵۰

جب درد سے تو روتی ہے اے مونسِ پاک
واللہ کہ سینے میں جگر ہوتا ہے صد چاک
بیٹے کی جدائی سے ہو مضطر و غم ناک
کرتے ہیں دعا اس کے لیے سیدِ لولاک
گو اس کو اجل لے گئی ہستی کے چمن سے
ہم تجھ کو ملا دیں گے ترے غنچہ دہن سے

۵۱

فرما کے یہ اترے فرسِ خاص سے حضرت
کی لاشہ پہ بے سر پہ نظر تھام کے رقّت
جس تن کو نہ اصلا حرکت تھی کسی صورت
ڈھانپا اسے مولا نے تہہِ دامنِ رحمت
کیوں اس کا نہ سر اوج و شرف میں خدا ہو
جس تن پہ پسِ مرگ محمدؐ کی عبا ہو

۵۲

استادہ ہوئے پھر سوئے قبلہ شہِ صفدر
کی خالقِ اکبر سے دُعا ہاتھ اٹھا کر
جُنبیاں جو ہوئے ذکرِ خدا میں لبِ اطہر
ہر عضو میں اس کی حرکت ہو گئی یکسر
اعجاز نمائی تھی یہ مولا کے سخن میں
قم کہتے ہی جان آ گئی زائر کے بدن میں

۵۳

پایا جُونہی فرزند کو مادر نے سلامت
دل شاد ہوا چھا گئی چہرے پہ بشاشت
آیا نظر اس کو یہ جو اعجاز و کرامت
لپٹی قدمِ پاک سے وہ صاحبِ عصمت
کہتی تھی اس اعجاز دکھانے کے میں صدقے
اے فخرِ مسیحا ترے اس آنے کے میں صدقے

۵۴

کس طرح نہ صدقے ہوں یہ دُکھ درد کی ماری
غُربت میں اس اعجاز نمائی کے میں واری
ثابت تو ہوا یہ کہ ہیں آپ عاشقِ باری
صدقے گئی کس شہر سے آئی ہے سواری
ان قدموں سے راحت کا سبب پا گئی گویا
آپ آئے کہ تھی میری جان آ گئی گویا

۵۵

اس بن میں بجز مرگ نہ تھا زیست کا یارا
قدموں سے ہوا آپ کے جینے کا سہارا
بیٹے کی جو فرقت سے کلیجہ تھا دو پارا
جاں آپ نے بخشی مرے پیارے کو دوبارا
یہ رحم یہ بخشش یہ عنایت نہیں دیکھی
بندے میں یہ اعجاز و کرامت نہیں دیکھی

۵۶

ہر بار مرے حال پہ آنسو نہ بہاؤ
قدموں پہ بھی سر رکھتی ہوں نام اپنا بتاؤ
مشتاق بہت ہوں مجھے صورت تو دکھاؤ
صدقے گئی چہرۂ سے نقابوں کو اٹھاؤ
حسرت ہے کہ یہ پھول سے رخسار تو دیکھوں
دل غم سے بھرا آتا ہے دیدار تو دیکھوں

۵۷

سر پاؤں پہ رکھا جو ضعیفہ نے کئی بار
نیہوڑا کے سر پاک یہ کی آپ نے گفتار
تو جس کی زیارت کو چلی ہے بدلِ زار
میں ہوں وہی دُکھ درد رسیدہ جگر افگار
امداد گروہِ غربا کام ہے میرا
مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ نام ہے میرا

۵۸

میں وُہ ہوں کہ گھیرے تھا جسے شام کا لشکر
میں وُہ ہوں کہ بے جُرم چلا حلق پہ خنجر
میں ہوں وہی آفت زدہ و بیکس و مضطر
بلوے میں حرم جس کے پھرے کھولے ہوئے سر
گھر جس کا لٹا رن میں وہ مغموم ہمیں ہیں
پانی نہ ملا جس کو وہ مظلوم ہمیں ہیں

۵۹

میں وہ ہوں کہ لاشے پہ کوئی جس کے نہ رویا
میں وہ ہوں کہ اکبرؑ سا جواں ہاتھوں سے کھویا
ماں رہتی تھی جس بچے کے آرام کی جویا
پیکانِ ستم کھا کے وہی قبر پہ سویا
دنیا سے پُر ارمان سفر کر گئے اصغرؑ
پانی نہ ملا تشنہ دہن مر گئے اصغرؑ

۶۰

وہ کون سی ایذا تھی جو میں نے نہ اٹھائی
میں وہ ہُوں کہ چالیسویں تک قبر نہ پائی
تو دیتی ہے جس سر کی جو اس بن میں دُہائی
یہ ہیں وہی عباسؑ دلاور مرے بھائی
مشکل میں مدد کرتے ہیں یہ کام ہے ان کا
سقائے یتیمانِ حرم نام ہے ان کا

۶۱

دل روتا ہے کیوں اشک نہ آنکھوں سے بہائیں
دکھ کون سے اور کون سی رُوداد سنائیں
جن لوگوں کے ناموس پہ گزریں یہ جفائیں
انصاف کی جا ہے وہ کیسے شکل دکھائیں
ٹکڑے ہے جگر سینے میں ہر بار ہمارا
اب حشر پہ موقوف ہے دیدار ہمارا

۶۲

یہ سنتے ہی قدموں سے لپٹ کر وہ پکاری
اے شیرِ خدائے دو جہاں عاشقِ باری
ان قدموں کے اس آپ کے آنے کے میں واری
آقا میں تڑپتی تھی زیارت کو تمھاری
یا ور مری قسمت تھی کہ ممتاز ہوئی میں
حضرت کی کنیزوں میں سرافراز ہوئی میں

۶۳

میں پا گئی مولا کے قدم فخر کی جا ہے
یہ رحم یہ الطاف و کرم فخر کی جا ہے
دیدار شہنشاہِ اُمم فخر کی جا ہے
ہاتھ آ گئی جاگیرِ ارم فخر کی جا ہے
مشتاق تھی میں جس کی وہ صُورت نظر آئی
آج احمدؐ و حیدرؑ کی زیارت نظر آئی

۶۴

یہ کہہ کے پھری گردِ قدم وہ بصد اُلفت
غش ہو گئی رِیتی یہ یہ طاری ہوئی رِقت
چونکی جو ذرا غش سے وہ پابندِ مصیبت
تھی پیشِ نظر روضۂ اقدس کی زیارت
سر اوجِ مقدر کا دو بالا نظر آیا
آنکھوں کو مزارِ شہِ والا نظر آیا

۶۵

کیوں مومنو! آقا کی سُنی بخشش و رحمت
یُوں ہوتی ہے مشکل میں غریبوں پہ عنایت
واجب ہے ولائے پسرِ شاہِ ولایت
ہے تعزیہ داروں کے لیے گلشنِ جنّت
مشکل میں نظر رحم کی فرماتے ہیں آقا
شیعوں کے یُونہی قبر میں کام آتے ہیں آقا

۶۶

کیوں چرخ جو یوں دکھ میں مدد کرنے کو آئے
زنداں ہے کوئی اس کے نہ یتیموں کو چھڑائے
یُوں جس کا پدر دشت میں اعجاز دکھائے
تا شام وہی بیڑیاں پہنے ہوئے جائے
کس مُنہ سے بجز شکر نہ فرماتے تھے عابدؑ
سر خم کیے کانٹوں پہ چلے جاتے تھے عابدؑ

۶۷

خاموش انیس اب کہ نہیں قلب کو آرام
ہے یہ شرفِ زائرۂ بیکس و ناکام
کرتے ہیں طلب جس کو امام ذوالاکرام
ہو جاتا ہے پل بھر میں زیارت کا سرانجام
مانندِ شہ جن و بشر ہوتے ہیں جس پر
یُوں جاتا ہے رحمت کی نظر ہوتے ہیں جس پر

★ ## مرثیہ ۲۱

جب تیروں سے مجروح ہُوا قاسمِؑ نوشاہ

۱

جب تیروں سے مجروح ہوا قاسمؑ نوشاہ
اور خاک پہ گھوڑے سے گرا قاسمِؑ نوشاہ
یُوں شاہ کو چلانے لگا قاسمِؑ نوشاہ
دنیا سے چچا جان چلا قاسمِؑ نوشاہ
مرتا ہُوں بے آس ہو اب جینے سے میرے
برچھی کی اَنی پار ہوئی سینے سے میرے

۲

گودی میں مجھے آکے زمیں پر سے اٹھاؤ
مشتاق ہوں دیدار کا شکل اپنی دکھاؤ
پامال ہُوا جاتا ہُوں مَیں مجھ کو بچاؤ
یہ وقت مدد کا ہے چچا جان! اب آؤ
گھوڑے جو لعیں جسم پہ دوڑاتے ہیں حضرت
سب زخم مرے تن کے پھٹے جاتے ہیں حضرت

۳

دیر آپ نے آنے میں جو فرمائی چچا جان!
ہم ہو گئے پامالِ بزیرِ سُمِ اسپاں
پوشاکِ عروسی ہُوئی سب خُون میں غلطاں
سر کاٹنے کی فکر میں ہیں دشمنِ ایماں
محشر تلک اِس رنج سے مغموم رہوں گا
گر آپ کے دیدار سے محروم رہوں گا

۴

طاقت مجھے اُٹھنے کی جو ہوتی شہِ والا!
حضرت کو یہاں آنے کا تصدیع نہ دیتا
ناچار ہُوں اُٹھ سکتا نہیں خاک سے اصلا
کیا پاؤں بڑھے گھٹ گیا سب زورِ بدن کا
خُوں زخموں سے سینہ کے ابلتا ہے چچا جاں
اب دم کوئی ساعت میں نکلتا ہے چچا جاں

۵

واں ضعف سے فدوی کی پہنچتی نہیں آواز
اب میری خبر لیجئے اے صاحبِ اعجاز
کونین میں خادم کے تئیں کیجئے ممتاز
حضرت کے قدم دیکھنے سے ہوں گا سرافراز
ملعونوں کو سر تن سے جدا کرنے کی کد ہے
اے فاطمہؑ کے لال! یہی وقتِ مدد ہے

۶

تن پر مرے تلوار پہ تلوار پڑی ہے
تر خُوں سے مرے سہرے کی ہر ایک لڑی ہے
جلد آؤ چچا! مجھ پہ مصیبت کی گھڑی ہے
مہماں ہُوں کوئی دم کا اجل سر پہ کھڑی ہے
دل ٹکڑے مِرا کر دیا برچھی کی اَنی نے
فریاد ہے مارا مجھے تشنہ دہنی نے

۷

حضرت نے سُنی جب یہ صدا ابنِ حسنؑ کی
بیتاب ہو خیمہ سے نکل راہ لی رن کی
تھا دل پہ یہ صدمہ کہ نہ طاقت تھی سخن کی
فرماتے چلے دل سے کہ تقدیر دُلہن کی
اعدا نے کہا کاٹیو جلدی سرِ قاسمؑ
لے جائیں حسینؑ ابن علیؑ پیکرِ قاسمؑ

۸

اور بلکہ وہ آنے بھی نہ یاں پائے کہ تم جاؤ
میداں سے اِدھر لاشۂ قاسمؑ کو اٹھا لاؤ
شبیرؑ کو سر کاٹ کے نوشہؑ کا دکھاؤ
لاشہ کے تئیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلواؤ
لشکر سے اکیلے کا نہ کچھ زور چلے گا
شبیرؑ کھڑا دُور سے ہاتھوں کو ملے گا

۹

یہ سُنتے ہی وہ شیر سا میدان میں آیا
جانوں کا عدو کے تئیں یہ خوف سمایا
میداں سے جو ایک نے گھوڑوں کو بھگایا
تب شاہ نے قاسمؑ کو سِسکتا ہُوا پایا
دیکھی جو حسنؑ بھائی کی تصویر زمیں پر
بس کُود پڑے گھوڑے سے شبیرؑ زمیں پر

۱۰

کیا دیکھیں کہ قاسمؑ ہے پڑا پاؤں رگڑتا
ہچکی سی لگی دم جو نہی حلقوم میں اڑتا
اور زخم کو چھاتی کے ہے ہاتھوں سے پکڑتا
منہ سے نکل آتی ہے زباں دم ہے اُکھڑتا
سرشار لہو میں تنِ پُر نور ہے سارا
اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے بدن چور ہے سارا

۱۱

ہے زخم سے چھاتی کے رواں خون کی اک دھار
افتادہ سپر ہے کہیں برچھی کہیں تلوار
پرزے ہے قبا جسم میں اور ٹکڑے ہے دستار
مقیش کے سہرے کے کبھی بکھرے ہوئے ہیں تار
بدھی کہیں کنگنا کہیں ماٹی پہ پڑا ہے
تر خون میں ڈوبا کہیں رہوار پڑا ہے

۱۲

رونے لگے شہؑ لاشۂ قاسمؑ کو لپٹ کر
سر پیٹ کے چلائے کہ ہے ہے مرے دلبر
آ پہنچے وہاں اتنے میں عباسِؑ دلاور
رو رو کے علمدار سے کہنے لگے سرور
میں لُٹ گیا دنیا سے سفر کر گئے قاسمؑ
پانی نہ مِلا تشنہ دہن مر گئے قاسمؑ

۱۳

پھر لاش سے رو رو کے یہ فرمانے لگے شاہ
اے ابنِ حسنؑ آنکھیں ذرا کھولو تو لِلّٰہ
افسوس کہ میں وقت پہ پہنچا نہ ترے آہ
پامال ترا گل سا بدن کر گئے گمراہ
ظالم تو تمھیں برچھیاں مارا کیے قاسمؑ!
تم ہم کو دمِ قتل پکارا کیے قاسمؑ!

۱۴

شبیرؑ بھی اب جلد جو مر جائے ہے تو خوب
جب تم نہ ہو تو پھر جینے کا ہے کونسا اسلوب
میں تیری مدد کر نہ سکا اے مرے محبوب!
واللہ کہ شبیرؑ نہایت ہوا محجوب
میں آتا تو قاسمؑ! یہ ترا حال نہ ہوتا
یوں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال نہ ہوتا

۱۵

افسوس بُرے وقت میں مَیں آنے نہ پایا
لاشہ بھی ترا خیمہ میں لے جانے نہ پایا
جیتا تجھے ماں بہنوں میں پہنچانے نہ پایا
یہ شکل تری چاند سی دکھلانے نہ پایا
آتے مِرے تُو مر گیا مَیں زندہ ہوں قاسمؑ!
واللہ ترے مُنھ سے میں شرمندہ ہوں قاسمؑ!

۱۶

پھر سینے سے نوشاہؑ کے برچھی کو نکالا
اکبرؑ نے سرِ قاسمِ نوشاہ سنبھالا
چھاتی سے لگا لاش کو رونے شہِ والا
عباسؑ نے پھر لاش کو رہوار پہ ڈالا
تھا شیر سا نوشہ تو پڑا خانۂ زیں پر
خوں زخموں سے چھاتی کے ٹپکتا تھا زمیں پر

۱۷

اک سمت تھے پا ہاتھ تھے اک سمت لٹکتے
ہر زخم میں تھے تیروں کے پیکان کھٹکتے
پیشانی سے تھے خون کے قطرے بھی ٹپکتے
سر خاک پہ تھے سرورِ دیں دیدے ٹپکتے
صدمہ تھا عجب طرح کا اِس دم شہِ دیں پر
دل تھام کے گر پڑتے تھے ہر بار زمیں پر

۱۸

پہنچے درِ خیمہ پہ جُونہی سامنے سرورؑ
سب بی بیاں روتی تھیں کھڑی خیمے کے در پر
کلثومؑ سے یُوں کہنے لگی زینبؑ مضطر
سر پیٹتے بھیا چلے آتے ہیں برادر
عباسؑ اُدھر اکبرِ مظلومؑ اِدھر ہے
اور گھوڑے پہ اِک ماہِ لقا خون میں تر ہے

۱۹

سر پیٹ کے اِتنے میں سکینہؑ یہ پکاری
ہے ہے پھوپھی اماں یہ ہے دُولھا کی سواری
غش گھوڑے پہ ہے خون بہے، ہر زخم سے جاری
ہر ایک عضو ٹکڑے زدہ پرنے ہے ساری
تھے رن کو سدھارے ابھی کس شان سے بھیا
مرتے سے چلے آتے ہیں میدان سے بھیا

۲۰

ماں نے کہا قاسمؑ کی کہ ہے ہے یہ ہوا کیا
کیا آتا ہے میداں سے مرے بیٹے کا لاشا
کیا کہتے ہو لوگو، مجھے باور نہیں آتا
میں دیکھ کے آتی ہوں ابھی رن میں کھڑا تھا
اے بیبیو! وہ صاحبِ اقبال نہ ہو گا
ہوئے گا کوئی اور مرا لال نہ ہو گا

۲۱

شہ لاش لیے اتنے میں نزدیک تر آئے
ساتھ اکبرؑ و عباسِؑ علی نوحہ گر آئے
غُل پڑ گیا قاسمؑ بھی تو ہیں خُوں میں تر آئے
سر پیٹتے ناموسِ نبیؐ ڈیوڑھی پہ آئے
شہؑ نے کہا بھائی مرا غم خوار سدھارا
دنیا سے بڑے بھائی کا دلدار سدھارا

۲۲

پھر پیٹ کے سر بولے حرم سے کہ اِدھر آؤ
لاش آئی ہے نوشاہ کی گھوڑے سے اُتر واؤ
اِس لاش کو خیمہ میں کسی طرح سے لے جاؤ
دُلہن کو بھی دُولھا کی ذرا شکل دکھا لاؤ
اب جا کے یہ میدان میں آرام کریں گے
پھر قاسمِ نوشاہ قیامت میں ملیں گے

۲۳

شبیرؑ نے رو رو کے جو یہ بات سُنائی
سر پیٹتی ماں دُولھا کی باھر نکل آئی
اک ایک سے کہتی تھی وہ دے دے کے دُہائی
اے صاحبو! دیتا نہیں کچھ مجھ کو دکھائی
تر لاہو میں یہ اور کوئی ماہِ جبیں ہے
لوگو! مرا بیٹا یہ نہیں ہے یہ نہیں ہے

۲۴

کس شان سے شوکت سے وہ میداں میں گیا تھا
گھوڑے سے ابھی بیاہ کا سہرا نہ کھلا تھا
تھی بر میں قبا' ہاتھ میں کنگنا بھی بندھا تھا
کیوں بیبیو! ایسا ہی مرا ماہ لقا تھا
تھا وہ حُسنِ سیدِ ابرار کی صُورت
ایسی تو نہیں تھی مرے دلدار کی صورت

۲۵

پہونچے سے مرے لال کے کب ہاتھ کٹے تھے
کب چاند سے رُخسار پہ زخم اتنے لگے تھے
کب تیر بھلا جسم میں پیوست ہوتے تھے
گیسو مرے دلدار کے کب خوں سے بھرے تھے
تر اس کا لہو سے تنِ پُرنور ہے سارا
اُس لاش کا تو آہ بدن چُور ہے سارا

۲۶

دل تھام کے پھر اُس سے یہ کہنے لگے سرور
میں کیا کہوں بھابھی! یہ تمہارا ہی ہے دلبر
تر خوں میں ہے تن ٹکڑے ہے تیغوں سے سراسر
سچ ہے کہ بھلا تم اسے پہچانتی کیونکر
وہ گل سا بدن خوں میں سب غرق ہے بھابی
مُردے میں اور زندے میں بڑا فرق ہے بھابی

۲۷

یہ کہہ کے سرِ دُولھا کا جو سرور نے سنبھالا
عمامے کو عباسؑ دلاور نے سنبھالا
ہاتھوں سے کمر کو علی اکبرؑ نے سنبھالا
پاؤں کے تئیں شاہ کی خواہر نے سنبھالا
پکڑے تھے سکینہؑ نے جو ہاتھ ابنِ حسنؑ کے
تھامے ہوئے کلثومؑ تھی ٹکڑوں کو بدن کے

۲۸

یُوں لاشں کو جب لے چلے سبطِ شہِ لولاک
آگے بڑھی سر کھول کے ماں دُولھا کی غمناک
بالوں کو بکھیرے ہوئے اور مُنھ پہ ملے خاک
ماتھے سے رداں لاہُو گریبان کئے چاک
کہتی تھی مرے ماہ کی آتی ہے سواری
اے بیبیو! نوشاہ کی آتی ہے سواری

۲۹

پردے میں چھپے وہ جسے ہو دُولھا سے چھپنا
لے جانے کو دُلہن کے ہے نوشاہ اب آتا
پردہ کرو جلدی کہ انھیں ہوئے نہ ایذا
دُلہن کا محافہ بھی ہے دروازے پہ رکھا
مسند پہ کوئی بنڑی کو بٹھلا دے بنا کر
لے جائے گا گودی میں وہ دلہن کو اٹھا کر

۳۰

یہ شور تھا جو خیمہ میں شہؑ لاش کو لائے
ساتھ اکبرؑ و عباسِ علیؑ پیٹتے آئے
شہؑ بولے کہاں لاش کو شبیرؑ لٹائے
ماں بولی کہ اے حیدرِ کرارؑ کے جائے
مت صحن میں خیمہ کے دھرو لال کو میرے
یا شاہ! میری گود میں دو لال کو میرے

۳۱

گودی میں لیا بیٹے کو چھاتی سے لگایا
پھر سوچ کے کچھ لاش کو مسند پہ لِٹایا
گھونگھٹ میں جو روتی تھی دُلہن اس کو سنایا
میداں سے ہے لاشہ ترے نوشاہ کا آیا
جیتا نہیں دنیا سے سفر کر گیا دُولھا
تو رانڈ ہوئی ہائے غضب مر گیا دُولھا

۳۲

پھر بین یہ کرنے لگی وہ بیکس و مضطر
قاسمؑ بنے تم مر گئے اور میں نہ گئی مر
یہ شکل تری چاند سی لاہو میں ہوتی تر
چُپ ہو گئے برچھی کی اَنی سینہ پہ کھا کر
جو مانی تھی منت وہ منانے بھی نہ پائی
سہرا بھی تمہے سر سے بڑھانے بھی نہ پائی

۳۳

ان نرگسی آنکھوں کو نظر ہے لگی کس کی
اس چاند سی چھاتی میں لگی ظلم کی برچھی
کیوں مر نہ گئی آہ تیرے پالنے والی
تن ٹکڑے ہوا ساری قبا خون میں ڈوبی
دُلہن کو دکھا کر مجھے تم مر گئے بیٹا !
مجھ رانڈ سی دُکھیا سے یہ کیا کر گئے بیٹا !

۳۴

ماں صدقے ہو اک شب کی دُلہن کو نہ رُلاؤ
لازم ہے کہ سر بنڑی کا چھاتی سے لگاؤ
ہے لوٹ رہی خاک پہ مسند پہ بٹھاؤ
دُلہن کو رُلا کر مجھے بیٹا ! نہ کُڑھاؤ
زاری نہ کرے کوئی یہ سمجھاؤ مری جاں !
یاں غیر نہیں کوئی نہ شرماؤ مری جاں !

۳۵

آرام کیا خوب اب اُٹھتے نہیں واری
تم سوتے ہو اور کرتی ہیں سب بیبیاں زاری
نتھ ناک سے دُلہن نے ہے رو رو کے اتاری
سر پیٹتی سالی بھی ہے اور ساس تمہاری
دُلہن سے نہیں بولتے کیا کرتے ہو قاسمؑ !
اک رات کی بیاہی کو خفا کرتے ہو قاسمؑ !

۳۶

یہ بَین جو دُلہن نے سُنے ساس کے اس آں
دل سے یہ لگی کہنے کہ میں رانڈ ہوئی یاں
گھونگھٹ کو اٹھا بال کیے اپنے پریشاں
سر پیٹ کے کہنے لگی ہے ہے مرے سلطاں
کیا ہو گیا آنکھوں کو تو کھولو مرے صاحب !
یہ وقت نہیں شرم کا بولو مرے صاحب !

۳۷

میں دیر سے روتی ہوں خبر کچھ نہیں تم کو
ہلکان میں ہوتی ہوں خبر کچھ نہیں تم کو
جاں اپنی میں کھوتی ہوں خبر کچھ نہیں تم کو
منہ اشکوں سے دھوتی ہوں خبر کچھ نہیں تم کو
کیا وجہ جو مجھ سے دل افسردہ ہوئے تم
بولے نہ کسی بات پہ آزردہ ہوئے تم

۳۸

گر جانتی ہیں جاتے ہو تم سر کو کٹانے
زنہار نہ دیتی تمھیں میدان کو جانے
مجھ رانڈ کو تم آئے تھے حال اپنا سنانے
ہے ہے مجھے کچھ بات نہ کرنے دی حیا نے
سچ ہے کہ وہ جگہ تو نہ تھی دل شکنی کی
تقصیر جو ہو بخش دے مظلوم بنی کی

۳۹

اب مجھ سے نہ آزردہ ہو تم اے مرے نوشاہ
تقصیر نہ اب ایسی کبھی ہووے گی واللہ
صاحب کی طبیعت سے میں اب ہو گئی آگاہ
ہوں تابعِ فرماں کہ ہوا تم سے مرا بیاہ
للہ نہ تم مجھ سے جدا ہو مرے صاحب !
باتیں بھی کروں گی نہ خفا ہو مرے صاحب !

۴۰

میں سمجھی تھی میداں سے چلے آؤ گے صاحب!
پھر شکل مجھے چاند سی دکھلاؤ گے صاحب!
دیدار سے تم اپنے نہ ترساؤ گے صاحب!
ہے ہے نہ یہ معلوم تھا مر جاؤ گے صاحب!
میداں میں تمھاری تو یہ حالت ہوئی ہے ہے
لونڈی کو بہت تم سے خجالت ہوئی ہے ہے

۴۱

افسوس ہُوئے تم تو مرے باپ پہ قرباں
میں جیتی رہی پہلے نہ کیوں نکلی مری جاں
سرتابقدم خوں میں ہوا تن ترا غلطاں
تم نے مجھے بیوہ کیا ہے ہے مرے سلطاں
اب رانڈ مِرا نام سہاگن نہ رہی میں
دو روز بھی دُنیا میں دُلہن نہ رہی میں

۴۲

اب سوتے یہ ایسا کہ جگا بھی نہیں سکتی
دو روز کے جاگے ہو اُٹھا بھی نہیں سکتی
آزردہ نہ ہو شانہ ہلا بھی نہیں سکتی
ہے دل کا جو کچھ حال سنا بھی نہیں سکتی
اللہ پہ روشن ہے جو کچھ حال ہے جی کا
اور اس پہ رہا داغ تمھاری خفگی کا

۴۳

دُولھا سے دُلہن نے جو کیا دردِ دل اظہار
سر پیٹ کے سب بی بیاں رونے لگیں اک بار
لاشہ کو اٹھا لے گئے رن میں شہِ ابرار
بس تو بھی قلم تھام انیسؔ جگر افگار
کس منھ سے بیاں کر سکے گا حال نبیؐ کا
تا عرش بریں پہنچا ہے غُل سینہ زنی کا

★ مرثیہ ۲۲

رَن میں جب زینبِ بیکس کے پسر قتل ہوئے

۱
رَن میں جب زینبِ بیکس کے پسر قتل ہوئے
بوند پانی نہ ملا تشنہ جگر قتل ہوئے
جب خبر آئی کہ وہ رشکِ قمر قتل ہوئے
کہا زینبؑ نے ہوا خوب اگر قتل ہوئے
آج کے روز بچا کر انھیں کیا کرتی میں
ہوتے سَو بیٹے تو بھائیؑ پہ فدا کرتی میں

۲
سِن میں گو چھوٹے تھے دونوں وہ مِرے گل اندام
ارے جاتا نہیں کچھ ان کا تعجب کا مقام
دونوں پوتوں نے کیا جعفرِ طیّارؑ کا نام
ان کا جو کام تھا اُسے بھی بن آیا ہے وہ کام
میں بھی تھی دیکھتی لڑتے تھے جو دلبند مرے
مار کر بہتوں کو مارے گئے فرزند مرے

۳
اُن کی جرأت کے میں صدقے ہوتی ہمت کے نثار
آپ مجھ سے یہ کہا کرتے تھے وہ لیل و نہار
اماں! ماموں سے دلاؤ ہمیں ایک ایک تلوار
پھر بھگا دیویں اگر سامنے دشمن ہوں ہزار
بنتِ زہراؑ کا جو تھا دودھ پیا دونوں نے
منہ سے جو کہتے تھے آخر وہ کیا دونوں نے

۴
پُوچھتے رہتے تھے مجھ سے وہ مرے راحتِ جاں
ہم سے اماں کرو نانا کی لڑائی کا بیاں
اسلحہ پہنے یہ کیا وضع تھی کیا شوکت و شاں
ہم نواسوں کی وہ سج ہووے گی جب ہوں گے جواں
ملتی ہے جعفرِ طیارؑ کی صورت کس میں
سچ بتا دو کہ ہے نانا کی شباہت کس میں

۵
رونے لگتی تھی میں لے لے کے بلائیں ان کی
اور کہتی تھی کہ اِس فہم کے قربان گئی
اے مرے پیارو! تمھارے میں ارادے سمجھی
تم میں سب شان ہے دادا کی بھی نانا کی بھی
آپ کو سب میں نمودار کرو ان کی طرح
اب میں تب جانوں جو تلوار کرو ان کی طرح

۶
سُن کے مجھ سے یہ بیاں دونوں بہت ہوتے تھے شاد
کہتے تھے حق کہیں بر لائے ہماری بھی مراد
ان کی ہمت سے توقع مجھے پڑتی تھی زیاد
بارے ہیں وہ باتیں دمِ جنگ رہیں دونوں کو یاد
ان کے مر جانے سے ظاہر میں تو برباد ہوئی
پر حقیقت میں جو پُوچھو تو بہت شاد ہوئی

۷
غم سے میں شب کو جو روتی تھی بصد رنج و محن
رونے لگتے تھے مرے ساتھ مرے غنچہ دہن
کہتے تھے وہ مرے منہ پر سے ہٹا کر دامن
اماں! کیوں روتی ہو زانو سے اٹھاؤ گردن
سر مرا چھاتی سے لپٹاتے تھے گرد میرے
چھوٹے سے ہاتھوں سے تھے پُونچھتے آنسو میرے

۸

بال بھیگے ہوئے رُخ سے مرے سرکاتے تھے
میں جو مُنھ پیٹنے لگتی تھی تو گھبراتے تھے
منتیں کرتے تھے سرپاؤں پہ ٹھہراتے تھے
کیسے دونوں مری چھاتی سے لپٹ جاتے تھے
کہتے تھے رات بہت آئی ہے سوؤ اماں!
ماموں صاحب کی قسم تم کو نہ روؤ اماں!

۹

کہتی تھی اے مرے پیارو! میں نہ روؤں کیونکر
لال زہراؑ کا ہے بے چین میں سوؤں کیونکر
ہوش گم ہیں مری جاں اپنے نہ کھوؤں کیونکر
بند پانی ہے منہ اشکوں سے دھوؤں کیونکر
ماں کی راحت کا میں واری نہ سرانجام کرو
میری قسمت میں تو رونا ہے تم آرام کرو

۱۰

ابنِ زہراؑ کو قلق ہے مِرے دم میں نہیں دم
لاکھ بے دینوں کے نرغے میں ہیں سلطانِ اُمم
تین دن گزرے ہیں پانی نہیں پہنچا ہے بہم
واں بہت جنگ کا ساماں ہے ادھر لوگ ہیں کم
دیکھیے کیا مجھے قسمت ہے دکھاتی پیارو!
بھائی کی بیکسی دیکھی نہیں جاتی پیارو!

۱۱

ہے یقیں مجھ کو کہ بھائی نہیں بچنے کا مرا
شام سے فاطمہؑ کے رونے کی سنتی ہوں صدا
قابلِ جنگ ہیں جو شہ پہ وہ ہوویں گے فدا
تم بہت سن میں ہو چھوٹے مجھے دھڑکا ہے بڑا
سب کے فرزندوں کی میداں میں شہادت ہو گی
وائے قسمت مجھے بھائی سے خجالت ہو گی

۱۲

تم جواں ہوتے تو کیا غم تھا مجھے اے پیارو
پہلے میں کہتی کہ ماموں پہ سر اپنے وارو
جس کو دعویٰ ہو شجاعت کا اسے للکارو
تیر جو شاہ کو مارے اسے نیزے مارو
چاہنے والی بہن شاہ کی مشہور ہوں میں
ہائے کوتاہیِ تقدیر سے مجبور ہوں میں

۱۳

میری باتوں کو وہ سُن سُن کے یہ کرتے تھے بیاں
خُورد سالی پہ نہ فرزندوں کی جاؤ اماں
ایک سے روبرو شمشیر کے ہیں خورد و کلاں
قید کیا ہوں گے جو ماموں پہ نہ ہوں گے قرباں
سایہ کی طرح نہ قدموں سے جدا ہوویں گے
دیکھنا پہلے جوانوں سے فدا ہوویں گے

۱۴

سن میں گو چھوٹے ہیں پر صاحبِ توقیر ہیں ہم
قد میں نیزے سے ستم گار ہیں تو تیر ہیں ہم
نہیں دشمن کو اماں جس سے وہ شمشیر ہیں ہم
شیرِ حق مصحفِ ناطق ہیں تو تفسیر ہیں ہم
فضلِ حق سے ہے یداللہ کی طاقت ہم میں
کوئی ہم سے بھی زبردست ہے کیا عالم میں

۱۵

میں یہ کہتی تھی کہ آوے مجھے باور کیوں کر
رن میں لڑتے ہوئے دیکھے تمھیں مادر کیوں کر
مجھ کو دکھلاؤ گے تلواروں کے جوہر کیوں کر
یہی دھڑکا ہے کہ ہو گی یہ مہم سر کیوں کر
وہ بھی کہتے تھے کہ ڈیوڑھی پہ کھڑے ہونا تم
ہم سے کچھ ہو نہ سکے گا تو تبھی رونا تم

۱۶
صادق القول تھے لوگو! میرے دونوں پیارے
شکر کرتی ہوں کہ ماموں پہ سر اپنے وارے
فارغ البال ہوئے مٹ گئے دھڑکے سارے
کیا ندامت تھی جو فرزند نہ جاتے مارے
خوں میں ڈوبیں گے یہ معلوم نہ تھا حال مجھے
سرخرو کر گئے کنبہ میں مرے لال مجھے

۱۷
اب میں کہتی ہوں کہ جب جا چکے وہ دنیا سے
ہائے بچے مرے مارے گئے بھوکے پیاسے
ایسے بچھڑے کہ دوبارا نہ ملے بابا سے
داغ ان کا کوئی پوچھے پسرِ زہراؑ سے
زخم کھائے ہوئے وہ خاک پہ سوتے ہوں گے
شہ وہیں بھانجوں کی لاشوں پہ روتے ہوں گے

۱۸
یہ وہ کہتی تھی کہ روتے ہوئے اکبرؑ آئے
اور نزدیک پھوپھی کے گئے سر نہوڑائے
پوچھا زینبؑ نے تو یہ بات زباں پر لائے
اے پھوپھی! آپ کے پیاروں نے گلے کٹوائے
آپ روتے ہیں کھڑے اور یہ فرماتے ہیں
لاشے لے جاؤ تم اب مرنے کو ہم جاتے ہیں

۱۹
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا شہِ مظلوم کا حال
آپ کے بیٹوں کے مر جانے کا صدمہ ہے کمال
کہتے ہیں تھامے کلیجے کو شہِ نیک خصال
ہائے مارے گئے ناحق مری ہمشیر کے لال
جا کے منہ خیمہ میں کیونکر اُسے دکھلاؤں میں
ہو خجالت تو نہ زینبؑ سے جو مر جاؤں میں

۲۰
یہ خبر سنتے ہی گھبرا گئی بنتِ زہراؑ
کون مارا گیا یہ بھی نہ اُسے دھیان رہا
غم میں بیٹوں کے نہ کی آہ نہ سینہ کوٹا
کہتی تھی بھائی چلے مرنے بڑا قہر ہوا
ارے لوگو! کروں کیا رن کو ہیں جاتے شبیرؑ
شرم سے پاس بہن کے نہیں آتے شبیرؑ

۲۱
کہا اکبرؑ سے میں صدقے گئی جلدی جاؤ
لاشیں لاؤ نہ مرے بھائی کو پہلے لاؤ
جانتی ہوں کہ وہ روتے ہیں انھیں سمجھاؤ
کہیو میں شاد ہوں بللہ نہ تم غم کھاؤ
نہ تم آؤ گے تو لاشے بھی نہ منگواؤں گی
ننگے سر پیٹتی خیمہ سے نکل جاؤں گی

۲۲
سُن کے اکبرؑ جو چلے آئی نہ زینبؑ کو بھی تاب
پاس پہنچے کے گئی آپ بھی وہ سینہ کباب
دیکھا لاشیں لیے عباسؑ ہیں با چشمِ پُر آب
سر نگوں خاک پہ بیٹھے ہیں شہِ عرش جناب
جرأتِ عونؑ و محمدؑ کی بیاں ہوتے ہیں
ہائے اے بھانجو یہ شہ کہتے ہیں اور روتے ہیں

۲۳
دے صدا شاہ کو زینبؑ نے کہ اے بھائی جاں!
خاک پر بیٹھے ہو کیوں آؤ یہ بھینا قرباں
مسندِ احمدِ مختار پڑی ہے سنساں
رو کے ہمشیر سے بولے یہ امامِ ذیشاں
خلق سے سوئے عدم ہوتے ہیں راہی بھینا!
ہم کہاں اور کہاں مسندِ شاہی بھینا!

۲۴
پاس مسند کے مرے بیٹھتے تھے جو آ کر
وہ تو کوثر پہ گئے خشک گلے کٹوا کر
بھانجے قتل ہوئے بھوک میں نیزے کھا کر
اب گلا میں بھی کٹا دیتا ہوں رن میں جا کر
دل کے ٹکڑے ہوئے شق ہو گیا سینا میرا
ایسے پیارے نہ رہے خاک ہے جینا میرا

۲۵
کہا زینبؑ نے کہ تم کو سرِ زینبؑ کی قسم
میرے فرزندوں کی خاطر نہ کرو چشم کو نم
سر تصدق جو وہ مارے گئے تم کھاؤ نہ غم
وہ بھی کچھ چیز تھی جن کے لیے یہ رنج والم
حال پر دونوں کے الطاف مدام آپ کے تھے
ہوئے صدقے تو ہوئے دونوں غلام آپ کے تھے

۲۶
میں تو لائی تھی اسی واسطے ان کو ہمراہ
پرورش ان کو کیا تھا اسی خاطر واللہ
اس مصیبت سے تو مدت سے بہن تھی آگاہ
جانتے تھے کہ بہادر ہیں مرے غیرتِ ماہ
شکر کرتی ہوں کہ کام آئے وہ جس کام کے تھے
آج کے روز نہ کام آتے تو کس کام کے تھے

۲۷
کہہ کے یہ رونے لگی خواہرِ سلطانِ اُمم
عرض کی شاہ سے اکبرؑ نے یہ با دیدۂ نم
چلیے گھر میں پھوپھی صاحب کا عجب ہے عالم
غش نہ ہو جائیں کہیں تن سے نکل جائے نہ دم
روتے ہیں در پہ کھڑے منہ پہ لیے دامن کو
یہی دھڑکا ہے کہ حضرت نہ سدھاریں رن کو

۲۸
سُن کے یہ روتے ہوئے ڈیوڑھی کے اندر گئے شاہؑ
آئے لاشیں لیے عباسؑ بھی شہ کے ہمراہ
گرد پھر کر کہا زینبؑ نے یہ با نالہ و آہ
آپ میدان میں جاتے تھے ہمیں کر کے تباہ
سر لگا چھاتی سے سلطانِ امم رونے لگے
شاہ کے رونے پہ سب اہلِ حرم رونے لگے

۲۹
رو کے زینب سے کہا تم سے خجل ہوں میں کمال
منہ دکھانے کی مجھے جا نہیں اے نیک خصال
میں تو جیتا رہا مارے گئے دونوں ترے لال
ہائے آیا مرے ہوتے تری دولت پہ زوال
بولی وہ فکر نہ کچھ کیجیے بھائی! میری
صدقے زہراؑ کی کمائی پہ کمائی میری

۳۰
کون سی وجہِ خجالت ہے میں تم پہ قرباں
یہی نا بھانجوں نے تم پہ کیے سر قرباں
کر چکے آپ پہ بیٹے کو پیمبرؐ قرباں
کیا ہوا میں نے بھی فرزند کیے گر قرباں
گو کہ وہ دلبرِ بنتِ علیؑ اعلیٰ تھے
رحمتِ جانِ نبیؐ سے بھی زیادہ کیا تھے

۳۱
شہ نے فرمایا بہن! میں تری اُلفت پہ فدا
کوئی بیٹوں کو کسی پر نہیں صدقے کرتا
تم نے جو کچھ کیا ماں بھی یہی کرتی بخدا
اے بہن! رو رو کے کیا دیکھتی ہو منہ میرا
لاشیں فرزندوں کی آئی ہیں اِدھر دھیان کرو
ان شہیدوں کی عزاداری کا سامان کرو

۳۲

ابھی تو جیتا ہوں بہن ! کھاؤ نہ اتنا مرا غم
جیتے جی میرے نہ مرجاؤ کہیں ہے یہ الم
دیکھو کیا سوتے ہیں وہ شیر سے مسند پہ بہم
پیار لاشوں کو کرو تم کو مرے سر کی قسم
جائے افسوس ہے یہ دن نہ تھے مرجانے کے
عمر بھر رو رو کے پھر ہاتھ نہیں آنے کے

۳۳

کہا زینبؑ نے اگر آپ ہیں ان دونوں سے شاد
تو رضامند ہوں میں بھی یہی تھی میری مراد
بولے شبیرؑ کہاں ملتی ہے ایسی اولاد
بخدا شاد مجھے کر گئے یہ نیک نہاد
نزع میں بھی مری الفت ہے کہ دم بھرتے تھے
رکھتا تھا زانو پہ یہ پاؤں پہ سر دھرتے تھے

۳۴

یہ جو حضرت نے کہا بیٹوں پہ آیا اسے پیار
جا کے چادر سے لگی پونچھنے چہروں سے غبار
اور کہا دونوں کی لے لے کے بلائیں یکبار
تم مرے بھائی پہ صدقے ہوئے میں تم پہ نثار
ہیں وہی زندۂ جاوید جو یوں مرتے ہیں
حق جنھیں دیتا ہے ہمت وہ یہی کرتے ہیں

۳۵

مرحبا احسنکم اللہ تو نے نام کیے
کس اولوالعزم کے پوتے تھے نواسے کس کے
باپ کس طرح کا ذی مرتبہ ماموں کیسے
اس شرافت کی نجابت کی یہ اماں صدقے
کون اس سن میں لڑا تم سے دلیروں کی طرح
شیر تھے جنگ میں مارے گئے شیروں کی طرح

۳۶

ہائے پیارو مرے کیا جلد تمھیں موت آئی
شان اپنی نہ جوانی کی مجھے دکھلائی
مر گئے بیاہ تمھارا میں نہ کرنے پائی
بہویں چھوٹی سی نہ دو بیاہ کے گھر میں لائی
قطرے پیشانیوں سے خوں کے ٹپکتے دیکھے
چاند سے چہروں پہ سہرے نہ لٹکتے دیکھے

۳۷

ہائے تم نے نہ جہاں میں کبھی راحت دیکھی
اتنی سی عمروں میں کیا کیا نہ اذیت دیکھی
دکھ سہے فاقے کیے پیاس کی آفت دیکھی
کوئی دنیا میں نہ دیکھی جو مصیبت دیکھی
مرتے دم ہونٹ بھی تر کر کے نہ پانی سے گیے
حسرتیں دل میں لیے منزلِ فانی سے گیے

۳۸

مجھ سے کچھ ہو نہ سکا ہوں اسی غم سے مرتی
گھر میں تم مرتے تو کیا کیا میں نہ خدمت کرتی
نزع میں زانو پہ دونوں کے سروں کو دھرتی
منہ پہ منہ رکھ کے دمِ سرد جگر سے بھرتی
دم نکلتے ہوئے چھاتی سے لگاتی تم کو
مانگتے پانی تو شربت میں پلاتی تم کو

۳۹

پڑھتی یٰسین سرہانے میں بوقتِ مُردن
پیٹتی چھاتی کھڑی ہو کے بصد رنج و محن
دیتی نہلا کے تمھیں چادرِ زہراؑ کا کفن
ساتھ تابوتوں کے سب ہوتے عزیزانِ وطن
آہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر ہوتا
ننگے سر باپ جنازوں کے برابر ہوتا

۴۰

ہے بقیع میں جہاں فاطمہؑ اماں کا مزار
ہوتیں تم دونوں کی واں چھوٹی سی قبریں تیار
دفن ہو سکتے جو تم دونوں مرے گل رخسار
رو کے کہتی مرے فرزندوں سے اماں ہشیار
کفن و گور سے محروم نہ ہوتے پیارو!
پہلوئے فاطمہؑ میں چین سے سوتے پیارو!

۴۱

تم غریب الوطنی میں ہوئے بے جاں ہے ہے
کس طرح گور و کفن کا کروں ساماں ہے ہے
ایک ماموں ہے سو حیران و پریشاں ہے ہے
کون تیار کرے گورِ غریباں ہے ہے
پس مردن بھی مقدر میں ستم سہنا ہے
دھوپ میں ریتی پہ لاشوں کو پڑے رہنا ہے

۴۲

تم پہ قرباں ہو ماں اے مرے بھوکے پیاسو
کہتے تھے دودھ ہمیں والدہ صاحب بخشو
دودھ بخشوں کسے جنت کو سدھارے تم ہو
رہ گئی آخری دیدار کی حسرت مجھ کو
آئے میداں سے تو جیتا بھی نہ پایا میں نے
ہائے پانی بھی دہن میں نہ چوایا میں نے

۴۳

ہوئی اس بین سے زینبؑ کے قیامت برپا
لے گئے خیمہ سے لاشوں کو امامِ دوسرا
بس انیسؔ جگر افگار نہیں طول کی جا
جن کا مداح ہے تو اس کا وہی دیں گے صلا
قدر تصنیف کی تیری کوئی کیا جانتا ہے
رتبۂ ذاکرِ شبیرؑ خدا جانتا ہے

★ مرثیہ ۲۳

مومنو! خاتمۂ فوجِ خدا ہوتا ہے

۱

مومنو! خاتمۂ فوجِ خدا ہوتا ہے
یعنی اکبرؑ بھی شریکِ شہدا ہوتا ہے
شہ سے فرزند برابر کا جدا ہوتا ہے
رو کے کہتے ہیں شہِ مظلوم یہ کیا ہوتا ہے
دھیان ماں کا نہ پدر کا ہے ذرا اکبرؑ کو
رن میں کھینچے لیے جاتی ہے قضا اکبرؑ کو

۲

ٹکڑے ہے مادرِ ناشاد کا ماتم سے جگر
باپ کی فرطِ ضعیفی سے خمیدہ ہے کمر
اس پہ فرزندِ جواں کرتا ہے دنیا سے سفر
وہ پسر جو فلکِ حسن کا ہے رشکِ قمر
ماں کا ارماں دلِ مجروح میں رہا جاتا ہے
باپ کا پھولا پھلا باغ لٹا جاتا ہے

۳

دونوں گردانتے ہیں گوشۂ داماں کی قبا
چاک کرتے ہیں گریباں کو شہِ ہر دوسرا
دونوں ہتھیار لگاتے ہیں کہ آئی ہے قضا
پاس سے دیکھ کے رہ جاتے ہیں شاہِ شہدا
سر پہ آتی ہے یہ آفت وہ کوئی ٹلتی ہے
شہِ بےکس کے کلیجہ پہ چھری چلتی ہے

۴

بی بیاں گرد ہیں کھولے ہوئے بالوں کو تمام
یا علیؑ کہتی ہیں اور لیتی ہیں اللہ کا نام
بانوؑ گھبرائی ہوئی پھرتی ہیں پاسِ خیام
دل میں کچھ سوچ کے کرتی ہیں یہ ہر وقت کلام
میں تو جیتی رہوں اور قتل مرا پیارا ہو
آگے اکبرؑ کی جو موت آئے تو چھٹکارا ہو

۵

ہو کے آراستہ القصہ وہ شبیرؑ کا لال
شہ کے خیمہ سے چلا جانبِ میدانِ قتال
ٹکڑے مادر کا جگر ہو گیا دیکھے جو یہ حال
تھام کر بازوئے اکبرؑ کو کہا کیا ہے خیال
پاؤں سے خواہرِ سلطانِ مدینہ لپٹی
آ کے دامن سے برادر کے سکینہؑ لپٹی

۶

کوئی کہتی تھی کہ بیٹا! نہ کرو قصدِ عدم
شاہ کو داغ نہیں قاسمؑ نوشاہ سے کم
کوئی کہتی تھی کہ اے لال! بڑھاؤ نہ قدم
تم جو جاؤ گے تو لوٹیں گے ہمیں اہلِ ستم
بانوؑ کہتی ہے مری جان! کہاں جاؤ گے
پالنے والی ہو قربان کہاں جاؤ گے

۷

دیکھا غازی نے جو یہ بی بیوں کا گرد ہجوم
ان سے فرماتا تھا شادیِ شہادت معلوم
سامنے اشک بہاتے تھے امامِ مظلوم
ان سے گھبرا کے یہ کی عرض کہ اے بابِ علوم
آپ کیا روتے بہنوں کو سنبھالو بابا!
خاک پر غش ہیں پھوپھی اماں سنبھالو بابا!

۸
شہ نے فرمایا کہ لاچار ہیں کہ اے رشکِ قمر
شور کرتی ہوں مگر کچھ نہیں آتا ہے نظر
نور آنکھوں میں نہیں ٹکڑے ہے بابا کا جگر
خیر اپنی نہیں اس وقت کریں کس کو خبر
دل ہے بے صبر کسے صبر کو فرمائیں ہم
آپ سمجھیں تو کسی اور کو سمجھائیں ہم

۹
سُن کے تقریر پدر رونے لگا ہمشکلِ رسولؐ
دی صدا فاطمہ زہراؑ نے با جانِ ملول
مرگِ اکبرؑ کو کرو اے شہِ مظلوم قبول
یاد فرزند رہا اُمتِ احمدؐ گئی بھول
داغِ اکبرؑ نہ اگر دل کو گوارا ہو گا
کس طرح خلد میں اُمت کا گزارا ہو گا

۱۰
تم کو فرزند کی الفت سے نہیں ہوش و حواس
دیکھو اس وقت کھڑے احمدِ مختارؐ ہیں پاس
جس قدر کرتے ہو تم مرگِ پسر میں وسواس
مصطفےٰؐ ہوتے ہیں اُمت کی شفاعت میں اداس
مرتضےٰؑ قبر سے با جانِ ملول آتے ہیں
آپ امت کی شفاعت کو رسولؐ آتے ہیں

۱۱
بولے شبیرؑ میں آنے پہ محمدؐ کے فدا
دیکھوں کیونکر کہ ہے آنکھوں میں اندھیرا چھایا
آئی احمدؐ کی صدا اے شہِ کرب و بلا
سمجھے فرزند کو تم نانا کی امت سے سوا
کچھ بھی خاطر تمھیں اے لال ہماری نہ ہوئی
بیٹا پیارا ہوا امت تمھیں پیاری نہ ہوئی

۱۲
سُن کے تقریرِ نبیؐ کانپ گئے شاہِ ہدا
کہا فرزند سے میں جاؤں کہاں ہو کے جُدا
روکنے کا تمھیں اس دم نہیں مقدور ہے کیا
ہے جو مختار تمھارا وہی آتا ہے چلا
راہ محبوبِ خدا ان کی بتاتے ہیں تمھیں
جن کے ہمشکل ہو وہ آپ بلاتے ہیں تمھیں

۱۳
کر کے تسلیم چلا جانبِ میداں وہ جواں
پیچھے پیچھے ہوئے شبیرؑ بھی الفت سے رواں
دل ہوا بانوؑئے ناشاد کا سینہ میں تپاں
رو کے چلائی کہ چھوڑے مجھے جاتے ہو کہاں
ہو کے بیتاب بہت چرخ ستائی بانوؑ
ننگے سر خیمہ سے باہر نکل آئی بانوؑ

۱۴
رویا ہمشکلِ نبیؐ دیکھ کے حالِ مادر
گر پڑا پاؤں پہ مادر کے وہ شہ کا دلبر
ہاتھ بانوؑ کے ہوئے طوقِ گلوئے اکبرؑ
بیٹا روتا تھا اِدھر بانوؑئے ناشاد اُدھر
فرطِ اندوہ سے دونوں نہ جُدا ہوتے ہیں
تھا عجب حال کہ شبیرؑ کھڑے روتے ہیں

۱۵
شہؑ نے بانوؑ سے کہا شکلِ پیمبرؐ سے جُدا
آیا وہ شیر جواں جانبِ میدانِ وغا
غل ہوا صلِ علیٰ صلِ علیٰ صلِ علیٰ
واہ کیا عارضِ پُرنور ہے کیا زلفِ رسا
کبھی ماں باپ نے دی ہو گی نہ رخصت اس کو
کھینچ لائی ہے قضا بہرِ شہادت اس کو

۱۶

شمر بولا کہ زیادہ نہ کرو اب تقریر
ہاں جگر شہ کا ہو جلد بزیرِ شمشیر
یک بیک ٹوٹ پڑی اس پہ سپاہِ بے پیر
گلِ گلزارِ امامت پہ ہوئی بارشِ تیر
شور تھا جوہرِ شمشیر دکھا دو یارو !
جلد تصویرِ محمدؐ کی مٹا دو یارو !

۱۷

مجھو کا پیاسا تھا کئی روز سے شبیرؑ کا لال
خون سے پُر شکلِ چمن سُرخ ہوا دشتِ قتال
زخم اس درجہ اٹھائے تھے کہ باقی نہ تھا حال
پیاس جو بیس پہر کی کیے دیتی تھی نڈھال
کثرتِ زخم نے ارمان نکلنے نہ دیا
شدتِ ضُعف نے گھوڑے پہ سنبھلنے نہ دیا

۱۸

لڑتے لڑتے یہ کیا اکبرؑ غازی نے خیال
ہو گا خیمہ میں عجب مادرِ ناشاد کا حال
بس کہ مادر کی جدائیؑ کا ہوا رنج کمال
طرفِ خیمہ لگا دیکھنے شبیرؑ کا حال
علی اکبرؑ کو ادھر خواہشِ دیدار ہوئی
اِس طرف سینہ سے نیزہ کی انّی پار ہوئی

۱۹

زخم میں سینہ کے جس وقت سمایا نیزہ
توڑ کر پشت کے باھر نکل آیا نیزہ
غل ہوا اکبرِ ذی جاہ نے کھایا نیزہ
واہ رے ابنِ انس! خوب لگایا نیزہ
کوئی یاور نہیں اب سرورِ دلگیر کا ہے
لو مبارک ہو کہ اب خاتمہ شبیرؑ کا ہے

۲۰

سر بسر پیرہن چاک ہوا خون سے تر
رہ گیا تھام کے ہاتھوں سے وہ مجروح جگر
گرد بے رحم ہوتے، پڑنے لگے تیغ و تبر
شکل آئی ملک الموت کی اکبرؑ کو نظر
پشتِ زیں سے جو زمیں پر خوش اقبال چلا
آئی زہراؑ کی صدا ہائے مرا لال چلا

۲۱

گر کے گھوڑے سے یہ بابا کو پکارے اکبرؑ
آؤ یا شاہ کہ مجروح ہے بیٹے کا جگر
زخم کاری ہے بہت موت کا ظاہر ہے اثر
ہے یہی وقتِ مدد لیجیے للہ خبر
نزع کا وقت ہے چھاتی سے لگاؤ بابا !
آکے اب آخری دیدار دکھاؤ بابا !

۲۲

سُن کے بیٹے کی صدا کانپ گئے شاہِ امم
لڑکھڑانے لگے افراطِ نقاہت سے قدم
منتظر ہے درِ خیمہ پہ جو بانوئے پُر غم
سُن کے بیٹے کی صدا ہو گئی پابندِ الم
شہ سے کی عرض کہ جاں جسم میں گھبراتی ہے
کچھ سُنا آپ نے اکبرؑ کی صدا آتی ہے

۲۳

اب تلک ضبط کیا یا شہِ خورشید رکاب
اب تو باقی نہیں اس مادرِ ناشاد کو تاب
اب تو خیمہ سے میں نکلوں کہو اے عرش جناب
اب تو بیٹے کا نظر آتے مجھے حُسن و شباب
دھیان اس وقت میں پردے کا کوئی کرتا ہے
صبر تا چند کہ فرزندِ جواں مرتا ہے

۲۴
آپ کے کہنے سے اے بادشہِ جن و بشر
علی اکبرؑ گئے ہیں گھر سے نہ نکلی باہر
اب تو فرماؤ کہ صدمہ ہے مناسب دل پر
مرتے دم دیکھ لُوں فرزند کا میں زخمِ جگر
خاک چہرے پہ ملوں چاک گریبان کروں
جان اُس چاند سی صورت پہ میں قربان کروں

۲۵
بولے شبیرؑ ذرا دل کو سنبھالو بانوؑ!
آج آوے جو مصیبت وہ اٹھا لو بانوؑ!
روؤ اور خاک کو چہرے پہ لگا لو بانوؑ!
پر قدم خیمہ سے باہر نہ نکالو بانوؑ!
ٹھہرو تم خیمہ میں، مَیں رَن کی طرف جاتا ہُوں
لاشِ اکبرؑ کی ابھی رَن سے اٹھا لاتا ہُوں

۲۶
شہ کے کہنے سے ہوئی خاک نشیں بانوئے زار
ٹھوکریں کھاتے چلے رَن کو امامِ ابرار
جس طرف جاتے تھے شبیرؑ بچشمِ خونبار
شاہ سے کہتے تھے ہنس ہنس کے یہی ظلم شعار
ہاتھ اب الفتِ اکبرؑ سے اٹھاؤ شبیرؑ
اور بھی ہو کوئی فرزند تو لاؤ شبیرؑ

۲۷
شاہ فرماتے تھے ہنسنے کا ہے یہ کون مقام
تم کو آتی ہے ہنسی کام ہمارا ہے تمام
کیا نہیں رکھتے ہو اولاد تم اے ساکنِ شام
صاحبِ درد جو ہیں کرتے ہیں مدد و کلام
طعنے کیا دیتے ہو شبیرؑ اگر روتا ہے
داغ فرزند کا ہر دل پہ برا ہوتا ہے

۲۸
ہم سے کیا کہتے ہو لاؤ کوئی بیٹا ہو اگر
ہم بھی اب مرنے کو موجود ہیں لو کاٹ لو سر
ایک اکبرؑ تھا تو دنیا سے کیا اس نے سفر
اب نہیں شیر جواں کوئی سوائے اصغرؑ
ساتھ اکبرؑ ہی نہیں آج مرا چھوڑے ہیں
علی اصغرؑ ہیں سو وہ جھولے میں دم توڑے ہیں

۲۹
ابھی فرماتے تھے رو رو کے شہنشاہِ ہُدا
آئی جو گوشۂ صحرا سے یہ اکبرؑ کی صدا
دوڑتے اِس سمت چلے بادشہِ کرب و بلا
دُور سے اکبرِؑ مظلوم کو غلطاں دیکھا
پہلے اُٹھ اُٹھ کے زمیں پہ وہ کئی بار گرے
لاشِ فرزند پہ آخر شہِ ابرار گرے

۳۰
ضُعف سے اکبرِؑ مظلوم کی تھیں آنکھیں بند
حالتِ غش میں پڑا تھا وہ علیؑ کا دلبند
دل سے سرور کے ہوئے آہ کے شعلے جو بلند
رو کے چلائے یہ کیا حال ہوا اے دلبند
داغِ دل آج کسے جا کے دکھائے بابا!
کھول دو آنکھ کہ حاضر ہے سرہانے بابا!

۳۱
کھول کر آنکھوں کو اکبرؑ نے کہا یا مولا
آؤ آؤ یہ غلام آپ کے آنے پہ فدا
بولے شبیرؑ یہ کیا کہتے ہو تم اے بیٹا
تم تو ہم شکلِ رسولؐ دوسرا ہو بخدا
آہ اظہارِ غلامی تمھیں کب لازم ہے
ہم کو تصویرِ پیمبرؐ کا ادب لازم ہے

۳۲

ابھی فرماتے تھے رو رو کے یہ فرزند سے شاہ
کھینچی ہم شکلِ پیمبر نے جگر سے اِک آہ
بولے شبیرؑ یہ کیا حال ہے اے غیرتِ ماہ
کیا اکبرؑ کا جگر زخمی ہے حالت ہے تباہ
نوکِ نیزے کی کھٹکتی ہے زِرہ کے نیچے
برق سی کوندتی ہے ابرِ سیہ کے نیچے

۳۳

پھل لگے کھینچنے برچھی کا شہِ عرش مقام
ہاتھ پُرخوں ہوئے فرزندِ پیمبر سے تمام
لے کے کروٹ یہ کیا اکبرِ غازی نے کلام
درد ہے اب مرے سینہ میں بہت شاہِ انام
حال نزع کا ہے اب ہاتھ اٹھا لو بابا!
آپ برچھی مرے سینے سے نکالو بابا!

۳۴

کہہ کے یہ خاک میں اور خُوں میں تڑپے اکبرؑ
اور بھی صورتِ گل چاک ہوا زخمِ جگر
پھر گئیں آنکھیں ہوئی نزع کی حالت اس پر
اشک جاری ہوئے تاریک ہوا نورِ نظر
نبضیں ساقط ہوئیں مجروح کا دم ٹوٹ گیا
شاہ چلّائے کہ پیری کا عصا ٹوٹ گیا

۳۵

شاہ چلّاتے تھے بالیں پہ جو کہہ اکبرؑ اکبرؑ
کون سُنتا تھا کہ جنّت کو سدھارا ہے پسر
ناگہاں ہوگئی خیمہ میں یہ زینبؑ کو خبر
غش تھے فرزند کے لاشے پہ شہِ جن و بشر
نہ رہا ضبط کا یارا وہ خوش اقبال چلی
دخترِ شیرِ خدا کھولے ہوئے بال چلی

۳۶

گریۂ شاہ سے زینبؑ کے نہ تھے ہوش بجا
لاکھ کہتے رہے شبیرؑ مگر کچھ نہ سُنا
آئی لاشے پہ بھتیجے کے وہ محبوسِ خدا
گر کے لاشے پہ پکاری کہ کہاں ہو بیٹا!
کچھ تو آواز دو میں دیر سے چلّاتی ہوں
جسم پاتی ہوں مگر جان نہیں پاتی ہوں

۳۷

ناگہاں آئی یہ زہراؑ کی صدا یا شبیرؑ
دیکھو مر جائے نہ رو رو کے تمھاری ہمشیر
پیار کرتی ہے بھتیجے کو اُدھر وُہ دلگیر
اور اِدھر غم سے کلیجہ پہ مرے چلتے ہیں تیر
چین تربت میں پیمبر کو نہیں آتا ہے
رن میں لاشا علی اکبرؑ کا بھی تھراتا ہے

۳۸

شہؑ نے ہمشیر کو لاشے سے اٹھایا جس دم
پر نہ ہوتی تھی جدا، دی شہِ بیکس نے قسم
لے کے خواہر کو سوئے خیمہ چلے شاہِ اُمم
اے انیسؔ اب نہیں باقی ہے مجھے تابِ رقم
کر دُعا یہ کہ محب حشر تک آباد رہیں
دوستدارانِ حسینؑ ابن علیؑ شاد رہیں

★

مرثیہ ۲۴

غش ہوئے پیاس سے جب بانوؑ کے جانی اصغرؑ

۱

غش ہوتے پیاس سے جب بانوؑ کے جانی اصغرؑ
طفل تھے سہ نہ سکے تشنہ دہانی اصغرؑ
بانوؑ چلاتی مرے یوسفِ ثانی اصغرؑ
چلے پیاسے نہ میسر ہوا پانی اصغرؑ
دیکھوں کن آنکھوں سے میں حال تمھارا بیٹا!
ہے غضب تشنہ لبی نے تمھیں مارا بیٹا!

۲

تیرے ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے صدقے مادر
لگ گئی نرگسی آنکھوں کو تری کس کی نظر
نکل آئی ہے زباں ننھی سی منہ کے باہر
چھوڑتے ہو مری آغوش کو ہے ہے اصغرؑ
گل سے رخسار بھی اب زرد ہوئے جاتے ہیں
ہاتھ اور پاؤں تمے سرد ہوئے جاتے ہیں

۳

ہائے پانی علی اصغرؑ! میں کہاں سے لاؤں
ہاتھ سے جاتے ہو بیٹا! تمھیں کیونکر پاؤں
دم گھٹا جاتا ہے کس طرح نہ میں گھبراؤں
کھول دو نرگسی آنکھوں کو میں صدقے جاؤں
چھ مہینہ کی نہ محنت مری برباد کرو
پھر اسی طرح سے ہنس کر مرا دل شاد کرو

۴

ہائے اصغرؑ! میں بلا لے کے تری مر جاتی
کیسے بن پانی دھڑکتی ہے یہ ننھی چھاتی
منہ میں ٹپکاتی جو تھوڑا سا بھی پانی پاتی
علی اصغرؑ! ترے مرنے سے ہے مجھے شرم آتی
ساتھ کیوں لائی وطن میں تمھیں چھوڑ آنا تھا
دودھ بھی خشک انھی روزوں میں ہو جانا تھا

۵

مجھے صغراؑ نے کئی بار کہا وقتِ سفر
چھوٹے بھیا کو یہیں چھوڑتی جاؤ مادر
اس سے مانوس ہوں میں مجھ سے ہلا ہے اصغرؑ
میں نے الفت کے سبب تم کو نہ چھوڑا دلبر
منہ کو پردیس میں موڑو گے یہ معلوم نہ تھا
تم بھی اس دائی کو چھوڑو گے یہ معلوم نہ تھا

۶

بانوؑ یہ کہتی اور خیمہ میں تھی رونے کی دھوم
گردِ گہوارۂ اصغرؑ کے حرم کا تھا ہجوم
کہتی تھی رو رو کے زینبؑ سے یہ امِّ کلثوم
بھیجو فضہ کو کہ جلد آئیں امامِ مظلوم
کوشش آپ کریں وہ کہ پسر مرتا ہے
چھوٹا فرزند بھی دنیا سے سفر کرتا ہے

۷

رو چکے لاشۂ اکبرؑ پہ اب آئیں سرورؑ
علی اصغرؑ کو بھی چھاتی سے لگائیں سرورؑ
رو کنے کی نہیں تشریف تو لائیں سرورؑ
حالِ معصوم کا اعدا کو دکھائیں سرورؑ
غمِ اصغرؑ میں سفر خلق سے کر جائے گی
گود خالی ہوئی بانوؑ کی تو مر جائے گی

۸
شور رونے کا جو خیمہ سے گیا میداں تک
گھر میں گھبرائے ہوئے آئے شہِ جن و ملک
دیکھا اشکوں سے ہر اک بی بی کی ڈوبی ہے پلک
سوچے کیا دیکھیے اب ہم کو دکھاتا ہے فلک
کہا بانوؑ نے ہٹا گرد سے گہوارے کے
باپ کو پاس تو آنے دو مرے پیارے کے

۹
بولی چلّا کے سکینہؑ مرے بابا! آؤ
بیٹی قربان ہو تم پر شہِ والا! آؤ
پانی بن مرتا ہے چھوٹا مرا بھیّا، آؤ
انھیں لے جا کے ذرا نہر کو دکھلا آؤ
ماں سے آزردہ ہیں بہنوں سے بھی منہ موڑتے ہیں
بھائی اکبرؑ کی طرح یہ بھی ہمیں چھوڑتے ہیں

۱۰
آب دیدہ ہوئے شہ نے جو سُنا حالِ پسر
پاس آ جھولے کے تکنے لگے سوتے اصغرؑ
کہا بانوؑ سے تردد نہیں اتنا بہتر
جان کی خیر ہے اس بچے کی پیاسا ہے مگر
دم ہے اکھڑا یہ ہے نبضوں میں روانی بانوؑ!
چونک اٹھے ابھی مل جائے جو پانی بانوؑ!

۱۱
کہا بانوؑ نے کہ گھر میں تو نہ پانی ہے نہ شیر
جان کس طرح بچے اس کی کروں کیا تدبیر
بھیجوں دریا پہ اسے ملے جو نہ مارے کوئی تیر
رو کے کہنے لگے بانوؑ سے جنابِ شبیرؑ
تیری مرضی ہو تو لے جانے کو تیار ہوں میں
نہ ملے پانی تو اس امر میں ناچار ہوں میں

۱۲
بولیں بانوؑ کہ ہے بچّوں سے کیا ان کو عناد
آخر ان میں کسی کی بھی تو ہوگی اولاد
ایک چلو سے تو پانی نہ پیئے گا یہ زیاد
مانگیں ہم پینے کو پانی تو نہ دیویں گے جلاد
قیمتِ آب جو مانگیں بخدا دوں گی میں
میرا بچہ جو بچے گا تو دعا دوں گی میں

۱۳
شاہ نے ہاتھوں پہ جھولے سے اٹھایا اُس کو
پیار سے چُوم کے چھاتی سے لگایا اُس کو
پر بہت پیاس سے بے حال جو پایا اُس کو
جلد لے جا کے لعینوں کو دکھایا اُس کو
کہا تم لوگوں سے پانی کی طلب بے جا ہے
ماں نے اس بچے کی دریا پہ مجھے بھیجا ہے

۱۴
اور جو پیاسے تھے وہ گئے سب کوثر پر
مرتے مرتے بھی لب ان کے نہ ہوئے پانی سے تر
ایک بچہ یہی باقی ہے مرا تشنہ جگر
رحم اس پر کرو پیاسا ہے بہت یہ دلبر
باتیں یہ سُن کے بھی ملعون نہ شرماتے تھے
پانی پانی شہِ مظلوم ہوئے جاتے تھے

۱۵
کھڑے تھرّاتے تھے غیرت سے امام خوشخو
کوئی بولا انھیں دو پانی کوئی نہ دو
حاکمِ شام کے بھی حکم سے کچھ واقف ہو
یہی تاکید اب تک ہے کہ نہ پانی دیجو
بولے شہ یہ تو ہے معصوم وہ پیاسا ہوں میں
وہ گنہ گار محمدؐ کا نواسا ہوں میں

۱۶
پانی دینا مجھے مشرب میں تمہارے ہے گناہ
ہے یہ بچہ اسے دو تھوڑا سا پانی للہ
پیاس سے اس مرے معصوم کی حالت ہے تباہ
نہ ملا پانی تو مر جائے گا یہ غیرتِ ماہ
آج سیراب اگر یہ گلِ خنداں ہو گا
احمدؐ و حیدرؑ و شبیرؑ پہ احساں ہو گا

۱۷
گر ہے یہ خوف کہ پی لے گا علیؑ کا دلبر
ہاتھ سے اپنے پلا دو اسے پانی لا کر
تشنہ لب کھا کے سناں خلق سے جائے اکبرؑ
اور حسینؑ اپنے لبِ خشک کرے پانی سے تر
بھائی عباسؑ کے مرجانے نے مارا ہے مجھے
آپ اب نہر کے پانی سے کنارا ہے مجھے

۱۸
شہِ بیکس نے لعینوں سے جو کی یہ تقریر
سر کو نہوڑا لیا اور رونے لگے کتنے شریر
ہاتھ میں لے کے کماں کہنے لگا اک بے پیر
مارتا ہوں پسرِ فاطمہؑ کے لال کو تیر
اس کی گردن سے جو پیکان گزر جاوے گا
ساتھ فرزند کے شبیرؑ بھی مر جاوے گا

۱۹
کہہ کے یہ تیر ستمگر نے کماں میں جوڑا
دین سے دولتِ دنیا کے لیے منہ موڑا
یوں کماں سے شہِ آفاق کے جانب چھوڑا
چھیدا بچے کا گلا بازوئے سرورؑ توڑا
خون ننھی سی جو گردن سے رواں ہونے لگا
چھاتی سے بیٹے کو لپٹا کے پدر رونے لگا

۲۰
شہ کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا وہ طفلِ صغیر
دم گلے میں جو رُکا ہو گئی حالت تغییر
ضُعف سے کانپتے تھے دستِ جنابِ شبیرؑ
نہ سنبھل سکتا تھا بچہ نہ نکل سکتا تھا تیر
منہ سے منہ ملتے تھے اور بوسۂ رُخ لیتے تھے
جب وہ چھاتی سے لپٹتا تھا تو رو دیتے تھے

۲۱
خوں سے آلودہ تھا کُرتے کا گریباں سارا
زرد تھا صدمے سے منہ چاند سا پیارا پیارا
حلق سے چھُوٹتا تھا خون کا اک فوّارا
کچھ نہ بن آتی تھی حیراں تھا پدر بیچارا
دم جو تھا بند نہ زندہ رہے دم بھر اصغرؑ
مر گئے باپ کی گودی میں تڑپ کر اصغرؑ

۲۲
کر کے منہ جانبِ افلاک پکارے شبیرؑ
مارا اعدا نے مرے لال کو اے حیّ قدیر!
رہیو شاہد کہ یہ بچہ ہے مرا بے تقصیر
بوند بھر پانی طلب کرنے پہ مارا اسے تیر
ان ستمگاروں نے برباد کیا گھر میرا
کم نہیں ناقۂ صالح سے یہ دلبر میرا

۲۳
کہہ کے یہ بچے کی میت پر اُڑھائی چادر
اور چلے روتے ہوئے خیمہ کے جانب سرورؑ
پاؤں تھرّاتے تھے اور سینہ میں دل تھا مضطر
کہتے تھے سامنے بانوؑ کے میں جاؤں کیونکر
وہ جو پُوچھیں گی کہ آئے میرے پیارے اصغرؑ
اس سے کس منہ سے کہوں گا کہ سدھارے اصغرؑ

۲۴
رو چکی ہے ابھی لاشے پہ علی اکبرؑ کے
پیٹتی ہے سینہ و سر چاک گریباں کر کے
اب سُنے گی یہ لگا تیر علی اصغرؑ کے
جیتے رہنے کی نہیں غم میں وہ اس دلبر کے
نہ تو اس خوں بھرے لاشے کو چھپا سکتا ہوں
نہ خجالت کے سبب خیمہ میں جا سکتا ہوں

۲۵
دل میں کہتے ہوئے یہ خیمہ کے در پر آئے
غل ہوا رانڈوں میں میداں سے سرور آئے
بانوؑ کہتی ہوئی دوڑی مرے دلبر آئے
اماں قربان ہو آئے علی اصغرؑ آئے
ہاتھ پھیلا کے کہا شہ سے میں آئی صاحب!
بڑی ایذا مری خاطر سے اٹھائی صاحب!

۲۶
آپ کو جان کے تکلیف نہ دیتی میں کبھی
مجھ کو پیاسے تھے کئی دن کے کہاں طاقت تھی
ہاتھ بھی کانپتے ہوئیں سے میں قربان گئی
کیا کہوں تھی مرے اصغرؑ کو بہت تشنہ لبی
آپ کے ساتھ جو دریا پہ نہ بھجواتی میں
دم لبوں پر تھا پھر اصغرؑ کو کہاں پاتی میں

۲۷
ان ستمگاروں کی بے رحمی سے تھی مجھ کو یاس
کوکھ پکڑے ہوئے پھرتی تھی میں خیمہ میں اداس
یہی دھڑکا تھا کریں یا نہ کریں ان کا پاس
ہائے اعدا نے بجھا دی مرے معصوم کی پیاس
یہ تو کہیے کہ ہیں کس وقت سے سوتے اصغرؑ
جب سے پانی پیا پھر تو نہیں روئے اصغرؑ

۲۸
سُن کے بانوؑ کے سخن شاہ کا دل بھر آیا
چشم سے اشک بہے شرم سے سر نہوڑایا
دیکھ کر حالتِ شہؑ بانوؑ کا دل گھبرایا
عرض کیا نہ مرے لال نے پانی پایا
وجہ کیا منہ جو پسر کا نہیں دکھلاتے ہو
کیا ہے صدقے گئی کیوں لونڈی سے شرماتے ہو

۲۹
شاہ نے بچے کے منہ پر سے اٹھایا دامن
دیکھا بانوؑ نے کہ سب خون سے ڈوبا ہے بدن
تیرِ آفت سے صراحی سی چھدی ہے گردن
اور کھلا رہ گیا ہے صورتِ سوفار دہن
خُون سے چاند سے رخسار بھرے تھے دونوں
ہاتھ لوہو بھرے چھاتی پہ دھرے تھے دونوں

۳۰
لے کے گودی میں پکاری مرے دلبر ہے ہے
پیاسے مارے گئے ہے ہے علی اصغرؑ ہے ہے
خون میں یہ چاند سے رخسار ہوئے تر ہے ہے
ننھی گردن پہ لگا تیرِ ستم گر ہے ہے
راحت اس دشتِ مصیبت میں نہ اصلا پائی
زخم کا درد سہا پیاس کی ایذا پائی

۳۱
گھر سے میداں میں تمھیں بھیج کے پچھتائی
واری ماں بوند بھی پانی کی نہ تم نے پائی
ہائے قسمت نے مجھے لاش تری دکھلائی
میرے مر جانے کے دن تھے سو تمھیں موت آئی
ہے غضب مر نہ گئی پالنے والی بیٹا!
کر گئے میری بھری گود کو خالی بیٹا!

۳۲

اب کسے جھولے میں اے لال جھلاؤں گی مَیں
دودھ اترے گا تو پھر کس کو پلاؤں گی مَیں
اپنے پہلو میں کسے شب کو سُلاؤں گی مَیں
گئے دنیا سے کہاں اب تمھیں پاؤں گی میں
غنتیں سال گرہ کی نہ بڑھانے پائی
نئے کُرتے جو سیئے تھے نہ پہنانے پائی

۳۳

ماں کو ارمان تھا سو گھٹنیوں بھی تم نہ چلے
اُٹھ گئے گلشنِ عالم سے نہ پھُولے نہ پھلے
چھ مہینہ مری آغوش میں راحت سے پلے
اماں صدقے گئی اب سو گئے مٹّی کے تلے
ماں کو پُوچھو گے نہ بہنیں تمھیں یاد آویں گی
حسرتیں ساری مری خاک میں مل جاویں گی

۳۴

تم کہاں اور کہاں واری یہ بیابانِ بلا
چھد گیا تیر سے یہ چاند سا پُر نور گلا
ہائے تقدیر سے اصغرؑ نہ مرا زور چلا
آتشِ غم سے مرا دل بھی کلیجہ بھی جلا
کرتی تھی حق سے دُعائیں ترے جینے کے لیے
میرے گھر آئے تھے مہماں چھ مہینے کے لیے

۳۵

کہہ کے یہ ہو گئی غش بانوؑئے تفتیدہ جگر
لے گئے روتے ہوئے گود سے شہ لاشِ پسر
بہنیں چلّائیں کہ چھوڑا ہمیں بھیّا اصغرؑ
بس انیسؔ آ گئے دُعا مانگ یہ با دیدۂ تر
تعزیہ داروں کے گھر خلق میں آباد رہیں
پسرِ فاطمہؑ کے دوست سدا شاد رہیں

★ مرثیہ ۲۵

اے مومنو! حسینؑ کا ماتم اخیر ہے

۱
اے مومنو! حسینؑ کا ماتم اخیر ہے
بزمِ عزائے قبلۂ عالم اخیر ہے
شیعو! شہِ انام کا ماتم اخیر ہے
ہیں مجلسیں تمام محرم اخیر ہے
عُریاں سر ہے فاتحِ بدر و حنین کا
دے لو بتولِؑ پاک کو پرسا حسینؑ کا

۲
ہاں عاشقانِ شاہِ امم! پیٹو اپنا سر
عشرہ ہے آج اور یہ قیامت کی ہے سحر
عالم کے بادشاہ کا دنیا سے ہے سفر
اُٹھتے ہیں تعزیے کہ چلے شاہِ بحر و بر
رخصت ہے شہ کی اہلِ عزا بے حواس ہیں
دیکھو تو کیسے تعزیے خانے اُداس ہیں

۳
واحسرتا امامِ غریباں کا کوچ ہے
افسوس ہے کہ دین کے سلطان کا کوچ ہے
رونق کے دن چلے شہِ ذیشان کا کوچ ہے
رخصت کرو حسینؑ سے مہماں کا کوچ ہے
صدمہ عجب طرح کا ہے دل پر ہے جان پر
کیسی اداسی پھیلی ہوتی ہے جہان پر

۴
اے نورِ چشم احمدِ مختار الوداع
اے سیدؑ اے بتولؑ کے دلدار الوداع
اے امتِ رسولؐ کے غم خوار الوداع
اے ہم سے بیکسوں کے مددگار الوداع
آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جب تک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے

۵
اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع
اے بنتِ مصطفےٰؐ کے دل و جان الوداع
احمدؐ کے باغ کے گُلِ ریحان الوداع
دس دن کے مومنین کے مہمان الوداع
شیعہ نثار تیرے تنِ پاش پاش کے
اے بے کفن حسینؑ! فدا تیری لاش کے

۶
اے جسم و جانِ حیدرِ کرار الوداع
اے شیعانِ دین کے سردار الوداع
سیدؑ غریب و بیکس و ناچار الوداع
بے خویش و بے برادر و بے یار الوداع
ہے ہے امام باڑوں کو سنسان کر چلے
آقا تمام ہند کو ویران کر چلے

۷
لو شاہِ دیں کے تعزیہ دارو! کرو بکا
ماتم کے دن تمام ہوئے وامصیبتا
یارو! وداع ہوتا ہے مظلومِ کربلا
مہمان دوپہر کا ہے وہ شاہِ دوسرا
اب موت لے چلی شاہِ عالی مقام کو
رخصت کرو حسین علیہ السلام کو

۸
بیٹھو محبو! ہند سے آقا کا کوچ ہے
روؤ کہ آج سیدِ والا کا کوچ ہے
افسوس ہے کہ بیکس و تنہا کا کوچ ہے
ہاں شیعو! خاک اڑاؤ کہ مولا کا کوچ ہے
جی بھر کے رونے پائے نہ ماتم ہوا اخیر
عاشور کا بھی روزِ محرم ہوا اخیر

۹
کس طرح آئے تعزیہ داروں کے دل کو چین
ہر سمت روحِ فاطمہؑ روتی ہے کر کے بین
اہلِ عزا! یہ نوحہ پڑھو اب بشور و شین
قربان تیری لاش کے زہراؑ کے نورِ عین!
محتاجِ گورِ گرم زمیں پر پڑا رہا
چالیس روز دشت میں بے سر پڑا رہا

۱۰
وہ دن کی دھوپ، رات کی وہ اوس ہے ستم
وہ کنکروں کا فرش وہ میدانِ درد و غم
اور گرم گرم جھونکوں کا چلنا وہ دمبدم
اِس دکھ پہ ساربان نے کیے ہاتھ بھی قلم
صدمے گزر گئے یہ تنِ چاک چاک پر
ہے ہے یہ آسماں نہ گرا پھٹ کے خاک پر

۱۱
لو یارو! اب حسینؑ کی رخصت کا روز ہے
حیدرؑ کے نورِ عین کی رخصت کا روز ہے
زہراؑ کے دل کے چین کی رخصت کا روز ہے
سلطانِ مشرقین کی رخصت کا روز ہے
پھر کربلا کی سمت شہِ کربلا چلا
ہادی چلا، امام چلا، پیشوا چلا

۱۲
سبطِ نبیؐ کی مجلس و ماتم تمام ہے
ابنِ علیؑ کی مجلس و ماتم تمام ہے
حق کے ولی کی مجلس و ماتم تمام ہے
روؤ سخی کی مجلس و ماتم تمام ہے
آئندہ سال تک جو کوئی زندہ ہووے گا
پھر وہ شریک ہو کے محرم میں روئے گا

۱۳
بس یہ ضریح ہو گی نہ ہوئیں گے یہ علم
یہ مجلسیں یہ صحبتیں گھر گھر سے ہوں گی کم
منبر کو خالی دیکھ کے ہوئے گا دل کو غم
یہ دن وہ ہیں کہ قتل ہوتے ہیں شہِ امم
اب تعزیہ اٹھتا ہے ہر اک خاک اڑائے گا
اب تو امام باڑوں میں جایا نہ جائے گا

۱۴
روؤ محبو! آج کہ رخصت کا روز ہے
سبطِ نبیؐ کی آج شہادت کا روز ہے
مظلوم و تشنہ لب پہ مصیبت کا روز ہے
سر پہ اڑاؤ خاک قیامت کا روز ہے
ماتم تمہارے آقا کا یارو! تمام ہے
مہماں کوئی دم کوئی ساعت امام ہے

۱۵
عشرے کا دن ہے آج محبانِ باوفا
خنجر سے ذبح ہو گئے سلطانِ کربلا
لازم ہے آج تم کو کرو گریہ و بکا
جلتی زمین پر تنِ عریاں پڑا رہا
غسل و کفن دیا نہ تنِ پاش پاش کو
گاڑا کسی نے آ کے نہ سید کی لاش کو

۱۶

اے مومنو! حسینؑ کی رحلت کا وقت ہے
اے یارو! تم سے شاہ کی رخصت کا وقت ہے
لُٹنے کا فاطمہؑ کی ریاضت کا وقت ہے
آقا کی یہ تمہارے شہادت کا وقت ہے
تربت میں جا کے زیرِ زمیں گر نہ سوئیں گے
پھر اگلے سال عشرے میں حضرتؑ کو روئیں گے

۱۷

یارو! نبیؐ کے رونے سے روتے ہیں انبیا
دامن تلک پھٹا ہے گریباں رسولؐ کا
جبرئیل کہہ رہے ہیں یہ با گریہ و بکا
افسوس آج قتل ہوا دیں کا رہنما
مرقد میں رُوحِ فاطمہؑ کو اضطرار ہے
کُنجِ لحد میں خاصۂ حق بیقرار ہے

۱۸

رو لو عزیزو! پھر کہاں تم اور یہ دن کہاں
اگلے برس جو زندہ تھے ہیں خاک میں نہاں
کیا اعتمادِ زیست کا دنیا کے درمیاں
پیکِ اجل سے دہر میں ملتی ہے کب اماں
کاہے کو اس ثواب کو ہاتھوں سے کھوؤ تم
آئندہ سال ہو کہ نہ ہو خوب روؤ تم

۱۹

یارب! جہانِ نظم ریاضت ہرا رہے
گلشن یہ ہم صفیروں سے پھولا پھلا رہے
اہلِ عزا پہ سایۂ مشکل کشا رہے
داماں گلِ امید سے ہر دم بھرا رہے
اس نظم کا انیسؔ تجھے پھر صلا ملے
صدقے سے پنجتن کے جو ہو مدعا ملے

مرثیہ ۲۶

جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں

۱

جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں
دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں
جب تڑپنے لگا وہ سروِ سا قامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثارِ قیامت رن میں
چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی
نالۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی

۲

شور تھا فاطمہؑ کا راحتِ جاں قتل ہوا
حق کے سجدے میں امامِ دو جہاں قتل ہوا
قبلۂ دیں شرفِ کون و مکاں قتل ہوا
ہائے پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا
ظلمِ اعدا سے ہوا یثرب و بطحا خالی
ہو گئی پنجتنِ پاک سے دنیا خالی

۳

تشنہ و بیکس و مظلوم مسافر ہے ہے
بوند پانی کی نہ پائی دمِ آخر ہے ہے
تابعِ مرضیِ حق صابر و شاکر ہے ہے
روضۂ احمدِ مرسل کے مجاور ہے ہے
سر لیے جاتے ہیں نیزے پہ چڑھانے کے لیے
کوئی آتا نہیں لاشہ بھی اٹھانے کے لیے

۴

بیبیاں ڈیوڑھی پہ چلاتی تھیں کھولے ہوئے سر
ہائے فرزندِ علیؑ ہائے محمدؐ کے پسر
کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ تفتیدہ جگر
سبطِ احمدؐ تیری مظلومی کے صدقے خواہر
تم نے پردیس میں منہ بہنوں سے موڑا بھائی
آپ جنت میں سدھارے ہمیں چھوڑا بھائی

۵

گھر میں زہراؑ کے تو ماتم تھا ستمگاروں میں عید
روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روزِ سعید
غل تھا سجدے میں ہوا فاطمہؑ کا لال شہید
آلِ احمدؐ پہ ظفریاب ہوئی فوجِ یزید
قتل فرزند ہوا غالب ہر غالب کا
کٹ گیا باغ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا

۶

اپنے خیمے میں اُدھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
کر خبر دار نے ناگاہ یہ دی آکے خبر
لے مبارک ہو کہ مارا گیا زہراؑ کا پسر
فاطمہؑ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
خیمے کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی تھیں
بیٹیاں فاطمہؑ کی رن میں چلی آتی تھیں

۷

کہہ کے یہ کرسیِ زریں سے اٹھا وہ بے دیں
شکر ہے قتل ہوا بادشہِ عرش نشیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمرِ لعیں
سر تھا ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں تھا خنجرِ کیں
کہتا تھا سیدِ لولاک کا گھر خاک ہوا
لے عمر خاتمۂ پنجتنِ پاک ہوا

۸

تیرا اقبال تھا یاور کہ مہم ہو گئی سر
اُس کا یہ سر ہے جو تھا فاتحِ خیبر کا پسر
خنجرِ ظلم سے کاٹا ہے محمدؐ کا جگر
آج گُل ہو گئی شمعِ لحدِ پیغمبرؐ
نالۂ شیرِ الٰہی کی صدا آیا کی
میرا خنجر نہ رُکا فاطمہؑ چلّایا کی

۹

اُس نے دیکھا جو سرِ پاکِ امامِ خوش خُو
چاہتا تھا کہ ہنسے پر نکل آئے آنسو
شمر سے کہنے لگا آلِ پیمبرؐ کا عدو
کس طرح قتل کیا مجھ سے مفصّل کہہ تو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
اس نے رو کر کہا امّت کی دعا کرتے تھے

۱۰

جبکہ نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجرِ کیں
قبلہ رُو بیٹھے تھے بیہوش شہِ عرش نشیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدۂ خالق میں جبیں
آستیں مَیں نے جو اُلٹی تو لرزتی تھی زمیں
عرش تھرّاتا تھا جب فاطمہؑ چلّاتی تھی
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی

۱۱

زانو اُس سینۂ بے کینہ پہ رکھنے لگا جب
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب
تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے تھے سلطانِ عربؐ
میرا سینہ ہے یہ اس سینہ کا لازم ہے ادب
تجکو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
سرِ شبیرؑ کو خنجر سے جدا کرتا ہے

۱۲

گردنِ سبطِ پیمبرؐ پہ جو رکھا خنجر
شاہِ بیکس نے عجب یاس سے کی مجھ پر نظر
پھر گئی آنکھوں تلے گردشِ چشمِ حیدرؑ
رو کے فرمایا کہ زینبؑ تو نہیں ڈیوڑھی پر
اوٹ کچھ کر لے کہ وُہ جی سے گزر جائے گی
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جائے گی

۱۳

ذبح کے وقت کا احوال سناؤں تجھے کیا
زینبؑ آ پہنچی تھی شبیرؑ تلک ننگے پا
سر برہنہ تھے نبیؐ پیٹتے تھے شیرِؑ خدا
رکھے دیتی تھی گلا تیغ کے نیچے زہراؑ
جب علیؑ ہاتھ پکڑتے تھے تو ہٹ جاتی تھی
پھر تڑپ کر شہِ بیکس سے لپٹ جاتی تھی

۱۴

ماں کے احوال پہ روتا تھا علیؑ کا جانی
ہونٹ سُوکھے ہوئے تھے پیاس کی تھی طغیانی
مجھ سے مُنہ پھیر کے دو مرتبہ مانگا پانی
سبطِ احمدؐ کی کوئی بات نہ میں نے مانی
زیرِ شمشیر گلوئے شہِ خوشخو رکھا
آسماں ہل گیا جب چھاتی پہ زانو رکھا

۱۵

ضربِ اوّل میں شہِ دیں نے کہا بسم اللہ
دُوسری بار پکارے مددے یا جدّاہ
تیسری ضرب میں آئی یہ صدائے جانکاہ
بخش دے حشر میں یارب میرے شیعوں کے گناہ
پھر نہ کچھ حضرتِ شبیرؑ کی آواز آئی
جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

۱۶
شمرِ ظالم سے خوش ہو کے لگا کہنے عُمَر
شکر صد شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر
حکم دے فوج کو کوئی ابھی کھولے نہ کمر
جلد غارت کریں ابنِ اسد اللہ کا گھر
دن بہت کم ہے بس اب فکر زر و مال کریں
لُٹ چکیں خیمے تو پھر لاشوں کو پامال کریں

۱۷
شمر یہ سنتے ہی چلّایا کہ اے لشکرِ شام
غارتِ خیمہ کا ہے حکم چلے فوج تمام
دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام
جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسبابِ امام
پاس ناموسِ نبیؐ کے زر و زیور نہ رہے
ہاں سرِ زینبؑ و کلثومؑ پہ چادر نہ رہے

۱۸
حکم یہ سُن کے چلے خیمہ پہ اعدا کے پرے
شور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
کاٹ کر لاشوں کے سر نیزے کی نوکوں پہ دھرے
نہ خدا سے نہ علیؑ سے نہ پیمبرؐ سے ڈرے
آلِ احمدؐ پہ عجب طرح کی آفت آئی
فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

۱۹
پاؤں بے اذن نہ رکھتا تھا جہاں رُوحِ امیں
واں چلے جاتے تھے تلواریں لیے دشمنِ دیں
چترِ زر سر پہ لگائے عُمَرِ سعد لعیں
فتح کے باجوں کی آواز سے ہلتی تھی زمیں
برچھیاں ہاتھوں میں جلّاد لیے آتے تھے
ہتھیں بیڑیاں حدّاد لیے آتے تھے

۲۰
مضطرب پھرتی تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر سے اطفال
خوف کے مارے سکینہؑ کا عجب تھا احوال
ماں سے لپٹی ہوئی چلاتی تھی وہ نیک خصال
جان بلب ہوں مرے بچپن پہ ترس کھائے کوئی
رن سے جلدی مرے بابا کو بلا لائے کوئی

۲۱
ارے لوگو! مرے بھیا علی اکبرؑ ہیں کہاں
کس سے پُوچھوں میں پھوپھی جان کے دلبر ہیں کہاں
لٹی جاتی ہے دُلہن قاسمِ بے پر ہیں کہاں
ان کے قربان میں عباسؑ دلاور ہیں کہاں
اب بچانے کو نہ آئیں گے تو کب آئیں گے
قتل ہو جائیں گی سب بیبیاں تب آئیں گے

۲۲
یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر
اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر
شور تھا جلد بتاؤ کہ خزانہ ہے کدھر
کیا ہُوئی احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کی دولت
گاڑ رکھی ہے کہاں سبطِ نبیؐ کی دولت

۲۳
بیبیاں کہتی تھیں بکھراتے ہوئے چہروں پہ بال
گھر سخی کا ہے یہ بیجا ہے یہاں زر کا خیال
کرتا تھا فاقے پہ فاقہ اسد اللہ کا لال
نہ دفینہ ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے نہ مال
اب حسینؑ ابن علیؑ سے ہے زمانہ خالی
ہو گیا آج محمدؐ کا خزانہ خالی

۲۴

غش میں بستر پہ جو سجادؑ پڑے تھے تنہا
ننگے سر دوڑی گئی بالی سکینہؑ اُس جا
ننھے سے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا
پھوپی امّاں کی رِدا چھن گئی اُٹھو بھیّا!
شمر نے بانوئےؑ آوارہ وطن کو لوٹا
ستم ایجادوں نے اک شب کی دُلہن کو لوٹا

۲۵

اُٹھ کے صدقے گئی دیکھو تو یہ کیسا ہے ستم
برچھیاں تانے ہوئے گھر میں کھڑے ہیں اظلم
چونک کے غش سے پکارے یہ امامِ عالم
ہائے شاید سرِ شبیرؑ ہُوا تن سے قلم
رہ گئے ہم اسداللہ کا پیارا نہ رہا
ہے غضب خلق میں سرتاج ہمارا نہ رہا

۲۶

ہاتھ چہرے پہ دھرے کہتی تھی یہ زینبؑ زار
کوئی دُنیا میں نہیں ہوئے گی مجھ سے نادار
لُٹ گئی آن کے اس بن میں علیؑ کی سرکار
اب تو محتاج ہوں چادر کو بھی میں سینہ فگار
شکر کرتی ہُوں کہ اللہ نے احسان کیے
پاس دُو لال تھے وہ بھائی پہ قربان کیے

۲۷

کہتی تھی یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم
قتل اس کو بھی کرو تھی یہی جلّادوں میں دھوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اُٹھ او مظلوم
بھائی مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم
باندھ مضبوط کمر کانٹوں پہ جانے کے لیے
بیڑیاں آتی ہیں پانوؤں میں پہنانے کے لیے

۲۸

آگیا غیظ میں یہ سُن کے علیؑ کا دلدار
کانپتے ہاتھوں سے بستر سے اٹھائی تلوار
شمرِ اظلم سے یہ فرمایا کہ او نابکار
سب تیری فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار
او لعیں! صاحبِ شمشیر کا پوتا ہُوں میں
قید ہونے کو نہیں شیر کا پوتا ہُوں میں

۲۹

اُس کا بیٹا ہُوں میں دُو لاکھ سے کی جس نے جدال
قید کر لیوے مجھے کیا تیرے لشکر کی مجال
پاٹ دُوں لاشوں سے اک دم میں یہ میدانِ قتال
غضب آجاتا ہے جس دم ہمیں آتا ہے جلال
ہم وُہ ہیں جس سے رسولوں نے مدد چاہی ہے
دستِ بیمار میں بھی زورِ یداللّٰہی ہے

۳۰

بیچ میں آگئیں سب بیبیاں کھولے ہوئے سر
بانوؑ چلاتی کہ ہے ہے میرے بیمار پسر
کہا زینبؑ نے پھوپی صدقے ہو اے نورِ نظر!
کچھ تمھیں یاد ہے کیا کہہ گئے ہیں تم سے پدر
جنگ کا قصد نہ اے سیدِ سجادؑ! کرو
شاہِ بیکس کی وصیت کو ذرا یاد کرو

۳۱

لے کے بھائی کی بلائیں یہ پکاری کُبراؑ
وقتِ رخصت تمھیں بابا نے ہے کچھ لکھ کے دیا
خطِ وصیت ہے تم اس کو تو پڑھ لو بھیّا!
لے کے اس نامہ کو سجادؑ نے آنکھوں پہ رکھا
بولے دیکھوں خطِ شبیرؑ میں کیا لکھا ہے
اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے

۳۲
خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمد و ثنا
میرے عابدؑ! تیری مظلومی کے صدقے بابا
ہم تو اب جاتے ہیں اے لال! اکٹا نے کو گلا
سب کو سونپا تمھیں اور تم کو خدا کو سونپا
تابعِ مرضیِ حق اے میرے عابد! رہنا
باپ کی بیکسی و یاس کے شاہد رہنا

۳۳
لوٹنے آئے میرے بعد جو فوجِ دشمن
منہ سے نکلے نہ بجز شکرِ خدا کوئی سخن
طوق لائیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن
کیجو اُمّت کی دعا باندھیں جو ہاتھوں میں رسن
گھر کے لٹنے کا نہ اے لال! تاسف کرنا
میری مسند بھی جلائیں تو نہ تم اُف کرنا

۳۴
رکھیو اُمت پہ نبیؐ کی نظرِ لطف و کرم
کھینچیو تیغ نہ جھنجلا کے میرے سر کی قسم
ہم کو سب طرح کی قدرت تھی پہ مارا نہیں دم
اے مری جان! اٹھے راہِ رضا سے نہ قدم
مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہوئے گا
شام تک ساتھ تمھارے میرا سر ہوئے گا

۳۵
پڑھ چکا باپ کی تحریر کو جب وہ بیمار
شکر آنکھوں سے کیا، ہاتھ سے رکھ دی تلوار
دیکھ کر لشکرِ کفار کو یہ کی گفتار
طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار
ہاتھ باندھو یہ گرفتارِ بلا حاضر ہے
پانوں سمجھے ہوتے حاضر ہیں گلا حاضر ہے

۳۶
سُن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہلِ جفا
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پُر نور گلا
ہوئی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
جب بندھے ہاتھ تو فرمایا کہ یہ عقدہ کشا
میں تو صابر ہوں پہ حضرت یہ ستم دیکھتے ہیں
آتی آواز ید اللہ کی کہ ہم دیکھتے ہیں

۳۷
اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطانِ اُمم
بچے لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دوڑا معصوم سکینہؑ کی طرف اک اظلم
دونوں کانوں سے گہر چھین لیے وائے ستم
خوں میں کُرتے کو بھرا دیکھ کے تھراتی تھی
ہاتھ کانوں پہ دھرے باپ کو چلاتی تھی

۳۸
گود میں لے کے اُسے رونے لگی بانوئے زار
غل ہوا اہلِ حرم جلد ہوں اُونٹوں پہ سوار
اونٹ بٹھلائے تو چلائی یہ زینبؑ اک بار
کس طرف ہو علی اکبرؑ یہ پھوپھی تم پہ نثار
گرد اونٹوں کے قنات آ کے لگاؤ بیٹا!
ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھاؤ بیٹا!

۳۹
اُونٹ آئے ہیں سواری کے لیے نورِ نظر
نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جس پر
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
اپنی ماں جائی کی لیتے نہیں اس وقت خبر
سر پہ چادر نہیں یہ شان ہماری دیکھو
آج ناموسِ پیمبرؐ کی سواری دیکھو

۴۰

یہ جو زینبؑ نے کہا رونے لگے خورد و کلاں
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے ہوئے اشک رواں
بس انیسؔ جگر افگار نہیں تابِ بیاں
عرض کر حق سے بصد عجز کہ ربِ دو جہاں
توبہ کرتا ہوں گناہوں سے پشیماں ہوں میں
عفو کر جرم کہ آلودۂ عصیاں ہوں میں

میر نمبر

دو جلدیں پیش کر چکے ہیں

اب

تیسری جلد

بھی جلد پیش کر رہے ہیں۔ اس جلد میں بھی
میرؔ کا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے

اس

نمبر کے بعد، میرؔ کا جملہ کام سامنے آسکے گا

(ادارہ)

اضافہ

(مرثیے اور مضامین)

ادارۂ نقوش "رسولؐ نمبر" کی اشاعت کا آغاز کر رہا ہے

۱۹۸۲ء میں

رسولؐ نمبر

کی طباعت کا کام شروع ہو جائے گا

پھر

یہ نمبر تواتر کے ساتھ آپ کو ملتے رہیں گے

منصوبہ

یہ ہے کہ یہ نمبر کم از کم دس جلدوں میں شائع ہو

ہم بھی

اس نمبر پر عرصہ دس سال سے محنت کر رہے ہیں

خدا قبول فرمائے

(ادارہ)

○ جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب ۲۳۰ بند

مرثیہ دس قلمی اور چھ مطبوعہ نسخوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

قلمی — نسخۂ اول	بستہ سوم	راجہ صاحب محمود آباد	ناقص الآخر
نسخۂ دوم	بستہ سوم	راجہ صاحب محمود آباد	۱۱۴ بند
نسخۂ سوم		〃	۱۹۸ 〃
نسخۂ چہارم	مراثی انیس قلمی	مرزا امیر علی جونپوری	۱۹۸ 〃
نسخۂ پنجم	〃	سید محسن نواب قبلہ	۱۹۶ 〃
نسخۂ ششم	〃	سید مسعود حسن رضوی مرحوم	۱۹۷ 〃
نسخۂ ہفتم	〃	راقم الحروف	۱۹۸ 〃
نسخۂ ہشتم	〃		۱۹۷ 〃
نسخۂ نہم	〃	مہاراجکمار صاحب (محمود آباد)	۳۴ 〃
نسخۂ دہم	〃		۱۹۶ 〃

مطبوعہ — (۱) مطبع نول کشور جلد چہارم ۱۸۸۰ء	۱۹۷ 〃
(۲) مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ۔ جلد ششم قدیم ۱۹۰۱ء (عبدالحسین)	۱۹۷ 〃
(۳) مطبع شاہی لکھنؤ۔ جلد ششم جدید جون ۱۹۱۴ء 〃	۱۹۷ 〃
(۴) مطبع نظامی بدایونی، جلد اول ۱۹۲۱ء	۱۹۷ 〃
(۵) مطبع انڈین پریس الٰہ آباد، مدوحِ انیس ۱۹۳۱ء	۱۹۷ 〃
(۶) مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، منتخب مراثی انیس ۱۹۶۴ء	۱۹۷ 〃

مرثیے کے حسب ذیل مطلعے ہیں:

(۱) جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے — بند نمبر ۳

(۲) جب صف کشی کی دھوم ہوئی قتل گاہ میں — بند نمبر ۱۱۸
(۳) میداں میں جب ریاضِ حسینی خزاں ہوا — بند نمبر ۱۳۱
(۴) جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے — بند نمبر ۱۴۸

متذکرہ بالا آٹھ قلمی نسخوں میں مرثیے کا مطلع یہ ہے:

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب — پایا سحر نے دخل، گیا انتظامِ شب
فرشِ سفید بچھ گیا، اُٹھ گئے خیامِ شب — آغازِ روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق فشانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریِ سلطانِ شرق کی

ان میں اکثر و بیشتر نسخے میر انیس کی زندگی میں نقل کیے گئے ہیں کیونکہ ابتدا میں میر انیس کے نام کے ساتھ "مدظلہ" اور "سلّمہ" کے الفاظ درج ہیں۔ نسخۂ پنجم میر انیس کے شاگرد سید محمد ہاشم جون پوری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمہ میں یہ عبارت بھی درج ہے:

"فی شہر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ہجری مالک مرثیہ سید محمد ہاشم جونپوری شاگرد میر انیس سلّمہ۔"

ہم نے نسخۂ پنجم کو ہی متن کے لیے بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔ یہ لکھنؤ کے مشہور و معروف مجتہدِ دیں سید محسن نواب صاحب مغفور کے کتاب خانے میں ڈاکٹر شبیہ الحسن نونہروی صدر شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی کے توسل سے دستیاب ہوا تھا۔ نسخۂ ششم اور نسخۂ دہم کا مطلع یہ ہے:

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

نسخۂ دہم میں دُوسرا بند "مطلع" کے طور پر "جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب" ہی درج ہے۔ ابتدا میں یہ عبارت بھی ملتی ہے: "مرثیہ من مصنفاتِ طیباتِ جناب میر انیس صاحب مدظلہ تعالیٰ" اس کے بائیں طرف مرثیے کا ایک شعر اور رباعیِ انیس درج ہے۔ شعر یہ ہے:

حضرت پہ صدقے ہوئیں گے گفت و شنید ہے
تلوار اب گلے سے ملے گی یہ عید ہے

عبدالحسین لکھنوی نے جلد ششم قدیم اور جلد ششم جدید میں مرثیہ اسی مطلعے (جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب) سے شائع کیا تھا۔ یہ دونوں جلدیں اب نایاب ہیں لیکن سید محمد رشید آف جعفر منزل لکھنؤ کے کتاب خانے میں موجود ہیں اور آجکل ہماری تحویل میں ہیں۔ مرثیہ سب سے پہلے مطبع نولکشور کی جلد چہارم میں دوسری صورت میں (جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے) چھپا تھا۔ راقم کے پیشِ نظر ۱۸۸۱ء کا نسخہ ہے۔ اس کے بعد مرثیہ اسی مطلعے کے تحت چھپتا رہا۔ قلمی نسخۂ نہم کا مخطوطہ ۲۰ر جولائی سنہ ۱۸۸۲ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ ذیل کے درمیانی مطلعے سے شروع ہوتا ہے:

جب صف کشی کی دھوم ہوئی قتل گاہ میں

اس میں بعض بند ایسے ہیں جو اور کسی نسخے میں نہیں ملتے ہیں۔

زیرِ نظر مرثیہ دس قلمی اور چھ مطبوعہ نسخوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس طرح ۱۶ نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہو سکا مرثیہ مستند قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ مطبوعہ مرثیوں میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ سب سے زیادہ غلطیاں شیخ غلام علی لاہور اور مطبوعہ نولکشور کی ان جلدوں میں پائی جاتی ہیں جو مہذب لکھنوی نے ۱۹۶۱ء میں مرتب کی ہیں۔ مطبوعہ نسخوں کی ترتیب بھی درست نہیں ہے۔

مطبع نولکشور جلد چہارم، نظامی بدایونی اور روحِ انیس طبع اوّل صفحہ ۲۱۴ بند نمبر ۸۵ اسی طرح چھپا ہے،

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار | آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں عمل دارِ نامدار | نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایا ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

مرتبین نے یہ بند یہاں غلطی سے درج کیا ہے۔ دراصل یہ دوسرے مرثیے کا ہے جس کا مطلع ہے،

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

اور تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں بند نمبر ۱۶ کے تحت ملتا ہے۔ جناب مسعود حسن رضوی نے بعد میں اسے روحِ انیس کے دوسرے ایڈیشنوں سے حذف کیا ہے۔ راقم کے پیشِ نظر اس کا پہلا اور پانچواں ایڈیشن ہے۔

جناب مرتضیٰ حسین فاضل نے میر انیس کے بارہ مرثیے "منتخب مراثی انیس" کے نام سے مرتب کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۷۴ء میں شائع کیے ہیں۔ اس میں زیرِ نظر مرثیہ بھی شامل ہے۔ صفحہ ۴۶۷ میں مرثیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"شاد عظیم آبادی نے ۴ محرم ۱۲۷۶ھ ہجری مطابق ۲۴ جولائی ۱۸۵۹ء چہار شنبہ کے دن پٹنہ میں جو مجلس سنی اس میں انیس کے دو مصرعے تھے:

۱۔ وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان

۲۔ بیت العتیق دیں کا مدینہ، جہاں کی جاں

شاد نے مطلع نہیں سنا۔ معلوم نہیں میر صاحب نے ان دو مطلعوں میں سے کون سا وہاں پڑھا یعنی:

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

یا:

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب

امجد علی اشہری نے بتایا ہے کہ عظیم آباد میں مرثیے کا مطلع یہ تھا:

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

امیر احمد علوی اس مرثیے کو مقابلے کا مرثیہ بتاتے ہیں۔ بقول ان کے میر انیسؔ، مونسؔ اور نفیسؔ نے تین مرثیے ایک ساتھ لکھے تھے۔

میر صاحب کا مرثیہ یہ ہے:

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے[1]

مونسؔ ———

جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا

نفیسؔ کا مطلع:

جب عابدوں کو طاعتِ رب میں سحر ہوئی[2]

اس کے بعد مرتضیٰ حسین فاضل واقعاتِ انیسؔ (ص ۱۰۴ تا ۱۰۸) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

اس مرثیے کا قریب قریب نصف حصہ میر انیسؔ نے ایک شب میں تصنیف فرمایا ہے۔ اس مرثیے پر کسی نے اعتراض کیا کہ آفتاب کا مسافت شب طے کرنا ایک تازہ خیال ہے۔ مسافتِ شب ماہتاب طے کرتا ہے نہ کہ آفتاب۔ میر صاحب نے منبر پر بیٹھ کر معترض کو للکارا اور علمِ ہیئت سے فاصلۂ شب میں دورۂ شمسی کو ثابت کیا۔"

اس کے بعد فاضل صاحب فرماتے ہیں کہ:

"میرے اندازے کے مطابق میر انیسؔ نے یہ مرثیہ آغاز ۱۸۵۶ء یا اس سے کچھ پہلے لکھا ہوگا اور اس کے لیے "عالم پسند لفظ ہیں سلطاں بند بند" میں "عالم" اور "سلطاں" کو میں تعیق تاریخ کے لیے ایک اشارہ مانتا ہوں۔ کیونکہ واجد علی شاہ فروری ۱۸۵۶ء میں معزول ہو کر لکھنؤ سے کلکتہ گئے تھے۔ مئی ۱۸۵۷ء میں آزادی کا معرکہ ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں یہ مرثیہ عظیم آباد میں سنا گیا اور اس سے پہلے اس مجلس کا تذکرہ تحریر میں نہ آسکا ..... رہی یہ بات کہ "آفتاب" کے سفرِ شب پر اعتراض ہوا اور میر صاحب نے یا ان کے فرزند نے مطلع بدل دیا ہو۔ پہلے تین بندیوں لکھے ہیں:

---

[1] امیر احمد علوی اپنی کتاب "یادگار انیسؔ" کے ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں کہ "میر صاحب کا مشہور مرثیہ "جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب" بھی عہدِ پیری کا کلام ہے۔" اس کے بعد وہی مقطع درج کیا جو "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" کا ہے۔ یہاں امیر احمد علوی کو تسامح ہوا ہے۔ دراصل یہ ایک ہی مرثیہ ہے جس کے دو مطلعے ہیں۔ (اکبر حیدری)

[2] اس میں ۱۰۵ بند ہیں۔ مقطع میں انیسؔ اور مونسؔ تخلص درج ہے۔ مخطوطہ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں ہے۔ (اکبر حیدری)

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب　　پایا سحر نے دخل، گیا انتظامِ شب
فرش سفید بچھ گیا، اکھڑے خیامِ شب　　آغازِ روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق شانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریِ سلطانِ شرق کی

چھپنے لگا جو عابدِ شب زندہ دار ماہ　　اختر چلے، لپٹ گئے سجادۂ سیاہ
غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ　　تھا شور دَور دورِ شہنشاہ کج کلاہ
ہر سو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا

لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا، عجب سحر　　بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اُٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر　　مڑ کر صدا یہ دی رفقا کو بچشمِ تر
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

پہلے دو بند ہر صاحبِ ذوق کی نظر میں انیس کے معلوم نہیں ہوتے۔ نہ ان کی تکنیک میر صاحب کی ہے نہ الفاظ اور نہ ان کا دروبست۔ تیسرے بند کے پہلے تین مصرعے کچھ بہتر ہیں لیکن ان کے لفظوں، ترکیبوں اور مصرعوں بلکہ ایک دو بندوں میں بھی تبدیلیاں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میر صاحب نے کہیں کہیں نظرِ ثانی کی ہو اور بندوں کا اضافہ کسی نے کیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اضافے کے علاوہ بھی کسی اور کا قلم چلا ہو۔ بہر حال چونکہ نولکشور کی جلد ششم ایک مرتبہ چھپ کر متروک قرار دے دی گئی اور کراچی کا ایڈیشن اسی کی نقل ہے، اس لیے اس پر پوری طرح اعتماد مشکل ہے۔"

مرثیے کے حواشی صفحہ ۶۲۲ میں فاضل صاحب مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ مرثیہ نول کشور کی مطبوعہ چار جلدوں میں نہیں ہے۔ جلد ششم میں چھپا تھا اور اس جلد کا نیا ایڈیشن یعنی مطبوعہ کراچی ہمارے سامنے ہے۔ مرتب نے اس مرثیہ کو باختلاف مطلع و بند شائع کیا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مراثی انیس جلد اوّل بدایوں صفحہ ۲۳۶ کا نسخہ مقدم ہے یا مطبوعہ کراچی کا۔ سرِ دست یہ فیصلہ ممکن نہیں کہ میر صاحب نے مرثیے کا چہرہ کب بدلا اور کون سا چہرہ پہلے لکھا۔"

جناب مرتضیٰ حسین فاضل کی اطلاعات غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ منشی نولکشور نے مراثی انیس کی صرف پہلی چار جلدیں شائع کی ہیں۔ مالک بک لینڈ کراچی نے بغیر عبد الحسین لکھنوی کا نام لیے ان کی مرتب کردہ جلد ششم جدید کو ۱۹۶۱ء میں دوبارہ شائع کیا۔ عبد الحسین نے سب سے پہلے جلد ششم قدیم اور جلد ششم جدید میں زیرِ نظر مرثیہ (جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب) ۱۹۷ بندوں میں شائع کیا۔ جلد ششم قدیم ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) میں مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ اور جلد ششم جدید جون ۱۹۱۳ء میں مطبع شاہی لکھنؤ میں چھپی تھی۔

یہ دونوں جلدیں اب عنقا کے برابر ہیں۔ مراثی انیس جلد اول مطبوعہ نظامی بدایونی ۱۹۲۱ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ میر انیس نے مطلع (جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے) کب اختیار کیا تھا البتہ میرے پاس مطبع نولکشور کی جلد چہارم ۱۸۸۱ء کی پیشِ نظر ہے۔ اس میں یہ مرثیہ "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" کے مطلعے سے ہی شامل ہے۔ یہ جلد یقیناً فاضل صاحب کی نظر سے نہیں گزری ہے۔ مرثیہ مطبع نولکشور جلد چہارم کے ہر ایڈیشن میں موجود ہے۔

جناب مرتضیٰ حسین صاحب کا یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس نے مرثیہ آغاز ۱۸۵۶ء یا اس سے قبل تصنیف کیا تھا۔ انیس کا انتقال دسمبر ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ اس حساب سے وہ ۱۸۵۶ء میں کوئی ۵۰ برس کے تھے۔ اگر فاضل صاحب کی بات سے اتفاق بھی کیا جائے پھر بھی انیس اس کے بعد سولہ سال تک زندہ رہے۔ مقطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ انیس نے مرنے سے چند سال پہلے تصنیف کیا ہوگا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ راقم الحروف کی نظر سے انیس کے سیکڑوں قلمی مرثیے گزرے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر مرثیوں میں ۱۲۵۴ھ سے ۱۲۹۱ھ ہجری تک کی تاریخیں درج ہیں۔ بعض مرثیوں کے دس دس بارہ بارہ نسخے دستیاب ہوئے۔ میری رائے میں یہ مرثیہ ۱۲۸۶ھ یا ۱۲۸۷ھ میں تصنیف کیا گیا ہے۔ اسی لیے میں نے سید محمد ہاشم جونپوری شاگرد میر انیس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔

یہ مرثیہ اس صدی کے سب سے بڑے ماہرِ انیسیات جناب مسعود حسن رضوی کو اس قدر پسند تھا کہ مرحوم نے اسے ۱۹۴۳ء میں فنِ خطاطی کے مشہور ماہر مرزا محمد جواد مالک نظامی پریس لکھنؤ سے "شاہکار انیس" کے نام سے شائع کیا تھا۔ ایک ایک صفحے پر ایک ایک بند چھاپا گیا تھا۔ کتاب میں نفسِ مرثیہ کی مناسبت سے اعلیٰ درجے کی تصویریں چار چاند لگاتی ہیں۔ شاہکار انیس اب نایاب ہے اور کسی بھی قیمت پر نہیں مل سکتی ہے۔ چند سال پہلے میرے سامنے لکھنؤ میں ایک نسخہ پانچ سو روپے میں بکا تھا۔

شاہکارِ انیس کی ابتدا میں جناب سید مسعود حسن رضوی کا سیر حاصل مقدمہ ہے۔ مقدمہ کے علاوہ جناب سید احتشام حسین کا مضمون "انیس کے فن کا تعارف" اور شیخ ممتاز حسین جون پوری کا "شاہکار انیس کی تصویریں" شامل ہے۔ ان مضامین کے علاوہ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو اور سید علی اختر تلہری کے تبصرے ہیں۔

مسعود حسن رضوی زیرِ نظر مرثیے کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

> اُس کے بارے میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہر حیثیت سے اور تمام مرثیوں سے بہتر ہے۔ مگر اس میں کچھ ایسی خصوصیتیں ضرور ہیں کہ اگر کوئی شخص انیس کا صرف ایک ہی مرثیہ پڑھنا چاہتا ہو تو اس کو اسی مرثیے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس میں پورا معرکۂ کربلا مختصر پیشِ نظر کر دیا گیا ہے۔ اس میں انیس کے ہر طرح کے کلام کے نمونے موجود ہیں اور انیس کی شاعری کے بیشتر محاسن جمع ہیں۔ مرثیے کا جو ڈھانچہ انیس کے وقت میں بن چکا تھا اس کے تقریباً تمام اجزا اس مرثیے میں پائے جاتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو مرثیے کے متعلقات پر کافی اطلاع نہیں ہے جنہوں نے مختلف مرثیہ گویوں کا کلام نہیں دیکھا ہے

اور خود انیسؔ کے مرثیوں کا گہرا مطالعہ کرکے وہ زاویۂ نگاہ اور وہ اندازِ فکر پیدا نہ کر لیا ہے جو کلامِ انیسؔ کے محاسن کو بخوبی سمجھنے کے لیے ضروری ہے وُہ بھی اس مرثیے سے لُطف اٹھا سکتے ہیں اور انیسؔ کی شاعری کے بلند مرتبے کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔"

سر تیج بہادر سپرو لکھتے ہیں کہ،

"انیسؔ نے جس خُوبی سے خارجی واقعات و مقامات کی مناظر کشی کی ہے اس پر صرف انھی کی وہ داخلی شاعری فوقیت لے جا سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ناقابلِ تقلید زبان میں ہر حساس طبیعت کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے بیان میں کوئی اچھوتا پن یا سوقیت نہیں ہے۔ ان کی رگوں میں ان آباؤ اجداد کا خون دوڑ رہا تھا جنھوں نے کئی پشتوں سے شاعری کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا تھا۔ یہ انھیں کے لیے صحیح ہے کہ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی ہے اور وہ ایک فطری اور پیدائشی شاعر تھے۔ پاکیزہ اور نکھری ہُوئی اردو کے ماہر کی حیثیت سے ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ جدید ترکیبیں وضع کرنے کے نازک فن میں آج تک کوئی ان سے آگے نہ جا سکا۔ ان کی تشبیہیں اور استعارے، فطرت، حیاتِ انسانی اور جذبات کی نامعلوم گہرائیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بلا کی آمد ہے۔ ان کی زبان اس قدر پُرشکوہ ہے اور ان کی شاعری فنی حیثیت سے اس قدر مکمل ہے کہ ناقد کو ان کے باب میں مجالِ سخن نہیں۔

میں پُورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی دُوسرے مصنف نے ہمارے لیے انیسؔ سے زیادہ گراں قدر خزانہ نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس کا پتا چلتا ہے کہ زبان اردو میں انسانی دماغ کے عمیق ترین خیالات و جذبات کے اظہار کا ذریعہ بننے کی کس قدر اہلیت ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے، کہ اردو میں کتنی استعداد اور صلاحیتیں موجود ہیں۔"

مرثیہ نہ صرف انیسؔ کے بہترین مرثیوں سے ہے بلکہ یہ اردو شاعری میں فنی خوبیوں کے لحاظ سے ایک اعلیٰ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اس میں فنِ مرثیہ کے تمام لوازمات پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں چند بند ملاحظہ ہوں۔

تیمم کی آب و تاب ؎

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب ‏ ‏ ‏ پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب ‏ ‏ ‏ ہوتے ہیں خاکسار، غلام ابُو ترابؓ
مہتاب کے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں کی جِلا اور ہو گئی

نماز کا منظر ؎

قرآں کھُلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز ‏ ‏ ‏ بسم اللہ آگے جیسے ہو یُوں تھے شہِ حجاز

سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز   کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

طرزِ ادا کی خوبی سے

عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جاں نثار   فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
راحت رساں، مطیع، نموّار و نامدار   جرّار، یادگارِ پدر، فخرِ روزگار
صفدر ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے

صبح کا سماں سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک   شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک   ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے، گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

گرمی کی شدت سے

وہ لو، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب   کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب   خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

گھوڑے کی تعریف سے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے   بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے   تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق تھا
بالا دری میں اس کو ہما پر بھی فوق تھا

تلوار کی شان سے

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا   جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گل سے بو جدا   سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا

گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا، لیلیٰ نکل پڑی

میدانِ جنگ کا نقشہ ؎

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر　　شیروں سے دشت، گرگ سے بن، اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، بیجا ملا کے سر　　اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

دشمن کا ایک کردار ؎

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر　　روئیں تن و سیاہ دروں، آہنی کمر
ناوک پیامِ مرگ کے ترکش اجل کا گھر　　تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

امام حسینؑ کی حالتِ زار ؎

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب　　نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب　　غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحلِ زیں سے سرِ عرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی، عرش گر پڑا
گر کر کبھی اُٹھے، کبھی رکھا زمیں پہ سر　　اُگلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر　　کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بل گرے

مرثیے میں ذیل کے بند زیادہ ہیں:

۱، ۲، ۳۰، ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸،
۱۹۳، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۲۸،
۲۲۹۔

حواشی میں ن سے مراثیِ انیس جلد اول نظامی بدایونی، جلد ششم سے مراثیِ انیس جلد ششم قدیم (۱۹۰۱ء) مطبع

وبدیۂ احمدی لکھنؤ اور نسخہ سے مراد مرثیہ کے دیگر قلمی نسخے، روحِ انیس سے مطلب کتاب کا پانچواں ایڈیشن جو ۱۹۶۲ء میں چھپا ہے۔

مرثیہ

۱ ★ جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب — پایا سحر نے دخل، گیا انتظامِ شب
فرشِ سفید بچھ گیا اکھڑے خیامِ شب — آغاز روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق نشانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواری سلطانِ شرق کی

۲ ★ چھپنے لگا جو عابدِ شب زندہ دارِ ماہ — اختر چلے لپیٹ گئے سجادۂ سیاہ
غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ — تھا شور دَور دَورِ شہنشاہِ کج کلاہ
ہر سو نشان آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا

۳ ★ لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا عجب سحر — بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اُٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر — مڑ کر صدا یہ دی رفقا کو بچشمِ تر
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

۴ مطلع نسخہ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے — جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے — مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

۵ ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا — یاں خُوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا — گزری شبِ فراق، دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

۶ یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام — یاں سے ہوا جو کُوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام — لکھے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غُل چار سُو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

۷ یہ سن کے بستروں سے اُٹھے وہ خداشناس — اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس — باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۸ سُو کھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رُخوں پہ نُور — خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دُور
فیاض و حق شناس و اولوا العزم و ذی شعور — خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے حظ بر ملا ملے
باتوں میں وُہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

۹ ساونت بردبار فلک مرتبت دلیر — عالی منش، سبا میں سلیماں وغا میں شیر
گردانِ دہران کی زبردستیوں سے زیر — فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور نیتیں بھی سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے

۱۰ تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لا جواب — نکتہ بھی مُنہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب — سُوکھی زباں میں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ جو نمک سے بھرے ہوئے[۱]

۱۱ لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو — پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بُو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو — غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا یہ مَلک ہیں بشر نہیں

۱۲ پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب — پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب — ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابُو تراب
مہتاب کے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں پہ جِلا اور ہو گئی

---

[۱] جلد ششم قدیم - شیریں کلام وہ کہ نمک سے بھرے ہوتے

۱۳ خیمے سے نکلے شہؑ کے عزیزانِ خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنسا کے لال
قاسمؑ سا گلبدن علی اکبرؑ سا خوش جمال — اک جا عقیلؑ و مسلمؑ و جعفرؑ کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

۱۴ وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

۱۵ ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

۱۶ قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار — تھی ہر ورق سے صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکر سے شعرائے ہنر شعار — ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

۱۷ وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

۱۸ وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہراؑ جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

۱۹ وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

۲۰ چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیُّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار — تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیحِ کردگار
طائر ہوا میں محو ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

۲۱ کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبیؐ کے پھول — خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب، زینتِ کاشانۂ بتولؑ — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں کٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا

۲۲ اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گل عذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلے[1] کا ہار — جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

۲۳ وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان — گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
بے چوبہ سپہر بریں جس کا سائبان — بیت العتیقِ دیں کا مدینہ جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

۲۴ گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں — کہتا تھا آسمانِ و ہم چرخِ ہفتمیں
پرٹے تھے رشک پردۂ چشمانِ حورِ عیں — تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گل آفتاب پر

۲۵ ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں — تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں — صوتِ حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں

---

[1] روحِ انیس - گلوں کا ہار

ہراک کی چشم آنسوؤں میں ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آگئی

۲۶ چُپ تھے طیور، جھومتے تھے وجد میں شجر　　تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در　　پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیرؑ کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

۲۷ ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار　　چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار　　صدقے نمازیوں کے مؤذن کے مَیں نثار
کرتے ہیں یُوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو! اذاں سُنو مرے یوسف جمال کی

۲۸ یہ حُسنِ صَوت اور یہ قرأت یہ شد و مد　　حقا کہ افصح الفصحا[1] تھے انھیں کے جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤدِ باخرد　　یارب! رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

۲۹ میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جاتے　　عین الکمال سے تجھے بچّے! خدا بچائے
وہ لو دی[2] کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے　　دو دن[3] میں ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر[4]

۳۰ صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامتِ الصلوٰۃ　　قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات　　سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات[5]

---

[1] روحِ انیس - ہے انھیں کا جد
[2] جلد ششم - خوش لہجہ یہ، نظامی، وہ خوش بیاں
[3] جلد ششم - دو روز، نظامی - دو دو دن
[4] جلد ششم - فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر
کرتا نہیں ہے رحم کوئی شور و شین پر
[5] روحِ انیس - قدموں سے جس کے ملتی تھیں آنکھیں رہِ نجات

جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلّٰی حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّٰی حسینؑ کا

۲۱ قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز — بسم اللہ آ گے جیسے ہو یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہ سرفراز — کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نُور کی

۲۲ امیدِ مغفرت ہے عَلیِ علیم سے — غیراز کرم کچھ اور نہ ہو گا کریم سے[1]
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے — پہلے اشارہ ہے یہ "الف، لام، میم" سے
حبل المتیں یہی ہیں نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے

۲۳ باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند — حمد و بیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

۲۴ اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار — اٹھارہ[۱۸] نوجواں ہیں اگر کیجئے شمار
پر سب وحیدِ عصر و حق آگاہ و خاکسار — پیرو امامِ پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے[2]

۲۵ دُنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود — ان کے لیے تھی بندگی واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود — طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

۲۶ ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا — خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرّائے آسمان ہلا عرشِ کبریا — شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا

---

[1] یہ بند روحِ انیس میں نہیں ہے۔ [2] "کی ہیں" کی لفظیں روحِ انیس میں چھوٹ گئی ہیں۔

وہ خاکسار محوِ تضرّع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دُعائیں تھیں عرش پر

۳۷ فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام — آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چُومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام — آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہِ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

۳۸ سجدے میں شکر کے تھا کوئی مردِ باخدا — پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں کوئی دعا
نعتِ نبیؐ کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا — مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں میں تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یا رب! مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

۳۹ زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر — واں سرکشی[1] و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابنِ سعد یہ جاجا کے نہر پر — گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

۴۰ بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر — ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکرِ کثیر[2] — عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

۴۱ اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں — باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں[3]
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں — بچّوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچّہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغرؑ ہدف نہ ہو

---

[1] روحِ انیس، نظامی وغیرہ میں "صف کشی" ہے۔ [2] روحِ انیس۔ لشکرِ شریر
[3] نظامی میں یہ تیسرا مصرع ہے۔

۴۲ کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر　　فضہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر　　اصغرؑ کے گہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات یہ گھٹ گھٹ کے رُوئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

۴۳ باقرؑ کہیں پڑا ہے سکینہؑ کہیں ہے غش　　گرمی کی فصل، یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش　　بچوں کو لے کے ماں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیا پے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

۴۴ اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار　　ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روک کے رفیق و یار
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار　　کہ دیں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
اُمت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

۴۵ فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر　　ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
جوشن پہن کے حضرتِ عباسؑ نامور　　دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

۴۶ شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خودِ سر　　کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہُما کے پر
دستانے دونوں فتح کے مسکن ظفر کے گھر　　وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

۴۷ خیمے میں جا کے شہؑ نے یہ دیکھا حرم کا حال　　چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دعا تھی[۲] کہ اے ربِ ذوالجلال　　بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

---

[۱] جلد ششم میں "در" اور نظامی اور نولکشور میں "ڈر" ہے۔ [۲] روحِ انیس۔ "ہے"

۴۸ آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا — بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سیّد پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا — ان ننھے ننھے بچّوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یا رب! ترے رسولؐ کی یہ آل پاک ہیں

۴۹ سر پر نہ اب علیؑ نہ رسولؐ فلک وقار — گھر لٹ گیا گزر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد روئی حسنؑ کو میں سوگوار — دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

۵۰ بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب — مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ یہ[۱] سب خانماں خراب — خود جا کے ہیں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع نہیں بہن! ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

۵۱ معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس — کشتی میں لائیں زینبؑ اُسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس — پہنی قبائے پاک رسولِ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

۵۲ شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بصد وقار — ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار — جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے یہ زلفوں[۲] کے پیچ ہیں

۵۳ کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِؐ زمن کی بو — دولھا نے سونگھی ہو گی نہ ایسی دلہن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو — پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لٹتا تھا عطر وادیِ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضوانِ بہشت میں

---

[۱] روحِ انیس ۔ خطا پہ ہیں یہ [۲] ایضاً ۔ "گیسو"

۵۴ پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن — لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ — اماں کہاں سے لائے تمھیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

۵۵ صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے — پٹکا منہ اپنا زینبؑ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے — بازو پہ جوشنیں پڑھے عزو جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

۵۶ یاد آ گئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار — قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آبدار — شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو

۵۷ باندھی کمر سے تیغ جو زہراؑ کے لال نے — پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے — معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

۵۸ ہتھیار ادھر لگا چکے مولاؑ ئے خاص و عام — تیار اُدھر ہوا علَمِ سیدالانام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام — روتی تھی تھامے چوبِ علَم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینبؑ کے لال زیرِ علَم آ کھڑے ہوئے

۵۹ گردانے دامنوں قبا کے وہ گلعذار — مرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
جعفرؑ کا رعب دبدبۂ شبیرِ کردگار — بُوٹا سے ان کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علَم سے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

لہ روحِ انیس - آقائے

۶۰ گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ عَلَم نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ امم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم آہستہ پُوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم[1]
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
امّاں! کسے ملے گا علم نانا جان کا

۶۱ کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں نام کے امّیدوار ہیں

۶۲ بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشان
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں پایا عَلم علیؑ نے مگر وقتِ امتحان
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے اِنھیں کے ہم ہیں اُنھیں کے نواسے ہیں

۶۳ زینبؑ نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام کیا دخل مجھکو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام بگڑوں گی میں جو لوگے زباں سے علم کا نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبرؑ کو چھوڑ کے

۶۴ سرکو، ہٹو، بڑھو، نہ کھڑے ہو عَلم کے پاس ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہو تم میرے حواس بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگوگے پھر جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

۶۵ عُمریں قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمّت کی ہے دلیل ہاں اپنے ہمسنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

---

[1] پایا مگر علیؑ نے علم وقتِ امتحاں

۶۶ ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ عَلم؟ چھوٹے قدوں میں سب سے، سنوں میں سبھوں سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم عُہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو، تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

۶۷ پھر تم کو کیا، بزرگ تھے گر فخرِ روزگار زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار دکھلا دو آج حیدرؓ و جعفرؓ کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

۶۸ کیا کچھ علم سے جعفرِ طیارؓ کا تھا نام یہ بھی تھی اک عطائے رسولِؐ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

۶۹ لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب بخشا عَلم رسولِؐ خدا نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو درِ سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتّہ درخت سے

۷۰ نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پُوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

۷۱ ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام کُھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

۷۲ بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو! مجھے خبر ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر

کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچّو! یہ کیا کہا کہ جگر پر چھُری لگی

۷۳ زینبؑ کے پاس آکے یہ بولے شہِ زمن — کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن!
شیروں کے شیر عاقل و جرّار و صف شکن — زینبؑ! وحیدِ عصر ہیں دونوں[1] یہ گلبدن
یُوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور، ارادے ہی اور ہیں

۷۴ نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے — بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیوں کر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے — کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیرؑ ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

۷۵ اب[2] جس کو تم کہو اُسے دیں فوج کا عَلَم — کی عرض جو صلاح شہِ آسماں حشم
فرمایا جب سے اٹھ گئیں زہراؑ بہ باغِ ارم — اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو، تم بزرگ کوئی ہو کہ خورد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

۷۶ بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام — ہے کس طرف توجہِ سردارِ خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام — قرآں کے بعد ہے تو ہے آپ کا کلام
شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباسِؑ[3] نامدار سے بہتر کوئی نہیں

۷۷ عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جاں نثار — فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
راحت رسانی، مطیع، نمودار و[4] نامدار — جرّار یادگارِ پدر، فخرِ روزگار
صفدر ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے[5] مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

۷۸ آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن — ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن!
اچھا بلائیں آپ، کدھر ہے وہ صف شکن — اکبرؑ چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن

[1] روحِ انیس۔ یہ دونوں [2] اب تم جسے [3] روحِ انیس میں یہ چوتھا مصرع ہے۔ [4] روحِ انیس بمودار نامدار
[5] نظامی۔ "ہمشکل"

کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے! پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

۷۹ عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ — جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینبؑ وہیں علم لیے آئیں بہ عزّ و جاہ — بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتنؑ[1] کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

۸۰ رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار — ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار — عباسؑ! فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

۸۱ کی عرض میرے جسم پہ جب وقت تک ہے سر — ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بدگہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر — دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
ساونت ہیں پسرِ اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کر

۸۲ منہ کر کے سوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب — ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو ترابؑ — آقا کے آگے ہوں میں شہادت[2] سے بہرہ یاب[3]
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے روبرو گرے
شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

۸۳ یہ سن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور — شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفےٰؐ کی بلائیں بہ چشم تر — زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

۸۴ سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا — تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رکھے سدا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا — بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا

---

[1] نسخہ۔ ذوالمنن [2] کامیاب [3] روحِ انیس۔ "رہے"

بچّے جئیں ترقّیِ اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

۸۵ قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو لے کے جائے — یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُمّ البنینؑ جاہ و حشم سے پسر کو پائے — جلدی شبِ عروسیِ اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دُلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

۸۶ ناگاہ[1] آ کے بالی سکینہؓ نے یہ کہا — کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مِرے چچا
عہدہ علَم کا ان کو مبارک کرے خدا — لوگو! مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مِرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

۸۷ عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ — عمّو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ — اب تو علَم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ نہ کوئی دیجے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

۸۸ باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام — کی عرض آ کے ابنِ حسنؑ نے کہ یا امام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام — فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عباسؑ اب علَم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

۸۹ ناگاہ بڑھے علَم لیے عباسؑ باوفا — دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا — لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفےٰؐ
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مِل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

۹۰ شہؑ کے قدم پہ زینبِؑ زار و حزیں گری — بانوؑ پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثومؑ تھرتھرا کے بروئے زمیں گری — باقرؑ کہیں گرا تو سکینہؑ کہیں گری

---

[1] روحِ انیس ۔ "ناگہ"

اجڑا چمن ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا عَلَم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

۹۱ دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ — آگے ہوئی[1] عَلَم کے پاس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سے جب دو عالم کا بادشاہ — نشتر بدل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے رشّے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گُلِ آفتاب سے

۹۲ مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے — ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے — اترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلہن کا ہے چہرہ پری کا ہے

۹۳ غصّے میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھیے — بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے — تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق تھا
بالا دوی میں اس کو ہما پر بھی فوق تھا

۹۴ تھم کر ہوا چلی فرس خوش قدم بڑھا — جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا — رایت بڑھا کر سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہنچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہنچ گئی

۹۵ پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر — اس کی ضیا تھی خاک پہ ضَو اس کی عرش پر
زرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر — دُولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دُو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تارِ خطوطِ شعاع کے

۹۶ اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان — جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشان
کمریں کسے علم کے تھے ہاشمی جوان — دنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جان

---

[1] مطبوعہ نسخہ۔ بڑھی

ایک ایک درمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس سے ملی بہشت کو زینت وُہ باغ تھا[1]

۹۷ لڑکے وہ ساتھ آٹھ سہی قد سمن عذار — گیسو کسی کے چہرے پہ دُو اور کسی کے چار
حیدرؑ کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار — کھیلیں تو نیچوں سے کریں شیر کا شکار
تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہُوئے
آئے تھے عید گاہ میں دُولھا بنے ہُوئے

۹۸ غرفوں سے حُوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام — دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھوں درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام — ہمشکلِ مصطفےٰؐ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

۹۹ دنیا سے اٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں — ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے اب جہاں
کیونکر سُوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں — پیدا کیا ہے حق نے عجب حُسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ ہے اس حُسین پر
محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایا زمین پر[2]

۱۰۰ ناگاہ[3] ادھر سے تیر چلے جانبِ امام — گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام — بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

۱۰۱ نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں — نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہوں کی صفوں پہ چلے شیر خشم گیں — کھنچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

---

[1] روحِ انیس۔ جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا
[2] سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حُسین پہ ہے — محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایا زمیں پہ ہے
[3] روحِ انیس ۔ ناگاہ تیر اُدھر سے

۱۰۲ اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار　　　دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار　　　گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا تھا شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

۱۰۳ وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں　　　آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں　　　فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دُہائیاں
شوکت ہُو[1] ہُو تھی جنابِ امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیردل نے زینبؑ کے شیر کی

۱۰۴ کس جُسّی سے حسنؑ کا جوانِ حَسیں لڑا　　　گھِر گھِر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس[2] میں وہ مہ جبیں لڑا　　　سہرا الٹ کے یوں کوئی دُولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرقِ[3] شامی کو مار کے

۱۰۵ چمکی جو تیغِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ　　　رُوح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھُپ گیا پسرِ سعد روسیاہ　　　کُشتوں سے بند ہوگئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے[4]
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

۱۰۶ بے سر ہُوئے موکّلِ سرچشمۂ فرات　　　ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے فوت ہوئے کتنے بد صفات　　　گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباسؑ بھر کے مشک کو یُوں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہرواں میں امیرِؑ عرب لڑے

۱۰۷ آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرؑ دلیر　　　غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سر بلند پست زبردست سب تھے زیر　　　جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر

---

[1] نسخہ۔ ہُو بہو
[2] رُوحِ انیسؔ میں بھوک اور پیاس کے درمیان "و" ہے۔
[3] روحِ انیسؔ۔ ازرق۔　[4] نسخے میں یہ ٹیپ اس کے بعد کے بند کی ہے اور اس کی ٹیپ اس بند کی ہے۔

سران کے آئے تو سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

۱۰۸ تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

۱۰۹ لاشے سبھوں کے سبطِ نبیؐ خود اٹھا کے لائے قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

۱۱۰ پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ تھی بکا سے نہ ماتم سے تھا فراغ[1] جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر

۱۱۱ ★ آیا اجل کے دام میں ناگہ وہ نوجواں شمشیرِ ظلم سر پہ، جگر پر لگی سناں
مایوس زندگی سے ہوئے شاہِ دو جہاں آنکھوں سے نور تن سے گئی طاقت و تواں
کی آہ دل پکڑ کے شہِ دیں پناہ نے
معذور کر دیا غمِ نورِ نگاہ نے

۱۱۲ ★ خم ہو گئے یہ داغ اٹھا کے امامِ دیں جھک کر بنا ہلالِ نبیؐ کا مہ جبیں
یوں درد میں تڑپ کے کیا نالۂ حزیں ہلنے لگے پہاڑ لرزنے لگی زمیں
آئی جگر کو تاب نہ اس واردات کی
خشکی میں لگی ڈوبنے کشتی حیات کی

۱۱۳ مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہِ زمن پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پٹے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن اصغرؑ کو گاہوارے سے لے آوے اے بہن

---

[1] روحِ انیس۔ فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ

پھر ایک بار اُس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

۱۱۴ خیمے سے دوڑے آلِ محمدؐ برہنہ سر — اصغرؑ کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر — مُنہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیمبر
غم کی چھری چلی جگر چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

۱۱۵ بچّے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر — تھا اُس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر — بس دفعتاً نشانہ ہُوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہوگیا گودی میں شاہ کی

۱۱۶ جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفلِ شیر خوار — چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار — اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہدار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے

۱۱۷ پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے — واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر ہوشیار، مرے گلعذار سے — گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سیّد ہے لال حضرتِ خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

۱۱۸ ★ مطلع جب صف کشی کی دھوم ہوئی قتل گاہ میں — تصویرِ مرگ پھر گئی سب کی نگاہ میں
ڈوبے رفیقِ یوسفِ دیں حق کی چاہ میں — دفتر کھُلا اجل کا حسینیؑ سپاہ میں
جانبازیاں دکھا کے جری نام کر گئے
خاکِ شفا پہ نور کے دانے بکھر گئے

۱۱۹ ★ دکھلا چکے وہ اہلِ وفا جب دلاوری — نکلے عزیزِ شاہ پئے نام آوری[1]
وہ حیدریؑ جواں وہ عقیلی و جعفری — کانپی زمین ہلنے لگا چرخِ چنبری

---

[1] نسخہ۔ نامور

شمشیرِ ہاشمی کا تماشہ دکھا دیا
دشتِ وغا میں خون کا دریا بہا دیا

★۱۲۰ جس وقت آمد آمدِ سیفِ خدا ہوئی — ہل چل پڑی ہر ایک کے در پے قضا ہوئی
نابود زندگی ہوئی ہستی فنا ہوئی — ہمت دلوں سے جسم سے قوت جدا ہوئی
لبریز ہو کے عمر کے ساغر چھلک گئے
کانپی زمیں پہاڑ جگہ سے سرک گئے

★۱۲۱ گردن اٹھا کے جانبِ گردوں یہ دی ندا — یا صاحب العاطف ویا سامع الدعا
تو ناصر و نصیب ہے تو دافعِ بلا — کچھ جائے قیل و قال نہیں جو تری رضا
بندے کے نیک و بد کا تجھے اختیار ہے
شبیرؑ جان و مال سے تجھ پر نثار ہے

★۱۲۲ جنگل میں گھر لٹا تو لٹا، غم نہیں مجھے — رنجِ عزیز و مونس و ہمدم نہیں مجھے
زخمی ہے دل، یہ خواہشِ مرہم نہیں مجھے — راحت یہ ہے کہ چین جو ایک دم نہیں مجھے
یہ حال ہے مگر نہیں صورت ہراس کی
فاقے کا ہے گلا نہ شکایت ہے پیاس کی

★۱۲۳ پیاروں کو تری راہ میں قربان کر چکا — قسمت میں جو لکھا تھا وہ صدمہ گزر چکا
مقتل میں زیرِ تیغ کلیجے کو دھر چکا — بیٹا جوان سامنے آنکھوں کے مر چکا
سینہ ہے چاک چاک جگر داغدار ہے
اب آرزوئے مرگ ہے اور جانِ زار ہے

★۱۲۴ بارِ سفر اٹھا کے ہوا کارواں رواں — آفت میں رہ گیا تنِ تنہا یہ خستہ جاں
واماندہ و غریب ہوں اے ربِ ذوالمناں — منزل کا نہ سراغ کچھ نہ راہ کا نشاں
توشہ نہیں، رفیق نہیں، راہ بر نہیں
جانا ہے کس جگہ کہ جہاں کی خبر نہیں

★۱۲۵ امیدوارِ عفو ہوں اے خالقِ انام — گر تو کرم کرے تو بن آئے ہر ایک کام
بدنام ترے لطف سے ہو جائے نیک نام — ادنیٰ کو تو جو چاہے تو اعلیٰ ملے مقام
رعشہ ہے تن میں عالمِ امید و بیم ہے
تو ساتر العیوب و غفور الرحیم ہے

★ ۱۲۶ دل جس کا منتظر ہے وہ ساعت قریب ہے — اعضائے جانکنی کی صعوبت قریب ہے
شورِ رحیل ہے دمِ رحلت قریب ہے — ہنگامِ ذبح وقتِ شہادت قریب ہے
یہ ہے گلوئے خشک وہ خنجر وُہ تیغ ہے
حاضر ہوں حسبِ وعدہ مجھے کب دریغ ہے

★ ۱۲۷ آیا ہوں گھر سے وعدہ وفائی کے دھیان میں — حسرت ہے یہ درست رہوں امتحان میں
کانٹے پڑے ہیں پیاس کے مارے زبان میں — پر اب تلک تو فرق نہیں آن بان میں
غش آرہے ہیں ضعف کی شدت کمال ہے
لیکن جو کچھ کہا تھا اسی کا خیال ہے

★ ۱۲۸ خیمے جلائیں آگ سے ناری میں چپ رہوں — سجادؑ پہنے بیڑیاں بھاری میں چپ رہوں
رانڈیں اٹھائیں ذلت و خواری میں چپ رہوں — ہوں بے ردا بتولؑ کی پیاری میں چپ رہوں
قیدِ حرم اسیریٔ زینبؑ قبول ہے
تو خوش ہو اے کریم! مجھے سب قبول ہے

۱۲۹ یہ کہہ کے[1] آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام — آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بعد عز و احتشام — پیراہنِ مخططِ[2] پیغمبرِ انام
حمزہؑ کی ڈھال، تیغ شہِ لافتیٰ کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

۱۳۰ رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار — جرّار، بُردبار، سبک رو، وفا شعار
کیا خوشنما تھا زینِ طلاکار و نقرہ کار — اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوشخو تھا، خانہ زاد تھا، دُلدل نژاد تھا
شبیرؑ بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

۱۳۱ مطلع میداں میں جب ریاضِ حسینیؑ خزاں ہوا — دنیا سے کارواں شہِؑ دیں کا رواں ہوا
دریائے خوں میں غرق ہر اک نوجواں ہوا — ہمشکلِ مصطفےٰؐ بھی شہیدِ سناں ہوا
روتے تھے شاہ لاشوں میں تنہا کھڑے ہوئے
تھے خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

---

[1] نسخہ۔ شبیرؑ آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام — [2] روحِ انیس۔ مطہر

۱۳۲ گرمی کا روز، جنگ کی کیونکر کروں بیاں ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لوں کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

۱۳۳ وہ لوں، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

۱۳۴ کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست[1] سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱۳۵ جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام پتھر بھی سب پگھل گئے تھے مثلِ موم خام[2]
سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اترا تھا سائے کی چاہ سے

۱۳۶ شیرا اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۳۷ گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

---

[1] نسخہ۔ دھوپ [2] روحِ انیس۔ پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ موم خام

۱۳۸ آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور　　جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر　　خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

۱۳۹ آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب　　چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب　　کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اسیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

۱۴۰ اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم　　نہ دامنِ رسولؐ تھا نہ سایۂ عَلَم
اُودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم[1]　　شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۴۱ گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب شہسوار　　آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آ کے بے شمار　　سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دَد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحطِ آب تھا

۱۴۲ سر پہ لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر　　خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر　　فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دُھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سَوْنلا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

۱۴۳ کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب　　بیعت جو کیجے اب بھی تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب!　　دریا کو خاک جانتا ہے ابنِ بُو تراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو[2] تو مرے کام کا نہیں

---

[1] رُوحِ انیس میں بند کا چوتھا مصرع ہے۔　　[2] روحِ انیس۔ اب

۱۴۴ کہدوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل — چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تُو مجھے دے گا او ذلیل! — بے آبرو خسیس، ستمگر، دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بُو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

۱۴۵ گر جم کا نام لُوں تو ابھی جام لے کے آئے — کوثر یہیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے — لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یُوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

۱۴۶ فرما کے یہ نگاہ جو کی سُوئے ذوالفقار — تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار — آوازِ کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پر اسوار تل گئے
کالے نشاں سپاہِ سیہ رو میں کھل گئے

۱۴۷ وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بُوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور[1] سے کرّوبیوں کے گوش
تھرائی یُوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش — نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یُوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جُھوم جُھوم کے

۱۴۸ مطلع حب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے[2] — گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ حق[3] کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے — گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

۱۴۹ کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا — جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرُو جدا
مہتاب سے شعاع جُدا، گل سے بُو جدا — سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دَم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

---

[1] نسخہ۔ خوف [2] نسخہ۔ تو پڑھ کے چند شعرِ رجز شاہِ دیں بڑھے [3] رُوحِ امیں۔ شیرِ نر

۱۵۰ آئے حسینؑ یُوں کہ عقاب آئے جس طرح — کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح[1]
تابندہ برق، سُوئے سحاب آئے جس طرح — دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یُوں تیغِ تیز کوند گئی اُس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

۱۵۱ گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی شرر اڑے — جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اڑے — روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پہ علیؑ لکھا تھا وہی پہ سپر ہوئے

۱۵۲ جس پر چلی وُہ تیغ دو پارا کیا اُسے — کھنچتے ہی چار ٹکڑے دو بارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے — سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرِہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

۱۵۳ آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
اک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

۱۵۴ اس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان[2] — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیزی زبانی خدا کی شان — اِستادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان[3]
لہرائی جب اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

۱۵۵ قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ — گردن کشانِ اُمتِ خیرالوریٰ تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بے جان جسم رُوح مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گیا جھنڈے اکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

---

[1] رُوحِ انیس - آہو پہ شیرِ شرزہ غاب آئے جس طرح (بارِ پنجم ص ۲۴۲، بند ۱۳۲) [2] جلد ششم - مانند برق شعلہ فشانی . . . .
[3] ایضاً - کس بل وہ اس کا اور . . . . .

۱۵۶ اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی حاجت اُسے نہ سان کی تھی اور نہ سنگ کی[1]
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اترتی تھی

۱۵۷ تیغِ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اسے گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی، کفر پرستی سے کیا اُسے جو آپ سر بلند ہو، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

۱۵۸ سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غُل چار سُو ہوا جو اس کے منہ پہ آگیا، بے آبرو ہوا
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

۱۵۹ بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی چمکی تو اس طرف اِدھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی اُس نے کہا اِدھر[2] وہ پکارا یہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

۱۶۰ دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھو بیٹھے تھے جاں سے ہاتھ گردن سے سر الگ تھا جدا تھے عناں[3] سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر، کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

۱۶۱ اللہ رے خوف تیغِ شہِ کائنات کا زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں[4] حال یہ تھا ہر اک بدصفات[5] کا چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا

---

[1] رُوحِ انیس۔ حاجت نہ سان کی تھی اُسے کچھ نہ سنگ کی
[2] ایضاً۔ اس نے کہا یہاں وُہ پکارا وہاں چلی
[3] نظامی۔ "نشاں"
[4] روحِ انیس۔ "پہ"
[5] جلد ششم۔ ذی حیات

غُل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

۱۶۲ ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر　　منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر　　تھے تہ نشیں نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر[1]
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

۱۶۳ آیا خدا کا قہر جدھر سَن سے آ گئی　　کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی
دو کر کے خُود زین پہ جوشن سے آ گئی　　کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بُو تراب کی

۱۶۴ پس پس کے کشمکش میں کماندار مر گئے　　چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے　　مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے مرغِ وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

۱۶۵ تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور　　گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھی چشم مور　　لشکر میں خوفِ جاں نے انھیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

۱۶۶ صف پر صفیں پرٌوں پہ پرے پیش و پس گرے　　اسوار پر سوار، فرس پر فرس گرے
اٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے　　مخبر پہ پیک پیک پہ مرکر عسس گرے
ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

۱۶۷ غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا　　چھوڑے تھے گرگ منزل و ماوائے کربلا
تیغِ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا　　خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا

---

[1] روح انیس۔ تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
[2] ایضاً۔ ہوش اڑے ہوئے تھے

بستی بسی تھی مردوں کے قریے اجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

۱۶۸ غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے   تھی طرفہ کشمکش فلکِ پیر کے تلے
چلتے سمٹ کے جاتے تھے راہ گیر کے تلے   چلتی تھی سر جھکا کے کماں تیر کے تلے
اس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

۱۶۹ چاروں طرف کمانِ کیانی کی وُہ ترنگ   رہ رہ کے ابرِ شام سے تھی[1] بارشِ خدنگ
وُہ شورِ صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ   وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشتِ کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پُوچھے حسینؑ سے

۱۷۰ سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں بھرے[2] ادھر   بازارِ جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر   مشکوں پہ دَوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب حسینؑ ترستے تھے آب کو

۱۷۱ گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر   اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں تیس اُٹھی جو پڑی دُھوپ پہ نظر   بیچے کبھی اِدھر، کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۱۷۲ سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے   چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پہ تو نکل آئی تنگ سے   رُکتی نہ تھی سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

۱۷۳ سہمے ہوئے تھے یُوں کہ کسی کو نہ تھی خبر   پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر   گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں جھکائے زمیں پہ سر[3]

---

[1] رُوحِ انیس۔ وہ   [2] ایضاً۔ لیے   [3] ایضاً۔ گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکائے سر

ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
سینسر پہ جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

۱۷۴ گھوڑے کی وہ تڑپ وہ چمک تیغِ تیز کی　　سو سو صفیں کھل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی　　تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

۱۷۵ گھوڑوں کی جست و خیز سے اٹھا غبارِ زرد　　گردوں پہ مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد[۱]
تو دا بنا تھا خاک کا میناے لاجورد　　کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیِ نبرد
پنہاں نظر سے نیّرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر یہ نہ شب تھی نہ روز تھا

۱۷۶ اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی　　سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی　　تصویرِ ذوالجناح پہ تھی بُو تراب کی
ہوتا تھا غُل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۱۷۷ پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی　　اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی　　دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

۱۷۸ اکبرؑ کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں　　آنسو بھر آئے، روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں　　تم نے نہ دیکھی جنگ مری[۲] اے پدر کی جاں
قسمیں تمہاری رُوح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

۱۷۹ چلّایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد　　اے وا فضیحتا، یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد　　اک پہلواں یہ سُنتے ہی گرجا مثالِ رعد

---

[۱] نول کشور اور نظامی میں یہ بند نہیں ہے۔ [۲] نظامی ۔ پدر ، رمحِ انیس ۔ تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر اے پدر کی جان

نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد! لکھ لے ظفر میرے نام پر

۱۸۰ بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر رُوئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیامِ مرگ کے ترکش اجل کا گھر تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

۱۸۱ ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یَل آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بَل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل جنگ آزما بھگانے ہوئے لشکروں کے دَل
بھالے لیے کَسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضربِ گرز پہ یہ تیغِ تیز پر

۱۸۲ کھنچ جائے شکلِ حرب وہ تدبیر چاہیے حاسد بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

۱۸۳ لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی ساونت بے حواس، ہراساں دھنی بلی
ڈر تھا کہ تو حسینؑ بڑھے، تیغ اب چلی غُل تھا اِدھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علیؑ[1]
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو

۱۸۴ آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہاں بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
اٹھی علیؑ کی تیغِ دو دم چاٹ کر زباں بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
واں سے وُہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں اِدھر ذوالفقار کے

۱۸۵ لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں ادھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے غصّے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کرکرائے
ماری جو ٹاپ ڈر سے ہٹے ہر لعیں کے پانؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پانؤں

لہ رُوحِ انیس ۔ کے

۱۸۶ نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند　　مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب[1] وہ بہرہ مند　　چلّہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

۱۸۷ ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر　　طاری ہوا غضب خلفِ بو تراب پر
مارا جو ہاتھ پانوں جما کر رکاب پر　　بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست، ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

۱۸۸ کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار　　پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار　　یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
قربان ضرب کے تو فدا ذوالفقار کے[2]
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

۱۸۹ پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کر پکارے شاہ　　کیوں ضربِ ذوالفقار پہ تُو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شرابِ تکبّر سے روسیاہ　　جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غل تھا اِسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دُوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

۱۹۰ آتا نہ تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا　　ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا　　ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

۱۹۱ پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر　　شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے یکجا ملا کے سر　　اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل[3] کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

---

[1] رُوحِ انیس۔ کچھ [2] ایضاً۔ قربان تیغِ تیز شہ نامدار کے [3] دریا

۱۹۲ آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا — اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا — دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تری ذات پر

۱۹۳★ نسخہ یہ ذکر تھا کہ آئی صدائے رسولِؐ حق — اے تاجِ افتخارِ رسولانِ ماسبق!
لے لو ازل کی راہ نہ جائے طریقِ حق — رحمت کا مستحق ہے کرامت کا مستحق
تجھ پر خدا کا پیار پیمبرؐ کا پیار ہے
کیونکر نہ ہو کہ فدیۂ پروردگار ہے

۱۹۴ بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسینؑ بس — دم لے ہوا میں چند نفس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس — وقتِ نمازِ عصر ہے بس اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے امت کے کام میں

۱۹۵ لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہؑ نے میان میں — پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں — پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

۱۹۶ سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر — چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر — پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِّ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

۱۹۷ چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر — ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر — یہ دکھ نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہیں
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہیں

۱۹۸★ زخموں سے چور چور ہوا فاطمہؑ کا لال — سرورِ ریاضِ احمدؐ و حیدرؑ ہوا نڈھال
چہرے پہ خون مل کے بصد حسرت و ملال — کی عرض شہؑ نے شکر ہے اے ربِّ ذوالجلال

بچپن سے روز و شب تھی یہی آرزو مجھے
یارب! ترے کرم نے کیا سرخرو مجھے

★۱۹۹ اس حال سے جو ضعف کی شدت ہوئی سوا	صدمہ ہوا جدا، تعب تشنگی جدا
آہستہ رہوار سے حضرت نے یہ کہا	اب وقت ہے وداع کا اے اسپ باوفا
جنگل میں گھر بتول کا لٹتا ہے ذوالجناح
اب ساتھ ایک عمر کا چھٹتا ہے ذوالجناح

★۲۰۰ اے خوش خرام! اب نہ بچے گا ترا سوار	اب یہ گلوئے خشک ہے اور تیغ آب دار
اب لاش پر غریب کی دوڑیں گے راہوار	پامال ہوگا اب شہِ مرداں کا گلعذار
بیٹھے گا سینۂ پسرِ بوترابؑ پر
قاتل دھرے گا پاؤں خدا کی کتاب پر

★۲۰۱ اک دن وہ تھا کہ پیشِ رسولِ فلک وقار	تونے کیا تھا ٹیک کے گھٹنے مجھے سوار
اک دن یہ ہے کہ ضعف سے جنبش ہے ناگوار	ہاں بیٹھ جا زمیں پہ کہ اتروں میں دل فگار
میں نے تو راہِ حق میں شہادت قبول کی
پر غم یہ ہے لٹے نہ امانت رسولؐ کی

★۲۰۲ بچپن سے آج تک مری خدمت میں تو رہا	تُو نے وُہ کچھ کیا کہ جو کرنی تھی باوفا
لیکن خجل ہے تجھ سے بہت سبطِ مصطفےٰ	وقتِ اخیر غم ہے تری بھوک پیاس کا
پر دیکھ لے یہاں بھی کہ دو دن سے پیاس ہے
پانی کو ہم ترستے ہیں اور نہر پاس ہے

★۲۰۳ جا جلد خیمہ گاہ میں اے اسپِ باوقار	بانوئے نامراد کو تیرا ہے انتظار
بٹھلا کے اس کو پشت پہ لے راہِ کوہسار	ناموسِ نورِ چشمِ پیمبر سے ہوشیار
نے زور ہے ترا نہ ترا اختیار ہے
بس اب یہی مشیتِ پروردگار ہے

★۲۰۴ ظالم مرے گلے پہ جو خنجر پھرائے گا	تجھ سے یہ حال قہر کا دیکھا نہ جائے گا
نالہ حرم کا حشر زمانے میں لائے گا	فرطِ غم و الم سے جگر تھرتھرائے گا
اب ہوگا سامنا قلق و اضطرار کا
نیزے پہ سر چڑھے گا ترے شہسوار کا

★ ۲۰۵ رونے لگا یہ سُن کے وہ مغموم و خستہ جاں — دریا کی طرح آنکھ سے آنسو ہوئے رواں
بیٹھا زمیں پہ ٹیک کے گھٹنے وہ بے زباں — مظلوم گر کے خاک کے اوپر ہوا تپاں
روتا ہوا اُدھر وہ ستمگار رواں ہوا
قاتل ادھر کو کھینچ کے خنجر رواں ہوا

۲۰۶ لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے — فرزندِ فاطمہؑ کی یہ توقیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور پہلوئے شبیرؑ ہائے ہائے — وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصّے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

۲۰۷ وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ — اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہوگیا سبطِ نبیؐ کا رنگ — ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

۲۰۸ لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم — منہ کھل گیا، الٹ گئی گردن رکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم — بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خُوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

۲۰۹ دشمن تماشہ کا اعور سلمی عدوئے دیں — سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں — بھالا گڑا کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

۲۱۰ گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پہ سے ہے غضب — نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب — غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

۲۱۱ بگڑ کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر — اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر — کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی کبھی اُدھر

اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

★ ۲۱۲ ہاں شیعو! سر کو پیٹو کہ کٹتا ہے شہ کا سر — اب تشنہ ذبح ہوتے ہیں سلطانِ بحر و بر
خیمے میں اہل بیتِ رسالت ہیں نوحہ گر — پہنچی ہے فاطمہؑ کو بھی جنت میں یہ خبر
آوازِ گریہ آتی ہے ہر سنگ و خشت سے
رانڈیں حرم سے نکلی ہیں زہراؑ بہشت سے[1]

★ ۲۱۳ ہے اک طرف کو شور کہ ہے ہے مرا پسر — ہے ہے چھری یہ کس کی ہے اور کس کا ہے جگر
ہے ہے یہ کس کا لال پڑا ہے لہو میں تر — ہے ہے یہ کس غضب کا ہے سامان الحذر
سُوکھے ہیں ہونٹ منہ مرے بچے کا زرد ہے
فریاد اے خدا کہ کلیجے میں درد ہے

★ ۲۱۴ زینبؑ پکارتی تھی کہ لوگو! دُعا کرو — سر کھول دو تڑپ کے قیامت بپا کرو
قاتل سے چل کے بہرِ خدا التجا کرو — اب وقت ہے کہ حقِ محبت ادا کرو
ہے ہے کسی کو خوف نہیں کردگار کا
ہوتا ہے مفت خون غریب الدیار کا

★ ۲۱۵ کچھ رحم بھی کسی نے کیا یا نہیں کیا — پانی بھی تشنہ لب کو دیا یا نہیں دیا
پیاسے نے آبِ سرد پیا یا نہیں پیا — گھوڑے سے گر کے...[2] یا نہیں پیا
اعدا زوال لائے پیمبرؐ کے دین پر
کیوں آسماں پھٹ نہ پڑا تو زمین پر

۲۱۶ جنگل سے آئی فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا — اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حقِ محبت کرے ادا — ہے ہے یہ ظالم اور دو عالم کا مقتدا
انیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

۲۱۷ زہراؑ ادھر تڑپ کے گری اور حرم ادھر — قاتل نے تیغ پھیر دی سیّد کے حلق پر
ہاتف نے آسمان سے صدا دی پکار کر — فریاد کٹ گیا پسرِ فاطمہؑ کا سر

---

[1] نسخہ۔ خیمے سے رانڈیں نکلی ہیں زہراؑ بہشت سے
[2] کرم خوردہ

بے جاں لبِ فراتِ شہِ تشنہ لب ہوا
مارا گیا امامِ زماں تو غضب ہُوا

۲۱۸ دیکھا جو اہلِ بیتِ نبیؐ نے اٹھا کے سر   نیزے پہ آفتابِ امامت پڑا نظر
دوڑے سروں پہ خاک اڑاتے بچشمِ تر   دیکھا یہ حال جب سرِ بالیں ہوا گزر
تازہ لہو رواں ہے تنِ پاش پاش سے
تکبیر کی صدا چلی آتی ہے لاش سے

۲۱۹ نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار   ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار
سیّد تری لہو بھری صورت کے میں نثار   بُھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لُٹا کے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ الٰہ میں

۲۲۰ پردہ اُلٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر   لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خُوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر   اے کربلا! بتا ترا مہماں ہے کدھر
امّاں! قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پہ مرے بازو کو تھام کے

۲۲۱ اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ   لوگو! خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سیّد کدھر تڑپتا ہے، امّاں کدھر ہیں آہ   کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

۲۲۲ کس نے صدا یہ دی کہ بہن! اس طرف نہ آؤ   بس اب صرف قریب ہے بلٰلہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِؐ خدا کی ناؤ   یا مرتضٰےؑ غریبوں کے بیٹے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ! چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

۲۲۳ بھیا! سلام کرتی ہے خواہر، جواب دو   چلّا رہی ہے دخترِ حیدرؑ، جواب دو
سُوکھی زباں سے بہرِ پیمبرؐ جواب دو   کیونکر جئے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

۲۲۴ بھیّا! میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں　　کیا کہکے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دُہائی دُوں کِسے چلّاؤں کیا کروں　　بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

۲۲۵ ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گزر گئی　　بھیّا! بتاؤ کیا تہِ خنجر گزر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی　　صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

۲۲۶ گر لوٹنے کو آنے گی اب فوجِ نابکار　　کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
خیمے میں جبکہ آگ لگادیں ستم شعار　　رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

★ ۲۲۷ ہاں عاشقو حسینؑ کے، آہ و بکا کرو　　زہرؑا کا ساتھ دو مددِ مصطفیؐ کرو
حقِ محبتِ شہِ والا ادا کرو　　بے سر ہوئے حسینؑ قیامت بپا کرو
سمجھو شریکِ مجلسِ ماتم رسولؐ کو
سب مل کے دو حسینؑ کا پرسا بتولؑ کو

★ ۲۲۸ کل ہوئیں مجلسیں نہ یہ شیون نہ یہ فغاں　　سنسان ہوں گے تعزیہ داروں کے سب مکاں
عشرہ ہوا تمام چلے شاہِ بیکساں　　مولا تمھارے آج کے سب کے ہیں میہماں
پاؤ گے کل نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
رخصت کرو عَلم سے لپٹ کر حسینؑ کو

★ ۲۲۹ رو رو کہو کہ اے شہِ ذیجاہ! الوداع　　بیکس حسینؑ کُل کے شہنشاہ! الوداع
دیں کے چراغ فاطمہؑ کے ماہ! الوداع　　اے اُمتِ نبیؐ کے ہوا خواہ! الوداع
مولا اجل کے ہاتھ سے مہلت جو پائیں گے
پھر اگلے سال بزم میں رونے کو آئیں گے

۲۳۰ بس اے انیسؔ ضعف سے لرزاں ہے بند بند　　عالم میں یادگار رہیں گے یہ چند بند
ٹپکے قلم سے ضعف میں کیا سربلند بند　　عالم پسند لفظیں ہیں سلطاں پسند بند

یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری میں طاقتیں ہیں خزاں کی بہار ہے

○ فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے ۱۲۷ بند

مرثیہ سات قلمی نسخوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تفصیلات یہ ہیں،

نسخہ اول	۱۲۹ بند	بستۂ ہشتم	راجہ صاحب محمود آباد
نسخہ دوم	۷۸ 〃	قلمی مراثی انیس جلد سوم	رشید صاحب لکھنؤ، مکتوبہ رجب ۱۲۸۵ھ بدست مرزا علی ازکان پور بنگلہ مرزا حاجی
نسخہ سوم	۵۲ 〃	〃 〃 〃	رشید صاحب لکھنؤ
نسخہ چہارم	۵۸ 〃	〃 جلد چہارم	〃 〃 〃 بجیاتِ انیس بخطِ نور الحسن کوکب
نسخہ پنجم	۷۱ 〃		سید محسن نواب قبلہ، بجیات انیس سلمہ
نسخہ ششم	۴۵ 〃	〃 مراثی انیس قلمی	مرزا امیر علی جونپوری بمقام لکھنؤ
نسخہ ہفتم	۹۸ 〃	〃 〃 〃	سید مسعود حسن رضوی

مرثیہ سب سے پہلے مطبع نولکشور لکھنؤ کی جلد چہارم میں ۱۴۳ بند میں چھپا تھا۔ اس کے بعد اتنے ہی بندوں میں نظامی بدایونی (جلد دوم)، شیخ غلام علی لاہور (جلد دوم)، منتخب مراثی مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب لاہور (۱۹۷۴ء) اور صالحہ عابد حسین نے (انیس کے مرثیے، مطبوعہ ترقیِ اردو بورڈ، دہلی) شائع کیا۔ آخری دو مرتبین یعنی سید مرتضیٰ حسین فاضل (منتخب مراثی) اور صالحہ عابد حسین کے پیشِ نظر مطبوعہ نولکشور اور مطبوعہ نظامی بدایونی کے مرثیے رہے ہیں۔

تمام قلمی اور مطبوعہ مرثیوں میں مقطع یہ ہے:

خامے کو بس اب روک انیسِ جگر افگار — خالق سے دُعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار — غیر از غمِ شہدا ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

یہ مقطع مطبوعہ نولکشور جلد چہارم میں غلطی سے ذیل کے مرثیے میں بھی درج کیا گیا ہے؛

برہم ہے مرقع چمنستانِ جہاں کا

مطبع نولکشور کی چار جلدوں اور مطبع جعفری لکھنؤ کی جلد پنجم کے بعد لکھنؤ کے ایک مشہور تاجرِ کتب عبدالحسین نے مراثی انیس کی دو جلدیں "جلد پنجم قدیم" اور جلد ششم قدیم محرم ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مطبع دبدبۂ احمدی میں شایع کیں۔ موصوف نے

پھر دونوں جلدیں جلد پنجم جدید اور جلد ششم جدید کے نام سے کچھ ردّ و بدل کر کے مطبع شاہی لکھنؤ میں اکتوبر ۱۹۰۹ء اور جون ۱۹۱۳ء میں بالترتیب شائع کیں۔ مرتب نے ذیل کے دُو مرثیوں :

۱۔ فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے

۲۔ جب وادیِ غربت میں علیؑ کا پسر آیا

کو غلطی سے ایک ہی مرثیہ سمجھ کر اِس مطلعے کے ساتھ ۲۰۱ بندوں میں جلد ششم قدیم میں شائع کیا :

اے مومنو! روؤ کہ مصیبت کے دن آئے

حاشیے میں یہ اعلان بھی درج ہے کہ :

"یہ مرثیہ مطبع اودھ اخبار میں ناقص اور غلط جابجا سے مختصر کر کے چھپا تھا۔ لہٰذا کامل مرثیہ ۲۰۱ بند کا چھاپا گیا ہے۔"

مرتب نے مطلع اول (اے مومنو! روؤ کہ مصیبت کے دن آئے) کے تحت زیرِ نظر مرثیہ (فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے) کے ۱۲۵ بند درج کیے ہیں۔ اس کے بعد بند نمبر ۱۲۶ سے بند نمبر ۲۰۱ تک دُوسرا مرثیہ (جب وادیِ غربت میں علیؑ کا پسر آیا) مطلع ثانی کے طور پر جوڑ دیا۔ آخری بند نمبر ۲۰۱ میں مقطع درج ہے :

خاموش انیسؔ اب کہ جگر چاک ہے غم سے — بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اُمم سے — مولا! مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
کب تک غمِ دُنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

مرثیہ "جب وادیِ غربت میں علیؑ کا پسر آیا" اس مطلعے کے ساتھ "جب دشتِ مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا"۔ مطبع نول کشور جلد اوّل اور نظامی بدایونی جلد دوم وغیرہ میں ۱۰۳ بندوں میں چھپا ہے۔ راقم الحروف کی نظر سے اس کے پانچ قلمی نسخے راجہ صاحب محمود آباد اور سید محمد رشید کے ذخیرۂ مراثی میں گزرے ہیں۔

ہم نے جلد ششم قدیم کے ان دونوں مرثیوں کو چھانٹ کر الگ کیا اور قلمی نسخوں کی مدد سے ان تمام فاضل بندوں کی نشان وہی کی ہے جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔ متن کی بنیاد راجہ صاحب محمود آباد کے نسخہ اوّل پر رکھی گئی۔ مرثیے میں ذیل کے مطلعے ہیں :

۱۔ اے مومنو! روؤ کہ مصیبت کے دن آئے	بند نمبر ۲
۲۔ آمد ہے مدینے کے گلستاں پہ خزاں کی	" ۶۴
۳۔ جب قصد کیا کُوچ کا سلطانِ زمن نے	" ۷۰
۴۔ خالق نہ سنائے خبرِ مرگ کسی کو	" ۱۰۴

۵۔ گردوں پہ عیاں ہوئے گا جب ماہِ محرم بند نمبر ۱۰۸

مرثیے میں مدینے سے کربلا تک امام حسینؑ اور اہلِ بیت کے حالاتِ سفر بیان کیے گئے ہیں۔ پردے کا اہتمام ملاحظہ ہو

بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فرّاشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار پردے کی قناتوں سے خبردار، خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسولِؐ دوسرا سے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا، وہ اتر جائے آتا ہو ادھر جو، وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

امام حسینؑ جناب زینبؑ کا بے حد احترام کرتے تھے اور انھیں خاتونِ جنّت کی جگہ سمجھتے تھے ؎

گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنتِ علیؑ ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

دیکھیے کس اہتمام اور وقار سے جنابِ زینبؑ محمل میں سوار ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ! رسول زادی کی کیا شان تھی:

آ پہنچی جو ناقے کے قریب دخترِ حیدرؑ خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبرؐ
فِضّہ تو سنبھالے ہوئی تھی گوشۂ چادر تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبرؑ
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

اب دیکھیے شاعر نے کس انداز میں انقلابِ زمانہ کی تصویر پیش کی ہے۔ ایک بند میں پورے مرثیے کو سمویا ہے:

اک دن تو مہیّا تھا یہ سامانِ سواری اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا، نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری بے پردہ تھی وہ حیدرِ کرّارؑ کی پیاری
ننھّے کئی بچّوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ، اور ہاتھ بندھے تھے

مرثیے میں ذیل کے ۱۳ بند زیادہ ہیں:

۲ ، ۴۲ ، ۶۱ ، ۶۴ ، ۷۰ ، ۷۶ ، ۹۰ ، ۱۰۴ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۲ ۔

اختلافِ نُسخ حواشی میں درج ہیں۔ "م" سے مراد مرثیے کے تمام مطبوعہ نسخے، "ن" سے نظامی بدایونی کی

جلد دوم، "لاہور" سے منتخب مراثی انیس (مطبوعہ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور) "ص" سے میر انیس کے مرثیے مرتبہ صالحہ عابد حسین مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، اور "نسخہ" سے دُوسرے قلمی نسخے مقصود ہیں۔

مرثیہ

۱ فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے — سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وُہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے — گل چاک گریباں، صبا خاک بسر ہے
گل رو صفتِ غنچہ کمربستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

۲ ★مطلع اے مومنو! روؤ کہ مصیبت کے دن آئے — راحت کا زمانہ گیا آفت کے دن آئے
خاتونِ قیامت پہ قیامت کے دن آئے — جنگل میں غریبوں کی شہادت کے دن آئے
فریاد کی آتی ہے صدا قبرِ نبیؐ سے
چھٹتا ہے وطن سبطِ رسولِ عربیؐ سے

۳ آراستہ ہیں بہرِ سفر، سرو قبا پوش — عمامے سروں پر ہیں، عبائیں بہ سرِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش — حیراں کوئی تصویر کی صورت، کوئی خاموش
منہ مَلتا ہے رو کر کوئی سرورؑ کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

۴ عباسؑ کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ! — اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ — واللہ دلوں پہ ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

۵ روتے ہیں وہ، جو عونؑ و محمدؑ کے ہیں ہم سِن — کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بِن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن — گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیرؑ کے سائے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

۶ ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر — ہاں بھائیو! تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر — ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دُعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

۷ رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم — ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُر نم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم — غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضے پہ اداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

۸ ہے جب سے کھلا حالِ سفر، بند ہے بازار — یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاں دار
خاک اڑتی ہے، ویرانیِ یثرب کے ہیں آثار — ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا، آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

۹ تدبیرِ سفر میں ہیں اِدھر سبطِ پیمبر — گھر میں کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور — تقسیمِ سواری کے تردّد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

۱۰ حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار — کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں، محمل بھی ہیں تیار — چلاتے ہیں درباں "کوئی آئے نہ خبردار"
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فراش کھڑے ہیں

۱۱ نسواں[1] محلہ چلی آتی ہیں بصد غم — کہتی ہیں "یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم"
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت، جُدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

۱۲ لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر — اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر؟ — مسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر

---

[1] م، عورت

بلّٰہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے، اس گھر کو نہ چھوڑیں

۱۳ وہ گھر ہے، ملک رہتے ہیں جس گھر کے نگہباں — کیوں اپنے بزرگوں کا وطن کرتے ہیں ویراں
گو سفر کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں — بی بی! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
اک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

۱۴ اُجڑے گا مدینہ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی — بربادیِ یثرب کی بِنا چرخ نے ڈالی
کیا جانیں، پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی — حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

۱۵ گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر، آہ! — ان چھوٹے سے بچّوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقّت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ — ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں، شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

۱۶ منہ دیکھ کے اصغرؑ کا، چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں، اور کہاں نرم بچھونا — لکھا تھا اِسی سِن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائیں گے، ماں ہاتھ ملے گی

۱۷ اُن بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر — بہنوں! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر — یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جُدا ہو کے، مگر رہ نہیں سکتی

۱۸ امّاں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی — فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی — بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں امّاں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں امّاں

۱۹ ہے رُوح پہ اماں کی قلق، کرتی ہیں زاری   سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کرگئی ہیں مجھ سے وہ ساری   فرماتی تھیں بھائی سے خبردار! میں واری

غم خوار ہے تُو اور خدا حافظِ جاں ہے
نے باپ ہے سر پہ مرے نچے کے نہ ماں ہے

۲۰ یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی وصیت   کچھ جان کی تھی فکر نہ اُن کو دمِ رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم و حسرت   شبیرؑ سدھارے جو سُوئے وادیٔ غربت

اُس دن مری تربت سے بھی مُنہ موڑیو زینبؑ!
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ!

۲۱ اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر   گھر بھائی سے تھا، بھائی نہ ہوتے[1] تو کہاں گھر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر   رسّی سے بندھے ہاتھ کہ پلوے میں کھلے سر

جو ہوئے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
اس کُوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ

۲۲ یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہِ عادل   "تیار رہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل   رخصت کرو لوگوں کو، بس اب رونے سے حاصل؟

چلتی ہے ہوا سرد، ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں، گرمی کا سفر ہے

۲۳ رخصت کرو ان کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے   کہہ دو، کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے
نادان سکینہؑ کہیں آنسو نہ بہائے   جانے کی خبر میری نہ صغراؑ کہیں پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

۲۴ رخصت کو ابھی قبرِ پیمبرؐ پہ ہے جانا   کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا   اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

---

[1] ن، ہوتے ۔ ص، ہوگا

۲۵ سُن کر یہ سخن، بانوئے ناشاد پکاری — "میں لُٹتی ہُوں، کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری — بے تُس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

۲۶ ماں ہُوں میں، کلیجہ نہیں سینے میں سنبھلتا — صاحب! مرے دل کو کوئی ہاتھوں سے ہے ملتا
مَیں تو اسے لے چلتی، پہ بس کچھ نہیں چلتا — رہ جاتیں جو بہنیں بھی، تو تم اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے"

۲۷ چلّاتی تھی کبرا کہ "بہن! آنکھیں تو کھولو" — کہتی تھی سکینہ کہ "ذرا منہ سے تو بولو!
ہم جاتے ہیں، تم اُٹھ کے بغل گیر تو ہو لو — چھاتی سے لگو باپ کی، دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی، تو اکبر نہ ملے گا

۲۸ ہشیار ہو، کہ صبح سے بیہوش ہو خواہر — اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر — ہم لٹتے ہیں، دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
افسوس! اسی طور سے غفلت میں رہو گی؟
کیا آخری، بابا کی زیارت نہ کرو گی؟"

۲۹ سن کر یہ سخن، شاہ کے آنسو نکل آئے — بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا، سخن لب پہ یہ لائے — "کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ، میں کیونکر اسے لے جاؤں سفر میں"

۳۰ کہکر یہ سخن، بیٹھ گئے سیدِ خوش خُو — اور سُورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گلِ زہرا کی جو خوشبُو — آنکھوں کو تو کھولا، پہ ٹپکنے لگے آنسو

---

۱ ص، یہ کس کے لیے
۲ ص، صاحب مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں سے ملتا
۳ ص، دل
۴ ص، جس
۵ ص، گھر بھر

ماں سے کہا "مجھ میں جو حواس آئے ہیں امّاں
کیا میرے مسیحا مِرے پاس آئے ہیں امّاں؟"

۲۱ بانو[1] نے کہا "ہاں ہاں وہی آئے ہیں مِری جاں | جو کہنا ہو، کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو اِدھر روتے ہیں بی بی! شہِ ذی شاں | صغراؑ نے کہا "ان کی محبت کے ہیں قرباں

وہ کون سا ساماں ہے جو یُوں روتے ہیں بابا
کُھل کر کہو مجھ سے کہ جُدا ہوتے ہیں بابا"

۲۲ یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر! | نے فرش، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبرؐ!
دالان سے کیا ہو گیا، گہوارۂ اصغرؑ؟ | اُجڑا ہوا لوگو، نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ منہ سے تو بولو، مِرا دم گھٹتا ہے امّاں
کیا سبطِ پیمبرؐ سے وطن چھٹتا ہے امّاں؟

۲۳ شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم | صغراؑ کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدِ مظلوم | "پردہ رہا اب کیا، تمھیں خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغراؑ
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغراؑ

۲۴ اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار | میں پا بہ رکاب، اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار | تکلیف تمھیں دوں، یہ مناسب نہیں زنہار

غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر، رنج و مصیبت کا سفر ہے

۲۵ لُوں چلتی ہے، خاک اڑتی ہے، گرمی کے ہیں ایام | جنگل میں نہ راحت کہیں، نہ راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام | دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام

صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے"

۲۶ صغراؑ نے کہا "کھانے سے خود ہے مجھے انکار | پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار | تبرید فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار

---

[1] م - ماں

گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا!
آئے گا پسینہ، تب اُتر جائے گی بابا!

۳۷ کیا تاب[1]، اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں — اُف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں
جھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں — قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روٹھے گی صغراؑ
یاں نیند کب آتی ہے، جو واں ہٹے گی صغراؑ

۳۸ وہ بات نہ ہو گی کہ جو بے چین ہوں مادر — ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغرؑ — لونڈی ہوں سکینہؑ کی، نہ سمجھو مجھے دختر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا! مجھے فضہؑ کی سواری میں بٹھا دو

۳۹ شہ بولے کہ "واقف ہے مِرے حال سے اللہ — میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ — ایسا بھی کوئی ہے، جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ

ناچار، یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغراؑ!
ہے مصلحتِ حق یہی، جو کہتا ہوں صغراؑ!

۴۰ اے نورِ بصر! آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا — تو مجھ سے بہلتی، مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا — یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا

جُز ہجر، علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا"

۴۱ منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم — چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ، مُوئے ہم
ماں کہتی تھی، مختار ہیں بی بی شہِ عالم — میرے تو کلیجے پہ چھُری چلتی ہے اس دم

وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغراؑ!
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؑ!

۴۲ ★ جب ہو گئی صغراؑ کو خبر شہ کے سفر کی — اور کھل گئی تجویز ہے جو کچھ کہ پدر کی
حالت ہوئی تغییر تب اس خستہ جگر کی — کی عرض یہ خدمت میں شہِ جن و بشر کی

---

[1] نسخہ۔ ذکر

"صحت گئی دنیا سے گزرنے کے دن آئے
بابا نہیں جاتے مرے مرنے کے دن آئے"

۴۳ صغرا[1] نے کہا "کوئی کسی کا نہیں زنہار — سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا، سب کے ہیں غم خوار — اللہ، نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار
بیزار ہیں سب، ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

۴۴ ہمشیر کے عاشق ہیں، سلامت رہیں اکبرؑ — اتنا نہ کہا، مرگئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں، وہ ہیں صبح سے باہر — وہ کیا کریں، برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے؟
نے بھائیوں کو دھیان، نہ بہنوں کو خبر ہے

۴۵ کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے — میں کون، جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض، چھاتی سے لپٹانے کو آتے — زُلفیں جو اُلجھتیں تو سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

۴۶ مانوس سکینہؑ سے ہیں عباسِؑ دلاور — میں کون ہوں جو میری خبر پُوچھتے آ کر
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبّرؑ — شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دُولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہُوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

۴۷ کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور — بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دُور
اماں کا سخن یہ ہے کہ "بیٹی! میں ہُوں مجبور" — ہمراہیِ بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا"

۴۸ سب بی بیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر — چھاتی سے لگا کر اِسے کہنے لگے شبیرؑ
"تو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر" — منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر

---

[1] نسخہ۔ معلوم ہوا

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو، نکل آئے
"اچھا" تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

۴۹ بانوؑ کو اشارہ کیا حضرت نے کہ "جاؤ" اکبرؑ کو بلاؤ، علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہؑ نے "آؤ" رُوٹھی ہے بہن تم سے، گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہُوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے، اقرار تو کر لو

۵۰ پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہوگئیں صغراؑ، مری تقصیر؟
چلّانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر محبوب برادر، ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پہ سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

۵۱ رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس ہے ان ہاتھوں کے مَلنے کے میں صدقے کیوں روتے ہو، اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی!
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی!

۵۲ لکھنا مجھے، نسبت کا اگر ہو کہیں ساماں حقدار ہوں میں نیگ کی میرا بھی رہے دھیان
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل ہی سب ارماں لے آنا دُلھن کو مری تربت پہ میں قرباں
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی!
حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی!

۵۳ پیارے مِرے بھیا، مِرے مہ رُو علی اکبرؑ چھُپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو، علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبُو، علی اکبرؑ یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو، علی اکبرؑ
دل سینے میں کیونکر تہہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا، تو اجالا نہ رہے گا

۵۴ کیا گزرے گی، جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی! کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی!
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی! کی دیر، تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی!

---

۱ لاہور - پہ

کیا دم کا بھروسا کہ چراغِ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

۵۵ ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا — صحت سے جو ہیں، اُن میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیّا! جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا — ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف، کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

۵۶ مرنا تو مقدّم ہے، غم اس کا نہیں زنہار — دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلے کی طرف کون کرے گا رُخِ بیمار — یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اُکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

۵۷ ماں بولی، یہ کیا کہتی ہے صغراؑ! ترے قربان — گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچّی، ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے، میری دُعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا؟
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا؟

۵۸ میں صدقے گئی، بس، نہ کرو گریہ و زاری — اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری — آ آ، مرے ننھے سے مسافر، ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم؟
اصغرؑ! مری آواز کو پہچان گئے تم؟

۵۹ تم جاتے[1] ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی — تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پہ وہ سخن لا نہیں سکتی — رکھ لوں تمھیں، اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بے کس ہوں، مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو، سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

۶۰ معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار — صغراؑ کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اِک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار — جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

---

[1] نسخہ۔ جاتے ہو تم

دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغراؑ
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغراؑ

۶۱ ★ بھیا علی اصغر! جو بہن ہے تمھیں پیاری — کچھ تم ہی سفارش کرو بابا سے ہماری
میری کوئی سنتا نہیں کرتی ہوں میں زاری — بولو یہ بہن، کیا کرے دُکھ درد کی ماری
بیمار سے منہ موڑے چلے جاتے ہیں بابا
سنتی ہوں مجھے چھوڑے چلے جاتے ہیں بابا

۶۲ عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا — چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے، "آقا"!
لپٹا کے گلے فاطمہؑ صغراؑ کو دوبارا — اُٹھے شہِ دیں، گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا، سو وہ پُر نم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

۶۳ بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار — روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فرّاشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار — پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار!
باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

۶۴ ★★ مطلع آمد ہے مدینے کے گلستاں پہ خزاں کی — بستی سب اُجڑتی ہے محمدؐ کے مکاں کی
ہر کوچے میں اک دھوم ہے فریاد و فغاں کی — احباب سے رخصت ہے امامِ دوجہاں کی
مل مل کے گلے سب سے جدا ہوتے ہیں شبیرؑ
آغوش میں صغراؑ کو لیے روتے ہیں شبیرؑ

۶۵ لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو، وہ اتر جائے — آتا ہو ادھر جو، وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے — دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

۶۶ عباس علیؑ سے، علی اکبرؑ نے کہا تب — ہیں قافلہ سالارِ حرم حضرت زینبؑ
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل پہ چڑھیں سب — حضرت نے کہا، ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے، زہراؑ کی جگہ بنتِ علیؑ ہے
میں جانتا ہوں، ماں مرے ہمراہ چلی ہے

۶۷ آپہنچی[1] جو ناقے کے قریں دخترِ حیدرؑ — خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے، سبطِ پیمبرؐ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر — تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبرؑ
فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

۶۸ اک دن تو مہیا تھا یہ سامان سواری — اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا، نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری — بے پردہ تھی، وہ حیدرِ کرارؑ کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ، اور ہاتھ بندھے تھے

۶۹ زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؑ — ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار، کھلا گرد کا پردا — عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے، روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

۷۰★ مطلع جب قصد کیا کوچ کا سلطانِ زمن نے — فریاد کا اک شور کیا اہلِ وطن نے
مضطر جو کیا دل کو جدائی کے محن نے — فرمایا یہ تب ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے، روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

۷۱ ہے قبر پہ نانا کی، مقدم مجھے جانا — کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا — اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

۷۲ پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے — تربت سے صدا آئی کہ آ، آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے — "ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں، اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا!
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا!

---

[1] ن ص۔ پہنچی جو ہیں

۷۳ خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی — راحت کوئی ساعت مِرے مولا! نہیں ملتی
دُکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی — ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں، گرفتارِ بلا ہُوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہُوں

۷۴ مَیں اک تنِ تنہا ہُوں، ستم گار ہزاروں — اِک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں — اک سر ہے فقط، اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

۷۵ فرمائیے، اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ — یاں قید کی ہے فکر، اُدھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے، اور کہیں زنجیر — خُوں ریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجئے نانا!
تربت میں نواسے کو چھپا لیجئے نانا!

★ ۷۶ اُمّت میں عجب غدر ہے یا صاحبِ معراج! — ہیں دشمنِ دیں مالکِ تخت و علم و تاج
دُنیا کا زر و مال میسّر ہے انھیں آج — ہیں گوشہ نشیں فاقہ کش و بیکس و محتاج
اپنا علم و تخت اسی دن گیا نانا!
حبِ اللہ سے باغِ فدک چِھن گیا نانا!"

۷۷ یہ کہہ کے مَلا قبر سے شہؑ نے جو رُخِ پاک — ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاکؐ
جنبش جو ہوئی قبر کو، تھرّا گئے افلاک — کانپی جو زمیں، صحنِ مقدس میں اُڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
"تم آگے چلو، ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

۷۸ باتوں نے تری دل کو مِرے کر دیا مجروح — تو شہر میں جاتا ہے، تڑپتی ہے مری رُوح
بے تیغ کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح — ہے کشتیِ اُمّت پہ تباہی کہ چلا نُوحؑ
افلاکِ امامت کا کبھی بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

۷۹ مارا گیا جس روز سے شبّر مرا پیارا — اس روز سے ٹکڑے ہے کلیجا مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہُوں ترے ساتھ دوبارا — اُمّت نے کیا پاسِ ادب خُوب ہمارا

زہراؑ کی جو بستی کو اُجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

۸۰ اس ذکر پہ رو رہا کیے شہؑ، سر کو جھکاتے — واں سے جو اُٹھے، فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے، بہت اشک بہائے — آواز یہ آئی کہ میں صدقے مِرے جائے
ہے شور ترے کُوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

۸۱ تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری — گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
کہتے تھے کہ اے احمدِ مختار کی پیاری — تم پاس ہو، تربت ہے بہت دُور ہماری
گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

۸۲ میں نے جو کہا، قبر سے کیوں نکلے ہو باہر — نے سر پہ عمامہ ہے، نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ "ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبرؐ! — مرنے کو پسر جاتا ہے، برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مِرے بچّوں کے گلے ہیں

۸۳ پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبّیرؑ کا مقتل — وُہ نہرِ فرات اور وہ کٹی کوس کا جنگل
وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل — دریا سے وُہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل
شبّیرؑ کے سر پہ سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کی محرم کی چھُری مجھ پہ چلے گی

۸۴ پہلا تو وہ تھا ظلم کہ باندھی مری گردن — اب بازوئے زینبؑ میں رسن باندھیں گے دشمن
باقی تھا یہی ایک چراغِ سرِ مدفن — اس کو بھی بجھا دیں گے مِرے دل پہ ہے روشن
کیونکر نہ بھلا ماتمِ اولاد کروں میں
اب کس سے اس اندھیر کی فریاد کروں میں"

۸۵ سُن کر یہ بیاں باپ کا، مادر کی زبانی — رو رو کے پکارا اسداللہ کا جانی
ہاں والدہؑ، سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی — پیاسے ہیں مرے خون کے، یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہِ دیں نے
ناناؐ کو خبر دی تھی مری، روحِ امیں نے

۸۶ پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے، تربتِ شبّرؑ — اس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلّائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے، برادر! — حضرت کو تو پہلو ہُوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جُدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

۸۷ یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم — رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دُھوم
یارانِ وطن گرد تھے، افسردہ و مغموم — چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا
تابُوت اسی دُھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

۸۸ جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم — سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یُونہی ماتم — تھا رحلتِ شبّرؑ میں محبّوں کا یہی غم
بس آج سے بے والی و وارث ہے مدینہ
اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

۸۹ چلّاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہؑ کی سواری — لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری — مضطر تھے اپاہج، ضعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا، ہم کو غنی کون کرے گا؟
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا؟

★۹۰ پیچھے فرسِ شہؑ کے یہ تھا لوگوں کا عالم — عاشور کو جیسے ہو پسِ تعزیہ ماتم
نسوانِ عرب کہتی تھیں سر پیٹ کے ہر دم — اب پائیں گے شبیرؑ سا سردار کہاں ہم
لالے کی طرح کس کا جگر داغ نہ ہوگا
ویرانی ہے بستی میں جو یہ باغ نہ ہوگا

۹۱ تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت[1] — سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
دو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت — پائیں گے کہاں ہم، یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

---

[1] نسخہ۔ تھا شہر کے ناکے تلک

۹۲ قسمیں انھیں دے دے کے کہا شہؑ نے کہ جاؤ — تکلیف تمھیں ہوتی ہے، اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں، آنسو نہ بہاؤ — پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو! مری صغراؑ کی خبر پوچھتے رہنا

۹۳ روتے ہوئے وہ لوگ پھرے، شاہ سدھارے — جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے — عابدؑ، طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر، کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

۹۴ روشن ہوئی کعبے کی زمیں نورِ خدا سے — مکّے نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
مُجُھک جھک کے ملے سبطِ پیمبرؐ غربا سے — آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خُو بُو ہے نواسے میں نبیؐ کے

۹۵ کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام — کُوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایّام — کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتم ذی حجّہ کہ راہی ہوئے حضرت

۹۶ جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار — ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آ جاتی تھیں صحرا میں جو دو چار — فرماتے تھے شہ "فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار"
جز خاک نہ ہووے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

۹۷ احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں — آگے تو زمیں پر تھے، مگر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں، اب تہِ خاک مکیں ہیں — جو دُور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا مُنہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

۹۸ باتیں تھیں یہی یاس کی، اور درد کی تقریر — منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیرؑ
شب کو کہیں اُترے تو سحر کو ہوئے رہ گیر — جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر

مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

۹۹ ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ   یُوں پُوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذیجاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ!   اک نہرِ سوا، جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ؟
کیا مِلتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا!
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں وہ صحرا نہیں ملتا

۱۰۰ وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک!   ہے سخت پُر اندوہ وُہ صحرا تہِ افلاک
ہنستا ہُوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غم ناک   سُنتا ہوں وہاں دن کو اُڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت، نہ غنی کی

۱۰۱ چلّاتی ہے عورت کوئی، ہے ہے مرے فرزند   اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہونگے ترے دلبند   پانی یہیں ہو جائے گا بچّوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے، یہیں خنجر تری گردن پہ چلے گا

۱۰۲ اک شیر ترائی میں یہ چِلّاتا ہے دن رات   کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مِرے لال کے ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات!   پانی تو نہیں شور، پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی وم تشنہ دہانی، نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

۱۰۳ اس جا نہ اترتا ہے، نہ دم لیتا ہے رہگیر   ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر   اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بُو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

★۱۰۴ مطلع خالق نہ سنائے خبرِ مرگ کسی کو   بن آنکھوں سے دیکھے نہیں چین آتا ہے جی کو
کس غم کو ہوا سامنا فرزندِ نبیؐ[1] کو   گھیرا الم و یاس نے اس حق کے ولی کو

---

[1] م میں پہلے چار مصرعے یُوں ہیں:
اس شخص سے یہ کہتے چلے قبلۂ عالم   اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم   غم اور بڑھا، وصل کا عرصہ جو رہا کم

اک آفتِ نو فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں پائی

۱۰۵ غربت میں نہ ماتم کی منائے خبر اللہ — طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے پیٹے حرمِ شاہ — فرماتے تھے شاہ، سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی، اللہ کو جو مدِّ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

۱۰۶ وارث کے لیے زوجۂ مسلمؑ کا تھا یہ حال — محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباسِؑ خوش اقبال — وہ کہتی تھی، ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دُو لال
پُوچھو تو، کدھر وہ مرے پیارے گئے دونو
فرماتے تھے شبیرؑ کہ مارے گئے دونو

۱۰۷ محمل تھے سب اس بی بی کی ہودج کے برابر — تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر — ہر بار یہی پُوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو، کون جدا ہو گیا اماں!
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں!

۱۰۸★ مطلع گردوں پہ عیاں ہوئے گا جب ماہِ محرم — ہر گھر میں اسی شب سے بچھے گی صفتِ ماتم
رکھیں گے علم تعزیہ خانوں میں بصد غم — روئیں گی غریبی پہ مری بی بیاں باہم
سب میرے محب چاک گریباں رہیں گے
دس روز ہم ان لوگوں کے مہماں رہیں گے

۱۰۹★ جس غم میں کہ محبوس ہوئے عابدِ دلگیر — پہنے لگا کوئی نذر کا طوق اور کوئی زنجیر
دھیان آئے گا جب پیاس میں اصغرؑ کے لگا تیر — شربت کوئی بچوں کو پلائے گا کوئی شیر
ہفتم سے کوئی آب و غذا ترک کرے گا
بیمار بھی دو روز دوا ترک کرے گا

۱۱۰★ ماتم کے نہ کپڑوں کو اتاریں گے عزادار — بیٹھیں گے نہ شادی میں کسی کے مرے غمخوار
ہاتھوں کو حنائی نہ کرے گا کوئی زنہار — آنکھوں میں لگائیں گے نہ سرمہ اولو الابصار
برپا علمِ آہ کو وہ لوگ رکھیں گے
چالیسویں تک پنجتنی سوگ رکھیں گے

۱۱۱★ رستوں میں پکاریں گے یہ رکھ رکھ کے سبیلیں　　پیاسوں کی یہ ہے نذر جو پیاسے ہوں وہ پی لیں
ہیں ساغرِ کوثر کے یہ ملنے کی دلیلیں　　ہوں گے یہی ان لوگوں کی بخشش کی سبیلیں
کام اُن کے علیؑ آئیں گے اس کام کے بدلے
سو جام دلائیں گے ہم اِک جام کے بدلے

۱۱۲★ دے گا انھیں رب دوسرا خلعتِ رحمت　　پہنائیں گے محبوبِ خدا حُلّۂ جنّت
لے جائیں گے کوثر پہ شہنشاہِ ولایت　　اور وقتِ صراط آئیں گی خاتونِ قیامت
اعجازِ امامت انھیں دکھلائیں گے ہم بھی
ہیں عقدہ کشا قبر میں کام آئیں گے ہم بھی

۱۱۳ اس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا　　کھانا کئی دن قافلے والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا　　جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

۱۱۴ خویش و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے　　مُجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو، ید اللہ کے جائے　　کفار پہ تو فتح اسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

۱۱۵ حضرت نے دُعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات　　کر رحم گنہ گاروں پہ اے قاضیِ حاجات!
سر دینے کا مشتاق ہوں، عالم ہے تری ذات　　خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

۱۱۶ پہنچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک!　　اس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قُرب کا سبطِ شہِؐ لولاک　　نے ملک کی خواہش ہے، نہ درکار ہے املاک
بے تاب ہے دل، صبر کا چارا نہیں مجھکو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھکو

۱۱۷ اتنے میں یہ فِضّہ علی اکبرؑ کو پکاری　　لو دیکھ چکیں چاند، ید اللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری　　آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری!

آئے تو رُخِ اکبرؑ ذی قدر کو دیکھوں
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی ، بدر کو دیکھوں

۱۱۸ شہؑ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ — مُنہ دیکھ کے یُوں کہنے لگی بنتِ یدُ اللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ! — فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذیجاہ
سر تن سے مرا اس مہِ پُرغم میں کٹے گا
زینبؑ! یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا

۱۱۹ یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا — یہ ظلم کا عشرہ ہے ، یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا — آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اُتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اُتر جائے

۱۲۰ گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ، ہمشیر! — چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائیگا سب لشکرِ شبیرؑ — نیزہ کوئی کھائے گا کلیجے پہ ، کوئی تیر
برچھی کسی جاں باز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو[1] میں لگے گی

۱۲۱ خیمے کو جلادیں گے، لٹے گا زر و زیور — اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر[2]
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر — بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرر
گھرکیں گے ستمگار جو روئے گی سکینہؑ
اس ماہ میں بے باپ کی ہوئے گی سکینہؑ

۱۲۲ دُولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال — پیٹے گی کوئی تازہ دُلھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال — نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ’ ہائے مرا لال!
معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچّوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

---

[1] ص۔ پہلو [2] نسخہ :
آئے گی یتیمی کی بلا بچّوں کے سر پہ — ماؤں سے پسر چھوٹیں گے ، بہنوں سے برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوئیں گی مقرر — خیمے کو جلادیں گے لُٹے گا زر و زیور

۱۲۳ اس عشرۂ اوّل میں نہ ہوئیں گے بہن! ہم — تاریخ سفر ہے دہم ماہِ محرّم"
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبِؑ پُرغم! — جس لال کی عاشق ہو، وہ ہو جائے گا بیدم
دیکھوں گی نہ پھر منہ علی اکبرؑ سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمھیں چاند صفر کا

۱۲۴ رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن — ان روزوں خوشی ہو، یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن — اکبرؑ کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

۱۲۵ غش ہو گئی سُن کر یہ بیاں زینبِ پُرغم — خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بی بیاں باہم — خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا، وہی جنگل نظر آیا
تھی دُوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

۱۲۶ اُترے اسی میدانِ بلاخیز میں سرور — استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے، خوش ہو گئے اکبرؑ — دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہؑ بولے، ہوا نہر کی بھائی، تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو، دریا کی ترائی، تمھیں بھائی

۱۲۷ خامے کو بس اب روک انیسِؔ جگر افگار — خالق سے دُعا مانگ کہ اے ایزدِ غفّار!
زندہ رہیں دُنیا میں شہِ دیں کے عزادار — غیر از غمِ شہ ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

○ جب لشکرِ خدا کا عَلَم سرنگوں ہُوا — ۲۳۱ بند

مرثیے کے آٹھ قلمی نسخے دریافت ہوئے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

نسخۂ اوّل	۲۱۶ بند	قلمی مراثی انیسؔ جلد چہارم	مملوکہ سیّد محمد رشید لکھنؤ
نسخۂ دوم	۲۱۵ بند	" " جلد پنجم	" " " (مقابلہ نمودہ شد)
نسخۂ سوم	۲۱۹ بند	" "	" امیر علی صاحب جونپوری لکھنؤ

نسخۂ چہارم	۲۲۰ بند	مراثیِ انیسؔ قلمی		مملوکہ راجہ صاحب محمود آباد
نسخۂ پنجم	(ناقص الاوّل)	"	بستہ ہفتم	" " "
نسخۂ ششم	۲۲۳ بند	"	"	" " "
نسخۂ ہفتم	۱۴۰ بند	"	بستہ نہم	" " "
نسخۂ ہشتم	۲۱۹ بند	"	"	کتب خانہ سید مسعود حسن رضوی

یہ سبھی قلمی نسخے میر انیسؔ کی زندگی میں لکھے گئے ہیں۔ مرثیہ کی ابتدا میں انیسؔ کے ساتھ "سلّمہٗ تعالیٰ" بھی درج ہے یہ مرثیہ پہلی مرتبہ ۱۸۷۶ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۲۲۰ بند میں چھپا تھا۔ یہ جلد نایاب ہے لیکن راقم کی نظر سے گزری ہے۔ اس کے تین سال کے بعد ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں یہ "ذخیرۂ ثواب" مرتبہ حاجی میر غلام علی فیض آبادی مطبوعہ دار الصنائع گلبرگہ دکن میں ۱۹۰ بند میں غلطی سے میر خلیق کے نام سے چھپا۔ "ذخیرۂ ثواب" نادر اور نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مرثیہ نظامی بدایونی نے مراثی انیسؔ کی دوسری جلد میں ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔ اس میں ۲۱۹ بند ہیں۔ سید نائب حسین نقوی کی مرتب کردہ جلد اوّل (مراثی انیسؔ) مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور (۱۹۵۹ء) میں بھی یہ موجود ہے۔ آخر میں جناب مہذب لکھنوی مولف مہذب اللغات نے میر انیسؔ کے مراثی کی جو چار جلدیں مطبع نول کشور کے لیے مرتب کیں وہ ۱۹۷۶ء میں چھپیں۔ جلد دوم میں یہ مرثیہ ملتا ہے۔ چونکہ مطبوعہ لاہور (مرتبہ نقوی صاحب) اور مطبوعہ نولکشور (مرتبہ مہذب لکھنوی) کی چاروں جلدوں میں بکثرت غلطیاں پائی جاتی ہیں اس لیے ہم نے ان کے بدلے مطبوعہ نولکشور کے ساتویں ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۶ء اور مطبوعہ نظامی بدایونی کے دوسرے ایڈیشن ۱۹۳۵ء سے استفادہ کیا۔ اس طرح مرثیہ گیارہ نسخوں (آٹھ قلمی اور تین مطبوعہ) سے ترتیب دیا گیا ہے۔

راجہ صاحب محمود آباد کا نسخہ چہارم بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ نسخہ میر انیسؔ، میر نفیسؔ اور دولہا صاحب عروجؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو مرثیہ انیسؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اس کے کچھ ورق غالباً تلف ہو گئے تھے۔ بعد میں اسے نفیسؔ اور عروجؔ نے دوبارہ ترتیب دیا تھا۔ مرثیہ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں ۴۱۸ نمبر کے تحت میر انیسؔ کے ذخیرۂ مراثی میں اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ مرثیے میں انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے جو بند ہیں ان میں بعض مقامات پر انھوں نے کاٹ چھانٹ کرکے تصحیح بھی فرمائی ہے۔ پہلے ورق میں یہ عبارت درج ہے:

"جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا ۲۲۰ بند

جناب میر انیسؔ صاحب اکثر تنکے سے زیادہ لکھتے تھے۔ میر نفیسؔ صاحب مرثیہ لکھ رہے تھے جو تشریف لائے، پوچھا کیا لکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ فلاں مرثیہ۔ ہاتھ سے لیا اور تنکے سے یہ بند لکھے۔"

دوسرے صفحے میں یہ عبارت ہے:

"یہ مرثیہ جناب میر انیسؔ صاحب اور جناب نفیسؔ صاحب اور جناب دولہا صاحب اور مجھ کمتریں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ہر بند پر نام لکھا ہے جو جس کے ہاتھ کا ہے۔ رقیمہ حسن رضا عرف چھمن مرثیہ خواں بقلم خود۔"

آخری صفحے کی عبارت یہ ہے :

"تمام شد۔ مالک مرثیہ حسن رضا چھمن مرثیہ خوان، تصنیف انیسؔ صاحب و تحریر بدستِ خاص جناب میر نفیسؔ صاحب و جناب میر انیسؔ صاحب و جناب دولھا صاحب عروجؔ۔ چند بند بدستِ فقیر"

راقم کے مرتب کردہ مرثیے میں ذیل کے بند میر انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہُوئے ہیں :

۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲،
۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹۔

ذیل کے بند پہلے انیسؔ نے لکھے تھے پھر انھیں قلمزد کیا۔ بعد میں یہ بند میر نفیسؔ نے اپنے ہاتھ سے لکھے :

۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱۔

جب میر نفیسؔ کے لکھے ہوئے بندوں کا مقابلہ انیسؔ کے قلمزد اشعار سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انیسؔ نے انھیں دوبارہ کچھ تبدیلِ الفاظ کے ساتھ نظم کیا تھا۔ مرثیے میں جو بند انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ان میں سے بند نمبر ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱ اور ۱۳۲ کا عکس شائع کیا جاتا ہے۔ راقم نے راجہ صاحب محمود آباد کے نادر الوجود کتاب خانے میں میر انیسؔ کے ہاتھ کے کئی قلمی مرثیے دیکھے ہیں اور ان کا عکس بھی لیا ہے جو اِن شاءَ اللہ نقوش میر انیسؔ نمبر کی دوسری جلد میں شائع کیے جائیں گے۔
ان کے علاوہ میر انیسؔ کے ہاتھ کے کچھ لکھے ہوئے مرثیے ان کے پرپوتے سید علی احمد دانشؔ کے پاس محفوظ ہیں۔ انھی میں سے ایک مرثیے کا عکس باقیاتِ انیس جلد اوّل میں شائع کیا گیا۔ ہم نے زیرِ نظر مرثیے میں انیسؔ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بندوں کو ان تمام قلمی مرثیوں سے ملایا ہے جو بخطِ انیسؔ نظر سے گزرے ہیں۔ مقابلہ کرنے کے بعد ہم نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ یہ سبھی بند انیسؔ کے ہاتھ کے ہی لکھے ہُوئے ہیں۔

اس مرثیے کے چار بند کا عکس جناب سید مسعود حسن رضوی مرحوم نے بھی "روحِ انیس" کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۱ء میں صفحہ ۱۲ اور ۱۳ کے بیچ "میر انیسؔ کی تحریر" کے تحت شائع کیا ہے۔ ان بندوں کی ترتیب ہمارے مرثیے کے مطابق یُوں ہے : بند نمبر ۱۲، ۱۰، ۱۱ اور ۱۳۔ گیارھویں بند کا پانچواں مصرع "چہلم کے بعد سوگ کے کپڑے اُترتے ہیں" میر انیسؔ نے قلمزد کیا اور پھر بند کے آخر میں مصرع یُوں لکھا :

"دس روز ماتمِ شہؔ دیں میں گزرتے ہیں"

ہمارے مرثیے میں بھی یہی مصرع نظم کیا گیا ہے۔ مرثیے میں ذیل کے مطلعے ہیں :

۱۔ یارب! کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو	بند نمبر ۲
۲۔ ہر دل ہے عندلیبِ گلستانِ لکھنؤ	〃 ۱۰
۳۔ حلقے سے بی بیوں کے جو نکلا وہ آفتاب	〃 ۸۱

۴۔ پہنچا جو بزم گاہ میں سبطِ نبیؐ کا لال — بند نمبر ۱۱۲
۵۔ بعدِ ستائش اَب وجَد، شیرِ نر بڑھا — ″ ۱۲۰
۶۔ ہاں اے محیطِ تاج! روانی مجھے دکھا — ″ ۱۶۳
۷۔ اسے تیغِ بادشاہِ نجف شعلہ بار ہو — ″ ۱۶۴
۸۔ مِکلا پرے سے شیشۂ رہیجی جفا شعار — ″ ۲۰۱

مرثیہ شاندار اور اسلوبِ بیان لاجواب ہے۔ الفاظ کا حُسنِ انتخاب مسرت آمیز ہے۔ شاعر نے عمدہ تشبیہات اور لطیف استعارات کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ ناقدینِ ادب نے قاآنی کے اس شعر کو عمدہ تشبیہ کے اعتبار سے بیحد سراہا ہے ؎

دو زلفِ تابدارِ او بہ چشمِ اشکبارِ من
چو چشمۂ کہ اندرو شنا کنند مارہا

یعنی میری چشمِ پُر آب میں معشوق کی زُلفیں ایسی نظر آتی ہیں گویا چشمے میں سانپ لہرا رہے ہیں۔

اب میر انیسؔ کی خوب صورت اور دلآویز تشبیہ ملاحظہ ہو، جس کا مظاہرہ بند کے ٹیپ میں کیا گیا ہے۔ تشبیہ کی سادگی پر ہزاروں شاعروں کی لاکھوں تشبیہیں قربان کرنے کے قابل ہیں۔ آنکھ کو عموماً نرگس اور چہرے کو گلاب کے پھول کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ تشبیہ کی کوئی خاص ندرت نہیں ہے۔ لیکن جس حُسنِ ادا اور شگفتگی سے انیسؔ نے اس تشبیہ کو برتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کہتے ہیں ؎

جاگے ہیں رات کے، تو نقاہت ہے آشکار — ڈورے جو سُرخ ہیں، تو یہ ہے نیند کا خمار
مستانہ ہے یہ طور، کہ جھکتے ہیں بار بار — آنسو ہیں یہ صدف میں ہیں یا دُرِ شاہوار
روتے ہیں فرقتِ شہِ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

مرثیے کی ایک خُوبی یہ ہے کہ شاعر نے حضرت علی اکبرؑ کا سراپا بڑی مہارت سے کھینچا ہے۔ کہتے ہیں ؎

خم دار وہ بھویں، وہ جبینِ قمر مثال — تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
مطلع ہے صاف غور سے بینا کریں خیال — نقطہ ہے نورِ حُسن کا ابرو پہ ہے جو خال
خُوبی میں وہ تو یہ ہمہ تن لاجواب ہے
دیوانِ حسن میں یہی بیت انتخاب ہے

ہے آسمانِ حُسن و شرف یہ فلک جناب — ابرو ہیں دو ہلال، تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب — ہاں دیکھیں رُخِ خلفِ ابن بُو ترابؑ
باریک بیں سمجھ گئے مطلب انیسؔ کا
انتیس ۲۹ کا وہ چاند ہے، یہ چاند تیس ۳۰ کا

مرثیے کا حُسنِ ادا ملاحظہ ہو :

بولی وہ عندلیبِ چمن پرورِ بتول — طرّہ وہی ہے سر پہ مہیسر چڑھے جو پھول
اے نخلِ باغِ فیض و گُلِ گلشنِ رسولؐ — داغِ گُلِ ریاضِ تمنّا ، بہ دل قبول
شادی سدا نہیں چمنِ روزگار میں
روئے خزاں میں وُہ جو ہنسا ہو بہار میں

میدانِ جنگ کا نقشہ یُوں کھینچا گیا ہے :

ہل چل ہوئی غضب کی صفِ کارزار میں — دبکے نکل کے شیرِ نیستاں کچھار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں — جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
ریتی پہ مچھلیاں تھیں سمندر فرات میں

مطبوعہ جلدوں میں مرثیہ غلط چھپا ہے۔ ہم نے مستند قلمی نسخوں سے اِسے ترتیب دیا ہے۔ ایک نسخہ نور الحسن کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کوکب اپنے زمانے میں بڑے عالم و فاضل تھے۔ مرثیہ بھی کہتے تھے، اور کئی کتابوں کے مصنّف ہیں۔ حاشیے میں اختلافِ نسخ بھی درج ہے۔ "م" سے مطلب میر انیس کی تمام مطبوعہ جلدیں جو مختلف مطبعوں سے چھپی ہیں۔ "ل" سے مراد مراثی انیس مطبوعہ نولکشور لکھنؤ (۱۹۱۶ء) اور "ن" سے مطلب مراثی انیس جلد دوم مطبوعہ نظامی بدایونی طبع ثانی ۱۹۳۵ء۔ مرثیے میں ذیل کے بند زیادہ اور غیر مطبوعہ ہیں اور پہلی مرتبہ شائع کیے جاتے ہیں: ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۷۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۶، ۱۵۱۔

مطبوعہ مرثیوں کی ترتیب غیر مربوط ہے۔ ہم نے قلمی نسخوں کے مطابق درست کی ہے۔

مرثیہ

۱ جب لشکرِ خدا کا عَلم سرنگُوں ہُوا — اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستُوں ہوا
سقائے اہلِ بیتِ نبیؐ غرقِ خُوں ہُوا — سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسینؑ کا

۲ مطلع یارب! کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو — جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
ماں باپ سے جُدا کوئی گل پیرہن نہ ہو — پُھولا پھلا اُجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسینؑ سے

۳ طاقت تھی جس سے شہ کو، سفر کر گیا وہ شیر   جس سے مزا حیات کا تھا، مر گیا وہ شیر
پیاسا جہاں سے لبِ کوثر گیا، وہ شیر   سقّائی کر کے خُون میں خود بھر گیا، وہ شیر
خم آ گیا کمر میں شہِ خوش خصال کی
تصویر مٹ گئی اسدِ ذوالجلال کی

۴ لشکر میں شادیاں تھیں اُدھر، غم تھا اس طرف   ساماں وہاں تھا جشن کا، ماتم تھا اس طرف
اُمید اُدھر تھی، یاس کا عالم تھا اس طرف   اعدا میں عید تھی، تو محرم تھا اس طرف
کھریں گے ہوئے تھا زمانہ حبدال پر
کیا وقت پڑ گیا تھا محمدؐ کے لال پر

۵ مرنا جوان بھائی کا اور اس پہ یہ ستم   پرسا نہ، دل دہی نہ، تشفی نہ، درد و غم
اعدا صفیں جمائے ہوئے جنگ پر بہم   ہنستے تھے سوگواروں کے رونے پہ دم بدم
نرغے میں ان کے، سبطِ رسالت پناہ تھا
مشرب میں جن کے پانی کا دینا گناہ تھا

۶ نہ پاس اُنھیں نبیؐ کا، نہ مطلق خدا کا ڈر   قرآں سے بے وقوف، حدیثوں سے بے خبر
باتوں میں زور، دل میں بدی، طینتوں میں شر   بدکار و بدخصال و بد افعال و بدگہر
پیدا تھا کفر، شرم و حیا ناپدید تھی
سادات ذبح ہوتے تھے اور ان کو عید تھی

۷ کیسے وہ کلمہ گو تھے، تعجب کا ہے مقام   کافر بھی لیتے ہیں تو کراہت سے ان کا نام
اسلام اگر یہی ہے تو اس لام کو سلام   کھل جائیگا کھنچے گی جو کل، تیغِ انتقام
کس جا چھپیں گے روزِ عدالت ضرور ہے
ہم دُور ہیں، نہ وہ، نہ قیامت ہی دُور ہے

★ ۸ نانا سے دوستی ہے، نواسے سے بُغض واہ!   پُوچھے کوئی یہی ہے محبت کی رسم و راہ
خارج ہیں عقل سے بھی خوارج خدا گواہ   چہرے سیاہ، بخت سیاہ، قلب بھی سیاہ
حیدرؑ سے منحرف ہیں مطیعِ یزید ہیں
کیا بے نظیر پیر ہے اور کیا مرید ہیں

۹ یا منتقم! ظہورِ امامِ زماں دکھا   اب دم لبوں پہ ہے درِ امن و اماں دکھا
آنکھیں ہیں منتظر، رُخِ آرامِ جاں دکھا   پھر برقِ ذوالفقار کو آتش فشاں دکھا

دشمن رہے نہ ایک شہِ مشرقین کا
اس روز شیعہ سوگ اتاریں حسینؑ کا

۱۰ ★ مطلع
ہر دل ہے عندلیبِ گلستانِ لکھنؤ — رضواں بھی ہے ارم میں ثنا خوانِ لکھنؤ
گلزارِ مومنین ہے زہے شانِ لکھنؤ — نعرے علیؑ علیؑ کے ہیں قربانِ لکھنؤ
شیعہ ہر ایک عاشق و شیدا علیؑ کا ہے[1]
بے فصل سب کو عشق خدا کے ولی کا ہے

۱۱ ★
بانی بھی اس مرقعِ ماتم سے دنگ ہے — گلشن کو صدقے کیجے یہ مجلس کا رنگ ہے
نوحوں میں ان کے نالۂ بلبل کا ڈھنگ ہے — ماتم کے ولولے میں بکا کی امنگ ہے
دس روز ماتمِ شہِ دیں میں گزرتے ہیں
جیتے رہیں یہ لوگ کہ رونے پہ مرتے ہیں

۱۲ ★
مجلس کا انتظام اسی شہر پر ہے ختم — رونے کا اہتمام، اسی شہر پہ ہے ختم
یہ آبرو یہ نام اسی شہر پر ہے ختم — بس ماتمِ امام اسی شہر پہ ہے ختم
پوچھو جو پھر کے آئے ہیں یاں ہر دیار میں
دیکھا نہ ہو گا ایک گل ایسا ہزار میں

۱۳ ★
سب عارفِ حق خلفِ بوترابؑ ہیں — شیدائے نام، سبطِ رسالت مآب ہیں
سرگرمِ کارِ خیر و شریکِ ثواب ہیں — بے شک یہ کوثری ہیں کہ آنکھیں پُر آب ہیں
روتے ہیں ذکرِ قتلِ شہِ خوش خصال پر
موتی نثار کرتے ہیں زہراؑ کے لال پر

۱۴ ★
کہتے ہیں ان کو دیکھ کے قدسی بہ احترام — وہ گل ہیں یہ کہ باغِ ارم جن کا ہے مقام
ناجی ہیں ان کو نارِ جہنم سے کیا ہے کام — لکھے ہوئے ہیں مصحفِ زہراؑ میں ان کے نام
سب ہیں غلامِ خاص شہِ مشرقین کے
جنت میں ساتھ ہو گا یہ غنچہ حسینؑ کے

۱۵ ★
ذی علم، نکتہ فہم، سخن سنج و ذی شعور — ذی قدر، ذی وقار، فروتن، سخی، غیور
نخوت نہ خود سری نہ تکبّر نہ مکر و زور — وضعیں درست، قلب صفا اور رخوں پہ نور

---

[1] نسخہ — کیوں سرخرو نہ ہو یہ چمن سبزوار ہے — دیکھو کہ اس خزاں پہ بھی ایسی بہار ہے

کیونکر نہ فرش و عرش پہ یہ نیک نام ہوں
آقا حسینؑ ساتھ تو ایسے غلام ہوں

★ ۱۶ اب کچھ بیاں ہو حالِ شہنشاہِ خوش خصال   بزمِ عزا میں ترکِ ادب ہے، یہ قیل و قال
رونا رُلانا مرثیے کا ہے یہی مآل   کیا فکر تھی انیسؔ! گیا کس طرف خیال

پڑھ لو درود صحتِ مینو سرشت میں
کرتا ہے کوئی ذکرِ جہنم بہشت میں

۱۷ اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال   ہوتی ہے کیسی اُلفتِ فرزندِ خوش جمال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارھواں ہے سال   کیا ہوگا نورِ چشمِ رسولِؐ خدا کا حال

ماں باپ کے لیے تو اجل کا پیام ہے
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہے

۱۸ بھائی وہ مرچکا ہے کہ تھا جس کے دم سے گھر   سیدھی ابھی[1] نہیں ہوئی ٹوٹی ہوئی کمر
اب طالبِ رضائے وغا ہے جواں پسر   نوکوں میں برچھیوں کی ہے شبیرؑ کا جگر

پیری میں اس جواں کو بھی کھوئیں تو کیا کریں[2]
کیوں منصفو! کہو جو نہ روئیں تو کیا کریں

۱۹ قابو ہے اب جگر پہ، نہ ہے دل پہ اختیار   یہ مرحلہ وہ ہے کہ ہیں صابر بھی بے قرار
ماں باپ سے پسر کو چھڑا سکے[3] نہ کردگار   زخمِ سنان و تیغ گوارا یہ ناگوار

راحت ہے گر گلوئے پدر پر چھری چلے
جو ہو، سو ہو، مگر نہ جگر پہ چھری چلے

۲۰ بڑھتا ہے ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نورِ عین   خیمے کو تکنے لگتے ہیں منہ پھیر کر حسینؑ
فرماتے ہیں کہ "سنتے ہو سیدانیوں کے بین   عباسؑ کے الم میں یہ برپا ہے شور و شین

بھائی جہاں سے جانبِ خلدِ بریں گئے
پرسے کو بھی چچی کے تم اب تک نہیں گئے

---

[1] م ۔ سیدھی ہوئی نہیں کبھی ٹوٹی ہوئی کمر
[2] م ۔ پیری میں اس جواں کو بھی کھوؤں تو کیا کروں
کیوں منصفو! کہو جو نہ روؤں تو کیا کروں
[3] ن ۔ چھوڑا سکے

۲۱ بیکس پھوپھی کو گھر میں تمھارا ہے انتظار — دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں ایک دم قرار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تم کو بار بار — دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو میں نثار
ہم کوئی دم میں آبِ دمِ تیغ پیتے ہیں
یہ چند دم تمھارے بھروسے پہ جیتے ہیں

۲۲ اصغرؑ کو دیکھو عابدِؑ مضطر کی لو خبر — سمجھاؤ بی بیوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
رانڈوں کے تم پسر ہو، یتیموں کے تم پدر — گھر تھامتے ہیں باپ کا ذی مرتبہ پسر
کس کو یہ داغ پیرِ فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

۲۳ تم سے بھی کم تھے عمر میں جب ہم ہوئے یتیم — ماں بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفتِ عظیم
ہم دونوں بھائیوں کے جگر غم سے تھے دو نیم — پر ہر بلا میں حافظ و حامی رہا کریم
رانڈوں کو یہ الم ہے کہ منہ موڑے جاتے ہیں
ہم تو جہاں میں تم سا پسر چھوڑے جاتے ہیں

۲۴ کنبے کی جان، باپ کا اقبال، گھر کا نور — یوسف جمال صاحبِ توقیر، ذی شعور
جرّار و بردبار و دلاور، سخی، غیور — آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خُرد و کلاں کو اجرِ زیارت حصول ہیں
تم ہو تو اہل بیت میں گویا رسولؐ ہیں

۲۵ نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی — پیدا ہے نورِ رُخ سے ضیا صبح عید کی
تھی سب کو آرزو رُخِ روشن کے دید کی — تصویر ہو رسولِ خدائے مجید کی
کیونکہ جُدا نگاہ سے بیٹا کریں تمھیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمھیں

۲۶ راحت کے دن ہیں، آمدِ فصلِ شباب ہے — پہلا ابھی کتابِ جوانی کا باب ہے
اٹھارھویں برس کا بھلا کیا حساب ہے — بے حاشیہ ابھی ورقِ آفتاب ہے
نقطے میں خال کے خطِ عنبر فشاں نہیں
بابا نثار ہو، ابھی پورے جواں نہیں

۲۷ اکبرؑ تمھاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ! — اس حسن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ
ہوتے جو لوگ احمدِ مرسلؐ کے خیر خواہ — تم کو سمجھتے ثانی پیغمبرِ الٰہ

آنکھوں پہ رکھتے فخر سے نعلین پاک کو
اکسیر جانتے انھیں قدموں کی خاک کو

٢٨ جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہے ہوس — ہے دل کو شوقِ آبِ دمِ تیغ ہر نفس
بچھڑیں گے تم سے گر ہے تو صدمہ یہی ہے بس — جیتے تو کرتے بیاہ تمھارا اِسی برس
دُولھا بنا کے شانِ شہانی بھی دیکھتے
طفلی تو دیکھی حُسنِ جوانی بھی دیکھتے

٢٩ پھولو، پھلو کہ زینتِ[1] باغِ جہاں ہو تم — آخر ہے عمر، پیر ہیں ہم، نوجواں ہو تم
شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم — مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
گر ہم نہیں، تو خانۂ زہراؑ میں تم رہو
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو

٣٠ اکبرؑ کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام — کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ "یا امام"
فرزندِ ارجمند ہیں سجادِ نیک نام — اکبرؑ تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اِک غلام
اس امر سے فدوی کو کوئی شرمندگی نہیں
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں

٣١ بندے ہزار ہم سے نثارِ سرِ حضور — دنیا ہو اور آپ ہوں لے کبریا کے نور
روشن جو ہے جہاں اسی دم کا ہے ظہور — ذرہ ہر اک ہے نورِ قدم سے چراغِ طور
ظلمت[2] زدائے خلق، شہِ دیں کی ذات ہے
دنیا میں آفتاب نہ ہو جب تو رات ہے

٣٢ رونق زمیں کی ہے کہ امامِ زماں ہیں آپ — سایہ ہے جس کا عرش پہ وہ آسماں ہیں آپ
بہرِ جہاں ہیں باعثِ امن و اماں ہیں آپ — شیرازۂ صحیفۂ کون و مکاں ہیں آپ
فردوں کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
کیوں کر تھمے جہاز اگر ناخدا نہ ہو

٣٣ افضل ہے کون سبطِ رسالت مآبؐ سے — دنیا میں ہے تو ہے یہی برکت جناب سے
سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے — ذرّوں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے

---

[1] ن۔ زینب [2] نسخہ۔ حاجت روائے

چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہاں رہیں
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں رہیں

۲۴ دم سے حضور کے ہے غلاموں کی ہست و بود — مولا ہیں اس جہاں میں در رحمتِ ودود
اے چشمۂ عطا و کرم! بحرِ فیض و جُود — دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
سب خلق شاہِ دیں سے طلبگارِ عون ہے
جب نوحؑ غرقِ خوں ہو تو کشتی کا کون ہے

۲۵ پھر زیست کیا کرے وہ جو بعد آپ کے جئے — کھائے غم اور خونِ جگر عمر بھر پیے
غیروں نے آج پائے مبارک پہ سر دیئے — بچپن سے ہم نے باندھی ہے تلوار کس لیے
اب بخت کا خاتمہ ہے کوئی آن میں
پھر یہ بھی معرکہ کبھی ہوگا جہان میں

۲۶ سب بھائی بند قتل ہوئے رن میں تشنہ لب — حضرت مجھے بچاتے ہیں کیوں اس کا کیا سبب!
خادم کو بھی سعادتِ عقبیٰ کی ہے طلب — دیجے رضا جہاد کی بہرِ رسولِؐ رب
کہیے نہ یہ کہ ساتھ نہ دو تشنہ کام کا
منہ سے نکل پڑے گا کلیجہ غلام کا

۲۷ سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے — زندہ وہی ہے پہلے مرے جو امام سے
سیراب ہونے دیجے شہادت کے جام سے — آقا! یہ بوجھ اٹھ نہ سکے گا غلام سے
دیکھے گا کون لوٹنے فوجیں جو آئیں گی
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائیں گی

۲۸ عابدؑ خدا کے فضل سے ہیں صابروں میں فرد — مظلوم بُردبار، غم انگیز، اہلِ درد
سہہ لیں گے وہ یتیمی و غربت میں گرم و سرد — ہم اور کام کے نہیں لائق بجز نبرد
وہ آلِ مصطفیٰؐ کا مدار المہام ہو
جو ہو پسر امام کا خود بھی امام ہو

۲۹ خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سُرخ رُو — پھر کس کو منہ دکھاؤں گا یا شاہِ نیک خُو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگ جُو — غصے سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

۴۰ طے ہو یہ مرحلہ جو کریں پرورشِ حضور — خلدِ بریں بعید نہ باغِ ارم ہے دُور
کوشش میں اس طرف سے تو مطلق نہیں قصور — اے آفتاب! ذرہ نوازی ہے اب ضرور
نہ زندگی نہ جاہ و حشم چاہتا ہوں میں
آقا کی اِک نگاہِ کرم چاہتا ہوں میں

۴۱ ماں کا پھوپھی کا پیار ہے اب حق میں میرے زہر — امداد کا مقام ہے اب یا امامِ دہر
آبِ فرات کی نہیں اب تشنگی میں لہر — جنّت میں شہد و شیر کی خالق دکھائے نہر
مٹی ملے تو سبطِ پیمبرؐ کے ہاتھ سے
پانی پیوں تو ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے

۴۲ دیجے رضائے حرب کہ مرتا ہے اب غلام — خیمے میں چلیے لے کے مجھے یا شہِ انام
چُپ ہو رہیں گی سُن کے پھوپھی آپ کے کلام — بن جائے گا زباں کے ہلانے میں میرا کام
مانے گا وہ ادب سے جو صابر ہے اہل ہے
مشکل کشا کے لال کو ہر امر سہل ہے

۴۳ بولے بہا کے اشک شہنشاہِ نامور — "مرنے کی تم کو ماں سے دلائے رضائے پدر"؟
سچ ہے بھلا تمھیں مرے دل کی ہے کیا خبر — پُوچھو یہ اس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
اس معرکے سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں
بیٹا! ہمارے حق بطرف ہیں کہ باپ ہیں

۴۴ کھوتا ہے اس کو کوئی بڑھاپے کی ہو جو آس — ہم میں تو بات کرنے کے مطلق نہیں حواس
صابر وہ ہر بلا میں ہیں جو ہیں خدا شناس — اچھا! یہی خوشی ہے تو جاؤ پھوپھی کے پاس
مشہورِ خلق بیٹے کا اور ماں کا پیار ہے
طے ہو یہ مرحلہ بھی تو پھر اختیار ہے

۴۵ بولا یہ ہاتھ جوڑ کے فرزندِ نیک نام — خیمے میں چلیے ساتھ مرے یا شہِ انام
تنہا یہاں نہ چھوڑے گا حضرت کو یہ غلام — آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
"کرتے ہو رحم حال پہ مظلوم باپ کے
پھر کون ساتھ دے گا مرا بعد آپ کے"

۴۶ فرما کے یہ چلے طرفِ خیمہ شاہِ دیں — گردن جھکائے ساتھ تھا فرزندِ مہ جبیں
پہونچا قریب درجو محمدؐ کا نازنیں — تھم کر سُنا تو کہتی ہیں یہ زینبؑ حزیں

لوگو! بلاؤ اکبرِؑ یوسف جمال کو
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو

۴۷ بنتِ علیؑ کے پاس ہے بانو بھی بے حواس — بیٹھے ہیں جان پیاس سے لب خشک جی اداس
زینبؑ سے عرض کرتی ہے رو کر وہ حق شناس — "کڑھتے نہ ہوں گے اکبرؑ مہرو پدر کے پاس"
کہتی ہیں چین اب مجھے دم بھر نہ آئے گا
نکلوں گی خود اگر علی اکبرؑ نہ آئے گا

۴۸ فضۂ بکل کے خیمے سے باہر، خبر تو لا — آنے میں دیر کیوں ہوئی یہ ماجرا ہے کیا!
سنتی ہوں میں کہ شاہؑ سے ہیں طالبِ رضا — پوچھیں تو کہیو نزع میں ہے بنتِ مرتضاؑ
چلیے نہیں پھوپھی کو نہ پھر پایئے گا آپ
جب دم نکل چکے تو چلے جایئے گا آپ

۴۹ بیٹے سے مڑ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر — کیوں گفتگو پھوپھی کی سُنی تم نے اے پسرؑ
نازک ہے عورتوں کا دل، اے غیرتِ قمر! — ماں کی ابھی رضا نہیں اور پیٹتی ہیں سر
ان کو ہے اور فکر، تمھیں کچھ خیال ہے
رخصت وہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ حال ہے

۵۰ آساں اِسے سمجھتے ہو تم، اے پدر کی جان — اظہار ماں سے مرنے کی رخصت کا الاماں
بتلایئے گرے گا جو یہ غم کا آسماں — کیونکر جئے گی زینبِ ناشاد و ناتواں
تم زندگی ہو دخترِ شیرِ الٰہ کی
کیسی رضا وہاں تو دعائیں ہیں بیاہ کی

۵۱ ہم کو نہ ساتھ لے کے چلو بہرِ کردگار — اچھا! ہمیں نظر نہیں آتا مآلِ کار
پردہ اٹھا کے شہ سے یہ بولا وہ ذی وقار — چلیے تو آپ خیمے میں یا شاہِ نامدار
دامانِ ابنِ فاطمہؑ پر ہاتھ چاہیے
مشکل ہو جب عقدہ کشا ساتھ چاہیے

۵۲ زینبؑ جو بے حواس کھڑی تھی قریبِ در — اکبرؑ کا رشتۂ پاک انھیں آ گیا نظر
جلدی بلائیں لے کے پکاری وہ نوحہ گر — صدقے پھوپھی اس آنے کے، اے غیرتِ قمر!
خوشبو مہک رہی ہے رسالت مآب کی
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی

۵۳ اکبرؑ نے کی یہ عرض کہ "حاضر ہوا غلام" حضرت کو لے کے آیا ہوں" اے آسماں مقام!
مژدہ سُنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام "آنکھوں پہ فرق پر قدمِ قبلۂ انام
رونا مرا سُنا تھا تو گھبرا کے آئے ہو
صدقے تو ہوں کہ تم مِرے بھائی کو لائے ہو

۵۴ ڈیوڑھی میں آئے روتے ہُوئے بادشاہِ دیں تھامے تھا ہاتھ باپ کا فرزندِ مہ جبیں
شوقِ لقائے شہ میں بڑھی زینبؑ حزیں بھائی کے گِرد پھر کے، پسر کی بلائیں لیں
سوزش نہ وہ رہی جگر و دل کے داغ میں
گویا بہار آگئی پژمُردہ باغ میں

۵۵ بیت الشرف میں آئے جو شبیرؑ خوش خصال رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
بڑھ کر پھوپھی سے بولے یہ اکبرؑ بصد ملال چلیے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
سب گھر نثارِ حضرت شبیرؑ کیجیے
لُٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجیے

۵۶ بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جاں گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے منہ کو ماں
آہستہ ان سے رو کے یہ بولا وہ نوجواں رَن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہِ زماں
میں[1] پاؤں پر گرا ہُوں جو تشریف لائے ہیں
گھر میں حسینؑ آخری رُخصت کو آئے ہیں

۵۷ غربت میں جو مریں گے شہنشاہِ بحر و بر پھر کون سرپرست ہے کس سے تھمے کا گھر؟
اس وقت کس سے میں کہوں دردِ دل و جگر مانگو دُعا کہ "باپ سے پہلے مرے پسر"
اُٹھ جاؤں میں جہان سے بابا کے سامنے
میرا گلا کٹے شہِ والا کے سامنے

۵۸ اماں! قیامت آتی ہے، جاتی ہے آبرو اِک جان بابا جان کی اور سیکڑوں عدو
"ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" کا اُدھر غل ہے چار سُو دیکھو، شتاب رُکیں گے شہنشاہِ نیک خُو
کُفّار لُوٹ لیں گے محمدؐ کی آل کو
روکو خدا کے واسطے زہراؑ کے لال کو

---

[1] ل - یہ

۵۹ دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہِ حق شناس　　کہتا ہوں صاف ہیں، کہ "فقط آپ کا پاس"
کہیے اُمید کس سے رکھیں اور کس سے آس　　ہم کو تو اب حصولِ سعادت سے بھی ہے یاس
حق بھی ادا ہوئے نہ شہِ خوش خصال کے
خُوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے

۶۰ حضرت کے پیار کی ہے بدولت یہ رنج و غم　　گھر بھی چُھٹا، پدر بھی، کہیں کے رہے نہ ہم
ہے اب نفس کی آمد و شد، خنجرِ دو دم　　مر جاؤں گا ابھی قدمِ پاک کی قسم
کیا لطفِ زیست، وقت جو رخصت کا ٹل گیا
بابا اُدھر گئے کہ اِدھر دم نکل گیا

۶۱ مرتے جو سر کٹا کے تو ہوتا ہمارا نام　　خیر اب تڑپ کے خاک پہ ہو جائیں گے تمام
جو دونوں صاحبوں کی رضا کیا کرے غلام　　لیکن جگہ ہے صبر کی، ہمّت کا ہے مقام
آساں ہے جبر دل پہ اگر اختیار ہو
وُہ کیجیے کہ فاطمہؑ سے آنکھ چار ہو

۶۲ مہماں ہیں کوئی دم کے شہنشاہِ بحر و بر　　رخصت کو گھر میں آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
صدقے کیے پھُوپھی نے تو حضرت پہ دو پسر　　امّاں! جگہ حجاب کی ہے، سوچئے اگر
بیٹوں میں کس کو سبطِ نبیؐ پہ فدا کیا
بتلائیے کہ آپ نے زہراؑ سے کیا کیا

۶۳ ہوتا ہے معرکے میں محبت کا امتحاں　　اب گھر میں کس کے پاس ہے فرزندِ نوجواں
بے جاں ہوئے جو دشمنِ سردارِ انس و جاں　　چرچا یہی کریں گی وفادار بی بیاں
گھر اپنا فاطمہؑ کی بہو نے ڈبو دیا
فرزند کو بچا لیا، وارث کو کھو دیا

۶۴ چھاتی پہ رکھیے صبر کی سِل بہرِ کردگار　　لے چلیے مجھ کو پیشِ شہنشاہِ نامدار
کہیے کہ آپ کرتے ہیں کیوں عزمِ کارزار　　حاضر ہے صدقے ہونے کو آقا! یہ جاں نثار
کام اس سے کیا زباں کو جو باتیں رکیک ہوں
لیکن یہ شرط ہے کہ پھُوپھی بھی شریک ہوں

لہ ل۔ کی

۶۵ زہراؑ کے بعد قافلہ سالار ہیں یہی — ہاں رتبہ دانِ سیّدِ ابرار ہیں یہی
کہنے کو سب ہیں پر مری مختار ہیں یہی — ماں ہیں یہی، پھوپھی ہیں یہی، غم خوار ہیں یہی
ارشاد یہ کریں تو نثارِ امام ہوں
بیٹا ہوں آپ کا، مگر ان کا غلام ہوں

۶۶ کانپا یہ سُن کے بانوئے ناشاد کا جگر — کی بنتِ فاطمہؑ کی طرف یاس سے نظر
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے بولی وہ نوحہ گر — ہے ہے یہ کیا کریں کہ مصیبت میں ہے پدر
بے جا ہلاک کوئی بھی کرتا ہے آپ کو
کس طرح چھوڑے نرغۂ اعدا میں باپ کو

۶۷ یہ ذکر تھا اِدھر کہ پکارے امامِ دیں — لو الوداع اے حرمِ ختم المرسلیں!
آپہونچے متصلِ درِ خیمہ کے اہلِ کیں — لے آؤ جامۂ کہن اے زینبِ حزیں!
رخصت کو آئیں جو مرے نانوں کے پالے ہیں
اکبرؑ کو روکیو، یہ تمھارے حوالے ہیں

۶۸ اکبرؑ پھوپھی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب — لو آفت آئی، گھر سے چلے شاہِ تشنہ لب
دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہلبیت سب — بانوؑ گری تڑپ کے قدم پر بصد تعب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہِ کربلائی کے
زینبؑ نے سر جھکا دیا سینے پہ بھائی کے

۶۹ شانے پہ منہ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن — امّاں کی تم سے بُو مجھے آتی ہے اے بہن!
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن — "آقا ابھی تو زندہ ہے اکبرؑ صف شکن
دُکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں
آپ ان کے ہوتے کس لیے میداں میں جاتے ہیں"

★ ۷۰ میں آپ پر نثار، بہن آپ پہ فدا — پھر صدقہ جاؤں، کیوں انھیں دیتے نہیں رضا
حضرت نہ ہوں گے جب تو جئیں گے یہ مہ لقا — کنبہ کو کھو کے گھر میں اکیلے رہے تو کیا
پھر ماں کہاں چُھٹے جو یہ قدموں سے آپ کے
پیارا ہمیں وہی ہے جو کام آئے باپ کے

۷۱ شہ نے کہا بہن! مجھے اس کا نہیں خیال — ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہیں سب نہال — خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گُل ہو نہ پائمال

شادی کے دن ہیں آس غریب الوطن کی ہے
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

۷۲ بولی وہ عندلیبِ چمن پرورِ بتول — طرۂ وہی ہے سر پہ ہمیشہ چڑھے جو پھول[1]
اے نخلِ باغِ فیض و گلِ گلشنِ رسولؐ — داغِ گلِ ریاضِ تمنا بہ دل قبول
شادی سدا نہیں چمنِ روزگار میں
رشتے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

۷۳ بولی بہن کہ آپ نہ اس کا کریں خیال[2] — صدقے گلِ ریاضِ نبیؐ پر ہزار لال
بھائی پہ آبنی تو کلیجے کا کیا ملال — ان کو بھی صدقہ ہونے کی ہے آرزو کمال
ہاں دل تو چاہتا ہے کہ دم بھر جدا نہ ہوں
کام آئیں غیر جب، تو یہ کیونکر فدا نہ ہوں

۷۴ گر کر قدم پہ شہ کے یہ بولا وُہ نوجواں — بس اب رضا جہاد کی دیں قبلۂ زماں
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں — کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خُوں گھٹ گیا امامِ زماں زرد ہو گئے
"اچھا" کہا، مگر ہمہ تن درد ہو گئے

۷۵ اکبرؑ پھرے جو گردِ قدم سے اٹھا کے سر — بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے نورِ عین! اے سببِ قوتِ جگر — کیا اپنا زور، خیرِ جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہو گئی جو توقع تھی آپ سے
اٹھارھویں برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

۷۶ نقصان کون سا ہے جو مٹتے پدر کے ساتھ — ہوتا سناں پہ چاند سا سر میرے سر کے ساتھ
افسوس زخمی ہو گیا دل بھی جگر کے ساتھ — زینبؑ ہماری جان چلی اِس پسر کے ساتھ
کنبے کی جان آنکھوں کا تارا یہی تو تھا
بابا کی زندگی کا سہارا یہی تو تھا

۷۷ تم سے بھی رُک سکا نہ یہ دلبر، ہزار حیف — کچھ کر سکی نہ بانوئے[3] بے پر، ہزار حیف
خالی ہوا بس آج بھرا گھر، ہزار حیف — لو صاحبو! چلے علی اکبرؑ، ہزار حیف

---

[1] م - طرۂ وہی ہے سب پہ میسر چڑھے جو پھول
[2] م - کیجئے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال

یہ آفتاب اب کوئی دم میں غروب ہے
دُولھا بنا کے مرنے کو بھیجو تو خوب ہے

۷۸ خلعت پہنایا ماں نے وہ کپڑے اتار کے — رکھا عمامہ فرق پہ زلفیں سنوار کے
زینبؑ پکاریں ہاتھوں کو چھاتی پہ مار کے — سہرا بھی باندھو سر پہ مرے گلعذار کے
بولا پسر کہ عزم ہے اب رزم گاہ کا
اماں! کفن پہنا دو، یہ خلعت ہے بیاہ کا

۷۹ سجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاحِ جنگ — دکھا جو خود، سُرخ ہوا اور رُخ کا رنگ
پہنی زرِہ تو دل کو وغا کی ہوئی امنگ — تن کر چلے لپٹ گئی بر سے قبائے تنگ
بڑھ کر چلے جو قبلۂ دیں کے سلام کو
تڑپا، دل اس طرح کہ غش آیا امام کو

۸۰ غُل پڑ گیا کہ خلق سے اکبرؑ کا کوچ ہے — لو روشنی چلی مہِ انور کا کوچ ہے
لٹتا ہے گھر شبیہِ پیمبرؐ کا کوچ ہے — گلزارِ مرتضیٰ کے گلِ تر کا کوچ ہے
اس کربلا میں کون سی کرب و بلا نہیں
کٹتا ہے وُہ نہال جو پُھولا پھلا نہیں

۸۱ مطلع حلقے سے بی بیوں کے جو نکلا وہ آفتاب — ہمراہ تھے پسر کے امام فلک جناب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب — گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
سر رکھ دیا پسر نے قدم پہ امام کے

۸۲ تھرا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰ ہیں آپ — کعبہ ہیں آپ یا شہِ دیں! رہنما ہیں آپ
شہ نے کہا "مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ — ہم صورت جنابِ رسولِؐ خدا ہیں آپ
اُلفت نہیں یہ پاسِ رسالتمآبؐ ہے
ایسے سعید لال کی خدمت ثواب ہے

۸۳ صدقے میں اس لحاظ کے اے زینبؑ دواں مِرے — عاشق مرے، شفیق مِرے، مہرباں مرے
مہرو مرے، حبیب مرے، شیرِ ژیاں مرے — پیری میں باپ کیا کرے اے نوجواں مرے!
طاقت تھی جس سے دِل کو وہ دولت بچھڑ گئی
میں تو یہ جانتا ہُوں کہ دُنیا اُجڑ گئی

۸۴ آتے ہیں ہم بھی، خیر سدھارو، سفر کرو — اچھا بساؤ دشت کو ویران گھر کرو
تیغوں میں آفتاب سا سینہ سپر کرو — پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا مُنہ اِدھر کرو
اک جا رہے یہ غنچۂ خاطر، کھلے نہیں
مدت گزر گئی کہ گلے سے ملے نہیں

۸۵ کیوں کر دھواں اُٹھے نہ جگر سے، ہزار حیف! — خدمت بھی کچھ ہُوئی نہ پدر سے، ہزار حیف!
پانی کو اس شباب میں ترسے، ہزار حیف! — پیاسے چلے حسینؑ کے گھر سے، ہزار حیف!
گو نہر تھی قریب، مگر دست رس نہ تھا
تم خوب جانتے ہو کہ بابا کا بس نہ تھا

۸۶ کوثر پہ جا کے کہیو علیؑ سے ہمارا حال — لال آپ کا بلا میں ہے یا شیرِ ذو الجلال!
کٹ جائے میرا حلق کہ لاشا ہو پائمال — حضرت کو اپنی بیٹیوں کا چاہیے خیال
ان کے قدم تھمیں جو کوئی دستگیر ہو
ایسا نہ ہو کہ دُخترِ زہراؑ اسیر ہو

۸۷ یہ کہہ کے خود سوار کیا نورِ عین کو — کس صبر سے ادا کیا، خالق نے دَین کو
روتا اس آفتاب نے چھوڑا حسینؑ کو — روشن ضیائے رُخ نے کیا مشرقین کو
قدسی دُرُود پڑھتے تھے چہرے کے نُور پر
گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلّی تھی طُور پر

۸۸ وُہ شوخیاں سمندِ فلک سیر کی وُہ چال — پیلِ دماں کہیں، کہیں ضیغم، کہیں غزال
مرکب جو بے عدیل، تو راکب بھی بے مثال — رعب و نہیب و دبدبہ و سطوت و جلال
بجلی کی زرق برق تھی ساز و یراق پر
غل تھا چڑھے ہیں احمدؐ مرسل براق پر

۸۹ پھیلی ہوئی تھی دشت میں زلفِ رسا کی بُو — کچھ بُو تھی گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بُو
غل تھا یہ بُو ہے سلسلۂ مصطفیٰؐ کی بُو — مٹّی ہے اس کے سامنے مشکِ خطا کی بُو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے
دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

۹۰ صدقے ہے عود، عنبرِ سارا نثار ہے — جنگل ہے مشک بیز، ہوا مشکِ بار ہے
حلقہ ہے جو وُہ نافۂ مشکِ تتار ہے — سنبل کا اس کے سامنے کیا اقتدار ہے

ہمسر نہیں جو گیسوؤں کے پیچ و تاب سے
مخفی ہے آج تک شبِ قدر اس حجاب سے

۹۱ پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب — نکلا ہے آفتاب، میانِ سوادِ شب
یہ لطف روزِ عید و شبِ قدر میں ہے کب؟ — ہے دو طرف تو چین و ختا بیچ میں حلب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں

۹۲ معراجِ مصطفیٰؐ کی یہ شب ہے تو وہ سحر — زیبا ہے اس کو کہیے اندھیرے کا چاند اگر
ہے زلف و رُخ مفسّرِ والیل والقمر — اے خضرؑ! ہاں ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
دن جس کا ہے سعید، مبارک وہ رات ہے
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

۹۳ پہلو میں دن کے رات، زہے شانِ کارساز! — یوسف جو دیکھ لے تو جھکائے سرِ نیاز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز — زیبا ہے گورے رُخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر پہ یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی

۹۴ کیوں زُلف کی ثنا میں اُلجھتے ہیں مُو شگاف — سُلجھا ہُوا بیاں ہو، تو مضموں ہو صاف صاف
تعقید سر بسر ہے، فصاحت کے برخلاف — باریک اس ختن کی ہیں راہیں، خطا معاف
فکریں رسا ہیں جن کی یہاں وہ بھی ہیچ ہیں
رستہ تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پیچ ہیں

۹۵ وُہ خود فرقِ پاک پہ، وُہ چاند سی جبیں — پَرتو ہے جس کے غیرتِ مہتاب سب نے میں
قرآں کی لوح، مطلعِ نو، آفتابِ دیں — آئینۂ حلب، یدِ بیضا، مہ جبیں
اس کو جو اس جبیں کے برابر نہ دیکھتا
پھر اپنے آئینے کو سکندر نہ دیکھتا

۹۶ ابرو ہے یا کھنچی ہوئی شمشیرِ تیز دم — صانع نے ایک لوح پہ رکھے ہیں دو قلم
پایا بھلا کمانِ کیانی نے کب یہ خم — کیا متصل ہے گوشہ سے گوشہ، زہے حشم!
مدّت کھنچے تو پھر کشش ان کی بیاں نہ ہو
قرباں ہو لاکھ بار، تو خاطر نشاں نہ ہو

۹۷ خم دار وہ بھویں، وہ جبینِ قمر مثال — تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
مطلع ہے صاف غور سے بینا کریں خیال — نقطہ ہے نورِ حسن کا ابرو یہ ہے جو خال
خوبی میں وہ تو یہ ہمہ تن لاجواب ہے
دیوانِ حسن میں یہی بیتِ انتخاب ہے

۹۸ ہے آسمانِ حسن و شرف یہ فلک جناب — ابرو ہیں دو ہلال، تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب — ہاں دیکھ لیں، رُخِ خلفِ ابنِ بُوتراب[۲۸]
باریک بیں سمجھ گئے مطلب انیس کا
انتیس[۲۹] کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس[۳۰] کا

۹۹ مانندِ شانہ، گر ہمہ تن ہو کوئی زباں — تو بھی خم کا وصف سرِ مو نہ ہو بیاں
قربانِ حسنِ صنعتِ خلّاقِ انس و جاں — پڑا ہے بھر چشم کبھی، گاہ سائباں
مُوئے مژگانِ دُرِّ ثمینِ نجف یہ ہے
آنکھوں پہ جس کو رکھتے ہیں مردم شرف یہ ہے

۱۰۰ اس چشم کو وہی کہے نرگس، جو ہو بصیر — پیشِ نظر یہ دیدۂ حق بیں ہیں بے نظیر
کیوں ہرزہ گرد ہو کے نگاہوں میں ہوں حقیر — یہ عینِ مردمی ہے کہ مردم ہیں گوشہ گیر
اس نور کے مکاں سے نکلنا فضول ہے
گھر بیٹھے ان کو سیرِ دو عالم حصول ہے

۱۰۱ دکھلاتی ہے بیاض و سواد ان کی شانِ رب — دن کے قریب صبح، سحر کے قریب شب
پائی کسی ہرن نے یہ چشمِ سیاہ کب — پیدا ہے ان سے عینِ علیؑ کا جلال سب
دیکھیں جو رعبِ شیرِ نیستاں غزال ہوں
دنیا ہو غرقِ خوں جو یہ غصّہ سے لال ہوں

۱۰۲ "بیمار کہتے ہیں" شعرا چشم کو جو سب — صحت میں اس کی شک ہے، غلط ہو تو کیا عجب[۳۱]
دار الشفا یہ خود ہیں پئے بندگانِ رب — دید ان کی ہر مریض کی صحت کا ہے سبب
چشمک ہے ان کو عیسیِ گردوں پناہ سے
مُردے جلا دیے ہیں کرم کی نگاہ سے

۱۰۳ آنکھیں وُہ نرگسی جنھیں دیکھے سے ہو سرور — روشن میانِ کعبہ ہیں یا دو چراغِ طور
یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور — کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغرِ بلّور

حق بیں ہیں، حق شناس ہیں، یزداں پرست ہیں
ہشیار کیوں نہ ہوں مے عرفاں سے مست ہیں

۱۰۴ ضیغم نظر ہیں، صاحبِ رعب و جلال ہیں — ہاں! شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں
یہ نشۂ رحیقِ جوانی سے لال ہیں — ساحر بھی ہیں تو ساحرِ سحرِ حلال ہیں
پتلی نہیں یہ چشمِ سیہ کے حجاب میں
پنہاں ہے روئے حضرتِ یوسف نقاب میں

۱۰۵ جاگے ہیں رات بھر، تو نقاہت ہے آشکار — ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار
مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتے ہیں بار بار — آنسو میں، یہ صدف میں ہیں یا دُرِ شاہوار
روئے ہیں فرقتِ شہِ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

۱۰۶ رخسار کو قمر جو کہوں، اُس میں داغ ہے — خورشید ہے تو کیا ہے وُہ دن کا چراغ ہے
ذرّوں کو سر چڑھائے یہ کس کو دماغ ہے — وُہ گُل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے
دُنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

۱۰۷ گُل سرخ رُو ہُوا نہ کبھی[1] ان کے سامنے — مخفی چمن کا روئے نکو، ان کے سامنے
بے رنگ ہے گلاب کی بُو ان کے سامنے — باغِ بہشت ساختہ رُو اُن کے سامنے
خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہرا کے باغ کے

۱۰۸ آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہے بند — ہے بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قند
کیا لطف، گر مزہ نہ اٹھائیں سخن پسند — خود ہر سخن سے ان کی فصاحت ہے بہرہ مند
اعجاز ہے زبانِ بلاغت نظام میں
قرآں کی ساری شکل ہے ان کے کلام میں

۱۰۹ مشکل ہے وصفِ گوہرِ دندانِ بے مثال — غوّاص بحرِ حسن! دکھا اپنا کچھ کمال
اس مدح میں صلہ کے جو ملنے کا ہے خیال — بھر دے گا موتیوں سے دہن فاطمہؓ کا لال

---

[1] ن۔ کبھو

قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں دُرِ ثمین کے گنج

۱۱۰ اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہے — زور اِن کلائیوں میں شہِ لافتا کا ہے
گھر بازوؤں میں قوتِ خیبر الوری کا ہے — سینہ نہ جانیو، یہ خزانہ خدا کا ہے
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
جس سے تھما ہوا ہے سفینہ نجات کا

۱۱۱ پڑتا ہے ماہ رُخ کا جو پر تو اِدھر اُدھر — پھرتی ہے چاندنی کی طرح ضَو اِدھر اُدھر
گرتے ہیں کانپ کانپ کے سَو سَو اِدھر اُدھر — لشکر میں بے دغا ہے رَوا رَو اِدھر اُدھر
غل تھا عمر کا سر ابھی لائیں، جو زور ہو
اس کو نگاہِ بد سے جو دیکھیں، تو کور ہو

۱۱۲ ★ مطلع پہنچا جو رزم گاہ میں سبطِ نبیؐ کا لال — کانپے جبل، لرزنے لگا عرصۂ قتال[1]
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بد خصال — بھاگو، کہ "آئے شیرِ الٰہی پے جدال
وقتِ ادب ہے ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آئے رسولؐ دوڑ کے قدموں پہ سر رکھو"

۱۱۳ ★ بڑھ کر صدا بہشت نے دی روبرو نگاہ — دشمن ترے ذلیل، معاند ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے "معدلت پناہ! — تاباں رہے ستارۂ اقبالِ عزّ و جاہ"
زہرہ عدو کا آب، کلیجا لہو رہے
ہر معرکے میں تیغ تری سرخرو رہے

۱۱۴ نکلا لگانے چترِ زری، ابنِ سعدِ شوم — بولا "یہ کیا ہراس ہے، شیرو یہ کیا ہے دھوم؟
تنہا وہ اک جواں یہ اُدھر فوج کا ہجوم — کھوتے ہو آبروئے رئیسانِ شام و روم
پیارا ابھی پسر ہے شہِ مشرقین کا
خوش ہو کہ خاتمہ ہوا فوجِ حسینؑ کا

---

[1] م میں پہلے چار مصرعے یوں ہیں:
دیکھو تو منصفو! یہ ملک ہے بشر نہیں — چہرے پہ ضَو یہ ہے کہ مجالِ نظر نہیں
سب محو ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں — پھر کون ہے پیمبرِ برحق اگر نہیں؟

115 تلواریں لو نیاموں سے، جلدی پرے جماؤ نیزے ہلا ہلا کے سوارو، ادھر کو آؤ
ہاں اے کماں کشو! قدر اندازیاں دکھاؤ فرزندِ فاطمہؑ کے پسر کا لہو بہاؤ
گر نورِ احمدی کی جہاں میں ضیا نہ ہو
انعام پھر وہ دوں جو کسی نے دیا نہ ہو

116 لالچ میں آئے سُن کے یہ باتیں وہ زیردست سمجھے کہ اس طرف ہے ظفر اس طرف شکست
دریا پہ کچھ سوا ہوا پہلے سے بند و بست جُھومے یلانِ فوجِ ستم، مثلِ پیلِ مست
جنگل تھا سب سیاہ ہجومِ سپاہ سے
کوسوں چھپی ہوئی تھی ترائی نگاہ سے

117 اس طرح بڑھ کے ہٹتے تھے وہ بانیِ حسد اٹھتا ہے جس طرح کہ سمندر سے جزر و مد
پیاسے پہ آئے تیر ادھر سے، جو لا تعد قبضے پہ ہاتھ رکھ کے کہا "یا علیؑ مدد"
دیکھا نگاہِ قہر سے ہر نابکار کو
گویا خدا کا شیر بڑھا کارزار کو

118 اللہ رے انہیبِ رجز خوانیِ ہژبر جھنجھلا کے گونجتا ہو نیستاں میں جیسے ببر
چھائی ہوئی تھی فوجِ ضلالت مثالِ ابر جو منچلے تھے فوج میں بڑھتا تھا ان پہ جبر
غل تھا کہ سب علیؑ کا جلال آشکار ہے
فقرہ ہر اک رجز کا نہیں، ذوالفقار ہے

119 نعرہ کیا جو مثلِ علیؑ، آسماں ہلے تھرائی یہ زمیں کہ کڑک کر مکاں ہلے
سینوں میں دل ہلے تو صفوں میں نشاں ہلے کیا منہ کسی کا تھا کہ دہن میں زباں ہلے
گردن نہ ان کی اُٹھتی تھی جو سربلند تھے
اللہ رے! رعبِ نطق فصیحوں کے بند تھے

120 مطلع بعدِ ستائش اب وجدِ شبیرِ نر بڑھا ہٹتی ہوئی گھٹا کی طرف جوں قمر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک اُدھر سے اِدھر بڑھا جرّار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
یُوں خندہ رُو گیا وہ جری رزمگاہ میں
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

121 نیزوں سے روکنے لگے ڈر ڈر کے سب سوار صفدر نے بڑھ کے میان سے لی تیغِ آبدار
سب کی نظر میں کوند گئی برقِ ذوالفقار ٹوٹے عَلَم گرے جو الف ہو کے راہوار

غل تھا سر بلند ہے جو وہ بھی پست ہے
اکبر نے دی صدا یہ نشانِ شکست ہے

۱۲۲ فرما کے یہ کمر میں رکھی اسپ کی لجام | پھرنے لگا نظر کے اشارے میں خوش خرام
سرعت وہ رخش کی، وہ درخشانیِ حسام | اک برق کوندتی تھی میانِ سپاہِ شام
دلدل کی چال جو وہ چلن باد پا کا تھا
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

۱۲۳ کھنی تلک آپ نے جو الٹ لی تھی آستیں | اک زلزلہ تھا، کانپی تھی دشت کی زمیں
رو کے تھے منہ پہ خوف سے ڈھالوں کو اہلِ کیں | ہنس ہنس کے دیکھتے تھے علی اکبرِ حسیں
افزوں تھی انگلیوں کی ضیا شمعِ طُور سے
جنگل میں روشنی تھی کلائی کے نور سے

۱۲۴ ناگہ چلی میانِ دو صف تیغِ شعلہ خیز | دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامۂ ستیز
آئی چمک چمک کے سروں پہ جو تیغِ تیز | ان میں سے ایک کو نہ ملی مہلتِ گریز
سالم تھے نخلِ قد پہ، نشانِ ثمر[1] نہ تھا
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

۱۲۵ بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہے جس طرح | ہٹتے تھے دل کہ ابر سمٹتا ہے جس طرح
ہاتھ اُڑتے تھے، شجر کوئی چھٹتا ہے جس طرح | یا نرم خامہ تیغ سے کٹتا ہے جس طرح
جو ادیچی دوچار ہوا صاف چار تھا
فولاد موم خام سکیلہ خیار تھا

۱۲۶ تھی استخوان شانہ سپر اس کے سامنے | دامِ زرہ تھا سُنبلِ تر اس کے سامنے
مُو دار سب تھے کاسۂ سر اس کے سامنے | ڈھیلی گرہ تھا بندِ کمر اس کے سامنے
آفت کا کاٹ، قہر کا خم، منہ بلا کا تھا
سب رنگ ڈھنگ ضربتِ مشکل کشا کا تھا

۱۲۷ آئی جو سَن سے سینے کی جانب اڑا کے سر | دھڑ سے گرا سمند کی ٹاپوں پہ آ کے سر
مرکب نے کی نظر سوئے راکب ہلا[2] کے سر | نکلی وہ تیغِ تیز بغل سے جھکا کے سر

---

[1] ن۔ قمر [2] ن۔ بلا ، ل۔ اُٹھا

ظالم نئی طرح سُوئے دوزخ روانہ تھا
سر تھا، نہ صدر تھا نہ کمر تھی نہ شانہ تھا

۱۲۸ برسا رہی تھی دشت میں وہ شعلہ رُو لہو — تنہا شاہ کا لال بیچ میں اور چار سُو لہو[1]
تا سینہ اس طرف، تو ادھر تا گلو لہو — کوسوں تھا سرزمینِ عرب میں لہو لہو
بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہلِ خلاف کا
فرطِ خوشی سے سُرخ تھا چہرہ مصاف کا

۱۲۹ جب آئی سَن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی — اڑ کر صفوں کے بیچ سے ناگن نکل گئی
یُوں چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی — شہ رگ سے جانِ مُضطر[2] سے گردن نکل گئی
سالم رگیں نہ جسم کی نہ استخواں رہے
ٹوٹے قفس میں طائرِ وحشی کہاں رہے

۱۳۰ اللہ رے! تیزیِ دمِ شمشیرِ سر شگاف — قبضے میں جس کے حکمِ قضا تھا، بسانِ قاف
در لُٹے خوں میں پَیر کے نکلی دمِ مصاف — پھر منہ لہو پیٹے پہ جو دیکھا تو پاک صاف
نسبت تھی ذوالفقار سے اُس بے عدیل کو
دھبا کہیں لگا ہے نجیب و اصیل کو

۱۳۱ تھا نہرِ علقمہ کے قریں بحرِ خوں کا اوج — تھے آگے پیچھے دستِ بریدہ بسانِ موج
سر صورتِ حباب، نمایاں تھے فرد و زوج — طوفانِ آبِ تیغ میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مابینِ راہ تھا
خشکی میں فوجِ شام کا بیڑا تباہ تھا

۱۳۲ پھول اُڑ گئے پھل اس کا جو چمکا سپر کے پاس — نکلی اُدھر سپر سے کہ آ پہونچی سر کے پاس
سر سے اتر گئی دلِ بیداد گر کے پاس — دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

۱۳۳ اب دم نہ کیجو، بڑھ کے قضا اس سے کہہ گئی — ندی لہو کی دشتِ پُر آفت میں بہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی — بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی

---

[1] م۔ حیدرؑ کا لال بیچ میں تنہا چار سُو لہو
[2] ن۔ صدر

غصے میں مثلِ برق، قرار اس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

۱۳۴ پھل اُس کا نہ[1] سپر پہ نہ[2] جوشن پہ رہ گیا   جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا   خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خود سری رہی
مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی

۱۳۵ جنگل میں چار سمت لہو کے چمن بنے   جو خیرہ سر تھے نقشِ فنا اُن کے تن بنے
مرشدِ شکست پا کے وہ پیماں شکن بنے   چار آئینے جو قبر تو جوشن کفن بنے
کشتوں پہ پُشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
عصیاں کا اس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا

۱۳۶ ★ کیا لڑ رہا تھا شاہ کا گل پیرہن جواں   غازی جواں، دلیر جواں، صف شکن جواں
دب دب کے مثلِ پیر جھکے پیل تن جواں   چوٹیں پڑیں کہ بھول گئے بانکپن جواں
غل تھا غضب کی تیغ ہے آفت کی حرب ہے
مَرحَب نہ جس کو روک سکا یہ وہ ضرب ہے

۱۳۷ بل کھا کے اُس طرف سے کوئی یل بڑھا اگر   پہونچا سمند اڑا کے برابر وہ شیرِ نر
چمکی جو تیغ، برق سی کوندی اِدھر اُدھر   آئی لہو میں پَیر کے وہ ماہیِ ظفر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

۱۳۸ قبضوں میں تیغیں چھپتی تھیں دہشت تھی اس قدر   گرد اپنے آپ کرتی تھی گرد آوری سپر
یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلتی نہ تھی نظر[3]   سہمے تھے تیریوں کہ اٹھا سکتے تھے نہ سر
ہر اک کمند دامِ بلا میں اسیر تھی
واں عود اماں کی طرح کماں گوشہ گیر تھی

۱۳۹ نصرت جلو میں گھوڑے کے پھرتی تھی مثلِ باد   کہتی تھی فتح "آج بر آئی مری مراد"
تھی یہ ظفر کی عرض کہ یا خالقِ عباد   جلدی شکست پائیں یہ سب بانیِ فساد

---

[1] ن۔ نا   [2] ن۔ نا   [3] ن۔ یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلتے نہ تھے تبر

پامال کرکے یُوں اُنھیں یہ مہ لقا پھرے
جس طرح جنگِ بدر سے شیرِ خدا پھرے

۱۴۰ چم خم وہ تیغ کا، وہ لگاوٹ وہ آب و تاب — آتش کسی جگہ، کہیں بجلی، کہیں سیماب
سیکلی تھی اک پری کے شکم پہ کہ اس کی تاب — تیزی زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
جوہر سے اس کا جسم جو اھسر نگار تھا
گویا گلے میں حُور کے ہیرے کا ہار تھا

۱۴۱ پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی — غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزاں بھی بہار بھی — تلوار بھی، چھری بھی، سپر بھی، کٹار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفتِ جہاں تھی لگانے بجھانے میں

۱۴۲ کرتی تھی پائمال صفوں کو وہ برق سیر — دہشت سے تھا سپاہِ شقاوت کا حال غیر
نہ خود کو پناہ تھی[1] اس سے سپر کی خیر — چار آئینہ سے لاگ تھی اس کو سپر سے بیر
بِکتے پڑے تھے اکبرِ غازی کی حرب کے
لوہا بھی دب گیا تھا یہ معنی ہیں ضرب کے

۱۴۳ تیر افگنانِ کوفہ و شام و عراق و رَے — چلاتے تھے رہے گی کشاکش یہ تا بہ کے
قادر ہے مثلِ حکمِ قضا یہ خجستہ پے — سر کاٹے اس نے تیر چلے اس طرف سے جے
پچھتائے علم تیر میں برسوں گزار کے
بس پھینک دو چڑھے ہوئے چلّے اتار کے

۱۴۴ نیزوں کے بند بند قلم، برچھیاں دو نیم — مثلِ قلم زبان درازِ سناں دو نیم
چار آئینہ کٹے ہوئے، گرزِ گراں دو نیم — مغفر سے تا کمر، جسدِ پہلواں دو نیم
دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

۱۴۵ وہ تیغ جب بڑھی صفِ کفار ہٹ گئی — چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
دم بھر میں یُوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی — رَن کی زمیں لہو کے ڈیڑوں سے کٹ گئی

---

[1] ن ۔ کی

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہُوا
غُل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

۱۴۶ گیتی ہلا دی نعرۂ ضرغامِ دہر نے گھیرا ہر اک کو حضرتِ باری کے قہر نے
مانگی پناہ چھوڑ کے ساحل کو بحر نے گرداب کو سپر کیا سینے پہ نہر نے
گھر امن کا جو بحر میں نایاب ہو گیا
کانپیں یہ مچھلیاں کہ جگر آب ہو گیا

۱۴۷ بولے نہنگ خوب نہیں یہ " اگر مگر" اب تم نکل کے بحر سے بر میں بناؤ گھر
برپا ہے شامیوں کے ستم سے یہ شور و شر لڑتے ہیں اپنے حق پہ یداللہ کے پسر
چشمہ ہے یا محیط ہے شط ہے کہ نہر ہے
اس کے گواہ ہم ہیں کہ زہراؑ کا مہر ہے

۱۴۸ ہلچل ہوئی غضب کی صفِ کارزار میں دبکے نکل کے شیر نیستاں کچھار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
ریتی پہ مچھلیاں تھیں سمندِ فرات میں

۱۴۹ جب کوند کر سمند یہاں سے وہاں گیا ثابت نہ کچھ ہُوا کدھر آیا کہاں گیا
جھاڑیں جو پتلیاں تو نظر سے نہاں گیا گھوڑا براق بن کے سوئے آسماں گیا
غل تھا وہ آ کے دیکھ لے اس بادپا کے پاؤں
دیکھے نہ ہوں زمانے میں جس نے ہوا کے پاؤں

۱۵۰ سرعت سے شرمسار نسیمِ سحر ہوئی آنکھوں میں پھر گیا نہ خرہ کو خبر ہوئی
تن سے عرق کی بوند جو ٹپکی گہر ہوئی جب خاک اڑی ادھر، تو دم اس کی چنور ہوئی
گھوڑا نہ کہیے تختِ سلیماں روانہ تھا
اس کے لیے تو جنبشِ رگ تازیانہ تھا

۱۵۱ ★ پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
پامال تھے جری سپہِ شام و روم کے غل تھا یہ غول میں پسرِ سعد شوم کے

لہ ل ۔ جو لے

رخش ایسا روم و رَے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردشِ ایام میں نہیں

۱۵۲ باریک جلد وہ کہ خجل قاقم و حریر   مشکیں پرند آہوئے رم خوردہ، شیر گیر
حلقے سے یُوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر   آتش مزاج بادیہ پیما فلک مسیر
یُوں فتح ساتھ ساتھ تھی اس راہوار کے
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

۱۵۳ تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا بھی برق تھا   مثلِ عروس زیورِ خوبی میں غرق تھا
کچھ اس میں اور ابر میں مطلق نہ فرق تھا   دو گام اس کو فاصلۂ غرب و شرق تھا
پا کھر تھی موتیوں کی عرق جسم پاک پر
آئی تھی بادِ تند فرس بن کے خاک پر

۱۵۴ تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار   ناگہ اُٹھا جو شام کی جانب سے اِک غبار
بولا یہ فوج سے عمرِ سعدِ نابکار   بھیجی کمک یزید نے، لو شکرِ کردگار
یہ اکبرِ جری کی اجل کا بہانہ ہے
آیا وہ پہلواں جو وحیدِ زمانہ ہے

۱۵۵ یہ سُن کے فوج سب متوجہ ہوئی اُدھر   دیکھا کہ اک جواں ہے فرس پہ بہ کرّ و فر
نیزے پہ آگے آگے تو ہیں رہزنوں کے سر   پیچھے ہیں دو ہزار جوانانِ پر جگر
قامت سے شانِ عمرِ شقی آشکار ہے
سمجھے یہ سب کہ رخش پہ رستم سوار ہے

۱۵۶ وہ خود جس کو دیکھ کے مرحب ہو سرنگوں   کیفِ شرابِ غیظ سے آنکھیں دو جامِ خوں
قتال، بد مزاج و مہیب و سیہ دروں   یکتاش و خیلتاش سے بھی توش میں فزوں
تیغ و سناں میں رشکِ نریمان و گیو تھا
کہنے کو آدمی پہ حقیقت میں دیو تھا

۱۵۷ بعد از سلام بڑھ کے عمر نے کیا بیاں   آپ آئے کیا کہ آگئی مُردوں میں جان
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا وہ پہلواں   سرگرمِ کارزار ہے یہ کون سا جواں
عباسؑ ہے کہ فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
کی عرض اُس شقی نے کہ ابن الحسینؑ ہے

۱۵۸ کاٹے ہیں جیب سے دستِ علمدارِ نامور — سرگرم کارزار ہے یہ شاہ کا پسر
پُوچھا شقی نے "ہوئے گا سِن اس کا کس قدر؟"[1] — اُس نے کہا کہ "دیکھ لے تو آنکھ کھول کر"[2]
اٹھارھواں یہ سال ہے سِن کے حساب میں
سبزہ ابھی نمود ہے باغِ شباب میں

۱۵۹ بولا شقی کہ "فوج کا لڑکے سے ہے یہ حال — ٹوٹے ہیں مورچے صفِ لشکر ہے پائمال"
تب شمر نے کہا کہ "یہ ہیں شیرِ حق کے لال — طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بے مثال
سر پر ہو کون قہرِ خدا ہے وغا نہیں
اس پر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں

۱۶۰ ناری کے آگ لگ گئی سُن کر علیؑ کا نام — بولا بگڑ کے وہ کہ "مرے منہ پہ یہ کلام؟
پھر کیا اگر علیؑ کا خلف ہے یہ تشنہ کام — کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے
اتروں گا اب فرس سے سر اس کا اتار کے

۱۶۱ یہ کہکے پھر کیا کمرِ آہنی کو چُست — آلاتِ حرب تن پہ کیے سر بسر درست
سارے قویٰ قوی تھے مگر عقل سخت سُست — سر میں وہی غرور، وہی غرۂ نخست
کوڑا کیا فرس کی جو باگ اس نے پھیر کے
ہر صف میں غل ہوا کہ چلا منہ میں شیر کے

۱۶۱ آیا اڑا کے رخش وہ جس دم قریبِ زد — ہمشکلِ مصطفےٰؐ نے کہا "یا علیؑ مدد"
پشتی پہ ہوئے شیرِ الٰہی سا جس کا جد — ہوتا ہے کیا حریف کرے لاکھ جد و کد
دریائے موج خیز یہ تھے وہ حباب تھا
زہرہ شقی کا آنکھ ملاتے ہی آب تھا

۱۶۳ بڑھ کر ہٹالہ زکے جو سنبھلا وہ پُرغرور — بولے یہ مسکرا کے علی اکبرؑ غیور
آمد میں وہ شکوہ و تعلی وہ مکر و زُور — گرجا تھا اس قدر تو برستا بھی تھا ضرور
سرکش زمیں پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
نخلِ غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی

---

[1] ل۔ پُوچھا شقی نے سال و سِن اس کا ہے کس قدر
[2] ن۔ اس نے کہا جوان نہیں پورا یہ جگر

۱۶۴ مقدور پر بھی کرتے ہیں عاقل فروتنی — عاجز ہیں سب خدا کی مگر ذات ہے غنی
ہم سے زیادہ کون ہے تلوار کا دھنی — چلتے ہیں جھک کے صورتِ شمشیرِ آہنی
دیکھا نہ راستی کا مزہ کج ادائی میں
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں

۱۶۵ سب جانتے ہیں دستِ علیؑ کی صفائیاں — سرکیں نبیؐ کے سامنے کیا کیا لڑائیاں
عالم کے سرکشوں نے شکستیں اٹھائیاں — بدر و اُحد میں خون کی نہریں بہائیاں
مدحِ علیؑ رسولِ خدا کی زباں پہ ہے
لاسیف و لافتیٰ کی صدا آسماں پہ ہے

۱۶۶ "غرّہ ہمیں نہیں" تجھے دعویٰ ہے گر تو آ — تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
آمد تو دیکھی، جنگ کا بھی کچھ ہنر دکھا — مالک تجھے سقر میں بلاتا ہے جلد جا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

۱۶۷ تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرزِ گاؤ سر — اکبرؑ نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر
آیا ادھر سے گرز، ادھر سے چلا تبر — دو ہو گیا عمود، مثالِ خیارِ تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمیں پر گرا ہاتھ ٹوٹ کے

۱۶۸ بھالا سنبھالا دشمنِ ایماں نے مَل کے ہاتھ — نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
پہلے ہی تھک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ — بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور میں گر وہ زیادؔ تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا

۱۶۹ رکھ کر تبر، نیام سے لی تیغِ شعلہ در — تھرّا کے خود اماں نے صدا دی کہ "الحذر"
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر — یہ بھی ادھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی

۱۷۰ بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند — کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند — سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند

لہ ل۔ زیادہ

گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ گھٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے

۱۷۱ ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کماں میں تیر تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگِ مرگ سے کیوں کر ہو گوشہ گیر چلّہ کٹا کماں کا، زہے تیغِ بے نظیر!
قربان زور و ضربتِ نصرت نشان کے
کھل کر قفا سے بندھ گئے بازو کمان کے

۱۷۲ خادم نے تیر جوڑ کے دی دُوسری کماں نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ "ہاں"
سیسر ادھر اُٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں بھالے کی نوک جھونک نئی تھی، نئی تکاں
سہا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پہ
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پہ

۱۷۳ مطلع ہاں اے محیطِ طبع! روانی دکھا مجھے پیری میں زور شورِ جوانی دکھا مجھے
ہاں اے زباں! سیفِ زبانی دکھا مجھے اے نطق! آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دمِ تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

۱۷۴ مطلع اے تیغِ بادشاہِ نجف! شعلہ بار ہو اے شہسوار! مستعدِ کارزار ہو
اے برقِ طبع! کوند کے گردوں کے پار ہو اے سیف! خامۂ دو زباں شعلہ بار ہو
"ہاں!" معرکہ ہے، بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
چوٹیں تنی ہوں سب، کوئی مضمون لڑ نہ جائے

۱۷۵ ہاں غازیو! دکھاتا ہوں تصویرِ حرب گاہ غُل ہو درود کا عوضِ شورِ واہ واہ
تولے ہی تیغ اِدھر پسرِ شاہِ دیں پناہ آمادۂ نبرد اُدھر ہے وہ رُو سیاہ
دونوں کو معرکے میں تمنا ہے جنگ کی
باگیں اٹھی ہوئی ہیں کمیت و سرنگ کی

۱۷۶ دوزخ ادھر ہے، خلدِ بریں کا چمن اِدھر کانٹے اُدھر ہیں، لالہ رخ و گلبدن اِدھر
کافر اُدھر، شبیہِ رسولِ زمن اِدھر مرحب ہے اُس طرف، شہِ خیبر شکن اِدھر
باطل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے[1]
جو نار ہے وہ نار ہے پھر نور نور ہے

---

[1] شعر میں قرآنی آیت "قل جاء الحق و زہق الباطل ...."

۱۷۷ عاری ہیں تیغ زن شہِ مرداں کے سامنے گل ہیں چراغ مہرِ درخشاں کے سامنے
کیا سحرِ سامری بن عمراں کے سامنے کیا مور کی بساط سلیماں کے سامنے
آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے
حقا کہ سحر اور ہے اعجاز اور ہے

۱۷۸ دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار ڈھالوں کے پُرزے اُڑتے ہیں، وہ ہو رہے ہیں وار
طاؤس ہیں، ہرن ہیں، چھلاوہ ہیں راہوار لشکر ہے اک زباں کہ یہ جرأت ہے یادگار
غالب یہی ہیں گو وہ قوی تر ہے گیو سے
غل ہے کہ لڑ رہے ہیں یداللہ دیو سے

۱۷۹ بڑھتا ہے مثلِ تیغ اِدھر سے وہ نامور دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورتِ سپر
یُوں نعرہ زن ہے غیظ میں شبیرؑ کا پسر یہ اضطراب جنگ میں، ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رُخ سے جھلم کو اتار کر
او رُوسیاہ! آنکھ تو شیروں سے چار کر

۱۸۰ کٹ کٹ کے وار کرتا ہے پیہم وہ رُوسیاہ پر ان کی تیغ سے کہیں ملتی نہیں پناہ
روباہ وہ یہ لختِ دلِ ضیغمِ الٰہ جن کے غلام ملکِ شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہے برقِ شعلہ فشاں میغ کے لیے
تیغ ان کے واسطے ہے یہ ہیں تیغ کے لیے

۱۸۱ اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ چمک وہ بجلیاں سی کوندرہی تھیں تہِ فلک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر، چرخ پر ملک مثلِ علیؑ جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رخ پہ ہراس کچھ دمِ جنگ و جدل نہ تھا
تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۸۲ گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زُور لیکن کہاں چراغ، کہاں مہر دیں کو نور
او جھڑ سپر کی ہے جو اٹھائے سرِ غرور بولے تو موت کا بھی طمانچہ نہیں ہے دُور
سچ کہتے ہیں ہراس میں کیا زور چل سکے
پنجے میں شیر کے ہو تو کیونکر نکل سکے

ل ن - پسر

۱۸۳ شانہ کٹا سپر سے، بچایا جو اس نے سر ٹکڑے اُڑے جِلَم کے ہٹی منہ سے جیب پیر
چار آئینے میں جسم تو محفوظ تھا مگر سارا چِھدا ہوا تھا زِرہ کی طرح جگر
تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وُہ
تیغِ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

۱۸۴ خالی گئیں منچی ہوئی چوٹیں جو اُس کی سب منہ کو پھرا پھرا کے شقی کاٹتا تھا لب
تلوار کو اٹھا کے پکارا وہ شیر تب ہشیار او لعیں! اجل آئی ہے سر پہ اب
مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے
باقی ہو کچھ ہوس تو اُسے بھی نکال لے

۱۸۵ بولا سپر کو فرق پہ رکھ کر وہ پُر غرور پھنکتا ہے تن یہ دُھوپ سے، ہے پیاس کا وفور
میداں کُرہ ہے نار کا اے کبریا کے نور بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورتِ تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مہلت ملے تو پی لوُں مَیں پانی فرات سے

۱۸۶ تلوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام تُو نے سُنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تلوار روکنے کا نہیں، گرچہ یہ مقام پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام
فیّاض ہیں کریم ہیں ابنِ کریم ہیں
دُشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وُہ رحیم ہیں

۱۸۷ خنداں ہوئے شقی پہ لبِ تیغِ جاں گداز بڑھ کر زبانِ طعن، سناں نے بھی کی دراز
آواز دی کماں نے، زہے شانِ بے نیاز سوفار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز
ہے خوف ضربِ تیغ سے طالب پناہ کا
بولی سپر کہ "پھر گیا رُخ رُو سیاہ کا"

۱۸۸ لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب پیاسے تھے تین دن کے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب، چشم کے ساغر چھلک پڑے
اٹھا دُھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

۱۸۹ سیراب ہو چکا جو وہ سفّاک و بد گہر کی عرض کیجیے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب[۱] ہیں شہنشاہِ بحر و بر آبِ حیات ہو تو پئیں ہم نہ بے پدر

---

۱ ن - ہے

ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں
یہ آبِ نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

۱۹۰ شبیرؑ نے جو دُور سے دیکھا یہ ماجرا — دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
اے مرحبا! رسول کے ہمشکل مرحبا! — سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیوں کر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو
کیوں کر نہ ہو کہ ساقیِ کوثر کے لال ہو

۱۹۱ تسلیم کر کے شہ کو بصد عجز و انکسار — شلِ اسد شکار پہ آیا وہ شہسوار
نعرہ کیا کہ "او سگِ بزدل ستم شعار" — "ہاں" اب تو تازہ دم ہے اٹھا تیغ آبدار
ہنستا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو
پانی تو پی چکا ہے، بس اب آبرو نہ کھو

۱۹۲ سُن کر برس پڑا وہ جفا کار بد گہر — زد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہیِ ظفر — مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

۱۹۳ دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلواں — جبریل پَر اٹھا کے پکارے کہ الاماں
نکلی زمیں میں ڈوب کے شمشیرِ خونچکاں — تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
افلاک سے گزر گئی ساونت کی صدا
آئی خدا کے عرش سے احسنت کی صدا

۱۹۴ لڑتے تھے فوج سے کہ پڑی شاہ پہ نظر[1] — دیکھا، زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہِ بحر و بر
فریاد کی کہ "اے خلفِ سیّد البشر! — نزدیک ہے کہ یاس سے شق ہو دل و جگر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
کیجے دُعا کہ جلد شہادت نصیب ہو

۱۹۵ فرمایا شہؑ نے "اے علی اکبرؑ! ترے نثار — میں کیا کروں، نہیں مرا پانی پہ اختیار
کوثر پہ شیرِ حق کو تمہارا ہے انتظار — مظلوم باپ تم سے نہایت ہے شرمسار

---

[1] م - مُنہ پھیر کر حسینؑ کی جانب جو کی نظر

لائے کہاں سے دل کہ یہ صدمہ اٹھا سکے
تم مانگو اور حسینؑ نہ پانی پلا سکے"

۱۹۶ ڈیوڑھی پہ روئی بنتِ علیؑ سُن کے یہ کلام — روتی ہوئی نکل پڑیں سیدانیاں تمام
رانڈوں کے روکنے کو بڑھے اس طرف امام — گھوڑا اڑا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
سب طور تھا وغائے جناب امیرؑ کا
حملے نہ تھے غضب تھا خدائے قدیر کا

۱۹۷ قلب و جناح کے جو دلاور ہوئے تلف — گھبرا کے میمنہ پہ گری میسرہ کی صف
یہ غول اس طرف تو وہ مجمع تھا اس طرف — گویا کہ لڑ رہے تھے غضب میں شہِ نجف
یُوں حملہ ور تھے تیغ زنوں کی قطار پر
جاتا ہے شیر جیسے غزالوں کی ڈار پر

۱۹۸ آٹے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار — مابین راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
اب اُس طرف ہیں آپ، اِدھر فوجِ نابکار — غل ہے ادھر اب آنے نہ پائے یہ نامدار
نیزے ملا دو سینوں سے گھوڑوں کو پھیر کے
کشتہ کرو وہیں علی اکبرؑ کو گھیر کے

۱۹۹ روکی تمام فوج نے اک تشنہ لب کی راہ — گھوڑا اڑا کے بیچ میں آیا وہ رشکِ ماہ
ڈھالوں سے دشتِ کیں تھا کئی کوس تک سیاہ — تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
لاکھوں سے معرکے میں کوئی یُوں لڑا نہیں
غل تھا عرب میں رَن کبھی ایسا پڑا نہیں

۲۰۰ گردوں پہ تھی صدائے چکاچاک تیغ و تیر — ڈوبا[1] تھا خوں میں سب شہِ دیں کا مہِ منیر
فرماتے تھے جو رُکتا تھا اسپِ فلک سریر — اب ہم بھی ہیں تمام، لڑائی بھی ہے اخیر
زخموں سے تو بھی چُور ہے اور ہم بھی چُور ہیں
افسوس بس یہی ہے کہ بابا سے دُور ہیں

۲۰۱ مطلع نکلا پرے سے شیشِ ربیعی جفا شعار — ہمراہ تھے شقی کے کماندار دس ہزار
تیروں کا مینہ برس گیا پیاسے پہ ایک بار — راکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار

---

[1] ل۔ ڈوبا ہوا تھا

اڑ اڑ کے طے جو کرتا تھا راہِ ثواب کو
غل تھا کہ پَر خدا نے دیے ہیں عقاب کو

۲۰۲ نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وُہ جناب — تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گرد آفتاب
ڈوبا لہو میں لٹنے لگا گلشنِ شباب — روتے تھے خوں کے آنسوؤں سے دیدۂ رکاب
مجروح شیر بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے جھوم جھوم کے

۲۰۳ طے کر کے معرکہ یہ پھرے تھے کہ ناگہاں — چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
دل توڑ کر، انی جو ہوئی پشت سے عیاں — نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
ٹکڑے کبد کے خوں کے ڈریڑوں میں بہہ گئے
گھوڑے پہ "یا علیؑ ولی" کہہ کے رہ گئے

۲۰۴ سینہ دھرے تھے زیں پہ ایالِ فرس پہ سر[1] — چھوٹی تھی لٹکے ہاتھوں سے نہ تیغ نہ سپر
اٹکا ہوا تھا پسلیوں کے بیچ میں جگر — لختے جمے ہوئے تھے لہو کے اِدھر اُدھر
تڑپاتا تھا جو گھوڑے پہ صدمہ تکان کا
غُل تھا کہ دم نکلتا ہے کڑیل جوان کا

۲۰۵ چلّا رہا تھا یوں پسرِ سعد رُو سیاہ — ابنِ نمیر! کیا ترا نیزہ چلا ہے واہ
ہم میں کسی سے قتل نہ ہوتا یہ رشکِ ماہ — بیکس حسینؑ ہو گئے دنیا ہوئی تباہ
کر دے خبر کوئی علی اکبرؑ گزر گئے
دیکھو تڑپ رہے ہیں کہ شبیرؑ مر گئے

۲۰۶ بڑھ کر پکارا شمرِ ستمگار و بد خصال — اے ابنِ فاطمہؑ خلفِ شیرِ ذوالجلال
جلد آکے دیکھیے پسرِ نوجواں کا حال — لاشہ سُموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
جو حملہ ور تھا تیغِ دو دم تول تول کے
دم توڑتا ہے اب وہی منہ کھول کھول کے

۲۰۷ پہونچی یہ جاں گزا جو صدا گوشِ شاہ میں — دنیا سیاہ ہو گئی شہؑ کی نگاہ میں
دوڑے گرے اٹھے کئی جا اتنی راہ[2] میں — آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں

---

[1] نسخہ ۔ زیں پہ تو زخمی سینہ تھا ایال فرس پہ سر
[2] ل ۔ "راہ" ندارد

چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اس طرح
بچے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

۲۰۸ دَوڑے گئے اِدھر کبھی، جھپٹے اُدھر کبھی — بن میں کبھی تھے رَن میں کبھی، نہر پر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی — کی مُڑ کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
تشویش تھی کہ مادرِ اکبرؑ نکل نہ آئے
خیمے سے بنتِ فاطمہؑ باہر نکل نہ آئے

۲۰۹ چلاتے تھے کہ "اے علی اکبرؑ! کدھر ہے تُو؟ — مرتا ہے باپ اے مِرے دلبر! کدھر ہے تو؟
کچھ سُوجھتا نہیں ہے یاور! کدھر ہے تو؟ — دن ہے کہ رات، اے مہِ انور! کدھر ہے تو؟
آباد گھر حسینؑ کا تاراج ہو گیا
خورشید دوپہر سے غروب آج ہو گیا

۲۱۰ بیٹا! ضعیف باپ کدھر ڈھونڈھنے کو جائے — بچھڑے پدر سے عین جوانی میں ہائے ہائے
دشمن کو بھی خدا نہ فراقِ پسر دکھائے — پھر بابا جان کہہ کے پکارو تو چین آئے
مرنے کی جس کی فصل تھی اس نے قضا نہ کی
واحسرتا! کہ عمر نے تم سے وفا نہ کی

۲۱۱ ناگہ صدا یہ آئی کہ بابا ادھر ہُوں میں — اے نخلِ باغِ فاطمہؑ! زیرِ خنجر[1] ہُوں میں
خالق سے لو لگی ہے، چراغِ سحر ہُوں میں — جلد آئیے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
دردِ جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

۲۱۲ دوڑے حسینؑ سُن کے یہ آوازِ دردناک — دامن تھا سب قمیصِ تنِ یوسفی کا چاک
فرزند لوٹتا نظر آیا، برُوئے خاک — بس گر پڑے پسر کے برابر امامِ پاک
تڑپا جو دل تو لختِ جگر سے لپٹ گئے
رُوحی فداک کہہ کے پسر سے لپٹ گئے

۲۱۳ دیکھا کہ جسم سرد ہے، بے حس ہیں دست و پا — دم ہے مگر حباب میں ہو جس طرح ہوا
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ کربلا — کیوں! بابا جان کہو "گزرتی ہے دل پہ کیا"

---

[1] م۔ شجر

۲۱۴ سر پیٹ کے امام پکارے کہ "ہائے ہائے" — بیٹا! حسینؑ ڈھونڈ کے پانی کہاں سے لائے"
جان اپنی دے کے لوں اگر اک جام ہاتھ آئے — اے نورِ عین! پیاس تمھاری خدا بجھائے
سیّد سے بغض ہے سپہرِ بد صفات کو
گھیرے ہوئے ہیں خون کے پیاسے فرات کو

۲۱۵ آنسو بہے یہ سنتے ہی اس رشکِ ماہ کے — چاہا کہ مل لے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کروٹ امامِ دیں کی طرف لی کراہ کے — کھولا جو منھ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
اینٹھی زباں تو ہونٹھ بھی تھرا کے رہ گئے
گیسو زمینِ گرم پہ بل کھا کے رہ گئے

۲۱۶ جھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا! کدھر گئے؟ — غش آگیا ہے دردِ جگر سے کہ مر گئے
باتیں بھی کچھ نہ کیں کہ جہاں سے گزر گئے — چلتے تھے ہم بھی اور نہ دم بھر ٹھہر گئے
یُوں قافلے سے چھُوٹ کے شبّیرؑ رہ گیا
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

۲۱۷ سمجھے تھے ہم نبھے گا نہ پیر و جواں کا ساتھ — پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ
غربت میں کون دے پدرِ ناتواں کا ساتھ — واحسرتا کہ چھُوٹ گیا کارواں کا ساتھ
خیر آگے آگے جاتے ہو تم آسرا تو ہو
گو ہم شکستہ پا ہیں پہ سر پہ خدا تو ہو

۲۱۸ آگے تمھارے مر نہ گئے ہم، ہزار حیف! — نکلا نہ اب بھی تن سے مرا دم، ہزار حیف!
تم نے کِیا نہ باپ کا ماتم، ہزار حیف! — یہ عمر اور یہ الم و غم، ہزار حیف!
گھر جس کے دم سے ہو وہ سعادت نشاں مرے
قدرت خدا کی پیر جئے نوجواں مرے

۲۱۹ تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بیٹے کی لاش پر — اس سانحہ کی ہو گئی رانڈوں کو بھی خبر
اک غل اٹھا حرم سے کہ ہے ہے مرے پسر — بچّوں کو لے کے بی بیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبرِ دست و پا نہ تھی
سر پہ کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

۲۲۰ سب بی بیوں میں ایک ضعیفہ کا تھا یہ حال — خم تھا کمر میں، دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپ بسملوں کی چال — چلّاتی تھی کدھر ہے ارے میرے نونہال!
دیتی ہوں واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ مجھے بتا دے کوئی قتل گاہ کا

۲۲۱ کچھ سُوجھتا نہیں مجھے مقتل ہے کس طرف — زخمی ہے جس میں شیر وہ جنگل ہے کس طرف
جس میں چھپا ہے چاند وہ بادل ہے کس طرف — لوگو! شبیہِ احمدِ مرسل ہے کس طرف
ماں کا پیام کچھ اُسے دینے کو آئی ہوں
اپنے مرادوں والے کے لینے کو آئی ہوں

۲۲۲ ہے ہے کدھر ہے گیسوؤں والا پسر مرا؟ — جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا؟
کس خاک پہ تڑپتا ہے لختِ جگر مرا؟ — کس نخل کے تلے ہے وہ نورس ثمر مرا؟
پیٹوں گی بَین کر کے تنِ پاش پاش پر
بٹھلا دو ہاتھ تھام کے اکبرؑ کی لاش پر

۲۲۳ لُوٹا اجل نے میرے بھرے گھر کو ہے غضب — خُوں میں ڈبو دیا مہِ انور کو ہے غضب
پرزے کیا شبیہِ پیمبرؐ کو ہے غضب — برچھی لگی مرے علی اکبرؑ کو ہے غضب
اس عمر میں یہ نخلِ جوانی کا پھل مِلا
بستی مِری لُٹی، تجھے کیا اے اجل ملا

۲۲۴ اے میرے خوش بیاں! مجھے اپنی صدا سنا — اے میرے نوجواں! مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے تن کی جاں! مجھے اپنی صدا سنا — اے میرے قدرداں! مجھے اپنی صدا سنا
عاشق کے دل کو صبر کہاں ہے فراق میں
گھر سے نکل پڑی ہوں ترے اشتیاق میں

۲۲۵ اے پیچدار گیسوؤں والے! ترے نثار — اے یادگار گیسوؤں والے! ترے نثار
اے مشکبار گیسوؤں والے! ترے نثار — اے میرے چار گیسوؤں والے! ترے نثار
دُنیا سیاہ ہوگئی رستہ پہاڑ ہے
جنگل بسا ہُوا ہے مرا گھر اجاڑ ہے

۲۲۶ اے میرے گلبدن! مرے ابرو کماں جواں — اے میرے کم سخن! مرے شیریں بیاں جواں
اے میرے صف شکن! مرے حیدر نشاں جواں — اے میرے تیغ زن! مرے شیرِ ژیاں جواں
لاکھوں سے معرکہ طپشِ آفتاب میں
دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں

۲۲۷ وہ بھینی بھینی تن کی مجھے بُو سنگھاؤ پھر — ماں صدقے جائے تنتے ہوئے گھر میں آؤ پھر
کھل جائے ماں کا غنچۂ دل مُسکراؤ پھر — جی بھر کے میں گلے سے لگالوں تو جاؤ پھر

غربت میں شوق سے شہِ والا کا ساتھ دو
مجھکو بٹھا کے پردے میں بابا کا ساتھ دو

۲۲۸ گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یُوں کہا — بی بی یہ کون سی ہے جو نکلی ہے بے رِدا
مریمؑ ہے یا خدیجہؑ ہے یا بنتِ مصطفےٰؐ — بولا وہ کانپ کر کہ "قیامت ہوئی بپا
خواہر حسینؑ کی ہے نواسی نبیؐ کی ہے
منہ پھیر لے اسے یہی بیٹی علیؑ کی ہے"

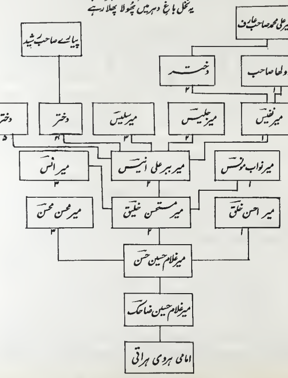
۲۲۹ لکھتا ہے ایک راویِ غمگین و دل کباب — تھی دشتِ بے نوا میں وُہ بی بی جو بے نقاب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامنِ سحاب — گیتی کو زلزلہ تھا، زمانے کو اضطراب
گر گر کے آشیانوں سے طائر پھڑکتے تھے
چنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پٹکتے تھے

۲۳۰ اس حشر میں جو شہؑ نے بہن کی سنی صدا — جلدی اٹھا کے لاش چلے شاہِ کربلا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینبؑ برہنہ پا — رو کر پکارے وا عجبا وا مصیبتا
سر ڈھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
گھر میں چلو بہن! علی اکبرؑ خفا نہ ہو

۲۳۱ اب روک لے کمیتِ قلم کی عناں انیسؔ — بزمِ عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیسؔ
پیری ہے یہ سفر کا ہے دھیان ہاں انیسؔ — کیا جانئے روانہ ہو کب کارواں انیسؔ
خیمے مسافرانِ عدم نے نکالے ہیں
جس قافلے میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں

میر انیسؔ کا شجرہ

یارب! مرا نہالِ تمنا ہرا رہے
یہ نخلِ باغِ دہر میں پھولا پھلا رہے



میر انیس ——— مختصر تعارف

سیّد مسعود حسن رضوی

میر انیسؔ خاندانی شاعر تھے۔ ان کے خاندان میں شاعری کئی پشتوں سے چلی آتی تھی، ان کے مورثِ اعلیٰ میر امامی شاہجہاں کے عہدِ سلطنت میں ایران سے ہندوستان آئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت سہ ہزاری ذات کے منصب پر فائز ہوئے۔ وہ طبیعت کی موزونی سے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی لیکن دہلی کے مستقل قیام سے وہ ہندوستانی زبان سے متاثر ہوتی رہی اور دو نسلوں کے بعد ان کی اولاد کی زبان دہلی کی فصیح و شستہ اردو ہوگئی۔ ان کے پروتے میر ضاحک اردو کے صاحبِ دیوان شاعر ہوئے۔ ذیل کے دو شعروں سے ان کی زبان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:—

در پیش اگر روزِ اجل آہ نہ ہوتا — قصہ تھا محبت کا، یہ کوتاہ نہ ہوتا
کیا دیجیے اصلاح خدائی کو وگرنہ — کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

ذیل کی رباعی بتاتی ہے کہ ان کو فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا:—

فریاد وِلا! کہ غم گساراں رفتند — سیمیں بدناں و گل عذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار — در خاک چو قطرہ ہائے باراں رفتند

میر ضاحکؔ اور مرزا سوداؔ میں جو ہجو بازی ہوتی رہتی تھی، اس کا ذکر تقریباً ہر تذکرہ نویس نے کیا ہے۔

میر ضاحکؔ کے فرزند میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے اور جوانی میں اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا تو میر حسن لکھنؤ چلے آئے۔ ان کا انتقال یکم محرم ۱۲۰۱ھ کو ہوا۔ اُردو میں سیکڑوں مثنویاں کہی گئیں لیکن میر حسن کی مثنوی سحر البیان کا جواب نہ ہوسکا۔ وہ غزل بھی بہت اچھی کہتے تھے۔ ان کی ایک غزل کے تین شعر سنیے:—

مجھ میں اور دل میں سدا ہے سبق عشق کا درس — میں سناتا ہوں اسے اور وہ سناتا ہے مجھے
یاد ہیں کس کی کردں، مجھ کو کہاں ہوش و حواس — اپنی ہی یاد سے یہ عشق بھلاتا ہے مجھے
اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں — کوئی مجھ میں ہے کہ مجھ سے لیا جاتا ہے مجھے

میر حسنؔ کے تین بیٹے خلقؔ، خلیقؔ اور مخلوقؔ شاعر تھے۔ خلقؔ اور خلیقؔ صاحبِ دیوان تھے۔

میر انیسؔ کے والد میر مستحسن خلیقؔ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور آخر عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ میر حسنؔ نے ان کے کلام کی اصلاح شیخ مصحفیؔ سے متعلق کردی۔ اُنھوں نے غزلوں کا ایک پورا دیوان کہہ ڈالا۔ بعد کو مرثیہ گوئی کی طرف

توجہ کی اور آخر عمر تک اسی شغل میں مصروف رہے۔ خلیقؔ غزل گوئی کے میدان میں کچھ زیادہ نہ چمکے، مگر مرثیہ گوئی نے ان کا نام خوب روشن کیا۔

شبلی نے 'موازنۂ انیس و دبیر' میں، عبدالسلام نے 'شعرالہند' میں، حامد حسن قادری نے 'تاریخ مرثیہ گوئی' میں اور ابواللیث صدیقی نے 'لکھنؤ کا دبستانِ شاعری' میں لکھا ہے کہ خلیقؔ کے مرثیے دستیاب نہیں ہوتے۔ لیکن میرے عظیم ذخیرۂ مراثی میں خلیقؔ کے پونے دو سو مرثیے موجود ہیں۔

میر خلیقؔ کے ہم عصروں میں تین مرثیہ گو اور بھی تھے یعنی میر ضمیرؔ، میاں دلگیرؔ اور مرزا فصیحؔ۔ خلیقؔ کا پایہ مرثیہ گوئی میں کسی سے نیچا نہ تھا اور مرثیہ خوانی میں سب سے اونچا تھا۔ وہ جب مرثیہ پڑھتے تھے تو چشم و ابرو کے اشاروں، اعضا کے مناسب حرکات سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ ۱۲۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

میر خلیقؔ کے تین بیٹے تھے۔ انیسؔ، انسؔ، مونسؔ۔ تینوں بلند پایہ شاعر اور نامور مرثیہ گو ہوئے۔ لیکن میر انیسؔ نے مرثیے کو اس بلندی پر پہنچا دیا جہاں کسی دوسرے شاعر کی رسائی ممکن نہ ہوئی۔

میر انیسؔ اپنی وضع اور اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ ورزش کا شوق تھا۔ شہسواری، شمشیر زنی، بنوٹ وغیرہ میں مشاق تھے۔ ان کا قد میانہ مائل بہ درازی تھا۔ ورزش کی وجہ سے جسم ٹھوس اور اعضا چست و متناسب تھے۔ چھریرا بدن، چوڑا سینہ، صراحی دار گردن، خوب صورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں اور گیہواں رنگ تھا۔ مونچھیں ذرا بڑی رکھتے تھے اور داڑھی اتنی باریک کترواتے تھے کہ دُور سے مُنڈی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

میر صاحب نہایت وضع دار آدمی تھے۔ حباب کی شکل میں چوگوشیا ٹوپی، نیچا گھیردار کُرتا، ڈھیلی مُہری کا پائجامہ، دُر گھیلا جوتا بالعموم پہنتے تھے۔ ان کے زمانے کے ذی علم اور ثقہ، شرفا اور صلحا کا یہی لباس تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رومال بھی ضرور ہوتا تھا۔

میر انیسؔ کے پردادا میر ضاحکؔ، دادا میر حسنؔ، والد میر خلیقؔ اور دو چچا میر خلقؔ اور میر مخلوقؔ سب شاعر تھے۔ اس طرح میر انیسؔ کو شاعری اپنے بزرگوں سے میراث میں ملی تھی اور ان کی نشو و نما شاعری کی فضا میں ہوئی تھی۔

میر انیسؔ کا آبائی اور خاندانی مذہب شیعہ تھا۔ خدا کی خدائی اور محمدؐ کی پیغمبری کے تو سب مسلمان قائل ہیں لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے مسئلے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جس نے مسلمانوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا جو شیعہ اور سُنّی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ شیعوں کے خیال میں رسولؐ کے پہلے خلیفہ یعنی روحانی جانشین ان کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ تھے۔ ان کے بعد خلافت انھیں کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی۔ رسولؐ کے یہ جانشین جن کی تعداد بارہ ۱۲ ہے، امام کہلاتے ہیں۔

خوش عقیدہ شیعوں کے نزدیک اماموں کو ظاہری موت کے بعد بھی ابدی زندگی حاصل ہے۔ معجزہ یعنی خرقِ عادت ہر وقت ان کے امکان میں ہے۔ ان کی دُعا سے مریض تندرست اور مُردے زندہ ہو سکتے ہیں۔ اصولاً سب اماموں کا مرتبہ

برابر ہے لیکن عملاً شیعوں کے دل میں پہلے امام حضرت علیؑ کی جس قدر عظمت ہے اور تیسرے امام حضرت حسینؑ ابن علیؑ کی جتنی محبت ہے اُتنی کسی اور کی نہیں ہے۔ انھیں امام حسینؑ کو بادشاہِ وقت یزید کی فوج نے انتہائی شقاوت اور بے رحمی سے تین دن کی بھوک اور پیاس میں تمام عزیزوں اور رفیقوں سمیت کربلا کے میدان میں شہید کر دیا۔ کربلا کا یہی المیہ مراثی انیس کا خاص موضوع ہے۔

میر انیس کی علمی استعداد[۱]

شیخ محمد جان عروج فیض آبادی ایک ذی علم شاعر اور نظم و نثر کی چند کتابوں کے مصنّف تھے۔ مرثیہ بھی کہتے تھے۔ میر انیس اور مرزا دبیر دونوں کو خدائے سخنوری مانتے تھے اور دونوں کی ہم نشینی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ ان کا بیان ہے؛

"میر صاحب قبلہ (میر انیس) کی حیثیت علمی مایحتاج اعلیٰ درجے کی تھی۔"[۲]

خان بہادر میر علی محمد شاد عظیم آبادی کی قابلیت و وسعتِ نظر، قوتِ شاعری اور کثرتِ تصانیف کا حال کس کو معلوم نہیں۔ مرزا دبیر سے بہ خوبی واقفیت اور عقیدت رکھتے تھے۔ میر انیس کی زیارت اور ہم کلامی کا فخر بھی حاصل تھا۔ لکھتے ہیں؛

"میر صاحب مرحوم عربی و فارسی زبان سے بھی بہت اچھی طرح واقف اور شاعری کے سب فنون میں طاق تھے۔ اُن کو اُستادوں کے کلام اس قدر یاد تھے کہ ایک مثال کے لیے کئی کئی شعر پڑھ دیتے تھے۔"[۳]

سید امجد علی اشہری نے انھیں شاد مرحوم کے ایک خط کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ فلسفے کی مشہور درسی کتاب 'صدرا' کی ایک عبارت پر بحث ہو رہی تھی۔ میر انیس سے استصواب کیا گیا۔ اُنھوں نے وہ عبارت زبانی پڑھ دی اور اس مشکل مقام کو اس خوبی سے حل کر دیا کہ سُننے والے دنگ رہ گئے۔ یہ بھی لکھا ہے:

"لکھنؤ میں میر انیس کو عالمانہ درجے میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ لیکن ان کی معلوماتِ علمیہ کا سب کو اقرار ہے ..... میر صاحب کو بہ نسبت منقولات کے معقولات سے زیادہ دلچسپی تھی .... میر صاحب کی مختصر لائبریری میں علم و فن کی ضروری کتابیں جمع تھیں جو سب کی سب ان کی نظر سے گزر چکی تھیں۔"[۴]

مولانا علی حیدر صاحب نظم طباطبائی تحریر فرماتے ہیں:

"میر صاحب کے کلام سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ علومِ متعارفہ سے ناواقف نہ تھے۔"[۵]

میر انیس کے حقیقی نواسے میر سید علی صاحب مانوس جو سید صاحب کے نام سے معروف ہیں اور نو دس برس کے سن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک میر انیس کے ساتھ رہے، ان کا بیان ہے کہ میر انیس کے کتب خانے میں کوئی دو ہزار کتابیں

---

۱ مطبوعہ ماہنامہ ادب، لکھنؤ۔ جنوری ۱۹۳۱ء ۲ تردید موازنہ ص ۱۰ ۳ نوائے وطن ص ۴۴ ۴ حیاتِ انیس ص ۱۹، ۲۰
۵ مراثی انیس جلد دوم، مرتبہ حضرت نظم طباطبائی، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ص ۵۲۰

ہوں گی۔ وہ بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کو خوب یاد ہے کہ غدر کے بعد میر انیسؔ نے 'شاہنامہ فردوسی' کا ایک عمدہ نسخہ مطلا، مصور، بخطِ ولایت دو سَو روپے کا خریدا تھا۔

راقم مضمون نے بھی میر انیسؔ کے کتب خانے کی ایک کتاب کی زیارت کی ہے یعنی 'نفس اللغۃ' جس کا ایک حصہ خود میر انیسؔ کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا[1] ہے۔ یہ لغت خاندانِ انیسؔ کے ایک ممتاز رکن سید ظفر حسین صاحب عرف بابو صاحب[1] فائقؔ کے پاس موجود ہے۔ جناب مانوسؔ کا بیان ہے کہ "غدر کے بعد جس زمانے میں میر انیسؔ کا قیام پنجابی ٹولہ میں تھا، تو وہیں اس کتاب کو نقل کیا کرتے تھے"

مندرجۂ بالا مختصر بیانات کے علاوہ میر انیسؔ کی علمی استعداد کا حال میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن ان کی تصنیفیں اور تحریریں ان کی قابلیت اور معلومات کی وسعت پر شہادت دے رہی ہیں۔ میر انیسؔ کو فطرت نے ذوقِ سلیم عطا کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اظہارِ قابلیت کی ہوس ادبیت کی دشمن ہے اس لیے وہ بڑے بڑے لغات، غیر مانوس ترکیبیں، عربیت اور فارسیت کا غلبہ، اصطلاحاتِ علمیہ، مسائلِ حکمیہ، ان چیزوں سے لوگوں پر اپنی قابلیت کا دباؤ ڈالنا اور ادبیت کا خون کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ان کو جیسے جیسے زبان پر قدرت، نظم کی مشق اور ادبیت میں پختگی حاصل ہوتی گئی اتنا ہی ان کی کتابی معلومات کا اظہار ان کے کلام میں کم ہوتا گیا۔ چنانچہ علمیت اور عربیت جس قدر ان کے ابتدائی کلام میں ہے، آخری کلام میں نہیں ہے۔

انیسؔ کی علمی استعداد کے بارے میں مَیں ان کے کلام سے جو کچھ اخذ کر سکا ہوں وہ ذیل میں دفعہ وار لکھتا ہوں۔

ا ——— میر انیسؔ عربی زبان بہ خوبی جانتے تھے۔ اس دعوے کی دلیلیں یہ ہیں:

(۱) وہ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برمحل استعمال کرتے ہیں۔ اگر عربی میں پوری مہارت نہ ہوتی تو ان کے استعمال میں ضرور غلطی ہو جاتی۔ مثلاً:

ع جوہر میں انا سیف یدُ اللہ لکھا تھا
ع حُر پکارا بابی انت و اُمّی یا شاہ
ع اے خداوندِ جہاں! خُذ بِیَدی خُذ بِیَدی
ع صَلّوا علی النّبی کی بیاباں میں دُھوم ہے
ع اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمُہُ اللہ
ع کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
ع کیا خوب لڑے سلّمک اللہ برادر
ع العظمۃُ لِلّٰہ کی صدا برق سے نکلی

[1] اب یہ لغت جناب فائقؔ کے فرزند سید اصغر حسین کے پاس کراچی میں موجود ہے۔

ع اے مددگار و مُعینُ الضعفا ادرکنی
ع ہنس کر طوبےٰ لکم علیؑ کہتے تھے
ع عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار
ع سمعاً وطاعةً نہیں طاقت کروں جواب
ع عباسؑ چلے کہہ کے توکّلتُ علَی اللّٰہ
ع چلّائیو نہ اَینَ اَبِیْ کہہ کے بار بار
ع خالق کی یاد سِرًّ و عَلَن چاہیے تمھیں
ع اَلعَظمَةُ لِلّٰہِ تقدّس و تعالیٰ
ع مصباحِ دیں سراجِ مبیں ھادِی الھدا
ع ھَلْ مِنْ مبارِز کی جو اعدا میں تھی پکار
ع نکلے ہر صف سے جوانانِ قوی الھیکل
ع ہونے لگا سوار جو وہ مالک الرّقاب
ع یا غافِرُ المَعَاصِیْ وَیا وَاھِبُ العَطَا
ع اکبرؑ جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل کے
ع ہے بے نیاز دھن وعصا ہے شمع طور
ع اس عزو اعتلا پہ زباں بھی رکی ہوئی
ع کس کو نہیں معلوم تہِ چرخ مقرنس
ع قدموں پہ آنکھیں مل کے کہا رُوْحِنَا فِدَاك
ع رُوحِیْ فِدَاكَ اے قمرِ برج ھَل اَتیٰ
ع قلبی لدیك اے گہرِ تاج لافتا

اُوپر کی مثالوں میں جو لفظ، فقرے اور جملے خطِ نسخ میں لکھے ہوئے ہیں اُن سے انیسؔ کی عربی دانی ظاہر ہوتی ہے۔

ب ——— عربی صرف ونحو اور معنی و بیان کے مسائل ان کو مستحضر تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں جا بجا ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ صرف ونحو کی کتابوں کے نام بھی ان کے کلام میں موجود ہیں۔ مثلاً:

ع جملے ہیں وہی صاف وہی شرط وجزا ہے
ع مصدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علی ہے
ع فقرے ہیں مبتدا کے خبر کی خبر نہیں

ع وہ سینہ جس کو مصحفِ اکبر مشبہ بہ

ع لو کو فیو! گرا دیا حرفِ ثقیل کو

حرفِ ثقیل کا گرنا عربی قواعد کا ایک مسئلہ ہے۔"کوفیو" کا لفظ لاکر شاعر نے عربی نحویوں کی دو جماعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو 'کوفی' اور 'بصری' کہلاتی ہیں۔

ع بنتی تھی نفی کفر کی خاطر 'بلا' کبھی

عربی میں حروف نفی کئی ہیں۔ اُن میں سے ایک "لا" بھی ہے۔ جب نفی کے لیے یہ حرف لاتے ہیں تو اس کو "نفی بلا" کہتے ہیں۔

ع وہ نور کی مصباح ہے یہ صاحبِ ضو ہیں

ظاہر ہے کہ اس مصرع میں 'مصباح' سے چراغ اور 'ضو' سے روشنی مراد ہے۔ مگر مصباح عربی نحو کی ایک کتاب ہے جس کو ناصر نحوی (متوفی ۶۱۰ھ) نے تصنیف کیا اور ضو، مصباح کی شرح مفتاح کا خلاصہ ہے جو خود مفتاح کے مصنف تاج الدین اسفرائنی نے تیار کیا۔ (کشف الظنون جلد دوم مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۱ھ صفحہ ۴۴۸ و ۴۴۹) ان دونوں کتابوں میں جو قریبی تعلق ہے شاعر اس سے ضرور واقف ہے اور 'مصباح' اور 'ضو' کے لفظ قریب قریب لا کر ایک طرح کا ایہام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس ایہام میں لفظ 'صاحب' سے بھی کام لیا گیا ہے کیونکہ 'صاحبِ ضو' کے معنی مصنفِ ضو بھی ہو سکتے ہیں۔

ج ——— عربی اقوال و امثال کا ترجمہ بھی انیس کے کلام میں ملتا ہے۔ مثلاً:

ع جا، ماں تری ماتم میں ترے سوگ نشیں ہو

یہ مصرع ترجمہ ہے اس بددعا کا "ثکلتك اُمُّكَ"۔

ع بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

اشارہ ہے اس قول کی طرف "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ"۔

د ——— شعرائے عرب کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

کیونکر بیاں ہو شوکتِ شانِ پیمبریؐ
عاجز ہیں یاں فرزدق و حسّان و حمیریؔ

فرزدق، حسّان اور حمیری تینوں عربی کے نامور شاعر اور رسول یا آلِ رسول کے مدّاح تھے۔

ہ ——— میر انیس کی عربی دانی کا ایک خاص ثبوت یہ ہے کہ ان کے کلام میں کہیں کہیں عربی کا اندازِ بیان موجود ہے۔ مثلاً:

ع فرزند ہوں میں مشعر و رکن و مقام کا

ع دل بنو کمہ و عرفات و منا ہوں میں

ع احساں کا یہ عوض ہے کہ احساں کیجیے

ے

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں — حساّن و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں

شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں — قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

(۲) میر انیس قرآن و حدیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات و احادیث، اُن کے ترجمے، ان کی طرف اشارے، تفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام، راویوں کے حوالے یہ سب چیزیں ان کے کلام میں موجود ہیں جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے ظاہر ہوگا:

ع کس کو اکملت لکم دینکم ارشاد کیا

ع شرح جعل الشمس ضیاءً تھی ہویدا

ع وہ خوں سے بھرے فاعتبروا یا اولی الابصار

ع اے قوم اذا زلزلت الارض یہی ہے

پوری آیت یہ ہے: اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَہَا۔

ع آثارِ اِذَا زُلزِلَتِ الاَرض عیاں ہوں

ع غَضَبَ اللّٰہُ عَلَیہِم کے عیاں تھے آثار

ع لب پر فسیکفیکہم اللہ کی آیت

ع محبوب کبریا کی صدا ہے کہ لا تخف

اشارہ ہے اس آیت کی طرف: "لَا تَخَفُ وَلَا تَحزَنُ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔

ع یٰسین میں کہا ہے امام مبیں کسے

اشارہ ہے اس آیت کی طرف: "کُلَّ شَیءٍ اَحصَینَاہُ فِی اِمَامٍ مُّبِین"۔

ع نصِّ مباہلہ ہے کہو کس کی شان میں

آیۂ مباہلہ یہ ہے: "قُل تَعَالَوا نَدعُ اَبنَآءَنَا وَ اَبنَآءَکُم وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُم وَ اَنفُسَنَا وَ اَنفُسَکُم"۔

ع ہے اَنفُسَنَا اَنفُسَکُم کس سے اشارہ

اس مصرعے میں آیۂ مباہلہ کی طرف اشارہ ہے۔

ع آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر وَاِن یَکَاد

پوری آیت یہ ہے: "وَاِن یَکَادُ الَّذِینَ کَفَرُوا لَیُزلِقُونَکَ بِاَبصَارِہِم"۔

ع تھا خوف نجوم انکدرت چرخِ بریں کو

پوری آیت یہ ہے: وَاِذَا النُّجُومُ انْکَدَرَتْ۔

ع کس کی ثنا ہے سورہ والعادیات میں

ع ہے کون مراد آیۂ لَا اَسْئَلُکُمْ سے

اشارہ ہے اِس آیت کی طرف: قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔

س کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا

اتممت علیکم کا بلا ہے کسے پایا

پوری آیت یہ ہے: اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

س شمس الضحیٰ اسی رُخِ نیکو کا وصف ہے

وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی اسی گیسو کا وصف ہے

ع جو رطب و یابس اس میں ہے سب ان کو یاد ہے

اشارہ ہے اس آیت کی طرف: لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

ع اوتاد و آراضی عرب ہل گئے یک بار

ع قوسین کا ہے فرق جہاں رتبہ ادنیٰ

اس آیت کی طرف اشارہ ہے: فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

س الفت کو، محبت کو، مودت کو بھی بھولے

سب ایک طرف اجر رسالت کو بھی بھولے

اس آیت کی طرف اشارہ ہے: قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔

س اقرب ہے رگِ جاں سے اور اس پر یہ بُعد

اللہ اللہ کس قدر دُور ہے تو

پہلے مصرع میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْکُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

اب کچھ مثالیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جن میں کسی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ع شمشیر شرع عارف اسرار مَنْ عَرَفَ

ع فرزند صاحب شرف مَنْ عَرَفَ ہوں میں

اوپر کی دونوں مثالوں میں حضرت علیؑ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔

ع اصحاب خاص گرد تھے انجم کی طرح سب

رسولؐ کا قول ہے: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ۔

؎ کریم مجھ کو عطا کردہ فقر دُنیا میں
کہ جس کو فخرِ رسالت مآب سمجھے ہیں

رسولؐ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔"

ع افضل ہے دو عالم کی عبادت سے یہ اک وار

رسولؐ کی حدیث ہے: ضَرْبَۃِ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔"

ع اس پر حدیث نفسك نفسی گواہ ہے

انیسؔ نے اپنے بعض اشعار میں آیات قرآنی و احادیث نبویؐ کا ترجمہ بھی کر دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ نظم میں لفظی ترجمہ تقریباً محال اور اصل عبارت میں جزوی تغیر ناگزیر ہے۔ اس لیے ذیل کی مثالوں میں بھی ترجمے سے لفظ بہ لفظ ترجمہ مراد نہیں ہے۔

تم پاس ہوں میں چھوڑتا دو امر عظیم اب — قرآن ہے اور عترتِ اطہار مری سب
ناجی ہے وہ ان دونوں سے جو رکھے گا مطلب — جو ہو گا خلاف ان سے نہ بخشے گا اسے رب
ان میں سے ہر اک مصحفِ ایماں کا ورق ہے
تابع رہو ان کے یہ رضا مندیِ حق ہے

واللہ اگر میری رضامندی ہے درکار — تم ان سے خصومت نہ کبھی کیجو خبردار
آزار مجھے دو گے جو دو گے انھیں آزار — دونوں یہ جُدا مجھ سے نہیں ہوئیں گے زنہار
میں ساتھ تمھارے ہوں جو ساتھ ان کے رہو گے
مجھ سے اسی تقریب سے کوثر پہ ملو گے

ان دونوں بندوں میں پہلے بند کے ابتدائی تین مصرعے اور دُوسرے بند کے آخری تین مصرعے اس حدیث کا ترجمہ ہیں: "اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْض۔"

دوسرے بند کے تیسرے مصرعے میں رسولؐ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنِّیْ مَنْ آذَاھَا فَقَدْ آذَانِیْ۔"

؎ جو دوست ہے اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
دشمن ہے جو اس کا مرا دشمن ہے وُہ گمراہ

رسولؐ کے اس قول کا ترجمہ ہے: "مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ۔"

؎ شہؑ نے سُنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
فرمایا بازگشت ہے سب کی سُوئے خدا

"بازگشت ہے سب کی سوئے خدا" ترجمہ ہے "اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کا۔ اور اشارہ ہے اِس آیت کی طرف "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"۔

ع تیغ ایسی نہ ہوگی نہ جوان ہوئے گا ایسا

"لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ اِلَّا سَیْفَ اِلَّا ذُوالفِقَار" کا ترجمہ ہے۔

تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے نام نیچے لکھے ہوئے اشعار میں ملتے ہیں:

ع پڑھتے ہیں تہنیتِ فتح کو باری باری

فتح اور باری کے لفظ قریب قریب لاکر شاعر نے ذہن کو ابنِ حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری کی طرف بھی منتقل کر دیا ہے۔

ع تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار

تفسیرِ حسینی مُلّا حسین واعظ کاشفی کی تفسیرِ قرآن کا نام ہے۔

س کشّافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا
ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِّ مجید کا

کشّاف علامہ زمخشری کی تفسیرِ قرآن کا نام ہے۔ دوسرے مصرعے سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر نے لفظ کشّاف میں ایہام ملحوظ رکھا ہے۔

ع لکھتا ہے مناقب میں یہ راویِ دل آگاہ

مناقب ابن شہر آشوب کی ایک کتاب کا نام ہے۔

ان دو مصرعوں میں راویوں کے نام ملتے ہیں:

ع سید بن طاؤس سے ہے ایک روایت

ع ناقل ہے اس حدیث کا سلمانِ خوش سیر

(۳) میر انیس اپنے زمانے کے علوم رسمی یعنی صرف و نحو، معنی و بیان، عروض، منطق، فلسفہ، تاریخ، طب، رمل وغیرہ سے واقف تھے۔ ان علوم کے مسائل اور اصطلاحیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔ صرف و نحو اور معنی و بیان کے متعلق مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ ذیل میں وہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے دوسرے علوم کی واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

عروض کی مثالیں

کامل تھی زبس بحرِ شجاعت میں وہ تلوار مثل الفِ وصل گرے جاتے تھے کفّار
جو کوئی قریب آیا رجز خوان دمِ پیکار سالم تھا تو بے فاصلہ رکن اس کے ہوئے چار
کیا لڑتے کہ سکتہ تھا ہر ایک اہلِ حسد کو
تقطیع کیا تیغ نے ہر مصرع قد کو

اس بند میں کامل، بحر، رجز، سالم، فاصلہ، رکن، سکتہ، تقطیع، مصرع عروض کی اصطلاحیں ہیں۔ بند کے دوسرے مصرعے میں ایک عروضی مسئلے کی طرف اشارہ ہے۔

تقطیع مصرعِ قدِ اعدا میں تھی وہ فرد — اور نظم چار پارہ میں کامل بے نبرد
ناقص کیا انھیں جنھیں مولا کا تھا نہ درد — تھے ضربتِ ثقیل سے اس کی خفیف مرد
بحرِ فنا زمیں پہ تو برق آسمان پر
سیفی کا سب عروض تھا اس کی زبان پر

اس بند میں تقطیع، مصرع، فرد، نظم چار پارہ، کامل، ناقص، ضربتِ ثقیل، خفیف، بحر عروض کی اصطلاحیں ہیں۔ آخری مصرعے میں فنِ عروض کی کتاب عروضِ سیفی کا ذکر ہے۔

منطق و فلسفہ کی مثالیں

ع اک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے
ع ہر فرد کو اس صاحبِ ہمت نے کیا زوج
ع ہے شکل ممتنع قسم واجب الوجود
ع ہے جوہرِ فرد اس کی نہ ہوگی کبھی تقسیم
ع تقسیم جزو لایتجزیٰ محال ہے
ع کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفصل
ع ہر جزوِ تن کو لایتجزیٰ بنا دیا
ع عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

اوپر کی مثالوں میں فصل، جنس، فرد، زوج، ممتنع، واجب الوجود، جوہر فرد، جزو لایتجزیٰ، شکل، ہیولیٰ، مرکبات، مفردات منطق اور فلسفے کی اصطلاحیں ہیں۔

طب سے متعلق

ع دودی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
ع سب زرد تھا ازمانِ حرارت سے تنِ زار
ع جیسے تپِ محرق میں جواں کو عرق آتے

ان مثالوں میں نبض دودی، ازمانِ حرارت، اور تپِ محرق طب کی اصطلاحیں ہیں، جن سے طبی واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

علمِ رمل سے واقفیت

سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر　　طفلی سے زائچے میں کھنچا تھا اجل کا گھر
پہچاننا بھی شکل کا اشکال ہو گیا
ایک ایک عضو قرعۂ رمّال ہو گیا

اس بند میں زائچہ، گھر، شکل، قرعہ رمل کی اصطلاحیں ہیں۔

تاریخِ اسلام پر نظر

میر انیسؔ تاریخِ اسلام سے واقف تھے۔ ان کے کلام میں تاریخی واقعات کا ذکر، معرکوں اور غزدوں کا حال کثرت سے ملتا ہے۔ واقعۂ کربلا کے تمام جزئیات و تفصیلات سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ ان کے بیان سے مرثیے بھرے پڑے ہیں۔ انصارِ حسین کے نام، ان کے کارنامے، یزیدی لشکر کے لوگوں کے نام، ان کے عہدے، ان کے مظالم وغیرہ جابجا تفصیل سے لکھے ہیں[1]۔ ذیل میں چند بند مثال کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں، جن سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے:

کربلا میں امام حسینؑ کا داخلہ اور فوجوں کی آمد

تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امام　　اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہِ شام
آنے کی شمر کے ہوئی چوتھی کو دھوم دھام　　تھی پانچویں کہ دشتِ ستم بھر گیا تمام
نرغہ ہوا چھٹی سے شہِ مشرقین پر
ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسینؑ پر
تھا ہشتم و نہم کو تو اک شور العطش　　تھے نہرِ علقمہ سے بہشتی کنارہ کش

حسینی لشکر

ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں　　میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں
———
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں　　کل ستّرہ سوار ہیں اور بیس گھوڑے ہیں
———

[1] انیسؔ کے بعض بیانات تاریخی واقعات کے مطابق نہیں ہیں اس کے لیے علاحدہ بحث درکار ہے۔

ہم شکلِ مصطفیٰؐ کو تو اٹھارواں ہے سال　　تیرہ برس کا ہے ابھی شبّرؑ کا نونہال
نو دس برس کے ہوئیں گے زینبؑ کے دونوں لال　　ہاں اک جواں ہیں حضرتِ عباسؑ خوش خصال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
خط اک طرف مَسیں بھی کسی کے عیاں نہیں

سنتا ہوں مَیں، ہیں دو پسرِ شاہِ نامدار　　بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیر خوار
زینبؑ کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار　　دس ہیں عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
گل ستر تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

انصارِ حسینؑ کے نام

بگڑے ابو ثمامہ و سعد فلک سریر　　تولی زہیرِ قینؑ نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے جھک کے تیر　　بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکرِ بد خُو پہ آ گیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آ گیا

بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر　　بس اب سزا میں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شعیب ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر　　بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

پہلے حُرِ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا　　پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا　　تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھی میدانِ ستم میں

میدان میں مُسلم پسرِ عَوسجہ آیا　　تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھایا　　چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے کے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب و انس و مالک دیں دار حجاج و زہیر اسدی عامر و عمار
عمران و شعیب و عمرو شوذب ابرار قربان حسینؑ ابن علیؑ ہو گئے یک بار
جس سمت یہ جاں باز تھے خالی وہ پڑا تھا
اور دُور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلب گار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

یزیدی فوج کی تعداد

اس فوجِ سقر موج کی تعداد ہے دشوار لکھتا ہے کوئی تیس ہزار آئے تھے غدار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ واردِ اخبار اکثر کا یہ ہے قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے
یاں بیکس و مظلوم امامِ دوسرا تھے

فوجِ یزید کے سردار

یہ سنتے تھے جو دُوسرا آ کر یہ پکارا آ پہنچا یزید ابنِ رکاب ستم آرا
عمانِ شقاوت نے ہے اک زور سا مارا گھوڑوں سے رکا جاتا ہے دریا کا کنارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

آئے دہل فتح بجاتے ہوئے باہم حجاج و سنان، ابن انس، خولی و قشعم
تھے چار ہزار اہلِ ستم اور بھی اظلم انبوہ ہوا تا ششم ماہِ محرم
اُڑی ہُوئی بادل کی طرح فوجِ گراں تھی
مقتل کی زمیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

(۴) میر انیس کو فارسی زبان وادب پر بڑا عبور تھا۔ اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ان مرثیوں کو پڑھیے تو ایک ایک مصرع ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا چلا جاتا ہے۔ فارسی الفاظ کا برمحل صرف، دلآویز ترکیبیں، شعرائے فارسی کا اندازِ بیان،

فارسی کے اقوال و امثال کی طرف اشارے، فارسی اشعار کے ترجمے، جا بجا فارسی اشعار کو تضمین کرنا۔ یہ سب ان کے فارسی پر مہارتِ تامہ رکھنے کے بیّن ثبوت ہیں۔

میر انیسؔ فارسی نظم و نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ فاضلِ اجل جناب علامہ مفتی میر عباس صاحب قبلہ مغفور کی مثنوی مَن و سلوٰی کی تاریخ طبع فارسی میں کہی تھی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:

طبع شد این نظم از فضلِ الٰہ   در جلوسِ میمنت مانوس شاہ
خاصۂ درگاہِ ربِّ ذوالمنن   ظلِّ حق واجد علی شاہِ زمن
حسبِ حکمِ سیدِ معجز بیاں   قبلۂ کونین اُستادِ زماں
فاضلِ باذل، فقیہِ بالیقیں   آفتابِ آسمانِ علم و دیں
چوں تامل کرد با فکرِ سلیس   از پئے تاریخ آں طبعِ انیسؔ
داد ہاتف ایں صدائے دلپذیر   ہست تاریخش کلامِ بے نظیر

اس نظم کا تیسرا شعر بتاتا ہے کہ یہ تاریخ مصنف علّام کی فرمائش سے لکھی گئی تھی۔ جناب مفتی صاحب قبلہ نے خود بھی لکھ دیا ہے کہ میر انیسؔ نے یہ تاریخ ان کی فرمائش سے عجلت میں لکھی۔ فرماتے ہیں:

باز تاریخِ دگر کردم طلب   از جناب سیدِ والا نسب
نورِ شمعِ مجلس صدق و صفا   ذاکرِ مقبول سبطِ مصطفٰےؐ
بلبل دستاں زن بُستانِ ہند   مادحِ میرِ عرب سحبانِ ہند
شاعرِ یکتا، رئیسِ ذاکرین   تارکِ دنیا انیسِ اہلِ دین
ارتجالاً آں وحیدِ روزگار   زد رقم ایں چند بیتِ آب دار

اسی مثنوی من و سلوٰی کو پڑھنے کے بعد میر انیسؔ نے جناب مفتی صاحب قبلہ کو ایک خط لکھا تھا جو نقل کیا جاتا ہے:

"قبلہ و کعبہ خلوص کیشاں دام ظلکم العالی

زبان ایں کج مج بیان را چہ یارا کہ مدح این اشعار آب دار نماید۔ الحق کہ دراین جزو زماں طرز اعجاز طرازی و سحر پردازی بر ذات فیض آیات ختم گردیدہ ؎

مو قلم بودہ است گوئی کلک معجز سلک تو
صفحۂ قرطاس را کردی نگارستانِ چیں

از عین الکمال نگاہ داشتہ سایہ ہما پایہ را بر مفارق خادمانِ خاص مبسوط دارادبحق محمد و آلہ الامجاد"[1]

---

[1] سوانح عمری مفتی میر محمد عباس موسوم بہ تجلیات ص ۱۸۹۔

گو کہ یہ مضمون کافی محنت اور تجسس کا نتیجہ ہے تاہم ابھی اس موضوع پر لکھنے کی بہت گنجائش ہے۔ میں نے صرف ایک راستہ نکال دیا ہے کہ اگر وہ لوگ جو قرآن، حدیث، ادب عربی، علوم اسلامیہ وغیرہ میں وسیع نظر رکھتے ہیں اس راستے پر چلیں گے تو معلوم ہو گا کہ انیس نے کہاں کہاں ان کی طرف اشارہ کیا ہے، کہاں کہاں آیات و احادیث اور اقوال و امثال و اشعار عرب کا ترجمہ کیا ہے اور کہاں کہاں مسائل علمی سے کام لیا ہے۔ ان سب کی تحقیق کے بعد انیس کا علمی پایہ صحیح طور پر معین کیا جا سکے گا۔

بہر حال جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اور جو مثالیں پیش کی گئی ہیں اُن سے بھی صاف ظاہر ہے کہ انیس عربی بہ خوبی جانتے تھے اور ان کو مختلف علوم یا کم سے کم ان کی اصطلاحوں کا کافی علم تھا اور وہ ایک من علم سے کام لینے کے لیے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چارپائے براو کتابے چند" کا مصداق بن جانا اور چیز ہے اور اپنے مبلغ علم کو جزو ذات بنا لینا اور اُس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور چیز ہے۔

اس بحث کے خاتمے میں ایک باریک بات جو ابتدا میں کہہ چکا ہوں پھر یاد دلاتا ہوں کہ عربیت کا غلبہ اور علمیت کا اظہار جتنا انیس کے ابتدائی مرثیوں میں ہے اُتنا آخری مرثیوں میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جو مشقِ سخن بڑھتی گئی وہ وہ یہ قدرت بھی بڑھتی گئی کہ باریک اور نازک خیالوں کو غریب لفظوں اور علمی اصطلاحوں سے بچ کر سادہ اور عام فہم زبان میں ادا کریں۔ اس موقعے پر مجھے ایک تاریخی حکایت اور ایک زبردست ادیب کی ہدایت یاد آ گئی۔ بابر بادشاہ نے، جس کا قلم اس کی تلوار سے کم نہ چلتا تھا اور جس کی خود نوشتہ سوانح عمری نے اُس کو دنیا کے ممتاز ادیبوں میں جگہ دی ہے، ایک مرتبہ اپنے بیٹے ہمایوں کو جو اُس کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا، لکھا کہ "تم خط اچھا نہیں لکھتے ہو، تمھاری تحریر میں سب سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تم اُس میں اپنی قابلیت کی نمائش کرنے لگتے ہو"۔ بابر کی یہ نصیحت تمام انشاپردازوں اور شاعروں کے لیے شمع ہدایت ہے۔

شاد عظیم آبادی کی غزل گوئی کی شہرت عام ہے۔ وہ مرثیے بھی کہتے تھے اور مرثیہ گوئی میں مرزا دبیر کے شاگرد اور میر انیس کے پیرو تھے۔ ان کا ایک مضمون "تصحیح الفاظ و متروکات" کے عنوان سے رسالہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ کے اکتوبر ۱۹۰۳ء کے پرچے میں شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"میر انیس مرحوم سے جہاں تک راقم آثم کو صحبت نصیب ہوئی۔ اور جہاں تک جید استعداد والے بزرگوں نے ان کو جانچا، درسیات میں ان کی غضب کی یادداشت تھی۔ حکیم مولوی میر امیر جان مغفور اس زمانے میں صدرا پڑھتے تھے۔ کسی مشکل سبق کے سبب سے میر صاحب کی ایک مجلس میں شریک نہ ہو سکے۔ جب ملاقات ہوئی تو میر صاحب نے سببِ عدمِ شرکت پوچھا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ قبلہ! کیا عرض کروں صدرا کے مثناۃ بالتکریر کے ایر پھیر میں پڑا ہوں، اب تک حل نہیں ہوا۔ میر انیس مرحوم نے صدرا کے اس مقام کی پوری عبارت پڑھی اور فرمایا کہ کہیے کس بات میں شک ہے۔ انھوں نے اپنا شک بیان کیا تو میر صاحب نے فرمایا کہ..... آپ کو فلاں ضمیر دھوکا دے رہی ہے۔ اس ضمیر کو فلاں لفظ کی طرف راجع کیجیے تو مطلب صاف ہو جائے گا۔ حکیم صاحب نے جب ایسا کیا تو فوراً مطلب ذہن نشین ہو گیا۔ پھڑک گئے اور حیرت سے کہا کہ قبلہ! آپ کو درسیات

میں بھی ایسی دستگاہ ہے۔ میرا مقصود اس نقل سے یہ ہے کہ جیسا بعض ناواقفوں کو میر انیسؔ کے بارے میں کم استعدادی کا گمان ہے، بالکل بے اصل اور محض غلط ہے۔ راقم آثم کی چشم دید اور بہت سی ایسی نقلیں ہیں جن کو سُن کر معلوم ہو جائے گا کہ میر صاحب کی علمی لیاقت کتنی تھی۔"

"مجھ کو یاد ہے کہ جب میر صاحب نے اپنی یہ بیت پڑھی ؎

آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے
ہاں مالِ غیر کف میں تصرف نہ چاہیے

تو خود فرمایا کہ ماخذ اس کا "کفو" ہے۔ مگر فصحائے اردو زبان "کف" بولا کرتے ہیں۔"

[اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیسؔ فصحا کے تلفظ کو لغت پر ترجیح دیتے تھے]

اسی مضمون میں شادؔ نے لکھا ہے کہ:

"فردوسی کی فطری فصاحت نے ایسے لفظ اور ترکیبیں استعمال کیں کہ شاہنامے کی زبان آج نو سو برس کے بعد بھی ویسی ہی پسندیدہ ہے جیسی اس کے زمانے میں تھی۔"

میر انیسؔ کی زبان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"اردو زبان میں میر انیسؔ مرحوم کی فطری فصاحت نے بھی وہی کیا ہے جو فارسی میں فردوسی نے کیا۔ ان کے دل چسپ الفاظ اور موثر ترکیبیں بھی مدتوں تک زبان سے بھلائے نہ بھولیں گی۔"

میر انیسؔ کی سیرت[1]

میر انیسؔ ایک خوش مزاج آدمی تھے۔ لیکن خوش مزاجی کے ساتھ نازک مزاجی بھی تھی جو ذرا سی بد تہذیبی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نازک مزاجی کی وجہ خود بینی و خود پسندی نہ تھی۔ بات یہ تھی کہ وہ نہایت مہذب تھے، دوسروں کے حفظِ مراتب اور تالیفِ قلب کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ ایسی طبیعتیں جو دوسروں کے ساتھ کسی طرح کی بد تہذیبی روا نہیں رکھ سکتیں، ظاہر ہے کہ وہ خود اپنے ساتھ کب جائز رکھ سکیں گی۔ ان کی نازک مزاجی اس وقت اور بڑھ جاتی تھی جب وہ منبر پر بیٹھے ہوئے اپنا کلام پڑھ رہے ہوں، اس وقت ان پر ایک محویت کا عالم طاری ہوتا تھا اور وہ اپنے کمال کے نشے میں سرشار ہو کر اس بلندی پر پہنچ جاتے تھے جہاں سے بے کمالی کا درجہ، خواہ وہ ریاست و امارت ہی کا لباس کیوں نہ پہنے ہو، تحت پست معلوم ہونے لگتا ہے۔ بہت سی مشہور روایتیں میر صاحب کے اس اندازِ طبیعت کی تصدیق کرتی ہیں۔

---

[1] مطبوعہ ماہنامہ 'ادب' لکھنؤ جنوری ۱۹۳۰ء و 'ماہِ نو' کراچی انیس نمبر، اضافی شمارہ ۱۹۷۴ء۔

خودداری اور عزتِ نفس میر انیس کی سیرت کے بہت نمایاں خصوصیات تھے اور وہ انسانیت کے ان بے بہا جوہروں کو کسی قیمت پر بیچنے کو تیار نہ تھے بلکہ ان کی موجودگی میں مصیبتوں اور تکلیفوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں : ؎

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نانِ خشک کو وہ
اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

خدا بات رکھے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

لیکن خودداری حدِ اعتدال سے گزر کر خود بینی تک پہنچ گئی تھی۔ ان کی طبیعت کا فطری میلان انکسار کی طرف تھا اور وہ خاکساری کو انسان کی ایک قابلِ فخر صفت سمجھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں :

گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرّہ — مجھ کو بھی غرور خاکساری کا ہے

جھک کے دشمن سے بھی ملتا ہے انیسؔ — نہ کٹے جو یہ وہ تلوار نہیں

کبھی بُرا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا — ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں

دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو — ثمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے

مگر انکسار میں بھی اعتدال تھا۔ مغروروں اور بدمغزوں سے انکسار کرنا انکسار کی توہین کرنا ہے۔ میر صاحب اپنے طرزِ عمل میں اس نکتے پر نظر رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں : ؎

ہر کس و ناکس سے جُھکنے کا نہیں
ہم دمو! میں تیغِ جوہر دار ہوں

میر صاحب نے جہاں انکسار کی تعریف کی ہے وہاں غرور کی مذمت بھی نہایت موثر پیرایوں میں کی ہے۔ فرماتے ہیں : ؎

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اہلِ کبر — آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

ملا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا — انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن — وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو
بالفرض گر آسمان ہے تیرا مقام انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

عزتِ نفس اور قناعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قناعت نہ ہو تو عزتِ نفس کا خیال نبھ نہیں سکتا۔ میرانیس صحیح معنوں میں قانع اور متوکل آدمی تھے۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کسبِ معاش تو واجب تھا، لیکن حرص و ہوس میں گرفتار نہ تھے۔ اور اگر اپنے فطری خاصّے کی بنا پر حرص کبھی گلوگیر ہوئی تو اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے تھے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے :ـ

گریباں مرا چھوڑ، اے حرصِ دنیا
مرے ہاتھ میں دامنِ پنجتن ہے

قرآنی تعلیم کے مطابق ان کا اعتقاد تھا کہ خدا تمام مخلوقات کے رزق کا ضامن ہے۔ اس لیے اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے اور دولت کی طلب میں زیادہ دوادوش نہیں کرتے تھے۔ فرماتے ہیں :ـ

کنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

———

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منتِ خلق وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

———

ہر صبح کو دوڑ کر کدھر جاتا ہے کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
گر ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

———

کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اور حسنِ طلب کے حیلے نکالنا انھیں پسند نہیں تھا۔ کہتے ہیں :ـ

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

———

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیس فقیری میں بھی دل تونگر رہے

———

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

———

جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے ہم ہیں صابر، کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

کسی انسان کا کیا ذکر خدا سے مانگنے میں بھی خودداری کا پہلو جانے نہیں دیتے تھے۔ کہتے ہیں :ـ

کریم! جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے
فقیر ہُوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

خدا نے ان کو جو نعمتیں عطا کی تھیں ان پر وہ اس کا شکر ادا کرتے تھے اور اس طرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان عطیوں کو بھی اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے تھے۔ پست نظر صرف دولت کو نعمت سمجھتے ہیں۔ مگر انیسؔ کی نگاہ بلند تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دولت سے کہیں بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن کے لیے منعم کا شکر واجب ہے۔ فرماتے ہیں، ؎

عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں   اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

آبرو و مال و فرزندانِ صالح، عزّ و جاہ   کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لیے
بھر دیا دامن کو مولا نے دُرِ مقصود سے   زر دیا زر پر، عطا پر کی عطا میرے لیے

توقیر تمہارے ہی آستانے سے ملی   عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و دین و ایماں   کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

کرتا ہے جو مجھ سے زرد رُو کو سرسبز   اے ابرِ کرم یہ سب کرم تیرا ہے

خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں کے احساس سے ان کا دل ہر حالت میں غنی رہتا تھا۔ بلکہ وُہ اپنے کو بڑے سے بڑے دولت مند سے زیادہ سرمایہ دار سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں، ؎

قناعت و گہر آبرو و دولتِ دیں   ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ایک کشکولِ توکل، ایک نقدِ جاں ہے پاس   ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

توکل اور قناعت کی انتہا یہ تھی کہ میر صاحب کی نظر میں تونگری سے زیادہ فقیری کی عظمت تھی۔ کہتے ہیں، ؎

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

وہ خدا سے دولتِ فقر کے طالب بھی تھے، مگر فقر سے ان کی مراد گداگری نہ تھی بلکہ مالِ دنیا سے استغنا فرماتے ہیں، ؎

کریم مجھ کو عطا کر وہ فقر دنیا میں
کہ جس کو فخرِ رسالت مآب سمجھے ہیں

اُن کی یہ دُعا قبول ہُوئی اور انھیں اس دولت کے ملنے پر بڑا فخر تھا۔ کہتے ہیں، ؎

بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

میر صاحب نشۂ فقر میں سرشار ہو کر کبھی کبھی بالاعلان بندگانِ زر سے بیزاری کا اظہار کر دیتے تھے اور اس حالت میں ان کی بلند نظری اہلِ دولت کی شان کو بہت پست سمجھنے لگتی تھی، یہاں تک کہ ان کی ہتک کی بھی انھیں پروا نہ ہوتی تھی، جیسا کہ ذیل کے شعروں سے ظاہر ہے ؎

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے — کچھ اور فرش بہ جز بوریا نہیں رکھتے

—

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا — امیروں کا یاں تک گزارا نہیں
سکندر کی خاطر بھی ہے سدِّ باب — جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

—

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں — یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولتِ استغنا سے — آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ میر انیسؔ حریص نہ تھے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ فضول خرچ بھی نہ تھے۔ بلکہ ایک بزرگ کے چشم دید بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ہاتھ روک کر خرچ کرتے تھے۔ سخاوت کی تعریف جس میں اکثر حسن طلب بھی شامل ہوتا ہے، ان کے کلام میں کم ہے۔ دولت والوں کو ان کی تعلیم بھی یہ ہے کہ اگر تم سخاوت نہیں کر سکتے تو نہ سہی، مگر انسانیت کے برتاؤ میں تو کمی نہ کرو۔ اس میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا ؎

دہانِ کیسۂ زر بند رکھ پہ اے منعم
خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو

میر انیسؔ کثیر الاحباب تو نہ تھے مگر جس سے دوستی ہو جاتی تھی اسے نباہنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ رشتۂ محبت کی نزاکت سے خوب واقف تھے۔ فرماتے ہیں: ؎

محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک — مجھے کس لیے قدرداں کھینچتے ہیں

—

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم — انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

دوستوں کی خاطر شکنی کا کیا ذکر وہ کسی کا بھی دل دکھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ذیل کے شعر میں انھوں نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ ہم نے کبھی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کو بھی تکلیف نہیں پہنچائی ؎

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

مصیبت اور تکلیف اولادِ آدم کو میراث میں ملی ہے۔ میر انیس کو بھی تکلیفوں سے سامنا کرنا پڑا۔ مگر وہ بڑے صبر و ضبط کے آدمی تھے۔ مصیبت کی شکایت کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کی ایک نئی اور نہایت معقول وجہ انھوں نے اس شعر میں بتائی ہے:

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا جو چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیے

مگر کبھی کبھی ہجومِ مصائب سے زبان پر قابو نہیں رہا اور دل کا درد شعر بن کر ظاہر ہو گیا۔ مثلاً:

انھیں کے لیے ہے زمانے کی سختی
بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے | پتھر پہ پڑیں یہ دکھ تو پانی ہو جائے
اس دم جو شریکِ درد ہوئے میرا | خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

دشمنوں کی دشمنی اور حاسدوں کے حسد سے ان کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں، ان کا بھی کبھی کبھی اظہار کر دیتے تھے۔ مثلاً:

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی | لذت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
اس وقت میں گر خضر مسیحا ہوتے | دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

اے بادشہِ کون و مکاں ادرکنی | اے عقدہ کشائے دو جہاں ادرکنی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس | یا حضرت صاحب الزماں ادرکنی

میر انیس نے ایک مقام پر کہا ہے اور سچ کہا ہے:

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

لیکن ان کو اپنے کمال کا احساس بھی تھا۔ فرماتے ہیں:

اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرۂ دستار ہوں

وہ اپنے کمال میں مست رہتے اور اس کو سب سے بڑا عطیۂ الٰہی سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں:

انیس اس قدر شور بختی کا شکوہ | یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

زور سے اس کے لیا ہم نے میدانِ سخن | اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں　　کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

مگر اپنے کمالِ شاعری سے زیادہ مدّاحیِ امام حسینؑ پر ناز تھا اور اپنے کمال کو اسی مدّاحی کا فیض سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: ؎

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے　　باعث مدح امام نامی کا ہے
ہیں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا　　آقا! یہ شرف تری غلامی کا ہے

میر صاحب حوصلہ مند اور ذی ہمّت آدمی تھے۔ وہ دنیا کی دل فریبیوں پر غالب آکر اپنی فتح مندی کا لطف اٹھاتے تھے۔ کہتے ہیں: ؎

بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

ان کا جوش اور ولولہ بڑھاپے میں بھی انھیں جوان طبیعت بنائے ہوئے تھا۔ فرماتے ہیں: ؎

گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

گو پیر ہوں پر زورِ جوانی ہے ابھی تک　　سُوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں پر تیز زبانی ہے ابھی تک　　قبضے میں وہ تیغِ صفاہانی ہے ابھی تک

شاعروں کو اپنی شاعری میں اپنی تعریف کرنے کا حق جو دستورِ قدیم نے دے رکھا ہے اس سے میر انیسؔ بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن اصولاً وہ خودستائی کو مذموم سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: ؎

لازم نہیں اپنے منھ سے تعریف انیسؔ　　خالص جو ہے مشک آپ بُو دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی　　جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

میر انیسؔ نے اپنی شاعری کی تعریف سات آٹھ جگہ سے زیادہ نہیں کی ہے اور ان کے کلام کی مقدار کو دیکھتے ہوئے یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ چند مقامات نقل کیے جاتے ہیں۔ ان کو سُنیے اور دیکھیے کہ ایک شاعر اپنی شاعری کی تعریف بھی کیسے شاعرانہ انداز میں کرتا ہے: ؎

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری　　ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری　　شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں پشت ہے شبّیرؑ کی مدّاحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں　　بحرِ مواجِ فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں، ذرّوں کو انجم کر دوں　　گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلّم کر دوں
دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ　　شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ　　خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار　　بہتر ہے موتیوں سے تری نظمِ آبدار
سچ ہے یہ طرزِ خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

ہر جا ہے ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا　　کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
ہے سہل ممتنع وہ کلامِ ادق مرا　　برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
پائی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
مضمونِ نوٹپک رہے ہیں بات بات میں

بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سُنے نہیں　　دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چُنے نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ　　عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر　　مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن　　تجھے بات میں آسماں کر دیا

میں باعثِ نغمہ سنجی بلبل ہوں　　کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

یہ شرط ہے کہ نہ دعوٰی کروں طلاقت کا　　کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زباں سے چلے

میر انیسؔ اپنے حریفوں پر چوٹیں کرتے تھے مگر صرف اپنی شاعری میں اور وہ بھی عمومیت کے انداز میں۔ میر صاحب کے

دیکھنے والوں اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے کسی ہم عصر شاعر کے کلام پر کبھی اعتراض نہیں کرتے تھے ان کے اس شعر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نکتہ چینی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

غلط یہ لفظ، وہ بندش بری یہ مضموں سست
ہنر عیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتے تھے جو کسی کو ناگوار ہو۔ فرماتے ہیں: ؎

سخن ہے اگر باعثِ تیغ کامی
تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

ان کی حریفانہ چوٹوں کا انداز یہ تھا: ؎

لکھے انیس میں نے یہ سرعت یہ چند بند لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند اس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

ہیں بلبل گلزار سخن اور بھی دو چار انصاف کریں یہ گل مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کو، نزاکت کو، نئے رنگ کو دیکھیں

جوہر شناس تیغِ زباں منھ ادھر کریں تیزی کو حرف حرف کی مدِ نظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں مصرعے وہ جاں گزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیس رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

مضمون انیس کا نہ چہرا اُترا اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اُترا

کس دن مضمونِ نو کا نقشا اُترا پر وُزدِ معانی کا نہ چہرا اُترا

منبر پہ نگئے ہم نئے مضموں لے کر　　ان کے لیے گویا من و سلوا اُترا

کانپا نہ جگر، نہ دل، نہ چہرا اُترا　　کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل پہ نہ جس کے ٹھہرے یاروں کے قدم　　دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے　　لے بھاگتے ہیں جب کہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدانِ مضامیں سے نجات　　سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

گلشن میں سُن کے زمزمہ پردازیاں مِری　　دم بند ہو گیا ہے مرے ہم صفیر کا

سُوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیسؔ　　آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

عجب کیا جو حاسد کا دل ہو نشانہ　　کہ ہم رستمانہ کماں کھینچتے ہیں

نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ　　ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

لگا رہا ہُوں مضامینِ نَو کے پھر انبار　　خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

صبا لے کے میرے پھُولوں کی بُو　　دماغِ عدو بھی معطّر رہے

بہتا ہے انیسؔ خونِ انصاف　　مضموں مِرے قتل ہو رہے ہیں

اپنی تعریف سے کون خوش نہیں ہوتا، مگر میر انیسؔ عوام کی تعریف کو تعریف نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: ؎

تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف　　کب مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

سب کچھ تجھے آقا کے تصدق سے ملا ہے　　اس نظم کا تعریف سخن فہم صلا ہے

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں   دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں

گل سے بلبل کی خوش بیانی پُوچھو   ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو
توقیر کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم   مُوسیٰؑ سے رموزِ لن ترانی پوچھو

میں نے میر انیسؔ کی سیرت کے بیان میں سند کے طور پر ان کے اشعار کثرت سے نقل کیے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں نے اس بیان کا ماخذ صرف کلامِ انیسؔ کو قرار دیا ہے اور اگر ایسا کرتا تو بھی نتائج بیشتر درست ہی نکلتے۔ ہر شاعر کے ہر شعر سے اس کی سیرت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا لیکن جن مضامین کو کوئی شاعر بار بار نظم کرتا ہو اُن سے اُس کے خیالات کا کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ پھر جن شاعروں نے اپنے خیالات نظم کر کے خود رکھ لیے، ممکن ہے کہ وہ ان کی طبیعت اور ان کے عمل کا صحیح عکس نہ ہوں۔ لیکن انیسؔ نے جو بات کہی ڈنکے کی چوٹ پر کہی، ہزاروں آدمیوں کی بھری محفلوں میں سنانے کے لیے کہی۔ ایسی صورت میں اگر وُہ اپنی طبیعت اور عمل کے خلاف خیالات کا اظہار کرتے تو انگشت نمائی کے سوا اور کیا حاصل ہوتا۔ اس کے علاوہ اکثر باتیں ایسی کہی ہیں کہ ان کا مصنوعی اظہار تو محال ہے ہی ان کو سچ کہنے کے لیے بھی بڑی اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ میر انیسؔ کا کوئی ذاتی اور مستقل ذریعہ معاش نہ تھا۔ ان کے زمانے میں آج کل کی جمہوریت کا جھوٹا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ رؤسائے شہر کے اثر اور اقتدار کی کوئی حد نہ تھی اور میر صاحب کا گزارہ صرف امراء کی داد و دہش پر تھا۔ امیروں کو ہمیشہ خوشامدیوں اور حاجت مندوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کی خوشامدوں اور نیاز مندیوں سے ان کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں۔ انیسؔ کے زمانے کے امرا بالخصوص نہایت خوشامد پسند تھے۔ ایسی حالت میں میر انیسؔ نے قناعت و توکل، عزتِ نفس، مذمت غرور وغیرہ کے مضامین جس عنوان اور جس شان سے کہے وہ انھیں کا کام تھا۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مطلق قناعت اور محض عزتِ نفس کا بیان عام اور اصولی انداز میں نہیں کیا ہے بلکہ اکثر خاص اپنی قناعت، خاص اپنی خود داری کا ذکر اس ٹھاٹھ سے کیا ہے اور نتائج کی طرف سے آنکھیں بند کر کے امیروں اور نوابوں کے منہ پر بھرے مجمعوں میں کیا ہے کہ ان کے خیالات کی سچائی میں کوئی شُبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ ایسی مثالیں اُوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں چند اور لکھی جاتی ہیں :-

اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیسؔ   یاں توکل ہے فقط اللہ پر

قطعِ امید ایک در سے گر ہوئی کچھ غم نہیں   اور کچھ سامان کرے گا خدا میرے لیے

جُز خدا جُھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے   ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے   سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

انھیں مثالوں سے ایک بات اور بھی نکلتی ہے۔ خیال تو کیجیے۔ کس کا منہ تھا کہ اس زمانے کے امیروں اور نوابوں کے سامنے اس طرح گستاخانہ کلام کرنے کی جُرأت کر سکتا۔ اگر کوئی جرأت کرتا بھی تو عزت کیسی جان سلامت رکھنا بھی مشکل ہو جاتا۔ یہ وقار میر انیسؔ ہی کو حاصل تھا کہ لوگ ایسی ایسی باتیں سنتے تھے پھر بھی ان کی خدمت کو اپنا فرض جانتے تھے، اور جو رقم ان کے سامنے پیش کرتے تھے اس کو عطیہ نہیں بلکہ نذرانہ سمجھتے تھے۔ میر انیسؔ کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔ وہ بھی انیسؔ کے اقوال کو ان کی طبیعت کا صحیح عکس بتاتے ہیں۔

میر انیسؔ کی خوش آوازی، خوش بیانی اور مرثیہ گوئی

میر انیسؔ نہایت خوش آواز تھے۔ لکھنؤ کے ایک بزرگ سید محمد جعفر مرثیہ خوانی میں میر نفیسؔ کے شاگرد تھے۔ ان کے والد سید آغا میر اس فن میں میر انیسؔ کے شاگرد رشید تھے۔ ان کا پڑھنا میر انیسؔ سے بہت مشابہ تھا۔ سید محمد جعفر نے اپنے لڑکپن میں میر انیسؔ کو بارہا دیکھا اور مرثیہ پڑھتے سنا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میر انیسؔ کی آواز میں جو دلکشی تھی وہ کسی انسان کا کیا ذکر کسی خوش الحان پرند اور کسی باجے کی آواز میں بھی نہیں ہے۔ جب کبھی وہ بے تکلف احباب کی صحبت میں کمرے کے اندر دروازے بند کر کے اپنے دادا میر حسنؔ کی مثنوی بلند آواز سے پڑھتے تھے تو راہ گیر کھڑے ہو کر دیر دیر تک سُنا کرتے تھے۔

میر انیسؔ نے اپنے اس خداداد وصف کا ذکر یوں کیا ہے: ؎

لہجہ سُنو زبان فصاحت نواز کا
تارِ نفس میں سوز ہے مُطرب کے ساز کا

اگر میر انیسؔ نہایت خوش لہجہ نہ ہوتے تو بھرے مجمعے میں اپنی آواز کی تعریف کر کے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہ دیتے۔ ان کے حریف مرزا دبیرؔ مغفور بہ قول مصنف 'حیاتِ دبیر' سینے کے زور سے پڑھتے تھے۔ "... آواز بھاری اور پاٹ دار تھی"[1] وہ خود فرماتے ہیں: ؎

آواز ہو بھاری تو ہو، پر بات یہ ہے   مجلس میں سخن نہ بارِ خاطر ہوئے[2]

———

ابنِ شہِ مرداں کا ثنا خواں ہوں میں   صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے[3]

میر انیسؔ جتنے خوش آواز تھے اُس سے کہیں زیادہ خوش بیان تھے۔ موافق اور مخالف کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اُن کی خوش بیانی کا قائل نہ ہو یا اِس وصفِ خاص میں ان کے کسی مقابل کو اُن سے بڑھ کر سمجھتا ہو۔ تعشقؔ، جن کی خوش بیانی مسلّم ہے، اُن کا قول ہے: ؎

---

[1] حیاتِ دبیر حصہ اول ص ۵۵   [2] اردو مرثیہ اور مرزا دبیرؔ ص ۲۴   [3] حیاتِ دبیر حصہ اوّل ص ۵۶

اگرچہ اور تعشّق ہیں کہنے کو ہم عصر
مگر انیسؔ سا کوئی نہ خوش بیاں دیکھا

میر انیسؔ نے خود بھی اپنے اس وصف کا جا بہ جا شاعرانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں   کھولے نہ کبھی مُنھ جو زباں بند کروں

———

نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ   ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

وہ اپنی خوش بیانی کو مدحِ امام کا فیض سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

شُہرۂ ہر سُو جو خوش کلامی کا ہے   باعث مدحِ امامِ نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا   آقا! یہ شرف تری غلامی کا ہے

میری والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں مولوی عبدالعلی کا بیان ہے کہ مرزا دبیرؔ کی آواز بھدی اور بھاری تھی۔ میر انیسؔ کی آواز شگفتہ اور تیز تھی۔ زیادہ بتانا کوئی نہ تھا۔ مگر انیسؔ کا ہاتھ نسبتاً زیادہ اُٹھتا تھا۔

خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ، چہرے کا تغیر، آنکھوں کی گردش، اعضا کی حرکت یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہوجاتا ہے اور بہت کچھ جو لفظوں میں ادا ہو ہی نہیں سکتا وہ بھی ادا ہوجاتا ہے اور مقرر جو اثر سامعین پر ڈالنا چاہتا ہے وہی پڑتا ہے۔

میر انیسؔ انتخابِ الفاظ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے، لیکن زبان میں وہ وسعت کہاں جو خیالات میں ہے۔ خیالات تو خیر بُری بھلی طرح الفاظ میں ادا بھی ہوجاتے ہیں لیکن جذبات کا ادا کرنا صرف لفظوں کے ذریعہ سے تقریباً غیر ممکن ہے۔ اس کے لیے ان چیزوں سے مدد لینا ضروری ہے جن کا ذکر ابھی اُوپر کیا گیا ہے۔

میر انیسؔ کو خدا نے وہ تمام ذرائع حدِ کمال تک عطا فرمائے تھے جن سے کوئی شخص اپنے دل کے حالات اور خیالات دوسروں کے دل تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ سب سے بڑا وصف جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تقریر کرنے والے کے لیے جس قدر ضروری ہے اتنا ہی کسی تحریر کے پڑھنے والے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اور تقریر کرنے والے کے لیے جتنا مشکل ہے، تحریر کو پڑھنے والے کے لیے اس سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر تقریر یا تحریر میں اپنے خیالات وجذبات ادا کرنا ہوں تو بھی مشکل ہے اور اگر دوسروں کے خیالات وجذبات ادا کرنا ہوں تو اور زیادہ مشکل ہے۔ تحریر میں نثر کا اس طرح پڑھنا بھی مشکل ہے اور نظم کا یوں پڑھنا اور بھی مشکل ہے۔

لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر حامد علی خاں حامدؔ مرحوم فنِ شعر خوانی کا ذکر کرتے ہوئے لندن کے پروفیسر بارٹلے کی بابت لکھتے ہیں:

"پروفیسر بارٹلے کی عمر اس وقت ۷۰ برس کی ہوگی۔ تمام عمر سوا شعر پڑھنے اور شعر پڑھنا سکھانے کے کوئی کام نہیں کیا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ چودہ گھنٹے روز صرف ہوتے ہیں۔ یہ بات برسوں کی مشق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی کہ جو مضامین نظم میں پڑھے جائیں ان کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو کہ جو کیفیتیں منظوم ہیں پڑھنے والے پر گزر رہی ہیں، اور ان کے اظہار میں کسی قسم کی بناوٹ نہ معلوم ہو۔"[1]

آگے چل کر اسی فن کے متعلق لکھتے ہیں :

"بڑی مشکل اس وقت پڑتی ہے جب ایک مصرعے میں متناقض الفاظ قریب قریب ہوں جیسے رنج و خوشی، تکلیف و آرام، محبت و عداوت، نفرت و رغبت وغیرہ وغیرہ۔ اُس وقت لفظ رنج، حُزن کی آواز سے پڑھنا اور پھر فوراً آواز و صورت بدلنا جس سے خوشی ظاہر ہو اور اس طرح بدلنا کہ گویا بلا قصد خود بخود آواز و صورت بدل گئی۔ محبت و رغبت اس آواز سے ادا ہو جس سے محبت ٹپکے اور پھر فوراً آواز میں وہ تغیر پیدا ہو جس سے عداوت و نفرت برسے۔ کسی استادِ کامل کے پڑھنے میں ان مقامات کا وہ لطف ملتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حق مغفرت کرے حضرت نفیسؔ یاد آ گئے۔

جب حضرت انیسؔ نے انتقال فرمایا اُس وقت میری عمر بہت کم تھی۔ میں نے حضرت انیسؔ کو پڑھتے نہیں سنا لیکن یہ سنا ہے کہ بے مثل پڑھتے تھے۔ ویسا پڑھنے والا ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ میں نے جناب مونسؔ کو بھی نہیں سنا۔ لیکن جناب انسؔ و نفیسؔ کو سُنا اور انگلستان سے واپس آنے کے بعد سُنا۔ انسؔ خُوب ہی پڑھتے تھے خصوصاً بَین"[2]

حامد علی خاں مرحوم نے شعر خوانی پروفیسر بارٹلے کے سے ماہر فن سے باقاعدہ سیکھی تھی۔ وہ اس فن کے رموز و نکات سے واقف تھے اور انسؔ و نفیسؔ کی مرثیہ خوانی کے مدّاح تھے۔ افسوس ہے کہ انیسؔ و مونسؔ کا پڑھنا انھوں نے نہ سُنا۔ لیکن جن خوش نصیبوں نے ان چاروں باکمالوں کو پڑھتے سنا ہے اُن کی متفقہ رائے ہے کہ میر انیسؔ سب سے اچھا اور بہت اچھا پڑھتے تھے۔ ان کے بھائیوں میں مونسؔ جنگ خوب پڑھتے تھے اور انسؔ بَین اس دردناک انداز سے پڑھتے تھے کہ سخت سے سخت دل انسان گریہ کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

مرثیہ خوانی کا فن انیسؔ کے والد میر خلیقؔ سے شروع ہو کر انیسؔ کے پوتے میر خورشید حسن عروجؔ عرف دُولھا صاحب پر ختم ہو گیا۔ اسی خاندان کے بعض دُوسرے افراد بھی اس فن میں استادِ زمانہ ہوئے۔ راقم نے اپنے عہد کے سب سے بڑے فن مرثیہ خوانی کے ماہر دولھا صاحب کو کئی مرتبہ سنا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اس فن کے دو ماہر اور تھے اور وہ بھی خاندانِ انیسؔ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک میر انیسؔ کی ایک صاحبزادی کے نواسے سیّد محمد ذکی متخلص بہ ذکی عرف

[1] حیاتِ دبیر جلد اول ص ۴۳۱ [2] ایضاً ص ۴۳۲

منّے صاحب اور دوسرے میر انیس کے فرزند اکبر میر خورشید علی نفیس کے نواسے میر علی محمد عارف۔ میں نے ان دونوں باکمالوں کو بھی پڑھتے سنا ہے۔ یہ تینوں بزرگ اپنے ہی تصنیف کیے ہوئے مرثیے پڑھتے تھے۔

پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم فرماتے تھے کہ میر نفیس کی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا شہرہ سن کر پنڈت بشن نرائن ڈرؔ[1] کو اشتیاق ہوا کہ میر صاحب کا کلام خود ان کی زبان سے سنیں۔ ایک مجلس میں انھوں نے شرکت کی۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ مجلس سے واپس ہوتے ہوئے راستے میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہ شخص ایکٹنگ کے فن میں انتہائی کمال رکھتا ہے۔ ہندوستان میں اِس فن کے ماہر اور اُس کے قدر شناس نہیں ہیں۔ اگر یہ باکمال انگلستان میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کی شہرت تو دنیا بھر میں ہوتی ہی، اُس پر روپیا برستا اور وہ امیر کبیر ہو جاتا۔

پنڈت بشن نرائن درؔ نے سچ کہا کہ مرثیہ خوانی کا فن ایکٹنگ کا انتہائی کمال ہے۔ ایکٹر نقل کو اصل کر دکھانے کے لیے اسٹیج کے ساز و سامان کا محتاج ہوتا ہے۔ ہر پارٹ کے لیے اس کو اُسی کے مناسب پوشاک، روپ، مقام اور دوسرے لوازم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایکٹر گویا صورت، شکل، لباس، وضع، قطع اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں میں بالکل ویسا ہی بن جاتا ہے جیسا وہ شخص جس کا کردار اُسے ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی چال ڈھال، بول چال، لب و لہجے میں بھی اُس کی پوری نقل اتارتا ہے۔ ان تمام سامانوں اور تدبیروں کے بعد بھی نقل کو اصل کر دکھانے میں پوری کامیابی مشکل سے ہوتی ہے۔ لیکن مرثیہ خوانی کا کمال دیکھیے کہ ایک شخص اپنے معمولی لباس اور اصلی صورت میں آتا ہے اور صرف لہجے کی تبدیلی، چہرے کے تغیر، جسم اور اعضا کی معمولی سی جنبش، آنکھ کی خفیف سی گردش سے ہر صنف، ہر عمر، ہر حیثیت، ہر استعداد، ہر ذہنی کیفیت والے انسان کی تصویر پیش کر دیتا ہے۔

ایکٹنگ اور مرثیہ خوانی میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ ایکٹر خود کسی دوسرے شخص کی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ہستی کو اس شخص کی ہستی میں تبدیل بلکہ محو کر دیتا ہے۔ لیکن مرثیہ خواں کسی دوسرے شخص کی تصویر بھی پیش کرتا ہے اور اپنی ہستی کو بھی قائم رکھتا ہے۔ یہ بڑی نازک بات ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ مرثیہ خوان اگر کسی عورت کے خیالات و جذبات اسی کی زبان سے ادا کروانا چاہے اور اس غرض سے آواز اور لہجہ بالکل زنانہ اختیار کرے اور اعضا کی حرکتوں میں بھی عورتوں کی نقل کرے تو اس کا یہ فعل اس کی مردانی صورت اور مردانہ لباس کے ساتھ مضحکہ خیز ہو جائے گا اور صرف مسخرے پن کی شان دکھائے گا۔ مرثیہ خوان کچھ ایسا لب و لہجہ اور ایسے حرکات اختیار کرتا ہے کہ اہلِ مجلس کی آنکھیں مرثیہ خواں کی صورت دیکھتی ہیں اور کان اُس کے الفاظ سنتے ہیں لیکن اس کا ذہن کسی دوسری ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ عالمِ تصور میں اُس عورت کی آواز سنتا اور اسی کی حالت دیکھتا ہے جس کے خیالات و جذبات مرثیہ خوان اُسی کی زبان سے ادا کرنا چاہتا تھا۔ گویا اہلِ مجلس ایک ہی وقت میں دو صورتیں دیکھتے اور دو آوازیں سنتے ہیں۔ اس بیان کی توضیح معتبر شاہدوں کے چشم دید بیانات سے ہو گی جو آگے چل کر پیش کیے جائیں گے۔

---

[1] پنڈت بشن نرائن در فاضل بیرسٹر، انگریزی کے ادیب، اردو کے شاعر و نقاد، سیاسیات کے عالم اور زبردست مقرر تھے۔

ایکٹنگ کا یہی کمال ہے جو میر انیس کو قدرت نے اور دوسروں کو میر انیس نے سکھایا۔ میر انیس منبر پر بیٹھ کر تحت اللفظ پڑھنے کے موجد تو نہ تھے لیکن ان سے پہلے تحت اللفظ خوانی کو فن کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ میر صاحب نے نہ صرف اُس کو ایک مستقل فن بنا دیا بلکہ مرثیہ گوئی کی طرح مرثیہ خوانی کو بھی اُس درجۂ کمال پر پہنچا دیا جہاں سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہوا۔

میر انیس کی مرثیہ خوانی کا کمال دیکھ کر بعض لوگوں نے یہ قیاس کر لیا کہ وہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر مرثیہ پڑھنے کی مشق کیا کرتے تھے۔ میر انیس اور ان کی خانگی زندگی سے ذاتی واقفیت رکھنے والے لوگ اس قیاس کو بے بنیاد بتاتے ہیں۔

شیخ حسن رضا مظفر پوری مرزا دبیر کے طرف داروں میں تھے۔ انھوں نے شبلی کی کتاب موازنۂ انیس و دبیر کی رد میں ایک رسالہ تردید موازنہ کے نام سے لکھا تھا۔ وہ اس رسالے میں لکھتے ہیں:

"جناب میر انیس قبلہ مرحوم میں علاوہ کلام کی فصاحت کے اُس کلام کے ادا کرنے کا اندازِ بھی جناب مرحوم ممدوح ہی میں ایسا تھا جس سے کلام نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہو جاتا تھا۔ افراط تفریط کا نام نہیں۔ نشست سے بالائے منبر قدرتِ خدا کے جلوے کی تصویر کھینچتے تھے۔ بنوٹ و تصنع کی ہوا تک نہ آنے پاتی تھی۔ تیور اور اشارات مہذبانہ جیسے اُن بزرگ سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا ان کے خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ اُن کی اولاد سے بھی وہ شان اور بات دیکھنے میں نہیں آئی.... بس فصاحتِ کلام کا رنگ اور پڑھنے کا ڈھنگ میر انیس مرحوم کے ساتھ ساتھ راہیِ جنت ہو گیا۔ نہ قبل ایسا کوئی گزرا ہے، میرے قیاس میں نہ آئندہ کوئی گزرے گا۔"[1]

علی مرزا پٹنے کے ایک بزرگ تھے جن کی سخن فہمی کی بنا پر پٹنے کی مجلسوں میں مرثیہ پڑھتے وقت میر انیس ان کو اکثر مخاطب کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے:

"ایک بات میر انیس میں میں نے حیرت ناک دیکھی۔ جب وہ مرثیے کا کوئی مقام رقت انگیز پڑھتے تھے اور جوشِ رقت سے خود بھی بیچین ہو جاتے تھے تو ضبطِ گریہ کی غرض سے نیچے کے ہونٹ کو دانتوں سے دبا لیتے تھے جس سے داہنی جانب کا رخسار متحرک ہوتا تھا اور یہ موشن ان کو لاکھ لاکھ بنا دیتا تھا۔ اُن کو تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوشِ گریہ سے آواز گلوگیر نہ ہو جو مانع خواندگی ہے، مگر قدرتاً اس دل فریب ادا کی چوٹ ہر دل کو بے چین کر دیتی تھی۔"[2]

مولف حیاتِ انیس نے میر انیس کی مرثیہ خوانی کے متعلق شمس العلما مولوی ذکاء اللہ کا چشم دید بیان یہ لکھا ہے:

"میں میر انیس کی فصاحت بیانی اور ان کے طرزِ بیان کی دل فریب اداؤں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ صرف اتنا

---

[1] تردید موازنہ جلد اول ص ۳۹، ۴۰ مطبوعہ تصویر عالم لکھنؤ

[2] واقعاتِ انیس ص ۴۲

کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسا خوش بیان نہیں سنا اور نہ کسی کے ادائے بیان سے یہ مافوق العادت اثر پیدا ہوتے مشاہدہ کیا۔ میر انیسؔ بوڑھے ہو گئے تھے مگر ان کا طرز بیان جوانوں کو مات کرتا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی ہوئی لڑکوں پر جادو کر رہی ہے۔ جس کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے اور جب چاہتی ہے ہنساتی ہے اور جب چاہتی ہے رلاتی ہے۔ میں اسی حالت میں (یعنی دھوپ میں) دو گھنٹے کے قریب کھڑا رہا۔ میرے کپڑے پسینے سے تر اور پاؤں خون اترنے سے شل ہو گئے تھے۔ لیکن جب تک میر انیسؔ کی صورت دیکھتا اور ان کا مرثیہ سنتا رہا مجھ کو یہ کوئی بات محسوس نہیں ہوئی۔"[1]

صاحبِ آبِ حیات نے مولوی ذکاءاللہ کے اس بیان کو یوں نقل کیا ہے:

"کمال اور کلام کی کیا کیفیت بیان کروں۔ محویت کا عالم تھا۔ وہ شخص منبر پر بیٹھا پڑھ رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جادو کر رہا ہے۔"[2]

شمس العلما مولانا آزادؔ نے خود بھی میر انیسؔ کو لکھنؤ میں ۱۸۵۷ء میں دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے:

"اُن کی آواز، ان کا قد و قامت، ان کی صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام (مرثیہ خوانی) کے لیے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔"[3]

میر انیسؔ کا پڑھنا بھی اُنھوں نے سُنا تھا۔ لکھتے ہیں:

"میر انیسؔ مرحوم کو بھی میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ کہیں اتفاقاً ہی ہاتھ اُٹھ جاتا ہے۔ یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی تھی۔ ورنہ کلام ہی سارے مطالب کے حق پورے پورے ادا کر دیتا تھا۔"[4]

مرثیہ گوئی کی طرح مرثیہ خوانی بھی میر انیسؔ نے اپنے والد میر خلیقؔ سے سیکھی تھی۔ میر خلیقؔ کی مرثیہ خوانی کے متعلق آزادؔ کا بیان ہے:

"ان کے ادائے کلام اور پڑھنے کی خوبی دیکھنے اور سننے کے قابل تھی۔ اعضا کی حرکت سے بالکل کام نہ لیتے تھے۔ فقط نشست کا انداز اور آنکھوں کی گردش تھی۔ اسی میں سب کچھ ختم کر دیتے تھے۔"[5]

شریف العلما مولوی سید شریف حسین نے حیدر آباد سے اپنے خط مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ (۱۳ مارچ ۱۸۷۱ء) میں لکھا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ جناب میر انیسؔ کا پڑھنا دلوں کے لیے مقناطیس ہے۔ آج اپنے چند شعر پڑھے تھے یہاں تک کہ نافہم لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے، اہلِ فن کا کیا ذکر۔"

---

[1] حیاتِ انیس ص ۳۴، ۳۵ [2] آبِ حیات ص ۵۴۸ [3] ایضاً ص ۵۴۹ [4] ایضاً ص ۳۸۵
[5] ایضاً ص ۳۸۴

میر انیس کے ہم عصر مرزا قادر بخش صابر دہلوی انیس کی مرثیہ خوانی کے متعلق لکھتے ہیں:

"تحت لفظ یعنی مرثیہ بغیر آہنگ موسیقی کے ایسی طرز سے پڑھتا ہے گویا عنانِ اثر اُس کی صدائے دل سوز کے ہاتھ میں ہے۔"[1]

عبدالغفور خاں نسّاخ کلکتوی نے اپنے رسالے 'انتخابِ نقص' میں میر انیس کے کلام پر بہت سے اعتراض کیے ہیں۔ وہ انیس کی شاعری کے قائل نہیں ہیں، لیکن ان کی مرثیہ خوانی کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"مرثیہ گویوں میں ممتاز ہیں اور تحت لفظ پڑھنے میں کمال رکھتے ہیں"[2]

مشہور شاعر سید انور حسین آرزو لکھنوی اپنے والد میر ذاکر حسین یاس کا بیان یوں نقل کرتے ہیں:

"غدر کے بعد ایک مدت تک میر انیس مرثیہ نہیں پڑھے۔ کئی برس کے بعد آغا ابو صاحب کے والد نواب والا جاہ کے اصرار سے اُن کے یہاں مرثیہ پڑھا۔ کمال یہ کیا کہ ایک مرثیے کو دو دن دو دفعہ پڑھا۔ پہلے دن ایک طرح پڑھا تھا، دوسرے دن بالکل دُوسری طرح پڑھا۔"

یاس مرحوم کا ایک دوسرا قول بھی جناب آرزو نے یوں نقل کیا ہے:

"میر انیس نے یہ مصرع پڑھتے وقت

صحرا زمردی تھا پھریرے کے عکس سے

مرثیے کو اس طرح ذرا سا پلٹ دیا کہ پھریرے کا لہرانا آنکھوں کے سامنے آگیا۔"

مرزا دبیر کے شاگرد سید فرزند حسن صفیر بلگرامی کا بیان ہے کہ میں کلامِ دبیر کا شیدائی تھا، انیس کے کمال کا قائل نہ تھا۔ ایک مرتبہ اتفاقاً انیس کی ایک مجلس میں شرکت ہوئی اور میں بے دلی سے ان کو سننے لگا۔ لیکن دوسرے ہی بند کی مندرجہ ذیل بیت: ؎

ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں[3]

---

[1] گلستانِ سخن ص ۱۴۸   [2] سخنِ شعرا ص ۵۶

[3] یہ بیت میر انیس کے اس مرثیے میں ہے جس کا مطلع ہے "جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا" پورا بند حسب ذیل ہے:

حضرت علی اکبرؑ شام کے ایک نامی پہلوان سے فرماتے ہیں: ؎

غرہ ہمیں نہیں تجھے دعویٰ ہے گر تو آ   تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
آمد تو دیکھی جنگ کے بھی کچھ ہنر دکھا   مالک تجھے سقر میں بلاتا ہے جلد جا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں   شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

اُنھوں نے اس انداز سے پڑھی کہ مجھے شعلے بھڑکتے ہوئے دکھائی دینے لگے اور میں پڑھنا سننے میں ایسا محو ہوا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ یہاں تک کہ جب ایک دوسرے شخص نے مجھ کو ہوشیار کیا تو مجھے معلوم ہُوا کہ میں کہاں اور کس عالم میں ہوں۔

یہ واقعہ لکھنؤ میں بہت مشہور ہے کہ جب میر نفیسؔ نے یہ مصرع پڑھا: ؏

وہ گرد اُڑی ، وہ جگر بند بو تراب آیا

تو تمام اہلِ مجلس خوف زدہ ہو کر گردن پھرا کے دیکھنے لگے۔ ان کو ایسا معلوم ہُوا جیسے کوئی شیر آگیا ہے۔

احسنؔ لکھنوی کا چشم دید بیان ہے کہ میر انیسؔ نے جب یہ مصرع پڑھا: ؏

دانتوں میں شجاعانِ عرب ڈاڑھیاں دابے

"تو مرثیے کو زانو پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو ڈاڑھی کے قریب لاکر اس طرح گردش دی اور ہونٹوں میں فرضی ڈاڑھی کو دبایا کہ یہ معلوم ہوا کہ عرب کے شجاع سپاہیوں کی حالتِ جنگ میں جوشِ شجاعت کی تصویر کھینچ دی ہے[1]"

میر انیسؔ پیری اور ضعیفی کے عالم میں بھی مرثیہ خوب پڑھتے تھے اور اس کو امام حسینؑ کی تائید سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کے شعروں سے ظاہر ہے: ؎

یہ بزم اور یہ آج کا پڑھنا ہے یادگار   رعشہ ہے دست و پا میں لرزتا ہے جسم زار
وہ یُوں پڑھے جسے نہ ہو طاقت کلام کی   تائید ہے حسین علیہ السلام کی

ایک دوسرے موقعے پر فرماتے ہیں: ؎

یہ مرثیہ یہ مجلسِ غم یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

آرزوؔ مرحوم نے میر انیسؔ اور میر نفیسؔ کو پڑھتے سُنا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میر نفیسؔ نے جب یہ بند پڑھا: ؎

جب ساعتِ وداعِ امامِ غنی ہوئی   تھی بیبیوں کی جان پہ اُس دم بنی ہوئی
حضرت چلے تو اور بھی سینہ زنی ہوئی   پردہ حرم سرا کا اٹھا روشنی ہوئی

چوتھے مصرعے پر بائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے اُس طرف اِس نظر سے دیکھا کہ تمام حاضرین اسی طرف دیکھنے لگے اور میر نفیسؔ نے جب یہ بیت پڑھی: ؎

پریدہ طائرِ جاں یُوں تھے خوف کھائے ہوئے
کہ جیسے شب کو اُڑیں جانور ستائے ہوئے

---

[1] واقعاتِ انیس ص ۳۷ ۔ ۳۸

تو ہاتھوں کو کچھ اس طرح حرکت دی کہ خوف سے اڑتی ہوئی چڑیاں دکھائی دینے لگیں۔

میر نفیسؔ کا آخری زمانہ تھا۔ سن شریف اسّی سے متجاوز ہو چکا تھا۔ گھری گھری جھریوں اور گردن کے اوپر کی لٹکتی ہوئی کھال نے چہرے کو بھیانک کر دیا تھا۔ لیکن صبح کا منظر پیش کرتے وقت جب یہ مصرع پڑھا: ؏

نقاب چہرے سے اُلٹے ہوئے وہ حورِ سحر

تو مرثیہ زانو پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے نقاب الٹنے کا اشارہ کچھ اس طرح کیا کہ وہی بُوڑھا چہرہ حور کی تصویر معلوم ہونے لگا۔

مولوی عبدالحلیم شررؔ لکھتے ہیں:

"میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی کے ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک فن بنا دیا۔ یُونانیوں کے بعض مقرروں اور خطیبوں کی نسبت سنا جاتا ہے کہ وُہ ...... آواز کے نشیب و فراز اور اوضاع و اطوار کے تغیرات سے گفتگو میں، اثر پیدا کرتے تھے۔ اسلام کی اس طولانی عمر میں اس نہایت ضروری فن کو اصول کے ساتھ خاص میر انیسؔ نے زندہ کیا۔ الفاظ کے مناسب آواز کے تغیرات اور مضامین کے موافق چہرہ بنا لینے اور کلام کو اعضا و جوارح کے مناسب حرکات اور خط و خال کے اشارات سے قوت دینے کا فن خاص لکھنؤ کی اور وہ بھی میر انیسؔ کے گھرانے کی ایجاد ہے۔"[1]

راقم الحروف نے لڑکپن میں جب پہلے پہل میر علی محمد عارفؔ کو پڑھتے سنا تو انھوں نے یزیدی فوج کی بھاگڑ کے بیان میں یہ بند پڑھا: ؎

منہ سے بھاگو کی صدا سنتے ہی پیدل بھاگے — جو جواں فوج کے آگے تھے وہ اول بھاگے
گھوڑے بھی پھینک کے اسواروں کو کوتل بھاگے — فربہی سے جو نہ چل سکتے تھے وہ بیل بھاگے
بھاگنے کے لیے آپس میں شقی لڑتے تھے
دم جو پھُولے تھے تو ہر بار گرے پڑتے تھے[2]

---

[1] گزشتہ لکھنؤ ص ۸۶

[2] یہ بند عارفؔ صاحب کے اس مرثیے میں ہے جس کا مطلع یہ ہے: ؏

پھر ہے شمشیرِ زباں معرکہ آرائے سخن

میر عارفؔ کا انتقال ۱۳ ذی حجہ ۱۳۳۴ھ کو پنج شنبے کے دن ہوا۔ عیسوی سن ۱۹۱۶ء تھا۔ اس مصرعے سے تاریخ نکلتی ہے۔ ؏

عارفؔ انیسِ عہد، مثالِ نفیسؔ بود

اسس کا یہ مصرع:

فربہی سے جو نہ چل سکتے تھے وہ پل جائیں گے

کچھ اس طرح پڑھا کہ ان کی آواز اور جسم کی ذرا سی جنبش سے بڑے موٹے موٹے پہلوانوں کا پھسڑ پھسڑ بھاگتا تصور کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

عارف صاحب کی ایک رباعی مجھے یاد رہ گئی ہے : ؎

اب ہم ہیں نہ وہ شباب کی باتیں ہیں　　اب ہیں بھی تو انقلاب کی باتیں ہیں
پیری میں جوانی کا بیاں اے عارف　　کچھ ہوش میں آؤ، خواب کی باتیں ہیں

میر انیس کے کچھ چشم دید حالات[1]

میر انیس کے دیکھنے والوں میں دو بزرگ ایسے موجود ہیں جن کے بیانات میر انیس کے متعلق نہایت معتبر سمجھے جا سکتے ہیں۔ ایک میر سید علی صاحب جو سید صاحب کے نام سے معروف ہیں اور میر انیس کے حقیقی نواسے اور میر نفیس کے خویش ہیں[2]۔ ان کی پیدائش ۱۲۶۴ھ کی ہے۔ اس لیے سال قمری کے حساب سے ان کی عمر اس وقت ۸۶ سال کی ہے۔ غدر کے دوسرے سال اپنی والدہ کے انتقال کے بعد سے جبکہ ان کا سن نو دس برس کا تھا وہ اپنے نانا میر انیس کے ساتھ رہنے لگے اور ان کے انتقال کے وقت تک یعنی ۲۷ سال کی عمر تک انھیں کے ساتھ رہے۔ دوسرے بزرگ میری والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں مولوی عبدالعلی صاحب ہیں۔ لکھنؤ کے محلہ مفتی گنج کے رہنے والے ہیں مگر ایک مدت سے اناؤ میں قیام ہے۔ ان کے والد میر سلامت علی صاحب[3] مرثیہ خوانی میں میر انیس کے رشید و عزیز شاگرد تھے۔ ان کی پیدائش ۱۲۸۳ھ کی ہے۔ اس لیے

---

[1] مطبوعہ ماہنامہ ادب لکھنؤ، نومبر ۱۹۳۱ء

[2] میر سید علی صاحب شاعر ہیں مانوس تخلص کرتے ہیں۔ غزل کبھی نہیں کہی۔ صرف رباعیاں، سلام اور مرثیے کہے۔ میر انیس اور میر نفیس سے کلام پر اصلاح لینے کا فخر حاصل ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر ایک رباعی یہاں درج کی جاتی ہے :

؎

مضطر ہوں کمال شیب کے آنے سے　　قوت نہ رہی شباب کے جانے سے
رعشہ ہاتھوں کا یہ خبر دیتا ہے　　دیکھو آب چھلکنے کو ہے پیمانے سے

[3] غالباً یہی میر سلامت علی صاحب ہیں جن کے متعلق جناب احسن نے تحریر فرمایا ہے :
"میر سلامت علی صاحب لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے جن کو میر انیس مرحوم کا کلیات جمع کرنے کا شوق تھا اور انھوں نے اپنی تلاش سے میر انیس کا اکثر ایسا کلام بہم پہنچایا تھا جو خود میر انیس کے پاس نہ تھا۔" (واقعاتِ انیس ص ۹۳)

شمسی سال کے حساب سے ان کا سن اب ۸۸ سال کا ہے جو قمری سال کے حساب سے ۹۰، ۹۱ سال کے برابر ہوتا ہے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے میر انیس کے حالات دریافت کیے۔ ان حضرات نے میرے سوالوں کے جو جواب دیے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مولوی عبدالعلی صاحب کا بیان

مولوی عبدالعلی صاحب کا بیان درج ذیل ہے:

"میر انیسؔ کے شاگردوں میں آغا صاحبؒ سب سے اچھا مرثیہ پڑھتے تھے۔ ان کے بعد میرے والد کا نمبر تھا۔ میر انیسؔ میرے والد کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ میرے یہاں اکثر تشریف لاتے تھے۔ میں بچپن میں اُن کے گھر جاتا تھا۔ ان کی بیوی اور بیٹیاں میرے سامنے ہوتی تھیں۔ میر صاحب میرے والد کو اپنی پیش خوانی میں پڑھواتے تھے اور ان کے پڑھنے سے خوش ہو کر نج کی صحبت میں فرماتے تھے کہ "بھیا! اب کماکھاؤ گے۔" میر صاحب کے پاس باہر سے فرمائشیں آتی تھیں کہ اپنے کسی شاگرد کو مرثیہ خوانی کے لیے بھیجیے تو وہ میرے والد کو اپنا شاگرد رشید کہہ کر بھیجتے تھے۔ ڈپٹی نعمت علی خاں کے یہاں میر صاحب نے میرے والد کو عشرہ پڑھنے کے لیے اناؤ بھیجا۔ مگر اس زمانے میں وہ خفقان کے مرض میں مبتلا تھے۔ تین چار دن کے بعد لکھنؤ واپس چلے گئے۔ کسی طرح نہ ٹھہرے۔

"میرے نانا میر اکبر علی میر انیسؔ کے یہاں داروغہ تھے اور میرے ایک مختلف البطن بھائی راحت علی، جو ایک حرم کے پیٹ سے تھے، پہلے میر انیسؔ کے یہاں نوکر تھے، پھر میاں عشقؔ کے یہاں داروغہ ہو گئے تھے اور انھیں کا کلام پڑھنے لگے تھے ان کی یہ حرکت میر صاحب کو بہت ناگوار تھی۔

"دیانت الدولہ جن کی کربلا لکھنؤ میں مشہور ہے وہ میر انیسؔ کو بہت مانتے تھے۔ ان کی کربلا اور امام باڑے وغیرہ کا انتظام میر انیسؔ کے اختیار میں تھا۔ ان کے یہاں کی مجلسوں میں میں نے میر انیسؔ اور میر مونسؔ کو برف کی قلفیاں تقسیم کرتے دیکھا ہے۔ بادشاہی ترچھا رسالہ دیانت الدولہ کے سپرد تھا۔ میر انیسؔ کی سفارش سے میرے چھوٹے ماموں میر امیر علی اُس رسالے میں نوکر ہو گئے تھے۔ میرے خسر میر ذاکر علی خوش نویس نے دیانت الدولہ کی کربلا لکھی تھی۔ اس کے صلے میں دیانت الدولہ ان کو ایک گاؤں دینا چاہتے تھے مگر اُس زمانے میں زمین کی قدر نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے نقد صلے کی درخواست کی۔ وہ پہلے سعادت گنج میں رہتے تھے مگر یہ صلہ پانے کے بعد انھوں نے بھی مفتی گنج میں مکان بنا لیا تھا۔ دیانت الدولہ کی کربلا بہت مقبول سمجھی جاتی تھی۔

---

[1] چند سال ہوئے سید آغا میر مرحوم کے بیٹے میر محمد جعفر صاحب سے لکھنؤ کے محلہ رستم نگر میں نواب سید زکی علی خاں ثاقبؔ کے مکان پر مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ قدیم وضع کے مسن بزرگ ہیں۔ مرثیہ خوانی میں میر نفیسؔ مغفور کے شاگرد ہیں۔
ادیبؔ

کربلائے معلّٰی کے جانے والے پہلے ثواب کی نظر سے دیانت الدولہ کی کربلا میں دو تین دن قیام کرتے تھے۔ میرے چچا اور چچی دونوں کربلائے معلّٰی گئے تھے انھوں نے بھی دیانت الدولہ کی کربلا میں قیام کیا تھا۔ اُس زمانے میں لکھنؤ سے بمبئی تک بیل گاڑی کا کرایہ سو روپیا تھا۔

"میر انیس کا مکان اور امام باڑہ شیدیوں کے احاطے میں تھا۔ شیدیوں کا احاطہ مفتی گنج سے دور مشرق کی سمت شاہی مکانات کی طرف تھا۔ غدر کے بعد جب انگریزوں نے شاہی مکانات کھدوا ڈالے تو انھیں کے ساتھ وہ احاطہ بھی کُھد گیا۔ اس کے بعد انیس سبزی منڈی میں رہنے لگے۔ شیدیوں کے احاطے سے پہلے میر صاحب کسی دوسرے محلّے میں رہتے تھے اور اسی محلّے کے قیام کے زمانے میں میرے نانا ان کے یہاں داروغہ تھے۔

"میر انیس کا قد لمبا، میانہ سے کچھ زیادہ تھا۔ ان کا بدن چُست، ٹھوس اور چھریرا تھا اور رنگ گندمی تھا۔ میر ہمیشہ کُرتا پہنتے تھے۔ پائجامہ عرض کا سفید ہوتا تھا۔ انس اور مونس ریشمی پائجامے پہنتے تھے۔ ممکن ہے کہ میر انیس بھی ریشمی پائجامہ پہنتے ہوں۔ مگر مجھے سفید ہی یاد ہے۔ زردوزی کام کا گھیتلا جُوتا پہنتے تھے۔ داڑھی منڈواتے تھے۔ کچھ کچھ خیال ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ دیانت الدولہ کی کربلا میں مَیں نے میر صاحب کو انگرکھا پہنے دیکھا تھا۔

"میں نے میر انیس کو دیانت الدولہ کی کربلا میں اور داروغہ محمد خاں کے مکان میں مرثیہ پڑھتے سنا ہے۔ مفتی گنج بہت بڑا اور بہت آباد محلہ تھا۔ اس کے مختلف حصّوں کے الگ الگ نام تھے۔ میرا مکان اُس حصّے میں تھا جو گرجی بیگ خاں کی چھاؤنی کہلاتا تھا اور داروغہ محمد خاں کا مکان اُس حصّے میں تھا جو مرزا علی خاں کا احاطہ کہلاتا تھا۔ داروغہ محمد خاں کے یہاں کی مجلس میں جب تک میر انیس پڑھتے رہتے تھے داروغہ صاحب منبر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے پنکھا جھلا کرتے تھے۔

"وزیر خاں نواب علی نقی خاں کے چیلے تھے۔ ان کے یہاں کی مجلس مرزا دبیر پڑھتے تھے۔ وزیر خاں اور داروغہ محمد خاں کے یہاں کی مجلسیں مقابلے کی مجلسیں سمجھی جاتی تھیں۔ انیس اور دبیر دونوں کی شہرت برابر تھی۔ دونوں کے یہاں مجمع برابر ہوتا تھا۔ کوئی دو دو ہزار آدمی ہوتے ہوں گے۔ مکان مجلس کے سامنے فینسوں اور بگھیوں کا ہجوم ہوتا تھا۔

"مرزا دبیر کی آواز بھدّی اور بھاری تھی۔ میر انیس کی آواز سبک اور تیز تھی۔ زیادہ بتاتا کوئی نہ تھا، مگر انیس کا ہاتھ نسبتاً زیادہ اٹھتا تھا۔ میں نے نہ خود کبھی دیکھا نہ کبھی کسی سے سُنا کہ میر صاحب آئینہ سامنے رکھ کر مرثیہ خوانی کی مشق کرتے تھے۔

"میر انیس کے بیٹوں میں میر نفیس کا پڑھنا سب سے اچھا اور باپ کے پڑھنے سے مشابہ تھا۔ سلیس کا پڑھنا باپ سے مشابہ نہ تھا۔ وہ ہاتھ کو بہت حرکت دیتے تھے۔ رئیس کا پڑھنا بالکل معمولی تھا۔

"میر انیس کئی مجلسوں میں پڑھنے کے بعد مرثیہ تقسیم کرتے تھے۔ میرے والد کو مرثیے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ گھر میں کھانے کی تنگی ہو تو بھی مرثیہ ضرور خرید لیتے تھے اور معاوضہ دے دے کر نقل کرنے کے لیے مرثیے حاصل کرتے تھے۔

"میر انیس نذرانے کے طور پر کوئی رقم قبول نہ کرتے تھے اور ملازمین کو سخت تاکید تھی کہ جو امرا اور نواب اُن سے ملنے آتے تھے، اُن سے کچھ نہ لیں۔ میر صاحب سیر چشم آدمی تھے مگر خرچ میں ذرا کفایت بھی ملحوظ رکھتے تھے"[1]

[1] چند باتیں مولوی عبدالعلی صاحب سے اور معلوم ہوئیں جو میر انیس سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ لیکن اس زمانے کے (باقی بر صفحہ آیندہ)

میر سید علی کا بیان

میر سید علی صاحب کا بیان درج ذیل ہے :

"میر انیس پہلے شیدیوں کے احاطے میں رہتے تھے۔ پھر دریائے گومتی کے قریب محلہ سٹھٹی میں قیام کیا۔ یہاں دو مکان اور ایک امام باڑہ دیانت الدولہ نے بنوا دیا تھا۔ مکانوں میں ایک دیوان خانہ یعنی مردانہ مکان تھا اور ایک باورچی خانہ تھا اور امام باڑہ مکان مسکونہ کا بھی کام دیتا تھا۔ یہ امام باڑہ غدر سے چار سال پہلے بنا تھا اور غدر میں کھد گیا۔ امام باڑے کے لیے چاندی کی ضریح، شیشہ آلات اور فرش فروش وغیرہ بھی دیانت الدولہ نے دیا تھا۔ غدر کے بعد میر انیس نے پنجابی ٹولہ میں راجہ کی بازار کے قریب منشی سراج الدین کا مکان دس روپے ماہوار کرائے پر لیا تھا۔ اس کے بعد سبزی منڈی والا مکان گھسیٹن آئینہ ساز سے تین ہزار تین سو روپے کا خریدا۔ اس مکان کے متعلق ایک احاطہ بھی تھا۔ اس کے ایک حصے میں میر انیس نے دیوان خانہ بنوا لیا اور ایک حصے میں میر نفیس نے اپنے صرف سے ایک مکان تعمیر کروایا۔ یہ تینوں مکان ابھی موجود ہیں۔ میر انیس کا مکان اور دیوان خانہ ان کے ورثا سے میر علی محمد صاحب عارف مرحوم نے خرید لیا اور اب ان کی اولاد اس پر قابض ہے۔ میر نفیس کے مکان میں ان کے پوتے سید محمد حسن صاحب فائز عرف لڈن صاحب رہتے ہیں۔

"میر انیس بالعموم گھٹنوں سے کچھ نیچا کرتا پہنتے تھے۔ زیادہ سردی کے زمانے میں انگرکھے کی قطع کا دگلا یا خوب گھیر دار لبادہ بھی پہن لیتے تھے جو گٹوں تک پہنچتا تھا۔ پائجامہ گرمیوں میں سفید اور جاڑوں میں مشروع یا گلبدن کا پہنتے تھے، جس کا رنگ زیادہ تر سبز یا اودا ہوتا تھا۔ ہاتھ میں رومال اکثر رکھتے تھے، کبھی کبھی دوپٹہ آڑا کر کے کندھے پر ڈال لیتے تھے۔ جوتا گھیتلا پہنتے تھے۔ گھر میں زرد مخمل کا سادہ اور باہر کار چوبی جس کی قیمت پچیس تیس روپے ہوتی تھی گرمیوں میں انگرکھا کبھی نہیں پہنتے تھے۔"[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۶۷۲) حالات پر روشنی ڈالتی ہیں وہ بھی انھیں کی زبانی ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

"میرے دادا لکھنؤ میں بادشاہی سوار تھے۔ میرے والد کا پیشہ ذاکری تھا اور محمد اکبر کمیدان کی پلٹن میں بھی نام تھا۔ میر فرزند علی توپ خانے کے داروغہ تھے اور میرے رشتے کے ایک بھائی مرزا امان علی بیگ توپ خانے سے متعلق تھے۔ ان کی سفارش سے میر فرزند علی نے میرا اور میرے والد کا نام گولہ اندازوں میں لکھ لیا تھا۔ جب کبھی سال چھ مہینے کے بعد تنخواہ بٹتی تھی تو میرے والد بھی جا کر لے آتے تھے۔ میرے والد نے ایک اسامی مول لے کر منور علی کا اسم میرے نام کروا دیا تھا۔ گولہ اندازوں کی تنخواہ چھ روپے مہینہ اور پلٹن کے سپاہیوں کی تنخواہ غالباً تین چار روپے مہینہ تھی۔"

[1] اشہری صاحب نے لکھا ہے کہ "ٹوپی کی درستی اور خوب صورتی سے لگانے میں اُن (میر انیس) کو بڑی دلچسپی رہتی تھی۔ جب وہ کہیں تشریف لے جاتے تو گوشوں پر چڑھی ہوئی آٹھ دس ٹوپیاں حاضر کی جاتیں۔ وہ جس کو پسند فرماتے اس کو سر پر رکھتے اور آئینہ سامنے رکھ کر اس کو بار بار درست کرتے جب تک وہ صحیح موزونیت حاصل نہ کرتی وہ اس شغل سے باز نہ آتے۔ بعض مرتبہ ایک ایک گھنٹہ (باقی بر ص ۶۷۴)

"میر انیس کو چھڑیوں کا بہت شوق تھا۔ لوگ ان کے لیے مرشد آباد سے ہروتیاں تحفے کے طور پر لاتے تھے۔ ان کے پاس پچاس ساٹھ ہروتی کی جریبیں تھیں۔ ٹین کے چونگوں میں تیل بھر کر ان میں یہ جریبیں ڈبوئی جاتی تھیں اور رات کو نکال کر اوس میں رکھی جاتی تھیں کہ ان میں عنابی رنگ پیدا ہو۔ جریبوں پر چاندی کی شام ہوتی تھی اور بعض پر سونے چاندی کے تار بندھے ہوئے تھے۔"

"میر انیسؔ قریب قریب ساری رات جاگتے تھے۔ نمازِ صبح پڑھ کر آرام کرتے تھے۔ کوئی نو بجے سو کر اُٹھتے تھے۔ دس گیارہ بجے کھانا کھاتے تھے۔ اس کے بعد میر مونسؔ اور میر نفیسؔ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ دو بجے کے قریب پھر آرام کرتے تھے۔ عصر کے وقت اُٹھتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر دیوان خانے تشریف لے جاتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد مرثیے کی تصنیف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے وقت مکان کے جنوبی رُخ کے دُوسرے درجے میں تخت پر بیٹھتے تھے۔ سامنے کنول روشن رہتا تھا، پہلوؤں میں کتابیں ہوتی تھیں۔ زیادہ تر دو زانو بیٹھتے تھے۔ جب کچھ سوچنے لگتے تو اکثر کہنیاں زانوؤں پر ہوتی تھیں اور رخسار ہاتھوں پر۔ مرثیہ گوئی کا مشغلہ نمازِ صبح کے وقت تک جاری رہتا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ میر انیسؔ مرثیہ کہتے وقت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور خود بولتے جاتے تھے اور کوئی دُوسرا شخص لکھتا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ انھوں نے کبھی یہ بھی کیا ہو، لیکن یہ ان کا عام قاعدہ ہرگز نہ تھا۔"

"میر انیسؔ کے پاس کوئی دو ہزار کتابیں تھیں۔ دو بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے غدر کے بعد "شاہنامۂ فردوسی" کا ایک نہایت عمدہ نسخہ مطلا، مصور بہ خط ولایت دو سو روپے کا خریدا تھا۔ جس زمانے میں میر انیسؔ کا قیام پنجابی ٹولے میں تھا اس زمانے میں وہ میر علی اوسط رشکؔ کا لغت اپنے ہاتھ سے نقل کرتے تھے۔"

"یہ بات بالکل غلط ہے کہ میر انیسؔ آئینہ سامنے رکھ کر مرثیہ خوانی کی مشق کرتے تھے۔ غدر کے بعد غالباً شہر کی تباہی سے متاثر ہو کر میر انیسؔ نے مرثیہ خوانی ترک کر دی تھی۔ کئی برس کے بعد پھر مرثیہ پڑھنا شروع کیا اور پہلی مجلس میں وہ مرثیہ پڑھا جس میں یہ مصرع ہے: ع

جس طرح کہ نغمے کی صدا تار پہ دوڑے

میر بندہ کاظم صاحب جاویدؔ[1] مرحوم کے والد نے اس مصرعے پر اعتراض کیا۔ اس کی خبر میر انیسؔ کو بھی پہنچی۔ میر صاحب نے شیخ علی صاحب مرحوم کے یہاں کی مجلس میں اس مصرعے کو صحیح ثابت کیا اور عرفیؔ کے اُس قصیدے سے اس کی سند پیش کی جس کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ٹوپیوں کی تبدیل بدل اور اس شغل میں صرف ہو جاتا۔" سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بیان صحیح ہے صرف آخری جملہ مبالغہ آمیز ہے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ میر انیسؔ کو ٹوپی پہننے میں اکثر معمول سے زیادہ دیر لگتی تھی۔ اس زمانے میں کپڑے اور روئی کے بنے ہوئے قالبوں پر بھی ٹوپیاں چڑھائی جاتی تھیں اور ایسے قالب کو گولاہی کہتے تھے۔

[1] میر بندہ کاظم صاحب جاویدؔ لکھنؤ کے ایک ممتاز و مشہور مرثیہ گو اور غزل گو تھے۔ فنِ شعر میں استادی کا مرتبہ رکھتے تھے۔ دس برس ہوئے کہ انتقال فرمایا۔

قافیہ رنگ، سنگ، جنگ وغیرہ[1] ہے۔ معترض صاحب بھی مجلس میں موجود تھے، اُن سے مخاطب ہو کر کہا کہ "کیا آپ کو اس مصرعے پر کچھ اعتراض ہے؟" انھوں نے دست بستہ معافی مانگی۔

"میر انیسؔ کا آخری مرض جس میں ان کا انتقال ہوا ضعفِ معدہ اور اسہال کبدی تھا۔ دِق کی بیماری ان کو نہ تھی۔ 'واقعاتِ انیس' صفحہ ۱۲۹ میں ایک شعر اور تین رباعیاں جو انیسؔ کا آخری وقت کا کلام کہہ کر پیش کی گئی ہیں وہ بہت پہلے کی کہی ہوئی ہیں۔ مولفِ کتاب نے ان کے مضمون کی بنا پر یہ قیاس کر لیا ہے کہ وہ آخری وقت کا کلام ہے۔ مگر ان کا یہ قیاس صحیح نہیں۔ میر انیسؔ نے انتقال سے دو تین روز پہلے ایک سلام کہا تھا اور میرے سامنے میر مونسؔ اور میر نفیسؔ کو سنایا تھا، اس کا مطلع یہ تھا: ع

سب عزیز و آشنا نا آشنا ہو جائیں گے
قبر میں پیوند جتنے ہیں جدا ہو جائیں گے

اس سلام کے بعد انھوں نے کچھ نہیں کہا۔

"اشھری صاحب نے لکھا ہے کہ میر انیسؔ نے "آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب و نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل واقع لکھنؤ میں پڑھی۔ اس کے بعد پھر کسی مجلس میں پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس مجلس میں جو مرثیہ آخری مرتبہ پڑھا وہ یہ تھا: ع

آتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

سید صاحب نے اس سلسلے میں فرمایا کہ "یہ صحیح ہے کہ شیش محل کی آخری مجلس میں میر انیسؔ نے وُہ مرثیہ پڑھا تھا جس کا پہلا لفظ بدل کر اشھری صاحب نے لکھا ہے۔ میں خود اس مجلس میں شریک تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ وہی مجلس میر انیسؔ کی آخری مجلس تھی۔ میر انیسؔ نے آخری مجلس شیخ علی عباس صاحب مرحوم کے یہاں پڑھی تھی۔ مرثیہ یہ تھا: ع

واحسرتا کہ عہدِ جوانی گزر گیا

میں اس مجلس میں شریک تھا۔

"میر انیسؔ کا ایک مشہور مرثیہ ہے: ع

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

اس مرثیے کے بعض قلمی نسخوں میں یہ مطلع ملتا ہے: ع

---

[1] غالباً سید صاحب کا معہود ذہنی عرفیؔ کا یہ شعر ہے جو ممدوح کے گھوڑے کی تعریف میں کہا گیا ہے: ؎

سبک روے کہ چناں بر دود بہ زخمۂ تار
کہ نغمہ لب کشاید بہ عرصۂ آہنگ

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب

یہ دُوسرا مطلع میر نفیسؔ کا کہا ہوا ہے۔

"لکھنؤ میں ایک بزرگ آغا سیّد صاحب تھے جو میر انیسؔ کا مرثیہ مجلس میں ایک مرتبہ سُن کر زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کو چودہ پندرہ برس ہُوئے۔"

میر انیسؔ کے ایک عقیدت مند رفیق کا بیان[1]

خان بہادر نواب مولوی سیّد مہدی حسن صاحب رضوی لکھنؤ کے ایک ذی علم، ذی اثر معاملہ فہم اور حکام رس بزرگ تھے۔ ۲۲ر جولائی ۱۹۵۵ء کو پچاسی برس کی عمر میں ان کا انتقال ہُوا۔ کوئی پچیس برس ہوئے میں نے مرحوم خان بہادر سے دریافت کر کے ان کے والد میر حامد علی کے کچھ حالات اور میر انیسؔ سے متعلق ان کے بیانات لکھ لیے تھے۔ یہی مستند حالات اور معتبر بیانات اس مضمون میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ ادیبؔ

میر حامد علی لکھنؤ میں ایک خوش حال شخص تھے۔ علوم عربی اور حدیث کی تعلیم اپنے زمانے کے فاضل، مقدس اور مولوی وضع رئیسِ اعظم نواب مرزا والاجاہ سے حاصل کی۔ نواب صاحب شاعر بھی تھے۔ عاشقؔ تخلص تھا۔ میر حامد علی بھی شعر کہتے تھے۔ قمرؔ تخلص کرتے تھے اور اپنے انھیں استاد سے اصلاح لیتے تھے۔ وہ زیادہ تر غزلیں اور قصیدے کہتے تھے۔ اردو کے دو دیوان مرتب کیے، مگر آخر عمر میں خود ہی تلف کر دیے۔ ساری عمر کتب بینی اور علمی مشاغل میں صرف کی۔ حافظہ نہایت قوی تھا۔ ایک مرتبہ مطالعہ کرنے میں کتابوں کے مضامین اور بعض مقامات کی عبارتیں تک یاد ہو جاتی تھیں۔ وہ غزل میں میرؔ کو اور مرثیے میں انیسؔ کو سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ ان کے کچھ اشعار ان کے فرزند خان بہادر نواب مولوی سیّد مہدی حسن رضوی کو یاد تھے، جو یہاں درج کیے جاتے ہیں: ؎

شکایت ظلم کی، ذکرِ جفا کیا — محبت جس سے کی، اس کا گِلا کیا
بنے تھے خاک سے، پھر ہو گئے خاک — ہماری ابتدا کیا، انتہا کیا
رقیبوں پر نگاہِ لطف دیکھی — ان آنکھوں سے ابھی دیکھیں گے کیا کیا

حالِ دل آپ نے سنا ہوگا — جو بدا ہے، وہ سب ادا ہوگا
رات آتی ہے ہجر کی، اے دل — پھر اس آفت کا سامنا ہوگا

---

[1] مطبوعہ سرفراز لکھنؤ، ۹ر نومبر ۱۹۶۵ء

نقش قسمت سے سرگرانی ہے اتوانی سی ناتوانی ہے
حشر میں بھی تجھے نہ دیکھیں گے لن ترانی سی لن ترانی ہے
اللہ اللہ رقیب پر صاحب مہربانی سی مہربانی ہے

یہ طول عمل اور یہ پیرانہ سری ہے اپنی بھی خبر کچھ نہیں، کیا بے خبری ہے
توشہ عمل خیر ہے، تابوت سواری کہتے ہیں کفن جس کو وہ رخت سفری ہے
بخشش کی دعا مانگ ضعیفی میں خدا سے پیری کی مناجات دعاے سحری ہے

رنج و غم سے نجات ہوتی ہے موت میری حیات ہوتی ہے
روز کُوچے میں تیرے اے ظالم! اک نئی واردات ہوتی ہے
شبِ فرقت پنہ بہ ذاتِ خدا کس قیامت کی رات ہوتی ہے
اے قمرؔ دل نہ دو حسینوں کو بے وفا ان کی ذات ہوتی ہے

آقا کے غلام منتظر ہیں شیعوں کے امام منتظر ہیں
اے رُکنِ رکینِ دینِ احمد یہ رکن و مقام منتظر ہیں
مولا ہم کیا ہیں، آپ کے سب آباے کرام منتظر ہیں

کچھ ایسے کسی سے ہیں راز و نیاز
قمرؔ شمعِ محفل بھی خاموش ہے

وہ کبھی کبھی سلام بھی کہتے تھے مگر دوسروں کی فرمائش اور انھیں کے نام سے۔ سلام نہ کہنے کا خاص سبب یہ تھا کہ جن اصنافِ سخن کو میر انیسؔ سے باکمال شاعر نے اختیار کیا تھا ان میں طبع آزمائی کرنے کو اپنی حد سے تجاوز کرنا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے میر انیسؔ کے اُس مشہور سلام کی طرح میں سلام کہنے کی فرمائش کی، جس کا مطلع ہے :ـ

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہُوئے
اڑ گیا جب رنگ رُخ سے، استخواں پیدا ہوئے

انھوں نے جواب دیا کہ میر انیسؔ کی طرح میں سلام کہنا سوءِ ادب ہے، اس لیے مَیں ردیف بدل کر کہوں گا۔ اس سلام کے دو شعر یہ ہیں :ـ

چشمِ تر نے متصل اشکِ رواں پیدا کیے ایک یُوسف نے ہزاروں کارواں پیدا کیے

ماتمِ شبیرؑ میں اُٹھ اُٹھ کے دودِ آہ نے　　آسماں کتنے ہی زیرِ آسماں پیدا کیے

ایک اور سلام کے چند شعر یہ ہیں: ؎

سر پہ ہے بارِ گنہ، ہاتھوں میں دامانِ علیؑ　　اس طرح محشر میں آتے ہیں غلامانِ علیؑ
خیر مقدم کی صدا آتی ہے بیت اللہ سے　　دوشِ احمد پائے حیدرؑ، اے زہے شانِ علیؑ
ان سے کچھ پرسش نہ ہوگی جن کا مدفن ہے نجف　　حشر میں کہہ دیں گے آ کر ہم ہیں مہمانِ علیؑ
حشر کا دن ہے، سجاوٹ ہو رہی ہے خلد کی　　غُل ہے حوروں میں کہ آتے ہیں غلامانِ علیؑ

منصف مزاج ایسے تھے کہ ایک مرتبہ نسیمؔ دہلوی کی طرح میں غزل کہی اور اس کا اعتراف کیا کہ مجھ سے نسیمؔ کا سا مطلع نہیں ہو سکا۔ اس غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں: ؎

قراں کا بگڑنا دیکھتے ہو　　اٹھو محفل سے اب کیا دیکھتے ہو
ہُوا اکھانا ہے دنیا کی کوئی دم　　اب اس بیمار کو کیا دیکھتے ہو
مرے رونے پہ دشمن رو رہے ہیں　　پہ تم بیٹھے تماشا دیکھتے ہو

نسیمؔ کا مطلع یہ تھا: ؎

عجب سے کیا احبا دیکھتے ہو
اُسے دیکھو مجھے کیا دیکھتے ہو

آخری عمر میں ایک غزل کہی جس کے چند شعر یہ ہیں: ؎

ابھی تھے ترے در پہ جانے کے قابل　　مگر ہو گئے اب اٹھانے کے قابل
یہ بارِ گنہ، اس پہ انبارِ احساں　　بھلا اب یہ سر ہے اٹھانے کے قابل
گنہ تیرے مجرم نے اتنے کیے ہیں　　کہ بس تیرے ہی ہیں چھپانے کے قابل
قمرؔ کوئے جاناں میں بیٹھے ہوئے ہو　　بھلا خاک ہے یہ اڑانے کے قابل

عجب اتفاق یہ ہُوا کہ جس دن یہ غزل کہی اسی کی رات کو ان پر فالج گرا اور اس کا مطلع اُن کے حسبِ حال ہو گیا۔ فالج کے پہلے حملے سے بچ گئے اور کوئی سال بھر اچھے رہے۔ اس کے بعد دوسرا حملہ ہُوا جس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ ۱۸۹۴ء میں پچپن یا چھپن سال کی عمر میں انتقال کیا۔

میر حامد علی میر انیسؔ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ سن میں ان سے بہت چھوٹے تھے مگر اپنی علمیت، سنجیدگی اور سلامتِ ذوق کی وجہ سے میر صاحب کے بے تکلف احباب میں شامل تھے۔ روزانہ رات کو نو دس بجے سے بارہ بجے تک میر انیسؔ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ کبھی کبھی میر مونسؔ یا میر نفیسؔ بھی آجاتے تھے۔ ان کے سوا کوئی موجود نہ ہوتا تھا۔ ان صحبتوں میں زیادہ تر شعر و ادب کے متعلق گفت گو رہا کرتی تھی۔ اچھے اچھے اشعار پڑھے جاتے تھے اور ان پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ ان شعروں میں

فارسی کے شعر بیشتر اور اردو کے کمتر ہوتے تھے۔ برسوں یہی معمول رہا۔ میر انیس دوسرے شعرا کا کلام سناتے رہتے تھے۔ مگر اپنے شعر کبھی نہ پڑھتے تھے۔

ان شبینہ صحبتوں میں شاہنامۂ فردوسی کا ذکر اکثر ہوتا تھا۔ میر انیس کو شاہنامے کے اشعار بہت کثرت سے یاد تھے اور مصنفِ شاہنامہ کو خدائے سخن کہا کرتے تھے اور مرزا دبیر بانذل کو فردوسی کے قریب سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ میر حامد علی نے میر انیس کے سامنے یہ شعر پڑھا: ؎

روشن ہے اس طرح دلِ ویراں میں داغ ایک
اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک[1]

میر صاحب لیٹے تھے۔ یہ شعر سُن کر اُٹھ بیٹھے، ایک اُف کی اور فرمایا کہ میں اب بڑھاپے میں ایسے شعروں کی تاب نہیں لا سکتا، اس سن میں ایسے تیر نہیں کھا سکتا۔ اس کے بعد حسبِ معمول اس شعر پر تبصرہ ہونے لگا۔ میر صاحب نے اس کی شرح کے سلسلے میں فرمایا کہ پُرانے زمانے میں جب کسی بستی پر عتابِ شاہی نازل ہوتا تھا تو وہ بستی ویران کر دی جاتی تھی اور اس میں کسی نمایاں مقام پر ایک چراغ جلا دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قدیم دستور پر نظر رکھنے سے اس شعر کا اثر بہت بڑھ جاتا ہے۔

میر انیس اکثر کہا کرتے تھے کہ "افسوس ہے جو دل میں ہوتا ہے وہ پُورے طور پر قلم سے ادا نہیں ہوتا، جیسا کہنا چاہتا ہوں ویسا نہیں ہوتا۔" میر حامد علی کہتے تھے کہ "آپ کا کلام اس پائے کا تو ہوتا ہے، اب اس سے بہتر اور کیا ہوتا!" مگر میر انیس پھر بھی فرماتے تھے کہ "اس کو میرا دل ہی جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ ٹھیک طور پر ادا نہیں ہوتا۔" آخر عمر میں میر حامد علی میر انیس کے اس قول کی تصدیق کرتے تھے اور مرثیوں کے بعض ایسے مقامات پڑھتے تھے، جہاں پر میر انیس نے ایک ہی بات دو طرح سے بیان کی، لیکن دُوسرا طرزِ ادا پہلے سے بدرجہا بہتر تھا۔ مثلاً یہ دو مصرعے بھی پڑھا کرتے تھے: ؏

میری قبا پہ اکبرِ مہ رو کا ہے لہو

———

تر تھا جواں پسر کے لہو سے لباس سب

گرمی کی شدت کے بیان میں میر انیس کا یہ بند بہت شہرت رکھتا ہے:

آبِ رواں سے مُنھ نہ اٹھاتے تھے جانور	جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر	خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

---

[1] تذکرۂ عشقی میں اصالت خاں ثابت عظیم آبادی کا ایک شعر یُوں لکھا گیا ہے: ؎

روشن ہے میرے سینۂ سوزاں میں داغ ایک
تاریک گھر میں جلتا ہو جیسے چراغ ایک (تذکرۂ عشقی مطبوعہ ص ۱۱۲)

گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں[1]

مگر میر حامد علی کا قول تھا کہ یہ انیسی رنگ نہیں ہے۔ ایسا مبالغہ انیس سے کم درجے کے شاعر بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد گرمی کے بیان میں انیس کا وہ بند پڑھتے تھے جس کے قافیے بڑی دھوپ، کڑی دھوپ وغیرہ تھے اور ایک مصرع یہ تھا: ع

یاں تین پہر چاند پہ زہرا کے پڑی دھوپ

اور کہتے تھے کہ یہ انیس کا مخصوص رنگ ہے جو کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔

میر انیس مرثیہ گوئی کی طرح مرثیہ خوانی میں بھی بے نظیر تھے۔ ان کا پڑھنا سُن کر لوگ مسحور ہو جاتے تھے، جیسا کہ ذیل کے واقعے سے ظاہر ہوگا۔

میر حامد علی کی کچھ آبائی جائداد آرہ ضلع شاہ آباد میں تھی۔ اس لیے وہ کبھی کبھی وہاں جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہیں غالباً صفیر بلگرامی نے ان سے بیان کیا کہ میں کلامِ دبیر کا شیدائی تھا، انیس کے کمال کا قائل نہ تھا۔ ایک مرتبہ اتفاقاً انیس کی ایک مجلس میں شرکت ہوئی اور میں بے دلی سے ان کو سننے لگا۔ لیکن دوسرے ہی بند کی مندرجۂ ذیل بیت: ؎

ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں[2]

---

[1] میر انیس نے اس مقام پر گرمی کی شدت کا بیان آٹھ بندوں میں لکھا ہے۔ راقم نے اپنی کتاب 'شاہکارِ انیس' میں ان بندوں کے شاعرانہ محاسن بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ انیس کا خاص رنگ نہیں ہے اور ان کے رنگ کی مثال میں یہ بند پیش کیا ہے: ؎

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت — پانی نہ منزلوں کہیں، نہ سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینے میں غازیوں کے ہیں رخت — سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
داکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
توسنے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

[2] یہ بیت میر انیس کے اُس مرثیے میں ہے جس کا مطلع ہے: "جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا"۔ پورا بند حسب ذیل ہے۔ حضرت علی اکبرؑ شام کے ایک نامی پہلوان سے فرماتے ہیں: ؎

غرّہ ہمیں نہیں، تجھے دعوا ہے گر تو آ — تیری طرف یزید، ہماری طرف خدا
آمد تو دیکھی، جنگ کے بھی کچھ ہنر دکھا — مالک تجھے سقر میں بلاتا ہے، جلد جا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

اُنھوں نے بیت اس انداز سے پڑھی کہ مجھے شعلے بھڑکتے ہوئے دکھائی دینے لگے اور میں ان کا پڑھنا سننے میں ایسا محو ہوا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ یہاں تک کہ جب ایک دُوسرے شخص نے مجھے ہوشیار کیا تو مجھے معلوم ہُوا کہ میں کہاں ہوں اور کس عالم میں ہُوں۔

میر انیسؔ نہایت خوش گفتار تھے۔ جب کسی صحبت میں وہ گفتگو کرنے لگتے تھے تو کوئی شخص کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میر حامد علی کی شادی کے انتظام میں میر انیسؔ بھی شریک تھے۔ جب دستر خوان بچھا اور لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو میر صاحب نے بعض بہت باتکلف مہمانوں کے پاس جا کر ان کو اپنی باتوں میں ایسا محو کر لیا کہ وہ اپنا تکلف بھول گئے اور زیادہ کھانا کھا گئے، جس کا خود ان لوگوں نے اعتراف کیا۔

میر انیسؔ اپنے چھوٹے بھائی مونسؔ اور بڑے بیٹے نفیسؔ کو مرثیہ گوئی کی مشق اس طرح کرواتے تھے کہ ایک ٹیپ کہہ کر ان کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے "اس پر مصرعے لگاؤ"۔ وہ مصرعے لگا کر سناتے تھے۔ میر انیسؔ ان کا عیب و ہنر بیان کرتے تھے اور ان سے بہتر مصرعے کہنے کا حکم دیتے تھے۔ پھر ان مصرعوں پر تنقید کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ہی ٹیپ پر کئی کئی مرتبہ مصرعے لگواتے تھے اور آخر میں خود مصرعے لگاتے تھے۔ میر مونسؔ نے ایک مرتبہ یہ مصرع کہا: ؏

ہر برگ بسانِ دلِ مجروح تپاں تھا

میر انیسؔ نے اس کو یُوں بنا دیا: ؏

ہر برگ بہ رنگِ دلِ مسموم تپاں تھا

میر امجد حسین شاگردِ میر مونسؔ نے اپنے استاد کے حوالے سے بیان کیا کہ نواب میر محمد حسین کے یہاں ایک نہایت مشہور سالانہ مجلس کے لیے مرثیہ کہہ کر میر مونسؔ میر انیسؔ کے پاس اصلاح کے لیے گئے۔ اتفاق سے میر صاحب اُس وقت حوض میں نہا رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ مرثیہ لے لیا اور چند بند دیکھ کر اسے حوض میں ڈبو دیا اور ناپسندیدگی کے کچھ الفاظ کہے۔ میر مونسؔ نے دست بستہ عرض کیا کہ "بجا ارشاد ہوا"۔ مگر چونکہ مجلس میں صرف تین دن باقی تھے اس لیے ان کو بہت افسوس ہوا کہ اب حسبِ معمول نیا مرثیہ نہ پڑھ سکوں گا۔ دُوسرے دن میر انیسؔ نے پُورا مرثیہ کہہ کر ان کو دے دیا اور میر مونسؔ نے وہی مرثیہ اس مجلس میں پڑھا۔

میر حامد علی کے فرزند نواب مولوی سید مہدی حسن رضوی نے اپنے والد سے میر انیسؔ کی غزلوں کے بہت سے اشعار سُنے تھے۔ ان میں سے صرف ایک شعر ان کو یاد رہ گیا ہے

پہلے سے ہلال جُھک گیا ہے
آمد آمد کمال کی ہے

انھوں نے میر انیسؔ کی غزل کا حسبِ ذیل مطلع میر امجد حسین شاگردِ میر مونسؔ سے سُنا تھا:

چن کے افشاں نظر اس مہ نے جو کی تاروں پر آسماں رات کو لوٹا کیا انگاروں پر

میر انیسؔ اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ ایک مرتبہ میر مونسؔ بیمار ہوئے۔ میر حامد ان کی عیادت کو گئے۔ شیش محل کے امیر باتوقیر نواب امجد علی خاں صاحب بھی اسی وقت اسی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ بارہ بجے دن کا وقت تھا۔ میر حامد علی نے چاہا کہ میر انیسؔ سے بھی ملاقات کریں، مگر میر مونسؔ نے کہا کہ یہ وقت میر صاحب کے ملنے کا نہیں ہے۔ میں ان کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع نہیں دے سکتا۔ میر حامد علی نے میر صاحب سے اپنی بے تکلفی پر اعتماد کر کے اپنی ذمہ داری پر اطلاع کروائی۔ مگر میر انیسؔ نے اس وقت ملاقات نہیں کی۔ میر حامد علی کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انھوں نے اس دن سے میر صاحب کے یہاں رات کو جانا ترک کر دیا۔ چند روز کے بعد میر انیسؔ اسی وقت یعنی بارہ بجے دن کو میر حامد علی کے یہاں خود آئے اور ملاقات کا وہی وقت ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا۔ جب گرمی کا موسم آیا تو یہ وقت ملاقات کے لیے نہایت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ میر صاحب نے فرمایا کہ میں نے رات کا وقت تمھاری ہی آسانی کے خیال سے مقرر کیا تھا۔ اب وہ مصلحت خود تمھاری سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اس پر میر حامد علی نے اپنی غلطی کی معذرت کی اور معافی مانگی اور پھر حسبِ معمول قدیم رات کے وقت جانے لگے

میر حامد علی کو میر انیسؔ کے انتقال کا اس قدر صدمہ ہوا کہ انھوں نے باہر بیٹھنا ترک کر دیا اور زیادہ تر خانہ نشین رہنے لگے۔ میر انیسؔ کے انتقال کے بہت دن بعد وہ لکھنؤ کے نامی مجتہد شمس العلما مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے۔ قبلہ و کعبہ کا شباب کا زمانہ تھا اور مرزا دبیرؔ کا کلام پسند خاطر تھا۔ اکثر میر انیسؔ کے کلام پر ایراد فرمایا کرتے تھے اور میر حامد علی ہر اعتراض کا جواب دیتے تھے اور جواب کے ساتھ یہ بھی ضرور کہتے تھے کہ میر انیسؔ سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔

اپنی علمی استعداد اور سلامت ذوق اور برسوں روزانہ کئی گھنٹے میر انیسؔ کی صحبت کے باوجود میر حامد علی آخر عمر میں کہتے تھے کہ اب میں کلامِ انیسؔ کو کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں۔ انیسؔ کے کلام میں وہ باریکیاں ہیں جن تک نظر پہنچنا بہت مشکل ہے۔

میر حامد علی کا بیان تھا کہ شیش محل کے دولت مند نواب امجد علی خاں میر انیسؔ کے ساتھ کچھ سلوک کرتے رہتے تھے مگر اس طرح کہ میر صاحب سے مل کر جب واپس جانے لگتے تھے تو توان کی محل سرا کے دروازے پر اندر سے کسی خادمہ کو بلوا کر رومال میں بندھی ہوئی اشرفیاں اس کو دیتے تھے اور کہتے تھے "یہ رومال کسی ایسی جگہ ڈال دینا کہ بیگم صاحب کی نظر اس پر پڑ جائے۔ یہ نہ کہنا کہ کون دے گیا ہے۔"

میر انیسؔ کے دو استاد

دُنیا کی اکثر عظیم شخصیتوں کی طرح میر انیسؔ کے بھی بچپن کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کا برائے نام ذکر جو ان کے سوانح نگاروں نے کیا ہے وُہ بھی اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ امجد علی اشہری نے صرف اتنا لکھا ہے :

"میر انیسؔ کی ابتدائی تعلیم فیض آباد میں ہُوئی۔ جب لکھنؤ تشریف لائے تو یہاں اپنی پرائیویٹ تعلیم کو جاری رکھا اور چالیسؔ برس کی عمر میں مطالعہ کتب سے بے نیاز ہو گئے۔"[1]

[1] حیاتِ انیسؔ ص ۱۹

یعنی چالیس برس کی عمر کے بعد میر انیس کو کسی کتاب کے مطالعے کی ضرورت نہیں رہی۔ مطالعہ کتب کے لیے عمر کی ایک حد مقرر کر دینا محض قیاس پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

احسن لکھنوی کا بیان ہے :

"میر انیس نے درسیات کی ابتدائی کتابیں قبلہ و کعبہ میر نجف علی صاحب سے فیض آباد میں پڑھی ہیں اور لکھنؤ پہنچ کر مولوی حیدر علی صاحب سے عربی کی تکمیل کی۔"[1]

اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں :

"میر صاحب جب لکھنؤ تشریف لائے تو صاحبِ اولاد تھے۔ میر نفیس مرحوم اور ان کی دو بہنوں کی پیدائش فیض آباد میں ہوئی ہے۔"[2]

یعنی میر انیس لکھنؤ پہنچنے کے وقت تین بچوں کے باپ ہو چکے تھے، مگر صرف ابتدائی درسی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ لکھنؤ پہنچ کر انھوں نے مولوی حیدر علی سے عربی کی تکمیل کی، جس میں کئی برس لگے ہوں گے۔ یہ بیان صحت سے بہت دور ہے۔ قبلہ و کعبہ میر نجف علی صاحب ملّائے مکتبی تو تھے نہیں کہ کسی بچے کو کریما، ماقیماں اور میزان و منشعب پڑھاتے۔ وہ ایک جید عالم تھے۔ میر انیس کے بڑے چچا میر احسن خلق نے طب کی بڑی بڑی عربی کتابیں دوسرے نامی استادوں سے پڑھنے کے بعد طب کی آخری کتاب "قانونِ شیخ" مولوی میر نجف علی ہی سے تین سال پڑھی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ میر خلق کے منجھلے بھائی اور میر انیس کے والد میر خلیق بھی ان کی تعلیم سے مستفیض ہوئے ہوں۔ میر انیس نے کافی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولوی میر نجف علی سے اس کی تکمیل کی ہوگی۔

احسن نے مولوی حیدر علی کا تعارف ان لفظوں میں کیا ہے :

"مولوی حیدر علی صاحب عالمِ جید لکھنؤ میں تھے۔ ان کے نام سے ایک مسجد محلہ کٹرہ حیدر حسین خاں لکھنؤ میں اب تک موجود ہے۔"[3]

یہاں احسن نے نام سے دھوکا کھایا ہے۔ میر انیس کے استاد وہ حیدر علی نہیں تھے، جو لکھنؤ کے رہنے والے شیعہ عالم تھے اور جن کے نام سے ایک مسجد لکھنؤ میں اب تک موجود ہے، بلکہ وہ مولوی حیدر علی ہیں جو فیض آباد میں رہتے تھے اور سُنّی عالم تھے۔

آزاد لکھتے ہیں :

"مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام، اُنھیں کے محلے میں رہتے تھے اور پڑھایا کرتے تھے۔ میر انیس فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائی کتابیں میں نے انھیں سے پڑھی تھیں۔"[4]

---

[1] واقعاتِ انیس ص ۳۸ [2] ایضاً ص ۱۲ [3] ایضاً ص ۳۸ (حاشیہ ۲) [4] آبِ حیات ص ۵۴۲ (حاشیہ ۲)

امیر احمد علوی نے دو تین لفظوں کا اضافہ کر کے احسن کے بیان کو دُہرا دیا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں :

"درسیات کی ابتدائی کتابیں میر نجف علی سے پڑھیں جو اس وقت فیض آباد میں فاضلِ مستند تھے۔ عربی کی تکمیل لکھنؤ میں علامۂ عصر مولوی حیدر علی سے کی ۔" [۱]

اس بیان میں 'فاضلِ مستند' اور 'علامۂ عصر' کے الفاظ علوی صاحب کے طبع زاد ہیں۔

شعر کے فن میں میر انیس کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ دو نامی شاعر یعنی ان کے چچا میر خلق اور والد میر خلیق گھر ہی میں موجود تھے۔ کسی بیرونی استاد کی تعلیم کی محتاجی نہ تھی۔ مگر جس طرح میر حسن نے، جو خود بلند پایہ شاعر تھے، اپنے بیٹے خلیق کے کلام کی اصلاح میاں مصحفی سے متعلق کر دی تھی (انھوں نے اپنا تذکرۂ ہندی اپنے اسی شاگرد کی فرمائش پر لکھا تھا) اسی طرح ممکن ہے کہ میر خلیق نے بھی انیس کے کلام کی اصلاح اُس زمانے کے کسی دُوسرے اُستاد کے سپرد کر دی ہو مگر ہمیں اس کا علم نہیں۔

میر انیس کے جن دُو استادوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں، اُن کے حالات اب تک سامنے نہیں آئے ہیں۔ مجھے مدت کی تلاش و تحقیق کے نتیجے میں، ان دُو بزرگوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مولوی میر نجف علی فیض آبادی کے دادا مدینے سے کشمیر میں آئے تھے۔ اس بنا پر وہ بھی کشمیری کہے جاتے تھے۔

'تاریخ جہاں نما' کے مصنف ۱۲۲۲ھ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت فیض آباد میں سب سے بڑے عالم میر نجف علی صاحب ہیں غایت زہد و ورع و تقدس سے حاسدین ان کو تصوف سے متہم کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ان سے اور عفران مآب مولوی سید دلدار علی صاحب سے جو خط کتابت ہُوئی، اس میں انھوں نے مسلکِ تصوف سے انکار کیا ہے، پوری مراسلت 'آئینۂ حق نما' میں موجود ہے۔[۲]

'سبیکۃ الذہب' میں مولوی نجف علی فیض آبادی کا حال یُوں بیان کیا گیا ہے :

"وَكَانَ فِي عَهْدِ شُجَاعِ الدَّوْلَةِ فِي فيض آباد من الحُكَمَاءِ الامجادِ الحُذَّاقِ الأَمْجَادِ نواب معالج خان الكشميری مِنْ أَطِبَّا سُلْطَانُ مُحَمَّدْ شَاهِ الْمَا وَمِنَ الْعُلَمَاءِ الْمُتَأَلِّهِينَ السَّيِّد نجف عَلِيُّ الْكَشْمِيرِيُ وَكَانَ عَابِدًا كَامِلاً زَاهِدًا تَارِكًا لِلدُّنْيَا الدَّنِيَةِ وَلَهُ حَالَاتٌ وَمَقَامَاتٌ وَمُكَاشِفَاتٌ وَكَرَامَاتٌ وَكَانَ غذائُهُ الْخُبْزُ الْيَابِسَ مَعَ الْمِلْحِ الْجَرِيشِ وَفِرَاشُهُ الْحَصِيْرُ الْعَتِيقُ بحسبه الْعَرِيش كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي الْحَمَّامِ اذ دَخَلَ فِيهِ اَحَدٌ مِنَ الْاَعْلَامِ فَظَنَّ اِنَّهُ الدَّلَّاكَ فَقَالَ لَهُ ادلك دلكني يا ايها الدلاكُ فَقَامَ وَغَسَّلَ وَدَلَكَهُ دَلْكًا مَدِيدًا فَطَابَ نَفْسُهُ فَاَعْطَاهُ اُجرةً جزيلةً فَرَدَّ وَقَالَ ان اجرى

---

[۱] بیادگارِ انیس ص ۶۷ [۲] تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء ص ۴۲۱

اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَلَمَّا فَرَغَ فَرَاغ وَنَقَلَ الْحِکَایَۃَ لِبَعْضِ اَخِلَّائِہٖ مِنْ اَہْلِ الصَّلَاحِ فَسْتَفْسَرَ مِنْہُ حِلْیَتَہٗ فَضَکَّ رَاْسَہٗ وَقَالَ ہُوَ لَیْسَ الدَّلاکُ بَلْ ہُوَ خَیْرٌ مِنْ سُکَّانِ الْاَفْلَاکِ فَقَامَ وَجَآءَ اِلٰی کِنِّہٖ اِسْتِعْفَآءً لِذَنْبِہٖ مِنْ ہَتْکِ اِحْتِرَامِہٖ۔ وَخَرَّ الْمَدْلُوْکُ عَلٰی قَدَمَیْہِ فَرَفَعَہُ السہہ وعَانَقَہٗ بحقویہ وقال لاباس علیک یا اَخَا انہندی اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَی اللّٰہِ بِخِدْمَۃِ المومنین لِیَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ۔"[1]

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد میں سیّد نجف علی کشمیری خدا پرست، فلسفی، عالم، عامل، زاہد، تارک الدنیا، صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ نمک کے ساتھ سُوکھی روٹی ان کی غذا اور ایک پرانی چٹائی ان کا بستر تھی۔ ایک دن آپ حمام میں تھے کہ ایک نامی شخص آیا اور آپ کو حمامی سمجھ کر بدن ملنے کو کہا۔ آپ نے خوب مَل مَل کر اس کو نہلایا۔ اس نے خوش ہو کر زیادہ اُجرت دی، تو آپ نے واپس کر دی اور کہا کہ میری اُجرت دینے والا تو بس اللہ ہے۔ اس نے یہ واقعہ اپنے دوستوں سے بیان کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ حمامی نہیں ہیں، بلکہ فرشتوں سے بڑھ کر ہیں۔ وُہ شخص آپ کی جائے قیام پہ آکر آپ کے قدموں پہ گر پڑا اور معافی مانگی۔ آپ نے اس کو اُٹھا کر گلے لگا لیا، تسلی دی اور کہا کہ میں مومنوں کی خدمت کو اپنی مغفرت کا وسیلہ سمجھتا ہُوں۔

'تاریخِ نو' میں مولوی نجف علی فیض آبادی کے بارے میں لکھا ہے :

"واضح باد کہ مولوی سیّد نجف علی از فضلائے عالی مقدار شیعہ، اکابرِ روزگار امامیہ بودہ۔ در تدریسِ تعلیم کتبِ درسیہ وعلمِ قرأت بے مثل ولاثانی بودند۔ در ۱۲۵۴ھ لبیکِ اجابت بہ داعیِ حق گفتند۔ چنانچہ ازیں مصرع مولّفہ سیّد علی اوسط رشک ہویداست۔ ع

لے ہے سید نجف علی فاضل"[2]

میر احسن خلق نے میر نجف علی سے تین برس "قانونِ شیخ" کا درس لیا تھا۔ میر نجف علی کے حالات کے لیے ان سے زیادہ معتبر راوی اور کون ہو سکتا ہے۔ وُہ اپنی کتاب 'طب احسن' کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

"جناب میر نجف علی صاحب کہ در علمِ طب وحکمت وفقہ یکتائے زماں و در اوصافِ ابو ذر وسلمان کہ زبانِ خامہ، طب اللسان سراپا معجز بیان، بہ عبادتِ الٰہی شب بیدار، بندۂ خاصِ پروردگار، مصروفِ جود وسخا، در دعائے خلائق ربِّ علا، شاعر و نثار و دبیر، مقبول در تحریر و تقریر، مجمعِ علوم، خلقش بالعموم، سینہ اش مخزنِ اسرارِ بے اندازہ، بے وسنت دعایش درِ اجابت کشادہ یہ"[3]

---

[1] سبیکۃ الذہب ص ۵۹ (مطبع اثنا عشری، لکھنو۔ ۱۳۰۹ھ) [2] تاریخ نو ص ۶۳ [3] طب احسن (قلمی)

تذکرۂ خوش معرکہ زیبا' سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نجف علی کے صاحبزادے میر علی احمد شاعر تھے۔ رسا تخلص تھا، میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ ان کے ذکر میں ان کے والد کا نام تعظیمی الفاظ کے ساتھ یُوں لکھا گیا ہے: "مولانا و سیدنا جناب غفران مآب میر نجف علی صاحب طاب ثراہ"[1]

'تذکرہ سراپا سخن' میں بھی میر علی احمد رسا کو میر نجف علی مجتہد کا بیٹا، میر علی اوسط رشک کا شاگرد اور صاحبِ دیوان لکھا ہے۔

مولوی میر نجف علی علوم اسلامی کے جیّد عالم ہونے کے علاوہ علمِ طب کے بھی بہت بڑے ماہر تھے، شاعر تھے، صاحبِ تصانیف تھے۔ ان کی تصنیفوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، وہ مختصر پیش کیا جاتا ہے۔ درس و تدریس ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کی تصنیفوں میں متعدد رسالے ہیں جو درسی ضرورتوں کے تحت لکھے گئے ہیں۔

تصنیفات مولوی نجف علی

ایک قلمی مجموعہ[2] میں نے دیکھا ہے، جس میں مندرجۂ ذیل چیزیں مولوی میر نجف علی کی تصنیف سے ہیں:

۱ تا ۱۱۔ مختلف ناموں سے گیارہ رسالے عربی صرف و نحو کے بعض مسائل کے بیان میں۔

۱۲ تا ۱۷۔ چھ رسالے مختلف علوم میں یعنی ایک ایک رسالہ منطق، ہیئت، حساب، مناظرہ، عروض اور تجوید کے باب میں۔

یہ سترہ رسالے فارسی زبان میں ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ ان کی مجموعی ضخامت ۱۴۶ صفحے ہیں۔

۱۸۔ رسالہ اعتقادیہ (عربی)، ضخامت ۵۴ صفحے۔

۱۹۔ شرح بہادریہ (عربی)، ضخامت ۹۶ صفحے۔

۲۰۔ شرح جواہر الاصول (فارسی)، علمِ کلام میں، ضخامت ۳۴۰ صفحے۔

(یہ سب چیزیں پختہ اور خفی خط میں ایک ہی کاتب کی لکھی ہوئی ہیں)

۲۱۔ مثنوی نظم الجواہر (فارسی)، ضخامت ۱۱۴ صفحات۔

۲۲۔ ایک مختصر رسالہ مخارج و صفاتِ حروفِ تہجی میں۔ یہ کسی دوسرے شخص کے قلم کا لکھا ہُوا ہے اور اس کا خط اچھا نہیں ہے۔ علمِ مخارجِ حروف میں مولوی میر نجف علی کے رسالے کا ایک نسخہ میرے کتاب خانے میں بھی ہے، جس کا ترقیمہ حسبِ ذیل ہے:

"تمام شد رسالہ در علمِ مخارجِ حروف من تالیفِ مولانا و مقتدانا اعنی استاذی جناب مولوی سید

---

[1] تذکرہ خوش معرکہ زیبا (قلمی) [2] یہ مجموعہ مولوی بدر الحسن صاحب کی مِلک ہے اور انھیں کی عنایت سے مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا۔ موصوف بنارس ہندو یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی و عربی کے صدر ہیں۔ ادیب

نجف علی صاحب فیض آبادی دام ظلہم بہ تاریخ غرہ ماہ ذیحجہ ۱۲۵۲ ہجری بہ مقام بلدۂ مذکور۔"

'شرح بہادریہ' کے مختصر دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نجف علی نے دلیرالدولہ دلاور الملک نواب محمد علی خان بہادر معروف بہ مرزا حیدر کے فرزند محمد ذکی خان مشہور بہ نواب بہادر کے لیے 'مشکلاتِ بہادریہ' کی شرح لکھی تھی، جسے ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد شیخ منور علی نے مرتب کر کے اس کا نام 'فوائد المنطقیہ' رکھا۔ اس دیباچے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نجف علی حج اور زیارات سے مشرف ہو چکے تھے۔

اس مجموعے کے آخر میں مخارج حروف میں جو رسالہ ہے اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں: "حسبِ فرمایش جناب محمد علی خان صاحب"۔ یہ محمد علی خاں غالباً وہی ہیں جن کا خطاب دلیرالدولہ دلاور الملک اور عرف مرزا حیدر تھا۔

اس مجموعے میں مولوی نجف علی کی ایک فارسی مثنوی بھی ہے جس میں ۱۶۷۵ شعر ہیں۔ اس میں یوذاسف کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ابتدا ان شعروں سے کی گئی ہے:؎

اے منزہ ذاتت از تعریفِ ما ‌ ‌ ‌ وے مبرا صفت از توصیفِ ما
در نیاید در تصوف ذاتِ تو ‌ ‌ ‌ کے شود از جنس و فصل اثباتِ تو
بہرِ اثباتت سند عینِ شہود ‌ ‌ ‌ زانکہ ذاتت آمدہ عینِ وجود

حمد و نعت کے بعد قصہ یوں شروع ہوتا ہے:؎

بُد شہے در کشورِ ہندوستاں
باج خواہ و تاج بخشِ خسرواں

مثنوی کے آخری حصے کا عنوان یہ ہے:

"در تعریفِ نواب ناظر جواہر علی خاں بہادر دام اقبالہٗ"

اس عنوان کے تحت سترہ شعر جواہر علی خاں کی مدح میں ہیں۔ چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:؎

می دہد نواب ناظر در جہاں ‌ ‌ ‌ دین و دنیایش نشانِ رفتگاں
دین و دنیا گشتہ با ذاتش قریں ‌ ‌ ‌ وصفش آمد صاحبِ دنیا و دیں
بس کہ شد بر ہمگناں امدادِ او ‌ ‌ ‌ گشت فیض آباد فیض آبادِ او
کارِ او داد و دہش، صوم و صلوٰۃ ‌ ‌ ‌ شغل مسنونات، ادائے واجبات
خُلق با خلق و خضوعش با خدا ‌ ‌ ‌ مرجع خلق و رجوعش با خدا

اس کے بعد کہتے ہیں کہ میرے ہم صحبت سب اہلِ کمال ہیں۔ ان میں صرف ایک میں بے کمال ہوں۔ پھر اپنا ذکر ایک شخص غائب کی طرح یوں کرتے ہیں:؎

بہرہ اش وارستہ از فضل و ہنر ‌ ‌ ‌ بُردہ در بیہودگی چندے بسر
چند بیتِ مثنوی بودش بہ یاد ‌ ‌ ‌ خواست تا گوید بداں ساں طبع زاد

رفتہ رفتہ رفت تا ایں جا سخن ۔۔۔ ورنہ شعر و شاعری اُو را نہ فن
گشت چوں در نعمتِ منعم تمام ۔۔۔ ساختش بر مدحِ منعم اختتام
شکرِ منعم بود واجب، کرد و گفت ۔۔۔ شکرِ منعم را نہ بایستے نہفت
گشت چوں در دو نقش اتمامِ او ۔۔۔ ساختش نظم الجواھر نامِ او

مندرجہ بالا اشعار میں دُوسرا شعر قابلِ غور ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ مجھے مثنوی کے چند شعر یاد تھے، جی چاہا کہ میں بھی اسی طرح کی ایک طبع زاد مثنوی کہوں۔ مثنوی کا نام نہیں بتایا گیا ہے، لیکن قرینے سے قیاس ہوتا ہے کہ یہاں مولوی روم کی بے نام مثنوی مراد ہے، اس لیے کہ اس مثنوی کی بحر اختیار کی گئی ہے اور اسی کی طرح نقلیں اور تمثیلی حکایتیں بہت بیان کی گئی ہیں۔

آخری تین شعروں میں جواہر علی خاں کو 'منعم' قرار دیا گیا ہے، ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انھیں کے نام پر مثنوی کا نام نظم الجواہر رکھا گیا ہے۔

مولوی نجف علی کہتے ہیں کہ شعر و شاعری میرا فن نہیں ہے لیکن یہ صرف ان کا انکسار ہے۔ مجھے ایک قدیم بیاض میں ان کے تین فارسی قصیدے ملے ہیں۔ ایک قصیدہ ۳۶ شعر کا ہے، جس کا عنوان ہے: "قصیدۂ میر نجف علی صاحب فیض آبادی در مدح جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام"۔ دوسرے قصیدے میں ۲۹ شعر ہیں اور اس کا عنوان ہے: "قصیدہ در مدح جناب سید الشہدا!" تیسرا قصیدہ ۲۳ شعر کا ہے۔ اس کا عنوان کچھ نہیں ہے۔ ہر قصیدے کے مقطعے میں لفظِ نجف موجود ہے، اگرچہ وہ تخلص کے طور پر نہیں لایا گیا ہے۔ ہر قصیدے کے آخر میں کاتب نے اپنا نام یُوں لکھا ہے: "راقم الحروف بندہ احمد علی عفی عنہ ۱۲۵۰ ہجری۔" ذیل میں ان تینوں قصیدوں سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:-

(۱)

اے فضلِ حق بہ ذاتِ تو گر دیدہ مستمند ۔۔۔ شان و نشانِ احمدی از نامِ تو بلند
ہر جا کہ نقشِ پائے تو رفعت دہد بہ خاک ۔۔۔ کروبیاں جبیں پے تعظیم می نہند
قربانِ لطف تو کہ نہادی قدم بہ خاک ۔۔۔ از بہر دست گیریِ چندیں نیاز مند
ورنہ غبارِ طبع کجا، نورِ حق کجا ۔۔۔ اے قدرِ ذاتِ پاک تو، بیروں ز چون و چند
شاہا! من آں غلامِ توام کز عطائے تو ۔۔۔ دارم دلے کہ قلزم و عمّاں از و چکند
ہم نامی و مقامِ توام دادہ آں مقام ۔۔۔ کیں طینتم بہ نظمِ تو دُرِ نجف فگند

(۲)

دلم از براقِ الم جلوہ گہِ عریانی ۔۔۔ ز ورقِ چشم ز سیلابِ ستم طوفانی
از گریباں بزنم تا سرِ داماں صد چاک ۔۔۔ بچشم چادرِ خوں بر بدنِ عُریانی
داغِ ماتم بہ جگر در فگند تابشِ مہ ۔۔۔ ابرِ غم در صدفِ چشم کند نیسانی

چوں نسازم ہمہ ایں حال کہ در دشتِ بلا — کشتہ گردید شہِ مملکتِ ایمانی
مہرِ بُرجِ اسدی ، ماہِ کنارِ زھرا — گلِ باغِ نبویؐ ، دُرِ یمِ سُبحانی
سجدہ گاہِ دو جہاں ! خاکِ درت شد بہ نیاز — بہ نیازے کہ نہادی بہ زمیں پیشانی
بر نہد خاکِ درت در دلِ مرداغِ سجود — سجدہ از خاکِ درت جبہ کند نورانی
ہمہ سر سرِّ الٰہی ، ہمہ رُو جلوۂ طور — ہمہ جاں نورِ حقیقت ، ہمہ تن روحانی
نورِ پیشانیت آئینۂ صاحب نظراں — خمِ ابروئے تو محرابِ دلِ عرفانی
گیرِ دستم بہ جہاں ، اے خلفِ شاہِ نجف ! — سازو سامان وکرم وز سروسامانی
(کذا فی الاصل)

(۳)

بہ مژگاں سُفتم آں دُرہا کہ آرد دست نیسانش — بسا ابرِ غمش داماں وجیب وسینہ عُمّانش
بر دوشِ پاکِ پیغمبرؐ دو بالا رفعتِ حیدرؑ — بہ تاییدِ یداللّٰہی مشیّد دین وارکانش
بہ آں علم وعمل رانی ، دو عالم کرد نورانی — ایں ، باآں ہمہ دانی ، بود طفلِ دبستانش
خداوندا ! بذاتِ خود بہ اسماء وصفاتِ خود — بخیر الکائناتِ خود ، بہ اہلِ بیت واعوانش
بکن سیراب در محشر ز دستِ ساقیِ کوثر — مواقف سہل کن یکسر بہ ہریک از غلامانش
وگر زیں مجمع حاضر کہ شد نواب ما ناظر — بود شاہِ نجف ناصر بجسم وجانِ ایمانش

سبیکۃ الذہب کے مصنّف نے لکھا ہے کہ مولوی نجف علی سُوکھی روٹی نمک کی کنکریوں کے ساتھ کھا لیتے تھے اور ایک چٹائی پر سو رہتے تھے۔ مگر خود ان کی تصنیفوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے ایک امیرِ کبیر دلیر الدولہ دلاور الملک نواب محمد علی خاں بہادر معروف بہ مرزا حیدر کی فرمائش سے مخارجِ حروف سے متعلق ایک رسالہ لکھا۔ ان کے فرزند محمد زکی خاں مشہور بہ نواب بہادر کے لیے 'مشکلاتِ بہادریہ' کی شرح لکھی۔ نواب ناظر جواہر علی خاں کے نام پر اپنی مثنوی کا نام "نظم الجواہر" رکھا۔ اس میں ایک عنوان قایم کیا "در تعریفِ نواب ناظر جواہر علی خاں بہادر دام اقبالہٗ" اور سترہ شعر ان کی مدح میں کہے۔ مثنوی کے آخری حصّے میں انھیں 'منعم' کہا اور 'مدحِ منعم' اور 'شکرِ منعم' پر اسے ختم کیا ہے۔

ایک قصیدے کے آخری شعر میں نواب ناظر کی موجودگی کا ذکر کر کے ان کے جسم وجان وایمان کے لیے دعا کی ہے۔ یہ روش ایسے شخص کی نہیں ہو سکتی، جو سوکھی روٹی نمک کے ساتھ کھا لیا کرتا ہو اور ایک چٹائی پر پڑ رہتا ہو۔ غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک درویش منش، تکلّفات سے دُور، تارکِ لذّات اور متوکّل بزرگ تھے۔ ان کی ان صفتوں کی تصدیق میر احسن خلق کے منقولۂ بالا بیانات سے بھی ہو جاتی ہے۔

میر انیسؔ کے دُوسرے اُستاد مولوی حیدر علی فیض آبادی ابن شیخ محمد حسن ابن شیخ محمد ذاکر ابن شیخ عبدالقادر دہلوی ایک حنفی عالم تھے۔ شیعوں سے مناظرہ اور ان کی رَد ان کا خاص مشغلہ تھا۔ 'تذکرہ علمائے ہند' کے مصنف کا بیان ہے کہ

وہ علمِ مناظرہ و کلام میں "فایق الاقران" تھے خصوصاً شیعوں سے مناظرہ کرنے کے فن میں ہمارے زمانے میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ فریقِ مخالف کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ تر مدِنظر تھا۔ ان کی عمر پچھتر سے متجاوز ہو گئی تھی۔ قریب پانچ سال کے ہوئے کہ حیدر آباد دکن میں اُس دیار کے فرماں روا کے یہاں دو سو روپے ماہوار کے ملازم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا[1]۔ شیعوں سے مناظرے کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں ہیں۔ سب سے مشہور کتاب 'منتہی الکلام' ہے۔ یہ کتاب مولوی سبحان علی خان کی ایک کتاب کا جواب ہے، جو انھوں نے ۱۲۳۷ھ میں تالیف کی تھی۔ 'منتہی الکلام' کی تالیف میں ایک سال اور چند ماہ صرف ہوئے اور یہ ۱۲۵۶ھ میں تمام ہوئی اور غالباً اسی سال حسام الدولہ فقیر محمد خان کی فرمایش سے لکھنؤ میں چھپی۔ اس کے بعد ۱۲۸۲ھ میں دوسری مرتبہ چھپی۔ یہ دوسرا ایڈیشن میں نے دیکھا ہے۔ اس کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایڈیشن میر ناصر علی کے اہتمام سے مطبع ناصری میں چھپا تھا۔ مگر 'خاتمۃ الطبع' میں لکھا ہے کہ میر فخر الدین کے اہتمام سے مطبع حکیم غلام رضا خان میں چھپا۔ واللہ اعلم۔ اس مطبوعہ نسخے کا حجم ۸۱۶ صفحے ہے۔ تقطیع $\frac{22 \times 29}{8}$ ہے۔ ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ زبان فارسی ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن مطبع نول کشور میں بھی چھپا ہے، جس کی ضخامت ۱۲ + ۵۱۴ صفحے ہے۔ ہر صفحے میں سات انچ لمبی ۲۳ سطریں ہیں۔ یہ ایڈیشن بھی میں نے دیکھا ہے۔

شیعوں کے خلاف مناظرے کی ایک اور کتاب مولوی حیدر علی کی تالیف ہے، جس کا نام ہے "رسالۃ المکاتیب فی رویۃ الثعالب والغرابیب[2]"۔ اس کتاب کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلفِ کتاب 'منتہی الکلام' کے اجزا مرتب اور صاف کروا کے سبحان علی خان کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ سبحان علی خان نے 'منتہی الکلام' کے سلسلے میں بعض خط ایک شخص مسمّٰی بہ نور الدین حسین اکبر آبادی کو لکھے تھے، جو بہ قولِ مؤلف حقیقتاً شیعہ تھا، مگر خود کو سُنّی ظاہر کرتا تھا اور مؤلف سے مل کر شکوک و اوہامِ اہلِ تشیع کے جواب پوچھتا رہتا تھا۔ یہ خطوط اتفاقاً مؤلف کے ہاتھ لگے۔ انھوں نے بہ احتیاط رکھ لیے۔ جب مجتہدِ عصر نے 'منتہی الکلام' کے خلاف حاکمِ کوف یعنی لکھنؤ کے سامنے استغاثہ پیش کیا تو مؤلف راتی راتا سفر کرتا ہوا کان پور پہنچا اور یہ خطوط اور اپنے مسودات اپنے ساتھ پالکی پر رکھ کر لیتا گیا۔ وہاں سبحان علی خاں سے ملاقات اور مذاکرے ہوتے رہے۔ وہیں نور الدین حسین کا ایک خط بہ نام سبحان علی خان اس کے ہاتھ آیا۔ ان تمام خطوں کو مؤلف نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے اور ہر خط سے شیعوں کے خلاف کچھ نتائج نکالے ہیں۔ یہ کتاب مطبع شرف المطابع دہلی میں خود مؤلف کی تصحیح کے ساتھ ۱۲۶۸ھ میں چھپی تھی۔ اس کا حجم ۲۲۲ صفحے اور سائز $\frac{20 \times 26}{8}$ ہے، ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں، فارسی زبان ہے۔ یہ کتاب میرے کتاب خانے میں موجود ہے۔

میر علی اوسط رشک نے ۱۲۵۴ھ میں ایک بے نام کی مثنوی کہی تھی، جو ۱۲۶۱ھ میں مطبع احمدی لکھنؤ میں چھپی۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) ص ۵۵

[2] تذکرہ علمائے ہند (ص ۵۵) کے مؤلف نے اس کتاب کا نام یوں لکھا ہے: رویۃ الثعالیب والغرابیب فی انشاء المکاتیب۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

اس مثنوی میں مختلف طبقوں کے ایسے شخصوں کے نام نظم کیے گئے ہیں، جو مصنف کی نظر میں نفرت و لعنت کے قابل ہیں۔ اس میں خاتمے کے قریب حیدر علی فیض آبادی اور ان کے ہم مشرب سلامت اللہ کا ذکر ملتا ہے: ؎

اک سلام اللہ ہے دیو رجیم — اس لیے ہے تا سے مصدر بعدِ میم
ہے بری شیطاں صفت اللہ سے — سمجھو اس کا قرب سلامت اللہ سے
اک فیض آباد کا حیدر علی — وہ خفی مردود ہے، مرتد جبلی
نام ایسا دشمنِ نام امام — جس طرح کافور جو زنگی کا نام
طعنہ زن ہیں دونوں کے دونوں یہ خر — شیعیانِ حیدرِ کرّار پر

اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ مولوی حیدر علی شیعوں کی رد لکھا کرتے تھے۔ اس بنا پر شیعی نقطۂ نظر سے وہ اس بدگوئی اور سخت کلامی کا ہدف بنائے گئے اور اسی بنا پر سُنّی نقطۂ نظر سے وہ تعریف و تحسین کے مستحق قرار پائے۔ ان کی مذکورہ بالا کتاب 'رسالۃ المکاتیب' کے سرورق پر ان کا نام تعظیمی، تعریفی اور دُعائیہ فقروں کے ساتھ یوں لکھا گیا ہے:

"الفاضل الکامل، زبدۃ الاماثل، فخر الافاضل، قدوۃ المحققین، امام المتکلمین، مولانا مولوی حیدر علی صاحب، لازالت ظلّ عاطفتہٖ علیٰ رؤس المستفیضین۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی حیدر علی کا شمار اہلِ سنّت کے زبردست علما میں تھا اور وہ علمِ کلام کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔

مولوی حیدر علی کے سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ مولوی محمد سعید حسرتؔ عظیم آبادی نے ان کی وفات پر دو قطعۂ تاریخ کہے، جو یہاں درج کیے جاتے ہیں:

قطعۂ تاریخِ رحلت مولوی حیدر علی صاحبِ منتہی الکلام بہ شہر حیدر آباد

(۱)

بہ بہشتِ بریں ز دارِ فنا — رفت حیدر علیِ حق آگاہ
فاضلِ کاملِ حمیدہ صفات — عالمِ بے عدیلِ عالی جاہ
صاحبِ منتہی الکلام کہ داد — شیعیاں را جوابِ خاطر خواہ
سالِ رحلت سروش گفت آہ — "ناصرِ دین و مذہب، حق آگاہ"
۳ ۹ ۲ ا ھ

(۲)

اہلِ سنّت مولوی حیدر علی — دخلِ کامل داشت در علمِ کلام
کرد رحلت زیں جہانِ پر فساد — جائے او شُد روضۂ دار السّلام

گفت حسرت سالِ تاریخِ وفات   "شد بجنات العلیٰ شیخ الاسلام"

ان قطعوں میں بھی مولوی حیدر علی کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے کہ وہ شیعوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور ان کو جواب خوب دیتے تھے۔ میر انیسؔ ایسے استاد کے شاگرد رہے تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مولوی حیدر علی شیعی مذہب کے مخالف تھے، لیکن یہ اختلاف شیعہ افراد سے ان کے تعلقات پر کچھ زیادہ اثر انداز نہ تھا۔

'تذکرہ علمائے ہند' کے علاوہ ان کتابوں میں بھی مولوی حیدر علی کے حالات ملتے ہیں، 'فہرست تلامذۂ علمائے فرنگی محل' از مفتی محمد نعمت اللہ فرنگی محلی، 'تذکرۂ علمائے فرنگی محل' از مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی، 'نزہۃ الخواطر' از مولوی حکیم عبد الحئی۔ عزیز محترم مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لیکچرر شعبہ دینیات سنّی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے جو اطلاعات فراہم کیں، ان میں اتنا اختلاف نظر آیا کہ صحیح نتائج نکالنا تقریباً محال ہو گیا۔ مجھ کو میر انیسؔ کے استاد کی حیثیت سے مولوی حیدر علی کے حالات بالخصوص ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخوں کی تلاش ہے۔ اوپر حسرتؔ عظیم آبادی کے دو قطعاتِ تاریخ درج کیے گئے ہیں۔ ایک قطعے سے مولوی حیدر علی کا سالِ وفات ۱۲۹۳ھ نکلتا ہے اور دوسرے سے ۱۲۹۹ھ۔ 'نزہۃ الخواطر' میں بھی ان کا سالِ وفات ۱۲۹۹ھ لکھا گیا ہے۔ 'تذکرہ علمائے ہند' میں ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر پچھتر سال سے زیادہ تھی۔ اگر عمر کا یہ اندازہ صحیح مان لیا جائے تو ان کا سالِ ولادت سالِ وفات سے تخمیناً پچھتر سال پیشتر یعنی تقریباً ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۲۴ھ قرار پاتا ہے۔ میر انیسؔ ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح وہ مولوی حیدر علی کے ہم سن یا ان سے چھ برس بڑے ٹھہرتے ہیں اور استادی و شاگردی کا رشتہ مشکوک بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب تک کچھ اور قابلِ اعتبار ماخذ نہ مل جائیں، اس وقت یہ مسئلہ لاینحل ہی رہے گا۔

میر انیسؔ کا سفرِ حیدر آباد[2]

ڈاکٹر رشید موسوی کے مضمون پر تبصرہ

جنوری ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ 'نیا دور' لکھنؤ میں رشید موسوی صاحبہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس کا عنوان ہے 'میر انیسؔ حیدر آباد میں'۔ اس مضمون میں کئی باتیں ایسی آگئی ہیں جو صحت سے قریب ہیں مگر بالکل صحیح نہیں ہیں۔ ذیل میں اُن باتوں کو لکھ کر ان کی تصحیح کی جاتی ہے۔ ادیبؔ

---

[1] قسطاس البلاغہ ص ۲۸۵ حسرتؔ عظیم آبادی کی نظم و نثر کا مجموعہ 'قسطاس البلاغہ' کے نام سے ۱۲۹۹ھ میں مرتب اور ۱۳۰۰ھ میں احسن المطابع عظیم آباد میں طبع ہوا اور راقم کے کتاب خانے میں موجود ہے۔

[2] مطبوعہ ماہنامہ نیا دور، لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۶۳ء

(۱) نواب تہور جنگ بہادر نے میر انیس کو حیدر آباد بلانے کے لیے جن لوگوں کے ذریعے سے کوشش کی تھی، ان کے نام یوں لکھے گئے ہیں:

"شمس العلما شریف الحسن صاحب جن کا وطن لکھنؤ تھا۔"

"میر انیس کے ایک اور شناسا حامد حسین . . . . لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔"

پہلا نام مع خطاب غلط ہے۔ صحیح یوں ہے 'شریف العلما مولوی سید شریف حسین'۔ ان کا وطن لکھنؤ بتایا گیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ وہ جگراؤں (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ دوسرا نام تو صحیح ہے، مگر وہ جن لفظوں کے درمیان میں آیا ہے اُن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی معمولی درجے کے غیر معروف آدمی کا نام ہے۔ حالانکہ اس سے مراد ہیں شمس العلما مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ مجتہد جو شمس العلما مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد مرحوم کے والد بزرگوار تھے۔

(۲) نیچے لکھے ہوئے دو شعر انیس سے منسوب کیے گئے ہیں: ؂

حیدر آباد دکن سے لکھنؤ — فاصلہ ہے سیکڑوں فرسنگ کا

کب انیس و انس آئے تھے یہاں — فیض ہے یہ سب تہور جنگ کا

انس نہ میر انیس سے پہلے حیدر آباد جا چکے تھے نہ اُن کے ساتھ گئے تھے۔ میر انیس اُن کے حیدر آباد جانے کا ذکر کیوں کر کرسکتے تھے۔ ظاہر ہے یہ شعر کسی اور نے کہے ہیں۔

(۳) "انیس ذی الحجہ کی ۲۷ر یا ۲۹ر تاریخ کو حیدر آباد پہنچے۔"

میر انیس کے سفر حیدر آباد سے متعلق شریف العلما کے وہ خطوط جو انھوں نے حیدر آباد سے اپنے بڑے بھائی کو بھیجے تھے ان کے پوتے سید آغا حسین نے رسالہ 'ہمایوں' لاہور کے نومبر ۱۹۴۰ء کے پرچے میں شائع کر دیے تھے۔ ان کے علاوہ خود میر انیس نے ایک تفصیلی خط حیدر آباد سے اپنے چھوٹے بھائی میر مونس کو لکھا تھا۔ وہ خط میر انیس کے اخلاف میں سے سید محمد ہادی صاحب لائق کے پاس محفوظ اور اس کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ ان خطوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس ۲ر مارچ ۱۸۷۱ء کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۱۱ر مارچ کو حیدر آباد پہنچے۔ یہ تاریخیں شریف العلما کے خطوط سے ۹ر ذیحجہ اور ۱۸ر ذیحجہ ۱۲۸۷ھ کے مطابق ٹھہرتی ہیں اور میر انیس کے خط بہ نام مونس سے ۱۰ر ذیحجہ اور ۱۹ ذیحجہ کے مطابق۔ ذیحجہ کی تاریخوں میں ایک دن کا فرق جو نظر آتا ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کا چاند لکھنؤ میں حیدر آباد سے ایک دن پہلے دیکھا گیا تھا۔ بہر حال میر انیس کے حیدر آباد پہنچنے کی تاریخ ۲۷ر یا ۲۹ر ذیحجہ نہیں بلکہ ۱۸ یا ۱۹ر ذیحجہ تھی۔

(۴) "میر انیس . . . . . . محرم کی ۲۰ر یا ۲۲ر تاریخ تک حیدر آباد میں رہے۔"

شریف العلما ایک خط میں، جس کا ابتدائی حصہ ۲۳ر محرم کو اور آخری حصہ ۲۴ر محرم کو لکھا گیا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں:

"جناب میر انیس فردا ازیں جا روانہ خواہند شد۔"

"۲۴ محرم قریب شام میر صاحب ازیں جا روانہ شدند"

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس محرم کی ۲۰ یا ۲۲ تاریخ تک نہیں بلکہ ۲۴ محرم کی شام تک حیدر آباد میں رہے۔۔۔۔۔۔۔

۲۴ محرم = ۱۵ اپریل ۱۸۷۱ء

(۵) "انیس مجلس میں آنے سے پہلے مرثیے کی خوانندگی کی اچھی طرح پیش مشقی کر لیا کرتے تھے۔"

"پیش مشقی" کے الفاظ غلط فہمی پیدا کر سکتے ہیں۔ میر انیس مرثیہ پڑھنے سے پہلے اس کو اچھی طرح ضرور دیکھ لیتے ہوں گے لیکن معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ گھر پر بلند آواز سے مرثیہ پڑھنے کی مشق نہیں کرتے تھے۔

(۶) حیدر آباد کے قیام میں میر انیس کے معمولات یُوں بیان کیے گئے ہیں:

"صبح کی نماز کے بعد وہ ناشتے سے فارغ ہوتے اور نو بجے سے گیارہ بجے تک کا وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارتے جو ان سے ملنے کے لیے وہاں آتے تھے۔ ان کا دوپہر کا کھانا گیارہ بجے ہوتا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے اور پھر ظہر کی نماز کے بعد التزام کے ساتھ قیلولہ کرتے۔ سہ پہر کو اُٹھ کر ہاتھ مُنھ دھو کر ملاقاتیوں سے ملنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ ملاقاتیوں کا یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہتا۔ رات کے کھانے کے بعد کسی سے نہیں ملتے۔ رات کو وہ عموماً جلد سو جایا کرتے تھے۔"

تقسیمِ اوقات کے اس نقشے میں سونے، کھانے اور ملاقات کرنے کے سوا کسی اور کام کی گنجایش نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ میر انیس مجلس کس وقت اور کتنی دیر پڑھتے تھے۔ شریف العلما کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیدر آباد میں کچھ وقت مرثیہ کہنے میں بھی صرف کرتے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"یک مرثیہ تصنیف مے کنند۔ روزے رو بہ روے من خود می گفتند و پسرِ ایشاں می نوشت۔"

(۷) "انیس جب تک حیدر آباد میں رہے مختار الملک سے ایک مرتبہ بھی ملاقات نہیں کی۔ اس سے اس بات کی مزید توثیق ہو جاتی ہے کہ نواب تہور جنگ اور مختار الملک میں صفائی نہیں تھی۔"

شریف العلما ۱۶ ذیحجہ کے خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت نواب مختار الملک بہادر بہ نواب تہور جنگ گفتند کہ شنیدہ شد کہ میر انیس صاحب می آیند۔ مرد بسیار معقول و نہایت نازک مزاج ہستند۔ باید کہ دقیقہ از دقائق در لوازمِ مہمانیِ اوشاں فروگذاشت نہ شود یا ایں کہ خلافِ احتیاط امرے بہ ظہور رسد۔ در خاطر داریِ اوشاں باید کوشید۔ عرض کردند بچشم۔"

یعنی حضرتِ نواب مختار الملک بہادر نے نواب تہور جنگ سے کہا کہ سُنا ہے کہ میر انیس صاحب آ رہے ہیں۔ وہ بہت معقول اور نہایت نازک مزاج آدمی ہیں۔ ان کی مہمانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے پائے، نہ احتیاط کے خلاف کوئی بات پیش آئے۔ چاہیے کہ ان کی خاطر داری میں کوشش کی جائے [تہور جنگ بہادر نے] عرض کیا بسر و چشم۔

اس واقعے میں مختار الملک اور نواب تہور جنگ کی باہمی کشیدگی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ بالخصوص میر انیس کی

قدر شناسی اور خاطرداری میں کسی طرح کا اختلاف ان دونوں میں نظر نہیں آتا۔

نواب عنایت جنگ کا بیان ہے کہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ میر انیسؔ کی ملاقات کے خواہشمند تھے۔ انھوں نے کوتوال کو بھیج کر میر انیسؔ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ میر صاحب تہور جنگ کے مہمان تھے۔ اس لیے اس خواہش کا اظہار اور وقت ملاقات کا تعین تہور جنگ کے توسط سے ہونا چاہیے تھا۔ اس بنا پر وہ ان کی ملاقات کو نہ گئے۔

> (۸) "اشہری کے بیان کے مطابق نواب تہور جنگ نے انھیں تین ہزار روپے دیے ..... یہ صحیح نہیں ہے۔ نواب تہور جنگ نے انھیں پانچ ہزار روپے نذرانہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ آمد و رفت کا خرچ اور خلعت بھی دیا تھا۔ خلعت میں کرتے کے لیے بہترین ململ اور نگ آباد کا ہمرو تمان[1] اور پانچ سو روپے کا دوشالہ بھی تھا۔"

شریف العلما کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب تہور جنگ نے تین ہزار روپے پیش کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن میر انیسؔ کے نامنظور کر دینے پر اس رقم کو بڑھا کر چار ہزار روپے سکۂ کمپنی کر دیا تھا اور زادِ راہ اسی چار ہزار میں شامل تھا۔ لیکن ممکن ہے میر انیسؔ کے کمالِ مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کو توقع سے زیادہ پا کر ان کی عظیم شخصیت سے متاثر ہو کر طے کی ہوئی رقم سے زیادہ نذر کر دی ہو۔

رشید موسوی صاحبہ نے جو باتیں اپنے اس مضمون میں لکھی ہیں وہ حیدر آباد کے معتبر بزرگ نواب عنایت جنگ بہادر سے دریافت کر کے لکھی ہیں اور موصوف سے زیادہ معتبر راوی مل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ میر انیسؔ کو حیدر آباد بلانے والے تہور جنگ کے وہ فرزند رشید ہیں۔ میر انیسؔ کا حیدر آباد میں عارضی قیام آج سے بانوے (۹۲) سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے جو تفصیلات نواب عنایت جنگ بہادر نے اپنے بزرگوں سے سُنے، انھیں جس حد تک یاد رکھا، وہ بھی حیرت خیز ہے۔ لیکن اگر اتنی طویل مدت کے بعد حافظہ کچھ غلطی کرے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مثلاً ان کا بیان ہے کہ میر انیسؔ کو حیدر آباد آنے کی دعوت دینے کے سلسلے میں جو خط و کتابت ہوئی تھی وہ ان کے پاس محفوظ تھی اور انھوں نے مسعود حسن رضوی کو دے دی۔ اس معاملے میں ان کا حافظہ دھوکا دے رہا ہے۔

میر انیسؔ کے سفر حیدر آباد کا روزنامچہ[2]

حیدر آباد کے صاحبِ عزت و ثروت رئیس نواب تہور جنگ بہادر کو مجالسِ عزا کا شوق تھا۔ جگراؤں (پنجاب) کے

---

[1] لفظ تمان کے معنی میرے استفسار پر ڈاکٹر رشید موسوی نے یہ لکھے ہیں "تمان ڈھیلا ڈھالا مردانہ پاجامہ ہوتا تھا جو ہمرو، کمخاب، مشروع اور اطلس وغیرہ سے بنایا جاتا تھا۔ تقریبوں میں یہ تمان صاحبِ حیثیت لوگ ضرور استعمال کرتے تھے۔" یہ فارسی لفظ تنبان کی بگڑی ہوئی صورت معلوم ہوتی ہے جو ایک طرح کا پاجامہ ہوتا تھا۔ ادیبؔ

[2] مطبوعہ ماہ نامہ نیا دور، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۷۱ء

رہنے والے ارسطوجاہ مولوی رجب علی کے فرزند شریف العلما مولوی شریف حسین جو حیدر آباد میں ناظمِ عدالت تھے، ان کی تحریک پر انھیں کے ذریعے سے تہور جنگ بہادر نے میر انیسؔ کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ شریف العلما نے میر انیس سے خط و کتابت کرکے اور شمس العلما مولوی سید حامد حسین صاحب مجتہد سے سفارش کروا کے میر انیسؔ کو حیدر آباد کے سفر پر رضا مند کر لیا۔ جس وقت سے نواب تہور جنگ نے میر انیسؔ کو بلانے کا ارادہ کیا اور جس وقت تک میر انیسؔ حیدر آباد میں قیام پذیر رہے، شریف العلما تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک ایک بات اپنے بڑے بھائی صاحب کو لکھتے رہتے تھے۔ ان کے خطوط گویا ایک روزنامچہ ہیں جس میں میر انیسؔ کے سفر اور قیام کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ ان خطوں میں سے سترہ خط شریف العلما کے پوتے سید آغا حسن صاحب نے "میر انیسؔ کا سفرِ دکن" کے عنوان سے رسالہ 'ہمایوں' لاہور بابت نومبر ۱۹۲۰ء میں شائع کر دیے تھے۔ چند خط اُردو میں اور بیشتر خط فارسی میں ہیں۔ ذیل میں اردو خطوں کے ضروری اقتباسات اور فارسی خطوں کے ضروری حصے اُردو میں ترجمہ کرکے تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں۔

تین خط اور ہیں جن سے اس سفر کے بارے میں کچھ مستند معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خط میر انیسؔ کا ہے جو انھوں نے ۴ر اپریل ۱۸۷۱ء کو حیدر آباد سے میر مونسؔ کے نام لکھا تھا، ایک خط میر مونسؔ کا ہے جو انھوں نے ۱۴ر ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ کو میر انیسؔ کے حد درجہ عقیدت مند حکیم سید علی کے نام دولہی پور ضلع بنارس بھیجا تھا اور ایک خط میر انسؔ کا ہے جو اُنھوں نے ۱۹ر ربیع الاول ۱۲۸۸ھ کو انھیں حکیم سید علی کے نام لکھا تھا۔ ان غیر مطبوعہ خطوں کے ضروری اقتباس بھی درج کیے جا رہے ہیں۔

شریف العلما کے خطوط

(۱) مورخہ ۱۲ر رمضان ۱۲۸۷ھ = ۷ر دسمبر ۱۸۷۰ء

جناب مولوی حامد حسین صاحب قبلہ کا خط آیا کہ میر انیسؔ کو تین ہزار منظور نہیں۔ چنانچہ اب نواب تہور جنگ بہادر نے دُوسرا خط لکھوایا ہے کہ اگر میر انیسؔ صاحب آئیں تو چار ہزار کمپنی اور اگر مونسؔ آئیں تو تین ہزار کمپنی ہر سال دُوں گا۔

(۲) مورخہ ۱۲ر شوال ۱۲۸۷ھ = ۴ر جنوری ۱۸۷۱ء

پرسوں مولوی حامد حسین صاحب قبلہ کا خط آیا کہ میر انیسؔ صاحب کو چار ہزار پر تشریف لانا منظور ہے۔ لہٰذا نواب تہور جنگ بہادر سے ایک خط مہری مع پانچ سو روپیا زادِ راہ لے کر روانہ کر دو۔ چنانچہ اس وقت مسودہ بہ نام میر انیسؔ صاحب کر چکا ہوں، صاف کرکے روانہ کر دوں گا۔

(۳) مورخہ ۲۳ر شوال ۱۲۸۷ھ = ۱۵ر جنوری ۱۸۷۱ء

میر انیسؔ صاحب کا زادِ راہ اسی چار ہزار میں طے ہوا ہے اور خط مہری نواب تہور جنگ بہادر کا بہ نام میر صاحب روانہ ہو گیا ہے۔

(۴) مورخہ ۱۸ر ذی قعدہ ۱۲۸۷ھ = ۹ر فروری ۱۸۷۱ء

تمام شہر میں شہرہ ہوگیا ہے کہ میر صاحب آ رہے ہیں۔ غرض عجب کیفیت قابلِ ملاحظہ ہے۔ میر انیس صاحب کا جو خط میرے نام آیا ہے وہ ملفوف ہے۔ اس خط میں میر انیس صاحب نے میرے حال پر عنایت فرمائی ہے اور مجھ کو موردِ عنایات قدیمی قرار دیا ہے۔ آج میر انیس صاحب کے خط کے جواب میں تار بھیج دیا گیا ہے۔ کل پانچ سو روپے زادِ راہ مولوی حامد حسین صاحب قبلہ کی معرفت روانہ کیے جا چکے ہیں۔ غالباً ۱۲ ذی الحجہ تک میر صاحب اس شہر میں وارد ہو جائیں گے۔

(۵) مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۸۷ھ = ۱۲ فروری ۱۸۷۱ء

میر انیس صاحب اوّل ذی الحجہ کو وہاں سے روانہ ہوں گے۔ مجلس کی بڑی بڑی تیاریاں ہوئی ہیں۔ چاندنیاں سی جا رہی ہیں، جگہ جگہ سے سائبان [یعنی شامیانے] منگوائے گئے ہیں، مکانوں میں سفیدی ہو رہی ہے۔

(۶) مورخہ ۴ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ = ۲۴ فروری ۱۸۷۱ء

داد دینے کا یہاں دستور نہیں ہے لیکن دو تین سو ہندوستانی ہیں، وُہ تعریف کریں گے..... اب تو میر صاحب ہمیشہ کے واسطے یہاں مقرر ہوتے ہیں..... کل میرے نام حکیم وزیر مرزا صاحب کا خط آیا ہے اور مولوی حامد حسین صاحب کا بھی کہ اب میر انیس بروز پنج شنبہ ۹ ذی الحجہ کو لکھنؤ سے روانہ ہوں گے اور تار پر خبر بھیجی جائے گی۔

(۷) مورخہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ = ۶ مارچ ۱۸۷۱ء

جناب میر انیس صاحب اس وقت تک نہیں پہنچے ہیں لیکن روز جمعہ ۳ مارچ کو لکھنؤ سے تار آیا ہے کہ میر صاحب دوم مارچ روز پنج شنبہ لکھنؤ سے روانہ ہوئے ہیں، آیندہ شنبے تک پہنچ جائیں گے۔

حضرت نواب مختار الملک بہادر نے نواب تہوّر جنگ بہادر سے کہا، سُنا گیا ہے کہ میر انیس صاحب آ رہے ہیں۔ بہت معقول اور نازک مزاج آدمی ہیں۔ ان کے لوازمِ مہمانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے نہ کوئی امر خلافِ احتیاط پیش آئے، چاہیے کہ ان کی خاطر داری میں کوشش کی جائے۔

تمام شہر میں ان کی تشریف آوری کا عجب شہرہ ہے۔ پیش کار یعنی نائب دیوان راجہ اندر نرائن جو راجہ چندو لال کے پوتے اور دس ہزار روپے ماہ وار کے تنخواہ دار ہیں، میر انیس صاحب کے مشتاق ہو کر کہتے ہیں کہ محرم کے بعد ایک مجلس اپنے گھر میں کروں گا اور تمام بڑے بڑے امرا کو مدعو کر کے میر انیس صاحب کو سنوں گا۔

نواب تہوّر جنگ بہادر میر صاحب کے استقبال کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ بندہ بھی ان کے ہم راہ جائے گا۔ یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر طالب الدولہ مرحوم کے باغ میں بمقام پٹن چرو استقبال کریں گے۔

(۸) مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ = ۱۳ مارچ ۱۸۷۱ء

الحمدُ للہ کہ جناب میر انیس صاحب قبلہ ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کے دن شام کے قریب یہاں پہنچ کر اس شہر کے لیے اس آیت کے مصداق ہو گئے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ اُس وقت سے ایک ہجوم ہے۔ نواب تہوّر جنگ بہادر اور بندہ جناب کے ہم نشین ہیں۔ عرض نہیں کر سکتا ہوں کہ کیا لُطف حاصل ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب میر انیس کا پڑھنا دلوں کے لیے مقناطیس ہے۔ آج اپنے چند شعر پڑھے تھے۔ یہاں کے نافہم لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے، اہلِ فن کا کیا ذکر۔ جناب میر انیس صاحب سترویں سال میں ہیں، لیکن بہت توانا ہیں اور دس دن تک مرثیہ پڑھنے کے لیے مستعد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے میر نواب [مونس] اور میر خورشید علی [نفیس] کا کلام کبھی نہیں پڑھا۔

خط لکھنے کا دن حسبِ معمول کل تھا، لیکن جناب میر انیس کی تشریف آوری اور مہمان داری سے فرصت نہیں ہے۔ چونکہ اس وقت خوابِ استراحت فرما رہے ہیں یہ چند حروف بہ صد وقت لکھے ہیں کیونکہ طبیعت خط لکھنے کی طرف بالکل مائل نہیں ہے۔

(۹) مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ = ۱۷ مارچ ۱۸۷۱ء

جناب میر انیس صاحب سے بہت دفعہ ملاقات ہوئی اور ہر روز ہوتی ہے۔ بڑے خوش صفات آدمی ہیں۔ مزاج میں امارت مطلقاً داخل نہیں ہے۔ بڑے سادہ طبیعت ہیں۔ اکثر اوقات نور محمد اور رسندے خاں [ملازمین شریف العلما] سے باتیں کرتے ہیں اور مہربانی سے پیش آتے ہیں۔

آج کل لکھنؤ میں ان کا وقت بُرا گزر رہا ہے۔ کسی جگہ سے کوئی سبیل نہیں رہی ہے۔ سرکار دولت مدار گورنمنٹ کی طرف سے پندرہ روپے اس کے صلے میں عطا ہوتے ہیں کہ مصنّف 'بدرِ منیر' یعنی میر حسن مصنّف 'سحر البیان' کے پوتے ہیں اور حکیم بندے مہدی نجف کے وثیقے سے چالیس روپے دیتے تھے وہ بند ہو گئے۔ بہ درجۂ مجبوری سفر اختیار کیا ہے

یہاں پہنچ کر آب و ہوا کی تبدیلی سے میر صاحب کو کھانسی ہو گئی ہے، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ ایک مرثیہ تصنیف کر رہے ہیں۔ ایک دن میرے سامنے خود کہتے جاتے تھے اور ان کے بیٹے لکھتے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ ایک عرصے سے مرثیہ کہنا اور پڑھنا ترک کر دیا ہے اور اب اس کی طاقت نہیں ہے۔ تاہم سب سے بہتر ہیں۔

(۱۰) مورخہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ = ۲۱ مارچ ۱۸۷۱ء

میر انیس صاحب کے پاس اکثر بیٹھتا ہوں . . . . میر انیس فی الواقع بے نظیر آدمی ہیں۔ بڑے غیور، خوش اخلاق اور نیک مزاج اور نہایت خوش تقریر ہیں کہ انسان محو ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیمار ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں کے دن مرثیہ پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

جناب نواب مختار الملک بہادر نے مجلس کے لیے ایک سائبان [شامیانہ] بھیجا ہے جس کا طول بیس گز اور عرض بیس گز ہے اور ایسے ہی چوبی تخت۔

میر انیس نے میر تقی کے دو شعر پڑھے :

تیری گلی میں ہم نہ چلیں اور صبا چلے
یونہی خدا جو چاہے تو بندے کا کیا چلے

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو

رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

کہتے ہیں کہ اس وقت لکھنؤ میں سَو سے زیادہ مرثیہ گو ہیں اور بڑے بڑے لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ میں جو مرثیہ کہتا ہوں اس کو خراب کرتے ہیں اور میرے محاورات کا سرقہ کرتے ہیں۔

میر انیسؔ کو شدت سے بخار ہے۔ حق تعالیٰ شفا دے۔

(۱۱) مورخہ ۴ر محرم ۱۲۸۸ھ = ۲۶ر مارچ ۱۸۷۱ء

آج محرم کی چوتھی تاریخ ہے اور میر انیسؔ صاحب ضعفِ پیری اور ضعفِ مرض کے باوجود ہر روز مرثیہ پڑھتے ہیں۔ جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کو عرض نہیں کر سکتا ہوں۔ سارا حیدر آباد مشتاق بلکہ انیسیہ ہو گیا ہے۔

سندے خاں اور حاجی نور محمد جناب انیسؔ کی مہمان داری کے اہتمام میں اس قدر مصروف ہیں کہ نواب تہور جنگ بہادر ان سے بہت خوش ہیں۔

(۱۲) مورخہ ۱۲ر محرم الحرام ۱۲۸۸ھ = ۲ر اپریل ۱۸۷۱ء

آدھے محرم تک مجالسِ عزا بڑے زور شور کی ہوئیں۔ کسی مجلس میں پانچ ہزار سامعین سے کم نہ تھے۔ یہاں کے معمر لوگ کہتے ہیں کہ سَو برس سے ایسی مجلسیں اور مجمعے یہاں نہیں ہوئے تھے۔ خاص کر نویں تاریخ کو میر صاحب نے ایک مرثیہ پڑھا[1] جو اس مرثیے کا جواب تھا . . . . . جو انھوں نے لکھنؤ میں ہماری مجلس میں پڑھا تھا اور اس سے ہزاروں درجہ بہتر۔ اس کے چند مصرعے یاد ہیں: ؎

تیغ و سپر جو ہیں شہِ خوشخو لیے ہوئے — غُل ہے کہ ہاں نجات کا پہلو لیے ہوئے

ٹیپ: ؎

شبیرؑ تو امام ہے ابنِ امام ہے — گر غیظ آ گیا تو یہ قصہ تمام ہے

ایضاً: ؎

ہاں لنگرِ سفینۂ دیں کس طرح ہٹے — اور قطبِ آسمان و زمیں کس طرح ہٹے

نقطہ ہے دائرے سے یہ باہر نہ ہوئے گا

ایضاً در مرثیۂ فرزندانِ حضرت زینبؑ خاتون: ؎

اس طرح سے لڑتے تھے جو وہ تشنہ دہاں دو — دو لاکھ کے لشکر میں یہ غل تھا کہ اماں دو

---

[1] یہ مصرعے اس مرثیے میں ہیں جس کا مطلع ہے:

جب خاتمہ بہ خیر ہوا فوج شاہ کا

فرمایا کہ لشکر کے نشاں دو تو اماں دیں ‏ ‏ گر صلح کی حضرتؑ زباں دو تو اماں دیں
اصغرؑ کو جو یہ آب رواں دو تو اماں دیں[1]

مختصر یہ کہ یہاں کے لوگ اس قدر محظوظ ہوتے کہ کوئی حد نہیں۔

محرم کی آٹھویں تاریخ کو جناب مختار الملک بہادر نے داروغہ عبدالوہاب کو بھیجا کہ میں بہت مشتاق ہوں، ایک مجلس کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ گیارھویں تاریخ مجلس قرار پا گئی ہے۔ نواب صاحب کی والدہ اور خود نواب صاحب مجلس میں رونق بخش ہوں گے اور مبلغ دو ہزار قرار پائے ہیں۔

(۱۳) مورخہ ۱۲ ر محرم ۱۲۸۸ھ = ۳ ر اپریل ۱۸۷۱ء

جناب میر صاحب کے تشریف لے جانے میں ابھی کچھ تامل ہے۔

(۱۴) مورخہ ۱۵ ر محرم ۱۲۸۸ھ = ۶ ر اپریل ۱۸۷۱ء

آپ کے خط میں لکھے ہوئے جملہ مضامین جناب میر صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچا دیے۔ کمال درجہ شکر گزار ہوئے۔ کہتے ہیں کہ میں جناب علیین مآب [ارسطو جاہ بہادر مرحوم] طاب ثراہ کے کل خاندان و اولاد کا ممنون ہوں۔

(۱۵) مورخہ ۲۰ ر محرم ۱۲۸۸ھ = ۱۱ ر اپریل ۱۸۷۱ء

حضور نواب مختار الملک بہادر نے میر انیسؔ کی جو مجلس تجویز کی تھی اس کو بعض دراندازوں نے درہم برہم کر دیا۔ اب یہاں سے میر صاحب کی روانگی ۲۳ ر محرم کو مقرر ہوئی ہے۔ نور محمد ان کے ساتھ جائے گا۔

(۱۶) مورخہ ۲۳ ر محرم ۱۲۸۸ھ = ۱۴ ر اپریل ۱۸۷۱ء

جناب میر انیسؔ کل یہاں سے روانہ ہوں گے۔ نور محمد بھی ان کے ہم راہ ہے۔ یہاں کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ میر انیسؔ صاحب بیسویں محرم کو نواب تہور جنگ بہادر کے مکان سے آ کے تہور جنگ اور ان کے آدمیوں کے ساتھ ٹیپو میاں کے باغ میں مہمان ہیں۔ بلا مبالغہ اس قدر مہمان داری کر رہے ہیں جس کی حد نہیں۔ یہاں تک کہ ۲۴ ر محرم کو قریب شام میر صاحب ممدوح سے یہاں روانہ ہو گئے۔ ٹیپو صاحب نے پانچ سو روپے کی اشرفیاں ان کے بازو پر باندھ دیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں سے بہت خوش گئے ہیں۔

میر انیسؔ کا خط مورخہ ۴ ر اپریل ۱۸۷۱ء بہ نام میر مونسؔ

عید اضحیٰ کے دن رخصت ہو کر بہت سی منزلیں طے کر کے میں حیدر آباد پہنچا۔ حسین ساگر تک، جو کہ انگریزوں کی چھاؤنی ہے، تہور جنگ بہادر نے اپنے عزیزوں اور شہر کے بڑے بڑے امیروں کے ساتھ استقبال کر کے بڑے شوق سے اپنے مکان

---

[1] یہ مصرعے اس مرثیے میں ہیں، جس کا مطلع ہے:

دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے

پہنچا یا اور یہاں جو مہمان داری کا حق ہے اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے ہیں۔

انیسویں تاریخ [ذی الحجہ] کو یہاں پہنچا۔ رات صحت سے گزری۔ صبح کو نزلے کی تحریک اور کھانسی ہو گئی اور شام کو بخار آگیا۔ بخار، دردِ سر اور غفلت کی وجہ سے چھ دن برابر کھانے پانی سے واقف نہیں ہوا۔ محرم کی ابتدا تک یہی حال رہا۔

پہلی تاریخ [محرم] کو قریب پانچ ہزار آدمیوں کا مجمع ہو گیا تو تہور جنگ میرے پاس آئے اور کہا کہ اگر طاقت ہو تو مجلس میں شرکت کیجیے تاکہ مجلس کی برکت سے مرض میں تخفیف ہو جائے۔ عجیب حالِ زار سے مجلس میں پہنچا۔ میر محمد [سلیس] سے پڑھنے کے لیے کہا۔ انھوں نے چند بند پڑھ کے ختم کر دیا۔ میں اسی حال میں اُٹھ کر منبر پر گیا اور چند بند آہستہ آہستہ پڑھے۔ فقط سید الشہدا کی تائید تھی کہ مجلس کا رنگ دگرگوں ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ میں لکھنؤ میں پڑھ رہا ہوں۔ پڑھنے کے بعد تمام مجلس جو امیروں اور دُوسرے عقیدے کے لوگوں سے بھری ہوئی تھی میرے پیروں پر گر پڑی۔

اس دن سے بخار کی شدت میں سات دن برابر پڑھتا رہا۔ روزانہ سات ہزار آدمیوں سے کم نہ ہوتے تھے اور نویں تاریخ کو مجلس کا حال کیا لکھوں۔

محرم کے بعد بھی کامل صحت نہیں ہوئی۔ روزانہ یہاں سے روانہ ہونے کا قصد کرتا ہوں۔ لیکن لوگ نہیں چھوڑتے۔ مختار الملک بہادر مجلس کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن ضعف اور کھانسی کی اب بھی شدت ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ اب کہتے ہیں کہ مجھ سے ملاقات کر کے جائیں۔ مگر میں نے کہلا بھیجا کہ میں جلد حاضر ہو کر ماہِ شعبان میں ملازمت حاصل کروں گا کیونکہ اس وقت طرح طرح کے عوارض کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں ہے۔

اگر خدا نے چاہا اور سید الشہدا نے مدد فرمائی تو یہاں سے جلد روانہ ہو جاؤں گا۔ اپنے خیال میں بیسویں تاریخ [محرم] قرار دی ہے، آیندہ جو خدا کی مرضی۔ دعا کرو کہ اس شہر سے نجات پاؤں اور اپنی جان سلامت لے جاؤں۔ وقتِ ملاقات، اگر زندہ پہنچ گیا تو سب حالات بیان کروں گا۔ اس وقت ضعف مانع ہے۔

میر مونس کا خط مورخہ ۱۴؍ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ بہ نام حکیم سید علی

دسویں تاریخ عید اضحیٰ کے دن جناب برادر صاحب مع سید عسکری و سید محمد و دو خدمت گار اور دو شخصوں کے نواب تہور جنگ بہادر کی طلب پر حیدر آباد تشریف لے گئے۔

میر انیس کا خط مورخہ ۱۹؍ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ بہ نام حکیم سید علی

میر صاحب بہ تعجیل تمام حیدر آباد سے تشریف لے آئے۔ پانچ ہزار روپے ان کو ملے۔

نواب عنایت جنگ کا بیان

اوپر جن خطوط کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ میر انیس کے سفر حیدر آباد کے مستند ترین ماخذ ہیں۔ ان کے علاوہ نواب تہور جنگ بہادر کے فرزند نواب عنایت جنگ کا بیان بھی ہے جس کو ایک حد تک معتبر سمجھ سکتے ہیں۔ ایک حد تک اس کے لیے کہ انھوں نے جو حالات بیان کیے ہیں وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے، بزرگوں سے سُنے تھے اور میر انیس کے چند روزہ قیام حیدر آباد سے

کوئی نوّے سال کے بعد بیان کیے ہیں۔ اتنی طویل مدت کے بعد حافظے کا غلطی کرنا ممکن ہے۔

ڈاکٹر رشید موسوی نے میر انیسؔ کے سفرِ حیدر آباد کے حالات نواب تہور جنگ بہادر کے فرزند رشید نواب عنایت جنگ اور حیدر آباد کے دوسرے معمر بزرگوں سے دریافت کرکے لکھے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اس زمانے میں لکھنؤ سے حیدر آباد جانے کا راستہ بلہار شاہ اور قاضی پیٹھ کی طرف سے نہیں تھا، کیونکہ یہ ریلوے لائن ابھی بنی نہیں تھی۔ اس لیے وہ بمبئی، پونا کی راہ سے گلبرگہ پہنچے۔ گلبرگہ سے حیدر آباد تک ریلوے لائن کا سلسلہ نہیں تھا اس لیے تہور جنگ نے گھوڑا گاڑی و بدرقہ کے ساتھ تعلقداروں میں سے چند اور لوگوں کی کافی تعداد کو استقبال کے لیے گلبرگہ روانہ کیا۔ گلبرگہ سے انیسؔ گھوڑا گاڑی کے ذریعے حیدر آباد آئے۔ جب انیسؔ کے حیدر آباد پہنچنے کی خبر ملی تو تہور جنگ نے اپنے دوست احباب کی کثیر تعداد کے ساتھ دلّی دروازے کے پاس جا کر انیسؔ کا استقبال کیا[1] اور اپنے ساتھ لاکر اپنی ڈیوڑھی میں بالائی منزل پر ان کو مقیم کیا۔ یہ ڈیوڑھی میر عالم کی منڈی کے پاس دارالشفا کے قریب واقع ہے۔ گلبرگہ سے حیدر آباد تک گھوڑا گاڑی پر سفر کرنے کے تکان سے میر انیسؔ کو زکام اور حرارت ہوگئی۔ استخارہ کرکے ڈاکٹر مرزا علی کا علاج شروع کیا گیا جس سے فائدہ ہوا۔

انھیں محترمہ (ڈاکٹر رشید موسوی) نے نواب عنایت جنگ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی محرم کو میر انیسؔ نے مرثیہ شروع کرنے سے پہلے یہ رباعی پڑھی :

اللہ و رسولِ حق کی امداد رہے سرسبز یہ شہرِ فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے یارب آباد حیدر آباد رہے

رباعی کے بعد وہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے :

بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُر

جب مرثیہ شروع کیا تو ایک سماں بندھ گیا اور چاروں طرف سے واہ وا کا شور بلند ہوا۔ لیکن کم زوری اور تکان کا اثر ابھی باقی تھا، اس لیے چودہ بند پڑھ کر منبر سے اُتر آئے۔[2] میر انیسؔ نے عشرۂ محرم میں دس مجلسیں پڑھیں۔ جب مجلس بھر جاتی تھی تو میر انیسؔ کو اطلاع کی جاتی تھی اور وہ اُوپر سے اتر کر مجلس میں داخل ہوتے تھے اور منبر کے دوسرے زینے پر بیٹھ کر مرثیہ پڑھتے تھے۔ مرثیہ ختم کرکے منبر سے اتر کر قریب ہی بیٹھ جاتے تھے اور وہیں لوگ ان سے ملاقات کرتے تھے۔ مجلس میں وہ ململ کا کُرتہ، چوگوشیہ ٹوپی اور گھیر دار پاجامہ پہنتے تھے اور مرثیہ پڑھتے وقت گھٹنوں پر سفید رومال ڈال لیتے تھے۔ مرثیہ پڑھتے میں اگر حلق خشک ہوجاتا تھا تو بھی پانی نہیں پیتے تھے۔

جب میر انیسؔ حیدر آباد سے جانے لگے تو :

"تہور جنگ نے پانچ ہزار نقد نذرانہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ آمد و رفت کا خرچ اور خلعت بھی دیا تھا۔ خلعت

---

[1] دکن میں مرثیہ اور عزاداری (۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۷ء) ص ۱۱۳، ۱۱۴ [2] ایضاً ص ۱۵

میں کُرتے کے لیے بہترین ململ، اورنگ آباد کا ہمرو[1] تمان[2] کے لیے اور پانچسو روپے کا دوشالہ بھی تھا۔[3]

شریف العلما کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب تہور جنگ نے تین ہزار روپے پیش کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن میر انیس کے نامنظور کر دینے پر اس رقم کو بڑھا کر چار ہزار روپے سکۂ کمپنی کر دیا تھا اور زادِ راہ اسی چار ہزار میں شامل تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ میر انیس کے کمال مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کو توقع سے زیادہ پا کر اور ان کی عظیم شخصیت سے متاثر ہو کر طے کی ہوئی رقم سے زیادہ نذر کر دی ہو۔

توضیحات

گلبرگہ سے حیدر آباد جانے کے دو راستے تھے۔ ایک کا فاصلہ ۱۴۴ میل اور دوسرے کا ۱۲۴ میل تھا۔ کوئی پختہ سڑک نہ تھی، صرف کچے راستے اور پگ ڈنڈیاں تھیں۔

حسین ساگر کی شمالی حد سے شہر حیدر آباد کا فاصلہ تقریباً ۲½ میل اور جنوبی حد سے تقریباً ۳ میل ہے۔ بعض قرائن سے اندازہ کیا گیا ہے کہ میر انیس حسین ساگر کی شمالی حد سے حیدر آباد میں داخل ہوئے ہوں گے اور وہیں ان کا ابتدائی استقبال ہوا ہوگا۔

تہور جنگ کی ڈیوڑھی میر عالم کی منڈی اور پرانی حویلی کے درمیان تھی وہاں سے دلّی دروازے کا فاصلہ ایک میل ہے۔ اسی دروازے پر میر انیس کا شان دار استقبال کیا گیا تھا۔ دلّی دروازہ اب حیدر آباد کے دو تین اور دروازوں کی طرح منہدم ہو چکا ہے۔

تہور جنگ کی ڈیوڑھی کے دالان در دالان میں میر انیس نے مجلسیں پڑھی تھیں۔ اس کے متصل ایک وسیع صحن ہے۔

ٹیپو صاحب ریاست حیدر آباد کے ایک دولت مند جاگیر دار تھے۔

میر انیس کی بیماری

از خطوط میر نواب مونس بہ نام حکیم سید علی

جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ:

جناب برادر صاحب تپ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ایک ماہ کامل بیمار رہے۔ آٹھ عمل (اختتان) مع بدرقے کے ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ تپ دفع ہو گئی ضعف کا حال کیا لکھوں، تن درستی کی حالت ہی میں ضعیف تھے۔ اس بیماری سے اور

---

[1] ہمرو: ایک خوش رنگ قیمتی کپڑا۔

[2] تمان: ڈھیلا ڈھالا مردانہ پاجامہ۔ یہ تنبان (تبان) کی بگڑی ہوئی صورت معلوم ہوتی ہے۔

[3] دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص ۱۲۰

ناتواں ہو گئے ہیں۔

چہار شنبہ ۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ :

لکھنؤ سے میر محمد حسین نے لکھا ہے کہ میر صاحب کی طبیعت علیل ہے۔

شعبان ۱۲۸۹ھ :

میر صاحب قبلہ کے مزاج کی درستی کا اعتبار ایک ہفتے کے لیے بھی نہیں ہے۔ اکثر طبیعت نادرست ہو جاتی ہے۔

۹ صفر ۱۲۹۱ھ :

جناب برادر سید انیسؔ صاحب بہ صحت و عافیت ہیں۔

شوال ۱۲۹۱ھ :

ساڑھے تین مہینے سے برادر صاحب کا جو حال ہے وہ آپ کو خطوں سے معلوم ہوا ہو گا۔ اب امراض میں تخفیف ہے۔ عرق رکب کی تبرید استعمال کی جا رہی ہے اور وہ جناب ممدوح کے لیے بہت نافع ہے۔ شافی حقیقی شفائے کُلّی عطا فرمائے۔ دو تین مہینے کمال تردد و تشویش میں بسر ہوئے، خاص کر ماہِ صیام۔ اب تک غذا پر ان کی رغبت نہیں ہے۔ مرغ کے چوزے کا شوربا بالفعل شروع کیا گیا ہے اور رات کو یخنی دی جاتی ہے۔ خدائے قادر و توانا سے امید قوی ہے کہ اس ضعف کو قوت سے مبدّل کرے اور اس ساڑھے تین مہینے کے عرصے میں دُو تین مرتبہ جو نکس ہو چکا ہے اس سے محفوظ رکھے۔

د ماہ حال ؟

آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے برادر صاحب قبلہ کی خدمت میں آپ کی تحریر پیش کی۔ فرمایا حکیم صاحب کو لکھ دو کہ آپ میرے حال سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ زحمت برداشت کرنا میرے امکان میں نہیں ہے۔ بہ خدا کسی اور بات کی طرف میری نظر نہیں ہے۔ صرف ضعف اور مزاج کی بے لطفی کا عذر کیا ہے۔

۲۸ ماہ حال یوم جمعہ :

جناب برادر صاحب قبلہ دو مہینے بیمار رہے، ضعف بہت ہو گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ناطاقتی کے سوا کوئی مرض نہیں ہے۔

بے تاریخ :

جناب برادر صاحب کبھی صحیح رہتے ہیں کبھی بیمار۔ اس وجہ سے ضعف ہو گیا ہے۔ یقین ہے کہ جاڑوں میں قوت آ جائیگی۔

از خطوط میر مہر علی انسؔ بہ نام حکیم سید علی

۱۷ روز شنبہ :

برادر صاحب قبلہ کی طبیعت علیل ہے۔ کبھی افاقہ ہو جاتا ہے کہ مرض عود کر آتا ہے۔ ایک ہفتے سے درد حوالی کلیہ ریاح کی شرکت کے ساتھ سخت تکلیف دے رہا ہے۔ تنقیئے بھی ہوئے، امالہ بھی ہوا۔ اب تک صحت نہیں ہُوئی۔ آج پہلے سے

کسی قدر سکون ہے۔

۱۵ رجمادی الثانی سنہ ۱۲۸۹ھ؛

آج کل جناب برادر صاحب میر انیسؔ تپ و لرزہ میں مبتلا ہو کر بہت بیمار ہو گئے تھے۔ مسہل وغیرہ کے بعد اب رو بصحت ہیں لیکن نقاہت و ناتوانی بےحد ہے۔

۱۷ رجمادی الثانی سنہ ۱۲۸۹ھ

اس شہر میں فصلی بخار کا حشر برپا ہے۔ بخار کے بعد درد اعضا کی وجہ سے ہر شخص گھٹنوں اور ہاتھوں کے گٹّوں کو باندھے ہوئے ہے۔ بڑے بھائی صاحب کے گھر میں بھی لوگ اس تپ میں مبتلا ہو کر اچھے ہو گئے۔

رمضان سنہ ۱۲۹۱ھ؛

میر ببر علی صاحب رجب کے مہینے سے بہت علیل ہیں۔ میں نے ان کی عیادت کے لیے جانے کا قصد کیا تو فرمایا کہ اگر وہ آئیں گے تو میں اپنے چھریاں مار لوں گا اور اگر جنازے پر آئیں تو جب تک وہ جا نہ لیں جنازہ نہ اٹھانا، چاہے تین دن گزر جائیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے کلمات کہلا بھیجے ہیں۔ میں ابھی تک نہیں گیا۔ مگر میرا دل نہیں مانتا، جس طرح ہوگا جاؤں گا۔

شوال سنہ ۱۲۹۱ھ؛

رمضان بھر میں صوم کی وجہ سے دن بھر اپنے حال میں گرفتار رہتا تھا۔ نصف شب کو بھائی صاحب کے لیے دعائیں پڑھ پڑھ کر دعا مانگا کرتا تھا۔ میں نے میر نواب سے جب کبھی ان کی عیادت کو جانے کا ذکر کیا تو انھوں نے یہی کہا کہ خدا کے واسطے آپ نہ جائیے، کیونکہ انھوں نے اپنے لڑکوں کو وصیت کر دی ہے کہ میر مہر علی کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا۔ یہ سن کر میں چپ ہو رہتا تھا۔ عید کے دن میر نواب سے معلوم ہوا کہ آج غشی بہت ہے۔ آنکھ نہیں کھولتے ہیں اور پاؤں کا ورم بہت بڑھ گیا ہے۔

یہ سن کر ضبط کی تاب نہ رہی۔ میں چیخیں مار کر رونے لگا۔ قریب شام میں ان کے یہاں پہنچا۔ کچھ دیر دیوان خانے ہی میں بیٹھا رہا۔ مجھ کو دیکھ کر میر خورشید علی اور عسکری سہم گئے۔ مگر میں بغیر بھائی صاحب کو اطلاع کیے ہوئے پردہ کروا کر اندر گیا۔ تینوں لڑکے خوف کے مارے دوسرے دالان میں چھپ گئے۔ اور میری بہنیں بھی ڈر کے مارے ہٹ گئیں۔ میں ان کے پلنگ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آنکھیں بند ہیں۔ میں نے سرہانے بیٹھ کر منھ پر منھ رکھ کر بےتابانہ کچھ باتیں کیں۔ میری آواز پہچان کر خود بھی بہت روئے اور مجھے تسلی دی۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی بیماری کا سارا حال بیان کیا۔ دس بجے رات تک میں وہاں رہا۔ اُس دن سے روزانہ سہ پہر کو جاتا ہوں اور دس بجے رات تک واپس آتا ہوں۔

آج صبح کو آپ کا خط ملا۔ بھائی صاحب کی طبیعت بھی کسی قدر بہ حال تھی۔ میں نے ان سے آپ کے خط کا ذکر کیا۔ آپ کی بےتابی کا حال بیان کیا اور کہا کہ حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ سارا دولھی پور آپ کے لیے دعا کرتا ہے اور یہ کہ میں دو دن کے لیے آتا ہوں۔ جب تک قدم آنکھوں سے نہ لگاؤں گا دل کو تسکین نہ ہو گی۔ سب باتیں سن کر فرمایا کہ تم گھر جا کے

اسی وقت حکیم صاحب کو خط لکھوا دو میری طرف سے لکھو کہ آپ کا جو حال ہے اس کی میرے دل کو خبر ہے۔ آپ کی دعا مجھ سے مجھے پہنچتی ہے۔ ایسی حالت میں کہ لڑکا بھی نہیں، سید صادق بھی نہیں، آپ گھر کو اکیلا نہ چھوڑیے۔ میں ذرا اٹھ کر بیٹھنے لگوں تو آپ کو بلاؤں گا کہ لطف ملاقات بھی ہو۔

مرض ان کا یہ ہے کہ اول شدت سے بخار آیا۔ دو مہینے تپ رہی اس اثنا میں تیرہ تنقیے ہوئے۔ شدت میں تخفیف ہو گئی کہ تپ دفع نہیں ہوئی۔ ذرا اٹھ کر بیٹھنے لگے تھے کہ شدید تخمہ ہوا۔ زندگی کی امید نہیں رہی۔ حکیم صاحب نے جرأت کر کے عمل دیا۔ اس سے فائدہ ہوا، طبیعت سنبھل گئی۔ پھر کچھ دن تک دست آیا کیے۔ دو مرتبہ نکس ہو چکا ہے۔ جس دن سے تپ آئی اسی دن کھانا چھوٹ گیا۔ اگر کچھ منہ میں ڈالا تو متلی ہوئی۔ تین مہینے سے غذا پیٹ میں نہیں گئی۔ نہایت نقیہ ہو گئے ہیں۔ پوست و استخوان فقط باقی ہے۔ پاؤں پر ورم ہے۔ اس ورم اور نقاہت کے سوا کوئی مرض اب نہیں ہے۔ مگر نقاہت ایسی ہے کہ لاکھ مرضوں پر بھاری ہے۔ اور ورم سے بہت خوف ہے۔ غذا پر رغبت اب بھی نہیں ہے۔ حکیم کہتے ہیں کہ جگر پر ورم ہے مگر معدہ ابھی تک بچا ہوا ہے۔ مگر معدے سے ہضم کی قوت بالکل جاتی رہی ہے۔

حکیم مرزا محمد علی کے شاگرد حکیم میر باقر حسین معالج ہیں۔ ایسا علاج کر رہے ہیں کہ سب حکیم ان کے نسخے دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔ عرق اور شربت وغیرہ جو جو وہ لکھتے ہیں فوراً تیار ہوتا ہے۔

علاج اور دعا دونوں ایسے ہو رہے ہیں کہ اگر بادشاہ بھی بیمار ہوتا تو اس کے لیے خلقت اس طرح دعا نہ کرتی جیسے ان کے لیے شہروں شہروں ہو رہی ہے۔

نواب صاحب (امجد علی خاں) کی کچھ خبر نہیں کہ کہاں ہیں۔ کہیں سے خط بھیجیں تو معلوم ہو کہ کب آئیں گے۔

میر انیس کی وفات

میر انیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء کو ہوا۔ ان کی وفات پر بہت سے قطعاتِ تاریخ کہے گئے۔ میر مونس کے شاگرد سید محمد ذکی الم نے حسب ذیل قطعہ کہا ہے

اے وائے شد خزاں چو بہارِ گلِ سخن	از باغِ نظم بلبلِ رنگیں کلام رفت
می بود پنج شنبہ و لبست و نہم ز عید	قبل از غروب پیشِ شہِ خاص و عام رفت
غسل و نماز گشت بہ شب عن قریبِ صبح	آں آفتاب در لحدِ تیرہ فام رفت
سہ سال و چند ماہ بہ ہفتاد شد فزوں	چوں آں رفیع مرتبہ و ذوالکرام رفت
از دل الم کشید سرِ آہ و زد ندا	سوئے ارم انیس امامِ انام رفت

(۱۲۹۱ ہجری)

اس قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ کو پنج شنبے کے دن غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے ہوا، رات کو

غسل دیا گیا اور صبح سے کچھ پہلے شبِ جمعہ کو دفن کیے گئے۔ ان کا سن ۷۲ برس اور چند مہینے کا تھا۔ یہ قطعۂ تاریخ اَودھ اخبار میں ۲۹ر دسمبر ۱۸۷۴ء کو شائع ہوا۔ اسی اخبار میں یکم جنوری ۱۸۷۵ء کو میر انیسؔ کے کچھ حالات شائع ہونے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ:

میر انیسؔ نے تپ و ورم کبد کے مرض میں انتقال کیا۔ شام کے قریب انتقال ہُوا اور رات کو جنازہ اٹھا۔ سب لوگوں کو خبر نہ ہو سکی پھر بھی سیکڑوں آدمی جنازے کے ساتھ تھے۔ مجلس پنجم، دوشنبے کو سیّد تقی صاحب کے امام باڑے میں ہوئی۔ ہزارہا آدمی شریک تھے۔ چہلم کی مجلس اسی امام باڑے میں ماہِ ذی الحجہ کی نوچندی کو اوّل وقت قرار پائی جس میں میر نفیسؔ نے میر انیس مغفور کا تصنیف مرثیہ پڑھا۔

اسی پرچے میں میر انیسؔ کی یہ تین رباعیاں بھی شائع ہوئیں جو انھوں نے اپنی بیماری میں کہی تھیں: ؎

ہر آن گھٹی جاتی ہے طاقت میری — بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انیسؔ — اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

نہ آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی — آواز علی علی کی ہاں نکلے گی
جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیسؔ — یُوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

چھٹتا ہے مقام، کوچ کرتا ہوں میں — رخصت اے زندگی کہ مرتا ہُوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری — اُوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہُوں میں

۱۲ر فروری ۱۸۷۵ء کے اودھ اخبار میں "حضرت انیسؔ کا چہلم" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں بتایا گیا کہ اس مجلس میں "علاوہ رؤسائے لکھنؤ کے ہزارہا آدمی شہر کے اور بیسیوں باہر کے" شریک ہُوئے۔ جس وقت میر نفیسؔ نے منبر پہ میر انیسؔ کی یہ رباعی پڑھی: ؎

دردا کہ فراقِ رُوح و تن میں ہوگا — تنہا تنِ ناتواں کفن میں ہو گا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے — جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہو گا

اس وقت گریہ و بکا کا شور عالمِ بالا تک پہنچا تھا۔

اس مجلس میں میر نفیسؔ نے سات بند کا ایک فارسی مخمس بھی پڑھا تھا۔ اس کے تین بند یہ تھے: ؎

از باغِ جہاں بلبلِ بُستانِ سخن رفت — در بُرجِ لحد نیّرِ تابانِ سخن رفت
ہیہات کہ سر دفترِ دیوانِ سخن رفت — افسوس کہ شاہنشہِ ایوانِ سخن رفت
ویرانیِ نظم است کہ سلطانِ سخن رفت

پنہاں شدہ خورشید سپہرِ ہمہ دانی — جاں دادِ شہِ کشورِ اعجاز بیانی
تاریک شدہ انجمنِ مرثیہ خوانی — ماتم کدہ شد خطۂ الفاظ و معانی
سلطانِ سخن، جانِ سخن، شانِ سخن رفت

ہر چند بہ ظاہر بدنش زیرِ زمین است — روحش بہ فلک ہم نفسِ روحِ امین است
یاد آورِ او مرثیۂ سرورِ دین است — خاموش نفیسؔ از المش طبع حزین است
کاں شہرِ سخن، بحرِ سخن، کانِ سخن رفت

میر انیس کے چہلم کی مجلس ۵ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ کو پنج شنبے کے دن ہوئی مجلس کا رقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بہ تاریخ پنجم شہر ذی الحجہ روز پنجشنبہ بعد صبح مجلس عزائے خامسِ آلِ عبا علیہ التحیۃ و الثنا بہ تقریب چہلم والد ماجد فصاحت مآب، بلاغت انتساب، تاج الشعرا، انیس الغربا، سلطان الذاکرین، ثنا خوانِ حضرت ائمہ، معصومین علیہم السلام سید ببر علی متخلص بہ انیسؔ مرحوم اعلی اللہ مقامہ و درجتہ فی اعلیٰ علیین قرار یافتہ ترسد از رئیسان ذوی الاقتدار و بزرگانِ والا تبار آں کہ بہ روز معہود تشریف ارزانی داشتہ شریک محفل ماتم گشتہ ثواب اشک عزا بہ روح مبارک آں مغفور بخشند و ایں ذرہ بے مقدار و ہیچ مداں را سرفراز فرمایند۔ فقط عبدہ الذلیل

خورشید علی نفیسؔ عفی عنہ

مطبوعہ مطبع اثنا عشری، محلہ فراش خانہ، وزیر گنج، ۱۲۹۱ھ۔"

حکیم سید علی کے نام میر مہر علی انسؔ کے دو اور میر خورشید علی نفیسؔ کے ایک خط کے وہ حصے ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں جن سے میر انیسؔ کی وفات کے بعد کی کچھ باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

الف۔ مکاتیب میر مہر علی انسؔ:

(۱) "میں ۱۰ ذی الحجہ کو سر شام حیدر آباد پہنچا۔ تہور جنگ بہادر اسٹیشن پر موجود تھے۔ جب ان کے مکان پر پہنچا تو دیر تک برادر صاحب مرحوم کا ذکر رہا۔ افسوس کرتے رہے۔ آج ۱۱ تاریخ ہے۔ لوگ جوق جوق رسم تعزیت ادا کرنے کو چلے آتے ہیں میر نواب جس وقت آپ کے پاس پہنچیں تو وہ بند جو تعزیت کے کہے ہیں وہ مہین کاغذ پر لکھ کر خط میں رکھ کر مجھ کو فوراً بھیج دیجیے گا۔ یہاں پڑھے جائیں گے۔"

(۲) "میر صاحب کی برسی کا کچھ حال معلوم نہیں۔ شب برات عرفے کو گردے پکوا کے عزیزوں میں تقسیم کیے تھے۔ اور کچھ خبر نہیں۔ کیونکہ لڑکوں نے مجھ سے کسی طرح کی رسم و راہ اور آمد و رفت نہیں رکھی۔"

ب۔ مکتوب میر خورشید علی نفیسؔ:

"جناب والد مرحوم و مغفور کی برسی کی مجلس کی تاریخ ابھی مقرر نہیں ہوئی ہے۔ اگر چہلم کی مجلس کی طرح اہتمام ہوگا

تو آپ سے عرض کروں گا ورنہ مرحوم کی مجلس کی اطلاع دوں گا۔"

قطعۂ تاریخ

مرزا سلامت علی دبیر

داد خواہم یا غیاث المستغیثین الغیاث — ازکہ دل مانوس گردد بے سخنور بے انیس
عبرۃ للناظرین گردید افلاک و زمین — دیدنی بنود مہ و خورشید و اختر بے انیس
داد ریغا عینی و دینی دو بازویم شکست — بے نظیر اول شدم امسال آخر بے انیس
یادگارِ رفتگاں ہستیم و مہمانِ جہاں — چند روزہ چند ہفتہ بے برادر بے انیس
الوداع اے ذوقِ تصنیف الفراق اے شوقِ نظم — شد حواسِ خمسہ و دہ عقل ششدر بے انیس
پوست کندہ موشگافانِ سخن گویند حیف — ہر سرِ مو بر رگِ جانست نشتر بے انیس
اشک را ربطے بدامن بود لیکن اشکِ ما — رفتہ رفتہ رفت تا دامانِ محشر بے انیس
بسکہ در بزمم بسوزد داغ بر بالائے داغ — نیست جز طاؤسِ دل پروانہ دیگر بے انیس
نیست ایامِ تماشائی چمن اکنوں کہ ہست — دانۂ شبنم سپند و غنچہ مجمر بے انیس
تازہ مضمونِ نظم می فرمود در ہر بحرِ شعر — چشمۂ چشم شود ہم چشمِ کوثر بے انیس
سالِ تاریخش بز بر دبینہ شد زیبِ نظم — طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس
۱۲۹۱ھ
در سنینِ عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف — گرچہ طبعم بود محزون و مکدر بے انیس

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس
۱۸۷۴ عیسوی

نوٹ : میر انیس کے مرنے کے بعد مرزا دبیر تین مہینے اور ایک دن زندہ رہے۔

مطالعۂ انیس

پروفیسر سید احتشام حسین صاحب۔ ہیڈ آف اُردو ڈیپارٹمنٹ الہ آباد یونیورسٹی

عالمی ادب پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ادیب اور شاعر محض اس وجہ سے اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکے کہ ان کے موضوع پر تنگ خیالی سے نگاہ ڈالی گئی اور اس کے صرف ایک رُخ کو پیشِ نظر رکھ کر یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کی اپیل محض ایک خاص گروہ کے لیے مخصوص ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فنّی صلاحیت، شاعرانہ بصیرت، تخلیقی قوت اور قدرتِ بیان کا اعتراف بھی دبی زبان سے کیا گیا۔ اس حیثیت سے میر انیس کا شمار ان فن کاروں میں ہوتا ہے۔ جن کا سارا سرمایۂ شاعری مسلمانوں کے ایک خاص فرقے کے لیے وقف ہے ایک اعلیٰ پائے کے فن کار اور شاعر پر اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ اُس کے پُر خلوص انتخابِ موضوع کو اس کی مذہبیت یا تنگ نظری پر محمول کر کے اس کی شاعرانہ عظمت کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے اور صرف اس وجہ سے کہ اس کے موضوع کو کچھ لوگوں نے محدود یا فرقہ وارانہ قرار دے دیا ہے، اُسے اس توجہ کا مستحق نہ سمجھا جائے، جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ ایسی صورتیں یکجا ہو گئیں جنھوں نے اس عام بے توجہی کے لیے فضا بھی تیار کر دی۔ مثلاً مرثیے کو اصنافِ ادب میں وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو قصیدہ، مثنوی یا غزل کو حاصل تھی۔ بگڑا شاعر مرثیہ گو کا فقرہ اس عام تصور کا غماز ہے۔ خود مرثیہ گویوں نے بہت دنوں تک اس کی جانب شاعرانہ حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ دکن اور شمالی ہند کے دورِ متقدمین کے سیکڑوں مرثیہ گویوں میں سے کسی نے وہ اہمیت اور شہرت حاصل نہیں کی جو مثنوی نگاروں اور غزل گویوں کو حاصل رہ چکی تھی۔ محض ازراہِ ثواب یا رونے رُلانے ہی کے لیے مرثیہ لکھنا اتنا عام تھا کہ شعرا اس کی ادبی حیثیت کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ سوداؔ نے اپنے مرثیے کے دیوان اور بعض تنقیدی نظموں میں اسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہاں صرف اردو مرثیے کا ذکر ہے۔ جہاں بہ حیثیت صنف کے مرثیے کا جو کچھ بھی عروج ہوا، وہ اُس مرثیہ کا ہوا، جو واقعاتِ کربلا پر مشتمل تھے۔ جب اٹھارھویں صدی میں مرثیہ اُس ادبی منزل پر پہنچا کہ انیس کے ہاتھوں اُس کا تاج محل تیار ہو گیا، اُس وقت بھی اُس سے متعلق یہ ذہنی کیفیت الگ نہیں کی جا سکی کہ مرثیہ کوئی مخصوص ادبی صنف نہیں ہے۔ اس کا مقصد تو محض ایک محدود طبقے کے جذبات کو برانگیختہ کر کے رونا رُلانا ہے۔ اس کی ادبی اور شاعرانہ حیثیت کی طرف مولانا شبلیؒ کے متوجہ ہونے کے بعد تنگ نظری کے کچھ بادل چھٹے۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اب بھی مرثیہ کم و بیش اسی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔

دوسرا بڑا سبب یہ تھا۔ مرثیے کا ادبی عروج ایران میں شاہانِ صفویہ کے دَور میں اور ہندوستان میں ابتداءً شاہانِ گولکنڈہ اور بیجاپور کے عہد میں، اور پھر ان سب کے بعد شاہانِ اودھ کے زمانے میں لکھنؤ میں ہوا۔ ایسا ہونا فطری بھی تھا

کیونکہ ان تمام شیعہ حکومتوں کے زمانے میں واقعۂ کربلا کی نشر و اشاعت اور اس سے جذباتی وابستگی کے لیے جتنے سامان وہاں فراہم ہو سکتے تھے، وُہ دُوسری صورتوں میں ممکن نہ تھے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مرثیے کے عروج کے اس تاریخی سبب کو مرثیے کے مطالعے میں رکاوٹ بننے دینا ایک غیر ادبی فعل ہوگا۔ دنیا کے ادب کی تاریخ جس طرح تاریخ اور سماج سے اپنے لیے غذا فراہم کرتی ہے۔ شاعر اور ادیب ہمدرد، مناسب اور پسندیدہ ماحول کی تلاش میں رہتے ہیں۔ خاص زمانوں میں مخصوص خیالات اور تصوّرات کی داد ملتی ہے۔ اس لیے اگر شعراء ماحول کی مطابقت کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی خاص صنفِ ادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ کسی خاص مذہب یا مسلک کی پابندی سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر وہ اس فضا کو اظہارِ خیال کے لیے سازگار پا کر اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اگر محض شیعہ حکومتوں کی سرپرستی کسی صنفِ ادب کو ترقی دینے میں مکمل طور پر معین ہوتی تو فنِ مرثیہ گوئی کی تکمیل ایران اور گولکنڈہ میں ہو جانا چاہیے تھی۔

"تاریخی حیثیت سے جو کچھ بھی ہو، لیکن ادبی نقطۂ نظر سے مرثیہ نگاروں کو محض اس وجہ سے خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی کہ ان کا عروج شیعہ حکومتوں کے عہد میں ہُوا اور نقادوں نے مراثی کو شیعہ حکومتوں کی سرپرستی یا شیعی خدمت سے منسوب کر کے اس کی ادبی حیثیت کو نظر انداز رکھا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اودھ کے نوابوں اور بادشاہوں کے زمانے میں لکھنؤ میں تعزیہ داری کا عروج ہوا اور محرّم نے وہ اہمیّت اختیار کر لی جو دنیا کے کسی اور خطّے میں اسے حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن یہ نہیں بھُولنا چاہیے کہ محرّم کے اس طرح اہمیّت حاصل کرنے میں اگر ایک طرف شاہی سرپرستی یا مذہبی جذبات کا ہاتھ تھا تو دُوسری طرف وُہ تہذیبی طاقتیں بھی کام کر رہی تھیں، جو ہندوستان کی کئی صدیوں کی تہذیبی آمیزش کا نتیجہ تھیں۔ اگر ہم تہذیبی اور ادبی ارتقا کے اُن پہلوؤں کو نظر انداز کر دیں، جو گزشتہ کئی سو سال میں وجود میں آیا تھا تو ہم میر انیسؔ اور ان کی شاعری کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ کوئی شاعری محض کسی مخصوص گروہ کی سرپرستی یا مخصوص نقطۂ نظر کی ترجمانی سے ترقی کی ساری منزلیں طے نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وُہ عام ادبی اور تہذیبی روایت کا جُز بھی ہو، اس کے بہترین عناصر کو پیش بھی کرتی ہو اور اس کے سرمائے میں اس کی وجہ سے اضافہ بھی ہوتا ہو۔ اگر مرثیے کی ترقی اس کسوٹی پر پُوری نہیں اُترتی تو یقیناً ہمیں اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ ہم اسے وُہ ادبی مرتبہ نہ دیں جو دوسرے اصناف کو دیا جاتا ہے۔ لیکن مرثیوں اور خاص کر میر انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ اس بات کو واضح کر دے گا کہ وُہ نہ صرف فارسی اور اُردو ادب کے اعلیٰ ترین ورثے کے حامل ہیں، بلکہ عام ادبی سرمائے میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔

یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ اُن تمام اسباب کا جائزہ لیا جائے، جن کی وجہ سے مرثیے کو وہ ادبی اہمیت نہیں دی گئی، جس کا وہ مستحق تھا۔ اس میں شک نہیں کہ واقعۂ کربلا کے متعلق جو مراثی لکھے گئے ابتدا ہی سے ان کے ساتھ یہ تصور وابستہ ہو گیا تھا کہ وہ محض رونے رُلانے کا ذریعہ تھا۔ لیکن اس کی ترقی یافتہ صُورت پر نظر رکھ کر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کا مقصد اگر محض رونا رُلانا ہوتا تو اس میں بہار و خزاں، فلسفۂ زندگی اور فلسفۂ اخلاق، رزمیہ معرکہ آرائی اور

ایسے دوسرے عناصر کی جگہ کہاں تھی! میر انیسؔ اور دوسرے شعراُ نے اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا کہ مرثیے کا اصل مقصد جذبات حماست کو برانگیختہ کرتا ہے، نہ اس حقیقت پر پردہ ڈالا کہ مرثیہ لکھتے وقت عقیدتاً وہ ثواب اُخروی کا تصور بھی رکھتے تھے۔ لیکن اُنھوں نے مرثیے کے محدود چوکھٹے میں، جو تصویریں سجائی ہیں، جو رنگ آمیزی کی ہے اور صناعی کا جو کمال دکھایا ہے، وہ براہِ راست محض رونے رُلانے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ان کے اندر وہ شاعرانہ اور خلاقانہ بصیرت تھی، جو کسی صنف کی رسمی اور میکانکی حدوں کی پابند نہیں ہوتی، بلکہ اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے دائرے کو وسیع کرتی ہے۔ انھیں باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر میرا خیال یہ ہے کہ اب تک ہمارے نقادوں نے مرثیے کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔

میر انیسؔ کے مرثیوں کا باقاعدہ مطالعہ کرنے سے پہلے چند مبادیات پر نظر رکھنا بےحد ضروری ہے۔ بدقسمتی سے اس مقدمے میں ان کی تفصیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن مطالعہ کرنے والوں کو ان کی طرف متوجہ کر دینا ضروری ہے کیونکہ فن کے مطالعے میں اگر ایک بڑی حقیقت بھی نظرانداز ہو جائے تو نتائج غیر صحت بخش ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہر وہ شخص جو مراثی انیسؔ کا مطالعہ ادبی اور تنقیدی نظر سے کرنا چاہتا ہے، وہ ان باتوں پر نگاہ رکھے تو اس کی منزلیں آسان ہو جائیں گی۔ مرثیے کا مفہوم ابتداً کیا تھا اور اس میں آہستہ آہستہ کس طرح تغیر ہوا؟ جو تغیرات ہوئے ان کے اسباب کیا تھے؟ موجودہ دور کے بعض ناقد مرثیے کے سلسلے میں اِپک اور ڈرامے کی بحث بھی لاتے ہیں۔ مرثیے کا مطالعہ کرتے ہوئے انھیں پیش نظر رکھنا چاہیے یا نہیں؟ مرثیوں میں واقعۂ کربلا کی جو تصویر پیش کی گئی ہے، وہ کس حد تک تاریخی حقائق پر مبنی ہے؟ کیا مرثیے کی واقعہ نگاری کو تاریخی وقائع نگاری کی کسوٹی پہ پرکھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں یہ سوالات بھی پیدا ہوں گے کہ مرثیوں میں جو کردار پیش کیے گئے ہیں اور جو فضا تیار کی گئی ہے وہ عربی ہے یا ہندوستانی؟ اس سے مرثیے کی خوبیوں اور خامیوں پہ کیا روشنی پڑتی ہے؟ کیا مرثیہ نگاروں کے پیشِ نظر کوئی مخصوص فلسفۂ حیات تھا جس کی بنیاد پر انھوں نے واقعۂ کربلا کو پیش کیا ہے؟ پھر ان تمام باتوں کے ساتھ مرثیے کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بحث بھی اٹھ سکتی ہے کہ حقیقت نگاری کا کیا مفہوم ہے اور میر انیسؔ نے کس حد تک اس کی پابندی کی ہے؛ ایک آخری سوال یہ بھی اُٹھ سکتا ہے کہ مرثیے میں جو اخلاقی تصورِ زندگی پیش کیا گیا ہے وہ کس قسم کے سماج اور کس قسم کے لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؛ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ میر انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے والے کو اُن کے حالاتِ زندگی، ماحول، عقاید اور خیالات سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس ماحول میں مرثیے نے اتنی ترقی کی، اس کے بنیادی عناصر کیا تھے۔

میں نے ان اہم پہلوؤں کو وہ مبادیات قرار دیا ہے جن کے جانے بغیر نہ تو مرثیے سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے نہ اس پر تنقید کے لیے قلم اُٹھایا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ لوگوں نے ان باتوں کو سامنے نہیں رکھا اس لیے اُنھوں نے یہ کہہ کر آسانی سے چھٹکارا حاصل کر لیا کہ مرثیے کا تعلق ایک خاص مذہبی طبقے سے ہے اور جو ادب اس سے متعلق ہوگا، وہ ضرور ایک محدود اپیل رکھتا ہوگا۔ اگر کسی نے توجہ بھی کی تو مرثیے کا ایک مثالی تصور قائم کر لیا اور اُسی کی روشنی میں اس کے عیوب اور نقائص بیان کر دئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مرثیے کے موضوع اور فن کے تمام

پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور تاریخ کی روشنی میں اس کے ارتقا سے بحث کی جائے، تاکہ ایک ادبی صنف کی حیثیت سے اس کا مطالعہ مکمل ہو سکے۔

مرثیے کا لفظ جیسا کہ اس کے معنی سے ظاہر ہے۔ ایک ایسی نظم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جس میں کسی مرنے والے کے خصائص کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہو کہ سننے والوں کے دل اس سے متاثر ہوں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والے کی تخصیص کر دیں یعنی جس کا مرثیہ لکھا گیا ہو، وہ اہم ہو اور قابلِ بیان خصوصیات کا مالک بھی ہو، اُس کی قومی اہمیت بھی ہو، اُس کی موت نے لوگوں کو متوجہ بھی کیا ہو، اُس کے مرنے کا اثر تاریخ کی رفتار پر بھی پڑا ہو اور تہذیبی قدریں اُس سے متاثر ہوئی ہوں۔ یہ پابندیاں عاید کرنے کا حق ہمیں حاصل تو نہیں ہے۔ لیکن ہم مرثیے کی آفاقی اہمیت پر نظر کرتے وقت ان پہلوؤں کو سامنے رکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی مرثیے میں ایسی شخصیت کا بیان ہو تو ممکن ہے کہ اس کا مطالعہ کرتے وقت ہم کو مرثیت کے علاوہ بعض اور پہلوؤں مثلاً تاریخ، واقعے کی اہمیت، کردار کے مختلف عناصر وغیرہ بھی دیکھنے پڑیں۔ بہ ظاہر یہ مرثیے کے اجزا نہیں ہیں۔ لیکن ایسے مرثیے لکھے گئے ہیں اور لکھے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے اُس میں شروع ہی سے زیادہ تر مرثیے واقعۂ کربلا سے متعلق لکھے۔ کسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے یہ تاریخ عالم کا ایک بہت ہی اہم واقعہ تھا۔ اس میں کئی اہم ترین شخصیتوں اور کرداروں کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ بعض حیثیتوں سے اس میں رزمیہ عناصر بھی داخل ہو گئے تھے اور اس میں تو کسی طرح کا شک ہی نہیں کہ اس کے اندر کچھ ایسے المناک پہلو تھے، جو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ابتدائی مرثیوں میں ان باتوں کو واضح طور پر پیشِ نگاہ نہیں رکھا گیا، بلکہ مرثیہ گویوں نے نہایت سادگی اور اختصار سے اُن تاثرات کا اظہار کر دیا، جو ایک عقیدت مند کے دل میں واقعۂ کربلا کے خیال سے پیدا ہوتے تھے اور چونکہ ان کا مقصد ایک طرح کے جذبۂ عقیدت کو آسودہ کرنا تھا۔ اس لیے انھوں نے اس سے کچھ زیادہ لکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ اور بات ہے کہ اس سادگی میں بھی کہیں کہیں پُرکاری نظر آجاتی ہے۔ دکن کے مرثیوں میں امام حسینؑ کی شخصیت کے سارے پہلو اجاگر نہیں ہوتے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخصیت ہی نہیں بنتی عقیدت کی آنکھ اس میں جو کچھ بھی دیکھ لے شاعری سے اس کی تصویر کشی نہیں ہوتی۔ واقعے کی اہمیت نمایاں نہیں ہوتی، مقاصد کے تصادم کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تک غم والم کا اظہار بھی فن کارانہ نہیں ہوتا۔ اتفاقاً کبھی کسی کے یہاں ادبی حُسن پیدا ہو جائے تو ہو جائے، خود شعرا اس کی کاوش کرتے نہیں معلوم ہوتے۔ ولیؔ کے ابتدائی مرثیہ گو جن کا کلام عام طور سے دستیاب نہیں ہوتا، صورتِ حال میں کچھ زیادہ تبدیلی نہ پیدا کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعوری طور پر مرزا سوداؔ ہی نے مرثیہ کو ایک ادبی صنف کی حیثیت سے ترقی دینے کی کوشش کی۔ یہاں اس سے بحث تو نہیں کی جا سکتی کہ سوداؔ کو کس حد تک کامیابی ہوئی۔ لیکن ایسی فضا ضرور تیار ہو گئی، جو مرثیے کی ادبی ترقی میں معین ہو۔ اگر ہم سوداؔ کے تعمیری کام کو مرثیے کے ارتقا کی پہلی منزل قرار دیں تو وُہ تشکل جو میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، میاں دلگیرؔ اور مرزا فصیحؔ کی کوششوں سے پیدا ہوئی، اسے ارتقا کی دوسری منزل کہہ سکتے ہیں۔ یہاں مرثیے کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرثیے کی

ہیئت میں جو تبدیلیاں ہوئیں، انھیں نے اس صنعتِ سخن کو ایک ایسی بلندی پر پہنچا دیا جہاں مرثیہ کو دیکھ کر لوگوں کے ذہن میں ایپک اور ٹریجڈی کا خیال آنے لگا۔ مرثیے کی تعمیری ساخت کے سلسلے میں ایک اہم اور دلچسپ شخصیت میر ضمیر کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مرثیہ کا نیا طرز ایجاد کرنے میں انھیں کو اولیت حاصل ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مرثیے میں حسب ذیل بند لکھا ہے :-

جس سال لکھے وصف یہ ہم شکلِ نبیؐ کے   تھے بارہ سو انچاس وہ سال نبویؐ کے
آگے کبھی دیکھے نہ تھے یہ طرز کسی کے   اب سب ہی مقلد ہوئے اس طرزِ نوی کے

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو جو کہ اس طرز میں شاگرد ہے میرا

اس بند کو پڑھنے کے بعد کئی اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا سنہ بارہ سو انچاس کے پہلے میر ضمیر نے خود جو مرثیے لکھے، وہ اس مرثیے یا اس کے بعد کے مرثیوں سے مختلف تھے؟ کیا اُن کے ہم عصر دُوسرے شعرا اس وقت تک جو مرثیے لکھتے تھے، اُن میں وہ باتیں نہ تھیں جو اس سنہ ۱۲۴۹ھ والے مرثیے میں پیدا کی گئی ہیں؟ وہ کیا خصوصیات ہیں جو اس مرثیے کو دوسرے مرثیوں سے الگ کرتی ہیں اور جنھیں میر ضمیر نے "طرزِ نوی" کہا ہے۔ اس مختصر سے مقدمے میں اُن الجھنوں کے دُور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان شعرا کا کلام تاریخی ترتیب سے نہیں ملتا۔ اس لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ میر ضمیر نے مرثیے میں وہ کون سی خصوصیات پیدا کر دیں، جو میر خلیق کے مرثیوں میں نہیں پائی جاتیں؟ جس مرثیے میں یہ بند آیا ہے اس میں یقیناً مرثیے کا وہ تمام ڈھانچہ تیار ہو گیا، جسے بعد میں میر انیس اور مرزا دبیر نے تکمیل تک پہنچایا۔ یعنی مرثیے کے وہ اجزائے ترکیبی اپنی ابتدائی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں، جن کا ارتقا بعد میں ہوا۔ اس میں تمہید یا چہرہ بھی ہے رخصت بھی سراپا کے کچھ نقوش بھی، آمد اور اخیر بھی، رزم کے مناظر بھی، شہادت اور بَین بھی۔ گویا ایک مختصر سے خاکے کے اندر وہ سارا رنگ و روغن نظر آجاتا ہے جس کو زیادہ حُسن و تناسب اور تعمیری احساس کے ساتھ میر انیس نے پیش کیا ہے۔ بہر حال تاریخِ مرثیہ گوئی کے طالب علموں کے لیے میر ضمیر کی مرثیہ نگاری غور و فکر کا بڑا سامان فراہم کرتی ہے، جس کے نظر انداز کرنے سے میر انیس کے فنی ارتقا کو بھی مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اندازِ بیان اور بعض دُوسری خصوصیات کے لحاظ سے خلیق، ضمیر، دلگیر اور فصیح کے مرثیے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کے مرثیے نے وہ وسعت اختیار نہیں کی، جس کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکے کہ ساخت اور ہیئت کے نقطۂ نظر سے انھیں "مرثیے" کے علاوہ کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے۔

یہیں بحث کا وُہ پہلو سامنے آتا ہے، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا تھا یعنی اگر مرثیہ محض ان تاثراتِ غم کے اظہار کا نام ہے، جو کسی شخص کی موت پر انفرادی یا اجتماعی طور پر پیدا ہوتے ہیں تو پھر میر انیس کے مرثیوں کو مرثیہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ غالباً اس اُلجھن کو دُور کرنے کے لیے بعض لوگوں نے مرثیے کو ایپک[1] اور ٹریجڈی[2] کا حامل قرار دیا ہے۔

---

[1] ایپک (EPIC) رزم کا بیان [2] ٹریجڈی (TRAGEDY) المیہ۔

ایپک کا ہر نقاد جانتا ہے کہ ایپک کی کوئی معیّن تعریف نہیں ہے۔ ڈراما اپنی ساخت کے لحاظ سے ایک ہیئت ضرور رکھتا ہے۔ لیکن اپنی روح میں غم والم کے ایسے عناصر بھی رکھتا ہے، جو کسی دوسری صنف اور خاص کر مرثیے میں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مرثیے کو ایپک یا ٹریجڈی کہنا اس حیثیت سے صحیح نہیں ہے کہ ہم ایک کو دوسرے کا بدل قرار دیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر صنف کی کچھ الگ الگ خصوصیتیں ہیں۔ لیکن اس میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہیے کہ شاعری کا کوئی طالب علم مرثیے میں بھی ایپک اور ٹریجڈی کی خصوصیات تلاش کرے اور جس حد تک اُن میں اشتراک پایا جاتا ہے، اُن کی بنیاد بنا کر یہ کہے کہ مرثیہ اور ایپک یا مرثیہ اور ٹریجڈی میں بھی کچھ مشترک باتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ میر انیسؔ بحیثیت ایپک کے ایپک سے اور بحیثیت ٹریجڈی کے ٹریجڈی سے ناواقف تھے۔ ٹریجڈی کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اگر وہ کسی ایپک سے واقف تھے تو وہ صرف شاہنامہ ہے۔ یقیناً انھوں نے سکندر نامہ، حملۂ حیدری اور خاور نامہ جیسی نظمیں ضرور پڑھی ہوں گی۔ لیکن کوئی نقاد ان نظموں کو ایپک میں شمار نہیں کرے گا۔ نقادوں نے عام طور سے شاہنامے میں وُہ خصوصیات پائی ہیں، جو اُسے ایک طرح کا ایپک بناتی ہیں۔ لیکن انیسؔ ایپک کی خصوصیات سے واقف نہیں تھے۔ انھوں نے شاہنامے کو ایک اعلیٰ پائے کی طویل رزمیہ مثنوی کی حیثیت سے پڑھا ہوگا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انھیں شاہنامے کی تعمیری تشکیل کا احساس تھا اور یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ وہ مہابھارت[1]، راماٸن[2]، ایلیڈ[3]، اوڈی سی[4]، اینیڈ[5]، ڈِوائن کامیڈی[6] اور پیراڈائز لاسٹ[7] سے بالکل ناواقف تھے۔ گویا ایپک کے اعلیٰ نمونے ان کی نگاہوں سے نہیں گزرے تھے۔ اس لیے یہ سوچنا کہ انھوں نے مرثیے ایپک کی خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر لکھے، درست نہ ہوگا۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ ابتدائی ایپک لکھنے والے خود ایپک کے فن سے ناواقف تھے اور اپنی تخلیقی قوت کے سہارے ایسی نظم لکھ رہے تھے جنھیں بعد میں ایپک کہا گیا یہی بات میر انیسؔ کے لیے بھی کہی جا سکتی ہے انھوں نے مرثیے کی محدود دُنیا میں اُن اعلیٰ نظموں کی شان پیدا کی، جو دوسرے ملکوں کے سرمایۂ شاعری میں ایک بیش بہا مقام رکھتی تھیں۔ جن لوگوں نے مرثیوں میں ایپک کی خصوصیات تلاش کیں، اُنھوں نے کوئی بڑی غلطی نہیں کی۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود ایپک میں معنوی حیثیت سے اعلیٰ مقصد، بلند اخلاق، خیر و شر کی کش مکش، ایک بڑے پیمانے پر بڑی

---

[1] مہابھارت۔ مشہور سنسکرت ایپک مصنف ویاس

[2] راماٸن۔ سنسکرت ایپک مصنف والمیک۔ اودھی زبان میں جو راماٸن لکھی گئی اُس کے مصنف تُلسی داس ہیں۔ بہت سے لوگ اسے بھی ایپک میں شمار کرتے ہیں۔

[3] ایلیڈ (ELIAD) یونانی شاعر ہومر کی مشہور نظم جسے پہلی ایپک قرار دیا جاتا ہے۔

[4] اوڈی سی (ODDYSEY) یہ بھی ہومر کی لکھی ہوئی ایپک ہے۔

[5] اینیڈ (ENIAD) مشہور اطالوی شاعر ورجل کی نظم

[6] ڈوائن کامیڈی (DIVINE COMEDY) ڈانٹے کی مشہور اطالوی نظم۔

[7] پیراڈائز لاسٹ (PARADISE LOST) ملٹن کی طویل نظم

طاقتوں کے تصادم، اخلاق کے اچھے اور بُرے نمونوں کی نمائش کا پایا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ساری باتیں کسی نہ کسی حیثیت سے مرثیے میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام حسینؑ کی شخصیت کی عظمت اور واقعۂ کربلا کی غیر معمولی نوعیت نے شاعر کی صلاحیتوں کو بروئے کار آنے میں مدد دی۔ یہاں بھی بہت بڑے پیمانے پر خیر و شر کا تصادم ہے۔ انسانیت اور بہیمیت کا مقابلہ ہے۔ صبر و استقلال کے مقابلے میں بہیمانہ قوتوں کی صف آرائی اور ناقابلِ بیان مصائب کے ہجوم میں امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی بلندیٔ کردار کے نمونے ہیں۔ اس لیے مرثیے کو کچھ باتوں میں ایپک کا مماثل قرار دینا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے، جس پر جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔

یہی حال ڈرامے یا ٹریجیڈی کا ہے۔ میر انیسؔ اس صنفِ ادب سے بھی واقف نہیں تھے۔ لیکن جو واقعہ انھوں نے اظہارِ خیال کے لیے منتخب کیا تھا۔ اُس میں خود ڈرامائی عناصر کی فراوانی تھی اور ٹریجیڈی بننے کی وہ ساری صلاحیتیں تھیں جن کا ذکر ارسطو کے وقت سے اس وقت تک تمام نقاد کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ہر آنکھیں رکھنے والا اس حقیقت کو دیکھ لے گا کہ ڈراما اپنی مخصوص ہیئت رکھتا ہے۔ اسٹیج کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے اسے اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ دیکھنے اور پڑھنے والے واقعات کو منطقی طور پر ایک دُوسرے سے مربوط ہونے، کرداروں کے عمل سے واقعہ کے اندرونی ربط کو مضبوط بننے اور اصل کش مکش کو انجام کی طرف جاتے دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں۔ المیہ یا ٹریجیڈی کے بنیادی عناصر پلاٹ، کردار، عمل، کش مکش یا تصادم ہیں۔ مرثیہ ڈراما نہیں ہے لیکن یہ عناصر اس میں پائے جاتے ہیں۔ واقعۂ کربلا میں حالات کئی جگہ ایسے نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ان میں المیہ کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے۔ خوف اور رحم کے جذبات اُبھر کر بہتر اخلاقی قدروں کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور دل میں بلند کرداری کی عظمت اور انسانی ہمدردی کے متعلق ایسے خیالات پیدا کرتے ہیں، جن سے المیہ کا اصل مقصد پُورا ہوتا ہے۔ اس لیے بناوٹ اور ہئیت کے لحاظ سے مرثیے اور ڈرامے میں زبردست فرق نظر آتا ہے لیکن اپنی رُوح میں دونوں گہری یکسانیت رکھتے ہیں۔ ایپک، ٹریجیڈی اور مرثیے کا ذکر ایک ساتھ کرنے کا مطلب کبھی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ انھیں ایک ثابت کیا جائے یا ایک کی ساری خصوصیات دُوسرے میں تلاش کی جائیں۔ لیکن شعریات کے نقاد کے لیے یہ بھی نامناسب نہ ہوگا کہ وہ مرثیے کے مختلف بیرونی اور اندرونی عناصر ترکیبی، موضوع اور ترتیبِ واقعات، مقصد اور تصورِ فن پر نگاہ رکھتے ہوئے دُوسرے اصناف سے اُن کا مقابلہ کر کے اشتراک اور اختلاف کے تمام پہلوؤں پر ناقدانہ رائے دے۔ ایسا کرنے میں یقیناً اُن اصناف میں مشابہت کے بہت سے پہلو نظر آتے ہیں۔ اور چونکہ ایپک کے متعلق اس وقت کوئی معین نقطۂ نظر موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انیسؔ کا مرثیہ ایک خاص قسم کا ایپک ہے، جو ایسی ہی بعض دُوسری نظموں سے کچھ پہلوؤں میں مشابہت رکھتی ہے اور کچھ میں اختلاف۔ جب ارسطو نے ایپک پر بحث کی تھی تو اس کے پیشِ نظر صرف ہومرؔ کی نظمیں تھیں اور جب سترھویں یا اٹھارھویں صدی کے کسی نقاد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کے سامنے ملٹنؔ کے دور تک کی تمام ایسی نظمیں تھیں، جن پر ایپک کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس بحث کو اور زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ افراط اور تفریط سے بچ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ مرثیہ ایپک نہیں ہے

لیکن اردو زبان کی کوئی دُوسری نظم ایپک سے اس قدر مشابہت نہیں رکھتی اور یہی بات ٹریجیڈی کے لیے بھی درست ہے۔

ایک خاص بات جو مرثیے کے فن، بناوٹ اور مقصد سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور جو اس کے ارتقاء پر اثر انداز ہوئی وہ اس کے پڑھنے کا طریقہ ہے۔ اکثر نقاد اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مرثیے کے تحت اللفظ پڑھے جانے کی وجہ سے مرثیہ نویسی پر جو اثر پڑا، وہ اس کے ارتقاء کے لیے مفید بھی ہوا اور نقصان دہ بھی۔ لکھنؤ میں مرثیے کے منبر پر بیٹھ کر پڑھے جانے کا فن خود اپنی جگہ پر اظہارِ کمال کا ایک ذریعہ بن گیا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بڑے مجمع کے سامنے مرثیہ خواں اپنی پوری قوت صرف کر کے زیادہ سے زیادہ سَو ڈیڑھ سَو بند پڑھ سکتا تھا۔ اس وقت آواز کو دُور تک پہنچانے والے آلات میسّر نہ تھے۔ اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ آہستہ آہستہ پڑھے۔ پھر ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جہاں اپنی پوری قوت سے پڑھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بزم، رزم، بَین، رخصت، ہر شعر ایک ہی طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ مرثیہ خوانی کے فن سے ذرا بھی واقف ہیں، وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بچوں اور بُوڑھوں، عورتوں اور مردوں، دوستوں اور دشمنوں کے متعلق مرثیے کے بند پیش کرتے ہُوئے آواز اور لب و لہجہ میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا کرنا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جب کسی واقعہ کو بھی بیان کرنے لگتا ہے تو صرف اُن الفاظ پر ہی اکتفا نہیں کرتا جو اس کے منہ سے نکلتے ہیں، بلکہ اعضائے جسم کے اشاروں سے، چہرے کی ساخت سے اور دوسرے ایسے ذرائع سے بھی کام لیتا ہے، جس سے وُہ بیان کو زیادہ قابلِ فہم بنا سکے اور سننے والوں کو زیادہ سے زیادہ متاثر بھی کر سکے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرثیے کے اُن پہلوؤں کو جن میں ڈرامائی عناصر پیدا ہو سکتے تھے۔ اسی طرح لکھنے کی بھی کوشش کی گئی جس سے حسبِ موقع تعجب، خوف یا اچانک تبدیلی کا تصور پیدا کیا جا سکے۔ انیسؔ کے مرثیوں میں ناگاہ، ناگہاں، یک بیک وغیرہ الفاظ اس مقصد کو پُورا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مرثیوں میں مکمل واقعۂ کربلا بیان کیا جاتا تو وہ ایپک سے زیادہ قریب ہوتے۔ یا کم از کم شاعر کی فنّی صلاحیتوں کا زیادہ پتہ چلتا۔ لیکن جب ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ مرثیے مجلسوں میں پڑھے جانے کے لیے لکھے جاتے تھے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ پڑھنے والے کی قوتِ گویائی اور سننے والوں کی قوتِ سماعت سَو ڈیڑھ سو بندوں سے زیادہ بڑے مرثیے کی تاب نہیں لا سکتی تھی۔ اس پابندی نے مرثیہ نگاروں کو کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں کیا کہ وہ واقعۂ کربلا کو شروع سے اخیر تک حُسنِ ترتیب و تعمیر کا خیال رکھتے ہوئے ایک ہی طویل نظم میں بیان کر دیں۔ اس طرح ایک طویل ایپک کی صلاحیت جو ان مرثیہ نگاروں اور خاص کر میر انیسؔ میں پائی جاتی تھی، وہ کبھی بروئے کار نہ آ سکی۔ لیکن ہر مجلس میں ایک نیا مرثیہ پڑھنے کے التزام نے انھیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ واقعۂ کربلا کے مختلف گوشوں کو کبھی سمیٹ کر اور کبھی پھیلا کر بیان کریں۔ جو بات ایک مرثیے میں صرف ایک مصرع میں کہہ دی گئی ہے، وہ کسی دُوسرے مرثیے میں پچاس یا ساٹھ بندوں میں کہی گئی ہے۔ اس طرح گو کبھی کبھی یکسانیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ لیکن نظرِ غائر سے دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ میر انیسؔ نے ایک ہی واقعہ کو مختلف مرثیوں میں اپنی قوتِ بیان سے کتنے مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے۔ یہاں اس بات کا

موقع نہیں ہے کہ میر انیسؔ کے نظریۂ فن یا نظریۂ شاعری سے بحث کی جائے۔ گو اس کا مطالعہ بھی انیسؔ کا صحیح مقام متعین کرنے میں معین ہوگا۔ مگر اتنا کہنا ضروری ہے کہ انیسؔ ایک مخصوص نقطۂ نظر سے حقیقت نگاری کی طرف مائل تھے اور ان پابندیوں کے باوجود ایک مخصوص مذہبی عقیدے کی وجہ سے اُن پر عاید ہوتی تھیں، انھوں نے واقعات اور مناظر، کردار اور جذبات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر حقائق سے قریب ہی رہتے ہیں۔ وہ جہاں ایک طرف ایک پھول کے مضمون کو سَو رنگ سے باندھنے کو کمالِ فن سمجھتے تھے، وہاں اس کا احساس بھی رکھتے تھے کہ،

"ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقامے دارد"

اور جس شخص کو اس بات کا احساس ہو کہ جو بات جیسے کہے جانے کی ہے اور جس جگہ کہے جانے کی ہے اسی طرح اور وہیں کہی جائے۔ اس کے حقیقت پسند ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔

میر انیسؔ کو حقیقت نگار کہہ کر میں نے اپنے سر ایک بڑی ذمہ داری لی ہے۔ کیونکہ حقیقت نگاری کی جو مختلف تعبیریں کی جاتی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ بحث اُلجھ سکتی ہے کہ انیسؔ کس قسم کے حقیقت نگار ہیں۔ قبل اس کے کہ اس پر بحث ہو، چند ضروری باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب ہوگا۔ واقعۂ کربلا تاریخِ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس کے اسباب و علل اور اثرات کی نوعیت ہمیشہ زیرِ بحث رہی ہے۔ پھر بھی اس واقعے کے واضح خط و خال ہیں جنھیں زمان و مکان کے آئینے میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ حقیقتیں ایسی ہیں، جن میں اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً امام حسینؑ کا حسب نسب، عربی سماج میں اُن کا مقام، یزید سے اُن کا اختلاف، اجلا وطنی، کربلا میں مختلف قسم کے مصائب جھیل کر شہید ہو جانا، خاندان کی ذی عزت خواتین کا قید ہونا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں وہ ہیں جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہو سکتا ہے تو جزئیات میں اور امام حسینؑ کے مقاصد کی تعبیر اور تفسیر میں۔ اور چونکہ میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں محض واقعۂ کربلا کو ہی بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا ہے جن کا کچھ حصہ محض تواریخ مقاتل میں پایا جاتا ہے۔ کچھ ان کے عقیدے کا جزو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے، جسے اُن کی شاعرانہ تخلیقی قوت وجود میں لاتی ہے۔ لیکن جسے امکان اور قیاس کی حدوں سے باہر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً یہ کہ اگر کسی تاریخ میں اس گفتگو کی تفصیلات نہ ملیں، جو امام حسینؑ اور ان کے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کے درمیان رخصت ہوتے ہوئے ہوئیں تو بھی ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو کربلا میں رُونما ہو رہے تھے، اُن کا تصور کر لینا کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

بعض نقادوں نے اسے واقعہ نگاری سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے حقیقت پر مبنی ہونے کی کسوٹی یہی ہے کہ کیا اُن کا بیان واقعۂ کربلا کی رُوح کے منافی ہے؟ کیا وہ فطرتِ انسانی سے بعید ہے؟ کیا اس کی جزوی باتیں کسی تاریخی حقیقت کو جھٹلاتی ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو اس واقعہ نگاری کو حقیقت نگاری قرار دیے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہیے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ جس بات کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ میر انیسؔ واقعۂ کربلا کی تاریخی حیثیت اور ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں اور امام حسینؑ کے دشمنوں کے متعلق کچھ عقیدے رکھتے تھے۔ اُن سے بھی سرِمُو انحراف کرنا اُن کے لیے ناممکن تھا۔ تاریخ اور عقیدے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کی روایات سے پیدا ہونے والی

کچھ فنی پابندیاں بھی تھیں، جنھیں اچھا شاعر کبھی نظر انداز نہیں کرتا اور سب سے بڑھ کر اودھ کے واجد علی شاہی ماحول میں بسنے والے سماج کو اپنے خیالات سے متاثر کرنا تھا۔ ان میں سے کسی چیز کو نظر انداز کر دینے سے انھیں ناکامی ہو سکتی تھی۔ جاگیرداری سماج کے زوال پذیر ماحول میں اخلاق کی قدریں بھی اپنے معنی بدل لیتی ہیں۔ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے معیار میں تبدیلی آجاتی ہے۔ زندگی کے وہ پہلو جو تعیش، نکمے پن اور تنگ ظرفی کی طرف مائل کرتے ہیں۔ پسندیدہ بن جاتے ہیں۔ اس ماحول میں تاریخ اور عقیدے کا سہارا لے کر ان اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو اُبھارنا جو کسی قوم کے دورِ عروج کا پتہ دیتی ہیں، آسان کام نہ تھا۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے اپنے سامعین کی ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر واقعۂ کربلا کے انھیں پہلوؤں پر سب سے زیادہ زور دیا، جو باطل کے مقابلے میں حق کا، شر کے مقابلے میں خیر کا اور بد اخلاقی کے مقابلے میں اخلاق کا علم بلند کرتے ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ایک ڈراما یا منظوم قصہ لکھنے والے کی تخلیقی قوتیں اپنے مقصد کے مطابق واقعات کو ترتیب دینے کے لیے آزاد ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جب کردار تاریخ کے جانے بُوجھے افراد ہوں (جیسا کہ واقعہ کربلا میں حصہ لینے والے کردار ہیں)، اُس وقت کسی شاعر یا ادیب سے کردار نگاری کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم مراثی انیسؔ کو غائر نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ان پابندیوں کے اندر آزادی کی جو راہیں نکال لی ہیں، وہ ان کی شاعرانہ عظمت اور تخلیقی صلاحیت کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ اُنھوں نے اُن کرداروں کو لیا، جن کے ساتھ کچھ تاریخی حقائق اور عقاید وابستہ تھے اور انھیں کو نفسیاتی اور جذباتی حیثیت سے ملنے اور تسلیم کیے جانے کے قابل بنا کر پیش کیا۔ وہ یہ تو نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے کرداروں کو اس سے مختلف بنا دیتے، جیسے کہ وہ واقعی تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی تخلیقی قوت سے کرداروں کے نقوشِ عمل کی زندگی میں ابھار سے نفسیاتی اور جذباتی پیچیدہ راستوں سے گزار کر اُن کی انسانی اور حقیقی خصوصیتوں کا احساس دلایا۔ غلطی سے بعض نقادوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مراثی انیسؔ کے سب کردار ایک سے ہیں۔ غالباً کہنے والوں کے یہاں یہی اُلجھن ہوگی کہ جب کرداروں کی سیرت اور افعال و اعمال معلوم ہیں اور جب شاعر انھیں کے اظہار پر مجبور رہے۔ یہی نہیں، بلکہ اپنے عقیدے کی وجہ سے وہ انھیں مثالی ہی بنا کر پیش کر سکتا ہے۔ تو پھر سب کی سیرتیں یکساں ہو جائیں گی۔ بعض خصوصیات میں یقیناً ان تمام کرداروں میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن جس شخص نے میر انیسؔ کے چار چھ مرثیے بھی سمجھ کر پڑھ لیے ہیں، وہ افراد مرثیہ میں ایک پر دُوسرے کا شبہ نہیں کر سکتا۔ شجاعت، صبر، وفا، حسن، بردباری، زہد، تسلیم و رضا، حق گوئی اور خدا رسی چند اہم صفات ہیں، جو امام حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن انھیں کے اندر باریک باریک پہلو پیدا کر کے میر انیسؔ نے ایک کو دُوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ کوئی شخص مراثی میں امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے کردار میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔ ہزارہا صفات میں مماثل ہوتے ہوئے بھی اُن میں زبردست فرق ہے اور اسی فرق کو مسلسل ملحوظ کرنا مرثیہ کی کردار نگاری کو خصوصیت بخشتا ہے۔ ہر مرد، ہر عورت، ہر بُوڑھا، جوان اور بچہ اپنی انفرادیت رکھتا ہے، جسے میر انیسؔ نے کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ تاریخ ان کی انفرادیت کو نمایاں کرنے سے قاصر رہ جائے شاعر نے کہیں کوتاہی نہیں کی ہے۔ لیکن یہ بات مرثیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں ہی کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ مثلاً جو یہ

نہیں جانتا کہ حبیب ابنِ مظاہر کون تھے، امام حسینؑ سے ان کے جذباتی اور ذہنی تعلقات کیا تھے، وہ کن حالات میں کوفہ کی ناکہ بندیوں کا حصار پار کر کے کربلا کے میدان میں پہنچے تھے، خاندانِ رسالت کے متعلق ان کے کیا عقائد تھے اور وہ یزید کو کیسا سمجھتے تھے؛ وہ پوری طرح حبیب ابنِ مظاہر کے اُس کردار کا اندازہ نہیں لگا سکے گا جو میر انیسؔ نے پیش کیا ہے۔ مرثیوں میں اُن کا ذکر چند بندوں میں ملے گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے جانے بغیر کوئی شخص مرثیہ نگار کی کاوشش کو سمجھ نہ سکے گا۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اگر اہم کرداروں کو لیا جائے تو بہت سی ایسی باتوں کو جاننے کی ضرورت ہوگی جو عام تاریخوں میں نہیں ملتیں، بلکہ مقاتل اور دوسرے ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں۔ یا ان کی بنیاد عقیدے پر رکھی جاتی ہے۔ ان کے متعلق شاعر کے نازک اور لطیف اشارے جن میں جذباتی پس منظر کو ابھار دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، ان لوگوں کے دل میں کوئی کیفیت نہیں پیدا کرتے، جو اُن سے واقف نہیں ہیں۔ یہ بات پوری دنیائے شاعری کے لیے صحیح ہے۔ لیکن مرثیوں کے لیے اور زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہاں واقعات اور جذبات کی زنجیریں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ایک واقعہ کے بیان سے بہت سے دوسرے واقعات نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جب کرداروں کے متعلق ناواقفیت ہو اور اشاروں، کنایوں اور استعاروں کی زبان سمجھ میں نہ آئے، اس وقت یہ سمجھنا کہ شاعر کردار نگاری میں ناکام رہا ہے، شاعر کے ساتھ ناانصافی ہے۔ مرثیہ کی کردار نگاری، ناول، افسانے اور ڈرامے کی کردار سازی سے مختلف ضرور ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ میر انیسؔ نے کرداروں کی ظاہری اور باطنی، جذباتی اور ذہنی کیفیات اور نفسیات کا لحاظ ہی نہیں رکھا اور بنے بنائے کرداروں کو بنی بنائی شکلوں میں بغیر کد و کاوش کے پیش کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کرداروں کا عمل ہمیں متاثر نہ کرتا اور ہمیں ان کے متعلق متجسس نہ بناتا۔ شاید ان کے کرداروں کے جان دار ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ میر انیسؔ نے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھی الوہی شان رکھتے تھے۔ عام طور سے کردار کے انسانی پہلوؤں ہی پر زور دیا ہے۔

کرداروں ہی کے سلسلہ میں ایک اور بات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کئی نقادوں نے کہا ہے کہ مرثیہ میں جو واقعہ ہے وہ سرزمینِ عرب سے تعلق رکھتا ہے، جو کردار ہیں وُہ بھی عرب کے ہیں۔ لیکن میر انیسؔ (اور دوسرے مرثیہ نگاروں نے بھی) انھیں ہندوستانی لباس میں پیش کیا ہے۔ یہ بات ایک غیر حقیقی فضا پیدا کرتی ہے اور مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ یہ مسئلہ اس حیثیت سے ضرور قابلِ غور ہے کہ مرثیہ نگاروں نے خالصتاً عربی مزاج اور کردار پیش کرنے کے بجائے وہ انداز اختیار کیا ہے، جو ہندوستانی مزاج اور اندازِ طبیعت کے لیے زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں تو جہاں تک میر انیسؔ کا تعلق ہے چند مقامات کے علاوہ کہیں ایسی صورت نہیں پیدا ہوتی، جس کا اطلاق محض ہندوستانی ماحول اور زندگی پر ہو سکے۔ امام حسینؑ، اُن کے اہلِ بیتؑ، عزیزوں، بچّوں اور ساتھیوں کے متعلق اتنا سمجھ لینا ضروری ہے۔ میر انیسؔ انھیں خوبیوں کا مجسمہ اور اعلیٰ ترین صفات کا مجموعہ سمجھتے تھے۔ ان کا ذہن نفاستِ مزاج، پاکیزگیِ ذوق، صدق مقالیٰ، شجاعت، بزرگوں کی اطاعت اور احترام، باہمی محبت، عزتِ نفس، خدا رسی اور صبر و شکر کے جس اعلیٰ معیار کا تصوّر کر سکتا تھا، انھوں نے اسی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ ان کی مثالی تصویریں ہندوستانی، ایرانی، عربی تمام مردوں اور عورتوں

میں یکساں ہی ہوں گی۔ میر انیسؔ انھیں مثالی تصویروں کی مدد سے اپنے کرداروں کو سمجھتے اور سمجھاتے تھے اور اسی میں انھیں کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ ان کرداروں میں کوئی بات عربی مزاج کے منافی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعتراض بلاغت یا حقیقت نگاری کی بنیاد پر نہیں، عقیدے کے فرق کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت زینبؑ، حضرت شہربانو یا بعض دُوسری خواتین کو بعض مواقع پر جو روتا یا فریاد کرتا دکھایا گیا ہے، وُہ اہلِ بیت رسالتؐ کی شان اور عربی مزاج کے منافی ہے۔

اوّل تو یہ کہ یہ بات نہ اہلِ بیتؑ کی شان کے منافی ہے نہ عربی مزاج کے فرق طرز اور مدارج کا ہو سکتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ ہمیں ان مواقع کو بھی پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے، جہاں اُن کو اس حالت میں دکھایا گیا ہے۔ کیا حقیقتاً وہ مواقع رونے اور فریاد کرنے کے منافی ہیں۔ انسانی نفسیات کے عام اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ چاہے کسی موقع پہ ان کا دفرِ پسندیدہ نہ ہو۔ لیکن عام طور پہ وہ حقائق سے انحراف کا پتہ نہیں دیتے۔ پھر مرثیہ گویوں نے انھیں محض روتا اور فریاد کرتا ہی نہیں دکھایا ہے، وقت آنے پر کوہِ صبر و استقلال بنتے ہوئے بھی پیش کیا ہے۔ ان خواتین کے کردار میں رونے دھونے اور صبر کرنے کے الگ الگ مواقع ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو میدانِ جنگ میں مرنے کے لیے بھیجتی ہیں اور یہ جان کر بھیجتی ہیں کہ ان کا جان دینا کیوں ضروری ہے۔ وہ انھیں روکتی نہیں، ان کا دل بڑھاتی ہیں، بزرگوں کی بہادری اور جرأت کے قصّے سناتی ہیں، جان دینے میں سبقت کرنے کے لیے اپنے حق کی قسم دلاتی ہیں، پردے کے پیچھے سے ان کے جنگ کرنے کے منظر کو دیکھتی اور ان کی بہادری پر فخر کرتی ہیں۔ لیکن جب اُن کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھتی ہیں تو ایک ماں کی طرح بلک بلک کر روتی ہیں۔ وہ عربی یا ہندوستانی نہیں ہیں، ماں ہیں۔

یہ میر انیسؔ کے مرثیوں کا عام انداز ہے۔ جس سے کسی مقام پر انحراف نہیں ملتا۔ ہاں! اگر وہ اپنے بچوں کو رخصت کرتے وقت یہ فقرہ بھی کہہ دیتی ہیں کہ تمھیں دُولہا بنانے کی آرزو تھی تو یہ بھی ایسی بات نہیں ہے کہ عربی خاتون کے دل میں نہ پیدا ہوتی ہو۔ کہنے والوں نے یہ بات ہمیشہ مبہم شکل میں کہی ہے۔ کہیں اس کی تصریح نہیں کی ہے کہ وہ کون سے پہلو ہیں، جو عربی کردار میں نہیں پائے جاتے صرف ہندوستانی کردار میں پائے جاتے ہیں، ورنہ شاید اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی۔

جہاں تک واقعۂ کربلا کا تعلق ہے وُہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن جب وُہ شاعر کی زبان سے بیان ہوتا ہے تو تاریخ کے مفہوم میں تاریخ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ مرثیہ نگار تاریخ نگار نہیں ہو سکتا۔ میر انیسؔ نے یہی کیا ہے۔ اُنھوں نے تاریخی واقعات بیان کرنے کے بجائے وہ فضا پیدا کر دی ہے جو تاریخ کے منافی نہیں ہے۔ تاثرات اور تصورات، جذبات اور کیفیات کی وہ فضا جو کربلا کے المیہ کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے پر شاعر کے یہاں پیدا ہونی چاہیے، وہ انیسؔ اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ ہم واقعات پر غور کرنے کے بجائے ان سے پیدا ہونے والی فضا کا تاثر قبول کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص جو اس فضا کا تصور نہ کر سکے، مرثیوں سے پُوری طرح کیونکر متکیف ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص مرثیہ نگار کے عقیدے میں شریک ہو جائے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جب تک واقعۂ کربلا کا جزوی اور تفصیلی علم نہ ہو، جب تک افرادِ مرثیہ کے متعلق پُوری واقفیت نہ ہو، جب تک مرثیہ میں آنے والی تلمیحوں، اشاروں اور کنایوں کو سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو مرثیہ کے ادبی اور شعری پہلوؤں سے لطف اندوز ہونا مشکل ہے۔ ارسطو نے تاریخ اور شاعری کے

فرق سے بحث کرتے ہوئے موضوعاتِ شاعری کی جس عمومیت پر زور دیا تھا، اُس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تاریخ خاص خاص واقعات کو لیتی ہے اور شاعری عام واقعات کو۔ بلکہ یہ بھی تھا کہ شاعری واقعات کے بجائے فضا کی ترجمانی کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تاریخی واقعات شاعری کے دائرے سے یکسر خارج ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور اس پر شعریات کے کسی ماہر اور ناقد نے اصرار نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکالنا چاہیے کہ شاعر تاریخی واقعات کے بیان میں تاریخ سے بالکل بے نیاز ہو جائے یا انھیں توڑ مروڑ کر بیان کرے ہرگز نہیں۔ بس یہ ہے کہ وہ تاریخ سے انحراف نہ کرتے ہوئے بھی مورخ نہیں ہے، شاعر ہے۔ مراثیِ انیسؔ کے مطالعہ کے وقت اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اس ضمن میں ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابھی اس صورتِ حال کا جائزہ لیا جا چکا ہے کہ میر انیسؔ نے عربی کرداروں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ خالصتاً عربی نہیں معلوم ہوتے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ نہ صرف کردار نگاری میں، بلکہ رسم و رواج اور بعض دُوسرے معاملات کے بیان میں انھوں نے ہندوستانیت کو راہ دی ہے۔ مثلاً حضرت قاسمؑ کی شادی کے ذکر کے سلسلے میں بعض ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے شادی کے ایسے لوازم پر روشنی پڑتی ہے جن کا تعلق صرف ہندوستان سے ہے۔ یا صندل سے مانگ بھرنے اور دُلھن کو تاروں کی چھاؤں میں بیاہ کر لانے کا ذکر ہے جس سے ہندوستانی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً یہ باتیں ایسی ہیں، جن سے ہندوستانی نقطۂ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن کیا حقیقتاً اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میر انیسؔ نے اس چھوٹی سی بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ عرب اور ہندوستان میں شادی بیاہ کی رسمیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں مَیں پھر یہی بات عرض کروں گا کہ ان سے نہ تو حقیقت مجروح ہوتی ہے، نہ کسی قابلِ اعتراض غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ یہاں بھی مرثیہ نگار کا مقصد واقعہ کی حقیقی شکل کو پیش کرنا نہیں بلکہ اُس فضا کا پیدا کرنا ہے، جو اس واقعہ کی طرف منسوب کی جا سکے۔ چونکہ میر انیسؔ کا مقصد ایک مجمع کو متاثر کرنا اور ان کے جذباتِ الم کو برانگیختہ کرنا بھی تھا، اس لیے انھوں نے ایسے ہی اشاروں اور استعاروں سے کام لیا، جو ان کے سامعین کو متاثر کر سکتے تھے۔ واقعہ کی نوعیت میں تبدیلی نہیں ہوئی، اظہار و بیان میں تغیر ہوا ہے۔ یہ بات بحث طلب ہے کہ حضرت قاسمؑ کی شادی ہوئی بھی یا نہیں مرثیہ نگار نے عام روایت سے فائدہ اٹھایا ہے اور رنج و الم کی آگ کو تیز کرنے کے لیے اس واقعہ کو بھی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاں کہیں بھی ایسے مواقع آتے ہیں، شاعر واقعہ کو واقع کی حیثیت سے پیش کرنے کے بجائے اُس کے جذباتی پہلو پر زور دیتا ہے، تاکہ اس کا ادبی اور شاعرانہ مقصد پُورا ہو۔ میر انیسؔ نے اگر ہندوستانی رسموں کا ذکر کیا ہے تو اس کا یہی مقصد ہے۔

یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ ایپک اور ٹریجیڈی نہ ہوتے ہوئے بھی مرثیہ اعلیٰ شاعری کی تمام خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ ان دونوں اصنافِ ادب میں جذبات کی تنظیم اور بلند اخلاقی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو عالمی ادب میں جتنی اعلیٰ پایہ کی نظمیں ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی زندگی کے انھیں پہلوؤں اور انھیں مقاصد کو بلند کرتی ہیں، جو سماجی اور انفرادی بہتری میں معین ہوں۔ یونانیوں کے یہاں شعر محض کا کوئی تصور نہ تھا۔ اُن کے منظومات

اور ڈرامے دیوتاؤں، وطن اور انسانوں کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ دوسرے ملکوں کی اہم ترین نظمیں بھی اسی مقصد کو پورا کرتی تھیں۔ مرثیہ اس خصوصیت میں کسی دوسری نظم سے پیچھے نہیں۔ یہاں وعظ و پند، نصیحت اور تلقین کی ضرورت نہیں۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے عمل سے جو اعلیٰ اخلاقی نمونے پیش کیے ہیں، ان کا ڈرامائی اثر خود متوجہ کر لیتا ہے۔ یہاں یہ بات تفصیل سے نہیں پیش کی جا سکتی کہ واقعۂ کربلا میں اخلاق کی کون سی اعلیٰ قدریں پوشیدہ تھیں۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی ایک واقعہ بہ یک وقت زندگی کے اتنے اہم پہلوؤں کو پیش کر سکے اور چند مردوں، عورتوں اور بچوں کے عمل سے ان کی ناقابلِ فراموش صورت گری ہوئی ہو۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخلاق اور بداخلاقی کا جو تصادم کربلا میں ہوا، اُس نے زندگی کے مثبت پہلوؤں کو اور زیادہ روشنی میں پیش کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ نگار اور اس میں میر انیسؔ بھی شامل ہیں، واقعۂ کربلا کو اسلام کی مجموعی تاریخ کے چوکھٹے میں رکھ کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں دُور تک اسباب و نتائج کے رشتوں کو بھی نہیں دیکھ رہی تھیں، وہ شعوری طور پر حسینی پیغام کی اشاعت بھی نہیں کر رہے تھے اور نہ زندگی کے اس نصب العین کی فلسفیانہ توجیہہ کر رہے تھے، جس کے لیے امام حسینؑ نے قربانی دی تھی۔ لیکن پھر بھی چونکہ اس معرکے نے زندگی اور موت، حق اور باطل، نیکی اور بدی کی متضاد قدروں کو ایک دُوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا تھا اُن کا مظاہرہ فیصلہ کن انداز میں ہو گیا تھا۔ اس لیے اگر انھوں نے واقعات کو فلسفیانہ اور فکری پس منظر کے بغیر بھی پیش کر دیا تو اس میں وہ سارے اخلاقی پہلو آ گئے، جن سے ایسی کش مکش کے موقع پر انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اگر میر انیسؔ کے مرثیوں سے ہر موقع کی مثالیں پیش کی جائیں تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا ہے کہ میر انیسؔ نے وعظ و تلقین کے دفتر کھولے بغیر افرادِ مرثیہ کے عمل سے اخلاقیات کا ایک لازوال خزانہ پیش کر دیا ہے لیکن کہیں کہیں؛ اور خاص مرثیوں کی تمہید میں زندگی کے عبرت ناک پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے واعظانہ اور ناصحانہ رنگ بھی اختیار کر لیا ہے۔ اگر ہم مرثیہ کے موضوع کو پیشِ نگاہ رکھیں تو یہ بات کچھ زیادہ قابلِ گرفت نہیں کہی جا سکتی۔ تاہم مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ حصے مرثیے کے بہترین حصے نہیں ہیں اصل اخلاقی کشش ان حصوں میں ہے جہاں اپنے مقصد کی صداقت، برتری اور گہرائی پہ کامل یقین رکھتے ہوئے بچے، جوان، بُوڑھے، عورت اور مرد سب موت کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں تاکہ امام حسینؑ کے مقصد کو تقویت پہنچے۔ اس طرح مرثیہ (وہ مختصر مرثیے نہیں جو محض اظہارِ عقیدت کے لیے یا صرف رونے رُلانے کے لیے لکھے جاتے رہے ہیں) شاعری کے اس اعلیٰ مقصد کو بھی پُورا کرتا ہے، جو اس کے اندر پوشیدہ ہے۔

میر انیسؔ کی شاعری کا وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مدِمقابل قرار دیے جا سکتے ہیں، وہ اُن کی انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسی کی مصوری ہے۔ اس میں محاکاتی شاعری، جذبات نگاری، اجتماعی مواقع کی ہل چل اور اُن کی مرقع کشی اور انفرادی کش مکش کے مناظر اور ان کی مصوری تمام چیزیں شامل ہیں۔ انھیں جگہوں پر اُن کے کمالِ فن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ واقعۂ کربلا کی تفصیلات سے واقفیت رکھنے والے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ واقعات کی

پیچیدگی، عقیدہ کی پابندیاں، جوشِ شجاعت، امام کی اطاعت، قربانی کی خواہش، مقصد کی برتری کا احساس، آخر وقت تک گمراہوں کی اصلاح کی کوشش، محبت اور تعلقات کے مختلف مدارج اور ایسے ہی دُوسرے عناصر نے یکجا ہو کر ایسے لاتعداد جذباتی پہلو پیدا کر دیے تھے، جنھیں سادہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے اس پہلو کا مطالعہ سنسکرت اور پراکرت کے قدیم تنقیدی تصوّرات کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے تو اس کا حُسن پُوری طرح نمایاں ہوگا۔ ہندوستان کے قدیم علمائے ادب نے انسانی جذبات کو بنیادی طور سے نَو رسوں میں تقسیم کیا تھا، جن میں محبت، نفرت، شجاعت، سکون، حیرت، خوف، غصہ، مسرت اور غم شامل ہیں پھر اُن کے امتزاج اور مدارج سے مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان جذبات کا بیان سادہ ہوگا۔ اگر صرف ان کی شدت اور خِفت کا تذکرہ مقصود ہو۔ لیکن اگر کہیں خوف، حیرت اور نفرت کے جذبات مل جائیں، غصہ اور شجاعت ایک ہو جائیں۔ محبت میں غم کی آمیزش ہو جائے تو پھر ان کو کیمیاوی انداز میں محلول کر کے فن کے سانچے میں ڈھالنا، الفاظ میں قید کرنا آسان نہیں رہ جاتا۔ مرثیوں میں اس کے لاتعداد مواقع آتے ہیں اور میر انیسؔ اکثر نہایت کامیابی سے ان منازل سے گزر جاتے ہیں بلکہ بعض مقامات کے لیے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں جتنی زیادہ پیچیدگیاں اور شدت ہے، وہاں انھیں زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جہاں بہت سے متصادم اور پُر شور جذبات کی کش مکش ہے، وہاں اُنھوں نے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے اسے بڑی خوبی سے ممزوج کر کے پیش کیا ہے۔ اس کی مثالیں حسبِ ذیل مراثی میں بڑی آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں ؛

۱ - جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا

۲ - نمک خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری

۳ - بہ خدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

۴ - فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے

۵ - جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

۶ - پھُولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

۷ - جاتی ہے کس شکوہ سے رَن میں خدا کی فوج

۸ - جب زُلف کو کھولے ہُوئے لیلائے شب آئی

۹ - جب رَن میں سربلند علیؑ کا عَلم ہوا

۱۰ - کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

۱۱ - جب خاتمہ بخیر ہُوا فوجِ شاہ کا

۱۲ - یہ زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا

یہ چند مرثیوں کا تذکرہ ہے۔ دُوسرے مراثی میں بھی موضوعِ زیرِ بحث کی اچھی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اشارے کے طور پر

چند مواقع کا تذکرہ مناسب نہ ہوگا۔ امام حسینؑ مدینہ سے رخصت ہو رہے ہیں مستقبل کا پتہ نہیں۔ مدینہ میں اُن کا جو مرتبہ ہے اس کے پیشِ نظر ان کے ہم وطنوں، عزیزوں، جاں نثاروں، ساتھ جانے والوں اور نہ جانے والوں کے جذبات' حضرت مسلمؑ کے کم سِن بچوں کی شہادت کا بیان، راستہ کی پریشانیاں، سفر کی صعوبتیں، حُر کی فوج کا راستہ روکنا، مستقبل کی جھلک' اپنے بچوں کی پیاس پہ دشمن فوج کی پیاس کو ترجیح دینا، کربلا میں آمد، دریا کے کنارے قیام کرنے پر اختلاف، حُر کی زندگی میں کشمکش اور فیصلہ کی رات، عون و محمد کے جذبات اور ماں سے گفتگو وغیرہ وغیرہ۔ ان مواقع کو ایک سے زیادہ جگہوں پر میر انیسؔ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ محض اُن کی قدرت کا بیان نہیں، نفسِ انسانی کے علم کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔

اس مختصر مقدمہ میں منظر نگاری، رزم آرائی، گھوڑے اور تلوار کی تعریف، سراپا کا بیان اور ساقی نامہ وغیرہ کی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ زبان و بیان کی فنی خصوصیات پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق بہت زیادہ اختلافِ رائے نہیں ہے۔ لیکن اس بات کی طرف متوجہ کرنا البتہ ضروری ہے کہ ہر فن پارے کو ہم دو حیثیتوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک اس کی ظاہری ساخت اور اس کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے، دُوسرے اندرونی وحدت کے نقطۂ نظر سے، جو شروع سے آخر تک موضوع کے تانے بانے میں رنگ بھرتی رہتی ہے۔ انھیں کی مکمل ہم آہنگی سے شاعری میں عظمت اور تاثیر کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اب جہاں تک مراثی انیسؔ کی ظاہری ساخت کا تعلق ہے ان میں یکسانیت نہ ہونے کے باوجود تمہید یا چہرہ، رخصت، آمد اور سراپا، رجز، جنگ، شہادت اور بین کی ترتیب قائم رہتی ہے۔ کوئی مرثیہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محض شہادت اور بین پہ مبنی ہو اور کوئی ایسا بھی جس میں شہادت کے بعد کے واقعات بیان کیے گئے ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مرثیہ میں یہ تمام اجزا پائے جائیں۔ اس ظاہری تقسیم کا تعلق جیسا کہ سرسری نظر سے بھی دیکھنے پر ظاہر ہوگا، موضوعِ مرثیہ سے نہیں ہے۔ یہ ایک واقعاتی ترتیب ہے، جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ موضوع بھی عظیم اور پُر اثر ہے یا نہیں۔ ایک دُوسری صورت غور کرنے کی وہی ہو سکتی ہے جو ہم ناول یا ڈرامے پر غور کرتے وقت کام میں لا سکتے ہیں، یعنی ترتیب واقعات (ابتدا، عروج اور منتہا) کردار، کش مکش اور مقصد کی خصوصیات کی روشنی میں شاعر کی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ۔ یہاں واقعہ کی ظاہری ترتیب اور اندرونی وحدت دونوں پر بیک وقت غور کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ نقاد کا کام ہے کہ وہ مراثیِ میر انیسؔ کے مطالعہ میں جو طریقِ کار چاہے استعمال کرے۔ اُسے دیکھنا تو یہی ہوگا کہ جس قسم کا موضوع ہے اس کی مناسبت شاعر کے احساسِ فن سے ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں شاید یہ کہنا مناسب نہ ہو کہ واقعہ کی عظمت اور موضوع کی اہمیت کا احساس نہ ہوتا تو میر انیسؔ کے احساسِ فن کو چار چاند نہ لگتے۔ اچھی شاعری سے ایک نظم اچھی بن سکتی ہے، لیکن اسے اعلیٰ بنانے کے لیے ایک عظیم واقعہ ہونا چاہیے، جو انسانی احساس کو جھنجھوڑ سکے اور جس کی مدد سے جذبات کے رشتوں میں بہتر تنظیم پیدا کی جا سکے۔ مختلف جہتوں سے واقعۂ کربلا اس کے لیے بہت موزوں اور مناسب تھا اور میر انیسؔ کے فنی شعور نے جس پہ عربی، فارسی اور اردو شاعری کی بہترین روایات کا پرتو پڑ رہا تھا، اس سے بہترین کام لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس زوال پذیر سماجی ماحول میں میر انیسؔ کی شاعری پروان چڑھی اُس میں عقیدے کے سہارے

کے بغیر اس طرح کی رزمیہ، اخلاقی اور سنجیدہ نظموں کا تصور مشکل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میر انیسؔ کی شاعری میں بھی بعض مقامات پر صناعی کی بے جا کوششوں میں اُس دور کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ میر انیسؔ کے سوانح حیات پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کی سیرت میں ایسی خصوصیتیں اکٹھی ہو گئی تھیں، جو انھیں اس قسم کی اخلاقی اور رزمیہ شاعری کے لیے موزوں بناتی تھیں۔ ان کی تعلیم کے متعلق ہمارے پاس تفصیلی معلومات نہیں ہیں۔ لیکن اندرونی شہادتوں پہ نظر رکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے عربی فارسی کی صرف درسی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، بلکہ قرآن اور حدیث، منطق اور عروض، بیان و بدیع کا مطالعہ اس طرح کیا تھا کہ اُن سے اپنے موضوع کے سلسلے میں واقف کارانہ انداز میں کام لے سکتے تھے۔ عربی فارسی محاورات، تلمیحات، اقوال، خیالات، امثال اور اصطلاحات کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں اُن کے ذہن میں حاضر تھیں۔ میر انیسؔ کا خاندانی اور مذہبی ماحول بھی ان کی سیرت کی تشکیل میں معین ہوا۔ صرف یہی نہیں کہ اُن کی پانچ پشتیں شبیرؑ کی مدّاحی میں بسر ہوئی تھیں، بلکہ فارسی اردو شاعری کی بہترین روایات کو انھوں نے اپنے اندر جذب کیا تھا۔ اس کا زندہ ثبوت اُن کا کلام ہے۔

میر انیسؔ کے جو حالات مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچے ہیں، جن اخلاقی قدروں کو انھوں نے سراہا ہے، جن انسانی صفات کی انھوں نے تصویر کشی کی ہے، ان سب سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بُرد بار، وضعدار، قانع، خود دار، غیور اور نازک مزاج انسان تھے۔ ذاکرِ حسینؑ ہونے کی وجہ سے ان کا کلاہِ افتخار میں ایک ایسا طرّہ بھی آویزاں ہو گیا تھا، جس کے سامنے وہ تاج شاہی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اسی ذہنی کیفیت نے انھیں عزتِ نفس، غیرت، بُردباری، پاسِ وضع اور خودداری کا پرستار بنا دیا تھا اور چونکہ واقعہ کربلا کے بیان میں انھیں ان اقدار کو مثالی طور پر پیش کرنے کا موقع ہاتھ آگیا تھا اس لیے اُن کی شخصیت کو بھی اظہار کا پُورا موقع مل گیا۔ فن کاری کے نقطۂ نظر سے یہ بہت بڑی بات ہے کہ فن کار کی شخصیت اس کے موضوع سے ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ چیز تاثیر کا خزانہ بن جاتی ہے اور میر انیسؔ کا سخت سے سخت نقاد بھی اُن کے تاثیرِ کلام کا منکر نہیں ہو سکتا۔

اُردو شاعری کی رفتارِ ترقی میں دربار کو ایک ایسی جگہ حاصل ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے خیالات اور طرزِ اظہار کی مخصوص روایتیں وجود میں آگئی تھیں۔ جو شاعر اس سے محفوظ رہے ان کے یہاں خیال و بیان میں کچھ تبدیلی ہوئی ورنہ شخصی اور انفرادی اندازِ نظر کے علاوہ شاعری کی دُنیا محدود رہی۔ میر انیسؔ نے اس طلسم میں گرفتار ہونا پسند نہیں کیا۔ انھوں نے ذکرِ حسینؑ کو اپنے لیے سب سے بڑا ذریعۂ افتخار سمجھا اور درباری وابستگی کے مقابلے میں آزاد فضا کو اپنے مسلکِ شاعری کے لیے زیادہ مفید پایا۔ اس سے ایک طرف تو انھیں عوام میں عزت ملی اور دُوسری طرف اُمرا خود اُن کی نازبرداری پر مجبور رہے ہوئے کیونکہ بہت دنوں کے بعد پھر شاعر نے اپنی اہمیت، خودداری اور بلند منصبی کا مظاہرہ کیا اور شاعر کو سماج میں ایک بلند مقام ملا۔ میر انیسؔ نے اپنے ذاتی مزاج، شاعرانہ غرور اور موضوع کے تقدس کو یکجا کر کے عوام اور خواص دونوں سے وہ خراجِ تحسین حاصل کیا، جو مشکل ہی سے کسی شاعر کے حصے میں آیا ہوگا۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مرثیوں نے ایک محدود

فضا میں ادبی ذوق کی تربیت کا جو فرض انجام دیا، وُہ کسی دُوسری صنف سے نہ ہو سکا۔ ایک وقت وہ تھا کہ مرثیہ کو فنِ شعر سے کوئی ربطِ خاص نہ تھا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے بعد مرثیہ شاعری میں ایک مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ اُسے صرف ادب کی ایک مستند صنف کا درجہ حاصل نہیں ہوا، بلکہ بہت سے شعرا کے لیے وہ منارۂ ہدایت بن گیا۔ دُورِ جدید کے نہ جانے کتنے شعرا نے انیسؔ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر کسبِ فیض کیا ہے اور اگر مرثیہ کے زندہ عناصر سے تخلیقی رابطہ قائم کیا جائے تو یہ فیض رسانی اور بہتر نتائج برآمد کر سکتی ہے۔ موضوع سے جذباتی آہنگی جتنی شاعری کے لیے ضروری ہوتی ہے اتنی ادب کے دوسرے اصناف کے لیے نہیں ہے۔ مرثیہ بیانیہ شاعری کے دائرے میں آنے کی وجہ سے خارجی اندازِ نظر کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن عقیدہ، شخصی میلان اور جذباتی وابستگی کے امتزاج سے اُس کے اکثر حصے محض بیانیہ نہیں رہ جاتے۔ یہی سبب ہے کہ میر انیسؔ کو جس طرح منازل کے محاکاتی بیان میں کامیابی حاصل ہوئی، اُسی طرح جذبات کی مصوری میں بھی قدرتِ بیان کے اظہار کا موقعہ ملا اور ان تمام کوششوں میں انھیں جس چیز سے سب سے زیادہ مدد ملی، وُہ خود ان کا موضوع تھا، جس کے واقعاتی اور جزئیہ امکانات کو پوری طرح پیش کرنے کے لیے ایک واقعی ایپک کی ضرورت تھی۔

اس مقدمہ کو ختم کرنے سے پہلے اس قدر اور کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پڑھنے والوں کا ایک طبقہ مراثیِ انیسؔ کو مذہبی اور معتقدانہ نظمیں سمجھ کر نظر انداز کرتا ہے، اُسی طرح ایک اور طبقہ ان کو محض عقیدے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ عقیدے کی آنکھ عیبوں اور خامیوں کوتاہیوں اور غلطیوں ہی پر پردہ نہیں ڈالتی بلکہ وہ صحت مند نقطۂ نظر بھی پیدا نہیں ہونے دیتی جو ادبی اور فنی مطالعہ کے لیے ضروری ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جو لوگ واقعۂ کربلا کو مرکزِ عقیدت بناتے ہیں، وہ مرثیہ میں بیان کردہ واقعات اور تاثرات کو اوّلاً اسی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لیے مرثیہ میں ادبیت ہو یا نہ ہو، شاعری ہو یا نہ ہو، فنی پختگی ہو یا نہ ہو، انھیں وہی عزیز ہوتا ہے۔ لیکن میر انیسؔ کے مرثیوں کے مطالعہ میں اس تنگ نظری کی ضرورت نہیں۔ یہاں واقعات کی پُر اثر اور شاعرانہ تصویر کشی سے جذباتِ عقیدت کی تسکین بھی ہوتی ہے اور احساسِ فن کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس کا جذبہ بھی آسُودہ ہوتا ہے۔ میر انیسؔ نے مرثیہ کو وہ شکل دے دی جہاں اُس میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی۔ اور اردو شاعری کے بہت سے وہ پہلو جو تشنہ تھے یا زوال آمادہ، تمدنی حالت میں پسندیدہ نہیں رہے تھے، نمایاں حیثیت اختیار کر گئے۔ مثلاً اہم اخلاقی موضوع کو نظم کی بنیاد بنانا، رزمیہ اندازِ بیان اختیار کرنا، نفسیاتی اور حقیقت پسندانہ پہلوؤں پر زور دینا، شاعری کو فطرت کی مصوری کے لیے استعمال کرنا، زبان کے بہترین عناصر اور سنجیدہ اندازِ بیان کے اعلیٰ ترین اسلوب سے کام لینا، ان تمام باتوں نے مل کر مرثیہ کو ایک خاص قسم کی نظم بنا دیا، جو اپنی وسعت کے لحاظ سے ایپک اور اپنے تاثر کے لحاظ سے ٹریجیڈی کی سرحدوں کو چھُوتی ہے۔ اس میں ایپک کے دائرے میں آنے والی گوناگونی بھی ہے اور ٹریجیڈی کو کامیاب بنانے والی وحدتِ عمل اور وحدتِ زمان و مکان بھی۔

ہومر کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ بھی کبھی کبھی اُونگھ جاتا تھا۔ میر انیسؔ کو غلطیوں اور خامیوں سے پاک سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ ان کے یہاں زبان و بیان کی خامیاں بھی ہیں اور واقعات کے رشتوں اور مناسبتوں کو نظر انداز کر جانے کی کوتاہیاں بھی۔

لیکن خوبیاں ان کی پردہ پوشی بن جاتی ہیں۔ تاہم ان کا ادبی اور تنقیدی مطالعہ کرنے والوں کو محاسن کے ساتھ معائب سے بھی واقف ہونا چاہیے۔

شمس العلما مولوی الطاف حسین حالی کی تحریر کا عکس

دو رباعیاں میر انیس کی شان میں

اردو کا گو رواج چار سو تیرا ہے
شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ اک ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس =
اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی لکھنؤ جو تھی تو اسکی بہار
دونوں کو ہے دعوے کہ ہمارا تھا انیس

کتبہ: محمد شریف گل

سیرۃ کی چار جلدوں کے بعد

۱۹۸۳ء

کا سال دیگر ادبی موضوعات کے لیے مخصوص ہوگا

۱۹۸۴ء

میں اس نمبر کو پھر شروع کر کے

۱۹۸۵ء

میں مکمل کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ!

پھر

یہ نمبر صدیوں تک قابلِ ذکر رہے گا۔
یہ نمبر کم و بیش دس ہزار صفحات پر مشتمل ہوگا۔

★ ادارۂ نقوش



★

میری زندگی کا حاصل ؟

رسُولؐ نمبر

محمد طفیل